حیاتِ نور

عبدالقادر (سابق سوداگرمل)

طبع اول
قیمت مجلد دس روپے

پرنٹر و پبلشر شیخ عبدالہادی زاہد: مقام اشاعت چراغ سٹریٹ ۳۴ دہلی دروازہ لاہور: پنجاب پریس وطن بلڈنگ لاہور سے شائع کی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم
وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

عرضِ حال

الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ "حیاتِ طیبہ"[1] یعنی سوانح حیات حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو احباب کی خدمت میں پیش کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے "حیات نور" یعنی سیرت و سوانح حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ لکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ کتاب گو میرے اندازے سے زیادہ ضخیم ہو گئی ہے۔ مگر میں نے سوچا کہ حضرت فضل عمر مصلح موعود اور پسر موعود کا مبارک زمانہ ہے اور ابھی تک خدا تعالیٰ کے فضل سے متعدد جلیل القدر صحابہ بھی موجود ہیں اور حضرت خلیفۃ المسیح سیدنا نور الدین رضی اللہ عنہ کا زمانہ پانے والے احباب تو سینکڑوں کی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ اس لئے اس کتاب میں مَیں نے سوانح کے ساتھ ساتھ سیرت کے حصہ کو بھی شامل کر لیا۔ کیونکہ اس زمانہ میں آپ کی سیرت کے واقعات کا جمع کرنا آسان تھا۔ اب اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی۔ تو انشاء اللہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت پر بھی ایک کتاب لکھوں گا۔ تاکہ "حیات طیبہ" بھی دونوں پہلوؤں کے لحاظ سے مکمل ہو جائے۔

افسوس ہے کہ اس کتاب کی اشاعت سے قبل قمر الانبیاء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کا وصال ہو گیا۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔ "حیات طیبہ" کی تصنیف کے ہر مرحلہ پر میں آپ سے برابر استصواب کرتا رہا۔ اور مجھے فخر ہے کہ اس کتاب کو حضرت قمر الانبیاء نے دو مرتبہ پڑھا۔ پہلی مرتبہ سرسری طور پر اور جب دوسرا ایڈیشن نکلا۔ تو گہری نظر سے، اور پھر دو خطوں میں، باوجود بیماری کے اپنے دست مبارک سے تحریر فرما کر اپنے نہایت ہی قیمتی مشوروں سے نوازا جنہیں انشاء اللہ تیسرے ایڈیشن میں پوری طرح مدنظر رکھا جائے گا۔

---

[1] "حیات طیبہ" کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر قبولیت عطا فرمائی ہے۔ کہ اب تک احباب کی طرف سے اظہار خوشنودی پر مشتمل خطوط آ رہے ہیں۔ اور بنگلہ زبان میں اس کا ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک

اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار احسان ہے۔ کہ اس نے مجھے "حیات نور" کا مسودہ بھی حضور کی خدمت میں پیش کرنے کا موقعہ عطا فرمایا۔ پہلے آپ کے ارشاد کے ماتحت میں نے حضرت حافظ مختار احمد صاحب شاہجہانپوری کو ایک حصہ مسودہ* حضور کے ہاتھ میں دے کر اس کے بابرکت ہونے کے لئے دعا کی درخواست کروں گا، جس وقت میں نے آپ کی کوٹھی پر حاضر ہو کر اندر اطلاع بھجوائی۔ تو بیماری کی وجہ سے آپ کی طبیعت نہایت ہی کمزور تھی، اور ضعف کا یہ حال تھا، کہ دیوار کے ساتھ سہارا لے لیکر نہایت ہی تکلیف کے ساتھ آپ برآمدہ میں تشریف لائے۔ مگر چہرہ ہشاش بشاش تھا دو آدمیوں کے سہارے سے آپ کرسی پر تشریف فرما ہوئے۔ میں نے مزاج پرسی کے بعد مسودہ آپ کے ہاتھ میں دیا اور یہ کہنا چاہتا تھا، کہ حضور اس پر دعا فرمائیں۔ مگر میری زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ نکل گئے۔ کہ "حیاتِ طیبہ" کا پیش لفظ تو حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ نے لکھا تھا، اب میں حیران ہوں کہ اس کتاب کا پیش لفظ لکھنے کے لئے کس بزرگ سے درخواست کروں۔ مگر خدا تعالیٰ گواہ ہے۔ کہ جب یہ الفاظ میری زبان سے نکلے۔ اس وقت میرے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی، کہ میں بیماری اور کمزوری کے ان ایام میں آپ کو "پیش لفظ" لکھنے کی تکلیف دوں، مگر قربان جایئے اس رحیم و کریم انسان پر کہ میرا یہ فقرہ سنکر فوراً فرمایا۔ کہ دس دن کے لئے یہ مسودہ میرے پاس رہنے دیں، میں اسے پڑھوں گا۔ اس مختصر سی گفتگو کے بعد میں آپ سے رخصت ہو کر لاہور آگیا۔ آپ کی کمزوری اور ضعف کو مدنظر رکھ کر میں نے آٹھویں دن لکھا۔ کہ اگر مسودہ حضور نے ملاحظہ فرما لیا ہو تو میں لینے کے لئے حاضر ہو جاؤں۔ اس کا جواب آپ کی طرف سے یہ آیا۔ کہ میں ان ایام میں زیادہ بیمار رہا ہوں، اس لئے دیکھ نہیں سکا، مگر دیکھوں گا ضرور! اس جواب کے پانچ چھ دن کے بعد مجھے اتفاق سے ربوہ جانا پڑا۔ آپ کی خدمت میں بھی حاضری ضروری تھی، کیونکہ ربوہ جا کر آپ سے ملاقات کئے بغیر چین ہی نہیں آتا تھا۔ جب حاضر ہوا۔ تو آپ کسی مہمان سے گفتگو فرما کر اٹھے ہی تھے، مجھے دیکھ کر فرمایا۔ ان دنوں میرے گھر سے اس قدر بیمار رہے ہیں۔ کہ جب رات پڑتی تھی، تو میں سمجھتا تھا، شائد رات ختم ہونے سے پیشتر یہ اپنے مولیٰ کے حضور میں حاضر ہو جائیں گے اور جب دن چڑھتا تھا، تو خیال آتا تھا۔ شائد دن غروب ہونے سے پہلے یہ حادثہ پیش آجائے گا، اور میری اپنی حالت تو آپ دیکھ ہی رہے ہیں۔ مگر آپ تسلی رکھیں۔ میں انشاء اللہ دیکھوں گا ضرور۔ اس کے بعد میں واپس آگیا۔ ہفتہ عشرہ کے بعد میں نے لکھا۔ کہ حضور! اگر کاتب کو مسودہ جلد نہ دیا گیا۔ تو جلسہ سالانہ تک اس کتاب کا تیار ہونا مشکل ہو جائے گا۔ میری اس عرضداشت پر ابھی چند روز ہی گذرے

* چار پانچ دن بعد پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میری نیت صرف یہ تھی کہ مسودہ

تھے کہ آپ نے ازراہِ نوازش وہ "پیش لفظ" لکھ کر بھیج دیا۔ جو اس کتاب کی زینت بن چکا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے۔ کہ وہ حضرت قمر الانبیاء کے فیوض کو قیامت تک جاری رکھے، اور اپنے حضور اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔ آمین یا ارحم الراحمین ۔

"حیاتِ طیبہ" نام تو قمر الانبیاء نے رکھا تھا، مگر افسوس کہ آپ کی بیماری کے پیش نظر میں اس کتاب کے نام کے متعلق آپ سے استفسار نہیں کر سکا۔ مگر اس خیال کے پیش نظر کہ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے سب سے پہلے سوانح نگار حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی نے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کے سوانح حیات لکھنے کا عزم بالجزم کیا تھا، اور کتاب کا نام "حیات نور" تجویز فرمایا تھا، بلکہ چند قسطیں اپنے اخبار "الحکم" میں لکھی بھی تھیں۔ اس لئے ان کی خواہش کے احترام میں میں نے اپنی کتاب کا نام "حیات نور" رکھ لیا۔ قارئین کرام سے درخواست ہے کہ وہ اس کتاب کی قبولیت کے متعلق بھی دعا فرمائیں ۔

مرقاۃ الیقین فی حیاتِ نور الدّین

احباب جانتے ہیں کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے اپنی زندگی میں اپنے سوانح حیات کا ایک حصہ اکبر شاہ خان صاحب نجیب آبادی کو لکھوا دیا تھا، جو "مرقاۃ الیقین فی حیات نور الدین" کے نام سے چھپ چکا ہے۔ اکبر شاہ خان صاحب نے اس کا دوسرا حصہ بھی لکھا تھا، مگر ان کے سلسلہ سے علیحدہ ہو جانے کی وجہ . . . . سے وہ محفوظ نہیں رہ سکا۔ الحمد للہ کہ اب خاکسار کو یہ مفصل کتاب احباب کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت نصیب ہو رہی ہے، احباب دعا فرمائیں۔ کہ اللہ تعالیٰ میری اس حقیر خدمت کو قبول فرمائے اور میرے گناہوں سے درگذر فرما کر بغیر حساب کے اپنی رحمت کی آغوش لے لے۔ آمین ثم آمین!

الراقم

محمد عبد القادر (سابق سوداگرمل)

مربی سلسلہ احمدیہ مقیم مسجد احمدیہ بیرون دہلی دروازہ۔ لاہور

۱۱ر نومبر ۱۹۶۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

و علیٰ عبدہ المسیح الموعود

"حیاتِ نور"

پیش لفظ

رقم فرمودہ قمر الانبیاء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ

شیخ عبدالقادر صاحب مربی سلسلہ احمدیہ لاہور اپنی معرکۃ الآراء تصنیف "حیاتِ طیبہ" (سیرۃ حضرت مسیح موعود علیہ السلام) کی وجہ سے جماعت میں کافی متعارف ہو چکے اور شہرت پا چکے ہیں۔ اب انہوں نے خدا کی توفیق سے حضرت حاجی الحرمین مولوی حکیم نورالدین صاحب خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کی سیرۃ لکھنی شروع کی ہے اور مجھ سے اس کا پیش لفظ لکھنے کے لئے درخواست کی ہے۔

حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ اپنے علم و فضل اور تقویٰ و طہارت اور توکل علی اللہ اور اطاعتِ امام میں ایسا مقام رکھتے تھے۔ جو بعض لحاظ سے

عدیم المثال تھا۔ آپ کی تعریف میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ شعر کافی ہے :۔

چہ خوش بودے اگر ہر یک زِ امّت نور دیں بودے!

ہمیں بودے اگر ہر دل پُر از نورِ یقیں بودے

دوسری جگہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے اس مردِ مومن کے متعلق یہ شاندار توصیفی الفاظ استعمال کئے ہیں کہ مولوی نور الدین صاحب اس طرح میری پیروی کرتے ہیں۔ جس طرح انسان کی نبض اس کے دل کی حرکت کے پیچھے چلتی ہے۔ حقیقتاً حضرت مولوی صاحب کا **مقامِ اطاعت** اور **مقامِ توکل** بہت ہی بلند تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام دعوٰی سے پہلے یہ دعا فرمایا کرتے تھے۔ کہ خدا تعالٰی مجھے کوئی ایسا مددگار عطا فرمائے۔ جو میرا دستِ و بازو ہو کر کام کر سکے۔ چنانچہ جب حضرت خلیفہ اول رضؓ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ تو انہیں دیکھتے ہی حضور کے دل سے یہ صدا نکلی۔ کہ :۔

هٰذَا دُعَائِیْ

"یعنی یہ مردِ مومن میری دعاؤں کی قبولیّت کا نتیجہ ہے!"

حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کی ارفع شان اور علم کی گہرائی اور خداداد بصیرت اس بات سے بھی ظاہر ہے کہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانی ابھی بچہ ہی تھے۔ کہ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے ان کے متعلق وثوق کے ساتھ فرمایا۔ کہ

یہی ہونے والا مصلح موعود ہے'

میں نے شیخ عبدالقادر صاحب کی اس کتاب کو کہیں کہیں سے دیکھا ہے۔ مگر میں امید کرتا ہوں۔ کہ خدا کے فضل سے یہ کتاب بھی قریباً قریباً اسی شان کی کتاب ہوگی جو انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سوانح میں لکھی ہے' مجھے یقین ہے کہ دوست اس مفید کتاب کی اشاعت میں زیادہ سے زیادہ حصہ لیں گے۔ تاکہ حضرت خلیفۂ اول رضی اللہ عنہ کے انوار قدسیہ سے زیادہ سے زیادہ برکت حاصل کر سکیں ؛

خاکسار

مرزا بشیر احمد

ربوہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ   نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

وَعَلٰی عَبْدِہِ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ

"حیاتِ نور" سے متعلق بزرگانِ سلسلہ کی آراء اور تبصرے

حضرت حافظ مختار احمد صاحب شاہجہانپوری تحریر فرماتے ہیں:-

چربہ تحریر حضرت حافظ صاحب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

میں نے اپنے آقا سیدنا حضرت مولوی حکیم نورالدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوانح سے متعلق مکرمی مولوی شیخ عبدالقادر صاحب مربی جماعت احمدیہ لاہور کا مضمون از اول تا آخر سن لیا ہے میری رائے میں یہ مضمون نہایت عمدہ، دلچسپ اور مفید ہے۔ میں اس سے بہت خوش ہوا ہوں اور متمنی ہوں کہ یہ جلد شائع ہو جائے تا دنیا کو فائدہ پہنچائے فقط۔

خاکسار مختار احمد عفا اللہ عنہ شاہجہانپوری

۵ اپریل سنہ ۶۳ء

مکرم و محترم جناب مولانا عبدالرحمٰن صاحب جٹ امیر جماعت احمدیہ قادیان ۔ جن کی تحریر کا عکس آپ بالمقابل صفحہ پر دیکھ رہے ہیں، کتاب "حیاتِ نور" پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

عزیزم مکرم شیخ عبدالقادر صاحب فاضل مربی سلسلہ عالیہ احمدیہ مقیم لاہور
مصنف "حیاتِ طیّبہ"

نے حضرت خلیفۃ المسیح اول سیدنا نورالدین رضؓ کی جو سوانح عمری "حیات نور" کے نام سے مرتب کی ہے، اس کے مطالعہ سے (ان) لوگوں کو جنہوں (نے) حضور رضؓ کا زمانہ پایا ہے اور حضور کے اقوال و ارشادات کو خود اپنے کانوں سے سنا ہے، یوں معلوم ہوتا ہے۔ گویا وہ مبارک زمانہ پھر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ کتاب پڑھنے سے حضور کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت، قرآن کریم سے عشق اور اللہ تعالیٰ پر توکل، بلند اور آہنی عزم، حکیمانہ ارشادات، اتفاق اور اتحاد کی تلقین، ضرورت خلافت، نظام کی اہمیت اور اطاعتِ امام سے متعلق پر روز تقریریں جب سامنے آتی ہیں، تو مؤلف کے لئے دل سے دعا نکلتی ہے ؛

اس کتاب کی مدت سے ضرورت محسوس ہو رہی تھی ۔ مؤلف قابل صد مبارک باد ہیں ۔ کہ انہوں نے پوری تحقیق و تدقیق اور محنت و عرقریزی سے کام لے کر حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کی ایک جامع سوانح عمری تیار کر کے ہمارے ہاتھوں میں دے دی ہے، اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں۔ واقعات کی ترتیب، چھان بین اور تفاصیل کے لحاظ سے یہ کتاب یقیناً اس قابل ہو گئی ہے کہ اب بعد میں آنے والا کوئی مؤرخ اس مضمون پر لکھتے وقت اسے نظر انداز نہیں کر سکے گا ؛

اس کتاب کی تالیف میں زیادہ خوش کن بات مجھے یہ نظر آتی ہے ۔ کہ واقعات کے اندراجات کے وقت اس امر کو پورے طور پر ملحوظ رکھا گیا ہے ۔ کہ مفہوم بیان کرنے کی بجائے حضور رضؓ کے اپنے الفاظ درج کئے جائیں ۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء فی الدنیا والاخرۃ ؛

خاکسار عبدالرحمٰن امیر جماعت احمدیہ قادیان
۱۵ ستمبر ۱۹۶۳ء

اخویم محترم جناب مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری ایڈیٹر رسالہ "الفرقان" لکھتے ہیں :۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الاول مولانا نورالدین رضی اللہ عنہ وارضاہ اس قرن میں اسلام کے وہ بے مثال فدائی ہیں جنہوں نے اپنا سب کچھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں نثار کر دیا، وہ پہلے فرزند اسلام

"حیات نور" پر حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب جٹ
امیر جماعت احمدیہ قادیان کے تبصرے کا عکس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

مکرمی محترم شیخ عبد القادر صاحب فاضل مربی سلسلہ عالیہ احمدیہ مقیم لاہور
مصنف "حیاۃ طیبہ"
نے حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کی جو سوانح عمری
حیات نور کے نام سے مرتب کی ہے اس کے مطالعہ سے لوگوں
کو حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کا زمانہ یاد آ جاتا ہے اور حضور رضی اللہ عنہ کے اقوال و
ارشادات کو حضور رضی اللہ عنہ کی زبان سے سنتے ہوئے معلوم ہوتا ہے
گویا وہ پیارا زمانہ پھر آنکھوں کے سامنے آ گیا ہے
کتاب شریف سے حضور رضی اللہ عنہ کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے
محبت قرآن کریم سے عشق اور وسیع علم، توکل، بلند اخلاق اور
ذہنی عزم، حکیمانہ ارشادات "القرآن"، قیام کی تعلیم تبلیغ [illegible] خدمت
نظام کی اہمیت اور اطاعت امام سے متعلق پُر نور تقریریں
بہت سامنے آتی ہیں جو مولف کے دل کے [illegible] سے
اس کتاب کی [illegible] حضرت [illegible] مولف قابل مبارکباد ہیں
کہ انہوں نے بڑی تحقیق و تدقیق اور محنت [illegible] کام لیکر
حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کی [illegible] سوانح عمری تیار کر کے [illegible]
[illegible] اور [illegible] میں [illegible] واقعات [illegible] حیات [illegible]
[illegible] کے لحاظ سے [illegible] قابل [illegible]
[illegible] کی [illegible] اس [illegible] میں
اس کتاب کو [illegible] زیادہ [illegible] مجھے نظر آتی ہے کہ واقعات
کے اندراجات کے [illegible]
کہ مفہوم بیان [illegible] حضور رضی اللہ عنہ [illegible] اپنے الفاظ درج
[illegible] فجزاہ اللہ احسن الجزاء فی الدنیا والآخرۃ

[illegible] امیر جماعت احمدیہ قادیان
[illegible]

ہیں جنہوں نے عصر حاضر میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ماموریت کی آواز پر سب سے پہلے لبیک کہی اور پھر اس راہ میں آخر تک قربانی کا ایک نادر نمونہ قائم فرمایا۔

وہ احمدی جماعت کے جملہ افراد کے لئے قابل تقلید اسوہ ہیں، ان کے حالات کا مطالعہ کرنا اور اس طریق پر گامزن ہونا، جو آپ نے زندگی بھر اختیار کی۔ ہر سچے احمدی کا فرض ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ؎

چہ خوش بودے اگر ہر یک ز امت نور دیں بودے
ہمیں بودے اگر ہر دل پُر از نورِ یقیں بودے

اخوم محترم جناب شیخ عبدالقادر صاحب نے اپنی تازہ تصنیف "حیاتِ نور" کے ذریعہ ایک بیش بہا خدمت سلسلہ کی ہے، کتاب نہایت محنت اور پوری کاوش سے لکھی گئی ہے اور واقعات کی چھان بین میں شیخ صاحب موصوف نے اپنا مؤرخانہ مستقل طریق عمل ہر مرحلہ پر قائم رکھا ہے۔ کتاب کی کتابت طباعت اور کاغذ بھی نہایت عمدہ ہے۔ ہر جگہ اخلاص کی جھلک نمایاں ہے، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر بخشے، اور اس کتاب کو احباب کے لئے نافع بنائے۔ آمین!
اس کی بکثرت اشاعت از بس ضروری ہے۔

خاکسار ابوالعطا جالندھری ۱۸۔ نومبر سنہ ۱۹۶۳

مکرم و محترم جناب چوہدری محمد اسد اللہ خاں صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور تحریر فرماتے ہیں :-
آپ کی تالیف منیف "حیاتِ نور" کا اب تک کا طبع شدہ حصہ جو ۴۱۶ صفحات پر مشتمل ہے، خاکسار نے پڑھا ہے، آپ کے لئے اور حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کے لئے بے اختیار دل سے دعا نکلتی ہے، جو حالات حضرت ممدوح رضی اللہ عنہ کی زندگی کے اس حصہ میں درج ہیں، ان کے مطالعہ سے اللہ تعالیٰ سبحانہٗ کی ذات اور صفات پر ایمان کو ایک نئی جِلا ملی اور آپ کے لئے بھی دل جذبات تشکر اور محبت سے معمور ہے کہ آپ نے مومنوں کے لئے تسکینِ روح کا ایک اور سامان مہیا فرمایا اور غیر مومنوں کے لئے رحیم و کریم و رحمٰن "اللہ" کی بے پایاں قدرت و جبروت پر ایمان لانے کی راہیں آسان کر دیں
آپ کی یہ تصنیف پڑھ کر اللہ تعالیٰ کے اس وعدے پر یقین اور محکم ہوا کہ:-

جے توں میرا ہو رہیں سب جگ تیرا ہو

اللہ تعالیٰ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کے درجات میں بلندی عطا فرمائے۔ آمین! اور آپ کی اس مساعی جمیلہ کو اپنی قبولیت کی سند عطا فرما کر آپ کو اپنے دین حقہ کی بیش از بیش خدمت کرنے کی

توفیق وافر عطا فرمائے۔ آمین اور آپ کی اولاد کو آپ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے جو کوئی بھی آپ کی اس کتاب کو پڑھے گا۔ ضرور فائدہ حاصل کرے گا اور یہ مطالعہ ہر نوع سے ہو پڑھنے والے کے لئے ازدیادِ ایمان و ایقان کا موجب ہوگا۔

جزاکم اللہ احسن الجزاء فی الدنیا والآخرۃ

والسلام

۲۰ نومبر ۱۹۶۳ء

خاکسار اسد اللہ خاں

محترم جناب ملک غلام فرید صاحب ایم۔ اے "حیات نور" پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

خلافت ثانیہ کے نہایت شاندار اور لمبے دور کی وجہ سے جماعت کا نوجوان طبقہ قدرتاً مسیح پاک کے صدیق سیدنا حضرت نور الدین اعظم[1] رضی اللہ عنہ کی روحانی عظمت اور صدق و صفا کے اس نمونہ سے جو انہوں نے اپنے آقا علیہ السلام کے ساتھ دکھایا اور جس کی نظیر حضرت صدیق اکبر سیدنا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا شائد ہی کہیں ملے، بے خبر ہو رہا تھا، اور جماعت میں شدت سے اس بات کا احساس تھا، کہ آپ کی سیرت پر کوئی ایسی کتاب لکھی جائے۔ جو اس کمی کو پورا کرے، سو الحمد للہ کہ مکرمی جناب مولانا شیخ عبد القادر صاحب نے اس کمی کو نہایت احسن طریق سے پورا کر دیا ہے، آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ کے سوانح حیات پر ایک مبسوط کتاب "حیاتِ نور" کے نام سے تصنیف فرمائی ہے۔ میں نے اس کا ایک حصہ دیکھا ہے۔ کتاب ایسے "دلکش اور لطیف پیرائے" میں لکھی گئی ہے۔ کہ جب تک ان چار سو صفحات کو جو مجھے دیئے گئے تھے۔ ختم نہ کر چکا۔ میں اس کو اپنے سے علیحدہ نہ کر سکا۔ ابھی نصف حصہ کتاب کا باقی ہے۔ مگر اس کا پہلا حصہ زبانِ حال سے کہہ رہا ہے۔ کہ ؎

قیاس کن ز گلستانِ من بہارِ مرا

مکرمی شیخ صاحب نے اس کتاب میں حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کی سیرت کے ہر پہلو پر سینکڑوں واقعات نہایت صاف اور سادہ۔ تصنع اور تکلف سے نا آشنا طریق پر جمع کر دیئے ہیں۔ کتاب کے قریباً ہر صفحہ پر حضرت ممدوح کی سیرت کا کوئی نہ کوئی ایسا واقعہ درج ہے جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ نور الدین

---

[1] میرے اس سوال پر کہ آپ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ کو "اعظم" کس پہلو سے کہتے ہیں۔ محترم جناب ملک صاحب نے فرمایا کہ اعظم سے میری مراد یہ ہے۔ کہ "نور الدین" نام کے جتنے اشخاص گذر چکے ہیں، ان سب میں آپ کو نمایاں مقام حاصل تھا، ورنہ نعوذ باللہ من ذالک میرا یہ مطلب نہیں کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بھی بڑے تھے:۔ مؤلف

اعظم کس روحانی عظمت کے مالک تھے اور کس قدر دنیا اور دنیا والوں سے بے نیاز اپنے رب پر توکل کرنے والے اپنے آقائے نامدار آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح پاک کے سچے اور وفادار خادم تھے ؛

مولانا شیخ عبدالقادر صاحب جو ایک نیک اور سادہ طبیعت کے انسان ہیں ۔ انہوں نے ایک بہت بڑے روحانی مگر نہایت سادہ انسان کے حالات زندگی بہت سادہ مگر بہت دلکش پیرائے میں بیان کر دیئے ہیں ۔ آپ نے یہ کتاب تصنیف فرما کر ایک بہت بڑی کمی کو پورا کر دیا ہے ، اور جماعت احمدیہ پر عموماً اور جماعت کے نوجوان طبقہ پر خصوصاً بہت بڑا احسان فرمایا ہے ؛

میں خود برسوں حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بیٹھا ہوں ، اور دن رات آپ کے درس سنے اور انہیں اپنی کاپیوں پر نوٹ کیا ۔ مولانا شیخ عبدالقادر صاحب کی اس کتاب کے پہلے نصف حصہ کے مطالعہ نے حضرت ممدوح کے متعلق میرے علم اور حضور کے ساتھ میری محبت میں بہت بڑا اضافہ کیا ہے ۔ اس کتاب کی تصنیف میں مولانا نے ہزاروں ہی صفحات کھنگال ڈالے ہیں ، اور بہت ہی محنت اٹھائی ہے ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے ۔ آمین

غلام فرید ملک ۶۳ - ۱۱ - ۲۰

محترم جناب شیخ بشیر احمد صاحب سابق جج ہائی کورٹ ۔ وممبر نگران بورڈ ۔ اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں : ۔

زمانہ کروٹیں لیتا چلا جاتا ہے ، پرانے نقوش مٹتے اور نئے ابھرتے چلے جاتے ہیں حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کا عہد اس کی یاد اور اس سے جو فوائد ہم لوگوں نے حاصل کئے ۔ نئی پود بہت حد تک اس سے ناواقف ہے ، ان بظاہر مٹتی ہوئی یادوں کے متعلق بعض امور اس انداز کے ہوتے ہیں کہ انہیں قائم رکھنا اور ہر ممکن طریق سے انہیں بھولنے نہ دینا ، احیاء قوم کے لئے از بس ضروری ہوتا ہے اللہ تعالیٰ بھلا کرے شیخ عبدالقادر صاحب کا کہ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سوانح پر حیات طیبہ لکھ کر ایک اہم ضرورت کو پورا کیا ۔ اب ان کی دوسری کوشش "حیات نور" ہے جس کا ایک حصہ جستہ جستہ میں نے دیکھا ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں کچھ ایسے انداز سے اسلوب بیان کی توفیق عطا فرمائی ہے ۔ کہ مضمون میں جدت اور ندرت دونوں موجود ہیں ، بے ساختہ پن ہے کوئی تصنع نہیں اور طریق اظہار خیال ایسا دلنشین کہ دل یہی چاہتا ہے کہ پڑھتے چلے جائیں ۔ شیخ صاحب نے کتاب میں حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی کی مجالس کا زندہ نقشہ کھینچ کر رکھ دیا ہے ، پڑھنے والا یوں محسوس

کرتا ہے کہ گویا وہ خود شریک مجلس ہے اور یہ سارا واقعہ اس کا آنکھوں دیکھا ہے، ایک حد تک ماضی کو دہرانے میں وہ کامیاب رہے ہیں، اور تاثر کے اعتبار سے انہوں نے قارئین کے لئے نہایت قیمتی روحانی مواد فراہم کر دیا ہے، وہی قومیں زندہ رہتی ہیں۔ یا زندہ کہلانے کی مستحق ہوتی ہیں، جو اپنے اسلاف کے کارناموں کو نہیں بھولتیں۔ خدا کرے۔ کہ ایسی تحریروں کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ ہوتی رہے اور اس قسم کی قلمی کوششوں کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہو۔ افراد جماعت کا فرض ہے کہ وہ ایسی تصانیف خرید کر مصنفوں کی حوصلہ افزائی کریں اور وہ فریضہ جو قوا انفسکم واھلیکم ناراً کی شکل میں اللہ تعالےٰ نے ہر فرد پر قائم کیا ہے۔ اس کی ادائیگی کی طرف متوجہ ہوں ؛

اللہ تعالیٰ اس تصنیف کو بنی نوع انسان کی روحانی بہبودی کا ذریعہ بنائے، اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا عشق لوگوں کے دلوں میں پیدا کرے اور ہر فرد جماعت کو توکل کا وہ مقام حاصل ہوجائے۔ کہ ہر فرد کے متعلق یہ کہا جاسکے۔ کہ ؎

چہ خوش بودے اگر ہر یک زمت نور دیں بودے
ہمیں بودے اگر ہر دل پُر از نور یقیں بودے

بشیر احمد
۲۱-۱۱-۶۳

مکرمی ومحترمی جناب قاضی محمد اسلم صاحب سابق پرنسپل گورنمنٹ کالج لاہور (حال) ہیڈ آف دی فلاسفی ڈیپارٹمنٹ پنجاب یونیورسٹی - لاہور تحریر فرماتے ہیں :-

آپ نے کتاب "حیات نور" دیکھنے کا موقعہ دیا - اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے - جلدی جلدی کئی حصے دیکھے - نہایت دلچسپ اور دلکش - جہاں سے بھی پڑھنا شروع کر دیا جائے، وہیں ایسی جذب پیدا ہوجاتی ہے کہ چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا - آپ کا سٹائل نہایت سادہ اور دل پر اثر کرنے والا ہے، آپ نے ترتیب بھی خوب دی ہے۔

اس کتاب کی تالیف سے ہمارے زمانے اور سارے برِاعظم ہند و پاکستان کی پچھلی صدی کی تاریخ کا ایک عظیم حصہ ریکارڈ میں آگیا ہے اور سلسلہ احمدیہ کی تاریخ کا بہت بڑا باب -

حضرت خلیفۃ اول رضی اللہ عنہ کی شخصیت کے پہلو کئی ہیں - حضور کے حالات پڑھ کر دل، دماغ اور روح تینوں میں جِلا پیدا ہوتا ہے - میں نے بھی حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا ہوا ہے وہ تصویر کبھی محو نہیں ہو سکتی، امرتسر میں جماعت کو خطاب کر رہے ہیں - اس تقریب کے بعد میرے بڑے بھائی ڈاکٹر محمد منیر صاحب نے بیعت کی - میں اس وقت چھوٹا تھا" خاکسار محمد اسلم ۲۳/۱۱/۶۳

مکرم و محترم جناب چوہدری محمد انور حسین صاحب امیر جماعت احمدیہ شیخوپورہ دممبر نگران بورڈ تحریر فرماتے ہیں :۔

مکرم شیخ عبدالقادر صاحب فاضل عربی سلسلہ عالیہ کو یہ شرف حاصل ہوا ہے۔ کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سوانح مبارک "حیات طیبہ" کی تصنیف کے بعد حضرت مولانا حکیم نورالدین صاحب خلیفہ المسیح الاول رضی اللہ عنہ کی مفصل سوانح حیات لکھیں ؛

مجھے یہ کتاب پڑھنے کا موقعہ ملا ہے۔ فاضل مصنف نے سیدنا حضرت مولانا نورالدین رضی اللہ عنہ کی سیرت کے حالات اور واقعات ایسے **دلکش**، سادہ، اور **لطیف** پیرائے میں ترتیب دیئے ہیں۔ کہ جب میں نے اس کتاب کا مطالعہ شروع کیا، جب تک ختم نہیں ہوئی۔ میں اسے اپنے سے جدا نہیں کر سکا۔ کتاب نہایت **محنت** اور **کاوش** سے لکھی گئی ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ فاضل مؤلف کو اس کی تالیف میں سینکڑوں کتابوں کا مطالعہ کرنا پڑا ہوگا ؛

میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ "حیات طیبہ" کی طرح "حیات نور" بھی انشاء اللہ سلسلہ کی بلند پایہ کتب میں شمار ہوگی اور ہمارے اداروں اور لائبریریوں کی زینت ہوگی۔ فاضل مؤلف نے یہ بڑی عمدہ اور نفیس کتاب لکھ کر سلسلہ کی ایک بہت بڑی خدمت کی ہے خصوصاً نئی پود کے لئے تو یہ ایک بیش بہا **روحانی مائدہ** ہے جس سے انہیں کماحقہٗ فائدہ اٹھانا چاہیئے ؛

میں محترم شیخ عبدالقادر صاحب کو مبارکباد دیتا ہوں، کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ عظیم کارنامہ سرانجام دینے کی توفیق عطا فرمائی اور دعا کرتا ہوں کہ مولا کریم انہیں آئندہ بھی بیش از بیش خدمت سلسلہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین !

خاکسار

محمد انور حسین

۲۷/۱۱/۶۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم   نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم ؕ

بیان حضرت شیخ صاحب دین صاحب ڈھینگرا سکنہ گوجرانوالہ

آج مورخہ ۲۹ر نومبر ۱۹۶۳ء کو گوجرانوالہ سے حضرت شیخ صاحب دین صاحب ڈھینگرا تشریف لائے، آپ کی عمر اس وقت نوے سال سے اوپر ہے، آپ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے بیعت تو ۱۸۹۱ء میں کی تھی۔ لیکن سلسلہ کے ریکارڈ میں ۱۸۹۲ء میں لکھا گیا ہے۔

سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا بہت ابتدائی زمانہ کی بات ہے۔ جب حضرت مولانا نورالدین صاحبؓ جموں سے گوجرانوالہ تشریف لائے۔ تو میں نے آپ کی خدمت میں تقریر کرنے کے لئے عرض کی جس پر آپ نے میری درخواست منظور فرما کر مسجد کمہاراں میں تقریر فرمائی۔

آپ ۱۹۰۴ء کا واقعہ یوں بیان فرماتے ہیں۔ کہ جب حضرت اقدس تقریر کرنے کے لئے لاہور تشریف لائے۔ تو جو نوجوان گھوڑوں کی بجائے حضور کی گاڑی کھینچنے کے لئے تیار ہوئے تھے، ان میں مَیں بھی تھا مگر جب حضور اس پر رضامند نہ ہوئے، اور گھوڑے جوتے گئے۔ تو میں گاڑی کے پیچھے کھڑا ہو کر چھاتہ کے ذریعے حضور کو سایہ کر رہا تھا، میں نے حضور کی خدمت میں رقعہ لکھا تھا، کہ حضرت مولانا حکیم نورالدین صاحب کو بلا لیا جائے، لوگ ان کے مواعظ حسنہ سے فائدہ اٹھائیں گے، اس پر حضور نے حضرت مولوی صاحب کو بلا لیا۔ میں نے حضرت مولوی صاحب کی خدمت میں عرض کی، کہ حضرت! لوگ آپ کے مواعظ حسنہ سے مستفیض ہونا چاہتے ہیں، کچھ فرمایئے، اس پر آپ نے فرمایا۔ ایک ہوتا ہے امیر اور وہ ہیں حضرت مرزا صاحب اور ایک ہوتا ہے مامور اور وہ میں ہوں، اگر حضور مجھے حکم دیں، تو میں حاضر ہوں، ورنہ میں "اگر دھت" (خواہ مخواہ آگے آنے والا) نہیں بننا چاہتا۔ اس پر میں نے حضرت اقدس کی خدمت میں لکھا۔ حضور کی طرف سے اجازت آنے پر حضرت مولوی صاحب نے وعظ بیان کرنا شروع فرما دیا۔

ملتان کا واقعہ بیان کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ جب حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ ملتان میں شہادت دینے کے لئے تشریف لے گئے، تو ان ایام میں ملتان کی جماعت کا سیکرٹری میں تھا۔ اس لئے حضور کی رہائش اور دیگر جملہ انتظامات کا انچارج میں ہی تھا۔

نوٹ: حضرت شیخ صاحب گو بوڑھے ہیں۔ لیکن بہت باہمت آدمی ہیں۔ انکم ٹیکس کے مقدمات کی پیروی کے لئے عموماً اکیلے ہی لاہور آتے جاتے ہیں، یہ امر میرے لئے باعث مسرت ہے، کہ حضرت شیخ صاحب خاکسار کی بڑی بہو کے دادا ہیں۔

خاکسار

عبدالقادر مؤلف کتاب ہذا ۳ر دسمبر ۱۹۶۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست عنوانات

پہلا باب
عہد طفولیت اور زمانہ طالبعلمی

چوتھا باب

چھٹا باب

نواں باب

دسواں باب

ضروری تصحیح۔ صفحہ نمبر ٦٨٧ کے حاشیہ کی عبارت اسطرح پڑھیئے "یہ وہ عبداللہ نہیں۔ جو بعد میں ڈاکٹر عبداللہ صاحب کے نام سے مشہور ہوئے۔ مؤلف۔

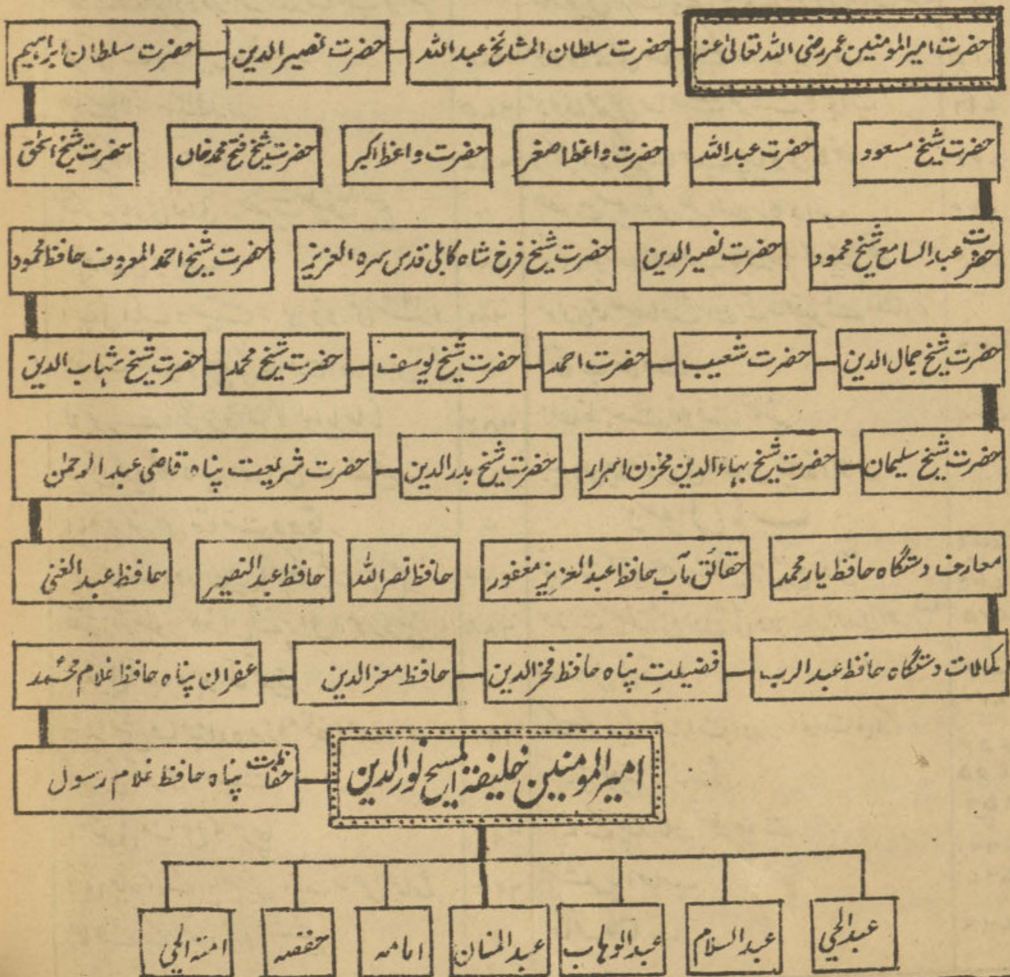
شجرۂ نسب

سیدنا حضرت مولانا حکیم نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاولؓ

(منقولہ از بدر ۲۸ مارچ ۱۹۱۲ء)

حضرت خلیفۃ المسیح خلیفہ ثانی فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ کا شجرۂ نسب حاصل کر کے ہم واقفیت عامہ کے واسطے درج اخبار کرتے ہیں۔ آج سے ۱۳ صدیاں قبل حضرت عمرؓ خلافت نبوی کے مالک ہوئے تھے۔ آج ان کے ایک بیٹے کو خدا تعالیٰ نے ایک نبی کا خلیفہ اول بنا دیا ہے۔ فالحمد للہ علی ذالک۔

ایڈیٹر





شبیہ مبارک حضرت مولانا حاجی حکیم نور الدین صاحب
خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ



شبیہ مبارک حضرت حافظ حاجی مولانا حکیم نور الدین صاحب
خلیفة المسیح الاول رضی اللہ عنہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ   نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

پہلا باب

عہدِ طفولیت اور زمانہ طالب علمی

شجرۂ نسب حضرت مولانا حاجی حافظ حکیم نورالدین خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے نسب نامہ سے ظاہر ہے کہ آپ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کے بزرگوں میں سے متعدد افراد اولیاء اللہ میں سے ہوئے ہیں۔ آپ کے خاندان کو قرآن مجید کے حفظ کرنے کی طرف بھی بہت توجہ رہی ہے۔ چنانچہ آپ کے شجرہ نسب سے ظاہر ہے کہ آپ سے لے کر اوپر گیارھویں پشت تک تمام بزرگ، قرآن مجید حفظ کرتے چلے آئے ہیں۔

آپ کے والدین آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی حضرت حافظ غلام رسولؒ تھا۔ آپ بھیرہ ضلع شاہ پور کے باشندے تھے۔ قرآن کریم سے آپ کو اس قدر عشق تھا کہ ہزار ہا روپیہ صرف کر کے بمبئی سے قرآن مجید لا کر پنجاب کے شہروں اور دیہات میں پھیلایا کرتے تھے۔

آپ کی والدہ ماجدہ اعوان قوم میں سے تھیں، نور بخت نام تھا۔ اور میاں قادر بخش صاحبؒ سکنہ کہانہ[1] کی صاحبزادی تھیں۔ حضرت نور بخت صاحبہ اس زمانہ کے دیندار گھرانوں کے رواج کے مطابق قرآن کریم کا ترجمہ اور کچھ فقہ کی کتابیں شہر کے چھوٹے بچوں کو پنجابی زبان میں پڑھایا کرتی تھیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے بھی قرآن کریم اور چند فقہ کی کتابیں اپنی والدہ ماجدہؒ ہی سے پڑھی تھیں۔

---

[1] "کہانہ" تحصیل پنڈ دادن خاں ضلع جہلم میں ایک گاؤں ہے۔ جو بھیرہ سے اندازاً گیارہ بارہ میل کے فاصلہ پر دریائے جہلم کے پار واقعہ ہے۔

آپ چونکہ نجیب الطرفین تھے اس لئے آپ کے بچپن کا ماحول بھی نہایت ہی پاکیزہ تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ آپ کے والدین نے نہ تو کسی بچّے کو سزا دی اور نہ گالی۔ آپ کی والدہ محترمہ جن سے سینکڑوں لڑکوں اور لڑکیوں نے قرآن کریم پڑھا ہے۔ وہ اگر کسی بچے سے ناراض ہوتی تھیں تو یہ کہا کرتی تھیں کہ "محروم نہ جاویں یا نا محروم"[1]

آپ کی پیدائش اور دُودھ چھڑانے کا واقعہ ۱۲۵۸ھ مطابق ۱۸۴۱ء

آپ ۱۲۵۸ھ یا ۱۸۴۱ء[2] یا سمت ۱۸۹۸ کے قریب بھیرہ ضلع شاہ پور میں پیدا ہوئے۔ آپ اپنے سات بھائیوں اور دو بہنوں میں سب سے چھوٹے تھے اور اس بارے میں آپ کو اپنے آقا و مطاع حضرت میرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ایک گونہ مشابہت تھی۔ کیونکہ حضرت میرزا صاحب بھی اپنے والدین کے ہاں آخری اولاد تھے۔ آپ کا حافظہ نہایت غضب کا تھا۔ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے وہ زمانہ بھی یاد ہے جبکہ میری والدہ نے میرا دُودھ چُھڑانے کے لئے اپنے پستان پر کوئی کالی دوا لگا کر مجھے ڈرایا تھا اور میں نے اپنے بھائی سے کہا تھا کہ ہوّا ہے اسے مٹا دو۔ دودھ چھڑانے کے بعد میری بھاوج نے اکثر مجھ کو اپنے پاس رکھا وہ مجھ کو کھلاتے اور بہلاتے ہوئے اکثر یہ کہا کرتی تھیں کہ انت الھادی انت الحق لیس الھادی الاّ ھو۔[3]

آپ کے والد ماجد کی علم دوستی

آپ کے والد ماجد حضرت حافظ غلام رسولؒ صاحب کی علم دوستی پر ایک واقعہ خوب روشنی ڈالتا ہے۔ جس کا ذکر آپ یوں فرماتے ہیں کہ

"میرے باپ کو اپنی اولاد کی تعلیم کا بہت شوق تھا۔ مدن چند ایک ہندو عالم

---

[1] "مرقاۃ الیقین فی حیاۃ نورالدین" شائع کردہ الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ ربوہ صفحہ ۱۷۲۔

نوٹ:۔ "نا محروم" محروم نہ رہنے کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ (مؤلف)

[2] ۱۲۵۸ھ ۱۲ فروری ۱۸۴۲ء کو شروع ہوا اور ۳۱ جنوری ۱۸۴۳ء کو ختم ہوا۔ اس لئے حضور کا سن پیدائش ۱۸۴۱ء کی بجائے ۱۸۴۲ء سمجھنا چاہیئے (التوفیقات الالہامیہ)

[3] "مرقاۃ الیقین" صفحہ ۲۷۳۔

تھا وہ کوڑھی ہوگیا۔ لوگوں نے اُسے باہر مکان بنا دیا۔ میرے باپ نے اس کے پاس میرے بھائی کو پڑھنے کے لئے بھیجا۔ لوگوں نے کہا خوبصورت بچہ ہے کیوں اس کی زندگی کو ہلاکت میں ڈالتے ہو۔ اس پر میرے باپ نے کہا مدانِ چند جتنا علم پڑھ کر اگر میرا بیٹا کوڑھی ہوگیا تو کچھ پروا نہیں۔"

"تم بھی اپنے بچوں کے لئے ایسے باپ بنو۔ میرا باپ ایسا بلند ہمت تھا کہ اگر وہ اس زمانہ میں ہوتا تو مجھے امریکہ بھیج دیتا۔" [1]

آپ کے پڑھنے کی ابتداء

آپ فرماتے ہیں:۔

"جب میں پڑھنے لگا تو مجھے خوب یاد ہے کہ یاغستان سے ایک تاجر ہمارے ڈیرہ میں آیا۔ اس نے کوئی چیز پڑھتے وقت میرے بھائی سے کہا کہ اسے قرآن شریف پڑھائیے اور مجھے ایک سُورۃ اذا وقعت الواقعۃ معہ ترجمہ دی۔" [2]

اس زمانہ کا طریقہ تعلیم

آپ اس زمانہ کا طریقہ تعلیم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"جب میں اور بڑا ہوا۔ اور مدرسہ میں داخل ہوا تو اس وقت کے مدارس میں ایسا گھمسان نہ تھا جیسا کہ اب ہے کہ ایک ہی بنچ پر اور ایک ہی کمرہ میں بہت سے مختلف مذاہب کے لوگ جمع ہوں اور اکٹھے سبق پڑھیں اور ایک دوسرے پر اپنا اثر ڈالیں۔ بلکہ ہمارے میاں جی ایک خاص رنگ کے آدمی تھے۔ وہ دس لڑکوں کو ملا کر سبق نہ پڑھاتے بلکہ ایک ایک لڑکے کو باری باری الگ الگ سبق دیتے تھے جو زیادہ خدمت کرتا اسے زیادہ اور عمدہ سبق پڑھنے کا موقعہ ملتا اور جو کم خدمت کرتا اسے کم موقعہ ملتا۔ یہ بناوٹی بات نہیں ہے بلکہ واقعہ میں اسی طرح ہوا۔" [3]

آپ کے اس بیان سے ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں اُستادوں اور شاگردوں کے درمیان بہت مخلصانہ تعلقات ہوا کرتے تھے۔ اور وہی طالب علم اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکتے تھے جو استادوں کا ادب

---

[1] بدر ۷ جنوری ۱۹۰۹ء [2] ایضاً صفحہ ۲ [3] بدر ۱۸ اگست ۱۹۱۰ء صفحہ ۶

اور خدمت کرنے والے ہوتے اور ایسے شاگردوں کی طرف اساتذہ بھی خاص توجہ دیا کرتے تھے اُس زمانہ میں بلکہ آج سے پچیس تیس سال پہلے تک ٹیوشن وغیرہ کا کوئی رواج ہی نہ تھا۔ اساتذہ کو جو گذارہ ماہوار ملا کرتا تھا اُسے وہ غنیمت سمجھتے تھے اور فارغ اوقات میں ذہین اور ہوشیار طلبہ کو بہت شوق اور خوشی سے پڑھایا کرتے تھے طلبہ بھی اپنے اساتذہ کی دل سے قدر کیا کرتے تھے اور بڑے بڑے عُہدوں پر پہنچ کر بھی اُن کی تعظیم میں کوئی فرق نہیں آنے دیتے تھے۔

حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی کا بیان ہے کہ

"حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جب درس فرماتے تو بعض دفعہ ایک چھوٹا سا لڑکا جب بھی آپ کی طرف آتا۔ آپ اس کے ادب اور تعظیم کے لئے اُٹھ کھڑے ہوتے اور حاضرین سے مخاطب ہو کر فرماتے کہ یہ علم جس سے تم لوگ فائدہ اُٹھا رہے ہو اس بچہ کے والد بزرگوار کا فیض ہے۔" [۱]

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کا اپنا طریق بھی بعینہٖ یہی تھا۔ محترم ڈاکٹر عبید اللہ خاں صاحب فرماتے ہیں :-

"حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ ایک مرتبہ لاہور تشریف لائے۔ ملک خدا بخش صاحب مرحوم نے اپنی کسی عزیزہ کی بیماری کا مجلس میں ذکر کیا۔ حضرت نے فرمایا۔ ہم خود جا کر دیکھتے ہیں چنانچہ حضور نے ملک صاحب کے ساتھ جا کر مریضہ کو دیکھا۔ بعد فراغت فرمایا کہ حکیم الہ دین صاحب مرحوم کا مکان یہاں سے قریب تھا۔ ملک صاحب نے عرض کیا "حضور! حکیم صاحب کے صاحبزادہ حکیم فیروز الدین صاحب میرے دوست ہیں میں ابھی ان کو اطلاع بھجواتا ہوں وہ فوراً آجائیں گے۔" فرمایا۔ ملک صاحب! فیروز الدین آپ کے دوست ہوں گے مگر میرے اُستاد کے بیٹے ہیں۔ اس لئے میں اُن کے گھر جا کر ملوں گا۔"

اللہ! اللہ! کیا وقار تھا اساتذہ کا! کہ ایک شخص شاہی طبیب کے مرتبہ پر پہنچکر اور ایک جلیل القدر جماعت کا امام ہو کر بھی یہ پسند نہیں کرتا کہ اپنے اُستاد کے بیٹے کو اس کی

---

[۱] الفضل جلد ۲۱ نمبر ۹۲ مورخہ یکم فروری سنہ ۱۹۳۴ء

ملاقات کے لئے بُلا لیا جائے بلکہ وہ یہی چاہتا ہے کہ خود اس کے مکان پر جاکر اس سے ملاقات کرے۔ حکیم فیروزالدین صاحب کا ذکر آگیا! اس ضمن میں یہ ذکر بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ حکیم صاحب موصوف نے ایک کتاب "رموز الاطبا" لکھی تھی۔ اس کی تالیف کے دوران وہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ اور حضور سے آپ کے کچھ حالات اور چند نسخہ جات وغیرہ کے لئے درخواست کی اور پھر اس کتاب میں معہ حضور کے ایک فوٹو کے شائع کئے۔

آپ کے والد ماجد کی علم دوستی کے بعض اور واقعات

فرمایا:-
"ایک دفعہ ہمارے والد مکتب میں آنکلے۔ میں تختی کو ہوا میں ہلا ہلا کر سُکھا رہا تھا۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا کر رہے ہو۔ میں نے کہا تختی سکھا رہا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ بازو کو کیوں گندہ کیا ہے؟ میں نے کہا کہ اس کے ساتھ تختی کو صاف کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ تختی کو تو صاف کیا مگر جسم کو گندہ کیا۔ پھر میں نے وہ گھڑا بھی جو کالے پانی سے بھرا ہوا تھا، دکھایا کہ یہاں پر تختی دھوئی تھی فرمایا کہ آؤ ہم اس کام کو پسند نہیں کرتے، مجھے ہمراہ لیگئے۔ ایک دوکان سے سیالکوٹی کاغذ بہت سے خریدے اور ایک شخص غلام حسین کو دیکر کہا کہ ان کی وصلیاں[1] بنا دو۔ اور مجھے وہاں بٹھا گئے۔ میں ان کے گرد ہو گیا اور زور دیا کہ ابھی بنا دو۔ انہوں نے ایک کاغذ کے چار چار ٹکڑے کر کے دو دو ٹکڑے جوڑ کر وصلیاں بنا دیں اور گھونٹ کر خوب صاف کر دیں۔ کسی قدر جو تیار ہوگئیں۔ ان کو لے کر میں گھر چلا آیا۔ اور لکھنے لگ گیا۔ کسی پر الف لکھا کسی پر بے لکھی۔ کسی پر کچھ کسی پر کچھ۔ غرض جھٹ پٹ وہ تمام وصلیاں لکھ کر ختم کر دیں۔ میرے والد صاحب باہر سے آئے تو بھائی صاحب نے والد صاحب کو کہا کہ آج آپ نے نورالدین کو کیا بنایا ہے؟ کہ یہ کاغذ

---

[1] وصلی کے معنے "فرہنگ آصفیہ" میں یہ لکھے ہیں "دو باہم وصل کئے ہوئے کاغذ کا ورق جس پر خوشنویس قطعہ وغیرہ کی مشق کرتے ہیں۔" ناسخ کہتا ہے ؎

لگ گئی پیٹھ مری ہجر میں یوں بستر سے ۔ جس طرح وصلی میں کاغذ سے ہو چسپاں کاغذ

ضائع کر رہا ہے۔ دیکھو کتنے کاغذ اس نے تھوڑی دیر میں خراب کر دیئے ہیں۔ انہوں نے فرمایا۔ کیا ہرج ہے تم اس کا بھی کھاتہ جُدا کر دو اور وہاں سے خرچ کرتے رہو۔ جب بڑا ہوگا تو اپنا قرضہ اتار دیگا۔" [1]

ایسا ہی آپ فرماتے ہیں:۔

"ایک دفعہ میں گلستاں پڑھ رہا تھا۔ میں نے کہا کہ یہ گلستاں تو بہت بدخط ہے انہوں نے فرمایا۔ چھوڑ دو۔ میں کئی دن فارغ رہا۔ انہوں نے کشمیر سے نہایت خوشخط گلستاں منگوائی اور میرے حوالہ کی۔ ایک دفعہ میں نے اس پر بے احتیاطی سے جو دوات رکھی اور وہ ہوا سے اُلٹ گئی۔ تو سیاہی اس پر پھیل گئی۔ میں نے کہا میاں صاحب اس پر تو سیاہی گر پڑی۔ انہوں نے کمال حوصلگی سے فرمایا کہ کیا حرج ہے اور لے دیں گے۔" [2]

آپ کے والد ماجد کو بچوں کی تربیت کا خیال

اپنے والد کے ذکر پر ایک مرتبہ فرمایا۔

"میرا باپ بڑے حوصلے والا اور امیر آدمی تھا۔ ہم ہر قسم کے میوے اپنے کھانے پر دیکھتے تھے اور ہر جگہ کے انار اور سیب و انگور وغیرہ ہم کھانے کے ساتھ کھاتے تھے مگر وہ ہم کو کبھی نقد پیسے نہیں دیتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ جو شئ تم چاہو ہم تم کو منگا کر کھلا دیں گے مگر نقد پیسے نہ دیں گے۔

ایک دفعہ میں عید میں جا رہا تھا۔ میں نے کہا کہ آج تو مجھ کو پیسے دیجئے۔ فرمایا کہ جو کچھ کہو گے ہم تم کو منگا دیں گے۔ پیسے کیا کرو گے؟ اس وقت انہوں نے مجھ کو آدھ آنہ دیا تھا۔" [3]

حلال وحرام کی تمیز کا پیمانہ

آپ فرماتے ہیں:۔

"میرے والد صاحب کو گھوڑی بھینس رکھنے کا بہت شوق تھا۔ ایک آدمی کو کہا ہماری بھینسیں چرایا کرو مگر خود دودھ نہ لیا کرو ہم تمہیں

---

[1] بدر ۲۶ ستمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۔ [2] بدر ۲۶ اکتوبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۔ [3] بدر ۶ مارچ ۱۹۱۳ء صفحہ ۔

خوب مزدوری دیں گے۔ اُن کی عادت تھی کہ جس طرح ہمارے مدرسہ میں اتفاقیہ
کبھی کبھی آجایا کرتے تھے۔ اسی طرح بھینس کی بھی خبر گیری کے واسطے کبھی کبھی
آنکلتے تھے۔ ایک دن اتفاقاً آئے۔ دیکھا کہ وہ دُودھ دوہ رہا ہے۔ کہنے لگا کہ مجھے
چور نہ سمجھیں۔ میرا لڑکا مر گیا تھا۔ آج جمعرات ہے اور لوگوں کا دودھ شکّی تھا۔ آپ کا
حلال مال ہے۔ اس واسطے میں نے اس کو دوہ لیا ہے کہ اس پر فاتحہ کہلواؤں۔
ضلع شاہپور کے جنگلیوں میں عام طور پر یہ رسم ہے کہ دودھ کے بارے
میں شک اور حلال کے بارہ میں بہت فرق رکھتے ہیں۔ جو گائے یا بھینس چوری کے ذریعہ
سے اُن کے پاس آجائے اس کی تمام پشتوں کی اولاد کو شک کا مال کہتے ہیں اور جو
اس کے سوا ہو اس کو حلال۔ یوں تو دونوں قسم کے مال مویشی سے ہی استفادہ
کرتے رہتے ہیں مگر برتن جُدا جُدا ہوتے ہیں گو پیٹ میں دونوں ہی جمع ہو جائیں۔
نیز فاتحہ کہلانے کے واسطے اور پیروں فقیروں کو پلانے کے واسطے بھی حتی الوسع
حلال کا دودھ مہیا کیا جاتا ہے۔ چونکہ اس نواح کے لوگوں کا آبائی پیشہ عموماً مال
مویشی کی چوری تھا۔ اس واسطے ان کی اصطلاح کے مطابق حلال کا دودھ مشکل
سے ہی دستیاب ہوتا ہے۔ گھر میں آکر ہنسے کہ یہ بھی حلال کی ایک قسم نکالی ہے"[1]

بچّوں کی صحت اور اُنکی نشو و نما کا خیال

اوپر کا واقعہ تو محض اس لئے بیان کیا گیا ہے
کہ تا قارئین کو اس زمانہ کے رسم و رواج کا بھی پتہ
لگ جائے ورنہ اصل مقصود اس بیان سے یہ تھا کہ آپ کے والد ماجد کو اس امر کا بہت خیال رہتا تھا
کہ بچّوں کی صحت اچھی رہے اور نشو و نما میں فرق نہ آنے پائے۔ چنانچہ آپ اس غرض کیلئے بھینسیں
رکھا کرتے تھے۔ تاکہ بچے دُودھ اور مکھن کھا کر جسمانی قوت اور نشو و نما میں ترقی کریں۔
آپ فرمایا کرتے تھے کہ
"میرے والد صاحب میرے سر پر ملائی کی ٹوپی بنا کر رکھا کرتے تھے تاکہ میرا دماغ
تروتازہ رہے اور پُوری تقویت اور غذا اس کو حاصل ہو۔"[2]

---

[1] "کلام امیر" صفحہ ۴۰
[2] الحکم جلد ۴۳ نمبر ۱۲/۱۳ صفحہ ۵۰

مولوی سلطان احمدؒ

مولوی سلطان احمدؒ آپ کے بڑے بھائی تھے اور ایک عالم شخص تھے۔ انہوں نے آپ کی تعلیم و تربیت میں کافی دلچسپی لی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ان کا ازحد احترام کرتے تھے۔ آپ ان کے ایک وعظ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"بھیرہ کی جامع مسجد میں میرے بڑے بھائی مولوی سلطان احمد صاحب وعظ بیان فرما رہے تھے۔ میری اس وقت بہت چھوٹی عمر تھی۔ مجھ کو یاد ہے کہ انہوں نے اپنے بیان میں کسی موقعہ پر یہ حدیث پڑھی الدنیا جیفۃٌ وطالبھا کلابٌ۔ اور اس کا ترجمہ بیان فرماتے ہوئے فرمایا کہ یہاں بجائے کلاب کے غراب کیوں نہ فرمایا۔ کوا بھی تو مُردار خوار ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کُتّے کو کتنی ہی بڑی مقدار میں اس کی ضرورت سے زیادہ مردار مل جائے۔ پھر بھی وہ دوسرے کُتّے کو دیکھ کر غراتا ہے اور پاس نہیں آنے دیتا۔ لیکن کوے میں یہ بات نہیں۔ وہ مردار کو دیکھ کر شور مچاتا اور اپنے تمام ہم قوموں کو خبر کر دیتا ہے۔ کُتّے میں قومی ہمدردی نہیں اور کوّے میں ہمدردی اپنی قوم کی بہت ہے اس وجہ سے کُتّے کو زیادہ ذلیل ٹھہرایا گیا۔" [1]

مولوی سلطان احمدؒ کا ذکر تو ضمناً آگیا تھا۔ بیان یہ کیا جا رہا تھا کہ آپ کے والد ماجد ازحد علم دوست انسان تھے۔ آپ کی علم دوستی کا ایک واقعہ حضرت مولوی صاحب اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ

"ہمارے باپ علم کے بڑے ہی قدردان تھے جب ہماری سب سے بڑی بہن کی شادی ہوئی تو ہمارے باپ نے جہیز میں سب سے اُوپر قرآن شریف رکھ دیا اور کہا کہ ہماری طرف سے یہی ہے۔ اس قرآن شریف کا کاغذ حریری باریک، بڑی محنت اور صرفِ زر سے میسر ہوا تھا۔ جلال پور جٹاں کے مولوی نور احمد صاحب نے سو روپیہ میں صرف لکھ کر دیا۔ جدول، ردل، آیتیں بنانا، رنگ بھرنا، سونے کا پانی پھیرنا وغیرہ علاوہ" [2]

---

[1] مرقاۃ صفحہ ۱۷۷ [2] مرقاۃ صفحہ ۱۷۲

اپنی والدہ ماجدہ کا ذکر خیر

اپنی والدہ ماجدہ کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ

"میری والدہ کو قرآن کریم پڑھانے کا بڑا ہی شوق تھا۔ انہوں نے تیرہ برس کی عمر سے قرآن شریف پڑھانا شروع کیا چنانچہ اُن کا یہ اثر ہے کہ ہم سب بھائیوں کو قرآن شریف سے بڑا ہی شوق رہا ہے۔" [1]

اپنی والدہ صاحبہ کے ذکر پر مزید فرمایا کہ

"میری ماں اللہ تعالیٰ اسے جنت میں بڑے بڑے درجات عطا کرے بہت سارے بچوں کی ماں تھیں مگر وہ کبھی نماز قضا نہ کرتیں۔ ایک چادر پاک صاف صرف اس لئے رکھی ہوئی تھی کہ نماز کے وقت اسے اوڑھ لیتیں۔ نماز پڑھ کر معاً اوپر کھونٹی پر لٹکا دیتیں۔ فرقان حمید کا پڑھنا کبھی قضا نہ کیا بلکہ میں نے اپنی ماں کے پیٹ میں قرآن مجید سُنا۔ پھر گود میں سُنا اور پھر ان سے ہی پڑھا۔" [2]

اور فرمایا کہ

"میری والدہ بڑی عظیم الشان تھی۔ لوگ حسن عقیدت کے باعث یا دنیوی آرام یا دینی اغراض پر اپنی اولاد کو اُن کا دُودھ پلانے کے خواہشمند تھے۔ اس لئے بہت لوگ ہمارے دودھ بھائی ہیں۔ مولوی امام الدین۔ میاں غلام محی الدین تاجر کتب جہلم ان میں سے ہیں۔" [3]

اپنی والدہ کا بیان فرمودہ ایک نکتہ

فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ رحم کرے میری والدہ پر۔ انہوں نے اپنی زبان میں عجیب عجیب طرح کے نکات قرآن مجھ کو بتائے۔ منجملہ ان کے ایک یہ بات تھی کہ تم اللہ تعالیٰ کی جس قسم کی فرماں برداری کروگے اسی قسم کے انعامات پاؤگے اور جس قسم کی نافرمانی کروگے اسی قسم کی سزا پاؤگے۔

---

[1] مرقاۃ صفحہ ۱۷۴۔ [2] بدر ۱۴ر دسمبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۳۔

[3] بدر ۱۷ر اپریل ۱۹۱۳ء صفحہ ۷۔۸۔

از مکافاتِ عمل غافل مشو　　گندم از گندم بروید جو زجو

ھل جزاء الاحسان الّا الاحسان

از مذاہب مذہب دہقاں قوی اے مولوی

مذہب دہقاں چہ باشد ہر چہ کشتی بدرَوی

وہ اکثر فرمایا کرتی تھیں

'جو آگ کھائے گا انگارے ہگے گا' [۱]

آپ کے بچپن کے چند واقعات

۱۔ آپ کو بچپن ہی سے گالی گلوچ سے بالطبع نفرت تھی۔ فرماتے ہیں:۔

"میرے سامنے میرے ساتھ کھیلنے والے لڑکوں نے کبھی کوئی گالی نہیں دی بلکہ مجھ کو دُور سے دیکھ کر آپس میں کہا کرتے تھے کہ یارو سنبھل کر بولنا۔" [۲]

۲۔ "ایک مرتبہ جبکہ میں بچہ تھا۔ ایک مولوی نے کہا کہ تم بھی ختم میں چلو۔ میں چلا گیا۔ وہاں لوگ قرآن شریف پڑھ رہے تھے۔ میں نے بھی ایک سیپارہ لیا۔ ابھی میں نے آدھا ہی پڑھا تھا کہ بعض نے دو بعض نے چار پڑھ لئے۔ قریب سے ایک نے غصہ کے ساتھ مجھ سے سپارہ لیا اور کہا کہ تم نہیں جانتے لاؤ! میں پڑھ دوں۔ اس نے لیکر ویسے ہی ورق اُلٹنے شروع کر دیئے اور جھٹ سیپارہ ختم کر کے رکھ دیا۔" [۳]

۳۔ "مجھ کو بچپنے میں شوق تھا کہ اُس دریا (جہلم۔ ناقل) پر جو ہمارے شہر (بھیرہ) کے قریب ہے جا کر بہت تیرتا تھا۔ میں نے سردیوں کے موسم میں اُس دریا کے قریب ایک فقیر کو ننگے بدن صرف ایک کھال کے اوپر بیٹھے ہوئے دیکھا میں اس کے پاس جا کر بیٹھ گیا اور اس سے دریافت کیا کہ تم کو سردی کیوں نہیں معلوم ہوتی۔ اس نے کہا کہ سنکھیا کھاتا ہوں اور اَور بھی گرم چیزیں استعمال کرتا ہوں۔ جلد پر راکھ ملتے ملتے ایک تہ جم گئی ہے۔ جلد کے مسامات بھی بند ہو گئے

---

[۱] مرقاۃ صفحہ ۱۷۴ ۔ [۲] مرقاۃ صفحہ ۱۷۸ ۔ [۳] مرقاۃ صفحہ ۱۷۹ ۔

ہیں اس لئے سردی نہیں معلوم ہوتی۔ اس قسم کے لوگوں کا خدا تعالیٰ کے حصول
اور تقرب کے متعلق کوئی مدعا نہیں ہوتا۔" [1]

۴۔ کتابوں کا آپ کو بچپن ہی سے شوق تھا۔ فرماتے ہیں:۔

"مجھ کو اپنے سن تمیز سے بھی پہلے کتابوں کا شوق ہے۔ بچپنے میں جلد
کی خوبصورتی کے سبب کتابیں جمع کرتا تھا۔ سن تمیز کے وقت میں نے کتابوں کا
بڑا انتخاب کیا اور مفید کتابوں کے جمع کرنے میں بڑی کوشش کی۔" [2]

فرماتے ہیں:۔

"جب میں بچہ تھا تب مجھ کو ایک کتاب پڑھائی گئی تھی جس میں لکھا تھا کہ

شب چوں عقد نماز بر بندم ، چہ خورد بامداد فرزندم

یہ کوئی ساتویں صدی کی بات ہے۔ اب تو چودھویں صدی ہے۔ میں کبھی اس
آیت کو پڑھتا ہوں کہ اللہ الذی جعل لکم الیل لتسکنوا فیہ والنہار
مبصراً۔ ان اللہ لذو فضل علی الناس ولکن اکثر الناس لا یشکرون
اور پھر تعجب کے ساتھ اس شعر کو پڑھتا ہوں۔ رات کے وقت بھی دنیا کے تفکرات
کو نہ چھوڑنا فضول ہے۔ مومن کو چاہیئے کہ رات کو سکون کرے۔" [3]

لاہور میں آمد اور بیماری ۱۸۵۳ء

آپ کے بڑے بھائی مولوی سلطان احمد کا ایک مطبع قادری نام لاہور میں کابلی مل کی حویلی میں تھا جس کی وجہ سے آپ کے بھائی صاحب کو اکثر لاہور آنا پڑتا تھا۔ اسی تعلق میں جب آپ کی عمر قریباً بارہ سال تھی آپ کو بھی اپنے بھائی کے ہمراہ لاہور آنا پڑا۔ یہاں آکر آپ مرض خناق سے بیمار ہو گئے اور حکیم غلام دستگیر لاہوری ساکن سید مٹھہ کے علاج سے اللہ تعالیٰ نے شفا بخشی۔

زمانہ طالب علمی

حکیم صاحب کی طبی شہرت کو دیکھ کر آپ کے دل میں طب پڑھنے کا شوق پیدا ہوا لیکن آپ کے بھائی صاحب نے یہ سمجھ کر کہ فارسی کی تکمیل ضروری ہے آپ کو فارسی کے ایک مشہور استاد منشی محمد قاسم صاحب کشمیری کے سپرد کیا۔ انہوں نے بڑی محنت اور

---

[1] مرقاۃ صفحہ ۱۸۰۔ [2] مرقاۃ صفحہ ۱۷۸۔ [3] مرقاۃ صفحہ ۱۷۹۔ ۱۸۰۔
[4] مومن ۶۱

مہربانی سے آپ کو مضامین رزمیہ اور بزمیہ اور بہاریہ خوب لکھوائے اور پڑھائے ۔ اور گو اس زبان سے آپ کو بلحاظ دین اور ضرورت سلطنت کوئی دلچسپی نہ تھی مگر بہر حال اُستاد کی محنت سے آپ کو فارسی زبان سے واقفیت پیدا ہو گئی۔

خوشنویسی کے لئے آپ ماہر فن مرزا امام ویردی کے سپرد کئے گئے اور گو یہ فن بھی آپ کی دلچسپی کا باعث نہ بن سکا مگر آپ کا خط کسی قدر سدھر گیا۔ یہ دونو اُستاد چونکہ شیعہ تھے اس لئے یہ فائدہ آپ کو ضرور پہنچا کہ آپ شیعہ مذہب سے آگاہ ہو گئے۔ انہی منشی محمد قاسم صاحب کا ذکر کرتے ہوئے ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ

"میرا ایک استاد منشی قاسم علی[2] رافضی تھا۔ میں اس سے فارسی پڑھا کرتا تھا وہ مجھے کہتا۔ آج بزم کا رقعہ لکھو۔ آج رزم کا رقعہ لکھو۔ آج بہاریہ کا رقعہ لکھو۔ آج خزاں کا رقعہ لکھو۔ مجھے حکم ہوا کہ آج یہ سب رقعے یاد کر کے ہمیں سُنا دو۔ میں اس کو فر فر کر کے سُنا بھی دیا کرتا تھا۔ شاباش لے کر ادھر چلا دیا کرتا تھا۔

آٹھ آٹھ ورق کا سرنامہ میں نے پڑھا ہے۔ اس سے مجھے یہ فائدہ پہنچا کہ میں نے اب سرناموں کو جڑھ سے ہی کاٹ دیا ہے۔ میرے سرنامے یہ ہیں۔

عزیز ۔ عزیز مکرم ۔ مکرم ۔ جناب ۔ السلام علیکم

جن سے مجھے محبت نہیں ہے ان کو میں صرف جناب لکھ دیتا ہوں یعنی تم اس طرف ہو میں اس طرف۔ غرض ہم کو ان فضول باتوں کی ضرورت نہیں ہے۔"[1]

۱۸۵۵ء میں آپ کو بھیرہ واپس آنا پڑا اور یہاں فارسی کی تعلیم کے لئے آپ کو حاجی میاں شرف الدین کے پاس بٹھایا گیا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد آپ کے بڑے بھائی مولوی سلطان احمدؒ بھی بھیرہ میں تشریف لے آئے اور انہوں نے آپ کو باضابطہ طور پر عربی پڑھانا شروع کر دیا مگر "صرف" میں بناؤں اور تعلیلات کا گورکھ دھندا آپ کے سامنے نہ رکھا بلکہ بہت سادہ طور پر عربی کی تعلیم شروع کرا دی جس سے آپ کو بڑی دلچسپی پیدا ہوئی اور آپ نے بہت جلد چھوٹے چھوٹے رسائل مثل میزان الصرف اور میزان منشعب وغیرہ یاد کر لئے۔

---

[1] کلام امیر صفحہ ۳ ۔ [2] نقل مطابق اصل۔ ورنہ دراصل نام "محمد قاسم" ہے۔

قرآن مجید کا ترجمہ سیکھنے کی طرف توجہ

جس زمانہ کا ذکر کیا جا رہا ہے اس زمانہ میں قرآن کریم کا ترجمہ بہت کم لوگ جانتے تھے۔ پرانے علماء عموماً اس امر کی تلقین کیا کرتے تھے کہ جبتک کوئی شخص صرف و نحو، معانی، منطق و فلسفہ وغیرہ میں کافی مہارت نہ پیدا کرلے اور پھر صحاح ستہ سبقاً سبقاً نہ پڑھ لے اُسے قرآن کریم کا ترجمہ نہیں پڑھنا چاہیئے۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ علماء میں سے بھی بہت کم لوگ قرآن کریم کا ترجمہ جانتے تھے۔ خاکسار راقم الحروف کو خوب یاد ہے کہ جب میں (۱۹۳۶ء تا ۱۹۳۸ء) کراچی میں بطور مبلغ متعین تھا۔ اس زمانہ میں بوہرہ قوم کے لوگوں سے ملاقات رہتی تھی اور وہ بتایا کرتے تھے کہ ہمیں ہمارے علماء کی طرف سے ہدایت ہے کہ ہم قرآن کریم کا ترجمہ سیکھنے کی کوشش نہ کیا کریں کیونکہ یہ کام علماء کا ہے عوام الناس کا نہیں یاد رہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد سے قبل اور کافی عرصہ بعد بھی دیہات میں نماز جمعہ کا بھی التزام نہیں تھا۔ علماء اور مفتیان شرع کے فتویٰ کے مطابق جمعہ کی نماز صرف شہروں میں پڑھائی جاتی تھی اور وہاں بھی جمعہ کے بعد اکثر لوگ بطور احتیاط ظہر کی نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ کیونکہ ان کے نزدیک انگریزوں کی حکومت کے باعث ہندوستان دارالحرب تھا۔ اور دارالحرب میں وہ جمعہ کی نماز جائز نہیں سمجھتے تھے لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد کے بعد چونکہ ملک کے اطراف و جوانب میں احمدی جماعتیں قائم ہوگئیں اور انہوں نے ہر چھوٹی بڑی جگہ میں جُمعہ پڑھنا شروع کر دیا۔ اس لئے اُن کی دیکھا دیکھی دوسرے مسلمانوں نے بھی شہروں اور دیہات میں جُمعہ پڑھنا شروع کر دیا ہے اور یہ بات تو بطور ایک مثال کے ہے ورنہ خدا تعالیٰ کے فضل سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم کی روشنی میں اب اس قدر انتشار رُوحانیت ہو چکا ہے کہ بیشتر مسائل میں تعلیمیافتہ مسلمان احمدی علم کلام کی صحت کے قائل ہو چکے ہیں۔

ان امور کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ تا قارئین کرام اندازہ کرسکیں کہ اس زمانہ میں قرآن کریم کا ترجمہ سیکھنا کس قدر مشکل امر تھا مگر حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ سے چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی آئندہ زندگی میں عظیم الشان کام لینا تھا اس لئے اس نے آپ کے لئے ایسے سامان پیدا کر دیئے جن کی بدولت آپ نے بچپن ہی میں قرآن کریم کا ترجمہ پڑھنا شروع کر دیا۔ آپ فرماتے ہیں

"جناب الٰہی کے انعامات میں سے ایک یہ بات تھی کہ ایک شخص غدر (یعنی ۱۸۵۷ء)

میں کلکتہ کے تاجر کتب جو مجاہدین کے پاس اس زمانہ میں روپیہ لے جایا
کرتے تھے ہمارے مکان میں اُترے۔ انہوں نے ترجمہ قرآن کی طرف یا یہ کہنا
چاہیئے کہ اس گرانبہا جواہرات کی کان کی طرف مجھے متوجہ کیا جس کے باعث میں
اس بڑھاپے میں نہایت شادمانہ زندگی بسر کرتا ہوں۔ وذالک فضل اللہ
علینا وعلی الناس ولکن اکثر الناس لایعلمون۔" [1]

غالباً اسی تاجر کا ذکر کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ
"سب سے پہلے ایک تاجر کلکتہ سے مجھے پنجسورہ مترجم بزبان اردو ملا جو مطبع
مصطفائی کا چھپا ہوا تھا۔" [2]

تقویۃ الایمان اور مشارق الانوار پڑھنے کی سفارش

اس کے بعد آپ فرماتے ہیں کہ بمبئی سے ایک تاجر آئے انہوں نے تقویۃ الایمان اور مشارق الانوار پڑھنے کی سفارش کی۔ یہ دونو کتابیں اردو زبان میں تھیں جو آپ کو بہت پسند تھی اس لئے آپ نے ان کو خوب پڑھا۔ اُردو زبان کے ذکر پر ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ
"سب سے پہلے میں نے اردو زبان ایک دیوبند کے سپاہی سے سُنی اور اُسے
بہت پسند کیا۔ پھر احسان الٰہی ہے کہ شاہ ولی اللہ کے خاندان کی کتابیں میں نے
پڑھیں۔ اس خاندان کے طفیل مجھے بہت فائدہ ہوا۔" [3]

دُوسری بار لاہور میں آمد

پھر آپ لاہور تشریف لے آئے اور مشہور حکیم الہ دین صاحب مرحوم مقیم گمٹی بازار سے طب پڑھنا شروع کی۔ حکیم صاحب موصوف آپ کو موجز پڑھاتے تھے۔ عربی زبان نہایت صحیح پڑھانا اور تلفظ میں بڑی احتیاط برتنا آپ ہمیشہ پیش نظر رکھتے تھے مگر چند روز بعد ہی آپ کو واپس بھیرہ جانا پڑا جس سے علم طب کا یہ مفید سلسلہ کچھ عرصہ کے لئے رُک گیا۔

نارمل سکول راولپنڈی میں داخلہ ۱۸۵۸ء

۱۸۵۸ء میں جب آپ کی عمر اٹھارہ برس کے قریب ہوئی تو کسی تقریب سے آپ کو راولپنڈی جانا پڑا جہاں نارمل سکول کی تعلیم آپکے ذمہ لگائی گئی۔ منشی محمد قاسم مرحوم کی تعلیم کی قدر اس وقت آپ کو معلوم ہوئی۔

---

[1] مرقاۃ صفحہ ۵۶-۵۷ [2] بدر ۲۱/۲۸ جولائی ۱۹۱۲ء [3] ایضاً

جبکہ نارمل سکول میں سہ نثر ظہوری اور ابوالفضل جیسی کتابوں کے پڑھنے میں آپ ہمیشہ اوّل رہنے لگے۔ نارمل سکول کے ہیڈ ماسٹر مولوی سکندر علی مرحوم آپ سے اتنے خوش ہوئے کہ آپ کی حاضری کو بھی معاف کر دیا۔ آپ فرماتے ہیں :-

"اس غیر حاضری سے مجھے یہ فائدہ ہوا کہ حساب اور جغرافیہ پڑھنے کے لئے میں نے ایک آدمی کو نوکر رکھ لیا اور بجائے اس ذہاب و ایاب (آنا جانا۔ ناقل) کے جو مدرسہ کے جانے میں ہوتا تھا۔ میرا وقت اقلیدس اور حساب اور جغرافیہ کے لئے مفت بچ جاتا تھا کیونکہ نارمل سکول ہمارے مکان سے دو تین میل پر تھا۔ تقسیم کسور مرکب کے لئے میں نے شیخ غلام نبی صاحب ہیڈ ماسٹر میانی کو ٹھیکہ دار بنایا۔ اور وہی میں نے سب سے پہلے سیکھنی چاہی۔ اس کا سیکھنا تھا کہ سارے مبادی الحساب ہر چہار حصص کے پڑھانے میں آخر کو ہم شیخ صاحب کے بھی اُستاد ہو گئے۔ اقلیدس کے لئے منشی نہال چند ساکن ضلع شاہ پور کو منتخب کیا۔ انہوں نے نہایت محبت سے پہلے مقالہ کی چند شکلیں پڑھائیں۔ پھر مجھ میں محض خدا تعالیٰ کے فضل سے سارے تعلیمی حصہ کو خود بخود پڑھنے کا فہم پیدا ہو گیا اور میں ایک امتحان میں جس کو تحصیلی امتحان کہتے ہیں ایسا کامیاب ہوا کہ پنڈ دادنخاں کا ہیڈ ماسٹر ہو گیا۔" [1]

بچپن میں قرآن کریم پڑھنے کا اثر

آپ فرماتے ہیں :-

"جب میں راولپنڈی میں تھا تو ہمارے مکان کے قریب ایک انگریز الیگزینڈر کی کوٹھی تھی۔ ایک شخص مجھ کو وہاں لے گیا اس نے میزان الحق اور طریق الحیٰوۃ دو کتابیں بڑی خوبصورت چھپی ہوئی مجھ کو دیں۔ میں نے ان کو خوب پڑھا۔ میں بچہ ہی تھا لیکن قرآن کریم سے اس زمانہ میں بھی مجھ کو محبت تھی۔ مجھ کو وہ دونوں کتابیں بہت لچر معلوم ہوئیں۔ اس وقت ان کے رُوح القدس کو بھی نہیں جانتا تھا۔ میں نے دیکھا ہے کہ خدا تعالیٰ سے دعائیں

---

[1] مرقاۃ صفحہ ۵۷-۵۸۔

مانگنے والے مباحثات میں کبھی عاجز نہیں ہوتے۔" [1]

پنڈدادنخاں کے سکول کی ہیڈ ماسٹری کازمانہ اور تکمیل علوم عربی

آپ نے پنڈدادنخاں کے سکول میں چار برس تک بحیثیت ہیڈ ماسٹر کام کیا۔ اس عرصہ میں آپ کے بڑے بھائی مولوی سلطان احمدؒ نے آپ کو الفیہ اور منطق کے رسائل اور شرح عقائد وغیرہ کتابیں پڑھادیں۔ اس ملازمت کے دوران کا ایک واقعہ سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے۔ جو آپ کے الفاظ میں یوں ہے کہ ایک مرتبہ

" وہاں پر انسپکٹر مدارس آگئے۔ میں اس وقت کھانا کھارہا تھا۔ میں نے اُن کو کہا کہ آپ بھی آجائیں تو انہوں نے بجائے اس کے کہ میرے ساتھ کھانا کھاتے مجھے فرمایا کہ کیا آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔ میں انسپکٹر مدارس ہوں اور میرا نام خدا بخش ہے۔ میں نے کہا۔ اچھا آپ بہت ہی نیک آدمی ہیں مدرسوں کے ہاں کھانا نہیں کھاتے تو بس۔ پھر تو یہ بہت ہی بہتر ہے۔ یہ کہہ کر میں بڑے مزے سے اپنی جگہ پر بیٹھا رہا اور وہ بیچارا اپنا گھوڑا خود ہی پکڑے ہوئے اس بات کا انتظار کرتا رہا کہ شاید اب بھی یہ کسی لڑکے کو میرا گھوڑا پکڑنے کے لئے بھیجے جب میں نے کوئی لڑکا نہ بھیجا تو اس نے خود مجھ سے کہا کہ کسی لڑکے کو تو بھیج دیجئے جو میرا گھوڑا تھام لے۔ میں نے کہا کہ جناب! آپ مدرسوں کے گھر کا کھانا تو کھاتے ہی نہیں کیونکہ آپ اس کو رشوت سمجھتے ہیں تو پھر ہم لڑکے کو گھوڑا پکڑنے کے لئے کیسے کہدیں کیونکہ وہ تو یہاں صرف پڑھنے ہی آتے ہیں۔ گھوڑے تھامنے کے لئے تو نہیں آتے۔ پھر اگر کسی لڑکے کو گھوڑا تھامنے کے لئے کہدیا جائے تو آپ یہ بھی کہیں گے کہ اس کو کہیں باندھ بھی دو اور گھاس بھی ڈالا جائے تو جب آپ مدرسوں کے کھانے کو رشوت سمجھتے ہیں تو ہم آپ کے گھوڑے کو گھاس کیسے دیں۔

اس کا گھوڑا بڑا شور کرتا تھا۔ اتنی دیر میں اس کے ملازم بھی آگئے۔ انہوں نے گھوڑے کو باندھا اور جلدی ہی روٹی وغیرہ تیار کرلی۔ اس نے کہا کہ میں امتحان لونگا

---

[1] مرقاۃ صفحہ ۱۸۱ +

میں لڑکوں کو امتحان دینے کے لئے تیار کر کے علیحدہ جا بیٹھا۔ وہ خود ہی امتحان لیتا رہا بعد میں مجھے کہنے لگا کہ میں نے سُنا ہے کہ آپ بڑے لائق ہیں اور بڑی لیاقت سے آپ نے نارمل وغیرہ پاس کر کے بہت عمدہ اسناد حاصل کی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ شاید اسی باعث سے آپ کو اس قدر ناز ہے۔ میں نے یہ بات سُنکر کہا کہ جناب ہم اس ایک بالشت کے کاغذ کو خدا نہیں سمجھتے اور ایک شخص کو کہا کہ بھائی اس بُت کو ذرا نکال کر تو لاؤ۔ پھر اس کے سامنے ہی منگا کر اس کو پھاڑ ڈالا اور دکھلا دیا کہ ہم کسی چیز کو خدا کا شریک نہیں مانتے۔ اس شخص کو میری اس طرح اپنی اسناد کو پھاڑ ڈالنے کا رنج بھی ہوا جس کا اُس نے نہایت تأسف سے اظہار کیا اور کہنے لگا کہ آپ کے اس نقصان کا باعث میں ہوا ہوں۔ نہ میں یہ بات کہتا اور نہ آپکا یہ نقصان ہوتا۔ لیکن حقیقت میں جب سے میں نے اس ڈپلوما کو پھاڑا تب ہی سے میرے پاس اس قدر روپیہ آتا ہے کہ جس کی کوئی حد نہیں میں نے لاکھوں روپیہ کمایا ہے۔" [1]

یہ عجیب بات ہے کہ آپ کے آقا حضرت مسیح موعودؑ نے بھی نوجوانی کے زمانہ میں چار سال سیالکوٹ میں بادلِ ناخواستہ ملازمت کی تھی اور آپ نے بھی چار سال ایک سکول میں بحیثیت ہیڈ ماسٹر کام کیا۔ البتہ دونو کا دائرہ عمل الگ الگ تھا۔ آقا نے چونکہ امام الزمان بن کر اپنے عملی نمونہ سے تمام دنیا کی اصلاح کا عظیم الشان کام کرنا تھا اس لئے اس کی تربیت کچہری میں رکھ کر کی گئی جہاں ہر قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے اور خادم جس کے سپرد اس کی قائم کردہ جماعت کی تعلیم و تربیت کا اہم فریضہ ہونے والا تھا اسے ایک سکول کا منتظم بنا کر ٹریننگ دی گئی۔ اللّٰھم صل علی محمد و آلِ محمد۔

نوٹ:۔ یہ امر کہ کس سنہ سے لیکر کس سنہ تک آپ نے پنڈ دادنخاں میں ملازمت کی تھی۔ اس کی تعیین کیلئے ابھی تک مجھے کوئی حوالہ نہیں مل سکا۔

پنڈ دادنخاں کا ایک واقعہ

آپ فرماتے ہیں:۔

"ایک مرتبہ پنڈ دادنخاں میں کسی مقام پر یعنی ایک

[1] بدر جلد ۱۳ نمبر مورخہ ۶ / مارچ ۱۹۱۳ء۔

گاؤں میں میرا گذر ہوا۔ وہاں ایک شخص نے میری بڑی خاطر مدارات کی۔ معلوم ہوا کہ وہ میرے باپ کا بڑا معتقد تھا۔ بزرگوں کی اولاد سمجھ کر خدمت گذاری اور طرفداری سے پیش آیا چلتی دفعہ اس نے کہا کہ کوئی تعویذ لکھ دو یا کوئی نصیحت کرو یا کوئی بات بتاؤ۔ اس وقت مجھ کو اس آیت کا خیال آیا لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب[1] الخ اور مجھ کو بڑا ہی سرور حاصل ہوا"

پنڈ دادنخاں میں خواب

پنڈ دادنخاں میں آپ نے ایک فوت شدہ شخص کو جو آپ کا ہموطن تھا خواب میں دیکھا کہ وہ بیمار ہے۔ آپ نے اسے مخاطب کر کے فرمایا کہ میں نے سُنا ہے کہ جو مَر جاتا ہے وہ بیماریوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اس پر اس شخص نے ایک لڑکی کا بازو پکڑ کر کہا کہ میں اس لڑکی پر دنیا میں عاشق تھا۔ اس واسطے اب بیمار اور مبتلائے عذاب ہوں آپ جب بھیرہ میں تشریف لائے تو اس کے ایک دوست سے آپ نے پوچھا کہ فلاں شخص جس لڑکی کے عشق میں فوت ہوا ہے کیا آپ مجھے وہ لڑکی دکھا سکتے ہیں؟ وہ حیران ہوا کہ انہیں کیسے پتہ لگا؟ چنانچہ اس نے آپ سے پوچھا کہ آپ کو یہ بات کس نے بتلائی۔ آپ نے فرمایا کہ بھلا عشق بھی کبھی مخفی رہ سکتا ہے اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ

"اس نے کہا کہ جب میرے اس دوست کا انتقال ہوا ہے تو اس کا سر میری ران پر تھا اور میں نے اس سے اس وقت دریافت کیا تھا کہ اس عشق کا حال تم نے کسی کو بتایا ہے تو اس نے کہا تھا کہ اس کا حال یا تو اس عورت کو معلوم ہے یا تم کو یا مجھ کو یا اللہ تعالیٰ کو اور کسی چوتھے انسان کو معلوم نہیں۔ مرتے ہوئے جب اس نے یہ کہا تو آپ کو کہاں سے خبر ہوئی۔ غرضکہ اس عورت کا نام اس نے مجھ کو نہ بتایا۔ ہمارے شہر میں ایک محلہ ہے وہاں کی عورتیں کسی قدر خدوخال میں اچھی ہوتی ہیں اور ان میں پردہ کا رواج بھی نہیں گو مسلمان ہیں۔ اس محلہ کی عورتیں ایک روز کسی شادی میں جا رہی تھیں۔ میں بھی اتفاق سے اس طرف سے گذرا ان کو دیکھ کر مجھ کو یقین ہو گیا کہ اس وقت اس محلہ کی سب عورتیں ہیں۔ میں نے

---

[1] سورۃ الانعام

ان سے کہا "مائیو! دیوار کے ساتھ مل کر ایک صف تو بناؤ"۔ میرے بزرگوں کی وجاہت ایسی تھی کہ انہوں نے میری بات مان لی اور سڑک کے کنارے سب ایک صف میں کھڑی ہوگئیں۔ ان میں بعینہٖ وہی لڑکی جو میں نے رویا میں دیکھی تھی نظر آئی جو ابھی کنواری ہی تھی۔ میں نے ان سے کہا کہ اس کو میرے پاس بھیج دو۔ چنانچہ بعض عورتوں نے اسے دھکیل کر میری طرف بھیجدیا۔ جب میرے قریب آئی تو میں نے اس سے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے؟ اس نے اپنا نام مجھ کو بتا دیا۔ اس کا نام دریافت کرکے میں نے اس سے کہا کہ بس اب چلی جاؤ۔ کچھ دنوں کے بعد اس متوفی لڑکا وہی دوست مجھ کو ملا۔ میں نے اس سے کہا کہ تم نے تو ہمیں اس عورت کا نام نہ بتایا مگر ہم کو معلوم ہو گیا۔ وہ فلاں محلہ کی لڑکی ہے اور اس کا نام یہ ہے۔ وہ سُنکر ہکا بکا سا رہ گیا اور کہا کہ ہاں یہی نام ہے مگر آپ کو کس طرح معلوم ہو گیا؟ میں نے اس سے اپنے رویا کا ذکر نہ کیا اور نہ مناسب تھا۔"[۱]

اس واقعہ کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے تا معلوم ہو کہ آپ عنفوان شباب ہی سے صاحب رویا و کشوف تھے۔ نیز اس لئے کہ جن افعال شنیعہ کا انسان یہاں مرتکب ہوتا ہے اگلے جہاں میں بھی اس کا نتیجہ اُسے بھگتنا پڑتا ہے۔

بھیرہ میں واپسی اور حصول تعلیم میں شغف

آپ فرماتے ہیں۔

"آخر چار برس کے بعد وہ نوکری کا تعلق خدا تعالیٰ کے فضل سے ٹوٹا اور میرے والد صاحب نے مجھ کو عربی تعلیم کے حصول کے لئے تاکید فرمائی۔ مولوی احمد دین صاحب جو بگے والے قاضی صاحب کے نام سے مشہور تھے۔ میرے اُستاد ہوئے۔ وہ میرے بھائیوں کے بھی اُستاد تھے مگر ان کو جامع مسجد کے بنانے کی ایسی فکر لگی ہوئی تھی کہ ایک جگہ ٹھہرنا اُن کے لئے محال تھا۔ میں ایک سال اُن کے ہمراہ سفر و حضر میں رہا۔ کچھ عربی زبان کی معمولی درسی کتابیں نہایت تکلیف سے پڑھیں اور تنگ آکر اپنے بھائی مولوی سلطان احمد

---

[۱] مرقاۃ صفحہ ۲۰۸-۲۰۹ ۔

صاحب نے کہا وہ مجھے لاہور لائے اور حکیم محمد بخش اور چند اور اساتذہ کے سپرد کر کے بغیرہ تشریف لے گئے"۔ [1]

اے کاش! کہ مولویصاحب موصوف کو کسی طرح اس بات کا علم ہو جاتا کہ جس انسان کے پڑھانے پر وہ ایک مسجد کی تعمیر کو ترجیح دے رہے ہیں اس نے مسیح الزمان کے خدام میں شامل ہو کر ایک لازوال عزت اور شہرت حاصل کرنا ہے اور قرآن و حدیث سے ایک دنیا کو روشناس کرانا ہے تو وہ یقیناً مسجد کا کام چھوڑ کر آپ کو پڑھانے میں نہ صرف فخر محسوس کرتے بلکہ سعادت دارین کا سامان بھی مہیا فرما لیتے۔

رسمی عقیدہ کا اثر

غالباً انہی مولوی صاحب کا ذکر کرتے ہوئے آپ ایک جگہ فرماتے ہیں:۔

"ہمارے ایک اُستاد مولوی تھے۔ ہم پڑھنے کے لئے سفر میں اُن کے ساتھ پھرا کرتے تھے۔ وہ ایک علاقے میں گئے۔ کسی کی چوری کی بھینسیں واپس کرانی تھیں۔ ہم سب ان کے ساتھ تھے۔ انیس دن وہاں مقیم رہے۔ گاؤں والوں نے کہا بھینسیں یہاں نہیں ہیں۔ ہر چند کوشش کی مگر نہیں ملیں۔ آخر ایک دوسرے طالبعلم نے مجھ سے کہا کہ بھینسیں تو آج شام سے پہلے یہاں آجائیں گی۔ میں نے کہا کس طرح؟ کہا کہ ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ جہاں کوئی قریشی اذان کہتا ہے وہ بستی ویران ہو جاتی ہے۔ آج دائرہ (چوپال) کے سامنے چل کر میں کہوں گا۔ آج ہی! تم کہنا آج نہیں! چنانچہ ہم نے ایسا ہی کیا۔ ایک شخص دوڑتا ہوا آیا۔ اس طالب علم نے دریافت کرنے پر جواب دیا کہ یہ ہمارا ساتھی قریشی ہے اور اب اذان دینے کا ارادہ ہے وہ یہ سُنکر دوڑتا ہوا واپس گیا اور ہم سے کہتا گیا کہ ذرا آپ ٹھہرے رہیں۔ تھوڑی دیر میں واپس آیا اور کہا کہ بھینسیں آج ہی آجائیں گی۔ آپ اذان نہ دیں۔ چنانچہ بھینسیں آگئیں اور مولویصاحب کے سپرد کر دی گئیں۔" [2]

خاکسار عرض کرتا ہے کہ ممکن ہے اس عقیدہ کی بنیاد یوں پڑی ہو کہ کسی زمانہ میں کسی قریشی بزرگ نے کسی گاؤں کو راہ راست پر لانے کے لئے وہاں تبلیغ شروع کی ہو اور مسجد میں اذانیں دی ہوں۔ مگر اس گاؤں کے لوگ نماز کی طرف متوجہ نہ ہوئے ہوں اور اس بزرگ کی دعوت کو ٹھکرا دیا ہو جس کے

---

[1] مرقاۃ صفحہ ۵۸ [2] مرقاۃ صفحہ ۱۹۲ +

نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے اس گاؤں کو ویران کر دیا ہو اور اس کے بعد لوگ قریشیوں کی اذان ہی سے ڈرنے لگے ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ بہرحال ہمارا مقصد اس واقعہ کے اندراج سے صرف اس قدر ہے تا یہ دکھایا جاوے کہ اس زمانہ میں لوگ کس قسم کے توہمات میں مبتلا تھے۔

حصولِ تعلیم کے لئے پردیس کا عزم کرنے پر والد ماجد کی نصیحت

لاہور میں تعلیم شروع کئے ہوئے ابھی چند دن ہی گذرے تھے کہ ایک طالب علم کی ترغیب سے آپ نے ریاست رامپور جا کر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا ارادہ کر لیا جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ آپ کے والد ماجد کو اپنی اولاد کی تعلیم کا اس قدر فکر تھا کہ انہوں نے تن من دھن کو اس راہ میں بیدریغ خرچ کیا بلکہ اس راستہ میں محبت پدری کو بھی قربان کرنے سے گریز نہ کیا چنانچہ جب آپ حصول تعلیم کے لئے پردیس جانے لگے تو آپ کے والد ماجد نے جو آپ کو ایک زریں نصیحت فرمائی۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:۔

> "اللہ تعالیٰ میرے باپ پر رحم فرمائے۔ انہوں نے مجھ کو اس وقت جبکہ میں تحصیل علم کے لئے پردیس جانے لگا۔ فرمایا۔ اتنی دُور جا کر پڑھو کہ ہم میں سے کسی کے مرنے جینے سے ذرا بھی تعلق نہ رہے اور تم اس بات کی اپنی والدہ کو خبر نہ کرنا۔" [1]

آپ کے والد ماجد کا آخری فقرہ بتاتا ہے کہ وہ جانتے تھے کہ آپ کی والدہ ماجدہ کو آپ سے اس قدر محبت ہے کہ اگر آپ نے ان سے اپنے وطن سے باہر جانے کی اجازت مانگی تو وہ ہرگز اجازت نہیں دیں گی اس لئے یہ بھی نصیحت کر دی کہ جاؤ ضرور مگر اپنی والدہ سے اس امر کا ذکر نہ کرنا۔ یقیناً جو لوگ اپنی اولاد کے حقیقی خیر خواہ ہوتے ہیں۔ وہ جذبات کی قربانی کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے کیونکہ اس قربانی کے پس پردہ انہیں وہ کچھ نظر آتا ہے۔ جس سے دوسرے لوگ قطعاً بے خبر ہوتے ہیں۔

ایک بزرگ کی نصیحت

آپ فرماتے ہیں:۔

"میں سفر میں جانے لگا تو ایک بزرگ کی بات یاد آئی جس نے

---

[1] مرقاۃ صفحہ ۱۷۳۔

کہا کہ جس شہر میں جاؤ وہاں چار شخصوں یعنی ایک وہاں کے پولیس آفیسر، ایک
طبیب، ایک اہل دل اور ایک امیر سے ضرور ملاقات رکھنا اور جس شہر میں یہ
چاروں نہ ہوں وہاں جانا نہ چاہیئے۔"[1]

رام پور اور لکھنؤ کا عزم

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ آپ نے ایک طالب علم کی ترغیب پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے رام پور جانے کا ارادہ کر لیا تھا۔ لاہور سے تین طالب علموں کا مختصر سا قافلہ ایک کو امیر بنا کر پیدل عازم سفر ہوا۔ اور صعوبات سفر برداشت کرتا ہوا کافی دنوں کے بعد رام پور پہنچا۔ وہاں کوئی واقفیت تو تھی ہی نہیں۔ ایک ویران سی مسجد میں تینوں نے جا کر ڈیرہ لگا لیا۔ ایک سات آٹھ سال کی لڑکی دو دن صبح و شام کھانا لائی تیسرے دن کھانا لاتے ہی کہا کہ میری اماں کہتی ہے آپ دعا کریں میرا خاوند میری طرف توجہ کرے۔ آپ فرماتے ہیں میں نے اس کے خاوند کے پاس پہنچکر اپنی طاقت کے موافق اُسے خوب سمجھایا۔

"جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس شخص نے اپنی بیوی کو رعایت سے بُلایا اور مجھ کو جناب الہٰی کے حضور شکر کا موقعہ ملا"[2]

حافظ عبدالحق صاحب سے ملاقات

اب آپ کو فکر تھی مناسب مقام پر قیام کی اور حصول تعلیم کے لئے اُستادوں کی۔ سوان دونو امور کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو انتظام کیا اس امر کا ذکر کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ

"اسی دن شام کے قریب میں اکیلا پنجابیوں کے محلہ کی ایک گلی میں ہو کر گذرا۔ وہاں ایک شخص حافظ عبدالحق راستہ میں مجھ کو ملے انہوں نے فرمایا کہ آپ میری مسجد میں آ کر رہیں۔ میں نے کہا میں اکیلا نہیں ہوں ہم تین آدمی ہیں۔ انہوں نے تینوں کی ذمہ داری اُٹھائی۔ تب میں نے کہا کہ ہم پڑھنے آئے ہیں ایسا نہ ہو کہ ہم لوگوں کے گھر روٹیاں مانگتے پھریں۔ انہوں نے کہا ایسا نہ ہوگا۔ پھر میں نے کہا کہ ایسا نہ ہو کہ آپ محلّہ کے لڑکے ہمارے سپرد کر دیں۔ انہوں نے کہا یہ بھی نہ ہوگا۔ پھر میں نے کہا ہم کو کتابوں اور استادوں کی فکر ہے۔ انہوں نے کہا میں مدد دوں گا۔ غرض اک

---

[1] مرقاۃ صفحہ ۱۷۶۔ [2] مرقاۃ صفحہ ۵۹۔

اللہ خیراً۔ انہوں نے ایک سال اپنے اس معاہدہ پو بڑی عمدگی سے گذارا۔ اس تعالیٰ[1] اس انتظام کو تسلی بخش پاکر آپ نے اس محنت سے تعلیم حاصل کرنا شروع کی کہ تھوڑے ہی عرصہ میں خاصی قابلیت پیدا کرلی۔

ایک علمی مباحثہ میں آپ کی کامیابی

ایک دن بہت سے طالبعلم اکٹھے ہو کر ایک جگہ آپس میں مباحثہ کر رہے تھے جو سوال زیر بحث تھا۔ آپ نے جب اس پر غور کیا تو آپ کے ذہن میں ایک ایسا جواب آیا جسے آپ کافی سمجھتے تھے چنانچہ آپ نے بلند آواز سے کہا کہ میں اس سوال کا جواب دیتا ہوں۔ اس پر آپ کی سادہ وضع قطع کو دیکھ کر بہت سے طالبعلموں نے یہ سمجھ کر کہ یہ کیا جواب دے گا آپ کی ہنسی اڑائی مگر پنجابی طالبعلموں نے کہا کہ جواب سُن لینے میں کیا مضائقہ ہے؟ جب وہ جواب سُننے پر آمادہ ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ کسی مشہور نحوی کو حَکَم مقرر کرو چنانچہ ایک بزرگ مولوی غلام نبی صاحب حَکَم مقرر کئے گئے۔ انہوں نے جب آپ کا جواب سُنا تو بہت ہی خوش ہوئے اور آپ کو "مولوی" کے لفظ سے خطاب فرمایا۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس وقت مجھ کو اپنے متعلق "مولوی جی" سُننے سے بھی بہت خوشی ہوئی۔

اس کے بعد آپ نے ملاحسن، مشکوٰۃ، اصول شاشی، شرح وقایہ اور میبذی مختلف استادوں سے پڑھنا شروع کیں۔[2]

اُس زمانہ کے طریقہ تعلیم اور عربی نصاب پر تبصرہ

اُس زمانہ کے طریقہ تعلیم اور عربی نصاب پر تبصرہ کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ

"یہاں آکر مجھے اتنا افسوس ہوا کرتا ہے کہ اگر ہندوستان کے مسلمان تعلیمی درسی کتابیں سوچ سمجھ کر مقرر کیا کریں اور پھر ان کے امتحان بھی ہوا کریں اور اس بات کو ملحوظ رکھا جائے کہ طالب علم دین و دنیا دونوں میں ترقی کر سکیں تو قوم پر کتنا بڑا احسان ہو۔ الگ الگ درسگاہیں بڑی دقت میں ڈالتی ہیں۔ سب سے بڑی دقت جو مجھ کو محسوس ہوئی یہ ہے کہ نہ تو اُستاد صلاح دیتے ہیں کہ کیا پڑھنا چاہیئے اور نہ طالب علم اپنے حسب منشا آزادی کے ساتھ اپنے ان قویٰ کے متعلق جو خدا تعالیٰ نے عطا

---

[1] مرقاۃ صفحہ ۵۹۔ [2] مرقاۃ صفحہ ۶۰-۶۱

گئے ہیں کسی کتاب کے انتخاب کرنے کی جرأت کرسکتا ہے۔ نیز اخلاق فاضلہ کی تعلیم و تاکید نہیں ہوتی۔ میں اپنی تحقیق سے کہتا ہوں کہ اس زمانہ میں کسی استاد میں یہ بات نہ دیکھی۔ ان باتوں کا رنج مجھے ابتک بھی ہے۔ کس قدر رنج ہوتا ہے جبکہ میں غور کرتا ہوں کہ اس وقت ہمارے افعال، اقوال، عادات، اخلاق پر کبھی ہمارے معلموں میں سے کسی نے نوٹس نہ لیا بلکہ عقائد کے متعلق بھی کبھی کچھ نہ کہا۔ مجھے تو یہ بھی یاد نہیں کہ مشکوٰۃ میں ہی ہمارے اخلاق پر توجہ دلائی گئی ہو۔" [1]

ایک بزرگ شاہ جی عبدالرزاق صاحب سے ملاقات

رام پور میں ایک بزرگ شاہ جی عبدالرزاق صاحب رہا کرتے تھے۔ آپ اکثر ان کے ہاں جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جو چند دن کے وقفہ کے بعد گئے تو فرمایا کہ

"نورالدین! آپ اتنے دن کہاں رہے۔ عرض کیا حضرت! ہم طالب علموں کو اپنے درس تدریس کے اشغال سے فرصت نہیں ملتی۔ کچھ مجھ سے سستی بھی ہوئی۔ فرمایا کبھی تم نے قصاب کی دکان بھی دیکھی ہے؟ عرض کیا اکثر اتفاق ہوا ہے۔ فرمایا تم نے دیکھا ہوگا کہ گوشت کاٹتے کاٹتے جب اس کی چھریاں کُند ہو جاتی ہیں تو وہ اُن کو تیز کرنے اور ان کی چربی اُتارنے کے لئے انہیں آپس میں رگڑتا ہے۔ عرض کیا کہ حضرت! اس سے آپ کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا بس یہی کہ عدم ملاقات سے کچھ تم پر غفلت طاری ہو جاتی ہے کچھ مجھ پر۔ اور ملاقات کے موقعہ پر پھر ہم تیز ہو جاتے ہیں"

آپ فرماتے ہیں:۔

"ان کی اس بات نے مجھے بہت ہی بڑے فائدے پہنچائے اور ہمیشہ مجھ کو یہ خواہش رہی کہ نیک لوگوں کے پاس آدمی کو جا کر ضرور بیٹھنا چاہیئے اس سے بڑی بڑی سستیاں دُور ہو جاتی ہیں" [2]

---

[1] مرقاۃ صفحہ ۶۱۔

[2] مرقاۃ صفحہ ۶۱-۶۲۔

حضرت مولانا محمد اسمٰعیل شہید کی تعریف کرنے پر علماء کا غصہ اور کلن خاں کی طرفداری

آپ کے ایک اُستاد تھے مولوی ارشاد حسین صاحب۔ ان کو جو پتہ لگا کہ آپ سلسلہ نقشبندیہ کا مُرید ہونے کے باوجود مولوی محمد اسمٰعیل صاحب شہید کی بہت تعریف کرتے ہیں تو وہ بہت بگڑے اور کہا کہ تم جانتے نہیں ہیں ان سے علم میں زیادہ ہوں۔ آپ نے فرمایا

"ہاں! آپ ان سے علم میں زیادہ ہی سہی لیکن یہی تو اُن کا جذب ہے کہ میں اُنکے مقابلہ میں آپ کو یا کسی کو نہیں سمجھتا۔"

آپ کا یہ جواب سُن کر مولوی صاحب بہت ہی خفا ہو گئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں جس محلہ میں رہا کرتا تھا وہاں ایک اَن پڑھ مگر بااثر شخص کلن خاں بھی رہتے تھے ان کو ایک طالب علم عبدالقادر خاں نے میرے خلاف جا کر خوب بھڑکایا اور کہا کہ یہ طالب علم اس قابل نہیں کہ اس کی عزت کی جائے اس کا بہت سے مسائل میں مولوی ارشاد حسین صاحب سے تنازعہ ہے۔ عبدالقادر کی یہ بات سُن کر کلن خاں نے اپنی تلوار نکال کر کہا کہ وہ مسئلے تو یہاں تلوار کی دھار پر لکھے ہوئے ہیں۔ آپ پڑھنا چاہیں تو ہم ابھی پڑھانے کو موجود ہیں۔ عبدالقادر خاں، کلن خاں کی یہ بات سُنکر اسی وقت بھاگ گیا اور پھر مکتب میں آکر خود ہی مجھ سے یہ سب واقعہ بیان کر دیا۔ لیکن آفرین ہے کلن خاں کی شرافت پر کہ اس نے مجھ سے اس واقعہ کا قطعاً ذکر نہیں کیا۔ البتہ میں نے جب ایک مرتبہ اس واقعہ کا ذکر کیا تو کہا کہ اگر وہ ذرا زبان ہلاتا تو میں اس کا سر اُڑا دیتا۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"میں نے کہا کہ آپ کو ایسا نہیں چاہئے تھا۔ اگر خدانخواستہ یہ بات نواب صاحب تک پہنچتی تو آپ کو مشکل پیش آتی۔ کہا کہ نہیں جناب ہمارا سارا محلہ ذبح ہو جائیگا تب کوئی آپ کو ہاتھ لگا سکے گا۔ نواب صاحب ہوں یا کوئی ہوں۔"

آپ فرماتے ہیں کہ

"میں اب تک کلن خاں کا ثناخواں ہوں اور میں اس کو عنایت ایزدی سمجھتا ہوں۔" [۱]

---

[۱] مرقاۃ صفحہ ۶۷۔

کثرت مطالعہ کے باعث سہر کا مرض اور عزم لکھنؤ

رام پور میں آپ دو تین برس رہے اور ممکن ہے یہ قیام اور بھی لمبا ہو جاتا مگر کثرت مطالعہ سے آپ کو سہر کا مرض لاحق ہو گیا تحقیقات پر معلوم ہوا کہ اس وقت ہندوستان میں سب سے بڑے عالم طبیب حکیم علی حسین صاحب لکھنوی ہیں۔ بیماری نے تو لاچار کر ہی رکھا تھا۔ لہٰذا آپ فوراً عازم سفر ہو گئے۔ پہلے مراد آباد پہنچے۔ وہاں خدا تعالےٰ کا ایک بندہ عبدالرشید نام ساکن بنارس ملا اس نے آپ کو اس قدر آرام پہنچایا کہ آپ ماہ ڈیڑھ ماہ میں بالکل تندرست ہو گئے۔ انہی مولوی صاحب کا ذکر کرتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ فرماتے ہیں۔

مولوی عبدالرشید صاحب بنارسی کا ذکر خیر

"میرے ایک بنارس کے رہنے والے محسن مولوی عبدالرشید تھے۔ انہوں نے میرے ساتھ بڑی نیکیاں کی ہیں۔ وہ مراد آباد میں رہتے تھے ایک مرتبہ ایک مہمان عشاء کے بعد آگیا۔ ان بنارسی بزرگ کے بیوی بچے نہ تھے۔ مسجد کے ایک حجرے میں رہتے تھے۔ حیران ہوئے کہ اب اس مہمان کا کیا بندوبست کروں اور کس سے کہوں۔ انہوں نے مہمان سے کہا کہ آپ کھانا پکنے تک آرام کریں۔ وہ مہمان لیٹ گیا اور سو گیا۔ انہوں نے وضو کر کے قبلہ رُخ بیٹھ کر یہ دعا پڑھنی شروع کی۔ افوض امری الی اللہ۔ ان اللہ بصیر بالعباد۔ جب اتنی دیر گذری کہ جتنی دیر میں کھانا پک سکتا ہے اور یہ برابر دعا پڑھنے میں مصروف تھے کہ ایک آدمی نے باہر سے آواز دی کہ حضرت! میرا ہاتھ جلتا ہے جلدی آؤ۔ یہ اُٹھے ایک شخص تانبے کی رکابی میں گرم گرم پلاؤ لئے ہوئے آیا۔ انہوں نے لے لیا۔ اور مہمان کو اُٹھا کر کھلایا۔ وہ حجرہ ابتک میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ اس رکابی کا کوئی مالک نہ نکلا۔ وہ تانبے کی رکابی رکھی رہتی تھی۔ اور وہ کہا کرتے تھے جس کی رکابی ہو لے جائے لیکن کوئی اس کا مالک پیدا نہ ہوا۔"[1]

الٰہی دعوت

اسی قسم کے بعض واقعات حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ کو بھی پیش آچکے ہیں۔ منجملہ

[1] مرقاۃ صفحہ ۲۱۶ - ۲۱۷

ان کے ایک واقعہ اخویم محترم حکیم محمد صدیق صاحب آف میانی ضلع سرگودھا نے سُنایا کہ حضرت خلیفۃ المسیح فرمایا کرتے تھے:۔

"ایک دفعہ میں اچھے اُستاد کی تلاش میں وطن سے دُور چلا گیا۔ تین دن کا بھوکا تھا مگر کسی سے سوال نہیں کیا۔ میں مغرب کے وقت ایک مسجد میں چلا گیا۔ مگر وہاں کسی نے مجھے نہیں پوچھا اور نماز پڑھ کر سب چلے گئے جب میں اکیلا تھا تو مجھے باہر سے آواز آئی۔ نورالدین! نورالدین! یہ کھانا آکر جلد پکڑ لو۔ میں گیا تو ایک مجمع میں بڑا پُر تکلف کھانا تھا۔ میں نے پکڑ لیا۔ میں نے یہ بھی نہیں پوچھا کہ یہ کھانا کہاں سے آیا کیونکہ مجھے علم تھا کہ خدا تعالیٰ نے بھیجا ہے۔ میں نے خوب کھایا اور پھر برتن مسجد کی ایک دیوار کیساتھ کھونٹی پر لٹکا دیا۔ جب میں آٹھ دس دن کے بعد واپس آیا تو وہ برتن وہیں آویزاں تھا۔ جس سے مجھے یقین ہو گیا کہ کھانا گاؤں کے کسی آدمی نے نہیں بھجوایا تھا۔ خدا تعالیٰ نے ہی بھجوایا تھا۔"

خیر اس بات کا ذکر ہو رہا تھا کہ آپ طب سیکھنے کیلئے حکیم علی حسین صاحب لکھنوی کے پاس جانا چاہتے تھے۔ راستہ میں محض اس لئے ٹھہر گئے کہ بیمار تھے اور مولوی عبدالرشید صاحب بنارسی کے ذریعہ آپ کو بہت آرام ملا۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو شفا عطا فرمائی تو پھر لکھنو کا قصد کیا۔ رستے میں ایک روز اپنے بھائی صاحب کے ایک دوست عبدالرحمٰن خاں مالک مطبع نظامی کے پاس کانپور ٹھہرے۔ وہاں سے جو روانہ ہوئے، تو کچی سڑک اور گرمی کا موسم، گرد و غبار نے خاک آلودہ کر دیا۔ گاڑی سے اُترتے ہی حکیم صاحب کا پتہ پوچھا۔ خدائی عجائبات ہیں کہ سامنے ہی حکیم صاحب کا مکان تھا۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"یہاں ایک پنجابی مثل یاد کرنے کے قابل ہے " لَلْ کرے اَوَلْیاں رب کرے سَوَلْیاں۔ میں اسی وحشیانہ حالت میں مکان میں جا گھسا۔ ایک بڑا ہال نظر آیا۔ ایک فرشتہ خصلت، دلربا حسین، سفید ریش نہایت سفید کپڑے پہنے ہوئے ایک گدیلے پر چار زانو بیٹھا ہوا، پیچھے اس کے ایک نہایت نفیس تکیہ اور دونوں طرف چھوٹے چھوٹے تکئے، سامنے پاندان، اُگالدان، خاصدان، قلم

دوات، کاغذ دھرے ہوئے، ہال کے کنارے کنارے جیسا کوئی التحیات میں بیٹھتا ہے، بڑے خوشنما چہرے قرینے سے بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ نہایت براق چاندنی کا فرش اس ہال میں تھا۔ وہ قہقہہ دیوار دیکھ کر میں حیران سا رہ گیا۔ کیونکہ پنجاب میں کبھی ایسا نظارہ دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ بہرحال اس کے مشرقی دروازہ سے (اپنا بستہ اس دروازہ میں ہی رکھ کر) حضرت حکیم صاحب کی طرف جانے کا قصد کیا۔ گرد آلود پاؤں جب اس چاندنی پر پڑے تو اس نقش و نگار سے میں خود ہی محجوب ہو گیا۔ حکیم صاحب تک بے تکلف جا پہنچا اور وہاں اپنی عادت کے مطابق زور سے السلام علیکم کہا جو لکھنؤ میں ایک نرالی آواز تھی۔ یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ حکیم صاحب نے وعلیکم السلام زور سے یا دبی آواز سے کہا ہو مگر میرے ہاتھ بڑھانے سے انہوں نے ضرور ہی ہاتھ بڑھایا اور خاکسار کے خاک آلود ہاتھوں سے اپنے ہاتھ آلودہ کئے اور میں دو زانو بیٹھ گیا۔ یہ میرا دو زانو بیٹھنا بھی اُس چاندنی کے لئے جس عجیب نظارہ کا موجب ہوا وہ یہ ہے کہ ایک شخص نے جو اراکین لکھنؤ سے تھا، اس وقت مجھے مخاطب کر کے کہا کہ آپ کس مہذب ملک سے تشریف لائے ہیں۔ میں تو اپنے قصور کا پہلے ہی قائل ہو چکا تھا مگر خدا شرے برانگیزد کہ خیرِ ما دراں باشد، میں نے نیم نگاہی کے ساتھ اپنی جوانی کی ترنگ میں اس کو یہ جواب دیا کہ یہ بے تکلفیاں اور السلام علیکم کی بے تکلف آواز وادی غیر ذی زرع کے اُمّی اور بکریوں کے چرواہے کی تعلیم کا نتیجہ ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم، فداہ ابی و اُمّی۔ اس میرے کہنے کی آواز نے بجلی کا کام دیا۔ اور حکیم صاحب پر وجد طاری ہو گیا اور وجد کی حالت میں اس امیر کو کہا کہ آپ تو بادشاہ کی مجلس میں رہے ہیں کبھی ایسی زک آپ نے اُٹھائی ہے؟ اور تھوڑے وقفہ سے مجھے کہا کہ آپ کا کیا کام ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں پڑھنے کے لئے آیا ہوں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ میں اب بہت بوڑھا ہو گیا ہوں اور پڑھانے سے مجھے انقباض ہے۔ میں خود تو نہیں پڑھا سکتا۔ میں نے قسم کھا لی ہے کہ اب نہیں پڑھاؤں گا

میری طبیعت ان دنوں بہت جوشیلی تھی اور شاید سہر کا بقیہ بھی ہو اور حق تو یہ ہے کہ خدا تعالےٰ ہی کے کام ہوتے ہیں۔ منشی محمد قاسم صاحب کی فارسی تعلیم نے یہ تحریک کی کہ میں نے جوش بھری اور دردمندانہ آواز سے کہا کہ شیرازی حکیم نے بہت ہی غلط کہا کہ "رنجانیدنِ دل جہل وکفارہ یمین سہل"۔ اس پر ان کو دوبارہ وجد ہوا۔ اور چشم پُرآب ہو گئے تھوڑے وقفہ کے بعد فرمایا۔ مولوی نورکریم حکیم ہیں اور بہت لائق ہیں۔ میں آپ کو ان کے سپرد کر دوں گا اور وہ آپ کو اچھی طرح پڑھائیں گے۔ جس پر میں نے عرض کی کہ "ملک خدا تنگ نیست پائے مرا لنگ نیست" تب آپ پر تیسری دفعہ وجد کی حالت طاری ہوئی اور فرمایا کہ ہم نے قسم توڑ دی۔ اس کے بعد حکیم صاحب تو گھر کو تشریف لے گئے اور وہ لوگ جو مختلف اغراض اور بیماروں کے لئے آئے تھے۔ اپنی اپنی جگہ چلے گئے۔ میں نے بھی تنہائی کو غنیمت سمجھ کر اپنا بوریا بندھنا سنبھالا اور اس مکان سے باہر نکلا۔ میرے بھائی صاحب کے دوست علی بخش خاں مرحوم مطبع علوی کے مالک تھے۔ ان کے مکان پر پہنچا وہاں میں نے بڑا آرام پایا، غسل کیا۔ کپڑے بدلے۔ خانصاحب نے انار کا ایک خوبصورت درخت دکھایا۔ جو اُن کے مطبع والے مکان میں تھا اور فرمایا کہ یہ تمہارے بھائی کی یادگار ہے۔ وہاں آرام پا کر میں مختلف علماء سے جو لکھنؤ میں تھے، ملا۔ اور عجیب عجیب باتیں سُننے میں آئیں۔" [۵]

روٹی پکانے کی کوشش

آپ فرماتے ہیں:-

"آخر علی بخش خاں نے مجھے ایک مکان دیا اور وہاں کھانے کا انتظام مجھے خود کرنا پڑا۔ جیسے کہ میں کہہ چکا ہوں، حرفہ کے لئے میرے دماغ میں کوئی بناوٹ نہیں۔ اپنی روٹی پکانے کے لئے ایک منطق سے کام لینے لگا چولھے میں آگ جلائی۔ توا رکھا اور روٹی گول بنانے کی یہ ترکیب سوجھی کہ آٹے کو بہت پتلا گھول لیا اور ایک برتن کے ذریعہ اس گرم توے پر بلا گھی اور خشکی کے خوبصورت دائرہ

[۵] مرقاۃ صفحہ ۶۷-۶۸۔

کی طرح آٹا ڈال دیا۔ جب اس کا نصف حصہ پک گیا تو پلٹنے کے لئے روٹی کو اٹھانے کی فضول کوششیں کیں۔ ان کوششوں میں روٹی اوپر تک پک چکی تھی۔ خیالی فلسفہ نے توے کو اُتار کر آگ کے سامنے رکھوایا۔ جب عمدہ طور پر اوپر کا حصہ پختہ نظر آیا تو چاقو سے اُتارنے کی ٹھہری۔ مگر چاقو کے ذریعہ اُترنے سے بھی اس نے انکار کیا اور مجھے دعا کی توفیق ملی۔ اس مکان سے باہر نکل کر آسمان کی طرف منہ اُٹھا کر یُوں دعا مانگنے لگا۔ اے کریم مولا! ایک نادان کے کام سپرد کرنا اپنے بنائے ہوئے رزق کو ضائع کرنا ہے۔ یہ کس لائق ہے جس کے سپرد روٹی پکانا کیا گیا۔"[1]

قبولیت دُعا کا اثر اس روٹی کے انتظام اور دعا کے بعد آپ پُر تکلف لباس میں سیدھے حکیم صاحب کے مکان پر تشریف لے گئے۔ حکیم صاحب نے دیکھتے ہی فرمایا:۔

"آپ اس وقت آئے اور بے اجازت چلے گئے۔ یہ شاگردوں کا کام ہے؟ آئندہ تم روٹی ہمارے ساتھ کھایا کرو۔ اور یہیں رہو یا جہاں ٹھہرے ہو وہاں رہو مگر روٹی یہاں کھایا کرو"[2]

آپ فرماتے ہیں:۔

"میں نے کچھ عذر معذرت کے بعد حکیم صاحب کی یہ پیشکش منظور کر لی۔ پھر حکیم صاحب نے فرمایا۔ طب کہاں تک پڑھنا چاہتے ہو؟ میں نے کہا افلاطون کے برابر۔ حالانکہ مجھے قطعاً خبر نہ تھی کہ افلاطون کوئی حکیم ہے یا طبیب۔ آپ نے ہنس کر فرمایا کچھ تو ضرور ہی پڑھ لوگے۔ اگر کسی چھوٹے کا نام لیتے تو میرے دل کو بہت صدمہ پہنچتا کیونکہ ہر ایک انسان اپنی غایت مطلوب تک نہیں پہنچتا۔"

اس کے بعد حکیم صاحب نے آپ کو نفیسی اور اس کا علمی حصہ پڑھانا شروع کر دیا مگر آپ سارے دن میں ایک سبق پر کیسے مطمئن ہو سکتے تھے۔ اِدھر اُدھر پھرنا شروع کیا مگر کوئی جگہ آپ کو پسند نہ آئی۔ البتہ مولوی فضل اللہ فرنگی محلی سے آپ نے ملاحسن اور حمداللہ پڑھنی شروع

---

[1] مرقاۃ صفحہ ۶۹۔ [2] مرقاۃ صفحہ ۶۹-۷۰۔

کردی۔ مگر چند ہی اسباق کے بعد سوچا کہ اگر چھ سات سبق روزنہ ہوں تو یونہی عمر کا ضیاع ہے یہ سوچکر آپ حکیم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تا رخصت حاصل کرکے واپس رام پور چلے جائیں۔

دوبارہ عزم رامپور

آپ فرماتے ہیں :۔

" لیکن قدرت خداوندی کے کیا تماشے ہیں کہ میری اس ادھیڑ بن کے وقت حکیم صاحب کے نام نواب کلب علیخاں نواب رام پور کا تار آیا تھا کہ آپ ملازمت اختیار کرلیں۔ علی بخش نام ان کے ایک چہیتے خدمت گار علیل ہیں۔ ان کا آکر علاج کریں۔ دوپہر کے بعد ظہر کی نماز پڑھ کر میں وہاں حاضر ہوا۔ اپنے منشاء کا اظہار کرکے عرض کیا کہ اب میں رامپور جانا چاہتا ہوں۔ حکیم صاحب نے فرمایا تم یہ بتاؤ مجھ جیسے آدمی کو ملازمت اچھی ہے یا آزادی سے علاج کرنا۔ چار سو روپیہ کے قریب یہاں شہر میں آمدنی ہوتی ہے۔ کیا اس آمدنی کو چھوڑ کر ملازمت اختیار کریں؟ تمہارے خیال میں یہ بھلی بات ہے؟ میں نے عرض کیا کہ نوکری آپ کے لئے بہت ضروری ہے کیونکہ موجودہ حالت میں اگر آپ کے حضور کوئی شخص اپنے پہلو یا سُرین کو کھجلانے لگے تو آپ کو یہی خیال ہوگا کہ کچھ دینے لگا ہے۔ اس پر وہ بہت قہقہہ مار کر ہنسے اور اللہ تعالیٰ نے اُن کے دل میں یہ ڈال دیا۔ یہ بھی اس شخص کے تصرفات کی کوئی بات ہے۔ غرض ہماری ولایت کا وہاں سکہ بیٹھ گیا۔ پھر وہ تار نکالا اور کہا۔ کیا یہ آپ کے رام پور جانے کی ترکیب نہیں؟ اچھا ہم منظور کرتے ہیں اور آپ ساتھ چلیں۔ غرض معاً رام پور واپس آنے کی تیاری ہوگئی ریلپور پہنچ کر حکیم صاحب نے کہا کہ اس شخص کی صحت کے لئے تم دُعا کرو۔ میں نے کہا۔ یہ بچتا نظر نہیں آتا اور مجھے اس کے لئے دعا کی طرف توجہ نہیں ہوتی اور بدُوں توجہ دعا نہیں ہوسکتی۔ اب یہ جئے یا مرے ہم تو رامپور پہنچ ہی گئے۔ آخر علی بخش کا انتقال ہوگیا۔ حکیم صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ اس (علی بخش) کے مرنے پر ہمارے شہر کے ایک حکیم ابراہیم صاحب ہیں ان کو دربار میں ہم پر ہنسی کا موقعہ ملا ہے۔ میں خدا تعالیٰ کی ہستی کا اقرار کرتا ہوں میرے مُنہ سے بیساختہ نکلا کہ اس مریض [illegible] فرصت نہیں

جیسا کوئی ان کے ہاتھ سے بھی مر رہے گا آپ کیوں گھبراتے ہیں۔ قدرت الٰہی دیکھو نہ گمان نہ خیال، علی بخش کے بالمقابل ایک دوسرا خدمت گار نواب کا اسی بیماری میں گرفتار ہوا۔ اور حکیم ابراہیم صاحب لکھنوی اس کے معالج تجویز ہوئے۔ مریض کو ورم کبد بھی تھا۔ ایک دن اس کے مُنہ سے خون آیا۔ معالج حکیم صاحب نے فرمایا کہ یہ بحرانی خون ہے اور ہم کو اس کی صحت کی بہت امید ہے۔ ہمارے حکیم صاحب نے آکر یہی امید ظاہر کی۔ میں نے عرض کی کہ اب یہ مَر گیا ہے۔ خدا تعالیٰ کے عجائبات میں انسان کی کیا مقدرت ہے۔ وہ مریض مَر گیا۔ عوض معاوضہ گلہ ندارد۔ حکیم ابراہیم صاحب آئندہ تمسخر سے باز آ گئے۔" [1]

طبی امتحانات میں کامیابی

آپ فرماتے ہیں کہ میں نے مفرد اور مرکّب ادویہ کے متعلق حکیم صاحب سے کبھی سوال نہ کیا تھا کہ یہ مرکّب کس طرح بنتا ہے یا اس مفرد کا کیا نام ہے؟ کیونکہ مرکّبات کے واسطے میں یقین کرتا تھا کہ قرابادینوں کا مطالعہ کافی ہوگا اور مفردات کے ناموں میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے ایک چیز کا نام اس ملک میں کچھ اَور ہو اور پنجاب میں کچھ اَور۔ اسی طرح آپ فرماتے ہیں کہ ایک روز مجھ سے حکیم صاحب نے سنکھیا اور سُرخ مرچ کے متعلق سوال کیا کہ تم اس کو مفردات سے کس طرح نکالو گے۔ میں نے اپنے مطالعہ کی عادت کے باعث جلد اس کا جواب حاصل کر لیا جس پہ وہ مطمئن ہو گئے۔

دُوسری بات نسخہ نویسی کے متعلق تھی۔ حکیم صاحب چاہتے تھے کہ آپ نسخے لکھا کریں مگر آپ علم حاصل کرنا چاہتے تھے۔ جس وقت آپ دیکھتے کہ بیمار زیادہ تعداد میں آگئے ہیں اور اب سبق پڑھنا مشکل ہے آپ اُٹھ کر دُوسرے اساتذہ کے پاس چلے جاتے۔

ایک دن مرض ماشرہ میں مبتلا ایک مریض آیا۔ اس کا سر ہاتھی کے سر کی مانند موٹا ہو گیا تھا۔ اور ہونٹوں اور آنکھوں کی شکل بھی بڑی بھیانک تھی۔ آپ دو تین روز قبل اس مرض کے حالات کا مطالعہ کر چکے تھے مگر مریض کو دیکھ کر سمجھ میں نہ آیا کہ یہ ماشرہ ہے۔ ادھر حکیم صاحب نے فرمایا کہ اس کا نسخہ لکھو۔ سخت گھبراہٹ میں طبیعت دُعا کی طرف راغب ہوئی۔ معاً حکیم صاحب نے بیساختہ فرمایا کہ ایسے

[1] مرقاۃ صفحہ ۷۰-۷۱

ماشوؤ دنیا میں کم دیکھنے میں آتے ہیں۔ اب یہ تو پتہ لگ گیا کہ اس مرض کا نام ماشرہ ہے مگر نسخہ تجویز کرنے کے لئے کتابوں کا مطالعہ ضروری تھا۔ آپ نے عرض کی کہ اس کے ساتھی اس کو اپنے مکان پر چھوڑ آئیں اور پھر آکر نسخہ لے جائیں چنانچہ آپ نے اپنے کمرہ میں جاکر حکیم صاحب کی زیر نظر کتابیں شرح گیلانی قانون پر، تر دیح الارواح طبری اور مجموعہ بقائی دیکھ کر ایک نسخہ ضماد اور طلا اور کھانے کا لکھ لیا اور حکیم صاحب کے پاس جاکر بیٹھ گئے۔ تیمار دار جب نسخہ لینے آیا تو حکیم صاحب نے آپ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ آپ نے نسخہ لکھا ہے؟ عرض کی۔ ابھی لکھ دیتا ہوں۔ نسخے یاد تو تھے ہی فوراً قلم اٹھایا اور لکھ کر حکیم صاحب کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ حکیم صاحب نے نسخے دیکھ کر فرمایا کہ شرح گیلانی، تر دیح اور مجموعہ بقائی لاؤ۔ حکیم صاحب نے کتابوں پر ایک نظر ڈال کر نسخے تیماردار کو دے دیئے۔ حکیم صاحب کو وہ نسخے دیکھ کر اس قدر خوشی ہوئی کہ فوراً اٹھے اور اپنی بیاض لاکر بڑی محبت سے آپ کی خدمت میں پیش کی اور فرمایا کہ تم اس کے اہل ہو۔ آپ فرماتے ہیں۔ میں نے یہ سوچکر کہ میں نسخوں کو لے کر کیا کروں گا کتاب وہیں چھوڑ دی۔ کسی دوسرے وقت جب حکیم صاحب تشریف لائے تو بیاض کو وہیں پڑا دیکھ کر فرمایا کہ بیاض تو یہیں پڑی ہے تم نے اُسے سنبھالا نہیں۔ میں نے عرض کی کہ میں اس کو کیا کروں۔ نسخہ لکھنا تو تشخیص پر منحصر ہے اور اس میں تشخیص کوئی نہیں۔ اس پر حکیم صاحب نے متبسم ہو کر کہا کہ بات تو ٹھیک ہے

ایک مرتبہ حکیم صاحب نے فرمایا کہ تم شرح اسباب کسی کو ہمارے سامنے پڑھاؤ جس کو آپ نے بطیب خاطر پسند کیا اور ایک شخص مولوی محمد اسحاق ساکن نگینہ کو شرح اسباب حکیم صاحب کے سامنے کامیابی کے ساتھ پڑھائی۔

متنبی پڑھانے سے مُفتی سعد اللہ کی بے اعتنائی پر آپ کا ردِ عمل؛

ایک مرتبہ متنبی پڑھنے کے لئے آپ مفتی سعد اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے مگر مفتی صاحب نے روکھے الفاظ میں عدیم الفرصتی کا عذر کیا۔ آپ نے فرمایا اچھا! اب ہم اسی وقت آپ سے پڑھیں گے جب آپ ہماری منت کریں گے۔ مکان پر واپس آکر آپ نے محترم حکیم صاحب سے عرض کی کہ حضرت! علم حاصل کرنے کا فائدہ کیا ہے؟ فرمایا کہ علم سے اخلاق فاضلہ پیدا ہوتے ہیں مگر ساتھ ہی پوچھا کہ بات کیا ہے۔ عرض کی کہ مفتی سعد اللہ کی خدمت میں متنبی پڑھنے کے لئے حاضر ہوا تھا۔ انہوں نے رُوکھے پن سے کہا کہ ہم کو فرصت نہیں

حکیم صاحب نے اسی وقت مفتی صاحب کے نام رقعہ لکھا کہ جب آپ کچہری سے فارغ ہوں تو اسی راستہ سے گھر تشریف لے جائیں اور آپ کو کہا کہ آپ ایک کوٹھڑی میں چلے جائیں۔ جب مفتی صاحب تشریف لائے تو حکیم صاحب نے فرمایا۔ مفتی صاحب! اگر ہم آپ سے کچھ پڑھنا چاہیں تو آپ کچھ وقت نکال سکیں گے مفتی صاحب نے بڑے زور شور سے کہا کہ کیوں نہیں۔ ہم ہر وقت آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہیں فرمایا۔ اگر کوئی ہمارے پیر و مرشد پڑھنا چاہیں تو پھر؟ مفتی صاحب بولے اُن کو تو جہاں وہ چاہیں ہم خود جا کر پڑھا دیا کریں گے بھوڑی دیر کے بعد حکیم صاحب نے آپ کو بلوایا۔ آپ کو دیکھ کر مفتی صاحب ہنس پڑے اور کہا کہ آؤ صاحب! ہم اب آپ کی منت کرتے ہیں کہ آپ پڑھیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ گو میں نے مفتی صاحب سے تنبی پڑھ لی مگر

"یہ شکایت میں اب بھی کرتا ہوں کہ باوجود اس کے کہ میں بڑے بڑے علماء کی خدمت میں جاتا تھا کسی نے نہ تو اخلاقی تعلیم دی اور نہ کسی کتاب کا مشورہ دیا نہ آئندہ کی ضرورتوں سے آگاہ کیا۔" [1]

ایک دلچسپ مباحثہ میں کامیابی

ایک مرتبہ طالب علموں میں مباحثہ ہوا کہ اہل کمال کسی کو اپنا کمال بتاتے ہیں یا نہیں؟ آپ کا دعویٰ تھا کہ بتاتے ہیں مگر دوسرے طالب علم کہتے تھے کہ نہیں بتاتے۔ فیصلہ یہ ہوا کہ یہاں امیر شاہ صاحب ایک باکمال انسان ہیں۔ اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر فیصلہ کروا لیتے ہیں۔ جب ان کی خدمت میں پہنچے تو وہ ایک لکڑی کے تخت پر تکیہ لگائے لیٹے ہوئے تھے اور پاس ہی زمین پر ایک چھوٹی سی چٹائی بچھی ہوئی تھی بڑے بڑے اور زیادہ مستحق طالب علم اس چٹائی پر بیٹھ گئے باقی زمین پر بیٹھ گئے۔ مگر آپ کو چونکہ زمین پر بیٹھنے سے نفرت بلکہ کراہت تھی اس لئے آپ ایک کچی دیوار کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ امیر شاہ صاحب نے طالب علموں کو مخاطب کر کے کہا "او ملّو! کس طرح آئے" آپ فرماتے ہیں:-

"میں نے عرض کیا۔ ایک مقدمہ ہے جس میں یہ سب لوگ مدعی اور میں مدعا علیہ ہوں یا میں مدعی ہوں اور یہ مدعا علیہ ہیں۔ آپ سے فیصلہ کروانا چاہتے ہیں۔ تب انہوں نے کہا کہ تم کھڑے کیوں ہو؟ میں نے عرض کیا کہ چٹائی بہت چھوٹی ہے۔ جو ہمارے اعزاز

---

[1] برکات صفحہ ۷۰-۷۳

کے قابل طالب علم تھے وہ بیٹھ گئے، اب کوئی جگہ نہیں اس لئے میں کھڑا ہوں۔ انہوں نے فرمایا تم ہمارے پاس آجاؤ۔ میں فوراً تخت پر اُن کے پاس جا بیٹھا۔ طالبعلموں کا تو اسی وقت فیصلہ ہوگیا۔ مگر انہوں نے مقدمہ سُنکر صاف لفظوں میں مجھ سے کہا کہ تم سچے ہو اور یہ سب غلطی پر ہیں۔ میں نے کہا۔ بس فیصلہ ہوگیا۔ اب جاتے ہیں۔"

اس کے بعد انہوں نے عملیات کی ایک قلمی ضخیم کتاب آپ کو لاکر دی اور فرمایا کہ یہ میری ساری عمر کا اندوختہ ہے جو میں تم کو دیتا ہوں مگر آپ نے فرمایا کہ میں تو ایک طالب علم ہوں۔ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ اس پر انہوں نے چشم پُر آب ہو کر فرمایا:۔

"ہم تم کو دیتے ہیں اور تم لیتے نہیں۔ یہ لوگ مانگتے ہیں اور ہم دیتے نہیں" [1]

ایک قیمتی نکتہ

آپ فرماتے ہیں۔ جب میں اُٹھنے لگا تو انہوں نے فرمایا:۔

"ہم ایک بات عملیات کے متعلق کہتے ہیں اُس کو سُن لو جب کوئی شخص تمہارے پاس کسی غرض کے لئے آئے تو تم کو چاہیئے کہ تم جناب الٰہی کی طرف جُھک جاؤ اور یوں التجا کرو کہ الٰہی میں نے اس کو نہیں بلایا۔ تو نے خود بھیجا ہے۔ جس کام کے لئے آیا ہے اگر وہ کام کرنا تجھ کو منظور نہیں تو جس گناہ کے سبب میرے لئے تو نے یہ سامان ذلت بھیجا میں اس گناہ سے توبہ کرتا ہوں۔ پھر بھی دوبارہ تمہاری اس دعا مانگنے کے بعد وُہ اصرار کرے تو دوبارہ اللہ تعالیٰ کے حضور دعا مانگ کر اس کو کچھ لکھدیا کرو۔" [2]

آپ فرماتے ہیں:۔

"مجھ کو امیر شاہ صاحب کے بتائے ہوئے اس نکتہ نے آجتک بڑا فائدہ دیا۔ مگر ان طلبا نے مطلق توجہ نہیں کی اور ان کو کچھ بھی خبر نہ ہوئی کہ انہوں نے کیا بتا دیا۔"

طالب علموں نے باہر نکلتے ہی کہا کہ اس کو حُبّ کا عمل آتا ہے جس کے باعث شاہ صاحب اس کے قابو میں آگئے اور اسی واسطے یہ ہمیشہ بڑے بڑے امیروں اور معززوں میں رہتا ہے۔

رام پور کا ایک عجیب واقعہ

آپ فرماتے ہیں:۔

"میں رام پور میں جن حکیم صاحب سے طب پڑھتا تھا وہ

---

[1] مرقاۃ صفحہ ۷۴-۷۵ [2] مرقاۃ صفحہ ۷۶

بڑے آدمی تھے۔ ان کے یہاں بہت سے مہمان لکھنو وغیرہ کے پڑے رہتے تھے۔ وہیں مرزا رجب علی بیگ سرور مصنف "فسانۂ عجائب" بھی جو بہت بوڑھے تھے، رہتے تھے۔ میں نے ایک دن ان سے کہا کہ مرزا صاحب! مجھ کو اپنی کتاب "فسانۂ عجائب" پڑھا دو۔ میں اس کتاب کو آپ سے پڑھ کر اس کی سند لینا چاہتا ہوں۔ انہوں نے کہا۔ بہت اچھا۔ میں نے ایک ہی دو صفحہ پڑھا تھا کہ یہ فقرہ آیا۔ کہ "اِدھر مولوی ظہور اللہ و مولوی محمد مبین اور اُدھر مولوی تقی و میر محمد مجتہد وغیرہ"۔ میں نے اس فقرہ پر پہنچکر ان سے کہا کہ مرزا صاحب۔ یہ بتاؤ کہ تم سُنّی کیسے ہوئے۔ نہایت حیران اور متعجب ہو کر کہنے لگے کہ تم نے یہ کیسے معلوم کیا کہ میں سُنّی ہوں۔ میں نے کہا کہ آپ کو اس سے کیا، آپ ہیں تو سُنّی یہ بتا دیجئے کس طرح سُنّی ہوئے۔ انہوں نے کہا تم اول بتاؤ میرا سُنّی ہونا کس طرح معلوم کیا؟ میں نے کہا۔ اِدھر کا لفظ اپنی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ آپ نے اِدھر کے ساتھ سُنّی مولویوں کے نام لکھے ہیں اور جب لکھا ہے اُدھر تو اُدھر کے ساتھ شیعوں کے نام لکھے ہیں، دلیل اس بات کی ہے کہ تم سُنّی ہو، سُن کر ہنس پڑے اور کہا۔ لو میرے سُنّی ہونے کی داستان سُنو۔ میں لکھنو سے دلی آنے لگا تو لکھنو کے بادشاہ نے مجھ سے کہا کہ تم دلی جاتے ہو۔ وہاں شاہ عبدالعزیز سے ضرور مل کر آنا۔ میں دلی آیا۔ اور شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ لیکن یہ سوچ کر کہ یہ عربی کے بہت بڑے عالم ہیں اور میں عربی جانتا نہیں۔ اردو میں عربی الفاظ بھی بکثرت استعمال ہوتے ہیں ان کے سامنے اگر عربی کا کوئی لفظ زبان سے غلط نکلا تو یہ بہت ہی حقیر سمجھیں گے کہ یہ شاعر کیسا ہے کہ الفاظ بھی صحیح نہیں بول سکتا۔ میں خاموش ہی بیٹھا رہا اور خاموش ہی اُٹھ کر چلا آیا۔ دُوسرے دن کچھ عبارت یاد کی کہ اس طرح گفتگو کروں گا۔ اور الفاظ بہت سوچ سمجھ کر اور تحقیق کر کے صحیح صحیح یاد کر لئے لیکن جب وہاں گیا تو پھر یہ خیال آیا کہ اگر گفتگو بڑھی اور مجھ کو اور کچھ باتیں کرنی پڑیں تو بڑی مشکل ہوگی۔ اس خیال سے پھر خاموش رہا۔ غرض تین روز تک اسی طرح جاتا اور خاموش ہی اُٹھ کر واپس آتا رہا۔ یہ بھی خیال تھا کہ جب لکھنو جاؤں گا تو بادشاہ دریافت کریں گے کہ دلی میں شاہ عبدالعزیز

صاحب سے مل کر آئے، کیا باتیں ہوئیں؟ تو کیا جواب دوں گا۔ اس وجہ سے روز جاتا بھی تھا ایک دن شاہ صاحب نے خود ہی مجھ کو مخاطب کر کے فرمایا اور کہا میاں تم کہاں سے آئے ہو۔ کیسے آئے ہو؟ میں نے کہا کہ میں لکھنو رہتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا کہ لکھنؤ میں کہاں؟ میں نے کہا کہ پکّے پل پر۔ یہ سُن کر انہوں نے فرمایا کہ ہاں تم تو چاند پور کے رہنے والے ہو۔ میں نے کہا کہ نہیں میں لکھنو رہتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا کہ ہاں لکھنؤ میں کس مقام پر؟ میں نے کہا کہ پکّے پل پر۔ کچھ سوچ کر فرمایا کہ ہاں تو تم چاند پور کے رہنے والے ہو۔ میں سُنکر خاموش رہا۔ میں نے شاہ صاحب سے عرض کیا کہ شیعہ سُنّی کا جھگڑا کس طرح طے ہو۔ انہوں نے فرمایا کہ تم یہ بتاؤ کہ ہمارے اور شیعوں کے درمیان کوئی چیز بھی مابہ الاشتراک ہے؟ میں نے کہا کہ ہاں قرآن شریف کو شیعہ بھی مانتے ہیں اور سُنّی بھی۔ انہوں نے فرمایا کہ بس تو اب آسان طریقہ یہ ہے کہ قرآن شریف جو مذہب تعلیم فرمائے اس کو قبول کر لو۔ میں نے کہا میں تو عربی نہیں جانتا۔ کہا کہ ہمارے بھائی شاہ رفیع الدین نے قرآن شریف کا ترجمہ لکھا ہے۔ تم اس ترجمہ کو پڑھو اور جو لفظ ترجمہ کا سمجھ میں نہ آئے بس اسی لفظ کے اُوپر کا اصل عربی لفظ لیکر کسی سُنّی یا شیعہ مولوی سے اس لفظ کے معنی دریافت کر لو۔ لیکن صرف اسی لفظ کے معنی۔ آگے پیچھے کی عبارت دریافت کرنے کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح تمام ترجمہ خوب سمجھ کر پڑھ لو۔ چنانچہ میں نے وہ ترجمہ پڑھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں سُنّی ہو گیا۔ میں جب واپس ہو کر لکھنو گیا تو بادشاہ نے مجھ سے دریافت کیا۔ میں نے قرآن شریف والی بات کا ذکر تو کیا نہیں۔ بادشاہ سے عرض کیا کہ کیا بتاؤں۔ وہ چاند پور کہتے رہے اور میں لکھنو کہتا رہا۔ بادشاہ نے کہا کس طرح اتفاق ہوا مفصّل بیان کرو۔ جب میں نے مفصّل بیان کیا تو بادشاہ نے فوراً حکم دیا کہ تمام پورانے کاغذات اور نوشتے بہم پہنچا کر اس بات کی تحقیق کرو کہ لکھنو کی آبادی سے پیشتر اس تمام قطعہ زمین میں جہاں اب لکھنو آباد ہے کون کونسے گاؤں آباد تھے چنانچہ بہت دنوں میں یہ بات تحقیق ہو کر بادشاہ کی خدمت میں تحقیق کا نتیجہ پیش کیا گیا تو معلوم ہوا کہ جہاں پکّا پل ہے وہاں پیشتر چاند پور نام ایک آبادی تھی۔ بادشاہ

نے بڑا تعجب کیا کہ افسوس ہم کو اپنے شہر کا جغرافیہ معلوم نہیں اور شاہ عبدالعزیز دلّی میں بیٹھے ہوئے ہمارے شہر کے جغرافیہ سے اس قدر واقف !!" [1]

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرمایا کرتے تھے کہ

"نظم سے تو نہیں مگر میں کسی مصنف کی نثر کا ایک ورق پڑھ کر اس کے حالات معلوم کر جاتا ہوں کہ اس کا مذہب کیا ہے، بیوی، بچوں، دوستوں، دشمنوں سے اس کے تعلقات کیا ہیں۔ ایک مصنف سے میں نے کہا۔ تم سُنّی ہو۔ اس نے کہا آج تک نہ شیعہ نے مجھے سُنّی سمجھا اور نہ سُنّیوں نے، آپ کو کیسے علم ہوا۔ میں نے کہا یہ بھی ایک علم ہے۔" [2]

حضور نے ۸ر اگست ۱۹۱۳ء کے خطبہ جمعہ میں بھی اس واقعہ کا اختصاراً ذکر فرمایا۔ اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے اس جواب کا کہ

"قرآن پڑھو۔ حق ظاہر ہوگا" اور یہ کہ ہمارے بھائی رفیع الدین نے ترجمہ لفظی لکھدیا ہے اگر کچھ شبہ ہو تو کسی مذہب کے عالم سے فقرہ اس لفظ کا ترجمہ پوچھ لو۔ پھر مذہب حقیقی کا پتہ لگ جائے گا"

ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ

"بس وہ سبق تو فسانہ عجائب کے دوسرے صفحہ تک رہ گیا اور ہمیں قرآن شریف کی بڑی محبت ہو گئی" [3]

ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ حضور نے "فسانہ عجائب" کے صرف دو صفحے مرزا رجب علی بیگ صاحب سے پڑھے تھے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کی توجہ قرآن شریف کیطرف پھیر دی اور "فسانہ عجائب" کی بجائے آپ "خزانۂ عجائب" کے گرویدہ ہو گئے۔

حصول سند و اجازت رخصت

آپ دو برس حضرت حکیم علی حسین صاحب کے پاس رہے اور بمشکل قانون کا عملی حصہ ختم کیا۔ بعد حصول سند و اجازت رخصت مانگی اور عرض کی کہ اب میں عربی کی تکمیل کے لئے اور حدیث پڑھنے کے لئے جاتا ہوں۔ حکیم صاحب نے آپ کو میرٹھ اور دلّی جانے کا مشورہ دیا اور ساتھ ہی محبت سے فرمایا۔ ہم آپ کو

---

[1] مرقاۃ صفحہ ۲۱۴ تا ۲۱۶ ، [2] بدر مورخہ ۲۲ جولائی ۱۹۰۹ء صفحہ ۳ ، [3] الفضل مورخہ ۲۰ اگست ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵۔

ان دونوں شہروں میں معقول خرچ بھیجا کریں گے۔ جب آپ میرٹھ پہنچے تو حافظ احمد علی صاحب کلکتہ کو چلے گئے تھے اور مولوی نذیر حسین مجاہدین کو روپیہ پہنچانے کے مقدمہ میں ماخوذ تھے لہذا اس وقت آپ ان دونوں سے ایک حرف بھی نہ پڑھ سکے۔ البتہ بعد ازاں جبکہ طالب علمی کا زمانہ گذر چکا تھا، آپ فرماتے ہیں کہ

"میں نے حافظ احمد علی صاحب سہارنپوری سے بہت کچھ استفادہ کیا۔"[1]

خاکسار عرض کرتا ہے کہ مولوی سید نذیر حسین صاحب سے نہ پڑھنے میں بھی ایک حکمت تھی۔ اور وہ یہ تھی کہ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ مسیحیت کے بعد اول المکفرین بننا تھا اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس کے خلیفہ اول ہونے کا شرف عطا کرنا تھا۔ اس لئے اس نے نہ چاہا کہ آپ ایسے انسان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کریں۔ البتہ ان کے علمی غرور کو توڑنے کے لئے آپ طالب علمی کے زمانے کے بعد کسی وقت ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ

"اگرچہ اب . . . . میری عمر پڑھنے کی نہیں رہی لیکن اگر آپ صرف دو تین ہی سوالات کا جواب دیدیں تو آپ کا شاگرد ضرور بن جاؤں گا۔ کہنے لگے کہ بہت اچھا۔ جب میں نے سوال کیا تو کہنے لگے کہ اس میں تو بڑا بکھیڑا ہے اور اصل بات یہ ہے کہ سوال آپ کے وقت کا ہے آپ ہی اس کا جواب دیں۔ نہ یہ ہمارے وقت کا ہے اور نہ ہم اس کا جواب دے سکتے ہیں۔ پھر میں نے ایک اَور سوال کیا تو کہا اس میں اس سے بھی بڑھ کر جھگڑا ہے اور کہا کہ اچھا یہ سوال نہیں کوئی اور سوال کرو۔ جب تیسرا سوال کیا۔ تو صاف کہدیا کہ ہمیں اس کا جواب نہیں آتا۔"[2]

ان سوالات کا بھی ذکر حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے کسی جگہ فرمایا ہے مگر اس وقت ان کا حوالہ نہیں مل سکا۔ البتہ ایک سوال ان میں سے یہ تھا کہ وہ گرگٹ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے جلائی گئی آگ میں پھونکیں مار کر اُسے تیز کرتا تھا وہ تو مر چکا۔ اب جو گرگٹ موجود ہیں ان کا کیا قصور؟ انہیں کیوں ستایا جائے؟ ابھی تم نے دو اَور سوالات سنے جن کا جواب مولوی سید نذیر حسین صاحب نہ دے سکے خیر یہ تو ایک ضمنی بات تھی۔ ذکر یہ ہو رہا تھا کہ جب میرٹھ اور دہلی میں آپ کی تعلیم کا انتظام نہ

---

[1] بدر جلد ۱۲ نمبر ۱۷ صفحہ ۴ ۲۴ اکتوبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳؛ الحکم جلد ۱۵ نمبر ۲۹/۳۱ صفحہ ۷ سنہ ۱۹۱۱ء

---

[2] مرقاۃ صفحہ ۶

نہ ہو سکا تو آپ عازم بھوپال ہو گئے۔[1]

روئدادِ سفر بھوپال

بھوپال جاتے ہوئے جب آپ گوالیار پہنچے تو وہاں حضرت سید احمد صاحب بریلوی کے صحبت یافتہ ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی۔ آپ کو ان کی صحبت میں کچھ ایسی خوشی حاصل ہوئی کہ آپ وہیں رہ پڑے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب انہوں نے مجھ سے باتیں کرتے ہوئے یہ دو شعر پڑھے کہ

نہ کر عوض میرے عصیاں و جرم بیحد کا — کہ تیری ذات غفور الرحیم کہتے ہیں
کہیں نہ کہدے عدو دیکھ کر مجھے غمگیں — یہ اس کا بندہ ہے جس کو کریم کہتے ہیں[2]

تو مجھ پر اس قدر اثر ہوا کہ

"آج اس بات کو شاید پچاس برس کے قریب زمانہ گذرتا ہے لیکن وہ لذت ابتک بھی فراموش نہیں ہوئی۔ اگرچہ ادعیہ مسنونہ کی برابری یہ دعا نہیں کر سکتی مگر معلوم نہیں کہ کیسے دل سے نکلی تھی جس میں عجیب قسم کا اثر ہے۔"[3]

گنہ چھاؤنی کی ویران مسجد میں قیام

کچھ روز وہاں قیام کرنے کے بعد آپ گنہ چھاؤنی پہنچے راستہ میں پیدل چلنے کی وجہ سے آپ کے پاؤں زخمی ہو گئے تھے اور آپ تھک کر چور ہو گئے تھے اور اب مزید چلنے کی سکت بالکل باقی نہ تھی ایک ویران سی مسجد میں ڈیرہ لگا لیا۔ بہت رات گئے ایک نمازی آیا۔ آپ نے دیر سے آنے کی وجہ دریافت کی۔ اس نے کہا ہم کاروباری لوگ، بڑے اتفاق سے یہاں رہتے تھے لیکن رفع یدین اور آمین بالجہر کے جھگڑے کی وجہ سے قریب تھا کہ یہ مسجد گنج شہیداں ہو جائے۔ آخر ایک دنیادار نے کہا کہ تم سب گھروں میں نمازیں پڑھا کرو لیکن میرا دل چونکہ مسجد کے سوا نہیں لگتا اس لئے میں ایسے وقت مسجد میں آتا ہوں جبکہ کوئی آدمی مجھے مسجد آتا نہ دیکھ سکے۔ آپ نے اُسے کہا اگر ممکن ہو تو کل ان لوگوں کو بلاؤ ہم ان کو کچھ سنانا

---

[1] مرقاۃ صفحہ ۷۶ ۔ [2] حضرت حافظ مختار احمد صاحب شاہجہانپوری فرماتے ہیں کہ یہ اشعار در اصل یوں ہیں ؎

نہ کر عوض میرے جرم و قصور بیحد کا — الٰہی! تجھ کو غفور الرحیم کہتے ہیں
کہے عدو نہ کہیں دیکھ کر مجھے محتاج — یہ اس کا بندہ ہے جس کو کریم کہتے ہیں

---

[3] مرقاۃ صفحہ ۷۷ ۔

چاہتے ہیں۔ وہ نماز پڑھ کر چلا گیا اور کچھ دیر کے بعد کھچڑی لایا۔ جو آپ اور آپ کے ایک افغان ساتھی محمود نامی دونوں کے لئے کافی تھی۔ دوسرے دن وہ بہت سے آدمیوں کو بُلا لایا۔ آپ نے انہیں سمجھایا کہ دیکھو خدا تعالیٰ واحد ہے، رسُول واحد ہے، کتاب واحد ہے، قبلہ توجہ واحد ہے، فرائض میں بھی قریباً باہمی اشتراک ہے۔ پھر تم چھوٹی چھوٹی باتوں کے لئے ایک عظیم الشان کام یعنی نماز باجماعت کو کیوں چھوڑتے ہو۔ آپ کی اس تقریر کا ان لوگوں پر بہت اچھا اثر پڑا۔ اور انہوں نے مسجد آنا شروع کر دیا

گنتہ چھاؤنی سے نکل کر آپ نے ابھی تھوڑا ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ ایک زمیندار نے آپ کو کہا کہ جس سڑک پر آپ لوگ چل رہے ہیں اس پر مری یعنی ہیضہ ہے لہذا آپ دوسری سڑک پر چلیں۔ لیکن آپ کے افغان ساتھی نے اس کی نصیحت کی پروا نہ کی۔ آپ نے بھی روکا۔ مگر اس نے کہا خبر واحد ہے کیا اعتبار۔ ابھی چند منٹ ہی چلے تھے کہ محمود خود ہیضہ میں مبتلا ہو گیا اور ایک ہی اجابت نے اُسے بالکل مضمحل کر دیا۔ ایک گاؤں میں داخل ہونے کی کوشش کی۔ مگر اہلِ قریہ نے روک دیا۔ ناچار ایک املی کے درخت کے نیچے آپ نے ڈیرہ لگا لیا۔ باوجود علاج اور کوشش کے محمود دو تین روز کے بعد فوت ہو گیا۔ گاؤں کا نمبردار دفن کرنے کے لئے گڑھا کھدوانے پر ایک زرِ خطیر لے کر راضی ہوا جب قبر تیار ہو گئی تو آپ نے محمود کو خود اُٹھا کر قبر میں اُتارا۔ اور مٹی برابر کرنے کے بعد نماز جنازہ یاد آئی اس حق رفاقت ادا کرنے اور کئی روز تک کھانا نہ ملنے کی وجہ سے آپ نے بہت تکلیف اُٹھائی۔ مگر خدا تعالےٰ مسبب الاسباب ہے۔ اس گاؤں میں مسلمانوں کا صرف ایک ہی گھر تھا۔ صاحب البیت کا نام تھا گرجن اور اس کے بھائی کا نام تھا ارجن۔ اور جس کو آپ نے اپنی مدد کے لئے ہر چند کہا تھا۔ مگر اس نے صاف انکار کر دیا تھا۔ اس کا اکلوتا بیٹا ہیضہ میں گرفتار ہو گیا۔ کچھ تو مشرکانہ خیال کے باعث اور کچھ اس لئے کہ آپ کو محمود کا علاج کرتے دیکھ چکا تھا، آپ کے پاس دوڑتا ہوا آیا اور کہا کہ ہمارے گھر چلو اور بھوجن بھی کھاؤ۔ آپ اس کے ہاں تشریف لے گئے اور لڑکے کو یہ دوا دی۔ گل نا شگفتہ عشر (آکھ) تولہ، سہاگہ بریاں ۵ ماشہ، دار فلفل ۵ ماشہ، لونگ ۵ ماشہ، زنجبیل ۵ ماشہ، گولی بنائی اور نیم کے اندر چھال کے پانی کے ساتھ دی اور لہسن کوٹ کر اس کے ناخنوں کے ساتھ باندھ دیا۔ لڑکا سنبھل گیا۔ اس کی ماں نے تازہ چوکا بنا کر آپ کو بھوجن کھلایا۔ بعد ازاں اور بھی بہت سے مریضوں کا آپ نے علاج کیا۔ نمبردار نے نہ صرف یہ کہ آپ کا روپیہ واپس کر دیا بلکہ مع آپ کے اسباب کے بھوپال بھی پہنچا دیا۔

بھوپال میں ورود

جب آپ بھوپال پہنچے تو آپ نے اپنا اسباب معہ نقدی ایک بیرونی سرائے میں رکھا، کپڑے بدلے اور صرف ایک روپیہ رُومال میں باندھ کر شہر کو چل دیئے، راستے میں ایک باورچی کی دوکان سے اٹھنی کی روٹی کھائی۔ اب اٹھنی باقی تھی۔ قلعہ دار سے اجازت حاصل کر کے جب شہر میں داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ اٹھنی کہیں گر گئی تھی۔ جب نقدی لینے کے لئے واپس سرائے میں پہنچے تو اسباب تو بالکل محفوظ تھا مگر روپیہ ندارد۔ دوسرے دن اسباب لے کر شہر میں داخل ہوئے۔ فکر تھی کہ اسباب کہاں رکھیں۔ جب اسی باورچی کی دوکان کے سامنے سے گذرنے لگے جہاں سے ایک روز قبل کھانا کھایا تھا تو اس نے کہا کھانا کھا لو۔ آپ نے کتابیں اور سامان اس کی دوکان پر رکھا اور بلا تکلف خوب کھانا کھایا۔ دل میں یہ تھا کہ پیسے تو پاس ہیں نہیں مگر آخر تمام اسباب آٹھ آنہ کا بھی نہ ہوگا۔

باجی کی مسجد میں قیام

بھوپال میں باجی کی مسجد بڑی عمدہ اور ہوادار اور تالاب کے کنارے پر تھی۔ آپ کو پسند آئی۔ اور آپ نے زیادہ وقت وہیں گذارنا شروع کردیا جب کئی وقت فاقہ کرتے گذر گئے تو ایک دن یقین ہوگیا کہ آج شام تک شاید نہ بچ سکوں گا۔ اسی مسجد میں ایک چبوترہ تھا۔ عصر کے بعد اس چبوترہ پر پہلے ٹیک لگا کر بیٹھے اور پھر لیٹ گئے۔ کمزوری کی وجہ سے بدن سے پسینہ جاری تھا۔

منشی جمال الدین صاحب مدار المہام سے ملاقات

اسی وقت منشی جمال الدین صاحب مدار المہام نماز کے لئے تشریف لائے۔ بعد نماز آپ نے امام صاحب کو آپ کے پاس بھیجا۔ آپ تو جان سے بھی بیزار تھے۔ امام صاحب کے سوالات کا رُوکھے پن سے جواب دیا۔ معلوم نہیں امام صاحب نے کیا جاکر کہا ہوگا مگر اُن کے پہنچتے ہی منشی صاحب معہ اپنے ہمراہیوں کے خود تشریف لائے۔ اور فرمایا کیا آپ پڑھے ہوئے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں! دوسرا سوال ان کا یہ تھا کہ آپ کیا کیا علوم جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ سبھی کچھ جانتا ہوں۔ تب انہوں نے اپنی نبض آپ کو دکھائی۔ آپ نے فرمایا۔ بدہضمی ہے۔ انھوں نے نسخہ طلب کیا۔ آپ نے ایک نہایت قیمتی نسخہ لکھوا دیا۔ انہوں نے کہا اگر فائدہ نہ کرے۔ آپ نے اس کا نہایت سختی سے جواب دیا۔ تیسرا سوال انہوں نے یہ کیا کہ کیا آپ علم مساحت جانتے ہیں؟ فرمایا۔

ہاں جانتا ہوں۔ سامنے ایک بڑا تالاب تھا۔ کہا، کیا آپ یہاں بیٹھ کر اس کی مساحت کر سکتے ہیں؟ فرمایا ہاں۔ آپ نے ایک قاعدے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ تو ایک قلم کے ذریعہ سے کر سکتے ہیں۔

منشی صاحب موصوف کیطرف سے آپ کی ضیافت کا اہتمام

اس کے بعد سب لوگ چلے گئے۔ راستہ سے منشی صاحب موصوف نے کہلا بھیجا کہ ہم آپ کی ضیافت کرتے ہیں۔ آپنے فرمایا مجھ کو ضیافت کی ضرورت نہیں۔ کہا۔ مسنون دعوت ہے۔ آپ نے یہ سوچکر کہ مرتے تو ہیں ہی آخر وقت سنت پر عمل تو ہو۔ فرمایا کہ بہت اچھا دعوت منظور ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک سپاہی آیا اور کہا کہ کھانا تیار ہے چلو۔ آپ نے فرمایا۔ میں چل نہیں سکتا۔ اس نیک انسان نے کہا آپ میری پیٹھ پر سوار ہو جائیں۔ آپ سوار ہو گئے۔ اس نے نہایت ہی احتیاط سے آپ کو دستر خوان پر لیجا کر منشی صاحب کے پاس ہی بٹھا دیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ

"میں نے اس وقت بہت غور کیا کہ کیا چیز ہے جو کھاؤں۔ پلاؤ کے ساتھ مجھ کو رغبت تھی۔ میں نے پلاؤ کی رکابی میں سے لقمہ اُٹھایا۔ جب منہ کے قریب لے گیا تو ڈرا۔ کہ ایسا نہ ہو گلے میں پھنس جائے اور جان نکل جائے۔ اس واسطے پلاؤ کے لقمہ کو پھینک دیا۔ پھر جو غور کیا تو ایک برتن میں مُرغ کا شوربا تھا میں نے اس کو اُٹھا لیا اور ایک بہت چھوٹا سا گھونٹ بھرا۔ تو میری آنکھوں میں روشنی آگئی۔ پھر ایک اَور گھونٹ بھرا۔ اسی طرح آہستہ آہستہ میں نے پینا شروع کیا۔ منشی صاحب نے اپنے باورچی کو بُلایا اور دریافت کیا کہ اس پلاؤ میں کیا نقص ہے؟ اس نے کہا اس میں نقص تو کوئی نہیں ہاں اس کے مُرغ میں کسی قدر داغ لگ گیا تھا۔ چونکہ یہ برتن بڑا ہے اور چاولوں کی مقدار زیادہ ہے میں نے وہ داغ لگا ہوا گوشت نیچے دبا دیا ہے۔ منشی صاحب نے اس میں سے ایک لقمہ اُٹھا کر سُونگھا مگر ان کو کچھ محسوس نہ ہوا۔ وہ یہ سمجھے کہ اس نے سُونگھ کر اس نقص کو محسوس کیا اور لقمہ چھوڑ دیا۔ پھر انہوں نے باورچی سے کہا کہ ان تمام کھانوں میں سے سب سے عمدہ پکا ہوا کھانا کونسا ہے؟ اس نے کہا شوربا جس کا پیالہ ان کے ہاتھ میں ہے۔ خیر وہ شوربا قریباً تمام ہی میں نے پی لیا اور وہ اس وقت میرے

لئے بہت ہی مفید ہوا۔ میرے ہوش و حواس اور قویٰ ٹھیک ہوگئے۔" ؎۱

قیام کا انتظام

کھانے سے فارغ ہوکر منشی صاحب نے دوسرے لوگوں کو وہاں سے ہٹا دیا اور آپ سے پوچھا کہ آپ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں؟ آپ نے لکھنوی لہجہ میں کہا کہ

"میں ایک پنجابی آدمی ہوں اور یہاں پڑھنے کے لئے آیا ہوں۔"

آپ فرماتے ہیں کہ

"یہ بات میرے لئے بہت مفید ہوئی۔ منشی صاحب کو یہ گمان تھا کہ یہ کوئی آسودہ حال صدمہ رسیدہ اور حوادث کا پامال ہے۔ پڑھنے کا یونہی نام لیا ہے ورنہ یہ خود عالم ہے۔ تب انہوں نے فرمایا کہ آپ میرے پاس رہیں اور میرے ساتھ ہی کھانا کھایا کریں۔ جہاں آپ کو پڑھنا ہوگا میں کوشش کروں گا۔" ؎۲

اس کے بعد منشی صاحب نے آپ کو قیام کے لئے ایک توشہ خانہ میں جگہ دی اور اپنے مہتمم کتب خانہ کو حکم دیا کہ ان کو کسی کتاب سے مت روکو۔ آپ کی اپنی کتابیں اور سامان بھی دکاندار سے منگوا دیا اور آپ وہاں رہنے لگ پڑے۔

تعلیم کا انتظام

آپ کی تعلیم کے لئے حضرت منشی صاحب نے حضرت مولوی عبد القیوم صاحب کو مقرر فرمایا۔ مولوی صاحب موصوف سے آپ نے بخاری اور ہدایہ دو کتابیں پڑھنا شروع کیں۔

منشی صاحب کے درس میں شمولیت

حضرت منشی صاحب روزانہ بعد نماز مغرب خود قرآن شریف کا لفظی ترجمہ پڑھایا کرتے تھے ایک روز آپ بھی اُنکے درس میں تشریف لے گئے۔ وہاں یہ سبق تھا کہ واذا لقوا الّذین اٰمنوا قالوا اٰمنّا واذا خلا بعضھم الٰی بعض۔ آپ نے سوال کرنے کی اجازت چاہی۔ منشی صاحب نے بخوشی اجازت دی فرمایا:۔

"یہاں بھی منافقوں کا ذکر ہے اور نرم لفظ بولا ہے یعنی بعضھم الٰی بعض اور اس سورۃ کے ابتدا میں جہاں انہیں کا ذکر ہے وہاں بڑا تیز لفظ ہے۔ اذا خلوا الٰی شیاطینھم۔ اس نرمی اور سختی کی وجہ کیا ہوگی۔" ؎۳

؎۱ مرقاۃ صفحہ ۸۱-۸۲ ؎۲ مرقاۃ صفحہ ۸۲ ؎۳ مرقاۃ صفحہ ۸۲-۸۳

منشی صاحب نے فرمایا۔ آپ ہی بتائیے۔ آپ نے فرمایا:۔

"میرے خیال میں ایک بات آتی ہے کہ مدینہ منورہ میں دو قسم کے منافق تھے، ایک اہل کتاب، ایک مشرک۔ اہل کتاب کے لئے نرم یعنی بعضھم کا نرم لفظ اور مشرکین کے لئے سخت الیٰ شیاطینھم بولا ہے۔" [۱]

منشی صاحب یہ عجیب نکتہ سُن کر اپنی مسند پر سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کے پاس آکر فرمایا کہ اب آپ وہاں بیٹھیں اور میں بھی اب قرآن شریف پڑھوں گا۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"قدرت الٰہی! کہ ہم وہاں ایک ہی لفظ پر قرآن کریم کے مدرس بن گئے"

قاضی شہر کے حضرت شاہ اسحٰق کی نسبت سخت لفظ بولنے پر آپ کا اظہار غیرت

ایک روز حضرت منشی صاحب کے دربار میں قاضی شہر نے حضرت شاہ اسحٰق کی نسبت کوئی سخت لفظ بولا۔ آپ برداشت نہ کر سکے اور غیرت کی وجہ سے وہاں سے اُٹھ کر چلے گئے اور اس روز کھانا کھانے کے لئے بھی منشی صاحب کے ہاں نہیں گئے۔

منشی صاحب کی آپ سے محبت

حضرت منشی صاحب کی محبت کا اندازہ کیجئے کہ اس روز انہوں نے بھی کھانا نہیں کھایا۔ دوسرے روز انہوں نے کسی آدمی سے دریافت کیا کہ نورالدین عصر کی نماز کہاں پڑھتا ہے؟ اس نے کہا توشہ خانہ کے پاس کی مسجد میں۔ منشی صاحب وہاں پہنچے۔ آپ عصر کی نماز پڑھ رہے تھے۔ منشی صاحب آپ کے دہنی طرف آکر بیٹھ گئے۔ آپ نے جو سلام پھیرا۔ اور کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ منشی صاحب فوراً بولے، اخاہ! آپ نے تو ابتدا کر دی۔ یہ کہا اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر اُٹھا لیا۔ ایک بگھی جس کو وہاں چرٹ کہتے تھے۔ اس میں اپنے ساتھ سوار کر کے شہر سے باہر بہت دُور لے گئے۔ باہر جا کر فرمایا کہ آپ نے تو کل ہم کو بھی بھوکا رکھا۔ آپ نے فرمایا، آپ کی محفل میں شاہ اسحٰق صاحب کی بُرائی ہوتی ہے اور میں تو شاہ صاحب کا عاشق ہوں۔ منشی صاحب نے کہا، آپ نے شاہ اسحٰق صاحب کو دیکھا ہے؟ فرمایا نہیں۔ کہا، میں نے تو شاہ صاحب سے قرآن مجید پڑھا ہے، میں شیعہ تھا اور سخت شیعہ تھا۔ مگر ہمارا گھر دہلی میں ایسی جگہ تھا کہ شاہ صاحب کے سامنے سے ہو کر جانا پڑتا تھا۔ آخر میں شاہ صاحب

---

[۱] مرقاۃ صفحہ ۸۲۔

کے درس میں شریک ہوا۔ اور انہیں کی صحبت کا نتیجہ ہے کہ میں موجودہ حالت کو پہنچا۔ پھر اپنا سارا قصہ تشیع کا اور سُنی ہونے کا سُنایا۔ اور کہا کہ میں شاہ صاحب کا بہت معتقد ہوں۔ لیکن وہ ایک سرکاری معاملہ تھا جس میں اس وقت مجھ کو بولنا مناسب نہ تھا۔ اور یہ لوگ ایسے ہی ہیں۔ ان کی باتوں کی طرف زیادہ التفات نہیں چاہیئے۔ یہ کہہ کر بگھی کو لوٹایا اور آپ کو اپنے مکان پر لے گئے کھانا کھایا اور پھر کہا کہ آپ ایسی باتوں کا زیادہ خیال نہ کیا کریں۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"میں نے ان کی قرآن شریف کی آیتوں سے محبت اور وقاف للقرآن ہونا اس طرح دیکھا کہ مجھ کو یاد نہیں کہ کسی اور کو ایسا دیکھا ہو۔" [1]

منشی صاحب کی آپ سے محبت کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہاں سے تم چلے نہ جاؤ تو ایک بات کہتا ہوں۔ آپ نے کہا فرمائیے۔ فرمایا:۔

"مَیں تم پر عاشق ہوں"

منشی صاحب کی شرافت

ایک مرتبہ آپ حضرت منشی صاحب کے ساتھ ان کے باغ میں جا رہے تھے۔ راستہ میں انہوں نے پوچھا کہ حتی اذا ما جاؤھا شھد علیھم میں جس طرح ما سے پہلے اذا آیا ہے۔ عربی کے کسی شعر میں اس کی مثال موجود ہے؟ آپ فرماتے ہیں:۔

"بچپن کی حالت بھی کیا ہی بُری ہوتی ہے۔ میں اور ان کا نواسہ محمد نام بگھی میں ایک سیٹ پر بیٹھے تھے اور مقابل کی سیٹ پر منشی صاحب تھے۔ میرے منہ سے بیساختہ نکل گیا

اذا ما بکیٰ من خلفھا انصرفت لہٗ

بشق و تحتی شقھا لم تحول

پڑھنے کو تو میں نے یہ شعر پڑھ ہی دیا مگر اس حالت کو کوئی کیا سمجھ سکتا ہے جب انہوں نے کہا کہ اس شعر کا ترجمہ کرو۔ میں نے میاں محمد کی طرف دیکھا اور انہوں نے منہ کے سامنے کوئی چیز کر کے گردن جھکائی اور مسکرائے۔ وہ بھی خاموش اور میں بھی چُپ۔ منشی صاحب کی طبیعت بہت ہی نیک تھی۔ وہ فوراً ہی سمجھ گئے کہ یہ کوئی فحش شعر ہوگا اور بات کو ٹلا

---

[1] مرقاۃ صفحہ ۲۴، ۸۴

دیا اور سلسلہ کلام شروع کر دیا۔" [1]

آپ فرماتے ہیں :۔

"اس روز مجھ کو یہ سبق ملا کہ بات کو منہ سے نکالنے میں انسان کو بہت زیادہ عاقبت اندیشی سے کام لینا چاہیئے گو بعض اوقات زیادہ غور و خوض انسان کو نقصان بھی پہنچا دیتا ہے۔ مگر اس کی تلافی دعاؤں سے ہو سکتی ہے۔ مجھ کو اپنی اس حرکت پر بڑی حیرت رہی۔ مگر ان کی شرافت دیکھو کہ کسی دن بھی انہوں نے اس شعر کے متعلق مجھ سے نہ پوچھا۔" [2]

جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے آپ نے بخاری اور ہدایہ حضرت مولوی عبدالقیوم صاحب سے پڑھیں اور حدیث مسلسل بالاولیت آپ نے وہاں کے مفتی صاحب سے سُنی۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔ جو انہوں نے محمد بن ناصر حضرمی سے روایت کی۔

خدا تعالیٰ جوہر ہے یا جسم

بچپن کے زمانہ میں ایک مرتبہ آپ نے حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہید علیہ الرحمۃ کی کتاب "الحق الصریح فی احکام المیت والضریح" پڑھی اس میں لکھا تھا کہ خدا تعالیٰ کو یہ کہنا کہ وہ جوہر بھی نہیں، وہ جسم بھی نہیں وغیرہ بدعت ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ

"میں خدا تعالیٰ سے دُعا مانگا کرتا تھا کہ (کوئی) شخص اس جوہر و عرض والی بات پر اعتراض نہ کرے۔ میری طالب علمی کے زمانہ میں کسی نے اعتراض نہ کیا۔ میں جب بھوپال گیا تو وہاں ایک مفتی صاحب سے میں نے کہا کہ خواجہ محمد پارسا کی کتاب فصل الخطاب مجھ کو کہیں سے لا دو۔ انہوں نے وہ کتاب مجھ کو دی۔ میں نے جب اس کو اول ہی کھولا تو میری نظر اس مقام پر پڑی کہ جو سید ہو اور پھر وہ سید بادشاہ بھی ہو۔ اس کی تعریف میں یہ کہنا کہ وہ چمار بھی نہیں، وہ بھنگی بھی نہیں وغیرہ سخت حماقت ہے۔ جب ہم نے کہا اللّٰہ تو پھر جوہر و عرض وغیرہ کی سب صفات تو خود اس کے نام اللہ ہی سے رد ہو گئیں۔ یہ دیکھ کر میری طبیعت بڑی خوش ہوئی۔ پھر میں نے اس کتاب کو خود دیکھا اور اب الحمدللہ میرے پاس کتب خانہ میں موجود ہے۔ میں نے اس کو بہت پڑھا ہے۔ وہ تصوف کی ایک کتاب

---

[1] مرقاۃ صفحہ ۸۴ • [2] ایضاً

ہے اور یہی وجہ ہے کہ میں نے اپنی کئی کتابوں کا نام فصل الخطاب رکھا ہے۔" [۱]

محمد بن حضرمی کا استغنا

محمد بن ناصر حضرمی جن کا اُوپر ذکر ہوا تھا، ایک بہت ہی مستغنی آدمی تھے حضرت منشی صاحب نے ان کا ایک قصہ آپ کو سُنایا کہ ایک مرتبہ وہ میرے مکان پر تشریف لائے۔ چونکہ بڑے نیک اور مشہور آدمی تھے۔ میں نے ایک ہزار روپیہ کی تھیلی اُن کے سامنے رکھ دی۔ یہ دیکھ کر ان کے چہرہ پر بڑا تغیر اور خفگی کے آثار نمایاں ہوئے۔ میں نے وہ تھیلی فوراً اُٹھا کر اپنے سامنے رکھ لی۔ تو اُن کے چہرہ پر بشاشت کے آثار نمایاں ہوئے۔ فرمایا۔ ہمارا ارادہ آپ کو حدیث سُنانے کا تھا مگر جب آپ نے روپیہ رکھا تو ہمیں رنج ہوا کہ یہ تو دُنیادار آدمی ہے۔ ہم حدیث کے مطابق روپیہ تو لے لیتے مگر پھر حدیث نہ سُناتے۔ اب معلوم ہوا کہ تم بڑے ذہین آدمی ہو اس لئے ضرور آیا کریں گے اور تم کو حدیث سنائیں گے۔ پھر فرمایا کہ ہم کو روپیہ کی ضرورت نہیں۔ کھجوریں ہمارے گھر کی ہیں جو سال بھر کیلئے کافی ہوتی ہیں اور اُونٹ بھی ہمارے گھر میں ہیں۔ ہم ہر سال حج کے موقعہ پر ایک طرف اُونٹ پر کھجوریں لاد لیتے ہیں اور دوسری طرف غلام کو سوار کر لیتے ہیں۔ پانی کا مشکیزہ اپنے پاس رکھ لیتے ہیں اور کسی چیز کی الحمد للہ ہمیں ضرورت نہیں۔ منشی صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ حضرمی صاحب جب بات کرتے تھے تو بہت جلد جلد بلا تکان زبان سے الفاظ نکالتے تھے مگر کوئی لفظ قرآن و حدیث کے الفاظ سے باہر نہ تھا۔ سبحان اللہ و بحمدہ، سبحان اللہ العظیم۔ دنیا میں کیسے کیسے عاشق قرآن و حدیث گذرے ہیں۔

منشی صاحب کا ایک نمایاں وصف

حضرت منشی صاحب میں ایک نمایاں وصف یہ پایا جاتا تھا کہ آپ نے اپنے خرچ پر نابینا مردوں اور نابینا عورتوں سے ایک محلہ آباد کیا ہوا تھا۔ اُن کی شادیاں بھی کرتے تھے اور جب آنکھوں والے بچے پیدا ہوتے تو انہیں دیکھ کر بہت ہی خوش ہوتے۔ آپ نے ان کی تعلیم کے لئے ایک مدرسہ بھی جاری کیا ہوا تھا۔

منشی صاحب اقتصادیات کے بڑے عالم تھے

حضرت منشی صاحب اقتصادیات کے بڑے عالم تھے۔ ان کے لئے عضلہ کا ایک سیر گوشت روزانہ پکتا تھا۔ ایک وقت کھانا کھاتے تھے اور کھانے میں کئی آدمیوں کو شریک کر لیتے تھے۔ ایک روز فرمایا:۔

---

[۱] رفقاۃ صفحہ ۱۹۰۔

"میں جوان تھا جب یہاں نوکر ہوا۔ میں نے تین روپیہ سے زیادہ کا گوشت اب تک نہیں کھایا۔"

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ فرماتے ہیں۔ مجھ کو سُنکر بہت تعجب ہوا تو فرمانے لگے کہ

"میں تین روپیہ کا ایک بکرا ہر روز خریدتا ہوں اور نماز فجر کے بعد اس کو ذبح کر دیتا ہوں۔ ایک سیر گوشت اس میں سے نکلوا کر باقی پر ایک سپاہی کھڑا کر دیتا ہوں کہ اس سے تین روپیہ وصول کر لے۔ وہ باقی گوشت پوست فوراً تین روپیہ میں فروخت ہو جاتا ہے اور لوگ علی الصباح آکر سب خرید کر لیجاتے ہیں۔ اس طرح ہر روز ہم کو تین روپے بچ جاتے ہیں۔" [1]

اس پر آپؓ فرماتے ہیں۔

"یہ طریقہ انہوں نے اپنے بہت سے کھانے پینے میں مقرر کر رکھا تھا مگر مجھ کو تو صرف گوشت کا حال سُنایا تھا"

نصرت الٰہی کے دو عجیب واقعات

بھوپال میں آپ کو بہت سے عجیب واقعات پیش آئے۔ لیکن طبّی امور سے متعلق دو واقعات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ پہلا واقعہ یہ ہے کہ آپ نے دو نہایت ہی عمدہ صدریاں بنوائی تھیں جن کے پہننے کی ہمیشہ آپ کو عادت تھی۔ ایک اُن میں سے چوری ہو گئی۔ اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے جلسہ سالانہ ۱۹۱۳ء کی تقریر میں فرمایا:۔

"طالب علمی کے زمانہ میں ایک مرتبہ میں نے نہایت عمدہ صوف لیکر دو صدریاں بنوائیں اور انہیں الگنی پر رکھ دیا۔ مگر ایک کسی نے چُرالی۔ میں نے اس کے چوری جانے پر خدا کے فضل سے اپنے دل میں کوئی تکلیف محسوس نہ کی بلکہ میں نے سمجھا کہ اللہ تعالیٰ اس سے بہتر بنا دینا چاہتا ہے۔ تب میں نے شرح صدر سے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور صبر کے شکریہ میں دوسری کسی حاجتمند کو دیدی۔ چند روز ہی اس واقعہ پر گذرے تھے کہ شہر کے ایک امیرزادہ کو سوزاک ہوا۔ اور اس نے ایک شخص سے جو

---

[1] مرقاۃ صفحہ ۸۶

میرا بھی آشنا تھا کہا کہ کوئی ایسا شخص لاؤ جو طبیب مشہور نہ ہو اور کوئی ایسی دوا بتاوے جس کو میں خود بنا لوں۔ وہ میرے پاس آیا اور مجھے اس کے پاس لے گیا۔ میں نے سُنکر کہا کہ یہ کچھ بھی نہیں **صدری** ہے۔ میں جب وہاں پہنچا تو وہ اپنے باغ میں بیٹھا تھا۔ میں اس کے پاس کرسی پر جا بیٹھا۔ تو اس نے اپنی حالت کو بیان کر کے کہا کہ ایسا نسخہ تجویز کر دیں جو میں خود ہی بنا لوں۔ میں نے کہا۔ ہاں ہو سکتا ہے جہاں ہم بیٹھے تھے وہاں کیلا کے درخت تھے۔ میں نے اس کو کہا کہ کیلا کا پانی ۵ تولہ لے کر اس میں ایک ماشہ شورہ قلمی ملا کر پی لو۔ اس نے جھٹ اس کی تعمیل کر لی۔ کیونکہ شورہ بھی موجود تھا۔ اپنے ہاتھ سے دوائی بنا کر پی لی۔ میں چلا گیا۔ دوسرے دن پھر میں گیا تو اس نے کہا کہ مجھے تو ایک ہی مرتبہ پینے سے آرام ہو گیا ہے اب حاجت ہی نہیں رہی۔ میں تو جانتا تھا کہ یہ موقعہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل نے پیدا کر دیا ہے اور آپ ہی میری توجہ اس علاج کی طرف پھیر دی۔ میں تو پھر چلا آیا۔ مگر اس نے میرے دوست کو بُلا کر زربفت کمخواب وغیرہ کے قیمتی لباس اور بہت سے روپے میرے پاس بھیجے۔ جب وہ میرے پاس لایا تو میں نے اس کو کہا کہ یہ وہی **صدری** ہے۔ وہ حیران تھا کہ صدری کا کیا معاملہ ہے۔ آخر سارا قصہ اس کو بتایا اور اس کو میں نے کہا کہ زربفت وغیرہ تو ہم پہنتے نہیں۔ اس کو بازار میں بیچ لاؤ۔ چنانچہ وہ بہت قیمت پر بیچ لایا۔ اب میرے پاس اتنا روپیہ ہو گیا کہ حج فرض ہو گیا۔ اس لئے میں نے اس کو کہا کہ اب حج کو جاتے ہیں کیونکہ حج فرض ہو گیا ہے۔ غرض اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے کو کچھ بھی نقصان نہیں ہوتا۔ ہاں اس میں دنیا کی ملونی نہیں چاہئے بلکہ خالصاً لوجہ اللہ ہو۔ اللہ کی رضا مقصود ہو اور اس کی مخلوق پر شفقت ملحوظ ہو۔"[1]

دوسرا واقعہ آپ کو یہ پیش آیا کہ شدت تپ میں آپ کو خطرناک رنگ میں سیلان اللعاب شروع ہو گیا۔ جس میں بدبودار سیاہ رنگ کا پانی نکلتا تھا۔ ایک شخص حکیم فرزند علی نے آپ کو رائے دی کہ اگر آپ کا وطن قریب ہو تو آپ فوراً چلے جائیں۔ اس احتراقی مواد سے بچنے کی کوئی امید نہیں۔ آپ فرماتے ہیں:۔

---

[1] اقتباس از تقریر ۲۸ دسمبر ۱۹۱۳ء مندرجہ الحکم جلد ۱۹ نمبر ۵ مورخہ ۱۴ فروری ۱۹۱۵ء

"شام کے وقت ایک بزرگ جو وہاں مہتمم طلبۃ العلم تھے اور نہایت ہی مخلصانہ حالت میں تھے۔ کہنے لگے، میں بوڑھا ہوں۔ میرے منہ سے لعاب آتا ہے کوئی ایسی چیز بتاؤ جو افطار کے وقت کھالیا کروں۔ میں نے کہا۔ مربہ آملہ بنارسی، دانہ الائچی اور ورق طلا سے افطار کریں۔ وہ یہ نسخہ دریافت کر کے گئے۔ معاً واپس آئے اور ایک مرتبان مربہ اور بہت سی الائچیاں اور دفتری ورق طلا کی میرے سامنے لا رکھی اور کہا۔ کہ آپ کے منہ سے بھی لعاب آتا ہے۔ آپ بھی کھائیں۔ میں نے ان کو کھانا شروع کیا۔ ایک آدھ کے کھانے سے چند منٹ کے لئے تخفیف ہو گئی۔ جب پھر پانی کا آغاز ہوا تو ایک اور کھا لیا۔ غرض مجھے یاد نہیں کہ کس قدر کھا گیا۔ عشاء کے بعد مجھے بہت تخفیف ہو گئی اور میں نے وطن جانے کی بجائے حرمین کا ارادہ کر لیا۔"[1]

مولوی عبدالقیوم صاحب کا ایک نکتہ

آپ فرماتے ہیں:۔

"میں جب بھوپال سے رخصت ہونے لگا۔ تو اپنے استاد مولوی عبدالقیوم صاحب کی خدمت میں رخصتی ملاقات کے لئے حاضر ہوا۔ سینکڑوں آدمی بطریق مشایعت میرے ہمراہ تھے۔ جن میں اکثر علماء اور معزز طبقہ کے آدمی تھے۔ میں نے مولوی صاحب سے عرض کی کہ مجھ کو کوئی ایسی بات بتائیں جس سے میں خوش رہوں۔ فرمایا کہ

"خدا نہ بننا اور رسُول نہ بننا"

میں نے عرض کیا کہ حضرت! میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی اور یہ بڑے بڑے عالم موجود ہیں غالباً یہ بھی نہ سمجھے ہوں۔ سب نے کہا۔ ہاں ہم بھی نہیں سمجھے۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ تم خدا کس کو کہتے ہو۔ میری زبان سے نکلا کہ خدا تعالیٰ کی ایک صفت فعالٌ لما یرید ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کر گذرتا ہے۔ فرمایا کہ بس ہمارا مطلب اسی سے ہے یعنی تمہاری کوئی خواہش ہو اور وہ پوری نہ ہو تو تم اپنے نفس سے کہو کہ میاں! تم کوئی خدا ہو۔ رسُول کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آتا ہے

---

[1] مرقاۃ صفحہ ۸۸۔

وہ یقین کرتا ہے کہ اس کی نافرمانی سے لوگ جہنم میں جائیں گے۔ اس لئے اس کو بہت رنج ہوتا ہے۔ تمہارا فتویٰ اگر کوئی نہ مانے تو وہ یقینی جہنمی تھوڑا ہی ہو سکتا ہے لہٰذا تم کو اس کا رنج نہ ہونا چاہیئے۔ حضرت مولوی صاحب کے اس نکتہ نے ابتک مجھ کو بڑی راحت پہنچائی۔ فجزاہم اللہ تعالےٰ۔" [۱]

سفر حرمین اور مولوی عبداللہ صاحب سے ملاقات

حرمین شریفین کا ارادہ کر کے جب آپ بھوپال سے روانہ ہوئے تو راستہ میں بُرہان پور اترے وہاں آپ کے والد ماجد کے دوست مولوی عبداللہ نام آپ کو ملے۔ انہوں نے آپ کی بہت ہی خاطر مدارات کی۔ بوقت رخصت آپ کو مٹھائی کی ایک ٹوکری دی۔ جب راستہ میں ٹوکری کھولی تو اس میں ایک ہزار روپیہ کی ہنڈی مکہ معظمہ کے ایک ساہوکار کے نام اور کچھ نقد روپیہ بھی تھا۔ نقد روپیہ تو آپ نے استعمال کر لیا لیکن ہنڈی کا روپیہ آپ نے وصول نہیں کیا۔ بہرحال اس ساہوکار کے حوصلہ کی داد دینی پڑتی ہے۔

مولوی عبداللہ صاحب کی داستان تجارت

آپ فرماتے ہیں کہ مولوی عبداللہ صاحب نے بیان کیا کہ وہ ساہیوال ضلع شاہ پور کے باشندہ ہیں۔ کسی طرح حج کے ارادہ سے مکہ معظمہ میں پہنچ گئے۔ دن بھر بھیک مانگ کر گذارہ کرتے تھے۔ ایک دن خیال آیا کہ اگر بیمار ہو جاؤں تو پھر کیا ہو؟ اس خیال کے آتے ہی بیت اللہ شریف گئے اور پردہ پکڑ کر یوں اقرار کیا:۔

"اے میرے مولا! گو تو اس وقت میرے سامنے نہیں مگر میں اس مسجد کا پردہ پکڑ کر عہد کرتا ہوں کہ کسی بندے اور کسی مخلوق سے اب نہیں مانگوں گا۔"

یہ عہد کر کے پیچھے ہٹ کر بیٹھ گئے۔ اتنے میں ایک شخص آیا اور ڈیڑھ آنہ کے پیسے اُن کے ہاتھ پر رکھ دیئے آپ نے اس خیال سے وہ پیسے رکھ لئے کہ آپ نے کسی سے سوال تو نہیں کیا۔ وہاں سے اُٹھے، دو پیسے کی روٹی کھائی اور چار پیسے کی دیاسلائیاں خریدیں۔ وہ چھ پیسوں کی فروخت ہو گئیں۔ پھر چھ پیسوں کی خریدیں تو نو پیسوں کی بک گئیں۔ آخر شام تک چار آنے ہو گئے۔ دو پیسے کی روٹی کھا کر رات کو سو رہے دوسرے دن بھی یہی کام کیا۔ چند روز کے بعد دیاسلائیوں کا اُٹھانا مشکل ہو گیا۔ پھر یہ کام چھوڑ دیا اور وہ

---

[۱] مرقاۃ صفحہ ۸۷-۸۸۔

چیزیں خریدیں جن کی عورتوں کو ضرورت ہوتی ہے۔ اس کام میں اللہ تعالیٰ نے اتنی ترقی دی کہ نصف دُکان کرایہ پر لے لی پھر اس قدر ترقی ہوئی کہ اپنے ملک میں واپس آگئے بمبئی سے قرآن شریف خریدتے اور ارد گرد کے دیہات اور قصبات میں جاکر فروخت کر دیتے۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ کی ایسی ساکھ بڑھی کہ تیس ہزار روپیہ کے قرآن شریف خرید کر بھیرہ لے گئے۔ وہاں میرے والد ماجد نے وہ سارے کے سارے خرید لئے اور اس طرح آپ کو نفع عظیم ہوا۔ اسی طرح چند بار پنجاب میں قرآن کریم لیجا کر فروخت کرنے سے آپ بہت مالدار ہو گئے اور پھر کپڑے کی تجارت شروع کر دی اور برہان پور میں ہی کوٹھی بنا کر مستقل سکونت اختیار کر لی۔ آپ نے متعدد بار یہ بات بیان کی کہ آپ مال بہت جلد فروخت کر دیتے تھے اور منافع بہت کم لیتے تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ فرماتے ہیں کہ

"اس سے مجھ کو اس حدیث کا مضمون صحیح ثابت ہوا کہ جس میں ارشاد ہے کہ تجارت میں بڑا رزق ہے۔" [1]

بمبئی میں فوز الکبیر کی خرید

جب آپ بمبئی پہنچے تو مولوی عنایت اللہ صاحب سے ملاقات ہوئی۔ اس زمانہ میں آپ کو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتاب فوز الکبیر کا بڑا شوق تھا۔ مولوی عنایت اللہ صاحب نے کہا۔ پچاس روپیہ میں کتاب مل سکتی ہے۔ آپ نے فوراً پچاس روپیہ کا نوٹ نکال کر دیدیا اور کتاب لے کر چل دیئے۔ مولوی صاحب نے کہا۔ آپ اس قدر جلدی کیوں کھڑے ہو گئے۔ فرمایا :-

"میں نے کہا کہ بیع شرعی میں ایک مختلف مسئلہ ہے۔ حنفیہ تفارق قولی کے قائل ہیں اور محدثین تفارق جسمی کی طرف مائل ہیں۔ میں چاہتا ہوں۔ احتیاطاً دونوں کے موافق بیع صحیح اور قوی ہو جائے۔"

اللہ اللہ! ایک چھوٹی سی کتاب کے لئے جو اب چند آنوں میں ہر جگہ سے مل سکتی ہے۔ اس قدر کثیر رقم خرچ کرنا کیا کسی معمولی انسان کا کام ہو سکتا ہے؟ اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ آپ کو دینی کتابوں کا کس قدر شوق تھا۔ آپ فرماتے ہیں کہ مولوی عنایت اللہ بھی ایک صالح آدمی تھے۔ میرے اس شوق کو دیکھ کر ان پر بہت اثر ہوا۔ اور انہوں نے وہ پچاس روپے واپس کر دئے۔ میں نے بہتیرا کہا کہ مجھ پر بیع فرض ہو چکا

[1] مرقاۃ صفحہ ۸۸ تا ۹۰

ہے۔ میں محتاج نہیں لیکن انہوں نے وہ روپے واپس نہ ہی لئے۔[1]

ایک صاحب کی کُنجی گم جانے کا واقعہ

بمبئی سے روانگی کے وقت آپ کے وطن کے پانچ آدمی مل گئے۔ ان کے باعث آپ کو راستہ میں بہت ہی آرام ملا۔ لیکن ایک ناخوشگوار واقعہ بھی پیش آیا اور وہ یُوں کہ ایک صاحب نے کہا کہ میرے صندوق میں جگہ کافی ہے۔ آپ اپنی کتابیں میرے صندوق میں رکھ دیں۔ آپ نے رکھ دیں۔ ایک دو روز کے بعد اتفاقاً اُن کی کُنجی گم ہو گئی۔ انہوں نے کہا کہ تمہاری کتابوں کی وجہ سے صندوق بھاری تھا اس لئے اس کی کُنجی کسی نے چُرالی ہے، تم ابھی کُنجی پیدا کرو۔ آپ نے اُسے بڑا سمجھایا۔ بہت منت سماجت کی مگر اس نے نہ ماننا تھا نہ مانا۔ آخر اللہ تعالےٰ سے بڑی دعا کی۔ خدا کا کرنا اسی رات ترکوں کے کیمپ پر چوروں نے حملہ کیا۔ انہوں نے تعاقب کیا۔ بھاگتے چوروں کی کُنجیاں وہاں ہی رہ گئیں۔ اب ترک کُنجیوں کے گچھے لیکر ہندیوں کے کیمپ میں آئے تا ان لوگوں کو پکڑ لیا جائے جن کے صندوقوں کو وہ کُنجیاں لگ جائیں۔ آپ نے ایک تُرک کے ہاتھ میں کُنجیوں کا ایک گچھا دیکھا جس میں وہ کُنجی بھی تھی آپ نے اس تُرک کو کہا کہ یہ کُنجی تو میری ہے۔ مجھے بے شک پکڑ لو مگر یہ کُنجی مجھے دیدو۔ وہ پہلے کچھ خفا سا ہوا اور پکڑ لینے کی دھمکی بھی دی۔ مگر پھر تصرف الٰہی کے ماتحت وہ کُنجیوں کا تمام گچھا آپ کی طرف پھینک کر چلا گیا۔ کُنجی والا یہ سارا نظارہ دیکھ رہا تھا۔ اور دل ہی دل میں سخت خوفزدہ تھا کہ اگر آپ نے کہدیا کہ یہ کُنجی اس کی ہے تو میں پکڑا جاؤں گا۔ مگر آپ نے ساری بلا اپنے سر پر لے لی اور کُنجی اس کے حوالہ کر دی۔ پھر تو وہ بہت ہی شرمندہ ہوا اور معذرت کرنے لگا۔[2]

یمن کے علماء سے ملاقات

راستے میں جہاز کچھ مدت حدیدہ کی بندرگاہ میں بھی ٹھہرا۔ آپ یمن کے علماء کو دیکھنے کے لئے حدیدہ سے مراعہ تشریف لے گئے اور علماء سے ملاقات کی۔ ایک نوجوان نے آپ سے الفیہ کے چند اسباق پڑھ کر آپ سے الفیہ کی اجازت بھی لکھوائی۔

مکہ معظمہ میں نزول

مکہ معظمہ میں پہنچنے پر جو مطوف آپ کو ملا۔ آپ اس کی ذہانت اور ہوشیاری سے بہت متاثر ہوئے آپ فرماتے ہیں:۔

[1] مرقاۃ صفحہ ۹۰-۹۱ [2] مرقاۃ صفحہ ۹۱-۹۲

"جب ہم مسجد بیت اللہ میں داخل ہوئے تو مطوف کی پہلی آواز یہ تھی "یا بیت اللہ" اس کی آواز پر میں نے کہا کہ میں مسنون دعائیں جانتا ہوں، میں خود پڑھ لوں گا تو دوسری آواز یہ تھی "یا رب البیت"۔ اُس کی اِس ذہانت پر اس قدر تعجب ہوا کہ آجتک بھی وہ تعجب دُور نہیں ہوا۔" [۱]

بیت اللہ کو دیکھ کر دُعا

آپ نے کسی روایت کے ذریعہ یہ سُن رکھا تھا کہ جب بیت اللہ نظر آئے اُس وقت جو دعا بھی کی جائے وہ ضرور قبول ہو جاتی ہے۔ اس لئے آپ نے یہ دعا کی کہ

"الٰہی! میں تو ہر وقت محتاج ہوں، اب میں کون کونسی دُعا مانگوں۔ پس میں یہی دُعا مانگتا ہوں کہ جب میں ضرورت کے وقت تجھ سے دُعا مانگوں تو اس کو قبول کر لیا کر۔" [۲]

آپ فرماتے ہیں:۔

"روایت کا حال تو محدثین نے کچھ ایسا ویسا ہی لکھا ہے مگر میرا تجربہ ہے کہ میری تو یہ دُعا قبول ہی ہو گئی۔ بڑے بڑے نیچریوں، فلاسفروں، دہریوں سے مباحثہ کا اتفاق ہوا۔ اور ہمیشہ دُعا کے ذریعہ مجھ کو کامیابی ہوئی اور ایمان میں بڑی ترقی ہوتی گئی" [۳]

مکّہ معظّمہ میں پہلی مرتبہ

مکہ معظمہ میں علم حدیث کی تحصیل

مکہ معظمہ میں پہنچ کر آپ علم حدیث کی تحصیل میں مشغول ہو گئے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:۔

"مکہ معظمہ میں مَیں نے شیخ محمد خزرجی سے ابو داؤد اور سید حسین سے صحیح مسلم اور مُسلّم مولوی رحمت اللہ صاحب سے پڑھنا شروع کی۔ ان تینوں بزرگوں کی صحبت بڑی ہی دلربا تھی۔ سید حسین صاحب کی صحبت میں مدت دراز تک حاضری کا اتفاق رہا۔

---

[۱] مرقاۃ صفحہ ۹۳ ۔ [۲] مرقاۃ صفحہ ۹۴ ۔ [۳] مرقاۃ صفحہ ۹۳ ۔

مگر میں نے سوائے الفاظ حدیث کے قطعاً کوئی لفظ ان کی زبان سے نہیں سنا۔ جب میں نے مولوی رحمت اللہ صاحب سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ہم بیس برس سے دیکھتے ہیں کہ یہ کسی سے تعلق نہیں رکھتے اور ہم کو یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ کھاتے کہاں سے ہیں"۔

آپ فرماتے ہیں:۔

"سید صاحب بہت ہی کم سخن تھے اور باتیں کرنے میں اس قدر تامل تھا کہ بعض اوقات ضروری کلام بھی نہیں فرماتے تھے۔ حرم میں میں اُن سے مُسلم پڑھتا تھا۔ سائل بھی وہاں آجاتے تھے۔ وہ تھوڑی دیر تک ان سائلوں کو دیکھتے رہتے تھے۔ پھر کسی کو کہتے تھے کہ تم یاباسط پڑھو۔ کسی کو کہتے یاغنی پڑھو، کسی کو یاحمید، کسی کو یامجید وغیرہ پڑھنے کا حکم دیتے۔ یہ اُن کی معمولی روزانہ باتیں تھیں۔ لیکن میں اُن سے یہ نہ پوچھ سکا کہ یہ مختلف اسماء مختلف اشخاص کو آپ کیوں بتاتے ہیں۔ اُن کی قلت کلام نے پوچھنے کی اجازت نہ دی۔"[1]

مولوی رحمت اللہ صاحب وہی مشہور عالم ہیں جنہوں نے عیسائیوں کے ساتھ بڑے بڑے معرکۃ الآراء مناظرات کئے۔ مولوی صاحب موصوف سے متعلق آپ فرمایا کرتے تھے۔ کہ

"میں نے اپنے اُستادوں کو دیکھا ہے وہ ذرا بھی مخالفت کو برداشت نہیں کرسکتے تھے۔ بس ایک مولوی رحمت اللہ صاحب کو دیکھا ہے کہ میں نے ان کا سخت سے سخت مقابلہ کیا ہے لیکن وہ ہنستے ہی رہتے تھے۔ میں نے کسی مولوی کا یہ دل گردہ نہیں دیکھا۔"[2]

اعتکاف بیٹھنے کی تاریخ

شیخ محمد خزرجی کو صحاح ستہ پر کافی عبور حاصل تھا۔ ایک دفعہ ابوداؤد پڑھتے ہوئے اعتکاف کے مسئلہ پر کچھ اختلاف پیدا ہو گیا۔ شیخ صاحب فرماتے تھے کہ یہ حدیث بہت مشکل ہے کیونکہ اگر اکیسویں تاریخ کی صبح کو اعتکاف بیٹھا جائے تو ممکن ہے اکیسویں رات کو لیلۃ القدر ہو اور اگر بیسویں تاریخ کو عصر کے وقت بیٹھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ فرماتے ہیں۔ میں نے کہا اگر بیسویں تاریخ کی صبح کو بیٹھ جائیں تو کیا حرج ہے؟ فرمایا، یہ تو

---

[1] مرقاۃ صفحہ ۹۳-۹۴۔ [2] مرقاۃ صفحہ ۱۹۲۔

اجماع کے خلاف ہے۔ آپ نے فرمایا، اجماع کا لفظ تو یونہی بول دیا جاتا ہے۔ آپ کے اس فقرہ کو سُنکر شیخ صاحب کچھ خفا سے ہو گئے اور جا کر مولوی رحمت اللہ صاحب سے ذکر کر دیا۔ آپ جب مولوی صاحب موصوف کے پاس پہنچے تو انہوں نے فرمایا، آج تمہارا اپنے شیخ سے کیا مباحثہ ہوا؟ عرض کی، جناب! یہ ایک جزوی مسئلہ تھا۔ اکیسویں تاریخ کو اعتکاف نہ بیٹھے بیسویں کو بیٹھ گئے، فرمایا کہ یہ تو اجماع کے خلاف ہے۔ عرض کیا، بھلا اس چھوٹی سی بات پر کیا اجماع ہوگا؟ فرمایا۔ اچھا سبق کل پڑھیں گے۔ چلو مکان پر چلیں۔ جب خلوت خانہ سے نکل کر مسجد کے صحن میں پہنچے تو آپ نے قبلہ کی طرف اشارہ کر کے عرض کی۔ حضرت! اس کوٹھے کی طرف لوگ سجدہ کیوں کرتے ہیں؟ فرمایا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے۔ عرض کیا۔ انبیاء کا اجماعی قبلہ تو بیت المقدس ہے، آپ ایک شخص کے فرمان پر اجماع انبیاء بنی اسرائیل کو کیوں چھوڑتے ہیں؟ مولوی صاحب موصوف آپ کی اس دلیل کا جواب نہ دے سکے۔ وقت گذرتا گیا۔ کچھ مدت کے بعد حضرت شاہ عبد الغنی مجددیؒ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ میں تشریف لائے۔ قبلہ شاہ صاحب چونکہ بہت بڑے عالم تھے۔ آپ کی آمد سے شہر میں دھوم مچ گئی۔ آپ بھی ان کی خدمت میں پہنچے۔ اور عرض کیا کہ حضرت! اعتکاف کب بیٹھا جائے؟ فرمایا۔ بیس کی صبح کو، عرض کی۔ حضرت! علماء کہتے ہیں یہ اجماع کے خلاف ہے۔ فرمایا۔ حنفیوں میں فلاں فلاں، شافعیوں میں فلاں، حنابلہ میں فلاں، مالکیوں میں فلاں، کئی کئی آدمیوں کے نام لے کر کہا کہ ہر فرقہ میں اس بیسؔ کے بھی قائل ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:۔

> "میں اس علم اور تجربہ کے قربان ہو گیا۔ ایک وجد کی کیفیت طاری ہو گئی کہ کیا علم ہے۔ تب وہاں سے ہٹ کر میں نے ایک عرضی لکھی کہ میں پڑھنے کے واسطے اس وقت آپ کے ساتھ مدینہ میں جا سکتا ہوں؟ (آپ نے) اس (میرے) کاغذ کو پڑھ کر یہ حدیث مجھے سُنائی المستشار مؤتمن۔ پھر فرمایا کہ تمام کتابوں سے فارغ ہو کر مدینہ آنا چاہیئے۔ میں نے یہ قصہ جا کر حضرت مولانا رحمت اللہ کے حضور پیش کیا اور عرض کیا کہ علم تو اس کو کہتے ہیں۔ یہ بھی عرض کیا کہ ہمارے شیخ تو ڈر گئے تھے مگر حضرت شاہ عبد الغنی صاحب نے تو حرم میں بیٹھ کر ہزارہا مخلوق کے سامنے فتویٰ دیا مگر کسی نے چُوں بھی نہ کی۔ فرمایا۔ شاہ صاحب بہت بڑے عالم ہیں۔" [1]

---

[1] مرقاۃ صفحہ ۹۷۔

مدینہ طیبہ میں حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں حاضری

مکہ معظمہ میں ڈیڑھ برس کا عرصہ گذارنے کے بعد آپ مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب سے نیاز حاصل کیا۔ حضرت شاہ صاحب نے آپ کو ایک علیحدہ حجرہ رہنے کے واسطے دیا۔

حضرت شاہ عبدالغنیؒ سے بیعت

آپ کا حضرت شاہ عبدالغنیؒ سے بیعت ہونے کا واقعہ بھی عجیب ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"میرے دل میں یہ بات آئی کہ میں ان کے ہاتھ پر بیعت کر لوں۔ مکان پر تو میرا ایسا خیال ہوتا تھا۔ لیکن جب ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا تو خیال کرتا تھا کہ کیا فائدہ؟ ان کے پاس جا کر عجیب عجیب خیال اُٹھتے تھے۔ کبھی یہ سوچتا تھا کہ حلال حرام اور اوامر نواہی قرآن کریم میں موجود ہی ہیں۔ ان لوگوں سے کیا سیکھنا۔ اگر حُسن اعتقاد سے نفع ہے تو مجھ کو اُن سے ویسے ہی بہت عقیدت ہے۔ پھر اپنی جگہ جا کر یہ بھی خیال کرتا تھا کہ ہزارہا لوگ جو بیعت اختیار کرتے ہیں اگر اس میں کوئی نفع نہیں تو اس قدر مخلوق کیوں مبتلا ہے۔ غرضکہ میں اسی سوچ بچار میں بہت دنوں پڑا رہا۔ فرصت کے وقت ایک کتب خانہ جو مسجد نبوی کے جنوب و مشرق میں تھا وہاں جا کر اکثر بیٹھتا اور کتابیں دیکھا کرتا تھا۔ بہت دنوں کے بعد آخر میں نے پختہ عہد کیا کہ کم سے کم بیعت کر کے تو دیکھیں، اس میں فائدہ کیا ہے؟ اگر کچھ فائدہ نہ ہو تو پھر چھوڑنے کا اختیار ہے۔ لیکن جب میں خدمت میں حاضر ہوا تو خیال آیا کہ ایک شریف آدمی معاہدہ کر کے چھوڑ دے تو یہ بھی حماقت ہی ہے۔ پہلے ہی سے اس بات کو سوچ لینا بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ پھر چھوڑ دے۔ آخر ایک دن میں خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ میں بیعت کرنی چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ استخارہ کرو۔ میں نے عرض کیا کہ میں نے تو بہت کچھ استخارہ اور فکر کیا ہے۔ لیکن شاہ صاحب نے جونہی اپنا ہاتھ بیعت کے لئے بڑھایا میرے دل میں بڑی مضبوطی سے یہ بات آئی کہ معاہدہ قبل از تحقیقات یہ کیا بات ہے؟ اس لئے باوجودیکہ حضرت صاحب نے ہاتھ بڑھایا تھا میں نے اپنے دونو ہاتھ کھینچ لئے۔ مربع بیٹھ گیا اور عرض کیا کہ بیعت سے کیا فائدہ؟ آپ نے فرمایا کہ سمعی کشفی گردد و دید لشنید

مبدل گردد۔ اور یہ وہ جواب ہے جو نجم الدین کُبریٰ نے دیا ہے۔ پھر میں نے اپنے دونوں ہاتھ بڑھائے لیکن اس وقت آپ نے اپنے ہاتھ کو ذرا سا پیچھے ہٹا لیا۔ اور فرمایا تمہیں وہ حدیث یاد ہے جس میں ایک صحابی نے درخواست کی تھی کہ اسئلك مرافقتك فی الجنة۔ میں نے عرض کیا۔ خوب یاد ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اس امر کے لئے تم کو اگر اصول اسلام سیکھنے ہوں تو کم سے کم چھ ماہ میرے پاس رہنا ہوگا۔ اور اگر فروع اسلام سیکھنے ہیں تو ایک برس رہنا ہوگا۔ تب میں نے پھر اَور بھی جب ہاتھ بڑھایا تو آپ نے میری بیعت لی اور فرمایا کہ کوئی مجاہدہ سوائے اس کے آپ کو نہیں بتاتے کہ ہر وقت آپ آیت ونحن اقرب الیه من حبل الورید پر توجہ رکھیں۔ پھر واللہ معکم این ماکنتم کی نسبت ایسا ہی فرمایا۔ اس توجہ میں میں نے بارہا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور اپنی بعض غلطیوں اور سُستیوں کے نتائج کا مشاہدہ کیا۔ چھ مہینے کے اندر اندر آپ کا وہ وعدہ میرے حق میں بہرحال پورا ہو گیا۔ جزاہ اللہ عنی احسن الجزاء۔"[1]

مذاہب اربعہ کے متعلق حضرت شاہ صاحب کی رائے

آپ فرماتے ہیں کہ "ایک دفعہ مذاہب اربعہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا اشهر المذاهب مذهبُ ابی حنیفه واوسع المذاهب مذهبُ مالكٍ واقول المذاهب مذهب الشافعی واحوط المذاهب مذهب احمد بن حنبلٍ"[2]

مولوی نبی بخش کے ساتھ ایک رکعت وتر کے معاملہ میں گفتگو

آپ جس حجرہ میں رہتے تھے اس کے ساتھ کے حجرہ میں ایک مولوی صاحب جن کا نام نبی بخش تھا اور جام پور کے باشندہ تھے، رہتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک رکعت وتر کے معاملہ میں ان سے آپ کی دوستانہ گفتگو ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ ایک رکعت وتر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیقات کے خلاف ہے۔ کچھ دنوں کے بعد آپ نے اُن کو ایک کتاب میں "نماز عاشقاں" دکھائی۔ جو ایک رکعت ہوتی

[1] مرقاۃ صفحہ ۱۰۱-۱۰۲ ❊ [2] مرقاۃ ۱۰۳ ❊

ہے جس پر انہوں نے فرمایا کہ یہ نماز بہت ہی مجرب ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ امام صاحب کی اس ایک رکعت والی تحقیق کے خلاف ہے۔ اس پر انہوں نے امام صاحب کے حق میں نہایت ہی گستاخانہ کلمات استعمال کئے۔ آپ نے فرمایا کہ اس دن آپ اتنے مداح تھے اور آج اتنے گستاخ ہیں۔ کہنے لگے کہ تعریف میں نے فقہا کے مقابلہ میں کی تھی اور اب تو سلطان جی کی تحقیق سامنے آگئی اور آپ جانتے ہیں سلطان جی کی کیا پوزیشن ہے۔ وہ تو عرش پر پہنچے ہوئے ہیں۔ اُن کے سامنے بھلا امام ابوحنیفہ کی کیا حقیقت ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ

"تب میں نے فیصلہ کیا کہ محبت اور تقلید بھی بڑی تکلیف میں ڈالنے والی چیز ہے" [۱]

رؤیا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ آپ کا کھانا ہمارے گھر میں ہے

اللہ تعالےٰ کا معاملہ بھی اپنے پیاروں کے ساتھ کیا عجیب ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ آپ نے رویا میں دیکھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے آپ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ

"تمہارا کھانا تو ہمارے گھر میں ہے لیکن نبی بخش کا ہم کو بہت فکر ہے" [۲]

اس رؤیا کے بعد "نبی بخش" کو آپ نے بہت تلاش کیا مگر وہ نہ مل سکے۔ بہت دنوں کے بعد جب ملاقات ہوئی تو اُن سے پُوچھا کہ

"آپ کو کوئی تکلیف ہو تو بتائیں اور ضرورت ہو تو میں آپ کو کچھ دام دیدوں۔ کہا کہ مجھ کو بہت شدت کی تکلیف تھی۔ مگر آج مجھ کو چُونہ اُٹھانے کی مزدوری مل گئی ہے اور پیسے مزدوری کے ہاتھ آگئے ہیں۔ اس لئے ضرورت نہیں۔" [۳]

مسئلہ ناسخ منسوخ کا حل

مدینہ طیبہ میں ایک ترک کو آپ سے محبت تھی۔ اس نے آپ کی خدمت میں عرض کی کہ اگر آپ کو کسی کتاب کی ضرورت ہو تو میں وہ کتاب اپنے کتب خانہ سے مہیا کر دوں گا۔ آپ نے فرمایا مسئلہ ناسخ و منسوخ کے متعلق کوئی کتاب ہو تو وہ لا دو۔ وہ ایک کتاب لایا جس میں چھ صد آیات منسوخ لکھی تھیں۔ آپ کو یہ بات پسند نہ آئی اور کتاب پڑھ کر واپس کر دی۔ پھر وہ "اتقان" لایا۔ جس میں لکھا تھا کہ انیس آیتیں منسوخ ہیں۔ آپ کو گویہ کتاب پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ مگر

---

[۱] مرقاۃ صفحہ ۱۰۳ ؛ [۲] ایضاً ؛ [۳] مرقاۃ صفحہ ۱۰۳-۱۰۴ ؛

پسند یہ کتاب بھی نہ آئی۔ اس کے بعد آپ نے فوزالکبیر پڑھی جسے آپ بمبئی سے پچاس روپے میں خرید کر لائے تھے۔ اس میں لکھا تھا کہ صرف پانچ آیات منسوخ ہیں۔ یہ پڑھ کر تو آپ بہت ہی خوش ہوئے مگر ان پانچ آیات پر بھی غور کرنا شروع کر دیا۔ آخر اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ فہم سے اس نتیجہ پر پہنچے کہ ناسخ منسوخ کا سارا جھگڑا ہی عبث ہے۔ اگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ناسخ و منسوخ آیات کی تعیین کی ہوتی تو وہ آیات معین تعداد میں ہوتیں۔ یہ نہ ہوتا کہ فلاں بزرگ کے نزدیک چھ سو آیات منسوخ ہیں اور فلاں کے نزدیک انیس اور فلاں کے نزدیک پانچ۔ معلوم ہوتا ہے۔ جس بزرگ نے کوئی آیت حل کر لی۔ اس نے منسوخ آیات کی فہرست سے اُسے خارج کر دیا۔ لہٰذا جن پانچ آیات کے بارہ میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ یہ منسوخ ہیں، اُن کا حل بھی اگر تلاش کرنے کی کوشش کی جائے تو یقیناً نکل آئے گا۔ چنانچہ آپ نے ان پر غور کرنا شروع فرمایا اور کچھ عرصہ کے بعد پانچوں آیات کا حل نکل آیا۔

تفصیل اس اجمال کی یُوں ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ کے ابتدائی ایام میں آپ کو بعض اسباب کی بنا پر مسجد چینیاں والی میں جانا پڑا۔ ان ایام میں جماعت احمدیہ کے دوست غیر احمدی امام کی اقتدا میں نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ اور امتناعی حکم ابھی نازل نہیں ہوا تھا۔ آپ مسجد پہنچ کر مغرب کی نماز کے لئے وضو فرما رہے تھے کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے بھائی میاں علی احمد نے کہا کہ جب عمل قرآن مجید و حدیث پر ہوتا ہے تو ناسخ منسوخ کیا بات ہے آپ نے فرمایا کچھ نہیں۔ اس نے اپنے بھائی یعنی مولوی محمد حسین صاحب سے ذکر کر دیا۔ مولوی صاحب ان ایام میں مسجد چینیاں والی میں امام مقرر تھے۔ انہوں نے نماز سے فارغ ہوتے ہی آپ سے مخاطب ہو کر متکبرانہ لہجہ میں کہا۔ "ادھر آؤ! تم نے میرے بھائی کو کہہ دیا کہ قرآن میں ناسخ و منسوخ نہیں" آپ نے فرمایا۔ ہاں! میں نے کہا ہے۔ اس پر بڑے جوش سے بولے کہ "تم نے ابو مسلم اصفہانی کی کتاب پڑھی ہے وہ احمق بھی قائل نہ تھا۔" آپ نے فرمایا "پھر تو ہم دو ہو گئے۔" پھر انہوں نے کہا کہ سید احمد کو جانتے ہو۔ مراد آباد میں صدرالصدور ہے۔ فرمایا۔ نہیں! کہا کہ وہ بھی قائل نہیں۔ ان کی یہ بات سُنکر آپ نے فرمایا۔ بہت اچھا پھر تو ہم تین ہو گئے۔ مولوی صاحب نے کہا۔ امام شوکانی نے لکھا ہے کہ جو نسخ کا قائل نہیں، وہ بدعتی ہے لہٰذا تم سب بدعتی ہو۔ آپ فرماتے ہیں، اس کے بعد میں نے کہا

"میں ناسخ و منسوخ کا ایک آسان فیصلہ آپ کو بتاتا ہوں۔ تم کوئی آیت پڑھ دو، جو منسوخ ہو۔ (اس کے ساتھ ہی آپ کے دل میں خیال آیا کہ اگر یہ ان پانچ آیتوں میں سے کوئی پڑھ دے تو پھر کیا بنے گا؟) اس نے ایک آیت پڑھی۔ میں نے کہا کہ فلاں کتاب نے جس کے تم قائل ہو۔ اس کا جواب دیا ہے۔ کہنے لگا۔ ہاں۔ پھر میں نے کہا اور پڑھو۔ تو خاموش ہی ہو گیا۔"

اس واقعہ کے بعد بھیرہ کے ایک شخص کے سوال پر آپ نے تفسیر کبیر رازی میں بہ تفصیل ان مقامات کا مطالعہ کیا تو پانچ آیات میں سے تین آیات کا حل نکل آیا۔ اس کے بعد ریل گاڑی میں بیٹھے ہوئے آپ ایک کتاب کا مطالعہ فرما رہے تھے کہ ایک آیت کا حل آپ کو معلوم ہو گیا۔ پھر تو آپ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اب رہ گئی صرف ایک آیت! سو اللہ تعالیٰ نے ایک معمولی سی کتاب کے مطالعہ کے دوران میں وہ بھی سمجھا دی اور اسی طرح خدا تعالیٰ کے فضل سے مسئلہ ناسخ و منسوخ حل ہو گیا۔[۱]

قاضی شہر کی حالت

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے مدینہ منورہ کے اس زمانہ کے بعض ساکنین کے قابل افسوس حالات کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ مگر قلت گنجائش کی وجہ سے یہاں ہم صرف قاضی شہر کی حالت سنانے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:-

"ایک ہمارے دوست تھے۔ انہوں نے وہاں ایک عظیم الشان سرائے لوگوں کے آرام کے لئے بنانی تجویز کی اور بہت سا روپیہ اس پر خرچ کیا۔ وہاں کے قاضی صاحب نے سَو پونڈ اُن سے قرض مانگے۔ انہوں نے ہمارے پیر و مرشد شاہ عبدالغنی صاحب سے مشورہ لیا۔ انہوں نے فرمایا کہ قرض وغیرہ نہیں۔ یہ تو قاضی صاحب تم سے لیتے ہیں پھر وہ تم کو واپس نہ دیں گے۔ آخر انہوں نے انکار کیا۔ دوسرے ہی دن دار القضاء سے حکمنامہ آیا کہ جہاں تم سرائے بناتے ہو یہاں ایک کوچہ نافذ تھا۔ اور نافذ کوچہ کا بند کرنا حدیث سے منع ہے اس لئے سرائے کا بنانا بند کیا جائے۔ چونکہ ان کے ہزاروں روپے خرچ ہو چکے تھے۔ بہت گھبرائے۔ آخر ایک بزرگ نے (جن کو میں جانتا ہوں) صلاح دی کہ تم جدہ چلے جاؤ اور انگریزی کنسل سے جا کر ملو چنانچہ ہمارے

---

[۱] مرقاۃ صفحہ ۱۰۴ تا ۱۰۶، نیز دیکھئے بدر ۲۵ اگست ۱۹۱۰ء

دوست وہاں گئے اور تمام حالات انگریزی کنسل سے بیان کئے۔ اس نے قاضی صاحب کے نام ایک چٹھی لکھ دی۔ وہ چٹھی قاضی صاحب کے پاس پہنچی۔ تو اگلے ہی روز دارالقضا سے حکم پہنچا کہ چونکہ پتہ چلا ہے کہ کوچہ نافذہ کی آمدورفت رُک گئی ہے اور جبکہ آمدو رفت رُکی ہوئی ہے تو اب وہ کوچۂ نافذہ کے حکم میں نہیں رہا لہٰذا سرائے بنانے کی اجازت دی جاتی ہے۔" [1]

نماز باجماعت رہ جانے پر قلبی کیفیت

جن دنوں آپ حضرت شاہ عبدالغنیؒ سے تعلیم پا رہے تھے۔ ایک روز ظہر کی نماز جماعت سے آپ کو نہ مل سکی۔ اس کا آپ کو اس قدر رنج اور قلق ہوا کہ آپ نے خیال کیا کہ

"یہ اتنا بڑا کبیرہ گناہ ہے کہ قابل بخشش ہی نہیں"

خوف کے مارے آپ کا رنگ زرد پڑ گیا۔ مسجد کے اندر داخل ہونے سے بھی ڈر محسوس ہونے لگا۔ وہاں ایک "باب الرحمت" ہے۔ اس پر لکھا ہوا تھا کہ یاعبادی الذین اسرفوا علیٰ انفسھم لاتقنطوا من رحمۃ اللہ۔ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعاً۔ انہٗ ھو الغفور الرحیم۔ اس تسلی آمیز آیت کو پڑھنے کے بعد بھی آپ ڈرتے ہوئے اور حیرت زدہ ہو کر گھبراہٹ کی حالت میں مسجد کے اندر داخل ہوئے۔ ممبر نبوی اور حجرۂ شریف کے درمیان نماز شروع کی۔ رکوع میں پہنچے تو بڑے زور سے یہ خیال دل میں پیدا ہوا کہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ "مابین بیتی ومنبری روضۃ من ریاض الجنۃ اور جنت تو وہ مقام ہے۔ جہاں جو التجا کی جاتی ہے وہ مل جاتی ہے۔ پس آپ نے دعا کی کہ الٰہی! میرا یہ قصور معاف کر دیا جائے۔" [1]

مکہ معظمہ میں دوسری مرتبہ

مسافروں اور بدوؤں میں لڑائی کیوں ہوتی ہے

آپ فرماتے ہیں کہ میں ہمیشہ سُنتا تھا کہ مسافروں اور بدوؤں میں لڑائی ہو جاتی ہے۔ اس پر جو میں نے

[1] مرقاۃ صفحہ ۱۰۷-۱۰۸۔

نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ اس کی دو وجوہ ہیں :-

اوّل یہ کہ بدو ہندوستانی نہیں سمجھتے اور ہندوستانی عربی نہیں جانتے۔ ایک دوسرے کی بات نہ سمجھنے کی وجہ سے دونوں تیز ہو جاتے ہیں۔

دوسری وجہ آپ کے نزدیک لڑائی کی یہ ہوتی تھی کہ عربوں کے دستور کے مطابق کھانا کھاتے وقت اگر کوئی دوسرا شخص آکر ساتھ شامل ہو جائے تو اُسے روکا نہیں جاتا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سب بھوکے رہتے ہیں اور بھوکا آدمی ویسے ہی جلد برافروختہ اور غضبناک ہو جاتا ہے۔ [1]

آپ کا بیان ہے کہ

"چونکہ میری جوانی تھی اور چوبیس پچیس سال کا سن تھا اور قویٰ مضبوط تھے صرف کھجور رکھ لیا کرتا تھا۔ اور پھر وہی کھا کر پانی یا دودھ پی لیا کرتا تھا۔"

اسی طرح فرمایا :-

"مجھے جوانی میں بہت پیاس ہوا کرتی تھی۔ بالخصوص علی الصبح پیاس سے بیتاب ہو جاتا تھا چنانچہ حسب عادت ایک وقت مجھے آخر شب میں پیاس ہوئی، دیکھا تو پانی نہیں۔ بالآخر بدوی سے کہا کہ مجھے پیاس ہو رہی ہے۔ کہیں سے ایک گلاس پانی لا۔ وہ فوراً چلا گیا اور ایک دوسرے کے اُونٹ کے پاس جاکر جس پر ایک ہندوستانی معزز بہت سا پانی مشکیزہ میں رکھ کر بیٹھے ہوئے تھے کہا کہ ایک مولوی صاحب جو آپ کے ہی ہم وطن ہیں۔ ان کو ایک گلاس پانی چاہیئے۔ وہ زبان نہیں جانتے تھے۔ پکارنے لگے حرامی! حرامی! یعنی چور! چور! لفظ حرامی منہ سے نکلنا تھا۔ کہ وہ اس تیزی سے میرے اونٹ کے پاس آگیا کہ گویا وہ یہیں تھا لیکن بہت غصہ میں بھرا ہوا اور کچھ بڑبڑاتا تھا۔ میں نے کہا۔ این الماء۔ کہا اسوقت پانی کا کوئی موقعہ نہیں۔ آپ تھوڑا سا انتظار کریں پھر کہا برقہ (؟) کہ دو میل کے فاصلے پر ایک چشمہ آتا ہے۔ وہاں پانی پی لینا۔ جب صبح ہوئی تو قافلہ میں ایک شور ہوا۔ اور ایک صاحب بہت چیخنے لگے۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ ایک چور نے رات کو اُن کے مشکیزہ میں

---

[1] مرقاۃ صفحہ ۱۰۸۔

ایک۔ بڑا سُوا گھسیڑ دیا جس سے ہولے ہولے پانی نکل گیا۔ میں نے اُن سے کہا کہ آپ کو چاہیئے تھا۔ کہ ایک گلاس پانی اس غریب کو دے دیتے۔ انہوں نے کہا کہ حضرت! میں تو زبان ہی نہیں جانتا ہوں۔ میں تو اسے چور ہی سمجھا۔ خیر بعد میں جب میں نے نرمی سے اس کو نصیحت کی تو کہنے لگا یا شیخ! ایک گلاس پانی کے لئے اس نے بخیلی کی۔ اب معلوم ہو جائے گا کہ مکہ تک اس کو کیسے پانی ملیگا۔[۱]

مکہ مدینہ کے لوگوں کی حالت

ایسا ہی ایک واقعہ آپ نے یوں بیان فرمایا کہ

"جب میں مکہ گیا تو ایک ہم مکتب وہیں کا رہنے والا اتفاقاً مل گیا۔ میں جب مدینہ طیبہ جانے لگا تو اس کو کہا کہ میرا یہ سامان تو امانتاً اپنے پاس رکھنا اور روپیہ کو تجارت پر لگا کر نفع کمانا۔ میں بہت دنوں تک آؤں گا۔ اگر زندہ رہا* تو اس نے مجھے بڑے آرام و آسائش سے رکھا مگر نہ اس نے سامان دیا نہ روپیہ سب کچھ کھا گیا اس لئے مکہ مدینہ کے لوگوں پر پورا اعتماد پیدا نہیں ہوتا تھا۔"[۲]

* [illegible] جب واپس آیا۔

غالباً ناظرین پر یہ امر مخفی نہ ہوگا کہ اوپر کا واقعہ اُس زمانہ کا ہے جبکہ عرب میں سارا سفر اونٹوں پر ہی طے کیا جاتا تھا لیکن اب تو موٹروں اور بسوں کی وجہ سے بہت آسانیاں پیدا ہو گئی ہیں۔

کداء کے راستے سے مکہ میں داخلہ

جب آپ مکہ کے قریب پہنچے تو ایک حدیث کی بنا پر آپ کداء کی طرف سے مکہ میں داخل ہوئے۔

عمرہ کے لئے احرام باندھنا

مکہ معظمہ کے جس گھر میں آپ کی سکونت تھی۔ آپ وہیں سے احرام باندھ کر عمرہ ادا کر لیا کرتے تھے۔ گھر کے مالک ایک بوڑھے شخص نے جو حکیم کہلاتے تھے۔ آپ سے کہا کہ آپ عام دستور کے مطابق تنعیم سے کیوں احرام نہیں باندھتے۔ آپ نے فرمایا کہ طالب علمی کی وجہ سے مجھے نہ تو اتنی فرصت ہے اور نہ میں اس کی ضرورت سمجھتا ہوں کیونکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ مکہ والے مکہ سے احرام باندھ سکتے ہیں۔ آپ کی یہ بات سُنکر وہ شخص بہت گھبرایا اور اس نے کہا کہ آپ تو تمام شہر کے خلاف کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔

"تمام شہر کے خلاف تو نہیں البتہ گدھے والوں کے خلاف کرتا ہوں جن کے کرایہ میں کمی ہوتی ہے۔"

---

۱ بدر ۱۵ فروری سنہ ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۵۔ ۲ ایضاً۔

اس پر وہ ہنس کر چپ ہو رہے۔

خدا کا فضل آپ فرماتے ہیں: میں نے حج میں دو مرتبہ سات سات دفعہ طواف کر کے دو دو رکعتیں پڑھیں۔ یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے۔ ورنہ یہ موقعہ کسی کو بڑی ہی مشکل سے ملتا ہے بلکہ نہیں ملتا۔ مطاف میں دن رات ہر وقت ہی خدا تعالیٰ کا نام لیا جاتا ہے۔ دنیا میں کوئی جگہ نہیں جہاں اس کثرت سے ہر وقت خدا تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہو۔ پس نزولِ رحمت جس قدر وہاں ہوتا ہے دوسری جگہ نہیں ہوتا۔ [۱]

ایک نو عمر عورت کی اپنے بوڑھے خاوند سے کمال وفاداری مکہ معظمہ میں جس شخص کے گھر میں آپ رہتے تھے وہ ایک بوڑھے شخص تھے اور مخدوم کہلاتے تھے ان کا اُوپر بھی ذکر ہو چکا ہے۔ ان کی بیوی بےنظیر حسین اور بہت کم عمر تھی۔ لیکن وہ اپنے ہاتھ سے کاغذ گھوٹ کر، پیسے کما کر اپنے خاوند کے لئے نہایت ہی نرم غذا بنایا کرتی تھی۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں اس کی اس خدمت کو دیکھ کر حیران رہ جاتا تھا۔ اس لئے ایک دن میں نے اُسے کہا کہ

"تم کو اپنے حُسن کی خبر بھی ہے۔ اس نے کہا خوب خبر ہے اور میں اپنی اس خبر کی شہادت بھی دے سکتی ہوں اور وہ شہادت یہ ہے کہ مکہ کی تمام عورتوں کو دیکھ لو یہ اپنے رخساروں پر ایک داغ بناتی ہیں اور مجھ کو دیکھو میرے چہرہ پر کوئی داغ نہیں اور سارے شہر میں ایسی میں ہی ایک عورت ہوں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ میں اپنے حُسن کو پہچانتی ہوں جب عورتوں نے مجھ کو بہت مجبور کیا تو میں نے اپنے بالوں کے نیچے گردن پر داغ بنائے چنانچہ اس نے اپنے بال اُٹھا کر مجھے دکھائے۔ میں نے کہا۔ اب دوسرا سوال یہ ہے کہ مخدوم صاحب کی تم اس قدر خدمت کرتی ہو کہ میں دیکھ کر حیران ہو جاتا ہوں۔ یہ نہایت ضعیف العمر آدمی ہیں اور تم نو عمر ہو۔ کہنے لگی اگر یہ ضعیف العمر نہ ہوتے تو میں کیوں کاغذ گھوٹتی چونکہ خدائے تعالیٰ نے میرے لئے یہ خاوند عطا کیا ہے تو میرا فرض ہے کہ اُن کے ساتھ غمگسارانہ برتاؤ کروں۔ مجھ کو معلوم ہوا اور بہت ہی پسندیدہ معلوم ہوا کہ نیکی اور نیک طینتی اس عورت میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ میں نے جب مخدوم صاحب سے پوچھا کہ آپ اس پر مطمئن ہیں تو انہوں نے کہا کہ میں اس کی راستبازی پر قسم اُٹھا سکتا ہوں۔ یہ بہت ہی غمگسار ہے۔ اور جس طرح اس کا نام صادقہ ہے۔ اسی طرح یہ واقعی صادقہ ہے۔" [۲]

---

[۱] مرقاۃ صفحہ ۱۸۶۔ [۲] مرقاۃ صفحہ ۱۱۱۔

دُوسرا باب

مراجعت وطن، عملی زندگی کا آغاز

اور

ملازمت مہاراجہ جمُوں وکشمیر

سالہا سال اپنے محبوب وطن سے دُور رہ کر دینی اور طبی تعلیم کی تکمیل کے بعد واپسی کے ارادہ سے آپ مکہ معظمہ سے عازم بمبئی ہوئے۔ اب آپ جوان تھے اور عملی زندگی میں قدم رکھ رہے تھے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ آپ کا حُلیہ بیان کر دیا جائے۔

حُلیۂ مبارک آپ کا رنگ گندمی تھا۔ قد لمبا۔ ڈاڑھی اس قدر گھنی کہ آنکھوں کے حلقوں تک بال پہنچے ہوئے تھے۔ شکل وصورت کے نہایت وجیہ تھے۔

بیوہ عورتوں کا نکاح نہ کرنے کی خرابیاں بمبئی پہنچنے پر آپ کو اپنے وطن کے حاجیوں کا ایک جوڑا ملا جسے آپ نے مکہ معظمہ میں بھی دیکھا تھا۔ وہ دونو میاں بیوی بہت شریف معلوم ہوتے تھے۔ چونکہ انہوں نے آپ سے اس امر کا اظہار کیا کہ ہم آہستہ آہستہ سمندر کے راستے ملک کو جائیں گے۔ اس لئے آپ نے انہیں کہا کہ میں چونکہ ریل کے راستہ چلا جاؤں گا اس لئے اگر تمہارا کچھ اسباب ہو یا تم کو اپنے گھر والوں کو کوئی پیغام دینا ہو تو مجھ کو دیدو۔ آپ فرماتے ہیں کہ میری یہ باتیں سُنکر

"وہ عورت سر سے کپڑا اُتار کر میرے پاؤں پر گر پڑی اور کہا کہ صرف آپکی مہربانی یہ

یہ ہے کہ ہمارا پتہ اُس ملک میں کسی کو نہ دیں۔ میں نے حیرت سے پوچھا کہ یہ بات کیا ہے؟ اس نے کہا کہ میں ایک شریف عورت ہوں۔ کم عمری میں بیوہ ہو گئی اور ہمارے یہاں بوجہ شرافت کے بیوہ کا نکاح نہیں کرتے اور یہ بزرگ پیری مریدی کرتے ہیں۔ ہمارے پڑوس میں اُن کے مرید رہتے ہیں۔ میں نے ان سے مخفی طور پر نکاح کر لیا جس کی خبر ہمارے گھر والوں کو نہیں۔ اس طرح مجھے گیارہ دفعہ اسقاط کرانا پڑا پھر بھی میرے اندرونی جوش جوانی کے ایسے تھے کہ میں نے مولوی صاحب سے عرض کیا کہ ہم آزادانہ میاں بیوی کے طور پر نہیں رہتے۔ تم یہ کرو کہ ملتان پہنچو اور وہاں ایک جگہ مقرر کر لی کہ میں بھی ملتان پہنچتی ہوں۔ پھر وہاں ہم خوب کھُل کر رہیں گے جب میں حج کے ارادہ سے چلی تو میرے بھائی جو آسودہ حال تھے، انہوں نے مجھ سے کہا کہ ہم تمہارے ساتھ چلتے ہیں تاکہ تم کو تکلیف نہ ہو۔ میں نے اس بات کو منظور کر لیا۔ رات کو کسی گاؤں میں ہم لوگ ٹھہرے۔ رات کو بڑی شدت سے آندھی اور بارش آئی اور تمام مسافروں میں افراتفری مچ گئی۔ میں نے دوراندیشی کے طور پر عین بارش اور ہوا کے طوفان میں جنگل کی طرف رخ کیا اور صبح تک دوڑتی بھاگتی چلی گئی اور کچھ خبر نہ تھی کہ کدھر جاتی ہوں۔ صبح کی روشنی میں مَیں نے لوگوں سے پوچھا کہ ملتان کا راستہ کونسا ہے؟ لوگوں نے مجھے ایک سڑک پر ڈال دیا۔ میں نہیں جانتی کہ میرے بھائی واپس ہوئے یا کہاں تک انہوں نے میری تلاش کی۔ میں جب ملتان پہنچی تو یہ میرے میاں صاحب منتظر کھڑے تھے۔ وہاں سے ہم بخوشی و خرمی مکہ پہنچ کر مدتوں رہے جیسا کہ تم نے دیکھا ہے ہمارے گھر والوں کو کوئی خبر نہیں پہنچی۔ اب میں جاتی ہوں۔ ملتان کے اردگرد میں اپنے میاں صاحب سے الگ ہو جاؤں گی۔ یہ اصل بات ہے۔ پس آپ ہمارا کوئی ذکر نہ کریں۔ یہ قصہ صرف اس لئے بیان کیا ہے کہ بیواؤں کو بٹھانا اچھا نہیں وہ عورت کسی زمانہ میں ہمارے گھر میں بھی آئی تھی۔ اللہ تعالےٰ ان لوگوں کو توفیق دے جن کے گھر میں جوان اور بیوہ عورتیں ہیں کہ ان کا نکاح استخارہ

کو کے کر دیں"۔ ؎

آپ کا اپنا اسوہ آپ کا اپنا اسوہ اس بارہ میں یہ ہے کہ ایک مرتبہ جبکہ آپ کشمیر میں شاہی طبیب کے معزز عہدہ پر فائز تھے۔ بھیرہ میں آپ کے خاندان کی ایک عورت بیوہ ہو گئی۔ ایک شخص نے جو اس سے شادی کا خواہشمند تھا۔ آپ کی خدمت میں لکھا کہ کیا آپ خوشی سے اجازت دیتے ہیں کہ میں اس سے شادی کر لوں۔ آپ نے جواب میں لکھا کہ بڑی مبارک کی بات ہے۔ وہ حیران ہو گیا کہ اس شخص کو اپنی عزت کا ذرا بھی پاس نہیں۔ آپ کو جب اس کی اس بات کا علم ہوا تو فرمایا کہ

"اس شخص کو جس کی یہ بیوی تھی جب خدا تعالیٰ نے مار دیا تو اب خدا تعالیٰ کی مرضی ہی یوں تھی" ؎

بمبئی سے لیکر بھیرہ پہنچنے کے مختصر حالات بمبئی سے روانہ ہونے سے قبل آپ نے اپنی کتب تو صندوقوں میں بند کر کے ریل گاڑی کے ذریعہ سے لاہور روانہ کر دیں اور خود راستہ میں دہلی اُتر پڑے۔ وہاں اُترنے پر آپ کے ایک پُرانے رفیق نے آپ سے ذکر کیا کہ تمہارے طبیب اُستاد یہاں دہلی میں ہیں۔ آپ اُسے ساتھ لیکر حضرت اُستاد کی خدمت میں پہنچے۔ انہوں نے دریافت فرمایا کہ حرمین سے کیا کیا لائے۔ آپ نے بعض لطیف کتابوں کا ذکر کیا فرمایا وہ سب مجھے دیدو۔ آپ نے انشراح صدر سے عرض کیا کہ وہ تو آپ ہی کی چیز ہے۔ لیکن میں صندوقوں میں بند کر کے لاہور بھجوا چکا ہوں۔ فرمایا کہ ہم بھی لاہور دیکھنا چاہتے ہیں، آج ہی چلیں جب یہ قافلہ لاہور پہنچا تو دونو نے مل کر بہت سے مقامات کی سیر کی۔ باتوں باتوں میں ذکر آیا کہ صندوق ابھی اسٹیشن پر پڑے ہیں۔ حضرت حکیم صاحب نے فرمایا کہ وہ صندوق ریل سے منگواؤ۔ آپ جب اسٹیشن کی طرف جانے لگے تو فرمایا کہ ہم ہی منگوالیں گے۔ چنانچہ آپ نے اپنی گرہ سے محصول ادا فرما کر وہ صندوق منگوالئے اور فرمایا کہ

"یہ ہم نے صرف اس لئے کیا کہ ہمارا حصہ بھی ان میں شامل ہو جائے"

آپ فرماتے ہیں کہ

"مطلب یہ کہ بمبئی سے لاہور تک کا کرایہ ان صندوقوں کا انہوں نے دے دیا۔ اصل

؎ مرقاۃ صفحہ ۱۸۱؎

رحمت الٰہی کا ذکر کرنا مجھے مقصود ہے۔ کہ اس وقت میری جیب میں اتنے روپے ہی نہ تھے کہ میں ان صندوقوں کا محصول دیتا۔" ؎

ایک ایمان افروز واقعہ

چند یوم کے بعد حضرت حکیم صاحب واپس دہلی تشریف لے گئے۔ آپ انہیں رخصت کر کے چند دنوں کے لئے لاہور ٹھہر گئے۔ یہاں خاکسار راقم الحروف کو حضرت میاں عبدالعزیز صاحب مغل کا بیان فرمودہ ایک ایمان افروز واقعہ یاد آگیا جسے اس جگہ ذکر کر دینا مناسب ہے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ احمدیت سے کافی عرصہ پہلے کی بات ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی ایک مرتبہ لاہور میں کسی رئیس کے مکان پر بطور مہمان اُترے ہوئے تھے۔ آج کل کی طرح اس زمانہ میں بھی شہر کے معزز گھرانوں کی نوجوان لڑکیاں مغرب سے ذرا پیشتر سیر کے لئے دریائے راوی پر جایا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ جو گئیں تو سخت آندھی اور بارش کے طوفان نے انہیں ایک دوسرے سے جُدا کر دیا۔ ان لڑکیوں میں اس رئیس کی لڑکی بھی تھی جس کے ہاں حضرت حکیم الامت رضی قیام فرما تھے۔ وہ لڑکی پھرتی پھراتی کسی نہ کسی طرح شاہی مسجد میں پہنچ گئی۔ عشا کی نماز ہو چکی تھی۔ لوگ اپنے اپنے گھروں میں جا چکے تھے دینیات کے طلبہ جو اُس زمانہ میں مسجد کے حجروں میں رہا کرتے تھے اپنے اپنے والدین کے ہاں گرمی کی رخصتیں گزارنے گئے ہوئے تھے مگر ایک یتیم لڑکا جو غریب اور نادار بھی تھا باہر کوئی ٹھکانہ نہ ہونے کی وجہ سے مسجد کے حجرہ ہی میں رہنے پر مجبور تھا۔ وہ صف پر بیٹھا ہوا مٹی کا دیا جلا کر مصروف مطالعہ تھا کہ وہ لڑکی اس کے پاس گئی اور بتایا کہ میں فلاں رئیس کی لڑکی ہوں۔ مجھے اپنے گھر کا راستہ نہیں آتا۔ اگر تم مجھے میرے گھر پہنچا دو تو تمہاری بڑی مہربانی ہوگی۔ اس لڑکے نے کہا۔ بی بی! میں ایک طالبعلم ہوں اور باہر سے آیا ہوا ہوں۔ اپنے کام میں مصروف رہنے کی وجہ سے مجھے شہر میں گھومنے کا بہت کم موقعہ ملتا ہے اور آپ کے والد محترم کو تو میں بالکل نہیں جانتا۔ اس لئے افسوس ہے کہ میں اس معاملہ میں آپ کی کوئی امداد نہیں کر سکتا۔ اب وہ لڑکی پریشانی کے عالم میں سوچنے لگی کہ اندھیری رات ہے اور ہُو کا عالم! بارش بھی تھمنے میں نہیں آتی۔ جائے تو کہاں جائے! اس کی یہ حالت دیکھ کر اس شریف لڑکے نے کہا۔ بی بی! فکر نہ کرو۔ چند گھنٹے رات باقی رہ گئی ہے۔ میں تو مصروف مطالعہ ہوں۔ آپ میری چارپائی پر سو جائیے۔ نماز فجر کے لئے لوگ آئیں گے جو شخص آپ کے ابا کو جانتا ہوگا اس کے ساتھ آپ گھر چلی

؎ مرقاۃ صفحہ ۱۷۶۔

جائیں۔ اس لڑکی کی حالت یہ تھی کہ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔ مجبوراً اس غریب طالب علم کی چارپائی پر اُسے لیٹنا پڑا۔ غریب طالب علم کا میلا کچیلا بستر! اجنبی نوجوان لڑکے کی موجودگی! والدین کے فکر کا تصور اور گھر سے پہلی مرتبہ غیر حاضری! یہ ساری چیزیں ایسی تھیں جن کی وجہ سے نیند اس کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتی تھی۔ وہ تو ایک ایک منٹ گن گن کر گذار رہی تھی۔ ادھر اس لڑکے کا حال سُنئے۔ جونہی اس قبول صورت امیرزادی پر اس کی نگاہ پڑی شیطان نے اس کے شہوانی قویٰ میں ایک تلاطم برپا کردیا۔ مگر تھا وہ نیک اور خدا تعالیٰ سے ڈرنے والا۔ اس نے سوچا کہ اس بُرے راستہ کو اگر میں نے اختیار کرلیا تو پھر خدا تعالےٰ کو کیا جواب دُوں گا؟ مزید برآں جہنّم کی آگ بھی برداشت کرنا پڑے گی۔ کیا میرے اندر یہ طاقت موجود ہے کہ میں جہنم کی آگ برداشت کرسکوں؟ یہ وہ باتیں تھیں کہ جن کے سوچنے میں وہ محو تھا۔ معاً اس کے دل میں خیال پیدا ہوا۔ کہ اس دیئے کی لاٹ پر ذرا اُنگلی رکھ کر تو دیکھو کیا میں اُسے برداشت کرسکتا ہوں؟ چنانچہ اس نے فوراً اپنی ایک اُنگلی اس "لاٹ" پر رکھدی۔ مگر بھلا اس آگ کی برداشت کیسے ہوسکتی تھی۔ ابھی بمشکل ایک لحظہ ہی گذرا ہوگا کہ فوراً اُنگلی واپس کھینچ لی۔ اور یہ خیال کرکے کہ جب میں اس معمولی سی آگ کو برداشت نہیں کرسکتا تو جہنّم کی آگ کو جو اس سے ستر گُنا شدت میں زیادہ ہوگی، کیسے برداشت کرسکوں گا، پھر مطالعہ میں مصروف ہوگیا۔ مگر ابھی تھوڑا ہی وقت گذرا تھا کہ شیطان نے پھر اس کے دل میں بدی کی تحریک کی مگر فرشتہ بھی اس کی نیک فطرت سے واقف تھا۔ اس نے پھر رکاوٹ ڈالی اور اُسے مجبور کیا کہ اگر پہلے تجربہ سے سبق حاصل نہیں ہوا تو پھر دیئے کی لاٹ پر اُنگلی رکھ کر دیکھ لو۔ اگر برداشت کر گئے تو پھر اس خیال کو دل میں لانا۔ ورنہ خدا سے ڈرو۔ چنانچہ اس مرتبہ اس نے دُوسری اُنگلی دیئے کی لاٹ پر رکھی مگر بھلا آگ کی برداشت کیسے ہوسکتی تھی فوراً ہاتھ واپس کھینچنا پڑا۔ اور پھر مطالعہ میں مصروف ہوگیا۔ غرض یہ نیکی اور بدی کی کشمکش رات بھر جاری رہی اور اس نوجوان نے اپنے نفس کو بدی کے ارتکاب سے روکنے کے لئے اپنے دونو ہاتھوں کی دسوں اُنگلیاں جلادیں۔ خدا خدا کرکے رات گذری۔ فجر کی اذان ہوئی۔ نمازی آئے اور وہ لڑکی اپنے گھر پہنچادی گئی۔

والد کو جب اپنی لڑکی کی زبانی اس لڑکے کی حرکات کا علم ہوا تو اس نے اپنے جلیل القدر مہمان حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی خدمت میں اس کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا۔ اُس لڑکے کو بُلا کر اس سے دریافت کرنا چاہیئے کہ اُس نے اپنی دسوں اُنگلیاں کیوں جلائیں؟ لڑکے سے جب پوچھا گیا تو اُس

نے سارا ماجرا کہہ سُنایا۔ حضرت مولانا نے اس صالح نوجوان طالب علم کی سرگذشت سُن کر اس امیر میزبان کو مشورہ دیا کہ یہ لڑکا اس امر کا مستحق ہے کہ تم اس بچی کی شادی اس سے کر دو۔ امیر بولا۔ حضرت مولوی صاحب! میں اس لڑکے کے ساتھ اپنی بچی کا رشتہ کر تو دوں مگر آپ کو علم ہے کہ یہ بچی ناز و نعمت سے پروان چڑھی ہے اور یہ لڑکا بالکل غریب اور نادار ہے۔ اُن کا آپس میں نباہ کیسے ہوگا؟ اور پھر برادری مجھے کیا کہے گی؟ اور بچی پر کیا گذرے گی جب وہ ایک یتیم اور غریب لڑکے کے گھر جا کر ساری عمر غربت اور افلاس کا شکار بنی رہے گی؟ آپ نے فرمایا۔ میرے مہربان دوست! اس کا حل تو بالکل آسان ہے۔ آپ کو خدا تعالیٰ نے صاحب جائداد بنایا ہے۔ دولت سے بھی وافر حصہ عطا فرمایا ہے۔ آپ دس ہزار روپیہ کی اُسے امداد دے کر اُسے بھی امیر بنا سکتے ہیں۔ مگر ایسا امیر آپ کو کوئی نہیں ملیگا جو اس جیسا نیک ہو۔ وہ امیر بھی نیک اور دیندار آدمی تھا اس نے حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کے فرمان کے مطابق اس بچی کا رشتہ اس لڑکے کے ساتھ کر دیا اور لڑکے کو اپنے پاس ہی رکھ لیا۔ اور وہ خوش نصیب جوڑا خوشی اور انبساط کی زندگی بسر کرنے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے اس لڑکے کو آخرت میں جو اجر دینا تھا وہ تو اُسے ملیگا ہی، ہمارا اس پر ایمان ہے۔ لیکن اس دنیا میں بھی خدا تعالیٰ نے اسے بغیر اجر نہ چھوڑا۔

اس واقعہ کا ذکر میں نے اس لئے کیا ہے کہ تا ایسے لوگ نصیحت حاصل کریں جو اپنے بچوں کی شادیاں کرتے وقت صرف اور صرف دولت کو مدنظر رکھتے ہیں اور دین کا خیال ہی نہیں کرتے۔ احمدی کہلانے کی وجہ سے زبان سے تو بیشک یہی کہیں گے کہ ہمیں تو دیندار بچے کی تلاش ہے۔ لیکن اگر کوئی غریب مگر نیک بچہ مل جائے تو کوئی نہ کوئی بہانہ تلاش کر کے اس سے پہلو تہی کر جائیں گے۔

بوقت ضرورت ایک معمولی سی ملازمت

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کے سوانح سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ پر مشکل سے مشکل اوقات بھی آئے لیکن آپ نے اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے مخلوق کے آگے ہاتھ نہیں پھیلائے بلکہ اگر معمولی سے معمولی کام بھی کرنا پڑا تو اُسے عار نہیں سمجھا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:۔

"میں نے ایک مرتبہ ڈیڑھ روپیہ ماہوار کی نوکری کی۔ اس شخص سے جس کی نوکری کی، کچھ نہیں کہا کہ کس قدر علوم و کمالات سے واقف ہوں۔ کچھ عرصہ کے بعد جب کام

اور نوکری کا تعلق ختم ہو گیا۔ اُن کے یہاں گیا اور برابر گدیلے پر جا کر بیٹھ گیا اور کہا۔ میں حکیم ہوں۔ محدث ہوں، ادیب ہوں وغیرہ۔ وہ سُنکر حیران رہ گیا۔ اور مجھ سے معافی مانگنے لگا۔" [1]

جلسہ خیر مقدم

اس ضمنی واقعہ کے ذکر کے بعد ہم پھر ان واقعات کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ جو آپ نے وقتاً فوقتاً خود لکھوائے۔ اُوپر آپ کے لاہور پہنچنے کا ذکر ہو چکا ہے۔ کچھ دنوں قیام کے بعد آپ اپنے وطن مالوف بھیرہ کو روانہ ہو گئے۔ ابھی آپ بھیرہ پہنچے ہی تھے کہ آپ سے ملاقات کے لئے دُور و نزدیک سے لوگ آنے لگے۔ چند ہی دن کے اندر اندر آپ کے اعزاز میں ایک جلسہ خیر مقدم منعقد کیا گیا۔ اس جلسہ میں ایک مولوی صاحب نے بخاری شریف اور مؤلف بخاری حضرت مولانا شیخ محمد بن اسمٰعیل رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر نا ملائم الفاظ میں کیا جس سے آپ کو سخت دُکھ ہوا۔

ایک پیر صاحب کا آپ کو فریب سے بُلانا اور خدائی تصرف

ایک مرتبہ آپ اپنی مسجد میں مشکوٰۃ شریف پڑھا رہے تھے۔ کہ اذان سُننے کے بعد کے کلمات کا ذکر ہوا جو یہ تھے کہ اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدعوۃ التامۃ والصلوٰۃ القائمۃ اٰتِ محمدنِ الوسیلۃ والفضیلۃ وابعثہ مقاماً محمودانِ الّذی وعدتہٗ حلّت لہٗ شفاعتی۔ [2] ایک شخص عبد العزیز پشاوری نے جب یہ دعا سُنی تو کہا کہ یہ الفاظ مجھے لکھدیں۔ آپ نے لوہے کے قلم یعنی ہولڈر سے وہ الفاظ لکھ دیئے۔ وہ موٹا اور خوشخط لکھوانے کے لئے ایک کاتب بنام محمد دین کے پاس پہنچا۔ محمد دین وہ کاغذ لے کر سیدھا اس دشمن بخاری کے پاس گیا جس کا اُوپر ذکر ہو چکا ہے اور کہا کہ اس شخص نے وَارزقنا شفاعتہ کے الفاظ عمداً چھوڑ دیئے ہیں۔ مولوی صاحب نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ، بالکل مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے۔ وہ ابھی کچھ منصوبوں ہی میں تھے کہ ایک روز صبح کے وقت ایک سید صاحب اور ایک متولی صاحب دونوں آپ کی ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ اور رکوع اور قومہ میں رفع یدین کرنے والوں کے بارہ میں سوال کیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ

---

[1] مرقاۃ صفحہ ۱۸۸۔ نوٹ:۔ اس ملازمت کے متعلق یہ پتہ نہیں چل سکا کہ یہ کس جگہ کا واقعہ ہے اور کس زمانہ میں آپ نے یہ ملازمت کی۔ لہٰذا اس واقعہ کو اس جگہ درج کر دیا گیا ہے۔

[2] مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ فی فصل الاذان باب فضل الاذان واجابۃ المؤذن۔ الفصل الاول۔

"میں نے اس وقت کمزوری سے کام لیا اور اُن سے کہا کہ پہلے پتہ لگایا جائے اور ان
رفع یدین کرنے والوں سے پوچھا جائے کہ وہ شیعہ ہیں یا سنی اور سنیوں میں وہ شافعی
ہیں یا حنبلی۔ اگر اس قسم کے لوگ ہوں تو اُن کے مذہب میں رفع یدین ثابت ہے۔
ہاں اگر وہ حنفی مذہب کے مقلد ہیں تو پھر اُن کے متعلق مناسب فتویٰ دیا جاسکتا
ہے۔ سید صاحب نے اس فتوے کو بہت پسند کیا اور دونوں واپس چلے گئے۔"[۵]

ابھی وہ سیڑھیوں سے اُترے ہی تھے کہ وہ مولوی صاحب جو بخاری سے ناراض اور دعائے شفاعت پر گھبرائے ہوئے تھے پاس سے گذرے اور شاہ صاحب سے پُوچھا کہ آپ یہاں کس طرح آئے تھے۔ اُنہوں نے ساری حقیقت کہہ سُنائی۔ مولوی صاحب نے کہا کہ آپ اُن سے یہ دریافت کریں کہ آپ کے نزدیک رفع یدین کا کیا حکم ہے؟ چنانچہ وہ واپس لوٹے اور کھڑے کھڑے ہی یہ سوال کر دیا۔ اس وقت آپ نے اپنے پہلے جواب پر افسوس کیا اور جرأت سے فرمایا کہ

" میرے نزدیک رفع یدین کرنا جائز ہے"

اس پر انہوں نے کہا کہ

"اگر آپ کا ایسا خیال ہے تو آپ کا اس ملک میں یا کم سے کم اس شہر میں رہنا محال ہوگا"

اس کے بعد ایک دن جبکہ آپ اپنے مکان سے اُتر رہے تھے کہ حضرت مولانا حکیم فضل دین صاحب رضؓ گھبرائے ہوئے تشریف لائے اور کہا کہ " اذان کی دُعا کس طرح ہے؟" آپ نے حسب معمول وہ دُعا سُنا دی۔ انہوں نے کہا۔ یہ کہاں لکھی ہے؟ آپ نے فرمایا کبیری شرح منیہ اور لمعات شرح مشکوٰۃ شیخ عبدالحق محدث دہلوی میں۔ ابھی آپ حضرت حکیم صاحب موصوف سے باتیں ہی کر رہے تھے۔ کہ ایک شخص نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ حضرت پیر صاحب کی بی بی سخت بیمار ہیں آپ وہاں چل کر اُن کو دیکھ لیں۔ آپ پیر صاحب کی بڑی عزت کیا کرتے تھے۔ اس واسطے بلا تکلف اس کے ساتھ چل پڑے۔ جب زنانخانہ کے قریب پہنچے تو وہ شخص بھی غائب ہو گیا۔ اب آپ حیران تھے کہ زنانخانہ میں جائیں تو کس طرح؟ ساتھ کوئی آدمی تو ہے نہیں۔ دوسری طرف مردانہ کو بیسیوں آدمی جا رہے تھے اس وقت آپ کو یقین ہو گیا کہ مجھے فریب سے کسی دوسری غرض کے لئے بُلایا گیا ہے۔ اب واپس جانے

[۵] مرقاۃ صفحہ ۱۱۷ +

کی بھی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی اس لئے آپ بھی مردانہ کی طرف تشریف لے گئے۔ وہاں جا کر کیا دیکھتے ہیں کہ پیر صاحب اپنے دونوں پاؤں کو ایک بڑی چارپائی کے دونوں طرف رکھے ہوئے چت لیٹے ہوئے ہیں اور ایک عالم شخص جس کے علم اور تقدس اور نیکی کے آپ بڑے معتقد تھے، اَن پڑھ پیر صاحب کے پاؤں پر ماتھا رکھے ہوئے اور ہاتھ سے اُن کا پاؤں دبائے ہوئے بیٹھے ہیں۔ آپ یہ نظارہ دیکھ کر بیتاب ہو گئے اور کراہت سے پیر صاحب کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ آپ کی بیوی بیمار ہے۔ چلئے میں اسے دیکھ لوں۔ انہوں نے کہا۔ پہلے آپ سے ایک ضروری مسئلہ کے متعلق کچھ دریافت کرنا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ آپ تو پیر ہیں، پیروں کو مسائل سے کیا تعلق؟ ابھی آپ کھڑے ہی تھے۔ کہ انہوں نے دوبارہ اصرار کیا۔ ساتھ ہی وہ یہ بھی تاڑ گئے کہ یہ زمین پر تو بیٹھیں گے نہیں۔ فوراً کہا کہ اوہو! علماء تو سب نیچے بیٹھے ہیں اور یہ رسُول کے جانشین ہیں۔ ہمارے نوکروں نے بڑی غلطی کی کہ ہمارے لئے چارپائی بچھائی۔" یہ کہہ کر نوکر کو بلایا اور کہا کہ فوراً چارپائی باہر نکالو۔ ہم بھی نیچے بیٹھیں گے۔ جب پیر صاحب نیچے بیٹھ گئے تو آپ نے فرمایا۔ بتلائیے کیا مسئلہ ہے؟ ابھی انہوں نے جواب نہیں دیا تھا کہ آپ نے اصل محرک مولوی صاحب کے ہاتھ میں ایک کتاب دیکھی جس میں اس نے ایک جگہ اپنی اُنگلی رکھی ہوئی تھی۔ آپ نے یہ سمجھ کر کہ کوئی ایسا مسئلہ ہو گا جس کا اس کتاب میں ذکر ہے۔ وہ کتاب پکڑ لی اور فرمایا کہ بھائی صاحب! یہ کیا کتاب ہے؟ مولوی صاحب نے بڑے غضب سے کہا کہ آپ میرے بھائی نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ ناراض ہونے کی کوئی بات نہیں۔ اگر اخوت اسلامی سے آپ بھائی بننا پسند نہیں کرتے۔ تو ہمارے یہاں سکھوں کو بھی بھائی کہتے ہیں۔ اس پر انہوں نے کتاب چھوڑ دی۔ جب کتاب آپ کے ہاتھ میں آگئی تو وہ مقام تو رَل مِل گیا۔ جہاں مولوی صاحب مذکور نے اُنگلی رکھی ہوئی تھی مگر خدا تعالیٰ کی قدرت کہ جونہی آپ نے کتاب کھولی تو اس کے ساتویں صفحہ پر آپ کی نظر پڑی۔ کیا دیکھتے ہیں کہ اس میں اذان کی وہی دُعا لکھی ہے جو آپ اپنے ہاتھ سے لکھ کر دے چکے تھے اور جس پر سارا جھگڑا تھا۔ تب تو آپ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی اور آپ نے یہ خیال کیا کہ تصرف الٰہی کے باعث وارفقنا کا لفظ اللہ تعالیٰ نے کاٹ دیا ہے ورنہ اگر نہ ہوتا تو یہ شخص جو بہرحال ایک عالم آدمی ہے اور بڑا ہوشیار ہے۔ یہ کبھی اس امر پر ضد نہ کرتا اور نہ کتاب مجھے دیتا۔ اس پر آپ نے انہیں جوش کے عالم میں کھڑے کھڑے ہی بنی اسرائیل کے ایک لڑکے کا قصہ سُنایا۔ جو توریت پڑھتا تھا اور جب حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ

علیہ وسلم کا نام آتا تو کاٹ دیتا اور پھر خود بخود قدرتِ خدا سے اس میں نام لکھا جاتا تھا۔ یہ قصہ سُنا کر آپ نے حاضرین سے پوچھا کہ کیا آپ لوگوں کو اس قصہ کا علم ہے؟ سب نے کہا۔ ہاں ہم نے یہ قصہ سُنا ہے آپ نے فرمایا:۔

"وہاں تو کاٹا ہوا پھر لکھا جاتا تھا اور یہاں خدائے تعالیٰ نے لکھا ہوا کاٹ دیا۔ اس دلائل الخیرات (وہ کتاب دلائل الخیرات تھی) کو دیکھو۔ اس میں وارزقنا کا لفظ کٹ گیا ہے"

آپ فرماتے ہیں:۔

"وہ لوگ تو پہلے ہی دلائل الخیرات میں اس دعا کو دیکھ چکے تھے۔ اس میں " وارزقنا" کا لفظ لکھا ہوا موجود ہے۔ سب اُٹھ اُٹھ کر اور جُھک جُھک کر دیکھنے لگے۔ اور (اس بات سے غافل کہ پہلے انہوں نے کونسے صفحہ پر یہ دُعا دیکھی تھی اور اب یہ ساتواں صفحہ تھا) حیران و ششدر رہ گئے۔"[1]

یہ حوالہ دیکھ کر پیر صاحب کے تو ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے مگر تھے سمجھدار، فوراً پہلو بدل کر بولے کہ

"یہ مولویوں کی بحث ہے، ہم اس کو نہیں جانتے مسئلہ دراصل وہ جو ہم دریافت کریں تم یہ بتاؤ کہ یاشیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ پڑھنا جائز ہے یا ناجائز۔"

آپ فرماتے ہیں:۔

"میں اپنے مولا کی حمد کس طرح بیان کروں اور میری کیا ہستی ہے کہ اس کے فضل و کرم اور تصرفات پر قربان ہو جاؤں۔ میں نے اُن سے کہا کہ پیر صاحب! آپ تو یاشیخ الخ کے وظیفہ کا مسئلہ دریافت کرتے ہیں۔ پہلے اپنے مولویوں سے یہ تو پوچھو کہ وہ جناب شیخ کو قطعی جنتی بھی مانتے ہیں یا نہیں۔ پیر صاحب نے کہا۔ ہاں یہ انصاف کی بات ہے وہاں بہت سے مولوی موجود تھے۔ سب نے متفق ہو کر کہا کہ سوائے عشرہ مبشرہ کے ہم کسی کو قطعی جنتی نہیں مانتے۔ میں نے پیر صاحب کو کہا کہ یہ تو آپ کے باپ (وہ شیخ عبدالقادر جیلانی کی اولاد میں سے تھے) کو جنتی بھی نہیں مانتے، شیئاً للہ کا وظیفہ کیا! انہوں نے بہت گھبرا کر اور بڑی حیرت کے لہجہ میں کہا " ارے او مولویو! یہ کیا کام کرتے

---

[1] مرقاۃ صفحہ ۱۱۹

ہو" غرض وہ سحر تو باطل ہوگیا۔ اب پیر صاحب کو لینے کے دینے پڑ گئے۔ مجھ سے کہنے
لگے، آپ ان لوگوں کو چھوڑ دیں اپنا خیال بتائیں۔ میں نے کہا بخاری شریف میں لکھا ہے
کہ سید عبد القادر جیلانی قطعی بہشتی ہیں۔ یعنی صحیح بخاری میں ایک حدیث ہے کہ حضور
نبی کریمؐ کے پاس سے ایک جنازہ گذرا۔ اور اچھے لوگوں نے اس کی تعریف کی تو آپ
نے فرمایا وجبت جب اس کے معنے پوچھے گئے تو آپ نے فرمایا کہ جس کی اچھے لوگ
تعریف کرتے ہیں تو وہ جنتی ہوتا ہے چونکہ شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی نسبت جہانتک میرا
خیال ہے ہزارہا لوگوں نے تعریف فرمائی ہے۔ لہٰذا اس حدیث کی رُو سے میں اُن کو
یقینی جنتی سمجھتا ہوں۔" [1]

آپ کا یہ جواب سُن کر تمام مولوی خاموش ہو گئے اور کسی کو جرح کرنے کی جرأت نہ ہوئی اور پیر صاحب کا یہ حال تھا کہ اصل مسئلہ تو وہ بھول ہی گئے۔ البتہ آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگے۔

"میں اصل حقیقت کو سمجھ گیا ہوں۔ اب آپ اپنے گھر چلے جائیں۔"

آپ اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاتے ہوئے بخیریت گھر پہنچ گئے اور وہ جادو جو پیر صاحب آپ پر چلانا چاہتے تھے محض خدا تعالیٰ کے فضل سے باطل ہو گیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

علما کا اجتماع اور تحصیلدار کی بیہوشی

ایسا ہی ایک مرتبہ جامع مسجد شیر شاہ میں علماء آپ سے مباحثہ کے لئے جمع ہوئے لیکن اُن کی نیت نیک نہ تھی تحصیلدار اور تھانیدار بھی موقعہ پر موجود تھے اور وہ بھی انہیں کے طرفدار تھے۔ اُن کا مطالبہ آپ سے یہ تھا کہ "تم جو اولیاء کا پکارنا شرک کہتے ہو اگر علماء میں سے کسی نے ایسا لکھا ہو تو بلا گفتگو اس امر کو مان لیں گے۔" آپ حوالہ دکھانے کے لئے تفسیر عزیزی ساتھ لے گئے۔ مگر ان کا تو ارادہ ہی خطرناک تھا۔ حوالہ دیکھ کر بھی انہوں نے حجت بازی شروع کر دی۔ آپ نے آثار و قرائن سے بھانپ لیا تھا کہ یہ اجتماع ایک فساد برپا کرنے اور آپ کو نقصان پہنچانے کی دراصل ایک سازش تھی۔ یہانتک کہ تحصیلدار صاحب جو ہندو تھے وہ بھی ان کا ساتھ دے رہے تھے۔ اس نے آپ کو دھمکی بھی دی۔ آپ نے خدا تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے اپنی پوری طاقت کے ساتھ تحصیلدار کی شہ رگ کو انگوٹھے اور اُنگلی کی مدد سے اچانک اس طرح دبایا

---

[1] مرقاۃ صفحہ ۱۱۹-۱۲۰۔

کہ تحصیلدار صاحب کی چیخ نکل گئی اور وہ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ تھانہ دار کو جب یہ معلوم ہوا کہ تحصیلدار مارا جا چکا ہے تو اُسے خیال آیا کہ ہم تو تھانہ سے روزنامچہ میں روانگی درج کر کے نہیں آئے۔ اگر اس واقعہ کی اطلاع افسرانِ بالا تک پہنچی تو ہم کیا جواب دیں گے۔ وہ سپاہیوں سمیت فوراً تھانہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ تحصیلدار صاحب کے بیہوش ہونے اور پولیس کے چلے جانے کا پبلک پر یہ اثر ہوا۔ کہ آناً فاناً مسجد خالی ہو گئی۔ اور وہاں صرف آپ اور بیہوش تحصیلدار ہی رہ گیا۔ تحصیلدار کا نام رامداس تھا۔ جب وہ ہوش میں آئے تو اُن کے چہرہ کا رنگ زرد اور منہ فق تھا۔ انہوں نے آپ کو بڑی لجاجت اور خوفزدہ آواز سے کہا۔ مہاراج! میں آپ کا مخالف نہیں ہوں۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ کہیں مذہبی مخالفت میں مجھے قتل نہ کر ڈالے۔ مگر آپ نے انہیں محبت سے اُٹھایا اور گلے لگا لیا۔ لیکن اُن کا اندیشہ پھر بھی رفع نہ ہوا۔ اس پر آپ اُسے بغل میں لئے ہوئے مسجد سے باہر نکلے۔ جب شہر کے قریب پہنچے۔ تب تحصیلدار صاحب کی جان میں جان آئی اور اُن کے چہرے کا رنگ بدلنا شروع ہوا۔ چوک میں پہنچنے تک وہ بالکل سنبھل گئے اور آپ سے عرض کی کہ کیا مجھے اب تحصیل کی طرف جانے کی اجازت ہے؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں جاؤ۔ آپ فرماتے ہیں کہ

"اُن کی شرافت کا یہ حال ہے کہ آخری دم تک انہوں نے اور اُن کے بیٹے ڈاکٹر فتح چند نے میری ہمیشہ سچی تعظیم کی اور کبھی بھی اس امر کا اظہار نہ کیا۔ وکفی اللہ المومنین القتال۔"[1]

ایک عجیب مباحثہ

اسی طرح ایک عجیب مباحثہ کی سرگذشت آپ نے یُوں بیان فرمائی ہے۔ کہ جب ایک مباحثہ کے لئے آپ ایک گاؤں میں بُلائے گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک وسیع میدان میں بہت سی چارپائیوں پر کافی تعداد میں کتابیں علیحدہ علیحدہ پھیلا کر رکھی گئی ہیں۔ اور جب آپ نے دریافت فرمایا کہ اس قدر کتابیں کیوں فراہم کی گئی ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ یہ تمام کتابیں رفع یدین والی حدیث کے رد میں ہیں۔ اس پر آپ کو بہت تعجب ہوا۔ آپ کے پاس ایک کتاب "معمولات مظہری" نام تھی۔ آپ نے کھڑے کھڑے ہی مولوی صاحب سے پوچھا کہ اگر "معمولات مظہری" میں جو آپ کے پیروں کے پیر کے ملفوظات ہیں، کوئی اس قسم کا فیصلہ نکل آئے جو فرض کرو ان کتابوں کے خلاف ہو تو کیا آپ اپنے پیر کو چھوڑ دیں گے؟ انہوں نے کہا وہ ہمارا طریقت کا پیر ہے، شریعت کا پیر نہیں۔

---

[1] مرقاة صفحہ ۱۲۱-۱۲۲

آپ نے فرمایا کیا وہ شرعی امور کے مخالف ہو کر بھی آپ کی طریقت کے پیر ہو سکتے ہیں؟ کہا۔ ہاں! اُن کا یہ جواب سُنکر مباحثہ کروانے والے صاحب نے آپ سے عرض کی کہ

"میں تو حقیقت کو پہنچ گیا۔ یہ لوگ تو آپ سے کچھ بھی مباحثہ نہیں کر سکتے۔"

اس پر آپ گھوڑے پر سوار ہو کر واپس جانے کے ارادہ سے گاؤں سے نکل پڑے۔ ابھی چند قدم ہی گئے تھے کہ ایک آدمی نہایت تیزی سے دوڑتا ہوا آپ کے پاس پہنچا اور کہا کہ یہ جو ڈھول کی آواز آرہی ہے۔ آپ اسے پہچانتے ہیں۔ فرمایا نہیں! کہنے لگا کہ یہ ڈھول فلاں دنیا دار نے اس خوشی میں بجوایا ہے کہ آپ ہار گئے۔ یہ معلوم کر کے آپ گھوڑا دوڑا کر پھر اسی مقام پر واپس تشریف لے گئے اور اس دنیا دار سے پوچھا کہ تم تو کہتے تھے مجھے حقیقت معلوم ہو گئی ہے یہ آپ سے مباحثہ نہیں کر سکتے۔ پھر یہ فتح کا ڈھول کیوں بجوایا جا رہا ہے؟ اس نے ڈھول بجانے والے کو بڑی فحش گالی دے کر ڈھول بند کروا دیا۔

عُلماء اور پیروں کی حالت

علماء اور پیروں کی حالت بیان کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ ایک عالم صاحب جو ہماری بھی کچھ لحاظ داری کرتے تھے۔ ایک مجلس میں میری بہت مذمت کر رہے تھے لیکن انہیں پتہ نہ تھا کہ میں بھی اس مجلس میں موجود ہوں۔ میں نے اس خیال سے ایک شخص سے بات کی کہ یہ میری آواز سُن لیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ وہ میری آواز سُنکر چونک پڑے اور فرمایا کہ آپ بیٹھے ہیں؟ اور اس کے بعد اُن پر ایک سکتہ کا عالم طاری ہو گیا۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"بھیرہ میں جب میری مخالفت لوگوں نے کی تو دروازوں پر لوگ بیٹھتے تھے اور میرے پاس آنے والوں کو روکتے تھے اور یہی میری شہرت کا باعث ہوا۔" [۱]

اسی قسم کا ایک واقعہ آپ نے ایک پیر صاحب کا بیان فرمایا کہ بعض لوگوں نے ان سے یہ اقرار لیا کہ اگر آپ "نورالدین" کو شہر سے نکال دیں تو ہم آپ کو اس قدر روپیہ دیں گے۔ جب پیر صاحب آپ کے خلاف بہت کچھ کہہ چکے تو آپ دوپہر کے وقت پیر صاحب کے پاس پہنچے اور فرمایا کہ میں ایک عرض کرنے آیا ہوں جو بہت ہی مختصر ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ تو حجرہ شاہ مقیم کے رہنے والے ہیں۔ یہ باغ جو آپ کے گھر کے پاس ہے۔ یہ آپ کو کس طرح مل گیا؟ بس میرا اتنا ہی سوال ہے۔ پیر صاحب نے فرمایا کہ "آپ کے دادا نے ہمارے دادا کو دیا تھا۔" آپ فرماتے ہیں:۔

---

[۱] مرقاۃ صفحہ ۲۰۱

"میں نے کہا بہرحال آپ کو ہمارے خاندان سے کچھ نفع پہنچا ہے۔ یہ سُنکر انہوں نے فرمایا کہ میں اور آپ کا بڑا بھائی لاہور میں ایک جگہ رہتے تھے اور ہمارے بہت کچھ رسم آمد رفت تھی۔ میں نے کہا کہ میں نے سُنا ہے کہ آپ میرے اس شہر سے نکالنے میں شریک ہیں۔ خیر یہ تو احسان کا بدلہ ہی ہوگا۔ مگر آپ اتنا یاد رکھیں کہ جو لوگ میرے مرید اور معتقد ہیں وہ تو کم سے کم آپ کو کبھی سلام نہ کریں گے۔" [1]

اتنی گفتگو کر کے آپ واپس تشریف لے آئے۔ عصر کے بعد جب علماء اکٹھے ہو کر اُن کے پاس گئے۔ اور آپ کے اخراج کا فتویٰ پیش کیا تو پیر صاحب نے ہنس کر فرمایا۔ فقر کا دروازہ بڑا ہی اونچا ہے۔ ہندو، سکھ، مسلمان، عیسائی، وہابی سب فقر کے سلامی ہیں۔ علماء نے کہا۔ آپ نے فرمایا تھا کہ کل آنا، نورالدین کو شہر سے نکالنے کے لئے کوئی تدبیر آپ کو بتادوں گا مگر آج آپ کچھ اور ہی فرما رہے ہیں۔ پیر صاحب نے کہا کہ ہاں! آپ لوگ رسُول کی گدی کے مالک ہیں اس لئے آپ کی رعایت کرنی ضروری ہے لیکن فقر کا دروازہ بہت اونچا ہے اور فقر کے سب سلامی ہیں۔ غرض مولویوں نے بڑا زور لگایا مگر سلام کے لفظ کو پیر صاحب نہ چھوڑ سکے۔ اس کے بعد پیر صاحب نے ایک آدمی آپ کے پاس بھیجا جس نے آپ کو پیر صاحب کا یہ پیغام دیا کہ کل ہم آپ کے مکان کے قریب سے گذریں گے آپ باہر نکل کر ہم سے ملیں۔ چنانچہ حسب وعدہ وہ اکیلے ہی گھوڑی پر سوار ہو کر اس طرف سے گذرے۔ آپ نے باہر نکل کر اُن سے ملاقات کی۔ کہنے لگے "جوان! میں نے وہ کام کر دیا ہے۔ یار! اب اپنے مریدوں سے کہہ دینا کہ وہ ہم کو سلام کر لیا کریں۔" آپ نے فرمایا کہ "پیر صاحب! جب میں نے خود آپ کو سلام کیا ہے تو میرے مُرید بھلا کیوں نہ کریں گے۔"

بھیرہ میں آپ کی مخالفت

بھیرہ میں جب آپ کی مخالفت انتہار کو پہنچ گئی اور لوگ آپ کے قتل کے منصوبے کرنے لگے تو آپ کے ایک دودھ شریک بھائی نے کہا کہ میں نورالدین کو چھُری مار کر ہلاک کردوں گا جب آپ نے یہ بات سُنی تو رات کو عشاء کی نماز کے بعد اس کے گھر چلے گئے۔ اس کی والدہ کا چونکہ آپ نے دودھ پیا ہوا تھا۔ اس لئے وہ آپ سے پردہ تو کرتی نہیں تھی آپ وہاں جاکر لیٹ گئے اور خراٹوں تک نوبت پہنچادی اور دل میں یہ خیال کہ میں دیکھوں گا یہ مجھے کس طرح چھُری مارتا ہے۔ یہانتک کہ جب آدھی رات گذر گئی تو اس کی والدہ نے آپ کو جگا کر کہا کہ بیٹا! آدھی

---

[1] مرقاۃ صفحہ ۱۲۴ء

رات گذر گئی ہے اب تم اپنے گھر جاؤ۔ آپ نے فرمایا میں یہیں رات بسر کر لوں گا۔ اس نے کہا نہیں اب تم اپنے ہی گھر جا کر سوؤ۔ آپ نے فرمایا۔ اچھا! مگر میں تنہا نہیں جاؤں گا۔ اپنا میرے دودھ شریک بھائی کو میرے ساتھ بھیجو کہ مجھ کو مکان تک پہنچا آئے چنانچہ وہ آپ کے ساتھ ہولیا۔ آپ نے دانستہ اس کو پیچھے رکھا اور خود آگے آگے چل پڑے۔ لیکن اس نے کچھ نہیں کیا۔ پھر جب آپ اپنے گھر کے دروازے پر پہنچے تو دروازے کی سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر اس کو نیچے کی سیڑھی پر کھڑا کر کے باتیں کرنے لگے کہ اب یہ اطمینان سے چھری مار لے۔ لیکن وہ تو اس قدر گھبرایا کہ اس نے آپ کو کہا کہ اب اجازت دیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ اچھا۔ اس پر وہ چلا گیا۔[1]

آپ کی پہلی شادی

جب آپ کی عمر اندازاً تیس سال کی ہوئی تو بھیرہ کے مفتیوں کے خاندان میں مفتی شیخ مکرم صاحب قریشی نعمانی کی صاحبزادی سے آپ کی شادی ہونا قرار پائی جب نکاح ہونے لگا تو نکاح پڑھانے والے مولوی صاحب نے جو آپ کے اُستاد بھی تھے۔ مہر کی مقدار آپ کی حیثیت سے زیادہ بتائی۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ مہر میں نے ادا کرنا ہے آپ نے ادا نہیں کرنا۔ اس لئے میں پانسو روپیہ سے زیادہ ہرگز تسلیم نہیں کروں گا۔ آپ کے ایسا کہنے سے ایک شور پڑ گیا۔ کہ دیکھو۔ لڑکا بول پڑا۔ آپ کے اُستاد صاحب بھی ناراض ہو گئے مگر آپ اپنی بات پر ڈٹے رہے۔ آخر پانسو روپیہ مہر پر ہی نکاح ہوا۔ آپ کی اس بی بی کا نام فاطمہ تھا اور مفتی فضل الرحمٰن صاحب کی پھوپھی تھیں۔ آپ کے ہاں اس بی بی کے بطن سے تین لڑکیاں اور نو لڑکے تولد ہوئے جن میں سے سب سے بڑی کا نام امامہ تھا۔ اور دوسری لڑکی حفصہ تھی۔ تیسری کا نام امۃ اللہ تھا۔ اور لڑکے سب امۃ اللہ سے چھوٹے تھے جو خورد سالی ہی میں فوت ہو گئے تھے اور چھوٹی لڑکی امۃ اللہ بھی نو دس سال کی عمر میں چراغ سے آگ لگ جانے کی وجہ سے جل کر جموں میں فوت ہو گئی تھی۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کے ایک بچے کا نام اسامہ تھا جس کی وجہ سے آپ کی کنیت ابواسامہ ہوئی۔

امامہ

بڑی لڑکی امامہ بڑی لائق اور تعلیمیافتہ تھی۔ اردو، فارسی اور پشتو سے خوب واقف تھی۔ آپ اُسے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے قرآن کریم کا فارسی ترجمہ پڑھانا چاہتے تھے مگر اس سے پہلے فارسی کی قابلیت بڑھانے کے لئے کریما پڑھانا شروع کیا۔ ایک روز جب یہ سبق آیا کہ

---

[1] مرقاۃ صفحہ ۲۰۳-۲۰۴۔

بدہ ساقیا آب آتش لباس

تو آپ حیران تھے کہ اسے کس طرح پڑھائیں - آپ نے فرمایا - امامہ آج تو رہنے دو کل پڑھائیں گے ۔ اگلے روز آپ نے وہ آب آتش لباس والا ورق پھاڑ دیا اور اس طرح پھاڑا کہ یہ بھی معلوم نہ ہو کہ کوئی ورق علیحدہ کیا گیا ہے۔ لیکن جب وہ پڑھنے لگی تو کہنے لگی کہ وہ آتش لباس والا ورق کہاں گیا - پھر اس نے ورق پھاڑنے والے کو بہت بُرا بھلا کہا۔ غرض آپ نے آب آتش لباس والے ورق کے سوا "کریما" اُسے پڑھایا - اس کے بعد نہ گلستان اس قابل تھی نہ بوستاں کہ اُسے پڑھاتے۔ "انوار سہیلی" ان سے بھی بدتر نکلی - جب کوئی کتاب نہ ملی تو مجبوراً آپ نے کہا کہ تم شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ ہی پڑھو۔

اس لڑکی کی شادی آپ نے حضرت مولوی عبداللہ صاحب غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے مولوی عبدالواحد صاحب کے ساتھ کر دی۔ حضرت مولوی عبداللہ صاحب غزنویؒ ایک بزرگ اور ولی اللہ انسان تھے اور انہی کی بزرگی کی وجہ سے حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے اپنی لڑکی کی شادی ان کے لڑکے کے ساتھ کر دی مگر افسوس کہ اپنے اَور بھائیوں کی طرح یہ بھی سلسلہ عالیہ احمدیہ کے شدید دشمن رہے بلکہ ایک دفعہ جب یہ آپؓ سے ملاقات کرنے کے لئے قادیان آئے تو آپؓ کے اصرار پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی ملنے چلے گئے۔ جب حضرت اقدس مسجد مبارک میں ان سے باتیں کرنے لگے تو حضرت مولوی صاحبؓ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہ حضرت اقدسؑ کی کسی بات کا جواب نہیں دیتے تھے اور جلدی جلدی زبان ہلاتے جاتے تھے۔ چنانچہ جب ان سے بعد ملاقات دریافت فرمایا کہ تم اُس وقت کیا پڑھ رہے تھے تو انہوں نے کہا کہ سورہ کہف کی پہلی دس آیتیں پڑھ رہا تھا حضرت اقدس نے جب یہ بات سُنی۔ تو بہت مُسکرائے۔

اس لڑکی کی اولاد دو لڑکوں اور دو لڑکیوں پر مشتمل تھی۔ بڑے لڑکے کا نام محمد ابراہیم اور چھوٹے کا نام محمد اسمٰعیل تھا۔ لڑکیوں کے نام آمنہ اور خدیجہ تھے۔ یہ لڑکی ۱۸۹۷ء میں مرض دق میں مبتلا ہو کر قادیان میں فوت ہو گئی تھی اور اس کا بڑا لڑکا محمد ابراہیم بھی اسی مرض سے ۱۹۱۰ء میں وفات پا گیا تھا۔

حفصہ — حفصہ قریباً ۱۸۷۴ء میں بمقام بھیرہ پیدا ہوئی تھی۔ حضرت مولوی صاحبؓ نے اپنے بچوں کی تعلیم کے لئے ایک حافظ صاحب کو ملازم رکھا ہوا تھا۔ حفصہ نے بھی انہی حافظ صاحب سے

قرآن کریم ناظرہ پڑھا تھا۔ البتہ قرآن کریم کا ترجمہ اور حدیث اور طب اپنے والد سے پڑھی۔ حفصہ کی منگنی اپنے ماموں زاد بھائی حکیم مفتی فضل الرحمٰن صاحب سے ۱۸۸۸ء میں ہوئی تھی جبکہ حضرت مولوی صاحب رضؓ ریاست جموں وکشمیر میں بطور شاہی طبیب ملازم تھے اور شادی ۳۱ رمئی ۱۸۹۱ء کو ہوئی۔ اس لڑکی کی جب شادی ہوئی تو حضرت مولوی صاحبؓ رضؓ نے اُسے علاوہ اس جہیز کے جو عام طور پہ لوگ دیا کرتے ہیں۔ ایک بڑا صندوق کتابوں کا بھی دیا جو آپ کے زیر مطالعہ رہتی تھیں۔ یہ سب کتابیں قرآن کریم، احادیث وغیرہ دینیات کی تھیں۔ مگر جب اسے ڈولی میں سوار کیا گیا تو آپ اُسے رخصت کرنے کے لئے تشریف لائے اور کہا "حفصہ! میں تیرا جہیز لایا ہوں" اور ایک کاغذ اس کی گود میں رکھ دیا اور کہا کہ "بچہ! اس کو سسرال پہنچکر کھولنا اور پڑھ لینا"۔ اس کاغذ میں مندرجہ ذیل نصیحت کی باتیں درج تھیں:۔

بیٹی کو رخصت کرتے وقت اُسے نصائح

"بچہ! اپنے مالک، رازق، اللہ کریم سے ہر وقت ڈرتے رہنا۔ اور اس کی رضامندی کا ہر دم طالب رہنا، اور دعا کی عادت رکھنا، نماز اپنے وقت پر اور منزل قرآن کریم کی بقدر امکان بدوں ایام ممانعت شرعیہ ہمیشہ پڑھنا زکوٰۃ، روزہ، حج کا دھیان رکھنا اور اپنے موقعہ پر عملدرآمد کرتے رہنا۔ گلہ، جھوٹ، بہتان، بیہودہ قصے کہانیاں یہاں کی عورتوں کی عادت ہے اور بیوجہ باتیں شروع کر دیتی ہیں۔ ایسی عورتوں کی مجلس زہر قاتل ہے۔ ہوشیار، خبردار رہنا۔ ہم کو ہمیشہ خط لکھنا۔ علم دولت ہے بے زوال ہمیشہ پڑھنا۔ چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کو قرآن پڑھانا۔

زبان کو نرم، اخلاق کو نیک رکھنا۔ پردہ بڑی ضروری چیز ہے۔ قرآن شریف کے بعد ریاحین العابدین کو ہمیشہ پڑھتے رہنا۔

مرأۃ العروس اور دوسری کتابیں پڑھو اور ان پر عمل کرو۔ اللہ تمہارا حافظ و ناصر ہو اور تم کو نیک کاموں میں مدد دیوے۔ والسلام۔ نورالدین

۳۱ رمئی ۱۸۹۱ء" [۱]

اس لڑکی کے ہاں بھی کافی اولاد ہوئی۔

---

[۱] ماخوذ از "حیات جاودانی یعنی سوانح حفصہ قادیانی"

ماشرا کے ایک مریض کا خون نکلنے کے بغیر علاج

بھیرہ کے مفتیوں کے گھر میں جو آپ کی شادی ہوئی تھی، اس کا ذکر کرتے ہوئے ایک جگہ فرماتے ہیں :-

"میری شادی تھی مفتیوں کے محلہ میں، وہاں جراح رہتے تھے۔ میرا بیاہ تھا۔ وہ آتے رہتے تھے۔ ایک نے مجھ سے کچھ ہنسی کی۔ میں نے کہا کہ تم بڑے جاہل ہو۔ اس نے کہا کہ کیا تو ہمارا محتاج نہیں ہے؟ کبھی خون نہ نکلوانا ہوگا؟ میں نے کہا کہ میں نکلواؤں گا ہی نہ۔ بلکہ یہ تمہارا کام ہی چھڑا دوں گا میاں شیخ احمد صاحب نے مجھے کہا کہ یہ لوگ آپ سے ناراض ہو جائیں گے اور طب کے کام میں مشکل پڑے گی۔ ایک دفعہ ایک کرپارام پنساری تھا۔ اُس کو ماشرا ہو جاتا تھا۔ انہوں نے کہا کہ جب تک اس کا تین سیر خون نہ نکلے آرام ہو ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ ایک دفعہ اس کو سخت ماشرا ہو گیا۔ میں نے اس کا دوسری طرح علاج شروع کیا اور ایسا انتظام کیا کہ جس سے اُس کو غش ہو گیا۔ غش کے ساتھ ہی سب ورم وغیرہ دُور ہو گیا۔ شیخ احمد صاحب نے مجھے کہا کہ یہ مَر جائے گا۔ بجائے اس کے اس کو بالکل آرام ہو گیا اور پھر کبھی نہ ہوا جس کو وہ حجام لوگ بھی مان گئے۔"[1]

میں پنساری نہیں

آپ فرماتے ہیں :-

"ایک دفعہ میری ماں نے مجھے علیحدہ بُلایا اور کہا کہ میں تجھے ایک بھلائی کی بات کہوں۔ میں نے کہا وہ کیا؟ انہوں نے کہا کہ تیرا بھائی جو طب کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ نورالدین کو طب کرنا نہیں آتا اور اس کو شربت شیرہ بنانا بھی نہیں آتا۔ وہ میرے پاس آیا کرے اور سیکھا کرے۔ میں نے کہا کہ یہ پنساریوں کا کام ہے اُس نے کہا کہ تم اس کام کو سیکھنا نہیں چاہتے؟ میں نے کہا کہ جب پنساری بننے لگوں گا تو سیکھ لُوں گا۔"[2]

توبہ نہ کرنے کا نقصان

آپ فرماتے ہیں :-

"ہمارے شہر میں ایک کنچنی رہتی تھی۔ روزانہ میرے پاس آتی اور کہتی

---

[1] بدر ۲۰ مارچ ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۲

[2] ایضاً۔

کہ توبہ کیا ہوتی ہے ؟ میں بہت تنگ ہوا۔ کچھ عرصہ وہ غیر حاضر اور غائب رہی۔ پھر ایک روز خوب بن ٹھن کر آئی اور کہنے لگی کہ توبہ سے تو بھوکے مرنے لگے تھے۔ ہولیوں میں فلاں مقام پر گئے تو اتنے روپے کما لائے۔ مجھ کو سُنکر بڑا جوش آیا۔ میں نے کہا اُٹھ جا یہ ہمارا مکان ہے۔ تجھ کو یہ روپیہ کھانا بھی نصیب نہ ہوگا اور توبہ بھی نصیب نہ ہوگی وہ اُٹھ کر چلی گئی۔ جاتے ہی اس پر فالج گرا۔ اس کا ایک رشتہ دار دوڑتا ہوا میرے پاس آیا۔ میں نے کہا وہ اب نہیں بچے گی۔ اس نے کہا خیر وہ نہ بچے لیکن روپیہ جو وہ لائی ہے وہ ہم کو معلوم نہیں کہ اس نے کہاں رکھا ہے ؟ اتنا ہو کہ وہ روپیہ تو بتا دے کیونکہ ہمارے گھر جب کوئی مرتا ہے تو پانسو روپیہ برادری کی روٹی میں خرچ ہوتا ہے۔ میں نے کہا وہ روپیہ بھی نہ ملے گا۔ وہ سخت حیران ہوا۔ آخر اس کے اصرار پر میں نے کہا۔ اچھا چلو جا کر دیکھا کہ بالکل بیہوش پڑی ہے۔ ایک آدمی نے بہت زور سے آوازیں دیں لیکن کچھ نہ بولی میں نے آس پاس کی تمام بدکار عورتوں کو بلوایا۔ وہ آگئیں۔ میں نے کہا اس نے توبہ کی حقارت کی ہے۔ دیکھو اب یہ بغیر توبہ مرتی ہے۔ تم بتاؤ تمہارا کیا منشا ہے۔ ان میں سے جو سب سے زیادہ بدکار تھی اول اسی نے کہا کہ میں تو توبہ کرتی ہوں۔ میں نے کہا کہ تم اس کے مرنے پر کھانا بھی برادری کو نہ کھلاؤ کیونکہ اگر بدنامی بھی ہوگی تو کس قوم میں ؟ ان سب کی سمجھ میں آگیا اور کوئی کھانا وغیرہ بھی برادری کو نہ دیا" [۱]

رب اشعث اغبر لو اقسم علی اللّٰہ لابرہ

حدیث میں آتا ہے۔ رب اشعث اغبر لو اقسم علی اللّٰہ لا برہ۔

یعنی بہت سے لوگ پراگندہ بالوں والے اور غبار آلود ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اگر وہ اللہ کی قسم دے کر کسی بات کے متعلق کہدیں کہ یہ بات ضرور ہوگی تو اللہ تعالیٰ اُن کی قسم کو پورا کر دیتا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ کی زندگی میں بیسیوں ایسے واقعات پیش آئے کہ آپ نے کسی چیز کی خواہش کی اور اللہ تعالیٰ نے ظاہری اسباب کی موجودگی کے بغیر وہ چیز مہیا کر دی۔ اس قسم کا ایک واقعہ آپ نے یُوں بیان فرمایا کہ بھیرہ میں آپ نے اپنے ایک دوست سے چند مرتبہ ایک کتاب مستعار مانگی۔ اس نے دینے کا وعدہ کرنے کے باوجود آخر انکار کر دیا

---

[۱] مرقاۃ صفحہ ۲۰۵-۲۰۶ ؂

اس کی زبان سے صاف جواب سُنکر آپ کی زبان سے بے اختیار اناللہ و انا الیہ راجعون نکلا۔ لیکن چند روز ہی گذرنے کے بعد اچانک ایک دن پشاور سے ایک بڑا پلندہ بذریعہ ڈاک آیا جس میں بھیجنے والے کا نام نہ تھا۔ اس میں وہی کتاب، اس کتاب کی شرح اور اس فن کی اور کتابیں بھی تھیں۔ آپ نے اس قسم کے سب آدمیوں سے اس کا تذکرہ کیا۔ لیکن کچھ پتہ نہ چلا کہ کتابیں کس نے بھجوائیں اور کیوں بھجوائیں؟ آپ نے ایک مرتبہ ایک امیر آدمی کے سامنے بھی تذکرہ کیا۔ اس نے کہا گو میں آپ کا ہم خیال نہیں ہوں لیکن آپ کی وہ اناللہ مجھ کو کھا گئی۔ اس کتاب کے پشاور ہونے کا مجھ کو علم تھا۔ میں نے اپنے آدمی کو لکھا کہ خرید کر آپ کے نام روانہ کردے۔[1]

دوسرے کی تحقیر کرنے والا خود بھی ذلیل ہوتا ہے

ایک مرتبہ آپ نے میانی سے پنڈدادنخاں آتے ہوئے ایک شخص کو دیکھا کہ دریا میں داخل ہوتے ہی اس نے اپنا تہ بند سر پر کھول کر رکھ لیا اور ننگا ہو کر چلنے لگا۔ ایک دوسرے شخص نے اس کو بڑی ہی لعنت ملامت کی۔ مگر جب خود دریا میں داخل ہوا تو جوں جوں پانی گہرا آتا گیا وہ بھی اپنا تہ بند اوپر کو اُٹھاتا گیا جب اس نے دیکھا کہ پانی تو شاید ناف تک آجائے گا تو اس نے بھی اپنا تہ بند کھول کر سر پر رکھ لیا۔ اور پہلے شخص کی طرح بالکل ننگا ہو گیا۔ آپ فرماتے ہیں۔

> "اس وقت میری سمجھ میں یہ نکتہ آیا کہ جو شخص کسی دوسرے کی تحقیر کرتا ہے وہ خود بھی اُسی قسم کی ذلت اُٹھاتا ہے۔ اگر وہ دوسرا شخص کپڑے کے بھیگنے کی پروانہ کرتا اور ننگا نہ ہوتا۔ تو کوئی بڑے نقصان کی بات نہ تھی لیکن جس بات کے لئے اس نے دوسرے کی تحقیر کی تھی۔ اس کا مرتکب اس کو بھی ہونا پڑا۔"[2]

بھیرہ میں مطب کا قیام

بھیرہ میں آپ نے ایک طبیب سے مشورہ کیا کہ میں یہاں طب کرنا چاہتا ہوں۔ اس بارہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟ اس طبیب نے کہا۔ یہاں آپ کا کام چلنا مشکل ہے۔ میں جو مانگ لیتا ہوں۔ مجھے بھی اس شہر میں پانچ روپیہ سے زیادہ آمدنی نہیں ہوتی اور آپ کو تو مفت دوا دینے کی عادت ہے۔ پھر آپ کے علاج کا جو طریق ہے اس کی وجہ سے عطار اور جراح بھی آپ کی مخالفت کریں گے اور علماء تو مخالف ہیں ہی لیکن اس کے باوجود آپ نے

---

[1] مرقاۃ صفحہ ۲۰۶ ۔ [2] فرمودہ ۱۳ مئی ۱۹۰۹ء صفحہ ۲۰۷-۲۰۵ ۔

اپنا کام شروع کر دیا۔ سب سے پہلے آپ نے ایک طالب علم سے ایک سُرمہ تیار کروایا۔ جس کے اجزا یہ تھے۔ جست ۲۰ ماشہ۔ سُرمہ سیاہ ۲۰ ماشہ۔ زنگار ۳ ماشہ۔ سفیدہ کاشغری ۴ ماشہ۔ افیون ۳ ماشہ۔ سمندر جھاگ ۴ ماشہ۔ یہ سُرمہ بڑا مفید ثابت ہوا۔ اور آپ کا کام چل نکلا۔

مُحسن بھائی کی خاطر مکان خالی کر دیا

اب ایک مشکل یہ پیش آئی کہ جس مکان میں آپ نے مطب شروع کیا تھا اور جو بڑا وسیع اور مطب کے لئے موزون بھی تھا۔ اس کے متعلق آپ کے والد صاحب کی وفات کے تھوڑے دنوں بعد آپ کے ایک بھائی نے جس نے آپ پر بڑے بڑے احسان کئے تھے یہ فرمایا کہ یہ مکان میرے روپیہ سے لیا گیا اور میرے ہی روپیہ سے درست کیا گیا۔ لہٰذا تم اس قدر لکھ دو کہ یہ مکان میرے بھائی کا ہے۔ آپ تو دل و جان سے اس بھائی پر قربان تھے آپ نے نہ صرف اُن کے حسب منشا تحریر کر دی بلکہ فوراً شاگردوں کو کہا کہ یہاں سے تمام دوائیں اُٹھا کر فلاں مسجد کے حجرہ میں رکھ دو۔ اس وقت مکان کا خالی کرنا آپ کے لئے سخت مشکل تھا۔ کیونکہ ان ایام میں آپ کے پاس نئی جگہ کام چلانے کے لئے روپیہ بالکل نہ تھا۔ لیکن آپ یہ چاہتے تھے کہ اپنے مُحسن بھائی کے دل میں ذرا بھی کدورت پیدا نہ ہو۔

سرکاری زمین میں مکان کی تعمیر

اب آپ کو مکان کی سخت ضرورت تھی۔ ساتھ ہی ٹاؤن کمیٹی کی کچھ زمین خالی پڑی تھی۔ آپ نے اپنے ایک مستری دوست کو کہا کہ تم اس زمین پر مکان بناؤ اور ایک ہندو سے کہا کہ تم روپیہ دیدو۔ چنانچہ مکان بننا شروع ہو گیا۔ منصب دار خاں صاحب تحصیلدار جو ضلع راولپنڈی کے باشندہ اور بھیرہ میں متعین تھے۔ انہوں نے آپ کو کہلا بھیجا کہ اوّل تو کوئی مکان بلا اجازت اور بغیر نقشہ منظور کرائے بنانا جائز نہیں دوسرے یہ کہ سرکاری زمین میں مکان بنانا قانون کے بھی خلاف ہے۔ میں بسبب ادب کے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مگر ہاں یہ بتائے دیتا ہوں کہ کمیٹی بھی اگرچہ بسبب ادب کے کچھ نہیں کہہ سکی لیکن انہوں نے ڈپٹی کمشنر کو رپورٹ کر دی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بنا بنایا مکان گرا دیا جائے گا۔

آپ فرماتے ہیں:۔

"میرے مستری دوست نے بھی یہی کہا۔ مگر چونکہ میرا دل انشراح صدر سے یہی کہتا تھا کہ ... ... مکان ضرور بنے گا۔ اس لئے میں نے کہا

کہ تم اپنا کام کئے جاؤ۔"

خیر ڈپٹی کمشنر کو جب رپورٹ پہنچی تو انہوں نے لکھا کہ ہم بہت جلد وہاں آنیوالے ہیں۔ خود ہی آکر موقع کا ملاحظہ کریں گے۔ چنانچہ ڈپٹی کمشنر صاحب تشریف لائے اور بعد ملاحظہ فرمایا کہ جس قدر مکان بن چکا ہے وہ تو ابھی رہنے دو۔ باقی کی تعمیر کا کام روک دو۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"میں بھی اس وقت قریب کے مکان میں موجود تھا۔ ڈپٹی کمشنر کے تشریف لانے کی خبر سُنکر وہاں گیا تو ڈپٹی کمشنر صاحب وہاں سے چلے گئے تھے۔ اور بہت سے قدم آگے نکل گئے تھے۔ مجھ کو آتا دیکھ کر شاید ان کے ہمراہی لوگوں میں سے کسی نے کہا ہوگا کہ مکان بنانیوالا آگیا ہے۔ وہ پھر واپس آئے اور ان کو واپس ہوتے دیکھ کر میرے دل نے کہا کہ حکم لوٹ گیا۔ جب وہ آگئے تو مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم جانتے ہو یہ سرکاری زمین ہے؟ میں نے کہا کہ ہاں، مگر سارا شہر ہی سرکاری زمین ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ وہ کس طرح؟ میں نے کہا کہ اگر سرکار کو اس شہر کے مقام پر فوجی میدان بنانا پڑے تو کیا شہر کے لوگ انکار کر سکتے ہیں؟ کہا ہاں! نہیں کر سکتے میں نے کہا۔ بس اسی طرح ہر جگہ سرکاری ہی کہلاتی ہے۔ تب انہوں نے کہا کہ اچھا آپ کا مکان سرکاری زمین کے کتنے حصہ میں بن سکتا ہے۔ میں نے کہا کہ ایک طرف تو سڑک ہے۔ دوسری طرف بھی شارع عام ہے۔ اس کے درمیان جتنی زمین ہے اس میں مکان بن سکتا ہے۔ فرمایا کہ اچھا۔ ابھی میخیں گاڑ دو۔ چنانچہ میخیں گاڑ دی گئیں۔ پھر تحصیلدار اور میونسپلٹی کے لوگوں سے پوچھا کہ آپ لوگوں کو کوئی اعتراض ہے؟ انہوں نے کہا کہ ان کا مکان تو نافع عام ہوتا ہے۔ ہم کو کوئی اعتراض نہیں۔ مجھ سے فرمایا کہ اچھا آپ اپنا مکان بنائیں جب وہ چلے گئے تو تحصیلدار نے میرے پاس آکر کہا کہ یہ تو سکھا شاہی فیصلہ ہوا ہے کیونکہ ڈپٹی کمشنر کو خود بھی اختیار اس طرح سرکاری زمین دینے کا نہیں ہے۔ میں نے اُن سے کہا کہ آپ خاموش رہیں۔ بہت دُور جا کر ڈپٹی کمشنر پھر واپس آئے اور مجھ سے فرمایا کہ سڑک کے ساتھ ساتھ بدررو ہے آپ کو اس کے سبب سے بہت تکلیف پہنچے گی۔ میں نے کہا کہ میں

نے سُنا ہے کہ انگریز بہت عقلمند ہوتے ہیں۔آپ ہی کوئی تدبیر بتائیں۔کہا میں نے تدبیر یہ سوچی ہے کہ سرکار کی طرف سے آپ کے مکان کا پُشتہ کمیٹی بنادے۔پھر کمیٹی والوں سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ آپ کو کوئی اعتراض ہے؟ انہوں نے کہا نہیں وہ تحصیلدار مجھ سے کہنے لگا کہ یہ ایک ہزار روپیہ اور ہم پر جرمانہ ہوا۔میں نے ان سے کہا کہ تم ان باتوں کو کیا سمجھ سکتے ہو۔"

بنیئے کے قرض کا خیال آنے پر ادائیگی کے اسباب

آپ فرماتے ہیں:۔

"اس مکان کے بننے میں جب بارہ سو روپیہ خرچ ہو گیا۔تو مجھ کو خیال آیا کہ کہیں وہ ہندو اپنا روپیہ نہ مانگ بیٹھے۔میں اسی خیال میں تھا کہ میرے ایک دوست ملک فتح خاں جب گھوڑے پر سوار میرے پاس آئے۔اور فرمایا کہ میں راولپنڈی جاتا ہوں کیونکہ لارڈ لٹن نے دہلی میں دربار کیا ہے۔بڑے بڑے رئیس تو دہلی بلائے گئے ہیں اور چھوٹے رئیس راولپنڈی جمع ہوں گے اور انہیں تاریخوں میں راولپنڈی میں دربار ہوگا۔ہم راولپنڈی بُلائے گئے ہیں۔میں نے اُن کے کان میں چپکے سے کہا کہ مجھ کو بھی دربار میں جانا ہے۔انہوں نے کہا کہ یہ گھوڑا ہے۔آپ اس پر سوار ہو جائیں اس وقت جس قدر میرے بیمار تھے وہ وہیں بیٹھے رہ گئے اور میں نے گھر میں بھی اطلاع نہیں کی۔اسی وقت سوار ہو کر چل دیا۔فتح خاں اور ہم دونوں جب جہلم پہنچے تو وہاں ریل تھی۔ملک فتح خاں مرحوم تو راولپنڈی چلے گئے۔میں نے کہا میں تو دلی جاتا ہوں۔میرے کپڑے بہت ہی میلے ہو گئے تھے۔اس لئے میں نے اپنے کپڑے اتار کر ملک حاکم خاں تحصیلدار جہلم کا ایک پاجامہ، پگڑی اور کوٹ پہن لیا جس کے نیچے کرتہ نہ تھا۔میں سیر کے لئے نکلا اور ٹہلتا ہوا اسٹیشن جہلم پر پہنچا۔

کرایہ ریل کی فراہمی کا عجیب نشان

میں نے اسٹیشن پر کسی سے دریافت کیا کہ لاہور کا تھرڈ کلاس کا کیا کرایہ ہے؟ معلوم ہوا کہ پندرہ آنہ اس کوٹ کی جیب میں دیکھا تو صرف پندرہ آنے کے پیسے پڑے تھے۔میں نے ٹکٹ لیا اور لاہور پہنچا۔یہاں بڑی گھمسان تھی۔کیونکہ لوگ دربار کے سبب دہلی جا رہے تھے ٹکٹ

کا ملنا محال تھا اور میری جیب میں تو کوئی پیسہ بھی نہ تھا۔ ایک پادری جن سے کسی مرض کے متعلق طبی مشورہ دینے کے سبب میری پہلے سے جان پہچان تھی سٹیشن پر مل گئے۔ ان کا نام گولک ناتھ تھا۔ انہوں نے کہا کہ آپ کہاں جاتے ہیں ٹکٹ تو بڑی مشکل سے ملیگا۔ میں نے کہا مجھ کو دہلی جانا ہے۔ گولک ناتھ نے کہا۔ میں جاتا ہوں اور ٹکٹ کا انتظام کرتا ہوں۔ چنانچہ وہ گئے اور بہت ہی جلد ایک ٹکٹ دہلی کا لائے۔ میں نے ٹکٹ اُن سے لے لیا۔ اور جیب میں ہاتھ ڈالا تو پادری صاحب کہنے لگے۔ آپ میری ہتک نہ کریں۔ معاف کریں۔ میں اس کے دام نہ لوں گا اور میں بھی تو دہلی جاتا ہوں۔ راستہ میں دیکھا جائیگا۔ میں رستہ میں ان کو تلاش کرتا رہا۔ وہ نظر نہ آئے اور دہلی کے اسٹیشن پر بھی باوجود تلاش مجھ کو نہ ملے۔" [۱]

دہلی میں نزول اور حضرت منشی جلال الدینؒ کے نواسہ کا علاج

"اسٹیشن پر اُترا تو عصر کا وقت تھا۔ میں آہستہ آہستہ اُس سڑک پر چلا جس پر رؤسا کے خیمے نصب تھے۔ میں غالباً پانچ میل نکل گیا۔ اب چونکہ غروب آفتاب ہونے کو تھا میں نے واپسی کا ارادہ کیا۔ اتنے میں ایک سپاہی جو حضرت منشی جمال الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ملازم تھا۔ دوڑتا ہوا میرے پاس آیا اور کہا کہ آپ کو منشی صاحب بُلاتے ہیں۔ انہوں نے آپ کو دیکھ کر مجھے بلانے بھیجا ہے۔ میں نے کہا۔ اب تو وقت تنگ ہے۔ میں کل انشاء اللہ اُن کی خدمت میں آؤں گا۔ اس نے کہا کہ وہ بہت اصرار سے آپ کو بُلاتے ہیں۔ میں نے پھر بھی کہا کہ کل آؤں گا۔ اس نے کہا کہ پاس ہی تو اُن کا خیمہ ہے۔ آپ ذرا تکلیف کر کے خود ہی اُن سے عذر کر لیں۔ جب میں گیا تو وہ حسب عادت بڑی ہی مہربانی سے پیش آئے۔ اور فرمایا کہ میرا ایک نواسہ محمد عمر نام بیمار ہے آپ اُسکو دیکھیں میں نے کہا کہ میں کل آکر اس کو دیکھوں گا۔ انہوں نے فرمایا کہ آپ آج رات کو یہیں رہیں۔ کل ہم آپ کے مکان پر چلیں گے۔ چنانچہ میرے لئے علیحدہ ایک آرام دہ خیمہ کھڑا کرا دیا اور اگلے روز چونکہ جمعہ تھا۔ انہوں نے یہ سمجھ کر کہ مکان پر جانے سے تو اُس

---

[۱] مرقاۃ صفحہ ۱۲۸-۱۲۹۔

کو ہم نے روک لیا ہے۔ راتوں رات ہی میرے لئے کپڑے تیار کرا دیئے جو میں نے اگلے روز پہن لئے۔ جمعہ کا وقت آیا تو ہم دونوں جامع مسجد گئے اور نماز پڑھی۔ جس طرف حضرت مظہر جان جاناںؒ ہمارے شیخ المشائخ کی قبر ہے اس طرف کی سیڑھیوں سے وہ اُترے۔ وہیں ان کی بگھیاں کھڑی تھیں۔ مجھ سے کہا کہ آپ کا مکان کہاں ہے؟ میں حیران۔ مجھ کو سامنے ایک تنگ گلی نظر آئی۔ میں نے کہا۔ ادھر ہے۔ فرمایا اس طرف تو ہماری بگھی نہیں جا سکتی۔ اپنے دو آدمی میرے ساتھ کر دیئے اور کہا کہ اسباب لے آؤ۔ میں ان آدمیوں کو ساتھ لئے ہوئے اس گلی میں پہنچا۔ بلا کسی ارادہ کے چلا جاتا تھا کہ ایک مکان نظر پڑا کہ اس مکان میں بڑی کثرت سے لوگ جاتے ہیں اور آتے بھی ہیں۔ اس مکان میں مخلوق کی اس قدر آمد و رفت دیکھ کر میں بھی بلا تکلف اس مکان میں گھس گیا۔ جب ہم لوگ اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ نیچے ایک بہت بڑا دالان ہے بعد... پھر زینہ نظر پڑا جس کے راستے بالاخانہ پر لوگ جا رہے ہیں۔ میں نے اُن سپاہیوں کو اس دالان میں بٹھایا اور بلا تکلف سیڑھیوں پر چڑھ گیا۔ اسوقت میرے دل میں ذرا بھی وسوسہ نہ آیا کہ یہ کس کا اور کیسا مکان ہے۔ گویا قدرت کا ایک ہاتھ تھا جو مجھ کو پکڑ کر اُوپر لے گیا۔ وہاں کثرت سے آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ میں بھی اُن کی طرف متوجہ ہوا۔ میں نے ان لوگوں میں سے صرف عبیداللہ صاحب ساکن پنٹ مصنف تحفۃ الہند کو پہچانا۔ مجھ کو دیکھتے ہی وہ بڑے خوش ہو کر بولے کہ آپ کا آنا تو میرے لئے بڑا ہی مبارک ہوا ہے۔ میرے ساتھ کچھ نوجوان نومسلم ہیں۔ میں اسی فکر میں تھا کہ ان کو کہاں رکھوں۔ اب آپ جیسا انسان اور کون مل سکتا ہے؟ آپ ان کو اپنے یہاں لے جائیں۔ یقین ہے کہ آپ بڑی مہربانی سے رکھیں گے۔ انہیں نومسلموں میں ہمارے دوست ہدایت اللہ بھی تھے جو بہت کمسن تھے۔ میں نے کہا۔ ہاں! میں بخوشی ان کی خدمتگذاری کو موجود ہوں۔ مجھ کو ابھی اپنے مکان پر واپس جانا ہے۔ آپ میرے ساتھ کر دیں۔ مولوی صاحب نے کہا۔ اُن کے ساتھ ان کے بستر ے اور سب ضروری سامان موجود ہے۔ میں نے کہا۔ میرے آدمی نیچے بیٹھے ہیں وہ سب اُٹھا کر لے چلیں گے۔ اُن کو دیدو۔ اُن سپاہیوں سے اسباب اُٹھوا کر ہم بخیر و عافیت منشی صاحب کی

خدمت میں پہنچ گئے۔ وہ بہت ہی خوش اور احسانمند ہوئے اور ہم سب کو اپنی بگھیوں پر سوار کرا کر کیمپ میں لائے۔ میں نے کہا کہ میں تھوڑے ہی دن آپ کے پاس رہ سکتا ہوں اور میاں محمد عمر کے رسولی ہے۔ یہ بہت دنوں کے بعد جائے گی۔ اور میں گھر میں اطلاع دے کر بھی نہیں آیا۔ انہوں نے فرمایا کہ آپ ضرور ٹھہریں اور گھر کے لئے پانچسو کا نوٹ بھیجدیں۔ میں بہت گھبرایا کہ ہم تو بارہ سَو کے مقروض ہو کر نکلے تھے اور یہ تو پانسو ہی دیتے ہیں۔ شاید وہ جگہ نہیں جہاں ہمیں جانا ہے۔ خیر میں نے وہ نوٹ تو اس ہندو کو بھجوا دیا اور گھر میں لکھا کہ آپ مطمئن رہیں۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد منشی صاحب نے سات سو روپیہ اَور دیا اور مجھ سے کہا کہ جس طرح ممکن ہو۔ آپ بھوپال تک چلیں۔ میں نے سمجھا کہ میرا قرضہ تو پورا ہو ہی گیا ہے۔ اب جہاں چاہیں جا سکتے ہیں۔" لے

بھوپال میں دوسری مرتبہ

چنانچہ آپ بھوپال تشریف لے گئے۔ منشی صاحب مرحوم نے آپ کے گذارہ کے لئے کچھ ماہانہ اپنے پاس سے اور کچھ سرکار سے مقرر کرا دیا۔ اور فرمایا کہ لوگوں سے بھی فیس لے لیا کریں اور اس طرح آپ کو وہاں بہت آرام ملا۔ آپ فرماتے ہیں کہ

"میں اب تک منشی صاحب کے واسطے بہت دعائیں کیا کرتا ہوں" ٢ے

حضرت منشی صاحب کے نواسے کا روغن جمالگوٹہ پینا اور اس کی والدہ کی طرف سے دھمکی؛

بھوپال میں اس مرتبہ آپ کو ایک سخت ابتلا پیش آیا اور وہ یوں کہ نواب صدیق حسن خاں مرحوم کی بیوی کے بیٹے اور حضرت منشی جمال الدین صاحب کے نواسے محمد عمر نے جو آپ سے علاج کروا رہے تھے۔ جمال گوٹہ کے تیل کی شیشی اُٹھا لی اور آپ سے کہا میں پیتا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ یہ خطرناک زہر ہے ایسا نہ ہو ہلاک ہو جاؤ اور ساتھ ہی ہم بھی ہلاک ہوں لیکن اس نے ذرا بھی پروانہ کی اور چند قطرے پی گیا۔ آپ کو گھبراہٹ تو بہت پیدا ہوئی مگر کیا ہو سکتا تھا۔ بے اختیار آپ کی زبان سے یہ فقرہ نکلا کہ فَعَلَ مَا قُدِّرَ۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کی حالت دگرگوں ہو گئی بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ ڈاکٹر اور حکیم بھی بہت آ گئے۔ آپ بھی بُلوائے گئے۔ اب وہ میاںصاحب

لے مرقاۃ صفحہ ۱۳۰-۱۳۱؛ ٢ے مرقاۃ صفحہ ۱۳۱

یہ بھی نہ کہیں کہ اس فعل کے ذمہ دار وہ خود ہیں اور کہ حکیم صاحب کا اس میں ذرہ بھی دخل نہیں اور نہ آپ نے بتایا۔ آپ اپنے ساتھ گوند کتیرا پیس کر لے گئے تھے۔ جاتے ہی آپ نے فرمایا کہ معاملہ تو پیچھے ہوگا جب ہوگا۔ اس وقت ان کو یہ پلا دیا جائے۔ اس کی اماں ایسی گھبرائی جس کا کچھ اندازہ نہیں ہو سکتا آپ کو کچھ دھمکی بھی دی۔ مگر آپ مطمئن ہو کر واپس اپنے مکان پر تشریف لے آئے کیونکہ گوند کتیرا نے اسے بہت فائدہ دیا تھا۔

حضرت پیر ابو احمد صاحب مجددی کا حسن سلوک

حضرت پیر ابو احمد صاحب مجددی کو جب بیگم صاحبہ کی دھمکی کا علم ہوا تو انہوں نے ایک عورت کے ہاتھ بہت سا سونے کا زیور اور کپڑے بھیجے۔ وہ عورت آئی اور بدوں کچھ کہے گٹھڑی رکھ کر بھاگ گئی۔ آپ نے جب اُسے کھول کر دیکھا تو وہ قیمتی کپڑوں اور زیوروں سے بھری ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک اور عورت اتنی ہی چیزیں اَور لے کر آگئی اور رکھ کر چلی گئی۔ آپ نے منشی ہدایت اللہ صاحب سے فرمایا کہ دیکھو تو سہی یہ کون عورتیں ہیں اور کیا بات ہے۔ ایک معاملہ تو طے نہیں ہوا۔ یہ کہیں دوسرا تو نہیں کھڑا کیا جا رہا۔ ان کی تحقیقات سے معلوم ہوا کہ وہ عورتیں ابو احمد صاحب کے گھر سے آئی تھیں۔ کچھ وقفہ کے بعد حضرت پیر صاحب بھی تشریف لے آئے اور بہت جھنجھلا کر فرمایا کہ آپ ابھی تک یہاں کیوں بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہاں بڑا فساد ہونے والا ہے، ہمارے گھر چلو۔ آپ نے فرمایا۔ وہ لڑکا انشاء اللہ تعالےٰ اچھا ہو جائیگا اور کوئی فساد وغیرہ نہ ہوگا۔ تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے کہا کہ یہاں رہنے کی ضرورت کیا ہے۔ پھر فرمایا کیا ہمارے گھر والوں نے زیور نہیں بھیجا۔ جس قدر روپیہ ان لوگوں سے لیا ہے سب واپس کر دو۔ آپ فرماتے ہیں کہ

> "تب مجھ کو اس زیور وغیرہ کی حقیقت معلوم ہوئی۔ میں ان کی نیکی، وسعت حوصلہ، شرافت اور خوبیوں کا کوئی اندازہ نہیں کر سکا اور اس وقت بھی نہیں کر سکتا۔ دھمکی کے لحاظ سے وقت بڑا خطرناک تھا۔ بہرحال وہ لڑکا خدا تعالیٰ کے فضل سے اچھا ہو گیا۔ اور جو سلوک میرے ساتھ پیر صاحب نے کیا وہ ایسا نہیں جس کا بدلہ میں اُتار سکوں۔ اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ ہی اُتارے گا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ پیر صاحب' اُن کی اولاد اور ان کی بیوی کو اپنی جناب سے بہت بہت اجر عطا فرمائے۔ یہ قصہ

اس قصہ کے لگ بھگ ہے جو رام پور میں ایک پٹھان کلن خاں نے عبدالقادر خاں پر تلوار سونت لی تھی۔ اگر ذرا بھی عبدالقادر خاں ٹھہرتا تو کلن خاں اسے مار ہی دیتا۔"

قصہ سفر سکیسر

ایسا ہی ایک واقعہ آپ کو اپنے وطن مالوف میں پیش آیا جس میں ملک فتح خاں صاحب نے آپکی قابل قدر امداد کی۔ تفصیل اس اجمال کی یوں ہے کہ بھیرہ میں عوام نے آپ کے ساتھ کچھ فساد کیا۔ جس کی بنا پر طرفین کے عمائد کے کچھ مچلکے اور ضمانتیں لئے جانے کا حکم ہوا۔ آپ کو اگرچہ اس مقدمہ کے ساتھ کچھ تعلق نہ تھا لیکن آپ کے نام بھی وہ حکم پہنچا تھا۔ سکیسر جو ضلع شاہ پور کا ایک صحت افزا مقام ہے۔ وہاں جانا تھا۔ وہ مقام بھیرہ سے ساٹھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ آپ کے مخالف مولوی صاحبان نے آپ کو ستانے کے لئے یہ تجویز کی کہ راستہ میں ایسے فتوے دیئے جائیں جن کی بنا پر آپ کو اس لمبے سفر میں کھانے پینے کی دقتیں پیش آئیں۔ آپ نے ایک تیز رو گھوڑی کا انتظام کیا اور ارادہ تھا کہ اگر عصر کے وقت بھیرہ سے سوار ہوں تو صبح کے وقت سکیسر پہنچ سکتے ہیں۔ ابھی چھ کوس کے فاصلہ ہی پر گئے تھے کہ چکرم داس ایک گاؤں کے باہر سڑک پر بہت سے لوگ لاٹھیاں سنبھالے ہوئے کھڑے ہیں۔ جب آپ اس مجمع کے قریب پہنچے تو پتہ چلا کہ ملک فتح خاں صاحب معہ اپنے ملازمین کے آپ کے منتظر کھڑے ہیں۔ ملک صاحب موصوف کی معیت میں رات بھر سفر کر کے صبح ہوتے ہی آپ شاہ پور چھاؤنی میں پہنچے۔ وہاں کے آفیسر اور منشی اور اہلکار سب آپ کی ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔ ایک دو روز وہاں آرام کیا۔ چار کوس کے فاصلہ پر دریائے جہلم کے پار خوشاب ایک قصبہ ہے جب وہاں پہنچے تو وہاں کے نائب تحصیلدار شیخ فضل کریم صاحب چند معززین کو ساتھ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دو تین روز خوشاب میں بھی لگ گئے۔ وہاں سے جب سکیسر کے لئے سوار ہوئے تو گل حسین شاہ صاحب ایک سیّد نے دودھ کا بھرا ہوا ایک کٹورا آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ کو چونکہ دودھ اُن دنوں ہضم نہ ہوتا تھا اس لئے عذر کیا۔ شاہ صاحب نے بہت افسوس سے کہا کہ اگر کسی شخص کو دودھ ہضم نہ ہوتا ہو اور وہ آپ کے پاس علاج کے لئے آئے تو آپ کیا کریں گے۔ ان کی اس بات کا آپ کی طبیعت پر ایسا اثر ہوا کہ آپ نے سارا دُودھ پی لیا مگر دل میں یقین تھا کہ اب یہ ہضم نہ ہوگا چنانچہ کچھ فاصلہ بعد آپ کو بہت صفراوی اجابت ہوئی جس کے نتیجہ میں طبیعت بالکل صاف ہوگئی۔ سکیسر پہنچے تو جس سرائے میں آپ کے قیام کا انتظام کیا گیا تھا جب اس میں داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک چارپائی پر نہایت

عمدہ بستر آپ کے لئے بچھا ہوا ہے اور ملک صاحب ساتھ ہی ایک چٹائی پر تشریف فرما ہیں۔ ملک صاحب نے آپ سے چارپائی پر بیٹھنے کی استدعا کی۔ آپ نے پہلے تو ملک صاحب کے اخلاص اور عمر میں بڑا ہونے کی وجہ سے عذر کیا۔ مگر جب انہوں نے فرمایا کہ مصلحت اسی میں ہے تو آپ چارپائی پر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شخص جس کے چہرہ پر بڑا غضب تھا اندر داخل ہوا۔ مگر ملک صاحب کو دیکھ کر نہ صرف اس کا سارا جوش جاتا رہا بلکہ اس ملک کے رواج کے مطابق جب وہ ملک صاحب کے گھٹنوں کو ہاتھ لگانے لگا تو ملک صاحب نے فرمایا کہ میرے گھٹنوں کو ہاتھ لگانے کی ضرورت نہیں آپ ہمارے پیر صاحب کے قدم لیں۔ چنانچہ وہ آپ کی طرف بڑھا اور مراسم تعظیم بجا لایا۔ پھر میانوالی کے رئیس میاں سلطان علی تشریف لائے اور ملک صاحب نے ان سے بھی اسی طرح آپ کی طرف جھکنے کو کہا اور آپ سے مخاطب ہو کر کہا کہ یہ گویا میرا بیٹا ہے آپ اسے کچھ وعظ کریں۔ آپ کی چند نصیحت آمیز باتیں سُنکر وہ ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو گئے اور عرض کی کہ مجھے کچھ ارشاد فرمائیے۔ وہ چونکہ مولوی عبداللہ چکڑالوی کے مقدمہ میں آئے ہوئے تھے اور ان کا ارادہ کچھ خطرناک تھا۔ اس لئے آپ نے فرمایا کہ آپ چلے جائیں۔ بس یہی ارشاد ہے۔

پیر ابواحمد صاحب جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ بہت ہی بلند پایہ بزرگ تھے۔ انہوں نے بغیر کسی قسم کے تعلق کے ایام طالب علمی میں آپ پر بڑے بڑے احسان کئے۔ ملک فتح خاں صاحب کا سلوک بھی گو نہایت ہی شریفانہ تھا۔ لیکن ایک تو وہ آپ کے ہموطن تھے۔ دوسرے ان کے ساتھ طبیبانہ تعلقات بھی تھے۔ بہرحال آپ فرماتے ہیں کہ

"میں ان سب کے بدلہ میں ان کے لئے دعا کرتا ہوں" [1]

امامت کے حصول کیلئے ایک مُلاّ کا کنواں بنوانے کا ارادہ

بصیرہ میں ایک مُلاّ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میں ایک مسجد میں کنواں بنوانا چاہتا ہوں۔ آپ میری امداد کریں آپ کو مُلاّ کی اس ہمت اور عزم پر بڑی خوشی ہوئی۔ آپ نے اسی وقت اُٹھ کر اس محلہ والوں کو چندہ کی تحریک کی مگر وہ تیار نہ ہوئے۔ اس کے چند ہی روز بعد میونسپلٹی والوں نے ان کے گھروں کے سامنے سڑک نکالی جس کی وجہ سے ان کے دروازوں کے سامنے ذرا بھی

---

[1] مرقاۃ صفحہ ۱۳۴-۱۳۵۔

صحن نہ رہا۔ اور سڑک کے پار کی زمین پر ہند۔ وؤں۔ نے قبضہ کرلیا۔ اب وہ بہت گھبرائے۔ وہی نمبردار جو پہلے کنواں بنوانے کا سب سے زیادہ مخالف تھا، دوڑا دوڑا آپ کے پاس آیا اور کہا حضرت! آئیے۔ اس کوئیں کی اینٹ آپ اپنے ہاتھ سے رکھیں۔ آپ کو اس کے رویہ کی اس اچانک تبدیلی پر بڑا تعجب ہوا۔ چنانچہ آپ نے اصل حقیقت معلوم کرنے کے لئے مُلّا کو بلوایا۔ مُلّا نے بتایا کہ سڑک کے دوسری جانب کی زمین پر ہندوؤں نے قبضہ کر لیا ہے۔ اس لئے جب تک آپ اُن کو نہ کہیں نہ کنواں بن سکتا ہے اور نہ ہندو زمین ان کو دے سکتے ہیں ہندو آپ کا بڑا لحاظ کرتے تھے۔ آپ نے انہیں کہا کہ نصف زمین اُن کو دیدو تا یہ کنواں وغیرہ بنالیں۔ انہوں نے آپ کی یہ بات فوراً تسلیم کرلی۔ کنواں بھی بن گیا اور ملا صاحب کو اس مسجد کی امامت بھی مل گئی۔ اسوقت آپ کو معلوم ہوا کہ ملاجی کی یہ ساری دوڑ دھوپ حصول ثواب کے لئے نہیں بلکہ مسجد کی امامت سنبھالنے کے لئے ہی تھی۔

مخلوق پر بھروسہ نہ کرنے کا سبق دو مرتبہ

اللہ تعالےٰ کی یہ سنّت ہے کہ وہ جب کسی انسان پر اپنا فضل نازل کرکے اسے کوئی اعلیٰ مرتبہ دینا چاہتا ہے تو اس کی تربیت کے سامان بھی پیدا کردیتا ہے۔ حضرت مولوی صاحب رضی اللہ عنہ کو چونکہ آئندہ چل کر ایک عظیم الشان رُوحانی جماعت کا امام بننا مقدر تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے حالات میں سے گذارا جن کی وجہ سے آپ کے دل سے اعتماد علی المخلوق بالکل اُڑ گیا۔ اور خدا تعالیٰ پر توکل آپ کی فطرت میں کُوٹ کُوٹ کر بھر دیا گیا۔ بطور مثال آپ کی زندگی کے دو واقعات درج ذیل ہیں۔

آپ فرماتے ہیں:۔

"پہلا واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص کو محرقہ تپ تھی اور وہ ایک بڑا امیر کبیر آدمی تھا میں نے اس کے علاج میں بہت بڑا ہی زور لگایا۔ اور مجھ کو یقین تھا کہ ساتویں دن اس کو بحران ہو جائے گا۔ ساتویں روز کی رات میں شام ہی سے اس کو خوب اضطراب شروع ہوا۔ اور میں نے اس کو فال نیک سمجھا۔ اس کے گھر والے تو اس علم سے ناواقف تھے۔ انہوں نے رات ہی کو پنڈدادنخاں کے ایک خاندانی طبیب بنام حکیم کرم علی کو بُلایا۔ وہ آخر شب وہاں پہنچا۔ بڑا تجربہ کار آدمی تھا۔ اس کو یقین ہوگیا کہ مریض کے عوارض تو رو بانحطاط ہیں۔ اب بحران شروع ہونے والا ہے۔ آتے ہی اپنے پاس

سے ایک پڑیہ بہت جلدی نکال کر وہاں بید مشک رکھا ہوا تھا اس کے ساتھ کھلائی اور میری طرف دیکھ کر ہنسا اور اُن سے کہا کہ یہ کیا تپ ہے ابھی ہماری پڑیہ سے ٹوٹ جائے گا۔ کچھ وقفہ کے بعد اس کو بحران شروع ہوا۔ گھر والوں نے سمجھا کہ اس حکیم کے پاس اکسیر کی پڑیہ تھی۔ وَالّا نورالدین کو آج چھ روز ہوئے، کس قدر اُس نے زور لگایا ہے اور ذرا بھی فائدہ نہ ہوا۔ اور آج کی رات تو بڑی تکلیف کی رات تھی۔ اس حکیم نے بھی بحران کے بعد بہت بڑا انعام مانگا۔ مجھ کو یہ انعام ملا کہ مخلوق پر بھروسہ نہ کرنا۔ الحمد للہ رب العالمین۔" [1]

آپ فرماتے ہیں:-

"دوسرا واقعہ یہ ہے کہ میرے ایک دوست تھے جن کی عمر اسّی برس کے قریب تھی میرے ساتھ وہ بڑی ہی محبت کا برتاؤ کیا کرتے تھے۔ میں نے اُن کو بہت ترغیب دی کہ آپ شادی کر لیں مگر وہ مضائقہ کرتے تھے۔ میری وجاہت بھی ان کے دل پر بڑی تھی۔ آخر مجھ سے کہا کہ مجھے شہوانی تحریک ہوتی ہی نہیں۔ میرے خیال میں تھا کہ ایک باکرہ نوجوان کے ساتھ شادی کی تو تحریک ہو جائے گی۔ لیکن ظاہر میں مَیں نے سم الفار، پارہ، افیون کا مرکب معجون فلاسفہ کے ساتھ دیا۔ انہوں نے شادی بھی کر لی۔ اللہ تعالیٰ کے عجائبات قدرت میں سے ہے کہ ان کے گھر میں حمل ہو گیا اور ایک لڑکی پیدا ہوئی تو وہ بہت ہی خوش ہوئے۔ چونکہ بہت بڑے امیر تھے۔ میں نے کہا۔ آپ اس لڑکی کو کسی اَور کا دُودھ پلوائیں لیکن اس کو انہوں نے مانا نہیں۔ بہرحال دوسرے سال پھر حمل ہوا اور لڑکا پیدا ہوا۔ جو اب اللہ تعالیٰ کے فضل سے محمد حیات[2] نام اکسٹرا اسسٹنٹ ہے اور مجھے ہمیشہ چچا ہی لکھا کرتا ہے۔ خدائے تعالیٰ اس کی حیات میں بہت برکت دے۔ وہ میرے نہایت ہی پیارے دوست کی یادگار ہے۔ میری طبی آمدنی

---

[1] مرقاۃ صفحہ ۱۳۶ - ۱۳۷

[2] ملک محمد حیات صاحب کمشنر ہو کر ریٹائر ہوئے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت مولوی شیر علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مری میں مجھے بھی ان سے ملاقات کا موقعہ ملا تھا۔ حضرت مولوی صاحب نے انہیں قادیان آنے کی دعوت دی تھی جسے انہوں نے منظور کر لیا تھا لیکن جہاں تک مجھے یاد ہے انہیں قادیان حاضر ہونے کا موقعہ نہیں مل سکا۔ (مؤلف)

اس وقت اتنی قلیل تھی کہ ہم میاں بیوی دو آدمیوں کے لئے بھی گونہ مشکلات پڑ جاتے تھے جب ان کے لڑکا پیدا ہوا تو انہوں نے بعض آدمیوں کو مبارکباد کے لئے میرے پاس روانہ کر دیا۔ میری حالت تو خود بہت کمزور تھی مگر مجھے کچھ نہ کچھ دینا ہی پڑا۔ پھر ایک دفعہ میں چھاؤنی شاہ پور میں گیا وہاں سے مجھے کچھ روپے مل گئے تھے میں اس خیال سے کہ انہوں نے مجھے کچھ مالی امداد نہیں دی، ان کے گاؤں میں چلا گیا۔ وہ اپنے گاؤں کے بہت سے وہ لڑکے جو اُن کے لڑکے کے قریب قریب پیدا ہوئے تھے۔ جمع کر لائے اور سب کو کہا کہ تم سلام کرو۔ مجھ کو ان لڑکوں کی تعداد اور جیب کے روپوں میں کچھ مناسبت معلوم نہ ہوئی تو میں نے جو کچھ میری جیب میں تھا۔ سب ان کے لڑکے کو دیدیا اس کو انہوں نے نیک فال سمجھا گویا یہ لڑکا امیر ہوگا اور باقی لڑکے اس کے دست نگر رہیں گے۔ اس کے ہاتھ سے ان روپوں کو تقسیم کرا دیا جب میں گھر میں پہنچا تو میرے ایک مکرم دوست اللّٰہم اغفرہ وارحمہ جو میری آسائش کو بہت ضروری سمجھتے تھے۔ حکیم فضل الدین ان کا نام تھا اور قسم قسم کی امدادوں میں وہ لگے رہتے تھے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ یہ یوں تو کچھ دیتے نہیں۔ آپ اس لڑکے کے لئے ایک لباس بنوا کر بھیجدیں۔ اس لباس کی وسعت مقدار کو دیکھ کر اس رئیس نے یہ تفاؤل لیا کہ یہ لڑکا جوان ہوگا اور وہ لباس جوانی کے وقت کے لئے محفوظ رکھا۔ جب وہ آدمی واپس آیا تو میں نے حکیم فضل الدین صاحب سے کہا کہ مال کا نام قرآن کریم نے فضل رکھا ہے۔ یہ فضل سے حاصل ہوتا ہے۔ مجھ کو تو یہ فائدہ حاصل ہوا کہ میں مخلوق پر اب قطعاً کبھی بھروسہ نہ کروں گا اور خدا تعالیٰ اب مجھ کو اپنے خاص کارخانہ سے رزق بھیجیگا اور میں آئندہ ارادہ بھی نہ کروں گا کہ کسی کو قیمتاً دوائی دوں۔ یہ ایک امارت اور دولتمندی کی راہ تھی جو مجھ کو اس دن عطا ہوئی۔ الحمد للہ رب العالمین "[1]

تاریخ ابن خلدون کی خرید کا شوق ان ایام میں آپ کو تاریخ ابن خلدون کی خرید کا شوق پیدا ہوا مگر روپیہ پاس نہیں تھا اور تاجر جس کے پاس وہ کتاب تھی۔

[1] مرقاۃ صفحہ ۱۳۶ تا ۱۳۸

قسطوں میں قیمت لینا پسند نہیں کرتا تھا اس لئے آپ اسے خرید نہ سکے۔ لیکن ایک دن نماز ظہر کے لئے جب مطب میں تشریف لائے تو کتاب کو موجود پا کر حیران رہ گئے۔ اِس سے پوچھا، اس سے دریافت کیا۔ کچھ پتہ نہ چلا کہ کتاب کون رکھ گیا ہے۔ آخر ایک روز ایک بیمار نے بتایا کہ یہ کتاب ایک سکھ رکھ گیا تھا جب اس سکھ کو بُلا کر پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ آپ کی مجلس میں ذکر ہوا تھا کہ آپ کے پاس کتاب خریدنے کے لئے روپیہ نہیں ہے تو میں کتاب خرید کر یہاں رکھ گیا تھا اور روپیہ میں نے فلاں امیر سے حاصل کر لیا تھا کیونکہ اس کا مجھے حکم ہے کہ حکیم صاحب کو جب کوئی ضرورت ہوا کرے بلا ہمارے پوچھے روپیہ خرچ کر دیا کرو لیکن آپ نے اس امیر کو وہ روپیہ جلد ہی واپس کر دیا۔ جس کی وجہ سے اسے سخت رنج پہنچا اور اس نے آپ کے بڑے بھائی صاحب کو بُلا کر گلہ کیا کہ ہم نے تو نذرانہ پیش کیا تھا مگر انہوں نے واپس کر دیا چنانچہ آپ کے بھائی نے وہ روپیہ واپس لے لیا اور آپ کو ملامت کی۔ آپ فرماتے ہیں کہ

"توکل علی اللہ کی خوشی کے مقابلہ میں یہ رقم مجھ کو لینی گوارا بھی نہ تھی" [1]

ایک فالج کے مریض کے اچھا ہونے پر آپ کی طب کا چرچا

انہی ایام میں ایک فالج کا بیمار آپ کے علاج سے اچھا ہو گیا جس کی وجہ سے بھیرہ کے گرد و نواح میں آپ کی طب کا غیر معمولی چرچا ہو گیا۔ پھر آپ کے پڑوسی متھرا داس نام جموں کے محکمہ پولیس میں ملازم تھے۔ وہ مدقوق ہو کر آپ کے پاس بغرض علاج آئے۔ ان کے علاج میں بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت کامیابی بخشی۔ اسی اثنا میں دیوان کرپا رام وزیر اعظم جموں کا گذر پنڈ دادنخاں میں ہوا۔ انہوں نے بھی آپ کی شہرت سُنی اور واپس جا کر انہوں نے اور دیوان متھرا داس دونو نے سرکار جموں سے آپ کا ذکر کیا۔ جس کے باعث مہاراجہ کشمیر کے دل میں بھی آپ کی عظمت قائم ہو گئی

ولی کی رضامندی کے بغیر ایک بیوہ کے ساتھ نکاح کے بعد خواب

ان دنوں آپ کو ایک بیوہ کا پتہ لگا جسے آپ مختلف اسباب سے پسند کرتے تھے۔ آپ نے اس کے یہاں نکاح کی تحریک کی۔ وہ عورت تو راضی ہو گئی۔ مگر چونکہ ملک کے لوگ بیوگان کے نکاح کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے اس لئے اس عورت نے کہا کہ آپ نکاح کر لیں کچھ دنوں کے بعد میرے ولی بھی راضی ہو جائیں گے۔ آپ نے ان ولیوں کو اس خیال سے معزول سمجھا کہ وہ

---

[1] مرقاۃ صفحہ ۱۳۹۔

شریعت کے خلاف بیوہ کے نکاح کو روکتے ہیں اور نکاح کی جرأت کر لی۔ ابھی وہ عورت آپ کے گھر میں نہیں آئی تھی کہ آپ نے خواب میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کا چہرہ زرد ہے۔ زمین پر لیٹے ہیں اور داڑھی مُنڈی ہوئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں دیکھ کر آپ ہوشیار ہو گئے اور سمجھ گئے کہ یہ نکاح سنت کے خلاف واقع ہوا ہے۔ اس پر آپ نے ایک خط میاں نذیر حسین دہلوی اور ایک خط شیخ محمد حسین بٹالوی کو لکھا جس میں ان سے دریافت کیا کہ اگر بیوہ بالغ ہو مگر ولی نکاح میں روک بنے تو پھر کیا فتویٰ ہے؟ ان دونو میں سے ایک کا جواب آیا کہ ایسے ولی معزول ہو جاتے ہیں اور بیوہ اپنے اختیار سے نکاح کر سکتی ہے کیونکہ حدیث لا نکاح الا بولیؔ میں کلام ہے۔ یہ جواب آپ کے منشا کے توعین مطابق تھا۔ اس لئے آپ اُٹھے کہ تا اس عورت کو گھر میں لے آویں۔ مگر ابھی بیٹھک کے

خدائی انتباہ

پھاٹک ہی پر پہنچے تھے کہ ایک شخص ایک حدیث کی کتاب لایا اور الاثم ملحاك فی صدرك ولو افتاك المفتون کی حدیث دکھا کر کہا کہ مجھے اس کا مطلب سمجھا دیجئے آپ فرماتے ہیں کہ

"اس (حدیث) کے دیکھتے ہی میرا بدن بالکل سُن ہو گیا اور میں نے کہا کہ تم لیجاؤ پھر بتاویں گے۔"[1]

آپ نے سمجھا کہ یہ خدائی انتباہ ہے جو آپ کو مفتی کے فتوے کے بعد ہوا ہے۔ اس کے بعد جب آپ اس مسئلہ پر غور کرنے لگے تو آپ پر نوم غیر طبعی طاری ہو گئی۔ خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں پچیس سال کے قریب عمر معلوم ہوتی ہے۔ بائیں جانب سے آپ کی داڑھی خشخشی ہے اور داہنی جانب بال بہت بڑے ہیں۔ آپ سمجھے کہ اگر بال دونو طرف کے برابر ہوتے تو بہت خوبصورت ہوتے۔ پھر معاً آپ کے دل میں خیال آیا کہ چونکہ اس حدیث کے متعلق آپ کو تامل ہے اس لئے یہ فرق ہے تب آپ نے اسی وقت دل میں کہا کہ اگر سارا جہاں بھی اس حدیث کو ضعیف سمجھے تو بھی میں اس کو صحیح سمجھوں گا۔ یہ خیال کرتے ہی آپ نے دیکھا کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی داڑھی دونو طرف سے برابر ہو گئی اور حضورؐ ہنس پڑے۔ اور آپ سے فرمایا کہ کیا تو کشمیر دیکھنا چاہتا ہے۔ آپ نے عرض کیا۔ ہاں! یا رسُول اللہؐ! یہ فرما کر حضور چل دیئے اور آپ پیچھے پیچھے تھے۔ بانہال کے راستہ کشمیر گئے۔ یہ گویا بھیرہ چھوڑنے اور کشمیر کی ملازمت کی تحریک تھی جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہوئی۔

---

[1] مرقاۃ صفحہ ۱۴۰۔

ریاست جموں و کشمیر میں ملازمت

(اندازاً ۱۸۷۶ء تا ابتداء ۱۸۹۲ء)

ایک بدعہد شخص سے واسطہ

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ وزیر اعظم ریاست جموں و کشمیر اور دیوان متھرا داس نے آپ کی طبّی قابلیت کا مہاراجہ رنبیر سنگھ والئی ریاست جموں و کشمیر سے ذکر کیا۔ ادھر انہی ایام میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی خواب میں آپ کی رہنمائی کشمیر کی طرف فرمائی۔ پس یہ اسباب تھے جن کی بناء پر آپ کو مہاراجہ جموں و کشمیر نے ملازمت کی پیشکش کی اور آپ نے منظور فرما لی جب آپ جموں میں پہنچے تو سب سے پہلے آپ کا واسطہ ایک بدعہد شخص سے پڑا۔ اور وہ اس طرح کہ آپ نے اپنے قیام کے لئے ایک مختصر سا بالاخانہ کرایہ پر لیا کیونکہ وہ دربار کے بالکل نزدیک تھا اس لئے آپ کو پسند تھا۔ سرکار کی طرف سے اس کا مہتمم ایک ضعیف العمر آدمی تھا۔ گو آپ نے اس سے ایک سال کے لئے اسٹامپ بھی لکھوا لیا تھا لیکن وہ دوسرے تیسرے دن ہی آکر کہنے لگا کہ ایک دوسرا آدمی مجھے آپ سے دُگنا کرایہ دیتا ہے اس لئے آپ مکان خالی کر دیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہم تو تم سے ایک سال کے لئے اسٹامپ لکھوا چکے ہیں۔ کہنے لگا۔ میں اس تحریر کا کوئی اعتبار نہیں کرتا۔ آپ نے فرمایا اچھا ہم ہی دگنا کرایہ دے دیں گے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر آیا اور آکر کہنے لگا کہ فلاں آدمی چوگنا کرایہ دیتا ہے۔ آپ نے فرمایا بہت اچھا ہم بھی چوگنا کرایہ دیدیں گے۔ چند لمحوں کے بعد پھر آکر کہنے لگا کہ وہ تو بارہ گنا کرایہ دیتا ہے۔ آپ نے اس کی پیرانہ سالی، مہتمم شہر کے مکانوں کی سرکاری افسری اور اس بدعہدی کو پیش نظر رکھ کر یہ فیصلہ کیا کہ اس شہر ہی کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ یہ شریف آدمیوں کے رہنے کی جگہ نہیں۔ یہ خیال کر کے آپ نے اپنے آدمی سے کہا کہ اس شہر سے ہمیں نفرت ہو گئی ہے۔ اپنا اسباب باندھو، واپس چلیں۔ چنانچہ جب سارا سامان نیچے اتار لیا گیا اور آپ ابھی اُوپر ہی تھے کہ اس طرف سے ایک شخص فتح محمد نام رئیس گذرے اور اسباب کو دیکھ کر پوچھا کہ یہ کس کا اسباب ہے؟ اتنے میں آپ بھی پہنچ گئے۔ اور فرمایا کہ یہ میرا اسباب ہے اور میں بدعہدوں میں رہنا پسند نہیں کرتا۔ وہ سمجھ گئے اور فرمایا کہ آپ ہمارے مکان پر چلیں۔ یہ شخص جو سرکاری مکانوں کا افسر ہے واقعی بدعہد ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے اس شہر میں رہنا پسند ہی نہیں لیکن انہوں

نے ایک نہ مانی اور اپنے آدمیوں کو کہا کہ سب اسباب اُٹھا کر میرے مکان پر لے چلو۔ آپ فرماتے ہیں۔

"میں نے اُن سے کہا کہ میرے رکھنے میں آپ کو بڑی تکلیف ہوگی کیونکہ یہاں دو فلاں فلاں آدمی ہیں جن کو مجھ سے نقار ہے اور چونکہ دونوں بڑے آدمی ہیں اور میرے ساتھ خاص طور پر نقار رکھتے ہیں۔ پس مناسب نہیں کہ میرے سبب سے آپ درباری آدمیوں سے مخالفت پیدا کر لیں۔"[1]

لیکن وہ بہادر آدمی تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ ہم کو کچھ پروا نہیں چنانچہ انہوں نے آپ کو اپنے مکان پر دس برس تک رکھا۔ اس اثنا میں آپ کو یا آپ کے طلبار میں سے کسی کو بھی کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئی آپ فرماتے ہیں۔

"میں ابتک ان کے وسعت حوصلہ پر حیران ہوں اور مجھ کو افسوس ہوتا ہے کہ میں اتنا ذی حوصلہ نہیں۔ اور یہ بات ان کی ذات ہی سے وابستہ نہیں تھی بلکہ اُن کے گھر کے تمام چھوٹے بڑے سب ایک ہی رنگ میں رنگین دیکھے جب میں وہاں تھا تو میں نے ایک شادی[*] اس زمانہ میں کی جب میری بیوی گھر میں آئی تو انکی بہن نے اس کے ساتھ ایسے نیک سلوک کئے جیسے ایک ماں اپنی بیٹی سے کرتی ہے۔"[2]

قربانی کی اہمیت

ابھی آپ ریاست جموں و کشمیر میں تشریف نہیں لے گئے تھے بلکہ بھیرہ ہی میں قیام تھا غالباً ۱۸۷۲ء کی بات ہے کیونکہ روم اور روس میں جنگ ہو رہی تھی اور ہندوستان میں ہر روز خبریں مشہور ہوا کرتی تھیں کہ آج اس قدر آدمی مارے گئے اور آج اس قدر مارے گئے۔ آپ کا گھر ماشاءاللہ سات بھائیوں اور دو بہنوں سے بھرا ہوا تھا اور سوائے آپ کے سارے ہی شادی شدہ تھے۔ آپ نے اپنی والدہ محترمہ سے کہا کہ اماں جی! دیکھئے ہمارے گھر میں ہر طرح امن و امان ہے اور کوئی فکر نہیں۔ آپ اپنی اولاد میں سے ایک بیٹے کو یعنی مجھ کو خدا تعالیٰ کی راہ میں قربان کر دیجئے۔ یہ

---

[1] مرقاۃ صفحہ ۱۴۲-۱۴۳ ۔ [2] ایضاً ۔

[*] قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آپ کی دوسری شادی تھی کیونکہ آپ کی پہلی شادی تو بھیرہ کے مفتیوں کے خاندان میں ہوئی تھی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیوی دوران ملازمت کشمیر ہی میں وفات پا چکی تھی تبھی تو حضرت اقدس مسیح موعود کو آپکی دوسری شادی کی فکر پڑی جو حضور نے کوشش کر کے لودھیانہ میں کروا دی۔ (مؤلف)

سُنکر آپ کی والدہ نے فرمایا کہ "میرے سامنے بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" آپ فرماتے ہیں:۔

"میں خاموش ہو رہا۔ اب سنو! تھوڑے ہی دنوں کے بعد ہمارے بھائی مرنے شروع ہوئے۔ جو مرتا۔ اس کی بیوی جو اس کے ہاتھ آتا لے کر گھر سے نکل جاتی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ یہ باقی بھائی قبضہ کرلیں گے اور اسباب میرے قبضہ میں نہ رہے گا۔ رفتہ رفتہ سب مرگئے اور سارا گھر خالی ہوگیا (اس کے بعد) جبکہ میرا تعلق ریاست جموں سے تھا میں ایک دفعہ گرمیوں کے موسم میں اپنے مکان پر آیا۔ وہاں میں اس جگہ جو ہمارے مشترکہ خزانہ کی کوٹھڑی گھر کی عام نشست گاہ کے قریب تھی، دوپہر کے وقت سو رہا تھا میری والدہ قریب کے کمرہ میں آئیں۔ انہوں نے اس قدر زور سے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا کہ میری آنکھ کھُل گئی۔ میں نے ان سے کہا کہ صبر کے کلمہ کو تو اس قدر بے صبری کے ساتھ نہیں کہنا چاہیئے۔ پھر میں نے اُن سے کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ یہ تمام گھر اب ویران اور خالی کیوں پڑا ہے؟ کہا کہ ہاں مجھ کو وہ تیری اس روز کی بات خوب یاد ہے۔ اسی کا یہ اثر ہے کہ مجھ کو ہر ایک بیٹے کی موت کے وقت وہ بات یاد آتی رہی ہے۔ پھر میں نے کہا کہ اَور بھی کچھ سمجھ میں آیا؟ کہا کہ ہاں میں جانتی ہوں کہ میرا دم تیرے سامنے نہ نکلے گا بلکہ میں اس وقت مروں گی جبکہ تو یہاں نہ ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور قاضی امیر حسینؓ نے جو اس وقت موجود تھے، کفن دفن کا کام انجام دیا۔ میں اس وقت جموں میں تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے چاہا تھا کہ نورالدین کفن دفن میں شریک ہو اور ہم اس کے سامنے فوت ہوں گے۔" [1]

ریاست جموں وکشمیر میں آپ کا عہدہ

جب آپ پہلے پہل ریاست جموں وکشمیر میں تشریف لے گئے۔ تو آپ کو ریاست کے شاہی طبیب جناب حکیم فدا محمد خاں صاحب مرحوم کا اسسٹنٹ مقرر کیا گیا۔ مگر بعد ازاں جلد ہی مہاراجہ رنبیر سنگھ صاحب والیٔ ریاست نے آپ کو مستقل شاہی طبیب بنا لیا۔ ریاست کے تمام مدرسے اور شفاخانے بھی آپ کے ماتحت تھے جن کا انتظام آپ نہایت ہی عمدگی اور خوش اسلوبی کے ساتھ کرتے تھے۔ آپ چونکہ حد درجہ خلیق اور منکسر المزاج

---

[1] مرقاۃ صفحہ ۱۷۵-۱۷۶ نوٹ از مؤلف۔ اس واقعہ سے جماعت کے دوست اگر چاہیں تو بہت فائدہ

(بقیہ نوٹ اگلے صفحہ پر)

تھے اور ہر کام نہایت ہی سچائی اور دیانتداری کے ساتھ سرانجام دیتے تھے اس لئے آپ کا ماتحت عملہ عموماً آپ سے خوش رہتا تھا اور انہیں آپ سے کبھی کوئی شکایت پیدا نہیں ہوتی تھی۔

میاں لعل دین کی لڑکی کو زحیر کاذب

جموں میں میاں لعل الدین ایک ممتاز رئیس تھے۔ ان کی لڑکی کو زحیر کاذب ہوئی۔ دیسی طبیبوں نے علاج معالجہ میں بہت کوشش کی مگر معاملہ دن بدن بگڑتا ہی گیا۔ آپ کے ساتھ رئیس مذکور کو کچھ مذہبی رنج تھا۔ اس لئے اس نے آپ سے علاج کروانا پسند نہ کیا لیکن جب مریضہ کی حالت خطرناک ہوگئی تو مجبوراً آپ کی طرف دوڑا۔ آپ نے طب جدید سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اسے ایک ایسا مرکب دیا جس میں پوڈافلین تھی اور وہ تشخیص اور علاج کارگر ثابت ہوا۔ اگر سو دست تھے تو گیارہ رہ گئے۔ دوسرے دن بھی آپ نے وہی ترکیب استعمال کی جس پر رئیس مذکور نے باوجود کدورت کے آپ کو خلعت دیا اور اس کے ساتھ ایک یاقوتی یا لوسیح زین بھی تھا۔

چونگی کے افسر کو قولنج شدید

آپ کی طبی شہرت کو چار چاند لگانے کا دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ چونگی کے افسر کو قولنج شدید ہوا۔ نصف شب کے قریب آدمی آپ کو لینے

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ:۔ اُٹھا سکتے ہیں۔ اولاد بیشک ہر شخص کو عزیز ہوتی ہے لیکن اولاد کی زندگی اور موت کا سلسلہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قبضہ میں رکھا ہے۔ پھر کون جانتا ہے کہ اس کی اولاد نیک ہو کر اس کے نام کو روشن کرے گی۔ یا بد ہو کر اس کے خاندان کو بدنام کردے گی۔ اس لئے ومما رزقنٰھم ینفقون کی تعلیم کے مطابق ہر شخص کو چاہیئے کہ اپنی اولاد کو بھی عطیات الٰہیہ میں سے سمجھ کر اپنے کسی نہ کسی بچہ کو فی سبیل اللہ وقف کرے اور پھر دیکھے کہ وہ کس قدر انعامات الٰہیہ میں سے حصہ پاتا ہے۔ دیکھ لیجئے حضرت خلیفۃ المسیح رضؓ نے اپنے آپ کو وقف کرکے جناب الٰہی سے کس قدر انعامات پائے۔ اگر آپ کی والدہ ماجدہ بھی خوشی کے ساتھ آپ کو وقف کرنے کیلئے تیار ہوجاتیں تو ہوسکتا تھا کہ اس قربانی کے بدلہ میں اپنی دوسری اولاد کو بھی اپنی آنکھوں کے سامنے سرسبز اور بابرگ و بار ہوتے دیکھتیں۔

اس واقعہ میں ان بچوں کیلئے بھی ایک قیمتی سبق موجود ہے جو کہا کرتے ہیں کہ ہم تو زندگی وقف کرنے کیلئے تیار ہیں لیکن والدین اجازت نہیں دیتے وہ اگر چاہیں تو حضرت مولوی صاحبؓ کی زندگی سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ پھر یہ واقعہ ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ جو لوگ کہا کرتے ہیں کہ اگر ہم اپنے بچہ کو وقف کردیں تو وہ کھائیگا کہاں سے اور پہنیگا کہاں سے؟ اس کے دوسرے بھائی تو دنیا میں عزت و آرام کی زندگی بسر کریں گے لیکن یہ واقف زندگی ان کو دیکھ دیکھ کر پیچ و تاب کھاتا رہیگا۔ لیکن ان کا یہ خدشہ بالکل موہوم ہے حضرتؓ کی زندگی کا ایک ایک واقعہ شاہد ہے کہ وہ جو اپنے آپکو کامل طور پر خدا کے سپرد کردیتے ہیں خدا تعالیٰ خود ان کا متکفل ہوجاتا ہے

آیا۔ آپ نے خیال کیا کہ شدت درد کے باعث مسہل مفید نہیں ہوتا۔ اس لئے افیون، مکبوج، نوشادر کا مرکب اپنے پاس سے دیا۔ جس سے اس کا قولنج دور ہو گیا۔[1]

راجہ موتی سنگھ کا علاج ایک مرتبہ ریاست میں شدید ہیضہ پھیلا۔ مہاراجہ صاحب تبدیل آب و ہوا کیلئے باہو نام ایک قلعہ میں تشریف لے گئے۔ آپ کو بھی ساتھ جانا پڑا۔ مہاراجہ کے عزیزوں میں ایک راجہ موتی سنگھ جی بھی تھے۔ وہ بھی ساتھ ہی تھے انہیں ذوسنطاریا (جسے ڈسنٹری بھی کہتے ہیں) کا شدید مرض لاحق ہوا۔ ساتھ ہی پیچش کا بھی سخت حملہ ہوا۔ اور وہ دن بھی ہیضہ کے تھے اس لئے انہیں آپ کے طبی مشورہ کی ضرورت پیش آئی۔ آپ کے علاج سے اللہ تعالیٰ نے انہیں شفا عطا فرمائی۔ اور بہت دنوں کی آمد و رفت کیوجہ سے ان کے ساتھ ایک قسم کا گہرا تعلق بھی پیدا ہو گیا۔ انہوں نے جو رقم اس موقعہ پر بطور شکریہ دی۔ وہ برابر کئی سال تک دیتے رہے۔ مہاراجہ صاحب کے ساتھ ان کے تعلقات کسی قدر کشیدہ تھے۔ ان دنوں ایک شہزادہ کی شادی تھی۔ انہوں نے آپ سے مشورہ کیا کہ مجھے اس موقعہ پر شادی میں شامل ہونا چاہیئے یا نہیں؟ آپ نے شمولیت کا مشورہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اس سے مہاراجہ کے اور آپ کے تعلقات انشاء اللہ اچھے ہو جائیں گے اور وہ ہو بھی گئے۔

ایک سپرنگ لگنے سے زخم اس شادی کے سفر میں آپ بھی شریک تھے اور ایک ہاتھی آپکی سواری میں تھا جس پر ایک عماری تھی جس میں دو آدمیوں کے بافراغت بیٹھنے کی جگہ تھی۔ پہلی ہی منزل میں ایک سپرنگ کے لگنے سے آپ کو سخت تکلیف ہوئی اور دوسری منزل میں تو آپ کی حالت ایسی خراب ہوئی کہ آپ سفر کے قابل ہی نہ رہے۔ رات کے دس بجے ایک بنگالی ڈاکٹر کو بلایا اور اسے کہا کہ اس ورم کو اسی وقت چیر دو کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں ناسور نہ ہو جائے۔ ڈاکٹر نے کہا کہ حضرت! میں اپنے اوزار اور سامان سب بند کر چکا ہوں لہٰذا اس وقت کچھ نہیں ہو سکتا۔ صبح انشاء اللہ یہ کام کروں گا۔ مگر آپ نے اپنا چاقو نکال کر اُسے دیا اور سختی سے کہا کہ اسی سے چیرا دیدو۔ ڈاکٹر نے کہا۔ میرے پاس کلوروفارم نہیں۔ آپ نے فرمایا کلوروفارم کی کوئی ضرورت نہیں۔ چنانچہ اس کے دل میں بھی طیش پیدا ہوا۔ اور اس نے اسی چاقو کے ساتھ بڑی سختی سے ورم کو چیر دیا۔ اور آپ کے کہنے پر زخم کے دونو کناروں سے خوب دبا کر لہو نکالا اور پھر زخم کے لبوں کو ملا کر باندھ دیا۔ صبح کو ڈاکٹر صاحب زخم کا معائنہ کئے بغیر ہی چل دیئے۔ آپ نے نیچے آئینہ رکھ

---

[1] مرقاۃ صفحہ ۱۴۳۔

کر جو زخم کی حالت دیکھی تو معلوم ہوا کہ زخم خدا تعالیٰ کے فضل سے مل گیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ
"اپنے قوی کے گھمنڈ پر میں ایک گھوڑی پر سوار ہو گیا۔ اگرچہ میں نے احتیاط کی اور زین
کے ایک طرف رہا۔ لیکن چار میل پہنچکر مجھ میں یہ طاقت نہ رہی کہ میں اس سواری پر رہ
سکوں۔ چنانچہ میں اُتر گیا۔ باریک سی شرک کی بُو مجھ میں یہ تھی کہ آخر مہتمان کیمپ یہاں
سے گذریں گے وہ ضرور ہمدردی کریں گے۔ تھوڑی دیر ہوئی کہ ولیعہد صاحب آئے۔
انہوں نے کہا کیوں اُتر پڑے؟ میں نے کہا کہ میں سواری نہیں کر سکتا۔ میری طبیعت
اچھی نہیں۔ ولیعہد صاحب یہ کہکر کہ اچھا کیمپ میں آؤ وہاں بندوبست ہو جائیگا۔ اور
سرپٹ گھوڑا دوڑا کر چلے گئے۔ میں نے کہا کہ ایک بُت تو ٹوٹ گیا۔ لیکن نفس امارہ نے
پھر بھی یہ سمجھا کہ اس کے دوسرے بھائی آئیں گے۔ چونکہ وہ میرا ہی علاج کرتے تھے
اور مجھ سے ان کا بہت تعلق تھا۔ وہ آئے اور بڑی ہمدردی سے کھڑے ہو گئے۔ میں
نے کہا۔ کہ میں سوار نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے کہا کہ آپ کیمپ میں پہنچئے۔ اور سرپٹ
گھوڑا دوڑا کر چل دیئے۔ پھر اُن کے تیسرے بھائی آئے اور وہ بھی بدستور دریافت کرکے
چل دیئے۔ پھر راجہ صاحب آئے۔ انہوں نے بڑی محبت سے میرا حال دریافت کیا اور کہا
کہ آپ سوار ہو جائیں۔ میں نے کہا کہ میں گھوڑے کی سواری نہیں کر سکتا۔ انہوں نے فرمایا کہ
یہاں سے دو چار میل کے فاصلے پر کیمپ ہے آپ وہاں پہنچیں۔ سب بندوبست ہو
جائے گا۔ یہ فرما کر وہ بھی روانہ ہو گئے۔ پھر کیمپ کے مہتمم صاحب جو وہی ایک سب
سے پیچھے تھے آئے اور انہوں نے بھی سابق رؤسا کی طرح کام لیا۔ اب میں، لا الٰہ
الا اللہ کی طرف متوجہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جو دوسرے پر امید رکھتا ہے بڑی غلطی کرتا ہے۔"[1]

دیوان پچھمی داس کا سلوک

آپ فرماتے ہیں۔
"اب میری امیدگاہ صرف اللہ تعالیٰ ہی تھا۔ اتنے میں دیوان
پچھمی داس نام جوان دنوں فوجی افسر تھے، گذرے۔ انہوں نے جب مجھے دیکھا تو فوراً اتر
پڑے اور کہا کہ کیا تکلیف ہے؟ میں نے کہا کہ میرے ایک پھنسی ہے اس لئے میں

---

[1] مرقاۃ صفحہ ۱۴۴-۱۴۵۔

سوار نہیں ہو سکتا۔ آپ تشریف لے چلیں۔ لیکن انہوں نے کہا کہ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ کو یہاں اس حالت میں چھوڑ کر ہم آگے چلے جائیں۔ غرضکہ وہ اُتر کر میرے پاس ہی بیٹھ گئے اور باتیں کرتے رہے۔ اتنے میں ان کی پالکی آئی انہوں نے میرے پاس سے اُٹھ کر اپنے آدمی کو علیحدہ لے جا کر کچھ حکم دیا۔ اور اس کے بعد خود گھوڑے پر سوار ہو کر چلے گئے اُن کا آدمی پالکی لے کر میرے پاس آیا اور کہا آپ پالکی میں سوار ہو جائیں اور یہ پالکی جموں واپس ہونے تک آپ کے ساتھ رہے گی۔ میں نے اس کو اللہ تعالیٰ کا فضل سمجھا اور سوار ہو گیا۔ اس میں خوب آرام کا بستر بچھا ہوا تھا۔ میں اس میں لیٹ گیا اور شکریہ میں قرآن شریف کی تلاوت شروع کی۔ وہ ایک مہینہ کا سفر تھا۔ میں الحمدللہ جلدی ہی اچھا ہو گیا اور میں نے پالکی کو رخصت کرنا چاہا۔ لیکن پالکی برداروں اور ان کے ہمراہی نے کہا کہ ہم کو دیوان جی کا حکم ہے کہ جب تک آپ جموں واپس نہ پہنچیں ہم آپ کی خدمت میں رہیں۔" [1]

ایک ماہ کے سفر میں چودہ پارے زبانی یاد کر لئے

آپ فرماتے ہیں۔

"میں نے اس ایک مہینہ میں چودہ پارے قرآن شریف کے یاد کر لئے۔ جب ہم جموں واپس پہنچ گئے تو میں نے پالکی برداران اور اُن کے افسر کو انعام دینا چاہا لیکن انہوں نے کہا کہ ہم انعام لے چکے ہیں۔ ہم کو اسی دن دیوان جی نے انعام اور خرچ کے لئے کافی روپیہ دیدیا تھا اور ان کا حکم ہے کہ آپ سے کچھ نہ لیں۔ میں نے اس افسر کو بہت سمجھایا کہ اُن کو اطلاع کرنے کی ضرورت نہیں مگر اس نے تو اور اپنے پاس سے کسی قدر روپیہ نکال کر میرے سامنے رکھ دیا اور کہا کہ جو روپیہ انہوں نے خرچ کے لئے دیا تھا وہ بھی سب خرچ نہیں ہوا۔ اور اب ہم میں اتنی طاقت نہیں کہ ان کو واپس دیں چنانچہ اس نے وہ روپیہ واپس نہ لیا اور میں نے خدا تعالیٰ کا فضل یقین کر کے وہ روپیہ لے لیا۔ پھر اس کے بعد دیوان لچھمن داس نے میرے ساتھ اس قدر نیکیاں کیں کہ ان کے بیان کرنے کیلئے بڑے وقت کی ضرورت ہے۔" [2]

دیوان لچھمن داس کو نصیحت

یہی دیوان لچھمن داس جن کا اُوپر ذکر ہوا۔ ایک دفعہ ریاست کے وزیر اعظم ہو گئے۔ ان کو پشتو بولنے کا بڑا شوق تھا اور ہمیشہ اپنی اردل

---

[1] مرقاۃ صفحہ ۱۴۵-۱۴۶ء [2] مرقاۃ صفحہ ۱۴۶-۱۴۷ء

میں پشتو بولنے والے ہی رکھتے تھے۔ نتیجہ یہ تھا کہ جو شرفا ملاقات کے لئے جاتے۔ پشتون اُن کو دھکے مار مار کر باہر نکال دیتے۔ ایک روز شیخ فتح محمد صاحب کو وزیر اعظم کے ساتھ کوئی کام تھا۔ رات کے دس بجے کا وقت تھا۔ آپ نے فرمایا کہ آپ اسی وقت جا کر ملاقات کریں۔ انہوں نے فرمایا۔ حکیم صاحب! وہاں تو کوئی شریف آدمی جا ہی نہیں سکتا۔ فرمایا۔

"میں دیوان جی کو ابھی ایک خط لکھتا ہوں"

چنانچہ آپ نے لکھا کہ

"یہاں کے لوگ ملاقاتوں کے عادی ہیں۔ میں نے سُنا ہے کہ آپ نے خطرناک پہرہ بٹھایا ہے۔ مہربانی کر کے ایک وسیع کمرہ جس میں ایرانی قالین بچھا ہوا ہو۔ ملاقات کے لئے مقرر فرمائیں کہ لوگ وہاں جا کر بیٹھ سکیں۔ باقی جب آپ کا جی چاہے اس کمرہ میں ملاقات کے لئے آئیں اور جس سے چاہیں ملاقات کریں جس سے چاہیں نہ کریں مگر پشتو بولی سے شریف آدمیوں کو دھکے دلوانا آپ کی شان کے خلاف ہے۔" [1]

یہ خط اسی وقت دیوان صاحب کے لیٹر بکس میں ڈالا گیا اور اسی وقت انہیں پہنچا بھی دیا گیا۔ ابھی چند منٹ ہی گذرے تھے کہ دیوان صاحب کے حقیقی بھنوئی جو اُن کے پرائیویٹ سکرٹری بھی تھے، ہاتھ میں لالٹین لئے ہوئے آپ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ دیوان صاحب نے آپ کو بلایا ہے۔ آپ وہاں تشریف لے گئے۔ جا کر دیکھا کہ ایک وسیع کمرے میں ایرانی قالین بچھا ہوا ہے اور پہرہ کا نام و نشان نہیں۔ آپ نے یہ حالت دیکھ کر دیوان صاحب کا شکریہ ادا کیا۔ جس کا جواب انہوں نے ان الفاظ میں دیا کہ

"ریاست میں اس طرح صفائی سے کہنے والا انسان بھی ضروری ہے اور اس لئے میں آپ کی بڑی قدر کرتا ہوں۔ اب میں کسی کو نہ روکوں گا۔ اور آپ کے لئے تو کوئی وقت مقرر نہیں۔ آپ جس وقت چاہیں بلا تکلف تشریف لائیں۔" [2]

آپ کی غیرت و حمیت کا ایک واقعہ

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک مجلس میں جس میں مختلف مذاہب کے علماء اور فضلا بیٹھے ہوئے تھے۔ مہاراجہ صاحب جموں و کشمیر کو پیاس لگی۔ اس مجلس میں مسلمان صرف ایک آپ ہی تھے۔ اور آپ کو اس بات کا علم تھا

---

[1] مرقاۃ صفحہ ۱۴۷ ۔ [2] مرقاۃ صفحہ ۱۴۸ ۔

کہ مہاراجہ صاحب چھوت چھات کے گرویدہ ہونے کی وجہ سے اس مجلس میں پانی نہیں پیتے جس میں کوئی مسلمان موجود ہو۔ اس لئے آپ کو فکر پیدا ہوئی کہ ایسا نہ ہو آپ کو اُٹھنا پڑے۔ آخر کچھ سوچ کر آپ نے مہاراجہ صاحب سے سوال کیا کہ مہاراج! ہندو کس کو کہتے ہیں؟ مہاراج نے کہا، جو وید کا قائل ہو۔ آپ نے ایک عیسائی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ صاحب تو وید کے قائل نہیں! مگر پھر بھی ہندو ہیں۔ اس پر مہاراج نے کہا۔ ہندو وہ ہے جو جنیئو پہنے۔ آپ نے ایک سکھ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ صاحب جو آپ کی مجلس میں موجود ہیں، جنیئو نہیں پہنتے۔ پھر یہ ہندو کس طرح ہوئے؟ مہاراج بولے، ہندو وہ ہے جو گائے کا گوشت نہ کھائے۔ اس مجلس میں ایک سربھنگی بھی تھا۔ آپ نے اس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ شخص گائے تو الگ رہی انسان کا گوشت بھی نہیں چھوڑتا۔ مہاراجہ صاحب حضرت مولانا کی اس گفتگو کے مقصد کو خوب سمجھتے تھے۔ جب آپ کی گفتگو سے عاجز آ گئے تو کہنے لگے کہ مولوی صاحب! آپ بیٹھے رہیں۔ میں باہر جا کر پانی پی لوں گا۔[1]

بتائیے! ایسی جرأت کا انسان راجوں۔ مہاراجوں اور نوابوں کے درباروں میں کہاں مل سکتا ہے؟

آپ کی جرأت کی ایک مثال

ایک مرتبہ ایک بہت بڑا ڈاکٹر کشمیر میں ایک رئیس کے ہاں مدعو تھا حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ بھی حسن اتفاق سے وہاں جا نکلے وہاں عورت و مرد کی مساوات پر گفتگو ہو رہی تھی اور وہ ڈاکٹر صاحب مساوات پر بہت زور دے رہے تھے۔ حضرت مولوی صاحبؓ نے پوچھا۔ کیا آپ کے ہاں اولاد ہے؟ ڈاکٹر صاحب موصوف نے کہا۔ ہاں! تین سال کا ایک لڑکا موجود ہے۔ یہ معلوم کر کے آپ بلا تامل اُٹھے اور ڈاکٹر صاحب موصوف کی چھاتیاں ٹٹولنا شروع کر دیں۔ ڈاکٹر حیران تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ آخر اس نے اپنے میزبان رئیس سے پوچھا کہ یہ صاحب کون ہیں؟ اور انہوں نے ایسی بے جا حرکت کیوں کی ہے؟ اس رئیس نے کہا۔ یہ بہت بڑے آدمی ہیں۔ میری کیا مجال ہے کہ میں ان سے کچھ دریافت کر سکوں۔ آپ نے بلا انتظار فرمایا کہ ڈاکٹر صاحب! آپ نے ابھی عورت و مرد میں مساوات کا ذکر فرمایا ہے۔ آپ کی جورو تو بچہ جن چکی۔ اب آپ کی باری ہے میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ کیا آپ بچہ جننے کے لئے تیار ہیں؟ اگر نہیں تو مساوات کیسی! یہ سُن کر وہ ڈاکٹر صاحب ششدر رہ گئے اور اس رئیس نے قہقہہ مار کر ڈاکٹر صاحب کو کہا کہ اب جواب دو۔ ڈاکٹر

---

[1] عسل مصفٰی حصہ دوم صفحہ ۷۲۳ +

صاحب نے کھسیانہ ہو کر کہا کہ واقعی ہماری غلطی ہے۔ ہم بلا سوچے سمجھے یورپ کی تقلید کرتے ہیں۔[۱]

تثلیث پر اعتراض

ایک مرتبہ آپ کہیں لاہور تشریف لائے۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب ان دنوں گورنمنٹ کالج لاہور میں پڑھتے تھے۔ کالج کے ایک پروفیسر مسٹر آرنلڈ صاحب نے کہا کہ تثلیث کا مسئلہ کسی ایشیائی دماغ میں آ ہی نہیں سکتا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پروفیسر صاحب مذکور کی یہ بات سُنا کر جواب کے طالب ہوئے۔ آپ نے فرمایا۔ پروفیسر صاحب کو جا کر کہیں کہ اگر آپ کا یہ دعویٰ صحیح ہے تو حضرت مسیح علیہ السلام اور آپ کے حواری بھی اس مسئلہ کو نہیں سمجھے ہوں گے کیونکہ وہ بھی ایشیائی ہی تھے۔

یہ جواب سُن کر پروفیسر صاحب ایسے خاموش ہوئے کہ گویا انہوں نے یہ دعویٰ کبھی کیا ہی نہیں تھا اور سُنا گیا ہے کہ یورپ کی ایک کانفرنس میں بھی انہوں نے یہ اعتراض پیش کیا مگر وہاں بھی کوئی تسلی بخش جواب نہ ملا۔[۱]

---

[۱] عسل مصفیٰ حصہ دوم صفحہ ۷۲۵-۷۲۶ و ترکِ صفحہ ۲۲۸-۲۲۹۔

تیسرا باب

حضرت مسیح الزّمان کیطرف رجُوع

اور

فدائیت کا اظہار

حضرت اقدس مسیح الزمان علیہ السلام کی طرف رجوع ۱۸۸۴ء

حضرت مولوی نورالدین صاحب رضؓ اپنے تبحر علمی، تصوف، توکل، تواضع اور طبی کمالات کی وجہ سے ہندوستان بھر میں مشہور تھے۔ لیکن ابھی تک آپ کو باوجود تلاش بسیار کے کوئی کامل رہنما نہیں ملا تھا۔ چنانچہ آپ اکثر اللہ تعالیٰ کے حضور یہ دُعا کیا کرتے تھے کہ الٰہی! کوئی ایسا کامل مرد پیدا کر۔ جو اس پر آشوب زمانے میں دشمنانِ اسلام کا مقابلہ کر سکے اور اسلام کو دوسرے مذاہب پر غالب کر سکے۔ چنانچہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتاب "کرامات الصادقین" کے آخر میں آپ کا ایک مختصر سا مضمون شائع ہوا ہے جس میں آپ نے اپنی اس تڑپ کا اظہار فرمایا ہے۔ اصل مضمون چونکہ عربی زبان میں ہے اس لئے ہم نے طوالت سے بچنے کی خاطر اس کا لفظی ترجمہ درج کرنے ہی پر اکتفا کیا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین۔ الرحمٰن الرحیم۔ مٰلک یوم الدین

والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیّد ولد اٰدم سیّد الرسل والانبیاء

اصفی الاصفیاء محمّد خاتم النّبیّن واٰلہ واصحابہ اجمعین۔

اما بعد خدائے قوی وامین کا محتاج اور ضعیف بندہ نورالدین (خدا اسے آفات سے بچا کر

اپنے مامون بندوں کے زمرہ میں داخل فرمائے، اور اس کے نام کی طرح اسے واقعی نورالدین بنائے، عرض کرتا ہے کہ میں نے جب سے اس زمانہ کے لوگوں کی خرابیوں کا مشاہدہ کیا۔ اور مذاہب اور اہل مذاہب میں تغیرات دیکھے تب سے میں شوق رکھتا تھا اور دعا کیا کرتا تھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ ایسا شخص دکھائے جو دین اسلام کی تجدید کرے اور معاندین اور شیاطین پر روحانی سنگباری کرے۔ میں اس خواہش کے پورا ہونے کا دلی امیدوار تھا۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے جو اصدق القائلین ہے اپنی کتاب مبین میں مومنوں کو بشارت دی تھی۔ وَعَدَ اللّٰہُ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصّٰلحٰت لَیَسْتَخْلِفَنَّھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم۔ الخ

نیز اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حق میں ارشاد فرمایا۔ ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الّا وحی یوحیٰ۔ آپ نہایت صادق اور نہایت امین تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس امت میں ہر صدی کے سر پر ایسے شخص کو مبعوث کرتا رہے گا جو اس کے دین کی تجدید کریگا۔ پس میں خدا تعالےٰ کی اس رحمت کے انتظار کرنے والوں میں سے تھا۔ اور اسی مقصد کی خاطر میں نے حق ویقین کے انوار کے مہبط یعنی بیت اللہ الحرام کا قصد کیا۔ میں جنگلوں کو عبور کرتا تھا اور صحراؤں میں سے گذرتا تھا اور ربانی بندوں میں سے اس بندے کو تلاش کر رہا تھا۔

میں نے مکہ مکرمہ میں جو مبارک جگہ ہے اپنے شیخ حضرت حسین المہاجر جو نہایت متقی اور زاہد تھے کے چہرہ پر نظر ڈالی۔ ایسا ہی اپنے بزرگ شیخ محمد الخزرجی الانصاری کو دیکھا اور مدینہ منورہ میں مجھے اپنے بزرگ شیخ اور سردار و آقا الشیخ عبد الغنی المجددی الاحمدی سے شرف ملاقات حاصل ہوا۔ یہ سب بزرگ میرے گمان کے مطابق متقی اور ابرار تھے اللہ تعالیٰ میری طرف سے ان کو جزائے خیر دے۔ (اے رب العالمین! تو ایسا ہی کر)

یہ سب بزرگ شیوخ رحمہم اللہ تقویٰ اور علم کے بلند مقام پر قائم تھے۔ لیکن دینِ اسلام کے دشمنوں کے مقابلہ پر کھڑے نہ تھے اور نہ ہی دشمنان اسلام کے شبہات کا ازالہ و استیصال کرنیوالے تھے بلکہ وہ اپنے زاویوں میں عبادت میں منہمک رہتے تھے۔ اور

علیحدگی میں اپنے رب کی مناجات میں مشغول۔

میں نے علماء میں کسی شخص کو عیسائیوں، آریوں، برہموؤں، دہریوں، فلسفیوں، معتزلہ اور ایسے ہی دیگر گمراہ کرنیوالے فرقوں کی تبلیغ کی طرف متوجہ نہ دیکھا۔ بلکہ میں نے دیکھا کہ ہندوستان میں نو لاکھ سے زاید طلباء نے علوم دینیہ کو ترک کر دیا ہے اور انکی بجائے انگریزی علوم اور یورپین زبانوں کو اختیار کر لیا ہے اور انہوں نے مومنوں کو چھوڑ کر دوسرے لوگوں کو اپنا دلی دوست اور رازدار بنا لیا ہے۔

چھ کروڑ سے زائد رسالے اور کتابیں اسلام اور مسلمانوں کے مقابلہ میں شائع ہو چکی ہیں۔ اس مصیبت کے باوجود ہم اس زمانے کے مشائخ اور اُن کے پیروؤں کو یہ کہتے ہوئے سُنتے ہیں کہ دین اسلام کی دعوت دینا اور مخالفین اسلام سے مناظرات کرنا اہل کمال اور اصحاب یقین کے دستور کے خلاف ہے اور ہمارے علماء الا ماشاء اللہ ان حالات کو جانتے تک نہیں جن میں سے دین اور اہل دین گذر رہے ہیں اور متکلمین کی تحقیق کی انتہا یہ ہے کہ وہ مسئلہ امکان کذب الباری اور اس کے امتناع پر اپنے اوقات صرف کر رہے ہیں۔ کافروں کا منہ بند کرنے کے لئے اور معاندوں کی تدبیروں کا ازالہ کرنے کے لئے نہیں۔

اس شکوہ کے ساتھ ہم اپنے استاد اور شیخ جلیل رحمت اللہ الہندی المکی اور ڈاکٹر وزیر خاں رحمہم اللہ تعالیٰ اور امام ابوالمنصور دہلوی اور نہایت ذہین اور ہوشیار سید محمد علی کانپوری اور علامہ مصنف "تنزیہہ القرآن" اور ان جیسے دوسرے لوگوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو نوازے۔ وھو خیر الشاکرین۔

لیکن ان تمام لوگوں کا جہاد مخالفین اسلام کی ایک شاخ کے ساتھ تھا۔ اور وہ بھی آسمانی نشانوں اور الٰہی بشارات کے ساتھ نہ تھا۔ مجھے ایسے کامل مرد کے دیکھنے کا انتہائی شوق تھا جو یگانہ روزگار ہو اور میدان میں تائید دین اور مخالفین کا منہ بند کرنے کے لئے سینہ سپر ہو کر کھڑا ہونیوالا ہو۔ پس جب میں اپنے وطن کیطرف لوٹا تو میں نہایت پریشان اور حیران تھا۔ دن کے اوقات سفر میں بسر کرتا اور مجھے

نہایت طلب اور جستجو تھی اور میں صادقوں کی ندا کا منتظر تھا۔ اسی اثنا میں مجھے حضرت السیّد الاجل اور بہت ہی بڑے علامہ اس صدی کے مجدد مہدی الزمان ، مسیح دوران مولف براہین احمدیہ کی طرف سے خوشخبری ملی۔ میں ان کے پاس پہنچا تا حقیقت حال کا مشاہدہ کروں۔ میں نے فوراً بھانپ لیا کہ یہی موعود حکم و عدل ہے اور یہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تجدید دین کیلئے مقرر فرمایا ہے۔ میں نے فوراً اللہ تعالیٰ کے حضور لبیک کہا۔ اور اس عظیم الشان احسان پر اس کا شکر ادا کرتے ہوئے سجدہ میں گر گیا۔ اے ارحم الراحمین خدا! تیری حمد، تیرا شکر اور تیرا احسان ہے۔ پھر میں نے مہدی الزمان کی صحبت کو اختیار کر لیا اور آپ کی بیعت صدقِ دل سے کی یہانتک کہ مجھے آپ کی مہربانی اور لطف و کرم نے ڈھانپ لیا اور میں دل کی گہرائیوں سے ان سے محبت کرنے لگا۔ میں نے انہیں اپنی جائداد اور اپنے سارے اموال پر ترجیح دی بلکہ اپنی جان، اپنے اہل و عیال اور والدین اور اپنے سب عزیز و اقارب پر انہیں مقدم جانا۔ ان کے علم و عرفان نے میرے دل کو والہ و شیدا بنا لیا۔ اس خدا کا شکر ہے جس نے میرے لئے ان کی ملاقات مقدر فرمائی۔ اور یہ میری خوش بختی ہے کہ میں نے انہیں باقی سب لوگوں پر ترجیح دی اور میں ان کی خدمت کے لئے اس جانثار کی طرح کمربستہ ہو گیا جو کسی میدان میں کوئی کوتاہی نہیں کرتا۔ پس اس اللہ کا شکر ہے جس نے مجھ پر احسان فرمایا اور وہ بہتر احسان کرنیوالا ہے۔"

اس کے بعد آپ نے حضرت اقدس سیدنا مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعریف میں پچیس اشعار پر مشتمل ایک قصیدہ لکھا ہے۔ جس کے پہلے دو اشعار یہ ہیں:۔

فواللہ مذ لاقیتہ زادنی الھدیٰ	وعرفت من تفھیم احمد احمدا
وکم من عویص مشکل غیر واضح	انار علی فصرت منہ مسعدا[1]

ترجمہ۔ بخدا جب سے میں نے حضرت اقدسؑ سے ملاقات کی ہے آپ کے فیض کی برکت سے میں نے رشد و ہدایت میں بہت ترقی حاصل کی ہے اور اس احمد (یعنی مسیح موعود) کو پہچان کر مجھے اُس احمد (یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم) کی شان کا پتہ لگا اور قرآن شریف کے کئی مشکل مقامات تھے جو مجھ پر واضح نہ تھے لیکن آپ نے مجھ پر اُن کو روشن کر دیا اور اس وجہ سے میں روحانی طور پر بیدار ہو گیا۔

---

[1] از آخر رسالہ کرامات الصادقین ' مصنفہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام۔

غرض یہ تو حال تھا حضرت مولوی صاحبؓ کا۔ ادھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی کسی ایسے ہی معاون کی ضرورت تھی جو عظیم دینی خدمت کا بوجھ اُٹھانے میں آپ کا ہاتھ بٹا سکے۔ آپ کو ایک فاروق کی بشارت بھی مل چکی تھی جو حضرت مولوی صاحبؓ کے وجود میں پوری ہوئی۔ آپ اپنی مشہور کتاب "آئینہ کمالات اسلام" میں اپنی دعا اور اس کی قبولیت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"جب سے میں اللہ تعالےٰ کی درگاہ سے مامور کیا گیا ہوں اور حیّ و قیوم کی طرف سے زندہ کیا گیا ہوں دین کے چیدہ مددگاروں کی طرف شوق کرتا رہا ہوں اور وہ شوق اس شوق سے بڑھ کر ہے جو ایک پیاسے کو پانی کی طرف ہوتا ہے اور میں تا دن خدا تعالیٰ کے حضور چلاتا تھا اور کہتا تھا کہ اے میرے رب! میرا کون ناصر و مددگار ہے۔ میں تنہا اور ذلیل ہوں پس جبکہ دعا کا ہاتھ پے در پے اُٹھا اور آسمان کی فضا میری دعا سے بھر گئی تو اللہ تعالےٰ نے میری عاجزی اور دعا کو قبول کیا اور رب العالمین کی رحمت نے جوش مارا۔ اور اللہ تعالےٰ نے مجھے ایک مخلص صدیق عطا فرمایا جو میرے مددگاروں کی آنکھ ہے اور میرے ان مخلص دوستوں کا خلاصہ ہے جو دین کے بارے میں میرے دوست ہیں۔ اس کا نام اس کی نورانی صفات کی طرح نورالدین ہے۔ وہ جائے ولادت کے لحاظ سے بھیروی اور نسب کے لحاظ سے قریشی ہاشمی ہے جو کہ اسلام کے سرداروں میں سے اور شریف والدین کی اولاد میں سے ہے۔ پس مجھ کو اس کے ملنے سے ایسی خوشی ہوئی کہ گویا کوئی جدا شدہ عضو مل گیا اور ایسا سرور ہوا جس طرح کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ملنے سے خوش ہوئے تھے۔"

"اور جب وہ میرے پاس آیا اور مجھ سے ملا اور میری نظر اس پر پڑی تو میں نے اس کو دیکھا۔ وہ میرے ربّ کی آیات میں سے ایک آیت ہے۔ اور مجھے یقین ہو گیا کہ میری اسی دعا کا نتیجہ ہے جس پر میں مداومت کرتا تھا اور میری فراست نے مجھے بتا دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے منتخب بندوں میں سے ہے۔"[1]

تفصیل اس اجمال کی یوں ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جب پہلی مرتبہ سنہ ۱۸۸۴ء[2] میں مخالفین

---

[1] عربی ترجمہ از آئینہ کمالات اسلام طبع اول صفحہ ۵۸۱-۵۸۲۔

[2] حضرت میاں بشیر احمد صاحب نے سیرۃ المہدی میں اس اشتہار کو ۱۸۸۵ء کا قرار دیا ہے۔ دیکھئے سیرت المہدی حصہ دوم صفحہ ۱۴۔

اسلام کے لئے نشان نمائی کی دعوت کا ایک اشتہار شائع فرمایا تو اتفاقاً وہ اشتہار آپ کو ریاست کے وزیر اعظم کی وساطت سے مل گیا۔ آپ نے اس قصہ کی روئداد خود اپنے قلم سے لکھی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"حضرت مرزا صاحب کا خیال مجھے پہلے پہلے اس بات سے پیدا ہوا کہ ایک بڑا انگریزی تعلیمیافتہ اور بہت بڑا عہدیدار شخص جو مسلمان کہلاتا تھا۔ میرا اس سے حضرت نبی کریمؐ کی نبوت کے معاملہ میں مباحثہ ہوا کیونکہ وہ ایسے دعاوی کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا تھا آخر کار دوران گفتگو میں اس نے تسلیم کیا کہ میں حضرت محمد رسول اللہ کو خاتم النبیین یقین کرتا ہوں لہذا اس معاملہ میں مَیں اب بحث نہیں کرتا۔ اس پر میں نے اس سے پوچھا۔ بھلا ختم نبوت کی کوئی دلیل تو بیان کرو۔ کیونکہ میرا خیال تھا کہ اس شخص نے اس وقت یہ اقرار صرف پیچھا چھڑانے کی غرض سے کر لیا ہے۔ چنانچہ میرا وہ خیال درست نکلا۔ اور اس نے یہ جواب دیا کہ آنحضرتؐ کی کمال دانائی اور عاقبت اندیشی اس امر سے مجھے معلوم ہوتی ہے کہ آپ نے ختم نبوت کا دعویٰ کیا کیونکہ آپ زمانہ کی حالت سے یہ یقین کر چکے تھے کہ لوگوں کی عقلیں اب بہت بڑھ گئی ہیں اور کہ آئندہ ایسا زمانہ اب نہیں آئے گا کہ لوگ کسی کو مرسل یا مہبط وحی مان سکیں۔ اسی بنا پر آپ نے (نعوذ باللہ) دعویٰ کر دیا کہ میں ہی خاتم النبیین ہوں اور یہی وجہ ہے کہ میں آپ کو بڑے اعلیٰ درجہ کا دانا اور عاقبت اندیش انسان مانتا ہوں۔ میں نے اس دلیل کو سُنکر بہت ہی رنج کیا اور میرے دل کو سخت صدمہ اور دُکھ پہنچا کہ یہ شخص بڑا ہی محجوب ہے اور بیباک ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اولیائے کرام کے حالات سے بھی نابلد محض ہے۔ اب چونکہ ایک طرف تو اس سے مباحثہ ہوا تھا اور اس کا صدمہ دل پر ابھی باقی تھا۔ دوسری طرف وہیں کے پرائم منسٹر نے مجھے حضرت اقدس کا پہلا اشتہار دیا جس میں اس سوفسطائی کا ظاہر اور بیّن جواب تھا۔ جونہی کہ پرائم منسٹر نے مجھے وہ اشتہار دیا میں فوراً اُسے لیکر اس عہدیدار کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ دیکھو تمہاری وہ دلیل کیسی غلط اور ظنی ہے۔ اس وقت بھی ایک شخص نبوت کا مدعی موجود ہے اور وہ کہتا ہے خدا مجھ سے کلام کرتا ہے۔ یہ سُنکر وہ سخت گھبرایا اور متحیر ہو کر بولا اچھا دیکھا جاوے گا۔ میں تو چونکہ مجھے ایک تازہ چوٹ اس وقت لگی تھی۔ فوراً اس اشتہار کے

متلاشی اس امر کی تحقیق کیواسطے قادیان کی طرف چل پڑا۔ اور روانگی سے پہلے اور دوران سفر میں اور پھر قادیان کے قریب پہنچکر قادیان کو دیکھتے ہی نہایت اضطراب اور کپکپانیوالے دل سے دعائیں کیں۔ جب میں قادیان پہنچا تو جہاں میرا یکہ ٹھہرا۔ وہاں ایک بڑا محراب دار دروازہ نظر آیا جس کے اندر چارپائی پر ایک بڑا ذی وجاہت آدمی بیٹھا نظر آیا۔ میں نے یکہبان سے پوچھا کہ مرزا صاحب کا مکان کونسا ہے؟ جس کے جواب میں اس نے اس رشائی مشبہ داڑھی والے کی طرف جو اس چارپائی پر بیٹھا تھا، اشارہ کیا کہ یہی مرزا صاحب ہیں۔ مگر خدا کی شان!! اس کی شکل دیکھتے ہی میرے دل میں ایسا انقباض پیدا ہوا کہ میں نے یکے والے سے کہا کہ ذرا ٹھہرو میں بھی تمہارے ساتھ ہی جاؤں گا اور وہاں میں نے تھوڑی دیر کیواسطے بھی ٹھہرنا گوارا نہ کیا۔ اس شخص کی شکل ہی میرے واسطے ایسی صدمہ دہ تھی کہ جس کو میں ہی سمجھ سکتا ہوں۔ آخر طوعاً و کرہاً میں اس (مرزا امام الدین) کے پاس پہنچا میرا دل ایسا منقبض اور اس کی شکل سے متنفر تھا کہ میں نے السلام علیک تک بھی نہ کہا کیونکہ میرا دل برداشت ہی نہیں کرتا تھا۔ الگ ایک خالی چارپائی پڑی تھی۔ اس پر میں بیٹھ گیا۔ اور دل میں ایسا اضطراب اور تکلیف تھی کہ جس کے بیان کرنے میں وہم ہوتا ہے کہ لوگ مبالغہ نہ سمجھیں۔ بہرحال میں وہاں بیٹھ گیا۔ دل میں سخت متحیر تھا کہ میں یہاں آیا کیوں! ایسے اضطراب اور تشویش کی حالت میں اس مرزا نے خود ہی مجھ سے پوچھا کہ آپ کہاں سے آئے ہیں۔ میں نے نہایت روکھے الفاظ اور کبیدہ کبیدہ دل سے کہا کہ پہاڑ کی طرف سے آیا ہوں۔ تب اس نے جواب میں کہا کہ آپ کا نام نورالدین ہے؟ اور آپ جموں سے آئے ہیں؟ اور غالباً آپ مرزا صاحب کو ملنے آئے ہوں گے؟ بس یہ لفظ تھا جس نے میرے دل کو کسیقدر ٹھنڈا کیا اور مجھے یقین ہوا کہ یہ شخص جو مجھے بتایا گیا ہے مرزا صاحب نہیں ہیں۔ میرے دل نے یہ بھی گوارا نہ کیا کہ میں اس سے پوچھتا کہ آپ کون ہیں؟ میں نے کہا ہاں اگر آپ مجھے مرزا صاحب کے مکانات کا پتہ دیں تو بہت ہی اچھا ہوگا۔ اس پر اس نے ایک آدمی مرزا صاحب کی خدمت میں بھیجا اور مجھے بتایا کہ ان کا مکان اس مکان سے باہر ہے۔ اتنے میں حضرت اقدس نے اس آدمی کے ہاتھ لکھ بھیجا کہ نماز عصر کے وقت آپ ملاقات

کریں۔ یہ بات معلوم کرکے میں معاً اُٹھ کھڑا ہوا۔"

"چنانچہ آپ اس وقت سیڑھیوں سے اُترے۔ تو میں نے دیکھتے ہی دل میں کہا کہ یہی مرزا ہے اور اس پر میں سارا ہی قربان ہو جاؤں۔"

"حضرت اقدس تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا کہ میں ہوا خوری کیواسطے جاتا ہوں کیا آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں گے؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں۔ چنانچہ آپ دور تک میرے ساتھ چلے گئے اور مجھے یہ بھی فرمایا کہ امید ہے کہ آپ جلد واپس آجاویں گے حالانکہ میں ملازم تھا اور بیعت وغیرہ کا سلسلہ بھی نہیں تھا چنانچہ پھر میں آگیا اور ایسا آیا کہ یہیں کا ہو رہا۔ مومن میں ایک فراست ہوتی ہے۔"

"راستے میں میں نے اپنا ایک رویا بیان کیا جس میں مَیں نے نبی کریمؐ کو دیکھا تھا اور عرض کیا تھا کہ کیا حضرت ابوہریرہ کو آپ کی احادیث بہت کثرت سے یاد تھیں؟ اور کیا وہ آپ کی باتوں کو ایک زمانہ بعید تک بھی نہیں بھولا کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ میں نے عرض کیا۔ کیا کوئی تدبیر ہو سکتی ہے کہ جس سے آپ کی حدیث نہ بھولے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ قرآن شریف کی ایک آیت ہے جو میں تمہیں کان میں بتا دیتا ہوں چنانچہ آپ نے اپنا منہ مبارک میرے کان کی طرف جھکایا اور دوسری طرف معاً ایک شخص نورالدین نام میرے شاگرد نے مجھے بیدار کر دیا۔ اور کہا کہ ظہر کا وقت ہے۔ آپ اٹھیں۔

یہ ایک ذوقی بات تھی کہ میں نے مرزا صاحب کے سامنے اسے پیش کیا کہ کیوں وہ معاملہ پورا نہ ہوا؟ اس پر آپ کھڑے ہو گئے اور میری طرف منہ کر کے ذیل کا شعر پڑھا۔

؎ من ذرہ ز آفتابم ہم از آفتاب گویم
نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم

پھر فرمایا کہ جس شخص نے آپ کو جگایا تھا اس کے ہم معنی کوئی آیت قرآن کریم کی ہے اور وہ یہ ہے لا یمسہ الا المطہرون۔ غرض یہ تو ایک پہلا بیج تھا جو میرے دل میں بویا گیا اور حضرت مرزا صاحب کی سادگی جواب اور وسعت اخلاق اور طرز ادا نے میرے دل میں ایک خاص اثر کیا۔" [1]

---

[1] الحکم ۲۲ اپریل ۱۹۰۸ء صفحہ ۲-۳ و ۷ فروری ۱۹۱۰ء صفحہ ۷

چنانچہ آپ نے اس پہلی ملاقات میں ہی حضرت اقدس کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور میری بیعت لے لیں آپ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر اس معاملہ میں کوئی قدم نہیں اُٹھا سکتا۔ اس پر حضرت مولاناؓ نے عرض کیا کہ پھر حضور وعدہ فرمائیں کہ جب بھی اللہ تعالےٰ کی طرف سے بیعت لینے کا حکم آجائے سب سے پہلے میری بیعت لی جائے۔ آپ نے فرمایا۔ ٹھیک ہے۔ انشاءاللہ آپ ہی کو پہلے بیعت کرنے کا موقعہ دیا جائے گا اس کے بعد آپ واپس جموں تشریف لے گئے۔ اور پھر خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا جس کے نتیجہ میں ایسے گہرے تعلقات پیدا ہو گئے کہ حضور ہر اہم معاملہ میں حضرت مولانا صاحبؓ کو برابر اطلاع فرماتے رہے اور آپ نے بھی انصار دین میں وہ نام اور مقام پیدا کیا کہ خود خدا کے برگزیدہ مسیح موعود نے اس امر کی خواہش کی۔ کہ کاش اس امت مرحومہ کا ہر فرد نورالدین کا مقام حاصل کر لیتا چنانچہ حضور فرماتے ہیں :۔ ؎

چہ خوش بودے اگر ہر یک ز اُمّت نوردیں بودے
ہمیں بودے اگر ہر یک پُر از نورِ یقیں بودے [1]

اسی طرح حضورؑ نے آپ کی تعریف میں لکھا ہے :۔

"وہ ہر ایک امر میں میری اس طرح پیروی کرتا ہے جیسے نبض کی حرکت تنفس کی حرکت کی پیروی کرتی ہے۔"

"میں دیکھتا ہوں کہ اس کے لبوں پر حکمت بہتی ہے اور آسمان کے نور اس کے پاس نازل ہوتے ہیں۔ اور . . . . جب کبھی وہ کتاب اللہ کی تاویل کی طرف توجہ کرتا ہے تو اسرار کے منبع کھولتا ہے اور لطائف کے چشمے بہاتا ہے اور عجیب و غریب معارف ظاہر کرتا ہے جو پردوں کے نیچے ہوتے ہیں۔ دقائق کے ذرات کی تدقیق کرتا ہے اور حقائق کی جڑوں تک پہنچکر کھلا کھلا نور لاتا ہے۔ عقلمند اس کی تقریر کے وقت اس کے کلام کے اعجاز اور عجیب تاثیر کیوجہ سے تسلیم کے ساتھ اس کی طرف اپنی گردنوں کو لمبا کرتے ہیں حق کو سونے کے ڈلے کی طرح دکھاتا ہے اور مخالفین کے اعتراضات کو جڑھ سے اکھیڑ دیتا ہے . . . . . اور سب حمد اس اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جس نے مجھ کو یہ دوست ایسے وقت میں بخشا جبکہ اس کی سخت ضرورت تھی۔ سو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں

---

[1] نشان آسمانی صفحہ ۴۲؎

کہ وہ اس کی عمر و صحت و ثروت میں برکت دے۔ . . . . خدا تعالیٰ کی قسم! میں اُس کے کلام میں ایک نئی شان دیکھتا ہوں اور قرآن شریف کے اسرار کھولنے میں اور اس کے کلام اور مفہوم کے سمجھنے میں اس کو سابقین میں سے پاتا ہوں اور میں اس کے علم اور حلم کو دو پہاڑوں کی طرح دیکھتا ہوں جو ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ ان دونوں میں سے کونسا دوسرے پر فوقیت لے گیا ہے۔ وہ دین متین کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ اے رب! تو اس پر آسمان سے برکتیں نازل کر اور دشمنوں کے شر سے اس کو محفوظ رکھ اور جہاں کہیں وہ ہو تو اس کے ساتھ ہو اور دنیا و آخرت میں اس پر رحم کر۔ اے ارحم الراحمین۔ آمین ثم آمین۔ تمام تعریف اولاً و آخراً و ظاہراً و باطناً اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ وہی دنیا و آخرت میں میرا والی ہے۔ اسی کے کلام نے مجھے بلایا اور اسی کے ہاتھ نے مجھے بلایا۔ سو میں نے یہ مسودہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اشارے اور القا سے لکھا ہے۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ وہ ہی قادر ہے زمین و آسمان میں۔ اے رب! جو میں نے لکھا ہے محض تیری قوت و طاقت اور تیرے الہام کے اشارے سے لکھا ہے۔ پس تمام تعریف تیرے ہی لئے ہے۔ اے رب العالمین!"[1]

پھر فرماتے ہیں:۔

"میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے ایسا اعلیٰ درجہ کا صدیق دیا جو راستباز اور جلیل القدر فاضل ہے اور باریک بین اور نکتہ رس۔ اللہ تعالیٰ کے لئے مجاہدہ کرنیوالا۔ اور کمال اخلاص سے اس کے لئے ایسی اعلیٰ درجہ کی محبت رکھنے والا ہے کہ کوئی محب اس سے سبقت نہیں لے گیا۔"[2]

حضرت اقدسؑ کا بتایا ہوا مجاہدہ اور کتاب فصل الخطاب لمقدمہ اہل الکتاب کی تیاری

اس پہلی ملاقات میں یا بعد کی کسی ملاقات میں آپ نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام سے پوچھا کہ "آپ کی مریدی میں کیا مجاہدہ کرنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کی محبت میں ترقی ہو۔"

---

[1] ترجمہ از آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۸۵ تا ۵۸۹ + [2] ترجمہ از حمامۃ البشریٰ صفحہ ۱۶ +

آپ نے فرمایا۔

"میں یہ مجاہدہ بتاتا ہوں کہ آپ عیسائیوں کے مقابلہ میں ایک کتاب لکھیں"۔

آپ نے عرض کیا کہ حضرت! الزامی جوابات کے متعلق حضور کی کیا رائے ہے؟ فرمایا۔

"بڑی ہی بے انصافی ہوگی۔ اگر ایک بات جسے انسان خود نہیں مانتا دوسرے کو منوانے کیواسطے تیار ہو۔ ہاں اگر کوئی ایسا ہی مشکل سوال آپ کی راہ میں آجائے جس کا جواب ہرگز آپ کی سمجھ میں نہ آسکے تو مناسب طریق یہ ہے کہ آپ یہ سوال نہایت ہی خوشخط اور جلی قلم سے لکھ کر اپنی نشستگاہ کے سامنے جہاں ہمیشہ نظر پڑتی رہے لٹکا دیا کریں۔ یہانتک کہ اللہ تعالےٰ آپ پر اپنے خاص فضل سے فیضان نازل فرمائے۔ اور یہ عقدہ حل ہو جائے"۔

حضرت مولوی صاحبؓ فرماتے تھے کہ اس طریق دعا کا میں پہلے ہی قائل تھا کہ مجھے اس کی مضبوط چٹان پر حضرت اقدس نے کھڑا کر دیا۔[۱]

خاکسار راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ حضرت اقدسؑ نے حضرت مولانا صاحبؓ کو یہ مجاہدہ غالباً اس لئے بتایا کہ آپ کا سب سے بڑا مقابلہ عیسائی مذہب سے تھا اور حضرت مولوی صاحبؓ کو عیسائیت سے بہت کم واقفیت تھی۔ آپ نے سوچا کہ حضرت مولوی صاحبؓ اس سلسلہ کے لئے زیادہ مفید وجود تب ہی ہو سکتے ہیں جب عیسائی مذہب کا پورے غور و فکر کے ساتھ مطالعہ کریں۔ چنانچہ آپ نے حضور کے ارشاد کی تعمیل میں عیسائی لٹریچر کی پوری چھان بین اور گہری تحقیق و تدقیق کے بعد ایک ضخیم کتاب لکھی جس کا نام "فصل الخطاب" ہے۔ آپ اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"مجھ کو عیسائی مذہب سے واقفیت نہ تھی۔ ان کے اعتراضوں کی بھی خبر نہ تھی کہ کیا کیا اعتراض ہوتے ہیں۔ پھر یہ کہ میں اپنے آپ کو کبھی فرصت میں نہیں رکھتا۔ اور اس کام کے لئے فراغت و فرصت کی بھی ضرورت تھی۔ جموں میں تو مجھ کو فرصت بہت ہی کم تھی"۔

آپ کے ذریعہ ایک حافظ قرآن عیسائی ہونے سے بچ گیا

"جب میں قادیان سے یہ حکم لیکر اپنے وطن پہنچا تو وہاں میرا ایک ہم مکتب حافظ قرآن مجید

---

[۱] الحکم ۲۲ اپریل ۱۹۰۸ء صفحہ ۳۔

کا پیش امام تھا۔ وہ میرے سامنے تقدیر کا مسئلہ لے بیٹھا اور اس نے اس مسئلہ کے پیش کرنے میں بڑی شوخی سے گفتگو کی۔ میں حیران اس کے منہ کو دیکھتا رہا کہ فر فر بولتا تھا۔ حالانکہ مسجد کے مُلا میں اس قدر شوخی نہیں ہوتی جب لوگ چلے گئے تو میں نے اس کو اپنے پاس بلا کر کہا کہ حافظ صاحب! مجھ کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ عیسائی ہو گئے ہیں۔ اس نے کہا عیسائی ہو گئے ہیں تو ہرج ہی کیا ہے؟ میں نے کہا اپنے گرو سے ذرا مجھ کو بھی ملاؤ چنانچہ وہ مجھ کو پنڈ دادنخاں لے گیا۔ دریا سے اترے تو ایک گاؤں کے نمبردار نے کہا تمہاری دعوت ہے میں نے کہا شہر سے واپس آ کر دعوت کھائیں گے۔ چنانچہ میں اور حافظ صاحب دونوں ایک انگریز کی کوٹھی میں جا دھمکے۔ حافظ صاحب تو پہلے سے واقف ہی تھے۔ پادری صاحب ملاقات کے کمرے میں تشریف لائے۔ میں نے کہا۔ پادری صاحب! میرے آنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ ہمارے ہم مکتب آپ کے مُرید ہو گئے ہیں آپ ہم کو بھی کچھ سنائیں۔ مطلب میرا یہ تھا کہ ان کے مذہب کا پتہ لگے۔ اگر وہ اس وقت اعتراض پیش کرتا تو کوئی ایک دو ہی اعتراض کرتا کیونکہ میں نے پادری صاحب سے یہ بھی کہدیا تھا کہ لمبی بحث نہ کریں۔ اپنے مذہب کا خلاصہ، ہمارے مذہب کا خلاصہ اور صرف ایک اعتراض بطور خلاصہ پیش کریں مگر پادری صاحب کچھ ایسے مرعوب ہوئے کہ میری بات کو ٹال کر ہمارے لئے چائے بسکٹ کا اہتمام کرنے لگے۔ میں نے کہا کہ میں اس شہر میں چار برس ہیڈ ماسٹر رہ چکا ہوں اور یہاں میری کافی واقفیت ہے۔ ہم کو چائے وغیرہ کی ضرورت نہیں۔ آپ ہم سے گفتگو کریں۔ میں نے حافظ صاحب سے بھی کہا کہ تم اس کو اکساؤ چنانچہ حافظ صاحب اس کو علیحدہ لے گئے اور بہت دیر تک باتیں کر کے واپس آئے اور کہا کہ میں نے بہت زور لگایا مگر یہ آگے چلتا ہی نہیں۔ یہ کہتا ہے کہ میں ان سے زبانی گفتگو نہ کروں گا۔ ہاں بعد میں اعتراضات لکھ کر بھجوا دوں گا۔ میں نے حافظ صاحب سے کہا کہ جب تک ان کے اعتراضات ہمارے پاس پہنچیں اور ہماری طرف سے جواب نہ ہو لے اس وقت تک آپ بپتسمہ نہ لیں۔ حافظ صاحب نے کہا ہاں یہ تو ضرور ہو گا۔ میں نے پادری صاحب سے بھی کہدیا کہ یہ ایسا کہتے ہیں۔ انہوں نے کہا ہاں یہ مناسب ہے۔ پھر میں نے حافظ صاحب سے کہا کہ بتاؤ اور کون

ہے جو مثل تمہارے ہو؟ حافظ صاحب نے کہا کہ ایک اسٹیشن ماسٹر ہے چنانچہ ہم اسٹیشن پر آئے۔ اسٹیشن ماسٹر صاحب نے تو بڑی ہی دلیری سے کہا۔ مذہب عیسائی کا مقابلہ تو کسی مذہب سے ہو ہی نہیں سکتا۔ میں نے حافظ صاحب سے کہا کہ یہ تو پھنس گئے۔ جب اسٹیشن ماسٹر صاحب نے حافظ صاحب سے سنا کہ پادری صاحب خاموش ہو گئے تو وہ حیران ہو گیا۔ آخر اس پادری نے ایک بڑا طومار اعتراضوں کا لکھ کر بھیجا۔ میں نے حافظ صاحب سے کہا کہ بتاؤ یہ کوئی ایک دن کا کام ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ میں نے کہا تم ہی مدت مقرر کرو۔ حافظ صاحب نے کہا کہ ایک برس تک کتاب چھپکر ہمارے پاس پہنچ جائے"

کتاب کی تیاری کا سامان

"میں جموں آیا۔ اس زمانہ میں زلزلے بہت آئے تھے۔ راجہ پونچھ کا بیٹا زلزلوں کے سبب پاگل ہو گیا تھا۔ اس نے جموں کے راجہ کو لکھا کہ ہم کو ایک اعلیٰ درجہ کے طبیب کی ضرورت ہے۔ چنانچہ میں وہاں گیا۔ مجھ کو شہر سے باہر ایک تنہا مکان دیا گیا۔ بس ایک مریض کا دیکھنا اور تمام دن تنہائی۔ میں وہاں بائیبل اور قرآن شریف پڑھنے لگا۔ ان تمام اعتراضوں کو پیش نظر رکھ کر بائیبل پر نشان کرتا رہا۔ پھر اس کے بعد قرآن شریف پڑھا اور نشان کرتا رہا۔ اس کے بعد کتاب لکھنی شروع کی اور چار جلد کی ایک کتاب (فصل الخطاب) لکھی۔ ادھر کتاب تیار ہوئی ادھر راجہ کا لڑکا اچھا ہو گیا۔ اب روپیہ کی فکر تھی کہ کتاب چھپے۔ راجہ پونچھ نے کئی ہزار روپیہ دیا۔ جب جموں آیا تو راجہ صاحب جموں نے پوچھا کیا دیا۔ میں نے وہ تمام روپیہ آگے رکھ دیا۔ وہ بہت ناراض ہوئے کہ بہت تھوڑا روپیہ دیا۔ چنانچہ اسی وقت حکم دیا کہ ان کو سال بھر کی تنخواہ اور انعام ہماری سرکار سے ملے۔ میں نے وہ روپیہ اور دو جلدیں دلی بھیجدیں۔ وہاں سے چھپ کر آئیں تو حافظ صاحب اور مثل اُن کے دوسرے لوگوں کو بھیجدیں۔ انہوں نے جواب میں لکھا کہ ہم سچے دل سے اب مسلمان ہو گئے۔ باقی کی ضرورت نہیں۔" [1]

راجہ پونچھ پر خدمت گاروں کا قبضہ

اب چونکہ آپ کو ریاست میں کام کرتے ہوئے کئی سال گذر چکے تھے اور مہاراجہ جموں و کشمیر اور مہاراجہ پونچھ کے ساتھ آپ کے

[1] مرقاۃ صفحہ ۱۴۸ تا ۱۵۰۔

تعلقات نہایت گہرے ہو چکے تھے اور آپ کو اس امر کی خوب واقفیت ہو چکی تھی کہ راجوں مہاراجوں کے خدمتگار کس طرح انہیں اپنے قابو میں رکھتے ہیں۔ آپ نے اس قسم کا ایک واقعہ جو ناظرین کے لئے دلچسپ بھی ہے اور سبق آموز بھی بیان فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ راجہ پونچھ جموں میں تشریف لائے ہوئے تھے، بیمار ہو گئے آپ نے ان کا علاج کیا۔ جب آپ واپس تشریف لیجانے لگے تو ایک شخص نے آکر کہا کہ فلاں خدمتگار آپ کو بلاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میرا مکان اس کے مکان کے راستہ میں پڑتا ہے۔ اسے کہدو کہ گھر جاتا ہوا راستہ میں مجھ سے دوا لیتا جائے۔ جب اسے یہ پیغام پہنچا تو اس نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے نورالدین تو بہت متکبر ہو گیا ہے اب ہم اسے اپنے راجہ کے پاس نہ آنے دیں گے۔ چنانچہ کئی ماہ گذر گئے راجہ کی طرف سے آپ کو بلانے کیلئے کوئی آدمی نہ آیا۔ ایک دن آپ اپنے مکان کے دروازے پر کھڑے تھے کہ دیکھا کہ وہی خدمتگار کسی اور طبیب کو ہمراہ لئے جارہا ہے۔ آپ کے ایک پڑوسی نے آپ کی طرف متوجہ ہو کر ہنستے ہوئے کہا کہ آج اس کی محنت ٹھکانے لگی۔ یہ آپ کو بتانا چاہتا تھا کہ آپ کی ضرورت نہیں ہم نے اور طبیب رکھ لیا ہے۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد مہاراجہ جموں کو لاہور آنا پڑا۔ راجہ پونچھ بھی ہمراہ تھے۔ لاہور پہنچکر ان کی طبیعت سخت مضمحل ہو گئی۔ دوسرا طبیب ساتھ تھا نہیں۔ مجبوراً آپ ہی کو بلانا پڑا جب آپ بلائے گئے تو سخت دوپہر کا وقت تھا۔ تنہائی کا وقت پاکر آپ سے فرمایا۔ سرکار نے (یعنی ہم نے) اس سال کا مقررہ روپیہ آپ کو نہیں دیا۔ اس لئے ہم دو سال کا روپیہ آپ کو بھیجدیں گے۔ آپ نے پوچھا کہ شاید دوپہر کیوقت آپ نے مجھے اس لئے بلایا ہے کہ کہیں وہ خدمتگار مجھے آپ کے پاس آتے دیکھ نہ لے جس نے مجھے اس کے گھر نہ جانے پر کہا تھا کہ اب ہم آپ کو نہیں بلائیں گے اگر آپ اس سے اتنے ہی مرعوب ہیں تو اس بات کا بھی ڈر ہے کہ میرے علاج کرنے پر وہ آپ کو کوئی ضرر نہ پہنچائے۔ راجہ صاحب نے فرمایا۔

"ہم تو ان لوگوں سے ڈرتے ہی رہتے ہیں کیونکہ یہ کمینے زہر بھی دیدیتے ہیں۔" [1]

راجہ صاحب دن بدن کمزور ہوتے گئے حتیٰ کہ واپس ریاست میں پہنچکر ان کا انتقال ہو گیا۔ مگر اس خدمتگار کا عروج ابھی مصلحتاً باقی تھا۔ آپ کو کسی نے کہا کہ آپ کے خلاف ایک مقدمہ ہونیوالا ہے۔ ولیعہد کا منشا ہے کہ آپ پر یہ مقدمہ بنایا جائے کہ آپ کے علاج کی کسی غلطی کیوجہ سے ان کے والد کا انتقال ہو گیا ہے اور اس علاج میں زہر بھی ہے آپ فرماتے ہیں کہ یہ بات سُنکر

"مجھے بہت ہی ہنسی آئی کہ اہل دنیا کے تعلق کیے اور ان کی خدمتیں کیا اور ان کے معاملات کیا۔" [2]

۱؎ مرقاۃ صفحہ ۱۵۱ ۔ ۲؎ ایضاً ۔

مگر بات چونکہ زیادہ پھیل گئی تھی اس لئے مقدمہ کرنے سے وہ لوگ ڈر گئے۔

ایک دوسرا واقعہ

اسی ولیعہد سے متعلق آپ نے ایک اور واقعہ یہ بیان فرمایا ہے کہ جن دنوں آپ اس کا علاج کر رہے تھے، آپ نے اسے فرمایا کہ آپ لوگوں کی عرضیاں سُنا کریں چنانچہ ایک روز جبکہ وہ عرضیاں سُن رہا تھا ایک بار عجب مصاحب نے اس کے چہرے کی طرف غور سے دیکھا اور وہ عرضی جو اس کے ہاتھ میں تھی، پکڑ کر فحش گالی کے ساتھ زور سے زمین پر پھینک دی اور لگا اس کی نبض دیکھنے نبض دیکھ کر لوگوں کو مخاطب کر کے بولا کہ تم لوگ بڑے شریر ہو، سرکار کی طبیعت مضمحل ہو رہی ہے اور تم عرضی پر عرضی پیش کر رہے ہو۔ خبردار! آئندہ عرضیاں پیش نہ کیا کرو۔ اس سے حضور کو تکلیف ہوتی ہے۔ پھر کیوڑہ اور بید مشک منگوا کر استعمال کیا۔ اس پر لوگوں نے کہا اب ذرا طبیعت سنبھل گئی ہے۔ ادھر آپ کے پاس ایک سوار دوڑایا جس نے جا کر یہ خبر دی کہ سرکار کی حالت بہت خراب ہو گئی ہے، جلد پہنچئے۔ جب آپ پہنچے تو ولیعہد صاحب سیڑھیوں سے نیچے اُتر رہے تھے۔ آپ کو دیکھتے ہی فرمایا کہ مولوی صاحب! آپ تو دُور رہتے ہیں کہیں قریب آجائیں تو اچھا ہے۔ یہ سارے لوگ کہہ رہے تھے کہ میری حالت بہت ہی خراب ہو گئی تھی اور جب کیوڑہ اور بید مشک پیا تو اب کہتے ہیں کہ ذرا طبیعت ٹھیک ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اب آپ کا کیا ارادہ ہے؟ اس نے کہا۔ شکار کے لئے جا رہا ہوں۔ فرمایا۔ میں بھی چلتا ہوں۔ جنگل میں ایک جگہ موقعہ پا کر آپ نے دریافت کیا کہ آپ کو خود بھی کچھ معلوم ہوا تھا کہ طبیعت خراب ہے۔ کہا کہ مجھ کو تو کچھ معلوم نہیں ہوا۔ مگر لوگ کہتے تھے کہ تمہاری طبیعت خراب ہو گئی ہے۔ تب آپ نے اُسے بتایا کہ یہ تو مُلّا جی کے شاگردوں والا معاملہ معلوم ہوتا ہے۔ جب واپس پہنچے۔ تو ولیعہد کا بڑا چہیتا اور معتمد شخص جسے وہ وزیر کے لفظ سے پکارا کرتا تھا، آپ کے پاس آیا اور کہا کہ آپ یہاں علاج کرنے آئے ہیں یا ہمارے ولیعہد کو حکومت سکھانے آئے ہیں؟ آپ صرف اپنا کام کیا کریں ورنہ آپ کو تکلیف ہوگی۔ یہ لوگ اگر ایسے ہو جائیں جیسا آپ چاہتے ہیں تو ہم لوگ روٹی کہاں سے کھائیں۔

مہاراجہ کشمیر کی آپ سے ڈرنے کی وجہ

آپ فرماتے ہیں کہ مہاراجہ کشمیر مجھ سے بہت ہی مدارات سے پیش آیا کرتے تھے۔ ایک دن تنہائی میں مجھ سے کہا کہ آپ جانتے ہیں ہم آپ سے کیوں ڈرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ کہنے لگے۔ سلطان محمود غزنوی کوئی ذلیل آدمی نہ تھا۔ شاہی خاندان کا ایک معزز شہزادہ تھا۔ مگر مُلّا فردوسی نے دو شعر کہہ کر اُسے ایک خطرناک ٹیکہ لگایا ہے اور وہ شعر یہ ہیں:-

۵ اگر مادر شاہ بانو بُدے ؎ مرا سیم و زر تا بزانو بُدے
اگر شاہ را شاہ بُودے پدر ؎ بسر بر نہادے مرا تاج زر

آپ بھی چونکہ مصنف ہیں۔ اس لئے میں آپ سے بہت ڈرتا ہوں اور اسی وجہ سے آپکا زیادہ خیال رکھتا ہوں۔

حضرت مولانا کے ایک بچہ کی بیماری پر حضرت اقدس کا خط۔ ۲۰ اگست ۱۸۸۵ء

اُوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ حضرت مولوی صاحبؓ نے حضرت اقدس کے ساتھ پہلی ملاقات کے بعد ہی خط و کتابت شروع کر دی تھی۔ کوئی کام بھی حضور کے مشورہ اور اجازت کے بغیر آپ نہیں کیا کرتے تھے۔ اس زمانہ میں عموماً آپ کی نرینہ اولاد فوت ہو جایا کرتی تھی۔ اس لئے جب بھی کوئی بچہ بیمار ہوتا یا فوت ہو جاتا تو آپ فوراً حضرت اقدس کی خدمت میں دعا کے لئے لکھتے۔ آپ کے اسی قسم کے ایک خط کے جواب میں حضرت اقدس کا ایک خط ملا ہے جو انسان کی رُوحانی تربیت کے لئے نہایت سبق آموز اور مفید ہے۔ حضور فرماتے ہیں:۔

"از عاجز عایذ باللہ الصمد غلام احمد بخدمت اخویم و مخدوم حکیم نور الدین صاحب سلمہ ربہ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

عنایت نامہ پہنچا۔ حال صدمہ وفات دلخت جگر آں مخدوم و علالت طبیعت پسر سوم سُنکر موجب حزن و اندوہ ہوا۔ اللہ جلشانہ آپ کو صدمہ گذشتہ کی نسبت صبر عطا فرماوے اور آپ کے قرۃ العین فرزند سوم کو جلد تر شفا بخشے۔ انشاء اللہ القدیر یہ عاجز آپ کے فرزند کے لئے دعائے شفا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ مجھ کو اپنے فضل و کرم سے ایسی دعا کی توفیق بخشے جو اپنے جمیع شرائط کے جامع ہو۔ یہ امر کسی انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔ صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کے مرضات حاصل کرنے کے لئے اگر آپ خفیہ طور سے اپنے فرزند دلبند کی شفا حاصل ہونے پر اپنے دل میں کچھ نذر مقرر کر لیں تو عجب نہیں کہ وہ نکتہ نواز جو خود اپنی ذات میں کریم و رحیم ہے آپ کی اس صدق دلی کو قبول فرما کر وطا خرم سے آپکو خلصی عطا فرماوے۔ وہ اپنے مخلص بندوں پر ان کے ماں باپ سے بہت زیادہ رحم کرتا ہے۔ اس کو نذروں کی کچھ حاجت نہیں مگر بعض اوقات اخلاص آدمی کا ایسی راہ سے محقق ہوتا ہے۔ استغفار اور تضرع اور توبہ بہت ہی عمدہ چیز ہے۔ اور بغیر اس کے سب نذریں ہیچ اور

بیسود ہیں۔ اپنے مولا پر قوی امید رکھے اور اس کی ذات بابرکت کو سب سے زیادہ پیارا بنائے کہ وہ اپنے قوی الیقین بندوں کو ضائع نہیں کرتا اور اپنے سچے رجوع دلانے والوں کو ورطۂ غموم میں نہیں چھوڑتا۔ رات کے آخری پہر میں اُٹھو اور وضو کرو اور چند دوگانہ اخلاص سے بجالاؤ اور دردمندی اور عاجزی سے یہ دعا کرو کہ

"اے میرے محسن اور میرے خدا میں تیرا ایک ناکارہ بندہ پُر معصیت اور پُر غفلت ہوں۔ تو نے مجھ سے ظلم پر ظلم دیکھا اور انعام پر انعام کیا۔ اور گنہ پر گنہ دیکھا اور احسان پر احسان کیا۔ تو نے ہمیشہ میری پردہ پوشی کی اور اپنی بیشمار نعمتوں سے مجھے متمتع کیا۔ سو اب بھی مجھ نالائق اور پُر گناہ پر رحم کر اور میری بیباکی اور ناسپاسی کو معاف فرما اور مجھ کو میرے اس غم سے نجات بخش کہ بجز تیرے اور کوئی چارہ گر نہیں۔ آمین ثم آمین۔"

مگر مناسب ہے کہ بروقت اس دعا کے فی الحقیقت دلی کامل جوش سے اپنے گناہ کا اقرار اور اپنے مولیٰ کے انعام و اکرام کا اعتراف کرے کیونکہ صرف زبان سے پڑھنا کچھ چیز نہیں جوش دلی چاہیئے اور رقت اور گریہ بھی۔ یہ دعا معمولات اس عاجز کے مطابق ہے۔ والسلام

خاکسار غلام احمد عفی عنہ

۱۰ اگست ۱۸۸۵ء

نوٹ۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے اس گرامی نامہ کی پشت پر یہ الفاظ درج کئے ہیں:۔

"یہ لڑکا اس وقت اس مرض سے بچ گیا تھا۔ پھر دوبارہ سعال و ام الصبیان میں انتقال کر گیا۔ انی لفراقہ لمحزون و ادعوا اللہ بدلہ۔ نورالدین"

حروف مقطعات کا حل

آپ نے دوران قیام ریاست میں ایک خواب دیکھا کہ آپ کے ایک پیر بھائی (یعنی حضرت شاہ عبدالغنی صاحب کے مرید) مولوی عبدالقدوس صاحب جو آپ کے مکان پر ترمذی شریف کا سبق پڑھنے آتے تھے۔ ان کی گود میں کئی چھوٹے چھوٹے بچے ہیں جنہیں آپ نے جھپٹا مار کر چھین لیا ہے اور اپنی گود میں لے کر وہاں سے چل پڑے ہیں۔ رستے میں آپ نے

ان بچوں سے پوچھا کہ تم کون ہو۔ تو انہوں نے بتایا کہ ہمارا نام کھٰیٰعص ہے۔

اس خواب کی تعبیر آپ کی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ جب آپ نے حضرت مسیح موعودؑ کی بیعت کی۔ تو حضورؑ سے اس خواب کی تعبیر پوچھی۔ حضور نے فرمایا۔ آپ کو اس کا علم دیا جائے گا اور یہ کہ ان بچوں سے مراد فرشتے تھے۔ اس رؤیا کے ایک مدت بعد یعنی ۱۹۰۳ء میں جب دھرمپال نے اسلام کے خلاف "ترک اسلام" نام ایک کتاب لکھی۔ تو اس سے بہت پہلے آپ کو خواب میں بتایا گیا تھا کہ اگر کوئی منکر قرآن آپ سے کسی ایسی آیت کا مطلب پوچھے جس سے آپ ناواقف ہوں تو اس کا علم تمہیں ہم دیں گے چنانچہ "ترک اسلام" کا جواب لکھتے ہوئے جب حروف مقطعات کی بحث کا موقعہ آیا تو ایک روز مغرب کی نماز میں دو سجدوں کے درمیان آپ نے صرف اتنا ہی خیال کیا کہ مولا! یہ منکر قرآن حروف مقطعات پر سوال کرتا ہے تُو ہی اُن کا علم مجھے عطا فرما چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ

> "اسی وقت یعنی دو سجدوں کے درمیان قلیل عرصہ میں مجھ کو مقطعات کا وسیع علم دیا گیا جس کا ایک شمّہ میں نے رسالہ نورالدین میں مقطعات کے جواب میں لکھا ہے۔ اور اس کو لکھ کر میں خود بھی حیران ہو گیا۔" [1]

ناظرین اوپر عیسائیوں کے اعتراضات کے جوابات میں آپ کی کتاب "فصل الخطاب" کا ذکر پڑھ چکے ہیں۔ اس کتاب کے لکھنے کی وجہ سے آپ کو عیسائیوں کے عقائد اور ان کے اسلام پر اعتراضات سے خوب واقفیت پیدا ہو چکی تھی۔ اب اس کتاب یعنی "نورالدین" کے لکھنے کی وجہ سے آپ کو اس مُلک کی دوسری بڑی قوم یعنی آریوں کے مذہب اور ان کے اسلام پر اعتراضات کا بھی پورا پورا علم حاصل ہو گیا۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک۔

موقعہ کی مناسبت کے لحاظ سے ہمیں یہاں کتاب "نورالدین" کا ذکر کرنا پڑا ہے ورنہ اس کا اصل موقعہ ۱۹۰۳ء کے حالات میں آئے گا۔

احادیث پر عمل کرنا ہی حدیثوں کے یاد کرنے کا حقیقی ذریعہ ہے

ایسا ہی جموں میں ایک اور خواب آپ نے دیکھا کہ بُھلا کا کے محلہ میں ٹھٹیروں کی دکان کے پاس جو مندر ہے۔ اس مندر کے سامنے ایک پرچون کی دوکان ہے جہاں حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم

[1] مرقاۃ صفحہ ۱۵۵۔

تشریف فرماہیں۔آپ کو وہاں سے گذرتے دیکھ کر حضور نے فرمایا کہ تم آٹا ہمارے یہاں سے لیجاؤ۔ یہ فرما کر حضور نے ایک لکڑی کے ترازو میں آٹا تولا جو بظاہر ایک آدمی کی خوراک کے برابر تھا۔جب حضور آپ کے دامن میں آٹا ڈال چکے تو کفۂ ترازو کو زور سے ڈنڈی سے مارا تاکہ سب آٹا آپ کے دامن پر گر جائے جب آپ آٹا اپنے دامن میں لے چکے تو آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ حضرت! کیا حضور نے حضرت ابوہریرہؓ کو کوئی ایسی بات بتائی تھی جس سے وہ آپ کی حدیثیں یاد رکھتے تھے۔فرمایا۔ ہاں۔آپ نے عرض کی کہ وہ بات مجھے بھی بتا دیجئے تاکہ میں بھی حضور کی حدیثیں یاد کرلوں۔ فرمایا۔ اپنا کان میری طرف کرو۔ جب آپ نے کان نزدیک کیا تو حضور کچھ فرمانا چاہتے ہی تھے کہ خلیفہ نورالدینؓ نے آپ کے پاؤں کو زور سے دبایا اور کہا کہ نماز کا وقت ہے۔ نورالدین کے نماز کے لئے اُٹھانے سے آپ نے اس خواب کی یہ تعبیر کی کہ احادیث پر عمل کرنا ہی حدیثوں کے یاد کرنے کا ذریعہ ہے کیونکہ اُٹھانیوالا بھی خواب کا فرشتہ ہی ہوتا ہے۔[1]

خاص خدمتگاروں کو قرآن سُنانے کا واقعہ

جموں میں آپ کو مہاراجہ کے خاص خدمتگاروں کو قرآن کریم سُنانے کا بھی موقعہ ملا۔ بعض اُن میں سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ انہوں نے برملا طور پر اس امر کا اظہار کیا کہ قرآن شریف بڑی دلربا کتاب ہے اور حضرت مولوی صاحبؓ کے سُنانے کا انداز بھی بڑا ہی دلچسپ اور اثر انگیز ہے۔

گورنر کے بعض اعتراضات کے جوابات اور اُس کا تعصب دُور کرنے کی کوشش

ریاست کے اُمراء اور وزرا میں اسلام سے متعلق جو غلط فہمیاں پائی جاتی تھیں آپ نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کو بھی بہت حد تک دور کیا چنانچہ ایک مرتبہ وہاں کے گورنر پنڈت رادھا کشن صاحب نے راجہ امرسنگھ کے مکان پر آپ سے کہا کہ مولویصاحب! پنڈت لیکھرام نے اسلام پر جو اعتراضات کئے ہیں ان میں سے بعض تو بالکل لاجواب ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ پنڈت صاحب کا سب سے وزنی اعتراض پیش کیجئے تو انہوں نے کہا کہ اسکندریہ کا کتب خانہ حضرت عمرؓ کے حکم سے جلایا گیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ دنیا میں اسلام کی چند ابتدائی صدیوں کی جس تاریخ کو آپ سب سے اچھا اور قابل اعتماد سمجھتے ہیں اس کا نام لیجئے تا اس سے اس واقعہ کی اصلیت معلوم کی جائے گورنر صاحب نے

(DECLINE AND FALL OF THE ROMAN EMPIRE by GIBBON)

تاریخ گبن ڈیکلائن اینڈ فال آف دی رومن ایمپائر یعنی تاریخ زوال سلطنت روما کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا مجھے

---

[1] مرقاۃ صفحہ ۱۵۴-۱۵۵۔

منظوم ہے چنانچہ دیوان امرناتھ صاحب کے کتبخانہ سے وہ کتاب منگوائی گئی۔ اس کتاب کے مصنف کا کتبخانہ اسکندریہ کے متعلق جو خیال تھا جب گورنر صاحب کے سامنے پیش کیا گیا تو چونکہ اس پر کوئی اعتراض نہیں پڑتا تھا اس لئے گورنر صاحب نے کھسیانے ہو کر کہا کہ چونکہ ہم کو ابتدا سے تعلیم ہی ایسی دی جاتی ہے جس کیوجہ سے اسلام سے نفرت پیدا ہو اس لئے اسلام پر جو بھی اعتراض کیا جائے وہ ہمیں عظیم الشان ہی معلوم ہوتا ہے۔ اس پر آپ نے راجہ صاحب سے کہا کہ آپ کی مسلمان رعایا پنڈت صاحب سے کیا فائدہ اُٹھا سکتی ہے جبکہ یہ اسلام کے ایسے خیر خواہ ہیں! پنڈت صاحب (یعنی گورنر صاحب) نے کہا میں ہندو نہیں بلکہ بدھ مت کا پیرو ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر آپ کے محکمہ میں بھرتی ہونے کے لئے دو امیدوار آئیں۔ ایک کا نام فتح محمد ہو اور دوسرے کا فتح چند اور فتح محمد لیاقت میں بھی فتح چند سے بہتر ہو تو آپ کس امیدوار کو جگہ دیں گے؟ کہنے لگا، فتح چند کو۔ آپ نے فرمایا، کیوں؟ کہنے لگا۔ مجھ پر میرے باپ کی تعلیم کا اثر ہے۔ اس پر آپ نے راجہ صاحب سے کہا کہ آپ توجہ فرمائیں کہ کیا حال آپ کی مسلمان رعایا کا ہو سکتا ہے۔[1]

پنڈت ہرنامداس سے ہندی طب پڑھنا

ایک مرتبہ راجہ پونچھ قلعہ باہو میں بیمار ہو گئے اور آپ کو اُن کے علاج کے لئے تشریف لیجانا پڑا۔ وہاں سبوس اسبغول الجبار اور شیرہ بکن کے مفید عام ہونے کی وجہ سے آپ کو ہندی طب پڑھنے کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ آپ نے ایک بوڑھے پنڈت ہرنام داس سے اترت ساگر اور سُسرت سبقاً سبقاً پڑھا۔ چونکہ آپ پنڈت صاحب کو اپنا اُستاد سمجھنے کیوجہ سے ان کی بہت ہی عزت کرتے تھے اور یہ بات مہاراجہ جموں کو ناگوار تھی کیونکہ پنڈت صاحب، مہاراجہ کے ایک ادنیٰ ملازم تھے۔ اس لئے انہوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ دربار میں پنڈت ہرنامداس کی تواضع کیوں زیادہ کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ وہ میرے استاد ہیں۔ آپ کے اس دلیرانہ جواب نے مہاراج کے دل پر بڑا ہی اثر کیا اور وہ آپ کو پہلے سے بھی زیادہ عظمت کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔[2]

بعض مخلصین کا ذکر

ریاست جموں میں جن لوگوں میں آپ نے محبت وسلوک کا پاک نمونہ پایا ان میں شیخ فتح محمد اور ان کا تمام کنبہ، شیخ امام الدین، شیخ علی محمد تاجر وزیرآباد مقیم جموں،[1] راجہ عطا محمد خاں رئیس یاڑی پورہ، راجہ فیروزالدین، راجہ قطب الدین، میاں لعل دین اور ان کے بیٹے فیروزالدین کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مندرجہ بالا اصحاب میں سے ایک شخص کو آپ نے قوت باہ کا

---

[1] مرقاۃ صفحہ ۱۵۶-۱۵۷۔ [2] مرقاۃ صفحہ ۱۵۷۔

نسخہ زدجام عشق بنا کر دیا جس کے استعمال سے اسے اس قدر فائدہ ہوا کہ اس نے آپ کی اور آپ کی زوجہ محترمہ کی دعوت کی اور اس کی بیگم صاحبہ نے بڑی محبت سے آپ کی اہلیہ محترمہ کے ہاتھوں میں سونے کے موٹے موٹے کنگن ڈالے۔ اور خود اس نے آپ کی خدمت میں قیمتی گھوڑے باصرار پیش کئے۔[1]

میاں لعل دین کے بیٹے کی وفات

میاں لعل دین صاحب کا ایک بیٹا فیوز الدین نام تھا۔ وہ آپ سے دلی تعلق اور اخلاص اور گہری محبت رکھتا تھا۔ وہ عالم شباب میں چیچک میں مبتلا ہوا۔ آپ نے اس کے علاج میں پوری کوشش کی لیکن کوئی علاج کارگر نہ ہوا۔ اور وہ لڑکا فوت ہوگیا۔ فانا للہ و انا الیہ راجعون۔

بھیرہ کا ایک سبق آموز واقعہ

ایسا ہی ایک اور واقعہ آپ نے بھیرہ کا بیان فرمایا ہے جبکہ آپ جموں سے کسی کام کے لئے بھیرہ تشریف لائے۔ آپ فرماتے ہیں۔

”میری ایک بہن تھیں۔ ان کا ایک لڑکا تھا۔ وہ پیچش کے مرض میں مبتلا ہوا۔ اور مر گیا۔ اس کے چند روز بعد میں آیا۔ میرے ہاتھ سے انہوں نے کسی پیچش کے مریض کو اچھا ہوتے ہوئے دیکھا تو مجھ سے فرمانے لگیں۔ بھائی اگر تم آجاتے تو میرا لڑکا بچ جاتا۔ میں نے ان سے کہا کہ تمہارے ایک لڑکا ہوگا اور میرے سامنے پیچش کے مرض میں مبتلا ہو کر مریگا چنانچہ وہ حاملہ ہوئیں اور بڑا خوبصورت لڑکا پیدا ہوا۔ پھر جب وہ پیچش کے مرض میں مبتلا ہوا۔ ان کو میری بات یاد تھی۔ مجھ سے کہنے لگیں کہ اچھا دعا ہی کرو۔ میں نے کہا خدا تعالیٰ آپ کو اس کے عوض میں ایک اور لڑکا دے گا لیکن اس کو تو اب جانے دو۔ چنانچہ وہ لڑکا فوت ہوگیا اور اس کے بعد ایک اور لڑکا پیدا ہوا جو زندہ رہا۔ اب تک برسر روزگار ہے۔ یہ الٰہی غیرت تھی“[2]

ایک عملیات کے مدعی کا حال

ایک عملیات کا مدعی جو اس بات کا دعویٰ کرتا تھا کہ اسے ایسا عمل یاد ہے جس کی وجہ سے ایک آدمی پانچ روپے روزانہ بڑی آسانی سے کما سکتا ہے۔ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ ظاہر کیا کہ وہ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب کا مرید ہے۔ آپ نے حضرت شاہ صاحب کے نام کی وجہ سے اس کی عزت کی مگر بعد میں پتہ چلا کہ وہ محض ٹھگ ہے۔ حضرت شاہ صاحب موصوف سے اس کا کوئی تعلق شاگردی نہیں۔ اس کے بعد اس نے آپ کی

---

[1] مرقاۃ صفحہ ۱۵۸۔ [2] مرقاۃ صفحہ ۱۷۷-۱۷۸۔

خدمت میں درخواست کی کہ آپ ساٹھ روپے ماہوار کی ملازمت کے لئے اس کی سفارش کر دیں بلکہ بعد میں پندرہ روپے ماہوار تک کی ملازمت کے لئے کوشش کی۔ مگر آپ نے نہ تو اسے یہ یاد دلایا کہ تمہیں ملازمت کی کیا ضرورت ہے۔ تمہیں تو ایسا عمل یاد ہے جس کی وجہ سے تم پانچ روپے روزانہ کما سکتے ہو اور نہ ہی یہ فرمایا کہ تم نے حضرت شاہ عبد الغنی صاحب سے تعلق شاگردی جتا کر آپ کو کیوں دھوکا دیا بلکہ درگذر سے ہی کام لیا اور اس قسم کی کاروائیوں کی وجہ سے اُسے کچھ ملامت نہ کی۔ [1]

ایک فقیر کی عجیب حرکات

ایک مرتبہ پونچھ کے بازاروں میں آپ نے ایک فقیر کو عجیب حرکات کرتے دیکھا۔ جب اس سے دریافت کیا تو اس نے کہا کہ میرے مرشد ایک فقیر نے مجھ سے تین باتوں کا وعدہ کیا تھا اور ایک عمل بتایا تھا جس کی وجہ سے وہ تینوں باتیں حاصل ہو سکتی تھیں۔ میں وہ عمل کر رہا ہوں لیکن مجھے حاصل کچھ نہیں ہوا۔ آپ نے فرمایا ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بتاؤ۔ اس نے کہا۔ فقیر نے بتایا تھا کہ جب تم آنکھیں بند کرو گے تو تم کو سب حقیقت کا پتہ لگ جائے گا۔ آپ نے فرمایا یہ تو میں تم کو ابھی بتائے دیتا ہوں۔ تم اپنی آنکھیں بند کرو چنانچہ جب اس نے آنکھیں بند کیں تو آپ نے کہا کیا تم کو کچھ نظر آتا ہے۔ کہنے لگا کچھ نظر نہیں آتا۔ آپ نے فرمایا حقیقت تو معلوم ہو گئی کہ اس عمل میں سوائے اندھیرے کے اور کچھ نہیں ہے۔ اس نے کہا۔ مجھ سے اس فقیر نے یہ بھی کہا تھا کہ اس عمل کی وجہ سے تم فوت شدہ لوگوں کی برائیوں اور بھلائیوں سے آگاہ ہو سکو گے۔ آپ اس وقت ایک ایسی جگہ تھے کہ سامنے شاہ عبد الغفور ایک بزرگ کی خانقاہ تھی اور اس کے قریب ہی ایک کنچنی کی قبر تھی۔ آپ نے اس بزرگ کی قبر کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ کس کی قبر ہے؟ اس نے کہا، یہ تو بڑے بزرگ ولی اللہ گذرے ہیں۔ پھر آپ نے دوسری قبر کی طرف اشارہ کر کے پوچھا کہ یہ کس کی قبر ہے؟ اس نے کہا یہ تو ایک بدکار کنچنی کی قبر ہے۔ آپ نے فرمایا۔ بس یہ بات تو تم کو حاصل ہے کہ بُرے اور بھلے وفات یافتہ اشخاص کا تمہیں علم ہے۔ آپ کی اس بات کو سُنکر وہ حیران سا رہ گیا۔ اور آپ کے ہاتھ چومنے لگا۔ اور آئندہ کے لئے اس عمل سے باز رہنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔ مگر کچھ عرصہ بعد آپ نے اسے پھر بازار میں ایسی حرکات کا مرتکب پایا۔ جس پر یہ خیال کیا کہ چالیس برس کی عادت کا یک لخت چھوڑنا مشکل ہے۔ [2]

---

[1] مرقاۃ صفحہ ۱۵۸-۱۵۹ [2] مرقاۃ صفحہ ۱۵۹-۱۶۰

ایک شیعہ طبیب کی شرافت

ولیعہد صاحب کے ایک خاص طبیب شیعہ تھے۔ انہوں نے ایک دن مطاعن صحابہ رضی اللہ عنہم کا ذکر کیا۔ آپ نے انہیں صرف اتنا کہا کہ عمر رضی اللہ عنہ نام ایک صحابی کی اولاد سے میں بھی ہوں۔ ہاں! اب اعتراض کریں۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"ان کی شرافت کا یہ عجیب حال تھا کہ جب تک ہم وہاں رہے انہوں نے مذہبی چھیڑ چھاڑ میرے سامنے کبھی نہیں کی صرف میں نے ولیعہد کی تحریک پر ایک خط لکھا تھا جو مطبوع موجود ہے مگر اس کا بھی انہوں نے جواب نہ دیا۔" [1]

مہمان نوازی کا ثمرہ

آپ فرماتے ہیں:۔

"ایک دفعہ میرے ہاں مہمان آگئے۔ میں نے بیوی سے پوچھا مگر جواب ملا کہ ہمارے ہاں تو کچھ نہیں۔ یہ جموں کا واقعہ ہے۔ روپے تو ہمیں بہت آتے تھے مگر بعض وقت ہمارے گھر میں کچھ بھی نہیں ہوتا تھا۔ کہیں سے میں نے پانچ روپے اُدھار لئے۔ میں بازار کے راستے سے گھر کو جانے لگا تو دیکھا کہ ایک دوکاندار اپنی دکان کو ماتھا ٹیکنے لگا ہوا ہے۔ اُس نے خوش ہو کر پانچ روپے میرے آگے رکھ دیئے۔ میں نے کہا کیوں دیتے ہو؟ اس نے کہا آپ بڑے آدمی ہیں آپ کے سویرے ہی درشن ہو گئے ہیں۔ آج ہمیں بہت کچھ ملے گا۔ اس واسطے خالی ہاتھ درشن نہیں کرتا۔" [2]

حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی رضی اللہ عنہ کا ذکرِ خیر

سلسلہ عالیہ احمدیہ کے مشہور عالم حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی رضی اللہ عنہ جو حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ کے ذریعہ ہی سلسلہ سے متعارف ہوئے تھے ابھی چھوٹی عمر کے ہی تھے کہ آپ سے ان کی ملاقات ہوئی۔ بس پھر آپ کی صحبت کا ان پر ایسا اثر ہوا کہ عمر بھر ساتھ نہ چھوڑا۔ ان کی قابلیت کا ذکر کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:۔

"مولوی عبدالکریم رضی اللہ عنہ چار زبانیں جانتے تھے۔ انگریزی، عربی، فارسی اور اردو۔ میں نے اس وقت تک اپنی جماعت میں کوئی شخص نہیں دیکھا جو ان کی طرح چار زبانیں اچھی طرح جانتا ہو۔" [3]

---

[1] مرقاۃ صفحہ ۱۶۰-۱۶۱۔ [2] کلام امیر صفحہ ۴۔ [3] مرقاۃ صفحہ ۲۲۳۔

* حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کا پہلا نام کریم بخش تھا۔ عبدالکریم نام حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے رکھا تھا۔

مولوی عبداللہ کی شکایت

دیوان اننت رام وزیر اعظم کے استاد مولوی عبداللہ صاحب نے مہاراجہ صاحب کے پاس آپ کی شکایت کرتے ہوئے کہا کہ یہ اس شخص کی اولاد ہے جس نے حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی گدی پر غاصبانہ قبضہ کیا۔ مہاراجہ صاحب نے آپ سے اس کی وجہ دریافت کی۔ آپ نے اسے مذہبی جھگڑا نہ سمجھ کر سرسری طور پر فرمایا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی اور بیٹی کی اولاد میں بھی کوئی بالغ لڑکا نہ تھا اور پھر آپ اسے دنیوی گدی بھی نہیں سمجھتے تھے۔ اس لئے دنیوی رسومات کے مطابق کوئی گدی نشین نہیں بنایا گیا۔ مہاراجہ نے کہا تو کیا حضرت علیؓ حضورؐ کے بیٹے نہیں تھے؟ اتفاق سے اس وقت مہاراجہ کے پاس اُن کے ایک داماد بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے اُن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ بس ایسا ہی دامادی تعلق تھا جیسا کہ اس راجہ کو آپ سے ہے۔ تب انہوں نے جھنجلا کر کہا کہ میں مباحثہ کی بنا کو سمجھ گیا ہوں۔ دیکھو! ہم لوگ داماد اور وزیر ایسے لوگوں کو نہیں بناتے جو سلطنت کا استحقاق رکھتے ہوں۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"پھر مجھے معلوم نہیں کہ مولوی عبداللہ صاحب کو انہوں نے کیا کہا" [1]

کتاب "طبقات الانوار" دیکھنے کا شوق اور اس کا فائدہ

آپ فرماتے ہیں:۔

"ایک دفعہ مجھے کتاب "طبقات الانوار" کے دیکھنے کا بڑا شوق ہوا جو حدیث "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" کی بحث پر ہے اور میر حامد حسین صاحب نے سات سو صفحات سے زیادہ پر لکھی ہے۔ ایک میر نواب نام لکھنو کے شیعہ وہاں طبیب تھے اور میں نے سُنا کہ یہ کتاب اُن کے پاس ہے۔ میں نے اُن سے طلب کی تو انہوں نے کہا کہ رات کے دس بجے آپ لیں اور صبح کے چار بجے واپس کر دیں تو میں دے سکتا ہوں۔ میں سمجھا کہ یہ میری دن بھر برابر کام کرنے کی عادت سے واقف ہیں۔ انہوں نے سوچا ہو گا کہ دن بھر کا تھکا ہوا رات کو سو جائے گا۔ کتاب کیا دیکھ سکے گا؟ بہرحال میں نے رات کے دس بجے وہ کتاب منگوائی اور محض خدا تعالیٰ کے فضل سے میں جب اس کے مطالعہ اور خلاصہ اور نقل سے فارغ ہو گیا تو میں نے اپنے ملازم کو آواز دی اور پوچھا کہ اب کیا بجا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ

---

[1] مرقاۃ صفحہ ۱۶۳

ابھی چار نہیں بجے۔ میں نے کہا کہ حکیم نواب صاحب کی یہ کتاب دے آؤ۔ اس خلاصہ کو میں نے ایک نظر پھر بھی دیکھ لیا۔ میں حیران تھا کہ اتنی بڑی محنت کیوں کی گئی ہے۔ اس خلاصہ کے مکرر دیکھنے میں مَیں نے اس کے کچھ جوابات بھی سوچ لئے تھے۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد ایک دن شیخ فتح محمد صاحب نے کہا کہ میری اور آپ کی آج الٰہی بخش نام ایک رئیس کے ہاں ضیافت ہے۔ میں اور شیخ صاحب دونوں اکھٹے ضیافت کو چلے تو راستے میں شیخ صاحب نے مجھ سے ذکر کیا کہ میاں الٰہی بخش ایک جوشیلے شیعہ ہیں۔ انہوں نے کوئی مجتہد بلوایا ہے جس کی آپ کے ساتھ بحث ہوگی اور شرط یہ ٹھہری ہے کہ ہم جس قدر سنّی وہاں دعوت میں ہوں گے اگر مباحثہ میں آپ ہار گئے تو ہم کو شیعہ ہونا پڑیگا۔ اور پہلے سے اس کا ذکر اس لئے آپ سے نہیں کیا کہ تیاری کر کے آتے تو مزا نہ آتا۔ میں نے شیخ صاحب کو بہت ملامت کی کہ ایسی شرطیں نہیں کیا کرتے۔ مگر انہوں نے میری باتیں ہنسی میں ہی اُڑا دیں۔ جب وہاں پہنچے تو شیخ فتح محمد صاحب نے جو بڑے ہی بے تکلف بھی تھے کہا کہ ارے او شیعو! لاؤ کہاں ہیں وہ تمہارے بحث کرنے والے مولوی۔ چنانچہ کتاب طبقات الانوار میرے سامنے پیش کی گئی۔ ابھی تک میں نے مجتہد صاحب کو بھی نہیں پہچانا تھا کیونکہ وہ اس وقت تک میرے سامنے نہیں ہوئے تھے۔ میں نے اپنے مولا کا بڑا ہی شکر ادا کیا کہ یہ وہی کتاب ہے جو میں دیکھ چکا ہوں۔ میں نے اس کتاب کے جلد جلد ورق الٹنے شروع کئے۔ چند منٹ میں اس کے سب ورقوں کو اُلٹ گیا۔ پھر میں نے وہ کتاب میاں الٰہی بخش کے سامنے رکھ دی اور عرض کیا کہ منشا کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ آپ اس کتاب کو بہت غور سے پڑھیں۔ میں اپنے مولا کی غریب پروری کی کوئی حد نہیں سمجھتا۔ اس وقت مجھ کو بڑی خوشی ہوئی۔ میں نے کہا کہ میں نے یہ کتاب پڑھ لی۔ اگر آپ کہیں تو میں اس کا خلاصہ سُنا دوں اور پھر اس کا جواب نہایت مختصر طور پر عرض کر دوں۔ وہاں بہت سے شیعہ مولوی موجود تھے سب نے کہا کہ آپ خلاصہ سنائیں۔ میں نے اللہ تعالیٰ کے محض فضل سے خلاصہ سُنایا جس کے سُننے کے بعد ان شیعوں نے علیحدہ جا کر سرگوشی کی کہ اس شخص سے مباحثہ کرنا ہمارا کام نہیں۔ الٰہی بخش نے اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ کھانا

لاؤ۔ بس پھر کیا تھا! ہمارے شیخ فتح محمد صاحب نے خوب اچھل اچھل کر کہا کہ ہم کھانا نہیں کھاتے۔ مباحثہ ہو جائے اور بلاؤ کہاں ہیں تمہارے مباحثہ کرنیوالے۔ میرے اس خلاصہ کے سُنانے سے یہ فائدہ ہوا کہ مباحثہ کے لئے کوئی سامنے نہ آیا اور اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے وہ مباحثہ ٹال دیا۔“ [۱]

عجیب تصرفات الٰہی ہیں۔ چونکہ چند روز بعد یہ واقعہ پیش آنیوالا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں اس امر کی شدید خواہش پیدا کر دی کہ کتاب "طبقات الانوار" کا مطالعہ کر لیا جائے اور پھر آپ نے باوجود سارا دن کام میں مصروف رہنے کے رات بھر اس کا مطالعہ کیا۔ اور نہ صرف اس کے مضامین کا خلاصہ نوٹ کر لیا بلکہ اس کے جوالات بھی سوچ لئے۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

ریاستوں میں چار نقائص

آپ نے ریاستی ملازمت میں طویل تجربہ کے بعد ریاستوں میں چار قسم کے نقائص بیان فرمائے ہیں۔

اوّل۔ رئیسوں کے خدمت گار جس قدر اجہل ہوں اسی قدر ان کا زیادہ رسوخ ہوتا ہے اور اس کیوجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ تھوڑے سے لالچ کی خاطر اپنے آقا کو زہر دینے تک سے گریز نہیں کرتے۔

دوم۔ وہ شرفا کو زیر و زبر کرتے رہتے ہیں۔ اس واسطے ارکان و عمائد میں رئیس کی نسبت بھی اور آپس میں بھی بدظنی بہت پھیل جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگ دل لگا کر کام نہیں کرتے۔

سوم۔ اُمرا اور وزرا اپنی ناپائداری کو دیکھ کر طمع کا دامن بہت دراز کر لیتے ہیں۔

چہارم۔ چوتھا نقص یہ ہوتا ہے کہ گورنمنٹ کے ایجنٹوں اور رزیڈنٹوں کے کانوں میں عجیب در عجیب متضاد باتیں پہنچتی ہیں جس سے ان کو رئیس سے بڑا تنفر پیدا ہو جاتا ہے۔ [۲]

ہر شخص کے لئے ایک واعظ

آپ کے حالات کا مطالعہ کرنیوالا ہر شخص اس امر پر بخوبی آگاہ ہو سکتا ہے کہ آپ نے حق بات کہنے میں کسی بڑے سے بڑے دنیوی وجاہت رکھنے والے انسان کی بھی پروا نہیں کی۔ ایسے ہی بڑے لوگوں میں سے ایک شخص میاں لعل دین صاحب بھی تھے۔ وہ کسی وجہ سے آپ سے ناراض بھی تھے مگر آپ اس امر کی پروا نہ کر کے اُن کے مکان پر تشریف لے گئے۔ ان کا مکان حاجتمندوں سے بھرا پڑا تھا۔ جب ہجوم کم ہوا تو آپ نے آگے

---

[۱] مرقاۃ صفحہ ۱۶۲-۱۶۳۔ [۲] مرقاۃ صفحہ ۱۶۳-۱۶۴۔

بڑھ کر ان سے کہا کہ

"آپ کا جاہ وجلال ایسا ہے کہ عام علماء تو آپ کو کچھ کہہ نہیں سکتے اور ہر آدمی کیلئے ایک واعظ کی ضرورت ہے۔ میں اس واسطے آیا ہوں کہ آپ سے دریافت کروں کہ آپ کا واعظ کون ہے؟ اس پر انہوں نے کہا کہ میں اَن پڑھ آدمی ہوں، باریک باتیں میں سمجھ نہیں سکتا۔ میں نے کہا کہ ہر آباد شہر کے قریب کوئی اجڑا ہوا شہر ضرور ہوتا ہے اور ہر ایک امیر کے مکان کے قریب حوادث زمانہ کے مارے ہوئے امیر کا ویران گھر ضرور ہوتا ہے اور وہی ویرانہ اس کا واعظ بن سکتا ہے۔ اس پر وہ کچھ متغیر ہو کر کہنے لگے کہ مولوی صاحب! آگے آئیں۔ چونکہ میں اُن کے گھٹنے کے بالکل قریب ہی تھا اور آگے کوئی جگہ نہ تھی اس لئے میں نے سر ہی آگے کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ دیکھو! میرے بیٹھنے کا گدیلا تو وہ ہے اور میں ہمیشہ اس کھڑکی ہی میں بیٹھتا ہوں۔ آپ دیکھیں۔ اس کھڑکی کے سامنے ایک محرابدار دروازہ ہے اور اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ یہ میرے لئے واعظ ہے۔ اس گھر کا مالک ہماری ہی قوم کا ایک شخص تھا اور اتنا بڑا آدمی تھا کہ سُرخ چھاتا اس کیلئے مہاراجہ کے سامنے لگایا جاتا تھا اور ہم لوگ تو کالی چھتری بھی مہاراج کے سامنے نہیں لگا سکتے۔ اب اس مالک کا گھر ایسا ویران ہوا ہے کہ خود اس کی بیوی میرے گھر میں برتن مانجھنے پر ملازم ہے۔ میں یہ سُنتے ہی فوراً کھڑا ہو گیا اور یہ کہکر کہ آپ کے لئے یہ واعظ بس ہے وہاں سے چل دیا۔ پھر میں نے یہ مضمون سرکار کے سامنے دوہرایا تو انہوں نے کہا کہ میرے لئے تو کئی واعظ موجود ہیں۔ اوّل جہاں ہم لوگوں کو راج تلک لگایا جاتا ہے۔ اس کے گرد جو بڑا ویرانہ اور پکے مکانات ہیں۔ یہ سب اصل مالکوں کے مکانات ہیں اور وہ لوگ ابتک بھی ہم لوگوں کو سلام کرنے کے مجاز نہیں۔ دوسرے جہاں میں کچہری لگاتا ہوں اس کے سامنے دھارا نگر ایک مشہور شہر تھا جو بالکل ویران ہے۔ تیسرا باہو کا قلعہ میرے سامنے ہے اور وہ بھی بہت بڑے طاقتور راجوں کا قلعہ تھا ہمارے لئے ان سے بڑھ کر کوئی واعظ ممکن نہیں۔ پھر جن لوگوں کے ہم نے ملک لئے وہ بھی کچھ کم واعظ نہیں ہیں۔" [1]

---

[1] مرقاۃ صفحہ ۱۶۴-۱۶۵۔

عربی سیکھنے کے لئے کن کتابوں کا مطالعہ کیا جائے

آپ فرماتے ہیں:۔

"میں نے ایک مرتبہ جرمن کے عربی جاننے والے پروفیسروں کو لکھا کہ وہ کون کونسی کتابیں ہیں جن کے پڑھنے سے زبانِ عربی بہت اعلیٰ درجہ کی آجائے۔ انہوں نے جن کتابوں کے نام لکھ کر بھیجے، ان میں یہ کتابیں بالاتفاق سب نے لکھیں۔

القرآن۔ البخاری۔ المسلم۔ امام شافعی کی کتاب اُمّ۔ احیاء العلوم۔ جاحظ کی کل کتابیں۔ مبرد کی کتاب کامل۔ عقد الفرید۔ سیرت ابن ہشام۔ تاریخ طبری فتوح البلدان۔ تقویم البلدان۔ مقدمہ ابن خلدون۔ شفا۔ رحلت ابن بطوطہ الف لیلیٰ۔ کلیہ دمنہ۔ سبع معلقہ۔ حماسہ۔ آغانی۔ دیوان جریر۔ سقط الزند۔ قانون بوعلی سینا۔" [1]

جموں جانے کا عجیب واقعہ

ایک مرتبہ آپ بھیرہ سے جموں جانے کا ارادہ کرکے گھر سے چلے آپ کے ساتھ آپ کا ایک بھتیجا شاہسوار نام بھی تھا لیکن آپ کے پاس کرایہ کیلئے ایک پیسہ بھی نہ تھا۔ پہلے تو ارادہ کیا کہ بیوی سے کچھ قرض لے لیں لیکن پھر طبیعت نے مضائقہ کیا اور ویسے ہی چل دئے۔ آپ دونو گھوڑوں پر سوار تھے۔ شہر سے باہر نکلے ہی تھے کہ ایک آدمی نے آپ کو ایک روپیہ اور کچھ پیسے پیش کئے۔ ایک اور آدمی نے ایک اٹھنی دی۔ جب تین چار کوس کا فاصلہ طے کرکے آوان نام ایک گاؤں کے قریب پہنچے تو آپ کے بھتیجے نے کہا کہ گرمی لگ رہی ہے، بتاشے تو ہمارے پاس ہیں ہی، اگر آپ فرمائیں تو میں کوئیں پر جاکر شربت پی لوں۔ آپ نے فرمایا۔ بہت اچھا جاؤ۔ وہ ابھی تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ پھر واپس آیا اور آپ کو بھی چلنے کے لئے کہا۔ جب آپ دونوں کوئیں پر پہنچے تو آپ کے بھتیجے نے ابھی لوٹا کھولنا ہی چاہا کہ کوئیں کے مالک نے کہا کہ آپ ذرا ٹھہر جائیں۔ گاؤں کا نمبردار آپ کو آتے دیکھ کر دودھ لینے گیا ہے۔ چند منٹ کے بعد ہی نمبردار آگیا اور ایک روپیہ بطور نذر آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس کا بیٹا کبھی آپ کے زیر علاج رہ چکا تھا۔ اور شفایاب ہوگیا تھا۔ دودھ پی کر آپ اُٹھنے ہی لگے تھے کہ نمبردار نے کہا۔ ذرا ٹھہر جائیں۔ مسجد کا ملاں بھی آرہا ہے۔ مسجد کے ملاں نے بھی آپ کی خدمت

---

[1] فرمودہ ۳؍ اگست ۱۹۰۸ء۔ مرقاۃ صفحہ ۱۹۱ ؎

میں ایک روپیہ پیش کیا۔ اس کی غربت کو مدنظر رکھ کر آپ نے اس سے روپیہ لینا پسند نہ کیا۔ مگر گاؤں کے تمام لوگوں نے جو اس اثنا میں کافی تعداد میں جمع ہو گئے تھے، ایک زبان ہو کر کہا کہ یہ روپیہ آپ ضرور لے لیں واپس ہرگز نہ کریں۔ آپ نے جب اس کا سبب پوچھا تو انہوں نے کہا کہ یہ شخص بہت دنوں سے بیمار تھا اور اس نے آپ سے بذریعہ ڈاک جموں سے، دوا منگوائی تھی۔ یہ اس کے استعمال سے اچھا ہو گیا۔ ہم سب کہتے تھے کہ تو نے دوا مفت منگوائی اور کوئی شکریہ بھی ادا نہیں کیا۔ اس نے کہا کہ اگر نورالدین ہمارے گاؤں میں آئے تو روپیہ دے دوں گا۔ یہ کبھی روپیہ دینے والا نہیں۔ آج اتفاق سے ہی یہ قابو میں آگیا ہے۔ اب آپ اس سے روپیہ لے ہی لیں عجیب بات ہے کہ آپ اس سے قبل اس گاؤں میں کبھی نہیں گئے تھے حالانکہ وہ آپ کے شہر سے صرف ساڑھے چار میل کے فاصلہ پر تھا۔ اب آپ کے پاس ساڑھے تین روپے ہو گئے۔ جب آپ ریلوے اسٹیشن پر پہنچے تو آپ کے دل میں خیال آیا کہ اپنے بھتیجے شاہسوار کو لاہور دکھا دیں۔ لاہور تک دو آدمیوں کا تیسرے درجہ کا کرایہ تین روپے تھا۔ ٹکٹ لئے اور لاہور پہنچ گئے۔ اسٹیشن سے باہر آئے تو ایک گاڑیبان نے کہا آئیے میری گاڑی پر سوار ہو جائیے۔ آپ نے پوچھا کہ انارکلی میں شیخ رحیم بخش کی کوٹھی پر جانا ہے کیا کرایہ لوگے؟ اس نے کہا۔ ایک روپیہ سے کم نہ لوں گا۔ آپ نے فرمایا ہمارے پاس تو صرف ایک اٹھنی ہے چاہو تو لے لو۔ چنانچہ وہ اٹھنی ہی پر راضی ہو گیا۔ کچھ دن لاہور رہنے کے بعد جب چلنے لگے تو شیخ صاحب نے اپنی گاڑی منگوائی اور آہستہ سے آپ کے کان میں کہا کہ ہمارے نوکر کو آپ انعام نہ دیں۔ اسٹیشن پر پہنچے۔ پیسہ پاس نہیں مگر اس یقین سے بھرپور ہیں کہ ہم جائیں گے اسی گاڑی میں۔ آپ کے کھڑے کھڑے ٹکٹ تقسیم ہونے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے بند ہو گئے۔ ٹرین بھی آئی۔ مسافر بھی سوار ہو گئے۔ اندر جانے کا دروازہ بھی بند کر دیا گیا۔ گارڈ نے روانگی کی سیٹی دے دی مگر آپ ہیں کہ وہ وقار بنے کھڑے ہیں اور دل اس غیر متزلزل یقین سے لبریز ہے کہ جانا اسی گاڑی میں ہے۔ جب گاڑی بالکل چلنے ہی کو تھی کہ ایک آدمی کو دیکھا۔ وہ نوردین - نوردین پکارتا ہوا دور تک چلا گیا۔ خدا کی قدرت! گاڑی چل پڑی لیکن اتفاقاً کسی واقعہ کی وجہ سے پھر رُک گئی۔ وہ شخص پھر واپس آیا اور آپ کو دیکھ کر اسٹیشن کے کمرہ میں گیا۔ وہاں سے تین ٹکٹ خریدے۔ ایک اپنا اور دو آپ کے۔ ایک سپاہی ساتھ لایا کہ وہ گاڑی میں سوار کرانے میں مدد دے۔ جونہی آپ نے گاڑی میں قدم رکھا گاڑی چل دی۔ اس شخص نے کہا کہ مجھ کو آپ سے ایک نسخہ لکھوانا ہے۔ آپ نے نسخہ لکھ دیا۔ پھر وہ ٹکٹوں کو دیکھنے لگا۔ ٹکٹ وہیں تک کے تھے جہاں تک آپ کو جانا تھا۔ اس نے ٹکٹ آپ کو دیدیئے

اور یہ کہکر کہ میں اُن کے دام آپ سے نہیں لوں گا۔ شاہدرہ اسٹیشن پر اُتر گیا۔ اور آپ وزیر آباد پہنچے۔ وزیر آباد سٹیشن سے باہر نکل کر آپ نے شہسوار کو کہا کہ تم بیگ لیکر شہر میں سے ہوتے ہوئے یکوں کے اڈہ پر پہنچو۔ میں بھی پیچھے پیچھے آتا ہوں۔ اس زمانہ میں وزیر آباد سے جموں تک ریل نہ تھی۔ یکوں ہی پر جانا ہوتا تھا۔ ابھی آپ تھوڑی دُور ہی نکلے تھے کہ ایک شخص راستہ میں ملا۔ اس نے کہا کہ میری ماں بیمار ہے آپ اسے دیکھ لیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تو علاج کا کوئی موقعہ نہیں۔ مجھ کو جلدی جموں پہنچنا ہے۔ اس نے کہا۔ میرا بھائی میرے ساتھ ہے۔ یہ اڈے پر جاتا ہے۔ آپ میری ماں کو دیکھ کر جب اڈے پر پہنچیں گے تو یکہ تیار ملیگا۔ چنانچہ آپ نے اس کی ماں کو دیکھا، نسخہ لکھا اور جب چلنے لگے تو اس شخص نے آپ کی جیب میں کچھ روپے ڈال دیئے۔ جن کو آپ نے اڈے پر پہنچنے سے قبل ہی جیب میں ہاتھ ڈال کر گن لیا تھا کہ دسؔ ہیں۔ جب اڈے پر پہنچے تو دیکھا کہ اس کا بھائی اور یکہ والا اس بات پر جھگڑ رہے ہیں کہ یکہ والا کہتا تھا کہ دس روپے لونگا اور وہ کہتا تھا کہ یہ کرایہ زیادہ ہے کم لو۔ آپ نے فرمایا۔ جھگڑا کرنے کی ضرورت نہیں۔ دس روپیہ کرایہ ٹھیک ہے۔

تکذیب براہین احمدیہ کا جواب

پیچھے ذکر کیا جا چکا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے وجود میں ایک وُرِّ بے بہا عطا فرمایا تھا چنانچہ آپ نے خدمت سلسلہ میں اپنی ہر عزیز سے عزیز متاع کو قربان کرنے میں ہی اپنی خاص سعادت سمجھی۔ اور یہی وجہ ہے کہ حضرت اقدس کی نظر انتخاب بھی ہر اہم دینی خدمت کے موقعہ پر آپ ہی کی طرف اُٹھتی تھی۔ چنانچہ جب پنڈت لیکھرام نے "تکذیب براہین احمدیہ" کے نام سے ایک کتاب لکھی تو اس وقت بھی حضرت اقدس نے آپ ہی کو اس کا جواب لکھنے کی طرف توجہ دلائی۔ حضور اپنے ایک خط میں آپ کو لکھتے ہیں :-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　　　نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

مخدومی مکرمی اخویم مولوی حکیم نورالدین صاحب سلمہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ آج نصف قطعہ نوٹ پانچسو روپیہ بذریعہ رجسٹری شدہ پہنچ گیا۔ اب آں مخدوم کی طرف سے پانسو ساٹھ روپے پہنچ گئے۔ اس ضرورت کے وقت جس قدر آپ کی طرف سے غمخواری ظہور میں آئی ہے اس سے جس قدر مجھے آرام پہنچا ہے، اس کا اندازہ نہیں کرسکتا۔ اللہ جلشانہ دنیا و آخرت میں آپ کو تازہ بتازہ خوشیاں پہنچاوے۔ اور اپنی خاص رحمتوں کی بارش کرے۔ میں آپ کو ایک

دوسری اطلاع دیتا ہوں کہ حال میں لیکھرام نامی نے میری کتاب براہین کے رد میں بہت کچھ بکواس کی ہے۔ اور اپنی کتاب کا نام "تکذیب براہین احمدیہ" رکھا ہے۔ یہ شخص اصل میں غبی اور جاہل مطلق ہے اور بجز گندی زبان کے اور اس کے پاس کچھ نہیں۔ مگر معلوم ہوا ہے کہ اس کتاب کی تالیف میں بعض انگریزی خوان اور دنی الطبع ہندوؤں نے اس کی مدد کی ہے۔ کتاب میں دو رنگ کی عبارتیں پائی جاتی ہیں۔ جو عبارتیں دشنام دہی اور تمسخر اور ہنسی اور ٹھٹھے سے بھری ہوئی ہیں اور لفظ لفظ میں توہین اور ٹوٹی پھوٹی عبارت اور گندی اور بدشکل ہیں، وہ عبارتیں تو خاص لیکھرام کی ہیں اور جو عبارت کسی قدر تہذیب رکھتی ہے اور کسی علمی طور سے متعلق ہے وہ کسی دوسرے خواندہ آدمی کی ہے۔ اس پُر افترا کتاب کا تدارک بہت جلد از بس ضروری ہے اور یہ عاجز ابھی ضروری کام "سراج منیر" سے جو مجھے درپیش ہے بالکل عدیم الفرصت ہے۔ اور میں مبالغہ سے نہیں کہتا اور نہ آپ کی تعریف کی رُو سے، بلکہ قوی یقین سے خدا تعالیٰ نے میرے دل میں یہ جما دیا ہے کہ جس قدر اللہ تعالیٰ نے دین کی نصرت کے لئے آپ کے دل میں جوش ڈالا ہے اور میری ہمدردی پر مستعد کیا ہے، کوئی دوسرا آدمی ان صفات سے متصف نظر نہیں آتا۔ اس لئے میں آپ کو یہ بھی تکلیف دیتا ہوں کہ آپ اول سے آخر تک اس کتاب کو دیکھیں اور جس قدر اس شخص نے اعتراضات اسلام پر کئے ہیں اُن سب کو ایک پرچہ کاغذ پر بیاد داشت صفحہ کتاب نقل کریں اور پھر ان کی نسبت معقول جواب سوچیں۔ اور جس قدر اللہ تعالیٰ آپ کو جوابات معقول دل میں ڈالے وہ سب الگ الگ لکھ کر میری طرف روانہ فرماویں اور جو کچھ خاص میرے ذمہ ہو گا میں فرصت پا کر اس کا جواب لکھوں گا۔ غرض یہ کام نہایت ضروری ہے اور میں بہت تاکید سے آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ آپ بہمہ جد و جہد جانفشانی اور مجاہدہ سے اس طرف متوجہ ہوں اور جس طرح مالی کام میں آپ نے پوری پوری نصرت کی ہے، اس سے یہ کم نہیں ہے کہ آپ خداداد طاقتوں کی رُو سے بھی نصرت کریں۔

آج ہمارے مخالف ہمارے مقابلہ پر ایک جان کی طرح ہو رہے ہیں اور اسلام

کو صدمہ پہنچانے کے لئے بہت زور لگا رہے ہیں۔ میرے نزدیک آج جو شخص میدان میں آتا ہے اور اعلائے کلمۃ الاسلام کے لئے فکر میں ہے وہ پیغمبروں کا کام کرتا ہے بہت جلد مجھ کو اطلاع بخشیں۔ خدا تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو اور آپ کا مددگار ہو۔ آپ اگر مجھے لکھیں تو میں ایک نسخہ کتاب مذکور کا خرید کر آپ کی خدمت میں بھیج دوں۔ والسلام۔

خاکسار غلام احمد از قادیان ۲۶ جولائی ۱۸۸۷ء

سو الحمد للہ کہ آپ نے حضرت اقدس کے ارشاد کی بنا پر کتاب مذکور کا جواب "تصدیق براہین احمدیہ" کے نام سے نہایت مدلل طور پر تحریر فرمایا جو چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔

حضرت اقدس کا آپ کی عیادت کیلئے جموں تشریف لیجانا۔ اوائل ۱۸۸۸ء

حضرت حکیم مولوی فضل الدین صاحب بھیروی حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کے بچپن کے دوست تھے اور آپ کے ساتھ نہایت ہی مخلصانہ تعلقات رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ جب آپ جموں میں بیمار ہو گئے تو حضرت حکیم صاحب موصوف نے آپ کی بیماری سے گھبرا کر حضرت اقدس کی خدمت میں چٹھی لکھ دی۔ حضرت اقدس بیتاب ہو کر آپ کے پاس جموں تشریف لے گئے۔

حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے اخبار بدر[1] میں لکھا ہے کہ یہ واقعہ اوائل ۱۸۸۸ء کا ہے جبکہ حضرت مفتی صاحب کے والد مرحوم یہ محسوس کر کے کہ ان پر پادریوں کی باتوں کا اثر ہے انہیں دینی تربیت کے حصول کے لئے حضرت مولوی صاحبؓ کے پاس جموں لے گئے تھے۔ حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں۔

"میں جب جموں میں پہنچا۔ آپ کی نشست گاہ اور مطب ان دنوں میں شیخ فتح محمد صاحب کے مکان پر تھا جس میں مختصر سے دو کمرے اور سامنے ایک بڑا لمبا پلیٹ فارم تھا اور زنانہ مکان تھوڑے فاصلہ پر محلہ کے اندر مسجد کے پاس تھا۔ آپ انہی ایام میں ایک سخت بیماری بخار اور شدید سر درد سے شفایاب ہوئے تھے اور کمزوری کے آثار ہنوز آپ کے چہرے پر نمودار تھے۔ چہرے کا رنگ زردی مائل ہو رہا تھا۔ اس بیماری کے دوران میں حضرت مرزا صاحب مرحوم و مغفور علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ کی بیمار پرسی کے واسطے جموں تشریف لے گئے تھے اور تین دن وہاں رہے تھے اور (حضرت اقدس نے)

---

[1] پرچہ ۵ دسمبر ۱۹۱۲ء

پہلے سے آپ کو اطلاع دی تھی کہ مجھے بشارت دی گئی ہے کہ میرے وہاں پہنچنے کے وقت آپ کو آرام ہوگا اور ایسا ہی ہوا۔"

آگے چل کر حضرت مفتی صاحبؓ فرماتے ہیں:۔

"حضرت علیہ السلام میرے جموں پہنچنے سے قبل وہاں سے واپس تشریف لے آئے تھے اور اس وقت میں نے اُن کو نہ دیکھا کیونکہ میرا دیکھنا اور وقت کے لئے مقدر تھا لیکن پہلے حضرت مسیح موعود کا وہاں سے ہو آنا اور پھر انہیں ایام میں میرا بھی وہاں پہنچنا اس امر کی طرف اشارہ کرتا تھا کہ ایک دن آنے والا ہے کہ میں نورالدین کے طفیل مسیح تک پہنچنے والا ہوں۔ کیونکہ ان ایام میں میرے دل میں مسیح کی محبت جوش زن تھی۔ میرے مخلصانہ جوش پر رحم کر کے خدا تعالیٰ کی دستگیری مجھے مسیح صادق کے سایہ میں لانا چاہتی تھی" [1]

حضرت مولوی صاحبؓ فرماتے ہیں:۔

" وہاں (یعنی جموں میں ناقل) حضرت صاحب نے ایک جلسہ میں فرمایا تھا کہ انبیاء علیہم السلام بھی ناقۃ اللہ ہوتے ہیں بھلا ان کو کوئی چھیڑ تو دیکھے" [2]

مختلف زبانوں کے علماء تیار کر کے خدمات دینیہ کا منصوبہ۔ اوائل ۱۸۸۸ء

خدمتِ دین کا جوش تو آپ کے اندر شروع ہی سے تھا۔ اب حضرت اقدس کے ساتھ تعلقات ہو جانے کے باعث اس جوش میں مزید ترقی ہوئی۔ اور آپ نے ۱۸۸۶ء میں چاہا کہ اپنے خرچ پر بارہ آدمیوں کو مختلف زبانوں کی اعلیٰ تعلیم دلوا کر زمانے کے جدید تقاضوں کے مطابق اُن سے اشاعتِ اسلام کا کام لیا جائے چنانچہ آپ نے یہ تجویز کی کہ

عربی کے دو عالم، عبری کے دو ماہر، یونانی جاننے والے دو، سنسکرت جاننے والے دو، انگریزی دان دو، عربی۔ انگریزی جاننے والے دو۔

تیار کئے جائیں اور انہیں دورانِ تعلیم میں پچاس روپے ماہوار وظیفہ دیا جائے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"پھر اسی خیال پر دو مولوی بڑے عربی دان اور میرے نزدیک بہت ٹھیک عبری پڑھنے

---

[1] بدر مورخہ ۵ دسمبر ۱۹۱۲ء [2] مرقاۃ صفحہ ۱۹۲

من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ... الخ (مائدہ) جس وقت یہ

کارڈ لکھا تھا اس وقت سید حامد شاہ بھی کشمیر ہی میں میرے پاس تھا۔ وہ لڑکا اب

ہمارے مریدوں میں ہے۔" ؎۱

اوپر کی تحریرات سے مندرجہ ذیل نتائج نکلتے ہیں:۔

اوّل ۔ سر سید مرحوم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا رسالہ برکات الدعا پڑھنے کے بعد اپنے پرانے خیالات کو چھوڑ کر اس امر پر ایمان لا چکے تھے کہ اس دنیا میں بھی دعا اپنا اثر دکھاتی ہے اور نصرت الٰہیہ کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔

دوم ۔ کسی انسان میں دین کی اشاعت کا جوش اور تڑپ محض اعلیٰ تعلیم دلوا کر پیدا نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ اس کے لئے ضرورت ہوتی ہے ایک ایسے شخص کی جو مامور من اللہ ہو اور اپنے انفاس قدسیہ سے ایک روحانی جماعت پیدا کرے، اور پھر جماعت کے نیک دل افراد اپنی زندگیاں اسلام کی اشاعت کے لئے وقف کریں۔

۱۸۸۶ء میں چونکہ حضرت مولوی صاحبؓ حضرت اقدسؑ سے راہ و رسم پیدا کر چکے تھے اور حضور کے تبلیغی جوش کو بھی دیکھ چکے تھے مگر چونکہ حضور نے ابھی کوئی اپنی جماعت نہیں بنائی تھی جس سے منظم طور پر تبلیغ کا کام لیا جا سکے۔ اس لئے حضرت مولوی صاحبؓ کے دل میں جوش پیدا ہوا کہ کچھ نوجوانوں کو اعلیٰ دینی و دنیوی تعلیم دلوا کر ان سے خدمت دین کا کام لیا جائے۔ مگر چونکہ اس وقت ابھی اس کام کے لئے ارادہ الٰہی نہ تھا اس لئے کامیابی نہ ہوئی۔ چنانچہ آپ نے مارچ ۱۹۰۲ء میں جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مجلس "تحقیق الادیان" نام سے قائم کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی، کے افتتاحی جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"میں نے بھی ایک دفعہ چند نوجوانوں کو منتخب کر کے مختلف زبانوں مثلاً عبرانی۔ فرنچ۔ جرمن وغیرہ کی تحصیل کیواسطے مقرر کیا تھا اور ان کے تمام اخراجات کا کفیل بھی ہوا۔ مگر چونکہ ارادۂ الٰہی اس وقت نہ تھا اور یہ کام اس زمانہ کے لئے مقدر تھا۔ اس لئے اس میں کامیابی نہ ہوئی۔" ؎۲

حضرت مولوی صاحبؓ کی شادی ۔ مارچ ۱۸۸۹ء

حضرت مولوی صاحبؓ کی دوسری شادی کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اواخر ۱۸۸۶ء سے

؎۱ مرقاۃ صفحہ ۲۵۴
؎۲ الحکم جلد اول نمبر ۸ صفحہ ۹۲

کوشش فرما رہے تھے۔ مگر موزوں رشتہ کا فیصلہ اوائل ۱۸۸۸ء میں جاکر ہوا۔ اور شادی مارچ ۱۸۸۹ء میں ہوئی۔
ابتدائی تحریک سے متعلق حالات حضور کے مندرجہ ذیل مکتوب سے معلوم ہوتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم   نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

مخدومی مکرمی اخویم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ عنایت نامہ عین انتظار میں پہنچا۔ ابھی وہ خط میں نے کھولا تھا کہ بابو الٰہی بخش کے کارڈ کے پڑھنے سے کہ جو ساتھ ہی اسی ڈاک میں آیا تھا۔ نہایت تشویش ہوئی۔ کیونکہ اس میں لکھا تھا کہ آپ لاہور میں علاج کروانے کے لئے تشریف لے گئے تھے اور ڈاکٹروں نے کہا کہ کم از کم پندرہ دن تک سب ڈاکٹر مل کر معائنہ کریں تو حقیقت مرض معلوم ہو۔ مگر آپ کے خط کے کھولنے سے کسی قدر رفع اضطراب ہوا۔ مگر تاہم تردد باقی ہے کہ مرض تو بکلی رفع ہو گئی تھی۔ صرف ضعف باقی تھا۔ پھر کس لئے ڈاکٹروں کی طرف التجا کی گئی۔ شاید بعض ضعف وغیرہ کے لحاظ سے بطور دور اندیشی مناسب سمجھا گیا۔ میری دانست میں جہانتک ممکن ہے آپ زیادہ ہم و غم سے پرہیز کریں کہ اس سے ضعف بڑھتا ہے اور نہایت سرور بخشنے والی یہ آیت مبارکہ ہے۔ الم تعلم ان اللہ علیٰ کل شیٔ قدیر۔

میرے نزدیک یہ امر نہایت ضروری ہے کہ آپ نکاح ثانی کے امر کو سرسری نگاہ سے نہ دیکھیں۔ بلکہ اس کو کسل و حزن دور کرنے کیلئے ضروری خیال کریں اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے امید ہے کہ آپ کو نکاح ثانی سے اولاد صالح بخشے۔ میرا اس طرف زیادہ خیال نہیں ہے کہ کوئی اہلیہ پڑھی ہوئی ملے۔ میں یقین کرتا ہوں کہ اگر مرد ہو یا عورت پاکیزہ ذہن اور فطرت سے عمدہ استعداد رکھتا ہو تو اُمیّت اس کے لئے کوئی بڑا سدراہ نہیں ہے۔ جلدی صحبت سے ضروریات دین و دنیا سے خبردار ہو سکتا ہے۔ ضروری یہ امر ہے کہ عقیلہ ہو اور حُسن ظاہری بھی رکھتی ہو تا اس سے موافقت و محبت پیدا ہو جائے۔ آپ اس محل زیر نظر میں اس شرط کی اچھی طرح تفتیش کرلیں۔ اگر حسب دلخواہ نکل آوے تو الحمد للہ ورنہ دوسرے مواضع میں تمام تر جد و جہد سے تلاش کرنا شروع

کیا جائے۔ بندہ کی طرف سے صرف کوشش ہے اور مطلوب کو میسر کر دینا قادر مطلق کا کام ہے۔ بہر حال اس عالم اسباب میں جد وجہد پر نیک ثمرات مل جاتے ہیں۔ میں نے ابتک کسی دوست کی طرف اس تلاش کے لئے نہیں لکھا کیونکہ ابھی تک آپ کی طرف سے قطعی اور یک طرفہ رائے مجھ کو نہیں ملی۔ اس لئے مکلف ہوں کہ درمیانی خیالات کا جلد تصفیہ کر کے اگر جدید تلاش کی ضرورت پیش آوے تو مجھے اطلاع بخشیں۔ اور جیسا کہ میں نے پہلے بھی لکھا تھا۔ آپ اپنے مصارف کی نسبت ہوشیار ہو جائیں کہ انہیں اموال سے قیام معیشت ہے اور اپنی ضروریات کے وقت بھی موجب ثواب عظیم ہو جاتے ہیں اور جیسا کہ آپ نے عہد کر لیا ہے کسی حالت میں ثلث سے زیادہ خرچ نہ کریں۔" (۲۹ فروری ۱۸۸۸ء)

اس سلسلہ میں حضرت اقدسؑ اور حضرت مولوی صاحبؓ کے درمیان خط وکتابت کا سلسلہ جاری رہا۔ مختلف جگہوں پر تجویزیں ہوتی رہیں اور آخر وہ تحریک کامیاب ہوئی جو حضرت صوفی احمد جان صاحبؓ لودھیانوی کی دختر سیدہ صغریٰ بیگم صاحبہ کے لئے کی گئی تھی۔ چنانچہ ذیل کا مکتوب اس پر خاصی روشنی ڈالتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم　　　　نحمدہ ونصلی علے رسولہ الکریم

مخدومی مکرمی اخویم مولوی حکیم نورالدین صاحب سلمہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ہر دو عنایت نامے پہنچ گئے۔ خدائے قادر ذوالجلال آپ کے ساتھ ہو۔ اور آپ کو اپنے ارادت خیر میں مدد دیوے۔ اس عاجز نے آں مخدوم کے نکاح ثانی کی تجویز کے لئے کئی جگہ خط روانہ کئے تھے۔ ایک جگہ سے جو جواب آیا ہے وہ کسی قدر حسب مراد معلوم ہوتا ہے یعنی میر عباس علیشاہ صاحب کا خط جو روانہ خدمت کرتا ہوں اس خط میں ایک شرط عجیب ہے کہ حنفی ہوں، غیر مقلد نہ ہوں۔ چونکہ میر صاحب بھی حنفی اور میرے مخلص دوست منشی احمد جان صاحب (خدا تعالیٰ ان کو غریق رحمت کرے) جن کی بابرکت لڑکی سے یہ تجویز درپیش ہے، پکے حنفی تھے اور ان کے مرید جو اس علاقہ میں بکثرت پائے جاتے ہیں حنفی ہیں۔ اس لئے حنفیت کی قید بھی لگا دی

گئی۔ یوں تو حنیفا مسلما میں سب مسلمان داخل ہیں لیکن اس قید کا جواب بھی معقولیت سے دیا جائے تو بہتر ہے۔

اب میں تھوڑا سا حال منشی احمد جان صاحب کا سناتا ہوں۔ منشی صاحب اصل میں متوطن دہلی کے تھے۔ شاید ایام مفسدہ ۱۸۵۷ء میں لودہانہ آ کر آباد ہوئے کئی دفعہ میری ان سے ملاقات ہوئی۔ نہایت بزرگوار خوبصورت۔ خوب سیرت۔ صاف باطن۔ متقی۔ باخدا اور متوکل آدمی تھے۔ مجھ سے کسی قدر دوستی اور محبت کرتے تھے کہ اکثر اُن کے مریدوں نے اشارتاً اور صراحتاً بھی سمجھایا کہ آپ کی اس میں کسر شان ہے مگر انہوں نے ان کو صاف جواب دیا کہ مجھے کسی شان سے غرض نہیں اور نہ مجھے مریدوں سے کچھ غرض ہے۔ اس پر بعض نالائق خلیفے ان سے منحرف بھی ہو گئے مگر انہوں نے جس اخلاص اور محبت پر قدم مارا تھا اخیر تک نبھایا اور اپنی اولاد کو بھی یہی نصیحت کی۔ جب تک زندہ رہے خدمت کرتے رہے اور دوسرے تیسرے مہینے کسی قدر روپے اپنے رزق خداداد سے مجھے بھیجتے رہے اور میرے نام کی اشاعت کے لئے بدل وجان ساعی رہے اور پھر حج کی تیاری کی اور جبکہ انہوں نے اپنے ذمہ مقرر کر رکھا تھا جاتے وقت پچیس روپے بھیجے اور ایک لمبا اور دردناک خط لکھا جس کے پڑھنے سے رونا آتا تھا۔ اور حج سے آتے وقت راہ میں ہی بیمار ہو گئے اور گھر آتے ہی فوت ہو گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ منشی صاحب علاوہ اپنی ظاہری علمیت وخوش تقریری و وجاہت کے جو خداداد انہیں حاصل تھیں، مومن صادق اور صالح آدمی تھے جو دنیا میں کم پائے جاتے ہیں۔ چونکہ وہ عالی خیال اور صوفی تھے اس لئے ان میں تعصب نہیں تھا۔ میری نسبت وہ خوب جانتے تھے کہ یہ حنفی تقلید پہ قائم نہیں ہیں اور نہ اسے پسند کرتے ہیں لیکن پھر بھی یہ خیال انہیں محبت واخلاص سے نہیں روکتا تھا۔ غرض کچھ مختصر حال منشی احمد جان صاحب مرحوم کا یہ ہے اور لڑکی کا بھائی صاحبزادہ افتخار احمد صاحب بھی نوجوان صالح ہے جو اپنے والد مرحوم کے ساتھ حج بھی کر آئے ہیں۔ اب دو باتیں تدبیر

طلب ہیں :-

اوّل یہ کہ ان کی حنفیت کے سوال کا کیا جواب دیا جائے۔

دوسرے۔ اگر اسی ربط پر رضامندی فریقین کی ہو جاوے تو لڑکی کے ظاہری حلیہ سے بھی کسی طور سے اطلاع ہو جانی چاہیئے۔

بہتر تو بچشم خود دیکھ لینا ہوتا ہے مگر آجکل کی پردہ داری میں یہ بڑی قباحت ہے کہ وہ اس بات پر راضی نہیں ہوتے۔ مجھ سے میر عباس علی صاحب نے اپنے سوالات مستفسرہ خط کا بہت جلد جواب طلب کیا ہے اس لئے مکلف ہوں کہ جہاں تک ممکن ہو جلد تر جواب ارسال فرماویں۔ ابھی میں نے تصریح سے آپ کا نام ان پر ظاہر نہیں کیا۔ جواب آنے پر ظاہر کروں گا۔ (۲۳ جنوری ۱۸۸۹ء)

سب سے اہم بات جس کا جواب دینا حضرت مولوی صاحب کے مشکل تھا وہ حنفی کہلانے کا اقرار تھا جب اس کے متعلق آپ نے حضرت اقدس سے استفسار کیا تو حضور نے فرمایا چونکہ حضرت منشی احمد جان صاحب کے گھر میں اختلافی صورت پر تامل اور تردد ظاہر کیا گیا ہے۔ اس لئے آپ اشتہار لکھ کر بھیجدیں۔ لکھ دیں کہ میں حنفی ہوں۔ حضرت مولوی صاحب اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"ابھی امام صاحب بیعت نہ لیتے تھے۔ ان دنوں میں ایک بار مجھ سے کہا کہ تم اشتہار دیدو کہ میں حنفی ہوں۔ میں نے اشتہار لکھ کر بھیجدیا۔ جس کا عنوان یہ تھا۔

"بمے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید"

لیکن پھر جب میں قادیان آیا تو آپ نے وہ اشتہار نکال کر دیا اور کہا کہ اس کو پھاڑ ڈالو۔ میں نے پھاڑ دیا۔ پھر فرمایا کہ حنفی کس کو کہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں تو نہیں جانتا امام صاحب نے فرمایا کہ امام ابو حنیفہ کیا کرتے تھے۔ میں نے کہا۔ جہاں نص پاتے تھے عمل کرتے تھے اور جہاں نص نہ پاتے تھے اجتہاد کرتے تھے۔ فرمایا کہ یہی مومن کا کام ہے اور یہی حنفی ہوتا ہے۔ ۱۴ 1/98 "[1]

حضرت امام کی یہ بات سنکر آپ خاموش ہو گئے اور حضرت اقدس نے لودھیانہ میں بھی اطلاع

---

[1] الحکم جلد ۲ نمبر ۲۰ صفحہ ۱ مورخہ ۹ جون ۱۸۹۹ء

کردی کہ مولوی صاحب کو حنفی ہی سمجھنا چاہیئے چنانچہ شادی کی تاریخ مقرر ہو گئی۔ اور خدا تعالیٰ کے فضل سے فروری ۱۸۸۹ء میں نکاح ہو گیا اور مارچ ۱۸۸۹ء کے اوائل میں شادی ہو گئی۔ حضرت اقدس شادی کے موقعہ پر خود بھی تشریف لائے۔

بیعت کے متعلق خط وکتابت

بیعت کے لئے اعلان تو یکم دسمبر ۱۸۸۸ء کے سبز اشتہار میں ہو چکا تھا۔ اس کے بعد "تکمیل تبلیغ" کے عنوان سے ۱۲ر جنوری ۱۸۸۹ء کو بیعت کی شرائط شائع فرمائی گئیں۔ بعد ازاں لودھیانہ پہنچکر ۴ر مارچ ۱۸۸۹ء کو ایک اشتہار شائع کیا گیا۔ جس میں بیعت کے فوائد بیان کئے گئے اور فرداً فرداً مخلص احباب کو چٹھیاں بھی لکھی گئیں۔ حضرت مولوی صاحب رضی اللہ عنہ نے اولاً تاریخ مقررہ پر حاضر ہونے سے معذوری ظاہر کی اور شرائط کی پابندی کے متعلق بھی استفسار کیا۔ اس کے جواب میں حضور نے ۲۰ر فروری ۱۸۸۹ء کو مندرجہ ذیل خط لکھا۔

"مخدومی مکرمی اخویم مولوی حکیم نورالدین صاحب۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

کل کی ڈاک میں عنایت نامہ پہنچا۔ جو کچھ پرچہ "تکمیل تبلیغ" میں تاریخ لکھی گئی ہے، وہ فقط انتظامی امر ہے تا ایسی تقریب میں اگر ممکن ہو تو بعض اخوان مومنین کا بعض سے تعارف ہو جائے۔ کوئی ضروری امر نہیں ہے۔ آپ کے لئے اجازت ہے کہ جب فرصت ہو اور کسی طرح کا ہرج نہ ہو تو اس رسم کے پورا کرنے کے لئے تشریف لاویں بلکہ تقریب شادی پر جو آپ تشریف لاویں وہ نہایت عمدہ موقع ہے اور شرائط پر پابند ہونا باعتبار استطاعت ہے لایکلف اللہ نفساً الا وسعھا۔ دوسرے خط کے جواب سے جلد مطلع فرماویں تا لودھیانہ میں اطلاع دی جائے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ شاید آپ ماہ مارچ میں کشمیر کی طرف روانہ ہوں۔ پس اگر یہی صورت ہو۔ تو بماہ فروری کاروبار شادی بخیر وعافیت انجام پذیر ہونا چاہیئے۔"

حضرت اقدس کے اس خط سے ظاہر ہے کہ حضرت مولوی صاحب نے تاریخ مقررہ پر بیعت کے لئے حاضر ہونے سے معذوری کا اظہار فرمایا تھا لیکن جیسا کہ بعد کے حالات بتاتے ہیں وہ معذوری رفع ہو گئی تھی اور آپ بیعت کے موقعہ پر لودھیانہ پہنچ گئے تھے۔

حضرت اقدس علیہ السلام کی لودھیانہ تشریف آوری اور سفر ہوشیارپور

حضرت اقدسؑ مارچ ۱۸۸۹ء کے پہلے عشرہ میں ہی لودھیانہ پہنچ گئے تھے اور بیعت کے لئے تاریخ کا اعلان بھی فرما چکے تھے مگر اس اثنا میں شیخ مہر علی صاحب رئیس ہوشیارپور کے ہاں اپنے پُرانے تعلقات کی بنا پر کسی شادی کی تقریب پر آپ کو جانا پڑا۔ حضرت مولوی صاحبؓ کو اس سفر کی اطلاع حضور نے مندرجہ ذیل خط میں دی۔

"مخدومی اخویم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

عنایت نامہ پہنچکر بہت خوشی ہوئی خدا تعالیٰ آپ میں اور آپ کی نئی بیوی میں اتحاد اور محبت زیادہ سے زیادہ کرے اور اولاد صالح بخشے۔ آمین ثم آمین۔

اگر پُرانے گھر والوں نے کچھ نامناسب الفاظ منہ سے نکالے ہیں تو آپ صبر کریں یہ پہلی بیویاں ایسے معاملات میں بباعث ضعف فطرت بدظنی کو انتہا تک پہنچا کر اپنی زندگی اور راحت کا خاتمہ کر لیتی ہیں۔

وحدہٗ لاشریک ہونا خدا کی تعریف ہے مگر عورتیں بھی شریک ہرگز پسند نہیں کرتی ہیں۔ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میرے ہمسایہ میں ایک شخص اپنی بیوی سے بہت کچھ سختی کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے دوسری بیوی کرنے کا ارادہ کیا۔ تب اس بیوی کو نہایت رنج پہنچا اور اس نے اپنے شوہر کو کہا کہ میں نے تیرے سارے دُکھ سہے مگر یہ دُکھ نہیں دیکھا جاتا کہ تو میرا خاوند ہو کر اب دوسری کو میرے ساتھ شریک کرے۔ وہ کہتے ہیں کہ ان کے اس کلمہ نے میرے دل پر نہایت دردناک اثر پہنچایا۔ میں نے چاہا کہ اس کلمہ کے مشابہ قرآن شریف میں پاؤں۔ سو یہ آیت مجھے ملی۔

ویغفر مادون ذٰلک الآیۃ

یہ مسئلہ بظاہر بڑا نازک ہے۔ دیکھا جاتا ہے کہ جس طرح مرد کی غیرت نہیں چاہتی کہ اس کی عورت اس میں اور اس کے غیر میں شریک ہو اسی طرح عورت کی غیرت بھی نہیں چاہتی کہ اس کا مرد اس میں اور اس کے غیر میں بٹ جاوے۔ مگر میں خوب جانتا ہوں کہ خدا تعالےٰ کی تعلیم میں نقص نہیں ہے اور نہ وہ خواص فطرت کے برخلاف ہے۔

اس میں پوری تحقیق اور کامل غیرت ہے جس کا انفکاک واقعی لاعلاج ہے۔ مگر عورت کی غیرت کامل نہیں۔ بالکل مشتبہ اور زوال پذیر ہے۔ اس میں وہ نکتہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا تھا۔ نہایت معرفت بخش ہے کیونکہ جب حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت کی درخواست نکاح پر عذر کیا کہ آپ کی بہت بیویاں ہیں اور آئندہ بھی خیال ہے اور میں ایک عورت غیرتمند ہوں جو دوسری بیوی کو دیکھ نہیں سکتی تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تیرے لئے دعا کروں گا۔ تا خدا تعالیٰ تیری یہ غیرت دور کردے اور صبر بخشے۔ سو آپ بھی دعا میں مشغول رہیں۔ نئی بیوی کی دلجوئی نہایت ضروری ہے کہ وہ مہمان کی طرح ہے۔ مناسب ہے کہ آپ کے اخلاق اس سے اول درجہ کے ہوں اور ان سے بے تکلف مخالطت اور محبت کریں اور اللہ جلشانہ سے چاہیں کہ اپنے فضل وکرم سے ان سے آپ کی صافی محبت و تعشق پیدا کردے کہ یہ سب امور اللہ جلشانہ کے اختیار میں ہیں۔ اب اس نکاح سے گویا آپ کی نئی زندگی شروع ہوئی ہے۔ اور چونکہ انسان ہمیشہ کے لئے دنیا میں نہیں آیا۔ اس لئے نسلی برکتوں کے ظہور کے لئے اب اسی پیوند پر امیدیں ہیں۔ خدا تعالیٰ آپ کیلئے یہ بہت مبارک کرے۔ میں نے اس محلہ میں خاص صاحب اسرار و واقف لوگوں سے اس لڑکی کی بہت تعریف سُنی ہے کہ بالطبع صالحہ، عفیفہ و جامع فضائل محمودہ ہے۔ اس کی تربیت و تعلیم کے لئے بھی توجہ رکھیں اور آپ پڑھایا کریں کہ اس کی استعدادیں نہایت عمدہ معلوم ہوتی ہیں اور اللہ جلشانہ کا نہایت فضل اور احسان ہے کہ یہ جوڑہ بہم پہنچایا۔ ورنہ اس قحط الرجال میں ایسا اتفاق محالات کی طرح ہے۔ خط سے کچھ معلوم نہیں ہوا کہ ۲۰ مارچ ۱۸۸۹ء تک رخصت ملیگی یا نہیں؟ اگر بجائے بیس کے بائیس کو آپ تشریف لاویں یعنی یوم یکشنبہ میں اس جگہ ٹھہریں تو بابو محمد صاحب بھی آپ سے ملاقات کرینگے۔ یہ عاجز ارادہ رکھتا ہے کہ ۱۵ مارچ ۱۸۸۹ء کو دو تین روز کے لئے ہوشیارپور جاوے اور ۱۹ مارچ یا ۲۰ مارچ کو بہرحال انشاء اللہ واپس آجاؤنگا والسلام۔ صاحبزادہ افتخار احمد اور ان کے سب متعلقین بخیر و عافیت ہیں۔ کل سات

روپیہ اور کچھ پارچہ میرے لئے دیئے تھے جو ان کے اصرار سے لئے گئے۔

خاکسار غلام احمد

دار البیعت

وہ حجرہ جس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیعت لی حضرت منشی احمد جان صاحب کی ملکیت تھا۔ بعد میں یہ حجرہ دار البیعت کے نام سے موسوم ہوا۔ افسوس کہ ۱۹۴۷ء کے انقلاب میں وہ سردست عارضی طور پر جماعت کے قبضہ سے نکل گیا۔ مگر ہمیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جلد یا بدیر وہ جماعت کو مل جائیگا۔ وما ذٰلک علی اللہ بعزیز۔

حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحبؓ کی بیعت

بہر حال ۲۲ مارچ ۱۸۸۹ء بیعت کا دن مقرر تھا ملک کے اطراف و جوانب سے مخلصین بیعت کے لئے لودیانہ پہنچ چکے تھے۔ حضرت اقدس نے اس حجرہ کے دروازہ پر جہاں آپ نے بیعت لی اور جو بعد میں دار البیعت کے نام سے موسوم ہوا، حضرت شیخ حامد علی صاحب کو مقرر کر دیا اور انہیں ہدایت فرمائی کہ جسے میں کہتا جاؤں اسے اندر بلاتے جاؤ۔ چنانچہ حضور نے سب سے پہلے حضرت مولوی حکیم حاجی نورالدین صاحبؓ کو بلوایا۔ حضور نے حضرت مولوی صاحب کے ہاتھ کی کلائی کو زور سے پکڑا اور بڑی لمبی بیعت لی۔ ان دنوں بیعت کے الفاظ یہ تھے:۔

"آج میں احمد کے ہاتھ پر اپنے ان تمام گناہوں اور خراب عادتوں سے توبہ کرتا ہوں جن میں مَیں مبتلا تھا اور سچے دل اور پکے ارادہ سے عہد کرتا ہوں کہ جہاں تک میری طاقت اور سمجھ ہے اپنی عمر کے آخری دن تک تمام گناہوں سے بچتا رہوں گا۔ اور دین کو دنیا کے آراموں اور نفس کے لوازمات پر مقدم رکھوں گا اور ۱۲ جنوری کی دس شرطوں پر حتی الوسع کاربند رہوں گا۔ اور اب بھی اپنے گذشتہ گناہوں کی اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتا ہوں۔ استغفر اللہ ربی۔ استغفر اللہ ربی۔ استغفر اللہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ۔ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ واشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ۔ رب انی ظلمت نفسی واعترفت بذنبی فاغفر لی ذنوبی فانہٗ لا یغفر الذنوب الا انت" [1]

---

[1] سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۷۷-۷۸ طبع ثانی۔

خود حضرت مولوی صاحب اپنی اس بیعت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

”نبی کو جو فراست دی جاتی ہے وہ دوسروں کو نہیں دی جاتی۔ حضور نے جب میری بیعت لی تو میرا ہاتھ نیچے سے پکڑا۔ حالانکہ دوسروں کے ہاتھ اس طرح پکڑے جس طرح مصافحہ کیا جاتا ہے۔ پھر مجھ سے دیر تک بیعت لیتے رہے اور تمام شرائط بیعت پڑھوا کر اقرار لیا۔ اس خصوصیت کا علم مجھے اس وقت نہیں ہوا۔ مگر اب یہ بات کھل گئی۔“ [1]

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی تحریک پر حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹیؓ نے بھی ابتدائی ایام ہی میں بیعت کر لی تھی۔ اُن کی بیعت کا واقعہ بھی عجیب ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ کے ہاتھ میں ان کا ہاتھ دیا۔ اور ان دونوں کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ اور پھر حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ سے بیعت کے الفاظ کہلوائے۔ [2]

بیعت سے قبل حضرت مولوی عبدالکریم صاحب نیچری خیالات رکھتے تھے مگر بیعت کے بعد اسقدر زبردست تغیر پیدا ہوا کہ آپ فرمایا کرتے تھے :-

”میں نے قرآن بھی پڑھا تھا مولانا نورالدین کے طفیل سے۔ حدیث کا شوق بھی ہو گیا تھا گھر میں صوفیوں کی کتابیں بھی پڑھ لیا کرتا تھا۔ مگر ایمان میں وہ روشنی، وہ نور معرفت میں ترقی نہ تھی جو اب ہے۔ اس لئے میں اپنے دوستوں کو اپنے تجربے کی بنا پر کہتا ہوں کہ یاد رکھو اس خلیفۃ اللہ کے دیکھنے کے بدوں صحابہ کا سا زندہ ایمان نہیں مل سکتا۔ اس کے پاس رہنے سے تمہیں معلوم ہوگا کہ وہ کیسے موقع پر خدا کی وحی سُناتا ہے اور وہ پوری ہوتی ہے تو رُوح میں ایک محبت اور اخلاص کا چشمہ پھوٹ پڑتا ہے جو ایمان کے پودے کی آبپاشی کرتا ہے۔“ [3]

غرض حضرت مولوی نورالدین صاحب بیعت کر لینے کے بعد پھر واپس اپنی ملازمت پر جموں و کشمیر تشریف لے گئے اور دن بدن اخلاص اور عرفان میں ترقی کرتے گئے اور اس کے بعد جلد جلد قادیان آنا شروع ہوا۔ حضرت اقدس بھی ہمیشہ آپ کا خیال رکھتے تھے اور بعض اوقات خود بھی بلا لیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضور کا اس زمانہ کا ایک خط ذیل میں درج کیا جاتا ہے جس سے اس امر کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضور حضرت

---

[1] تشحیذ الاذہان جلد ۷ نمبر ۱۰ صفحہ ۴۷۷ [2] ذکر حبیب صفحہ ۹ [3] الحکم ۱۴ فروری ۱۹۳۶ء صفحہ ۷

مولوی صاحبؓ کے ساتھ آپ کے اخلاص اور قربانی اور معرفت الٰہی میں ترقی کرنے کی وجہ سے کس درجہ محبت رکھتے تھے۔

" مخدومی مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ عنایت نامہ پہنچا۔ بلاشبہ کلام الٰہی سے محبت رکھنا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے کلمات طیبہ سے عشق پیدا ہونا اور اہل اللہ کے ساتھ قلب صافی کا تعلق حاصل ہونا یہ ایک ایسی بزرگ نعمت ہے جو خدا تعالیٰ کے خاص اور مخلص بندوں کو ملتی ہے اور دراصل بڑی بڑی ترقیات کی یہی بنیاد ہے اور یہی ایک تخم ہے جس سے ایک بڑا درخت یقین اور معرفت اور قوت ایمانی کا پیدا ہوتا ہے اور محبت ذاتیہ اللہ تعالیٰ کا پھل اس کو لگتا ہے۔ فالحمد للہ ثم الحمد للہ کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو یہ نعمت جو راس الخیرات ہے عطا فرمائی۔ پھر بعد اس کے جو کسل اور قصور اعمال حسنہ میں ہو وہ بھی انشاء اللہ القدیر حسنات عظیمہ کے جذب سے دور ہو جائے گا۔ ان الحسنات یذھبن السیئات۔ آپ کی ملاقات کا بہت شوق ہے۔ جیسے آپ کے اخلاص نے بطور خارق عادت اس زمانہ کے ترقی کی ہے ایسا ہی جوش حب للہ کا آپ کے لئے اور آپ کے ساتھ بڑھتا گیا ہے۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے نہ چاہا کہ اس درجہ میں آپ کے ساتھ کوئی دوسرا شریک ہو اس لئے اکثر لوگوں کے دلوں پر جو دعویٰ تعلق رکھتے ہیں، خدا تعالیٰ نے قبض وارد کی اور آپ کے دل کو کھول دیا۔ ھٰذا فضل اللّٰہ ونعمتہ یعطی من یشاء ویھدی من یشاء ویضل من یشاء۔

حامد علی سخت بیمار ہو گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو دوبارہ زندگی بخشی ہے جس وقت آپ تشریف لاویں اگر حکیم فضل الدین صاحب و مولوی عبدالکریم صاحب بھی ساتھ تشریف لاویں تو بہت خوب ہوگا۔ آنمخدوم اپنی طرف سے ان دونوں صاحبوں کو اطلاع دیں کیونکہ گاہ گاہ ملاقات ہونا ضروری ہے۔ زندگی بے اعتبار ہے۔

خاکسار غلام احمد عفی عنہ۔ ۹ر جنوری ۱۸۹۹ء[1]

---

[1] الحکم ۳ر فروری ۱۸۹۹ء

آپ کی والدہ ماجدہ کی وفات مئی ۱۸۸۹ء

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی والدہ ماجدہ جو ایک بہت ہی بزرگ خاتون تھیں اور جنہوں نے ساری عمر بھیرہ شہر کے بچوں اور بچیوں کو قرآن شریف پڑھانے میں صرف کر دی۔ اسّی پچاسی سال کی عمر میں وفات پا گئیں۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔ ماہ اور سن وفات کا پتہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک مکتوب سے ملتا ہے جو حضور نے ۱۷ مئی ۱۸۸۹ء کو جناب مرزا خدا بخش صاحب کو تحریر فرمایا تھا۔ حضور لکھتے ہیں:۔

"اخویم مولوی حکیم نورالدین صاحب ان دنوں کشمیر میں ہیں۔ ایک خط سے معلوم ہوا تھا کہ ان کی والدہ صاحبہ فوت ہو گئے ہیں۔" [1]

پس قرین قیاس یہی ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی والدہ ماجدہ کی وفات مئی ۱۸۸۹ء میں ہی ہوئی ہوگی کیونکہ آپ کا یہ طریق تھا کہ ایسے اہم واقعات حضرت اقدس کی خدمت میں فوراً لکھ دیا کرتے تھے واللہ اعلم بالصواب۔

عمر سے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ ایک جگہ فرماتے ہیں:۔

"میری والدہ نے اسّی برس تک قرآن پڑھایا۔ ان کے ہم نو بچے تھے" [2]

مگر دوسری جگہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ

"قرآن شریف میری غذا ہے۔ میں نے اسے اپنی والدہ ماجدہ سے جنہوں نے پچاسی برس کی عمر تک قرآن شریف پڑھایا اور جو محب قرآن تھیں۔ پڑھا ہے" [3]

آپ کے ان ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ نے اندازاً اسّی پچاسی سال کی عمر پائی۔

افسوس کہ آپ اپنی والدہ ماجدہ کی وفات کے موقعہ پر بھیرہ میں موجود نہیں تھے۔ اور غالباً اس کا باعث یہ تھا کہ

"انہوں نے چاہا تھا کہ نورالدین کفن دفن میں شریک ہو اور ہم اس کے سامنے فوت ہوں گے۔" [4]

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۲۶ صفحہ ۱۲ سنہ ۱۹۰۳ء ۔ [2] الحکم جلد ۲ نمبر ۲۶/۲۷ صفحہ ۹ سنہ ۹۸-۱۸۹۷ء ۔ [3] الحکم جلد ۹ صفحہ ۲۱ صفحہ ۱

[4] اس واقعہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے کتاب ہذا صفحہ ۱۰۳

قادیان میں آپ کی آمد

حضرت اقدس کا جو خط اوپر درج کیا گیا ہے اس کے بعد جہانتک سلسلہ کے لٹریچر کا تعلق ہے۔ حضرت مولوی صاحب رضؓ کی قادیان میں تشریف آوری کا پتہ اگست ۱۸۸۹ء میں لگتا ہے۔ آپ کو شادی کے بعد ایک مرتبہ اپنی اہلیہ محترمہ کو لدھیانہ سے جموں لیجانے کے لئے جون میں آنا تھا۔ حضرت اقدس نے آپ کو لکھا کہ لدھیانہ سے واپسی پر قادیان سے ہوتے جائیں۔ لیکن یہ سفر ملتوی ہوتا ہوا اگست ۱۸۸۹ء میں ہوا۔ ۲۵ اگست ۱۸۸۹ء کو حضور نے حضرت چودھری رستم علی صاحب کو لکھا کہ مولانا نورالدین صاحب بصحت تمام جموں پہنچ گئے ہیں۔

ایک عیسائی کے تین سوال اور اُن کے جوابات ۱۳۰۹ھ

ایک عیسائی مُسمّی عبداللہ جیمز نے انجمن حمایت اسلام لاہور کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے متعلق تین اعتراضات بغرض جوابات ارسال کئے تھے۔ انجمن مذکور نے اس وقت کے بہترین حامیان دین متین یعنی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب رضؓ کی خدمت میں وہ اعتراضات بھیجے تاکہ ان بابرکت بزرگ ہستیوں سے اُن کے جوابات حاصل کر کے انہیں زیور طبع سے آراستہ کر کے شائع کیا جائے چنانچہ ان دونو واجب الاحترام مقدس بزرگوں نے جوابات لکھ کر بھیجدیئے اور انجمن حمایت اسلام نے انہیں مندرجہ بالا عنوان سے ایک رسالہ کی صورت میں شائع کر دیا۔ یہ رسالہ کُل ۷۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ پہلے اڑتالیس (۴۸) صفحات پر "مورد برکات رحمانی مصدر انوار قرآنی جناب مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان" کے تحریر فرمودہ جوابات درج کئے گئے ہیں۔ دوسرے نمبر پر صفحہ انچاس (۴۹) سے صفحہ سڑسٹھ (۶۷) تک "علامہ دوران امام مناظرین زماں حامیٔ دین متین مولانا مولوی حکیم نورالدین صاحب بھیروی" کے جوابات شائع کئے گئے ہیں۔ اور آخر میں صفحہ اڑسٹھ (۶۸) سے لیکر صفحہ بہتر (۷۲) تک ایک صاحب "عمدۃ المناظرین مولوی غلام نبی صاحب امرتسری" کے جوابات درج کر کے رسالہ کو مکمل کیا گیا ہے۔

قادیان میں تشریف آوری۔ دسمبر ۱۸۸۹ء

دسمبر ۱۸۸۹ء کی رخصتوں میں ملازمت پیشہ احباب عموماً قادیان آیا کرتے تھے اور اس سال تو چونکہ بیعت کا سلسلہ بھی شروع ہو چکا تھا اس لئے اور بھی لوگوں کو توجہ پیدا ہو گئی۔ چنانچہ بعض احباب ضلع سیالکوٹ اور کپورتھلہ سے آئے اور حضرت مولوی صاحب تو ۱۳ یا ۱۴ دسمبر ہی کو تشریف لے آئے تھے اور آخر دسمبر تک مقیم رہے چنانچہ حضرت اقدس نے جو خط حضرت چودھری رستم علی صاحب کے نام ۱۹ اگست ۱۸۸۹ء کو لکھا۔ اس میں تحریر فرمایا کہ

"آپ کی انتظار تھی۔ خدا جانے کیا سبب ہوا۔ چھ سات روز سے اخویم مولوی حکیم نورالدین صاحب تشریف رکھتے ہیں۔ شاید چھ سات روز تک اور بھی رہیں۔ اگر آپ ان دنوں آ جاویں تو مولوی صاحب کی ملاقات بھی ہو جاوے۔" [1]

دعویٰ مسیحیت اور تیاری کتاب "فتح اسلام" کی حضرت مولوی صاحبؓ کو اطلاع

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب اس امر کا اعلان کیا کہ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام وفات پا چکے ہیں اور آنیوالے مسیح موعود آپ ہی ہیں تو اس دعوے کی اشاعت کے لئے ایک کتاب بنام "فتح اسلام" بھی تحریر فرمائی۔ جب حضور نے اس امر کی اطلاع حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحبؓ کو دی تو انہوں نے صدقدل کے ساتھ آپ کے اس دعویٰ کو قبول کیا۔ اور لکھا کہ کتاب "فتح اسلام" کا جس قدر حصہ طبع ہو چکا ہو۔ ارسال فرماویں۔ مگر حضرت اقدس نے قانون مطابع کی رعایت رکھتے ہوئے۔ ۲۸ر دسمبر ۱۸۹۰ء کو اطلاع دی کہ

"چونکہ کتاب فتح اسلام کسی قدر بڑھ گئی ہے اور مطبع امرتسر میں چھپ رہی ہے۔ اس لئے جب تک چھپ نہ جائے، روانہ نہیں ہو سکتی۔ امید کہ بیس روز تک چھپ کر آ جاوے گی۔"

چنانچہ جب یہ کتاب ۱۸۹۱ء کی پہلی سہ ماہی میں شائع ہوئی تو فوراً حضرت مولوی صاحب کی خدمت میں بھیج دی گئی۔

حضرت اقدسؑ کی صداقت پر یقین

ابھی آپ کی خدمت میں کتاب "فتح اسلام" نہیں پہنچی تھی کہ کسی مخالف کے پاس کسی نہ کسی طرح پہنچ گئی۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ دیکھو! اب میں مولانا حکیم نورالدین کو (حضرت) مرزا صاحب سے علیحدہ کئے دیتا ہوں چنانچہ وہ آپ کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ مولویصاحب! کیا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی ہو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ نہیں! اس نے کہا کہ اگر کوئی نبوت کا دعویٰ کرے تو پھر! آپ نے فرمایا تو پھر ہم دیکھینگے کہ کیا وہ صادق اور راستباز ہے یا نہیں۔ اگر صادق ہے تو بہرحال اس کی بات کو قبول کر لیں گے۔ آپ کا جواب سُنکر وہ بولا۔ واہ مولویصاحب آپ قابو ہی نہ آئے۔

---

[1] مکتوب بنام چودھری رستم علی صاحب ۱۹ر اگست ۱۸۸۹ء

۱۸۹۰ء کے بعض اور واقعات

۱۸۸۹ء کے اواخر یا ۱۸۹۰ء کے آغاز میں میر عباس علی صاحب نفث الدم کے عارضہ سے بیمار ہو گئے اور ان کو سخت تکلیف تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت مولوی صاحبؓ کو میر صاحب کے علاج کے لئے ادویات بھیجنے کی ہدایت فرمائی۔[1]

انہیں ایام میں آپ کے توسط سے ایک شخص ٹھاکر رام نے حضرت اقدس کی خدمت میں دعا کے لئے درخواست کی جس کے جواب میں حضور نے کچھ دنوں کے بعد آپ کو لکھا کہ

"میری طبیعت آپ کے بعد پھر علیل ہو گئی۔ اب کے ریزش کے نہایت زور سے دماغ بہت ضعیف ہو گیا۔ آپ کے دوست ٹھاکر رام کے لئے ایک دن بھی توجہ کرنے کا مجھے موقع نہیں ملا صحت کا منتظر ہوں۔ اگر وہ اخلاص مند ہے تو اس کے اخلاص کی برکت سے وقت صفا مل جائے گا اور صحت بھی۔"[2]

یہ مکتوب تو حضور نے یکم جنوری ۱۸۹۰ء کو لکھا تھا لیکن بعد میں بھی ایسی مصروفیات رہیں جن کی وجہ سے حضور ٹھاکر رام کے لئے دعا نہ کر سکے چنانچہ ۲۵ فروری ۱۸۹۰ء کے مکتوب میں آپ فرماتے ہیں۔

"آپ کے دوست نے اگر بے صبری نہ کی جیسا کہ آجکل لوگوں کی عادت ہے۔ تو محض للہ ان کے لئے توجہ کروں گا۔ مشکل یہ ہے کہ انسان دنیا میں منعم ہو کر بہت نازک مزاج ہو جاتا ہے۔ پھر ادنیٰ ادنیٰ انتظار میں نازک مزاجی دکھاتا ہے اور خدا تعالیٰ پر احسان رکھنے لگتا ہے اور حسن ظن سے انتظار کرنے والے نیک حالت میں ہیں"[3]

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی آپ سے خط و کتابت

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو جب حضرت اقدس کے دعوے کا علم ہوا تو انہوں نے اپنی مخالفت اور اپنے اسباب اشاعت سے آپ کو بھی مرعوب کرنا چاہا۔ حالانکہ وہ حضرت مولوی صاحب کے علم و فضل اور تفقہ فی الدین سے بخوبی واقف تھے کیونکہ اس سے قبل مسئلہ ناسخ و منسوخ میں من وجہ شکست کھا چکے تھے۔ بہر حال حضرت مولوی صاحب نے متانت اور شائستگی سے مولوی محمد حسین صاحب کے خطوط کا جواب دیا۔ مولوی محمد حسین صاحب نے حضرت اقدس کو بھی اپنی اس خط و کتابت سے مطلع کیا۔

---

[1] حیات احمد عہد جدید جلد اول صفحہ ۱۴۵ مصنفہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحبؓ۔ [2] ایضاً۔ [3] ایضاً صفحہ ۵۵۔

مولوی محمد حسین بٹالوی کی خواہش مباحثہ

اور حضرت اقدس سے مباحثہ کی طرح ڈالنا چاہی حضرت اسے پسند نہیں فرماتے تھے۔ کیونکہ مباحثات میں ایک طرح کی ضد پیدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو خوفِ خدا کو مدنظر رکھ کر قبول حق کے لئے تیار ہوں۔ اس لئے جب مولوی صاحب نے حضور کی خدمت میں بمقام لودھیانہ مباحثہ کے لئے چٹھی لکھی تو آپ نے انہیں لکھا کہ مباحثہ تحریری ہو اور اس میں مخصوص علماء کے علاوہ ہر مذاق اور طبیعت کے افراد ہوں اور اگر مباحثہ کے بعد مباہلہ بھی ساتھ ہی ہو جائے تو بہتر رہے گا۔ نیز لکھا کہ آجکل میری طبیعت چونکہ علیل رہتی ہے۔ اس لئے جو تاریخ آپ مقرر کریں اس سے مجھے بھی اور اخویم مولوی نورالدین صاحب کو بھی اطلاع دیں تا اگر خدانخواستہ میری طبیعت زیادہ علیل ہو جائے تو مولوی صاحب موصوف حسب منشاء اس عاجز کے مناسب وقت کارروائی کر سکیں۔

لیکن افسوس ہے کہ ان ایام میں پھر یہ مجوزہ جلسہ نہیں ہو سکا۔

لاہور میں مبادلہ خیالات کا جلسہ

البتہ لاہور کے مخلصین کی ایک جماعت نے ارادہ کیا کہ حضرت مولوی نورالدین صاحب رضی اللہ عنہ کو بلا کر مولوی عبدالرحمٰن صاحب لکھو کے والے سے گفتگو کرائیں گے۔ جو اس وقت لاہور میں موجود تھے اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو بھی بلائینگے مولوی عبدالرحمٰن صاحب تو چلے گئے۔ اس لئے یہی طے پایا کہ مولوی محمد حسین صاحب سے بالمشافہ گفتگو ہو جائے چنانچہ ان بزرگوں نے حضرت مولوی صاحب رضی اللہ عنہ کو بلایا اور کوچہ کوٹھی داران میں منشی امیرالدین صاحب مرحوم کے مکان پر ایک جلسہ منعقد کیا جس میں مولوی محمد حسین صاحب بڑے طمطراق سے اپنے جبہ کو سنبھالتے ہوئے آئے۔ (یاد رہے کہ مولوی صاحب موصوف ہمیشہ ایک دامن دراز جبہ پہنا کرتے تھے۔ اور پیچھے سے اٹھا کر ایک ہاتھ میں سنبھالے رکھتے تھے) مبادلہ خیالات کا آغاز مولوی محمد حسین صاحب کے چند تمہیدی سوالات سے ہوا۔ جو حدیث کے مقام اور مرتبہ سے متعلق تھے۔ حضرت مولوی صاحب نے فرمایا کہ میں قرآن کریم کو مقدم سمجھتا ہوں اور بخاری شریف کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ یقین کرتا ہوں مگر مولوی صاحب کا سلسلہ کلام طوالت اختیار کرتا گیا جس سے ناظرین اکتا گئے اور انہوں نے مولوی صاحب کو توجہ دلائی کہ اصل مسئلہ حیات و وفات مسیح ہے جس پر گفتگو ہونی چاہیئے مگر مولوی صاحب نے نہ اس طرف آنا تھا نہ آئے۔ آخر ان احباب نے کہا کہ ہم نے جو کچھ سمجھنا تھا سمجھ لیا۔ اس کے بعد حضرت مولوی صاحب حضرت اقدس سے شرف ملاقات

حاصل کرنے کے لئے لودھیانہ تشریف لے گئے کیونکہ حضور ان ایام میں لودھیانہ میں تشریف فرما تھے مولوی محمد حسین صاحب نے جھٹ حضرت کو تار دیا کہ آپ کا حواری بھاگ گیا ہے۔ اسے واپس کر دیا آپ آؤ ورنہ شکست خوردہ سمجھے جاؤ گے۔ حضرت اقدس مبادلہ خیالات کی تمام کیفیت تو حضرت مولوی صاحبؓ سے معلوم کر ہی چکے تھے۔ اسی کی روشنی میں مولوی صاحب کو مفصل جواب لکھوایا۔ [۱]

حضرت مولوی صاحبؓ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی فطرت سے واقف تھے۔ اس لئے اس گفتگو سے قبل انہیں لکھ چکے تھے کہ اگر انہوں نے بحث کرنی ہے تو پرائیویٹ خط و کتابت بند کر کے علی الاعلان حضرت اقدس سے بحث کریں۔ مگر لاہور کے بعض احباب حافظ محمد یوسف صاحب ضلعدار نہر وغیرہ کے جمول پہنچکر مجبور کرنے سے آپ لاہور تشریف لے آئے تھے اور منشی امیر الدین صاحب کے مکان پر مندرجہ بالا گفتگو ہوئی تھی

ڈاکٹر جگن ناتھ جمونی کا مطالبہ نشان آسمانی

ڈاکٹر جگن ناتھ جموں کے میڈیکل ڈیپارٹمنٹ میں ملازم تھے اور حضرت مولوی صاحب سے مراسم دوستانہ رکھتے تھے چونکہ حضرت مولوی صاحبؓ وہ دلائل صداقت اسلام ان کے سامنے زندہ نشانات کا اظہار بھی فرمایا کرتے تھے۔ اس لئے انہوں نے آپ کی وساطت سے کوئی نشان آسمانی دیکھنا چاہا مگر ساتھ یہ شرط عاید کر دی کہ

"کوئی مردہ زندہ ہو جائے یا اور کوئی مادر زاد اندھا اچھا ہو جائے۔" [۲]

غالباً ڈاکٹر صاحب نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب معجزات کو مدنظر رکھ کر ایسا مطالبہ کیا ہوگا مگر چونکہ وہ کلام استعارات میں تھا جس کو ڈاکٹر صاحب نے ظاہر پر محمول کر لیا اس لئے حضرت اقدس نے حضرت مولوی صاحب کو لکھا کہ

"آپ صرف یہی شرط رکھیں کہ ایسا امر ظاہر ہو کہ جو انسانی طاقتوں سے برتر ہو اور کچھ شک نہیں کہ جو امر انسانی طاقتوں سے برتر ہو وہی خارق عادت ہے مگر ڈاکٹر صاحب نے خواہ مخواہ مُردہ وغیرہ کی شرطیں لگا دی ہیں۔ اعجازی امور اگر ایسے کھُلے کھُلے اور اپنے اختیار میں ہوتے تو ہم یک دن گویا تمام دنیا سے منوا سکتے ہیں لیکن اعجاز میں ایک ایسا امر مخفی ہوتا ہے کہ سچا طالب حق سمجھ جاتا ہے کہ یہ امر منجانب اللہ ہے اور منکر کو عذرات رکیکہ کرنے کی گنجائش بھی ہو سکتی ہے کیونکہ دنیا میں خدا تعالیٰ

---

[۱] تفصیل کے لئے دیکھئے حیات احمد جلد اول صفحہ ۷۵ ÷ [۲] حیات احمد جلد اول صفحہ ۲۰۳ ÷

ایمان بالغیب کی حد کو توڑنا نہیں چاہتا جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے مردے زندہ کئے اور وہ مُردے دوزخ یا بہشت سے نکل کر کل اپنا حال سُناتے ہیں اور اپنے بیٹوں اور پوتوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ ہم تو عذاب و ثواب کا کچھ دیکھ آئے ہیں، ہماری گواہی مان لو۔ یہ خیالات لغو ہیں۔ بے شک خوارق ظہور میں آتے ہوں گے مگر اس طرح نہیں کہ دنیا قیامت کا نمونہ بن جائے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض حضرت عیسیٰؑ کے منکر رہے۔ اور معجزات مانگتے رہے۔ حضرت عیسیٰؑ نے کبھی ان کو جواب نہ دیا کہ ابھی تو کل میں نے تمہارا باپ زندہ کر کے دکھلایا تھا اور وہ گواہی دے چکا ہے کہ میں بباعث نہ ماننے حضرت عیسیٰؑ کے دوزخ میں پڑا۔ اگر یہ طریق معجزنمائی کا ہوتا تو پھر دنیا دنیا نہ رہتی اور ایمان ایمان نہ رہتا اور ماننے اور ایمان لانے سے کچھ بھی فائدہ نہ رہتا۔ پس جبتک ڈاکٹر صاحب اصول ایمان کے متعلق درخواست نہ کریں میری نظر میں ایک قسم سے وہ دفع وقت کرتے ہیں۔[1]

ڈاکٹر صاحب موصوف کو جب اُن کے مطالبہ کا یہ معقول جواب ملا تو انہوں نے جموں میں یہ مشہور کرنا شروع کیا کہ

"مُردہ کا زندہ کرنا میں نہیں چاہتا اور نہ خشک درخت کا ہرا ہونا یعنی بلاتخصیص کوئی نشان چاہتا ہوں جو انسانی طاقت سے بالاتر ہو۔"[2]

ظاہر ہے کہ یہ مطالبہ بالکل معقول تھا۔ اس کے جواب میں حضرت اقدس نے ذیل کا اعلان شائع فرمایا۔

"آج ہی کی تاریخ ۱۱ جنوری ۱۸۹۲ء کو بروز دوشنبہ ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں مکرراً دعوت حق کے طور پر ایک خط رجسٹری شدہ بھیجا گیا ہے جس کا یہ مضمون ہے کہ اگر آپ بلاتخصیص کسی نشان دیکھنے پر سچے دل سے مسلمان ہونے کو تیار ہیں تو اخبارات مندرجہ حاشیہ[3] میں حلفاً یہ اقرار اپنی طرف سے شائع کراویں کہ میں جو فلاں ابن فلاں ساکن بلدہ فلاں ریاست جموں میں برعہدہ ڈاکٹری متعین ہوں۔ اس وقت حلفاً اقرار صحیح سراسر نیک نیتی اور حق طلبی اور خلوص دل سے کرتا ہوں کہ اگر میں اسلام کی تائید میں کوئی نشان دیکھوں جس کی نظیر مشاہدہ کرانے سے میں عاجز آجاؤں اور انسانی طاقتوں میں اس کا کوئی نمونہ

---

[1] مکتوب بنام حضرت مولوی نورالدین صاحب از لودھیانہ مورخہ ۲۱ اپریل ۱۸۹۱ء۔ [2] حیات احمد جلد اول صفحہ ۲۰۳۔

[3] پنجاب گزٹ سیالکوٹ، رسالہ انجمن حمایت اسلام لاہور۔ ناظم الہند لاہور۔ اخبار عام لاہور۔ نورافشاں لودھیانہ۔

انہیں تمام لوازم کے ساتھ دکھلا نہ سکوں تو بلا توقف مسلمان ہو جاؤں گا۔ اس اشاعت اور اقرار کی اس لئے ضرورت ہے کہ خدائے قیوم و قدوس بازی اور کھیل کی طرح کوئی نشان دکھلانا نہیں چاہتا جب تک کوئی انسان پورے انکسار اور ہدایت یابی کی غرض سے اس کی طرف رجوع نہ کرے تب تک وہ بنظر رحمت رجوع نہیں کرتا اور اشاعت سے خلوص اور پختہ ارادہ ثابت ہوتا ہے اور چونکہ اس عاجز نے خدا تعالیٰ کے اعلام سے ایسے نشانوں کے ظہور کے لئے ایک سال کے وعدے پر اشتہار دیا ہے سو وہی میعاد ڈاکٹر صاحب کے لئے قائم رہے گی۔ طالب حق کے لئے یہ کوئی بڑی میعاد نہیں۔ اگر میں ناکام رہا تو ڈاکٹر صاحب جو سزا اور تاوان میری مقدرت کے موافق میرے لئے تجویز کریں وہ مجھے منظور ہے اور بخدا مجھے مغلوب ہونے کی حالت میں سزائے موت سے بھی کچھ عذر نہیں۔"[1]

اس اشتہار کے شائع ہونے پر ڈاکٹر صاحب موصوف تو ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئے اور اس طرح انہوں نے صداقت اسلام پر مُہر لگادی مگر حضرت مولوی صاحبؓ کا ایمان بہت بڑھ گیا۔ آپ نے جو چٹھی حضرت اقدسؑ کی خدمت میں لکھی۔ اس کا ایک حصہ حضورؑ نے اس اشتہار کے حاشیہ میں درج فرمایا ہے وہ یقیناً اس قابل ہے جو یہاں درج کیا جائے کیونکہ اس سے حضرت مولوی صاحبؓ کے اخلاص و محبت کا پتہ چلتا ہے۔ حضرت اقدس فرماتے ہیں :۔

"حضرت مولوی صاحب کے محبت نامہ موصوفہ کے چند فقرے لکھتا ہوں۔ غور سے پڑھنا چاہئے۔ تاکہ معلوم ہو کہ کہانتک فضل رحمانی سے ان کو انشراح صدر و صدق قدم و یقین کامل عطا کیا گیا ہے اور وہ فقرات یہ ہیں۔

"عالی جناب مرزا جی مجھے اپنے قدموں میں جگہ دو۔ اللہ کی رضامندی چاہتا ہوں اور جس طرح وہ راضی ہو سکے تیار ہوں۔ اگر آپ کے مشن کو انسانی خون کی آبپاشی ضرور ہے تو یہ نابکار (مگر محب انسان) چاہتا ہے کہ اس کام میں کام آوے۔"

تم کلامہ جزاہ اللہ۔

اس کے بعد حضرت اقدس حضرت مولوی صاحب کے متعلق فرماتے ہیں :۔

---

[1] اعلان شائع کردہ ۱۱ جنوری ۱۸۹۲ء بحوالہ حیات احمد جلد اول صفحہ ۲۰۳۔ ۲۰۴

"حضرت مولوی صاحب جو انکسار اور ادب و ایثار مال و عزت اور جانفشانی میں فانی ہیں - خود نہیں بولتے بلکہ ان کی رُوح بول رہی ہے - درحقیقت ہم اسی وقت سچے بندے ٹھہر سکتے ہیں کہ جو خداوند منعم نے ہمیں دیا ہم اس کو واپس دیں یا واپس دینے کے لئے تیار ہو جائیں - ہماری جان اس کی امانت ہے اور وہ فرماتا ہے کہ ان تؤدوا الامانات الیٰ اھلھا - سرکہ نہ پائے عزیزش رود - بار گراں ست کشیدن بدوش۔[۱]

ناظرین اندازہ لگائیں کہ حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب جیسا جہاندیدہ اور آزمودہ کار عالم جو اپنے تقویٰ و طہارت، نیکی، علم و فضل اور حکمت کی بنا پر سارے ہندوستان میں مشہور تھا۔ جب اسے پتہ لگتا ہے کہ حضرت اقدس واقعی خدا تعالیٰ کے مرسل ہیں تو وہ کس طرح مُردہ بدست زندہ کی طرح اپنے آپ کو حضور کے قدموں میں ڈال دیتا ہے اور حضرت اقدس پر بھی قربان جائیے کہ آپ اپنے اس مخلص اور جانثار مُرید کی کس قدر قدردانی فرماتے ہیں۔ اللّٰھم صلّ علیٰ محمّدٍ و اٰلِ محمّدٍ۔

ایک انگریز کا قبول اسلام اور حضرت مولوی صاحبؓ کو اطلاع

اوائل ۱۸۹۲ء میں کرنول احاطہ مدراس کے ایک انگریز مسٹر ویٹ جان خلف الرشید مسٹر جان ویٹ نے حضرت اقدس کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ حضور کا یہ طریق تھا کہ تمام اہم معاملات سے حضرت مولوی صاحب کو بھی مطلع فرمایا کرتے تھے چنانچہ اس موقعہ پر بھی حضور نے آپ کو اطلاع دی۔

پھر جنوری ۱۸۹۲ء میں جب حضور لاہور تشریف لے گئے تو حضرت مولوی صاحب کو بھی بذریعہ چٹھی یاد فرمایا چنانچہ آپ فوراً پہنچ گئے۔ لاہور میں حضرت اقدسؑ نے منشی میراں بخش صاحب کی کوٹھی کے احاطہ میں ہزاروں آدمیوں کے مجمع میں ایک عظیم الشان تقریر فرمائی جس کے بعد حضور نے آپ کو فرمایا کہ آپ بھی کچھ تقریر کریں چنانچہ آپ نے فرمایا:-

"آپ نے مرزا صاحب کا دعویٰ اور اس کے دلائل آپ کی زبان سے سُنے اور اللہ تعالیٰ کے اُن وعدوں اور بشارتوں کو بھی سُنا جو ان مخالف حالات میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو دی ہیں۔ تمہارے اس شہر والے لوگ مجھے اور میرے خاندان کو جانتے ہیں علماء بھی مجھ سے ناواقف نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے قرآن کا فہم دیا ہے۔ میں نے بہت غور و مزا

---

[۱] حیات احمد حصہ اول صفحہ ۲۰۲ حاشیہ۔

صاحب کے دعاوی پر کیا اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں کیں۔ آپ کی خدمات اسلامی کو دیکھا اور آپ کی مخالفت کرنے والوں کے حالات پر غور کیا تو قرآن مجید نے میری رہنمائی فرمائی۔ میں نے دیکھا کہ آپ سے پہلے آنے والوں کا مقابلہ جس طرح پر کیا گیا وہی اب ہو رہا ہے۔ گویا اس پرانی تاریخ کو دوہرایا جا رہا ہے۔ میں کلمہ شہادت پڑھ کر کہتا ہوں کہ **مرزا حق پر ہے اور اس حق سے ٹکرانے والا باطل پاش پاش** ہو جائے گا۔ مومن حق کو قبول کرتا ہے۔ میں نے حق کو سمجھ کر اسے قبول کیا ہے اور اب حضرت نبی کریمؐ کے ارشاد کے موافق کہ مومن جو اپنے لئے پسند کرتا ہے اپنے بھائی کے لئے بھی پسند کرتا ہے۔ آپ کو بھی اس حق کی دعوت دیتا ہوں۔ وَمَا علینا الا البلاغ۔ السلام علیکم"

یہ فرما کر میز سے اُتر آئے اور جلسہ برخواست ہو گیا۔[1]

جلسہ سالانہ ۱۸۹۲ء میں شمولیت

۱۸۹۱ء میں حضرت اقدس نے "آسمانی فیصلہ" سُنانے کیلئے احباب کو مرکز میں بلایا تھا جہاں تک ریکارڈ کا تعلق ہے اس جلسہ میں حضرت مولوی صاحب کی تشریف آوری کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔ البتہ جو جلسہ ۱۸۹۲ء میں ہوا۔ اس میں آپ تشریف لائے۔ اور جیسا کہ حضرت اقدس کے اعلان مورخہ ۷ اردسمبر ۱۸۹۲ء سے ثابت ہے آپ نے اس مقدس اجتماع کے لئے حضرت حکیم فضل الدین صاحب بھیروی کی مدد سے قادیان میں ایک مکان بھی بنوایا تھا۔ جس پر سات سو یا اس سے کچھ زیادہ روپے خرچ ہوئے تھے۔ چنانچہ قادیان میں مستقل طور پر ہجرت کے بعد آپ نے اسی مکان میں رہائش اختیار کی۔

اس جلسہ کی رپورٹ جو "آئینہ کمالات اسلام" میں شائع ہوئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ

"پہلے حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحب نے قرآن شریف کی ان آیات کی تفسیر بیان کی جس میں یہ ذکر ہے کہ مریم صدیقہ کیسی صالحہ اور عفیفہ تھیں اور ان کے برگزیدہ فرزند حضرت عیسٰی علیہ السلام پر خدا تعالیٰ نے کیا کیا احسان کیا اور کیونکر وہ اس فانی دنیا سے انتقال کر کے اس دارالنعیم میں پہنچ گئے جس میں ان سے پہلے حضرت یحییٰ

---

[1] حیات احمد جلد اول صفحہ ۲۰۶

حضور اور دوسرے مقدس نبی پہنچ چکے تھے۔ اس تقریر کے ضمن میں مولوی صاحب موصوف نے بہت سے حقائق و معارف قرآن کریم بیان فرمائے۔ جن سے حاضرین پر بڑا اچھا اثر پڑا۔ اور مولوی صاحب نے بڑی صفائی سے اس بات کا ثبوت دیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام درحقیقت اس عالم سے رحلت فرما گئے ہیں اور ان کے زندہ ہونے کا خیال عبث اور باطل اور سراسر مخالف نصوص بیّنہ قرآن کریم و احادیث صحیحہ ہے اور ان کے نزول کی امید رکھنا طمع خام ہے۔ الخ"[1]

آپ کی صدارت میں ایک کمیٹی کا قیام

اس جلسہ کے آخری روز یعنی ۲۸ر دسمبر ۱۸۹۲ء کو احباب کے مشورہ سے یہ قرار پایا کہ یورپ و امریکہ میں تبلیغ کیلئے انگریزی میں ایک رسالہ تیار کیا جائے جو اہم ضروریات اسلام کا جامع اور عقائد اسلام کا خوبصورت چہرہ معقولی پر دکھاتا ہو نیز ایک پریس بھی جاری کیا جائے جس سے سلسلہ کا لٹریچر بآسانی طبع کیا جا سکے۔ ایک اخبار کی اشاعت کا بھی فیصلہ کیا گیا۔ ایسا ہی بعض اور تجویزیں بھی پیش ہوئیں اور ان اغراض کے پورا کرنے اور دیگر انتظامات کی غرض سے ایک کمیٹی تجویز کی گئی جس کے صدر حضرت مولانا حکیم نورالدین صاحب بھیروی اور ممبران حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی، حضرت نواب محمد علیخاں صاحب رئیس مالیر کوٹلہ، جناب شیخ رحمت اللہ صاحب میونسپل کمشنر گجرات اور جناب منشی غلام قادر صاحب فصیح وائس پریذیڈنٹ میونسپل کمیٹی سیالکوٹ قرار پائے۔[2]

جنگ مقدس کے بعد امرتسر میں آپ کی تقاریر

امرتسر میں عیسائیوں کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پندرہ روز لگاتار جو تحریری مناظرہ ہوا تھا اور جو "جنگ مقدس" کے نام سے طبع ہو کر شائع ہوا۔ اس میں علاوہ اور احباب کے حضرت مولوی صاحب بھی برابر حضور کے ساتھ امرتسر میں موجود رہے۔ شہر کے رؤسا خصوصاً حاجی میر محمود صاحب اور جناب خواجہ یوسف شاہ صاحب حضرت مولوی صاحبؓ کے ساتھ نہایت ہی محبت اور اخلاص سے پیش آتے تھے اور وہ دونوں صاحب یہ چاہتے تھے کہ علماء کے گروہ نے جو غلط فہمیاں حضرت مرزا صاحب کے عقائد کے متعلق عوام الناس میں پھیلا رکھی ہیں۔ ان کا ازالہ کیا جائے۔ اور اس غرض کے لئے انہوں نے گروہ علماء کو بالمقابل گفتگو کرنے کے لئے دعوت بھی دی لیکن افسوس کہ مولوی صاحبان نے اُن کی تجویز کردہ شرائط

---

[1] حیات احمد عہد جدید حصہ اوّل صفحہ ۲۴۴-۲۴۵ [2] ایضاً صفحہ ۲۴۶

کیے مطابق بحث کرنا منظور نہ کیا۔ اس پر انہوں نے بڑے بڑے مجمعوں میں حضرت مولوی صاحب کے متعدد وعظ اور لیکچر کرائے جن سے آپ کے تبحر علمی اور نکات قرآنی کے بیان کرنے میں وسعت معلومات اور قابلیت کا سکہ بیٹھ گیا۔ خصوصاً آخری دو راتوں میں موجبات تکفیر کی بیخکنی پر جو آپ نے روشنی ڈالی تو ہر کہ ومہ کی نظر میں حضرت اقدس مرزا صاحب کا وجود قابل ادب اور لائق تکریم شمار ہونے لگا۔ یہ ہر دو وعظ خاص اپنے اہتمام سے حاجی میر محمود صاحب نے اپنے طویلے کے کوٹھے کی چھتوں پر کرائے۔ علاوہ ان دو وعظوں کے شہر کی مختلف مساجد اور عام پبلک جلسوں میں بھی حضرت مولوی صاحب کی تقاریر ہوئیں۔ ان تقاریر اور وعظوں کی وجہ سے آپ کی جو عزت اور تکریم باشندگان شہر کے دلوں میں قائم ہوئی اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب حضرت مولوی صاحب، وعظ سے فارغ ہوتے تھے تو عام لوگ مصافحہ اور دست بوسی کے واسطے ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔

سفر جنڈیالہ[1]

چونکہ ساکنین جنڈیالہ ہی اس بحث کے محرک ہوئے تھے اس لئے انہوں نے حضرت اقدس سے اس امر کی شدید خواہش کی کہ حضور ایک دن کے لئے جنڈیالہ تشریف لے چلیں۔ حضور نے ایک دن کے لئے جنڈیالہ جانا منظور فرمالیا اور جب حسب وعدہ جنڈیالہ پہنچے تو اہل جنڈیالہ نے حضور کا شایان شان استقبال کیا اور جہاں حضور کے ارشادات عالیہ سے مستفیض ہوئے وہاں حضرت مولوی نورالدین صاحب کے مواعظِ حسنہ کو بھی دلی شوق اور انبساط سے سُنا۔ بعد نماز عصر جب حضور واپس امرتسر لے جانے لگے تو اہل دیہہ نے درخواست کی کہ حضور! حضرت مولوی صاحب کو اجازت دیں کہ رات یہاں رہ کر وعظ فرمائیں۔ حضور نے اس امر کو منظور فرمالیا اور حضرت مولوی صاحب معہ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب اور حضرت شیخ یعقوب علی صاحب ٹھہر گئے۔ چونکہ وہاں پر عیسائیوں نے اپنے پراپیگنڈہ کی مہم تیز کردی تھی اور مسلمان حضرات بھی ان کا ترکی بہ ترکی جواب دیتے تھے اس لئے انہوں نے درخواست کی کہ حضرت مولوی صاحب عیسائیوں اور آریوں کے ردّ میں تقریر فرمادیں۔ چنانچہ آپ نے ان کی خواہش کے مطابق نہایت ہی ٹھوس اور عالمانہ رنگ میں تقریر فرمائی۔ بعد ازاں وہ کچھ سوالات بھی کرتے رہے جن کے آپ نے تسلی بخش جوابات دیئے۔ آپ کی مشہور کتاب "فصل الخطاب" بھی ان کے پاس موجود تھی۔ اس سے استفادہ کرکے وہ عیسائیوں کے اعتراضات کے جوابات دیا کرتے تھے۔

---

[1] جنڈیالہ ضلع امرتسر میں ایک مشہور قصبہ ہے۔

دورانِ قیامِ کشمیر کے بعض متفرق واقعات

ابھی تک چونکہ آپ ریاست جموں وکشمیر کی ملازمت ہی میں تھے اور ضرورت پڑنے پر حضرت اقدس آپ کو بُلا لیا کرتے تھے لیکن اب وہ وقت آگیا تھا اور ایسے اسباب پیدا ہو رہے تھے جن کی بنا پر آپ کو ریاست سے ہمیشہ کے لئے علیحدہ ہونا تھا۔ اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قیامِ کشمیر کے زمانہ کے بعض بعض چیدہ چیدہ واقعات بیان کر دیئے جائیں:۔

محترم حکیم محمد صدیق صاحب کی روایت ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ فرمایا کرتے تھے کہ

"ایک دفعہ تین ساتھیوں کے ساتھ ہم راستہ بھُول گئے اور کہیں دُور نکل گئے۔ کوئی بستی نظر نہیں آتی تھی۔ میرے ساتھیوں کو جب بھوک اور پیاس نے سخت ستایا تو ان میں سے ایک نے کہا کہ نورالدین جو کہتا ہے کہ میرا خدا مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ کس طرح کھلاتا پلاتا ہے۔ فرمایا کرتے تھے میں دعا کرنے لگا۔ چنانچہ جب ہم آگے گئے تو پیچھے سے زور کی آواز آئی۔ ٹھہرو! ٹھہرو! جب دیکھا تو دو شتر سوار تیزی کے ساتھ آرہے تھے جب پاس آئے تو انہوں نے کہا۔ ہم شکاری ہیں۔ ہرن کا شکار کیا تھا اور خوب پکایا گھر سے پراٹھے لائے تھے۔ ہم سیر ہو چکے ہیں اور کھانا ابھی بہت ہے، آپ کھالیں چنانچہ ہم سب نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ ساتھیوں کو یقین ہو گیا کہ نورالدین سچ کہتا تھا۔"

فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا نورالدین کے ساتھ وعدہ ہے کہ میں تیری ہر ضرورت کو پورا کروں گا کیا کوئی بادشاہ بھی یہ دعویٰ کر سکتا ہے۔"

محترم حکیم صاحب موصوف ہی کی ایک اور روایت ہے اور گو اس کا تعلق سکونتِ کشمیر کے ساتھ نہیں۔ بلکہ خلافت کے زمانہ کے ساتھ ہے مگر موقعہ کی مناسبت کے لحاظ سے اس کا بھی یہاں ہی ذکر کیا جا رہا ہے

فرمایا:۔ "ایک دفعہ ہمیں یتیموں اور بیواؤں کا خرچ دینے کے لئے تین سو روپے کی ضرورت تھی۔ گھر میں بھی خرچ دینا تھا۔ بخاری کا درس دے رہا تھا اور یہ فکر بھی دامنگیر تھا۔ اسی وقت چٹھی رساں تین سو روپے کا منی آرڈر لایا اور وہ منی آرڈر ایسے شخص کی طرف سے تھا جو میرا واقف کبھی نہیں تھا چنانچہ وہ سب ہم نے باہر ہی تقسیم کر دیا کسی کو دس، کسی کو بیس، باقی پانچ روپے بچے جو بیوی کو جا کر دیئے یہ کہکر کہ لو بیوی تم بھی موج اُڑا لو۔"

مکرم مولوی تاج الدین صاحب لائلپوری قاضی سلسلہ عالیہ احمدیہ نے بیان فرمایا کہ

"مولوی غلام قادر صاحب نے جو رشتے میں میرے ماموں ہوتے تھے اور اہلحدیث فرقہ کے ساتھ تعلق رکھتے تھے۔ ایک دفعہ مجھے سُنایا کہ مولوی نورالدین صاحب کا درس سننے کے لئے میں اکثر جموں جایا کرتا تھا۔ نیز کہا کہ ہندوستان میں اگر کوئی قرآن جانتا تھا تو وہ میرے خیال میں حکیم نورالدین صاحب ہی تھے۔ پھر کہا کہ مولوی صاحب کو اسلام کے ساتھ بے حد محبت تھی اور اشاعت اسلام کی ایک بڑی تڑپ رکھتے تھے چنانچہ جب میں ایک دفعہ اُن کے پاس جموں گیا تو ایک شخص کے متعلق جو مولوی صاحب کے ساتھ میل ملاپ رکھتا تھا مجھ سے اس کا حال دریافت کیا۔ میں نے کہا کہ وہ تو عیسائی ہوگیا ہے اور عیسائیوں کے ایک سکول میں -/۲۵ روپیہ ماہوار پر مدرس مقرر ہوگیا ہے۔ یہ سُنکر مولوی صاحب کو بڑا صدمہ ہوا۔ اور مجھ سے فرمایا کہ اس کو میری طرف سے کہو کہ وہ دنیا کی خاطر اسلام نہ چھوڑے۔ پھر مسلمان ہوجائے اور -/۲۵ روپے ماہوار جب تک میں زندہ ہوں مجھ سے لے لیا کرے۔ میں اُسے باقاعدگی کے ساتھ بھجواتا رہوں گا اور اس کے علاوہ جو کاروبار وہ کرنا چاہے وہ بھی بیشک کرتا رہے۔

محترم چوہدری غلام محمد صاحب کا بیان ہے کہ

"ایک دفعہ میں موضع کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ میں ایک دوست حکیم غلام علی صاحب کے پاس بیٹھا تھا۔ حکیم صاحب کا ایک رشتہ دار جو جموں کا رہنے والا تھا۔ وہ بھی موجود تھا۔ یہ دوست حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ کا شاگرد تھا اور آپ کے جموں کے قیام کے زمانہ میں آپ کا کمپاؤنڈر بھی رہا تھا۔ اس نے چند باتیں آپ کے متعلق بتائیں۔

۱۔ اس نے یہ ذکر کیا کہ ایک دفعہ حضرت مولوی صاحب کشمیر سے راولپنڈی کے راستہ سے واپس آرہے تھے کہ دوران سفر میں روپیہ ختم ہوگیا۔ میں نے اسبارہ میں عرض کیا۔ آپ نے فرمایا۔ یہ گھوڑی چار پانچ صد روپیہ میں بیچ دیں گے فوراً بک جائے گی اور خرچ کے لئے روپیہ کافی ہو جائے گا۔ آپ نے وہ گھوڑی سات سو روپیہ میں خریدی تھی۔ تھوڑی دُور ہی گئے تھے کہ گھوڑی کو درد قولنج ہوا۔ اور راولپنڈی پہنچکر وہ مر گئی۔

ٹانگے والوں کو کرایہ دینا تھا۔ آپ ٹہل رہے تھے۔ میں نے عرض کی۔ ٹانگہ والے کرایہ طلب کرتے ہیں۔ آپ نے نہایت رنج کے لہجہ میں فرمایا کہ نورالدین کا خدا تو وہ مرا پڑا ہے۔ اب اپنے اصل خدا کی طرف توجہ کرتے ہیں وہی کارساز ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک سکھ اپنے بوڑھے بیمار باپ کو لیکر حاضر ہوا۔ آپ نے اُسے دیکھ کر نسخہ لکھا۔ اس نے ہمیں اتنی رقم دے دی کہ جموں تک کے اخراجات کے لئے کافی ہوگئی۔"

۲۔ "حکیم صاحب کے اس رشتہ دار نے یہ بھی سُنایا کہ ایک دفعہ میں حضرت مولوی صاحب کے ساتھ لاہور آیا۔ آپ کے روپے میرے پاس تھے اور آپ کے ارشاد کے مطابق خرچ کرتا تھا حتیٰ کہ سب روپیہ خرچ ہوگیا۔ رات کو آپ ایک دوست کے ہاں ٹھہرے صبح ہوئی تو جموں واپس جانے کے لئے اسٹیشن کی طرف چل پڑے۔ میں نے خیال کیا۔ کہ آپ نے اس دوست سے کرایہ کے لئے رقم لے لی ہوگی۔ جب ہم اسٹیشن پر پہنچے تو آپ ایک بنچ پر بیٹھے۔ میں نے ٹکٹ کے لئے روپے طلب کئے۔ آپ نے فرمایا تھوڑی دیر ٹھہر جاؤ۔ کچھ دیر کے بعد ایک آدمی آیا اور آپ سے پوچھنے لگا۔ آپ کو کہاں جانا ہے؟ آپ نے فرمایا جموں۔ اس نے کہا کہ آپ نے ٹکٹ لے لی ہے؟ فرمایا ابھی نہیں۔ اس نے پوچھا۔ آپ کتنے آدمی ہیں؟ فرمایا دو۔ وہ بھاگا ہوا گیا۔ اور دو ٹکٹ لے آیا اور کہنے لگا کہ گاڑی تیار ہے چلئے۔ گاڑی میں وہ بھی ساتھ بیٹھ گیا اور اپنی بیماری کا حال بتاتا رہا۔ آپ نے اسے نسخہ لکھ کر دیا اور وہ راستہ سے واپس آگیا۔"

۳۔ "حکیم صاحب کے رشتہ دار نے یہ بھی سُنایا کہ ایک دن ایک مہترانی نے آکر کہا۔ کہ میرے لڑکے کے پیٹ میں سخت درد ہے۔ آپ نے پوچھا کیا وہ یہاں نہیں آسکتا۔ اس نے کہا۔ نہیں۔ آپ نے پوچھا۔ تمہارا گھر کتنی دُور ہے؟ اس نے کہا نزدیک ہی ہے۔ میں نے کہا یہ جھوٹ کہتی ہے۔ ان کی ٹھٹھی (بستی) شہر سے قریباً دو میل دور ہوگی مگر آپ اس کے ساتھ چل پڑے۔ جب اس کے گھر پہنچے تو وہ بہت گندہ تھا۔ اور اس کا لڑکا چارپائی پر گندے کپڑوں میں پڑا لیٹا ہوا کراہ رہا تھا۔ آپ ایک پیڑھی پر بیٹھے۔ نسخہ لکھ کر مجھے دیا کہ شہر جا کر دوا لے آؤں۔ ابھی میں گیا نہیں تھا کہ ایک اور

مہترانی آئی اور کہنے لگی کہ میرے لڑکے کو پیٹ درد ہوئی تھی تو میں نے لہسن کا پانی نکال کر دیا تھا جس سے اس کو آرام آگیا تھا۔ آپ نے مجھے ٹھہر جانے کو فرمایا اور لہسن منگوا کر اس کا پانی لڑکے کو پلوایا چنانچہ اُسے آرام آگیا۔ واپسی پر میں نے عرض کی آپ شاہی حکیم ہیں آپ کو ایسے ویسے لوگوں کے گھر نہیں جانا چاہیئے۔ آپ کسی امیر کے گھر جاتے تو آپ کو بہت فیس ملتی۔ آپ نے فرمایا کہ جتنی غربا کی فیس ملا کرتی ہے اتنی امراء کی نہیں ملتی۔ اور پھر پیٹ درد کا یہ نسخہ کوئی کم فیس نہیں ہے۔

دوسرا دن اتوار تھا اور آپ نے مہندی لگائی ہوئی تھی۔ باہر سے اطلاع آئی کہ مہاراج صاحب تشریف لائے ہیں۔ آپ نے مجھے فرمایا کہ مہاراجہ صاحب سے کہدو اگر حکم ہو تو اسی حالت میں حاضر ہو جاؤں۔ مہاراجہ نے کہا۔ حکیم صاحب سے کہدو کہ آنے کی ضرورت نہیں۔ آپ پرسوں والا نسخہ تیار کر دیں۔ ساتھ ہی مہاراج نے ایک تھیلی روپوں کی دے دی۔ جب وہ روپیہ گنا گیا تو پانچ صد تھا میں نے وہ تھیلی حضرت مولوی صاحب کی خدمت میں پیش کر دی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ کل والے مہتر لڑکے کی فیس ہے۔ میں نے کہا تھا کہ اس نسخے پر پانچ روپے خرچ ہوں گے۔"[1]

احسان پر شکریہ ادا نہ کرنا موجب خسران ہے

ایک مرتبہ آپ نے اپنے کسی دوست کو بیکار دیکھ کر اسے تجارت کی ترغیب دی۔ اور اپنے پاس سے تین ہزار روپے بھی ان کو دیئے۔ انہوں نے روپے لیکر کہا کہ بھلا ان میں کیا ہو سکتا ہے؟ کچھ بھی نہیں ہو گا۔ ان کا یہ کلمہ سُنکر آپ نے فرمایا۔

"تم کو شکر کرنا چاہیئے تھا لیکن چونکہ تم نے شکر ادا نہیں کیا لہٰذا تم کو ہرگز نفع نہ ہوگا"۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔[2]

مہاراجہ کشمیر کا آپ کو اذان دینے سے لطیف پیرایہ میں روکنا

حضرت مولوی صاحب جب شروع شروع میں کشمیر گئے تو چونکہ آپ کو ہمیشہ اذان دے کر نماز پڑھنے کی عادت تھی اس لئے ایک روز جب آپ نے خوب زور سے فجر کی اذان کہی۔ تو چونکہ آپ کی رہائش گاہ کے ارد گرد خالص ہندوؤں کی آبادی تھی۔ مہاراجہ کشمیر کے محلات بھی نزدیک ہی تھے۔

---

[1] اصحاب احمد جلد ہشتم صفحہ ۴۷ تا ۴۷۶ [2] مرقاۃ صفحہ ۱۹۵

لہٰذا دن کے وقت مہاراجہ صاحب نے آپ سے پوچھا کہ "آج صبح اذان کس نے دی تھی؟" آپ نے فرمایا "میں نے دی تھی۔" مہاراجہ نے کہا۔ مولوی صاحب! جب آپ نے دو مرتبہ حی علی الصلوٰۃ کہا کہ نماز کے لئے آؤ، نماز کے لئے آؤ! تو چونکہ کوئی شخص اس محلہ میں نماز کے لئے نہیں آسکتا تھا۔ اس لئے مجھے بڑا ہی ڈر معلوم ہوا کہ یہ لوگ حی علی الصلوٰۃ کی تعمیل نہیں کرتے۔ کہیں سب کے سب غارت نہ ہو جائیں میں چونکہ اس ملک کا مالک ہوں اس لئے میں بڑا خوفزدہ بیٹھا رہا۔

مہاراجہ صاحب کا مطلب اس گفتگو سے یہ تھا کہ آئندہ اس محلہ میں اذان نہ کہیں مگر ایک لطیف پیرایہ میں بات کہی چنانچہ آپ نے مہاراجہ صاحب کی اس خواہش کی تعمیل میں کسی اور محلہ میں رہائش اختیار کر لی۔ مگر اذان نہیں چھوڑی۔

کونسا مذہب اختیار کیا جائے؟

ایک مرتبہ آپ سے مہاراجہ کشمیر نے پوچھا کہ مولوی صاحب! سچے مذہب کی شناخت کا بھی کوئی معیار ہے؟ آپ نے فرمایا کہ آپ ہی فرمائیں۔ مہاراجہ نے کہا کہ ہمارے نزدیک تو مذہب وہ سچا ہے جو پراچین (پرانا۔ قدیم) ہو اور آپ کا مذہب تو صرف بارہ سو برس سے ہے۔ آپ نے فرمایا

> "ہمارے ہاں فبھدا ھم اقتدہ آیا ہے یعنی جو پرانا اور اچھا ہو۔ اس کی پیروی کرو۔ یہ سنکر مہاراجہ نے کہا کہ رامچندر جی سب سے پرانے ہیں۔ ہم ان کو مانتے ہیں۔ میں نے کہا۔ رامچندر کس کی پرستش کرتے تھے؟ کہا کہ وشن کی۔ میں نے کہا وہ کس کی؟ کہا وہ رُدر کی۔ میں نے عرض کیا۔ اور وہ کس کی؟ تو کہا وہ برہما کی۔ میں نے کہا۔ برہما کس کی؟ کہا۔ برہما کیول ایشور کی۔ میں نے کہا کہ بس وہی اسلام ہے کیا معنے ہم وحدہ لاشریک مالک کی پرستش کرتے ہیں۔" [۱]

آپ کی سادگی

محترم ڈاکٹر عبید اللہ خاں صاحب بٹالوی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت مولوی صاحب کی غیر معمولی عظمت سے حسد کر کے ریاست کے درباریوں نے مہاراجہ صاحب سے نوٹیفکیشن کرایا کہ ہر درباری کا لباس کم از کم اس کی ایک ماہ کی تنخواہ کے برابر ہونا چاہیئے چنانچہ اور درباریوں نے تو اس پر عمل کیا۔ لیکن حضرت مولوی صاحب پر اس کا کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ کچھ دنوں کے بعد کسی نے رئیس کے پاس یہ

---

[۱] مرقاۃ صفحہ ۲۲۴-۲۲۵۔

شکایت کی کہ حضرت مولوی صاحب نے آپ کے حکم کی کوئی پروا نہیں کی۔ مہاراجہ اس شکایت کنندہ پر سخت ناراض ہوئے اور خفگی کے لہجہ میں کہا کہ ان کا بناؤ سنگار تو مناسب ہی نہیں کیونکہ انہیں ہر وقت اندرون خانہ مستورات کے پاس جانا ہوتا ہے۔

آپ کی خودداری

آپ کی خودداری کا یہ عالم تھا کہ آپ نے کبھی کسی بڑے سے بڑے دنیادار انسان کے آگے جھکنا برداشت نہیں کیا۔ چنانچہ کشمیر میں آپ پندرہ سولہ برس مہاراجہ کشمیر کی ملازمت میں رہے۔ اس مدت میں بسیوں ایسے مواقع پیش آسکتے تھے جبکہ آپ کو ریاست کے دستور کے مطابق مہاراجہ کو نذر دکھلانا پڑتی مگر اللہ تعالےٰ کچھ ایسے ہی سامان کرتا رہا کہ آپ کو کوئی ایسا موقعہ پیش نہیں آیا۔ صرف ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ تمام اہل دربار کو نذریں دکھلانا لازمی تھا۔ آپ نے بھی با دل ناخواستہ نذر دکھلانے کا عزم کیا۔ آپ فرماتے ہیں:۔

”روپیہ ہاتھ میں لے کر جب میں نذر دکھلانے والا تھا ویسے ہی بلا کسی خیال کے میری نظر روپیہ پر پڑی۔ میں ہتھیلی میں روپیہ لئے ہوئے خود ہی جب اس کو دیکھ رہا تھا تو مہاراج نے مجھ کو آواز دے کر کہا کہ مولوی صاحب! آپ نذر دکھلاتے ہیں یا روپیہ دیکھتے ہیں میں نے بیساختہ کہا کہ مہاراج! روپیہ کو دیکھتا ہوں جس کی وجہ سے مجھ کو نذر دکھلانے کی ضرورت پیش آئی۔ یہ سُنکر فوراً مہاراج نے کہا کہ ہاں! آپ کو نذر دکھلانے کی ضرورت نہیں۔ آپ تو نذر دکھلانے سے آزاد ہیں۔ سب ہنس پڑے اور اس طرح بات ہنسی میں ٹل گئی اور مجھ کو نذر بھی نہ دکھلانی پڑی۔“ [۱]

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ بڑے خوددار انسان تھے۔ اور مہاراجہ کو بھی اس بات کا علم تھا کہ آپ مال و دولت کے پرستار نہیں خالص اہل اللہ میں سے ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ انہوں نے تمام درباریوں کو مخاطب کر کے کہا کہ

”تم سب اپنی اپنی غرض کو آکر میرے پاس جمع ہو گئے ہو اور میری خوشامد کرتے ہو۔ لیکن صرف یہ شخص (آپ کی طرف اشارہ کر کے) ہے جس کو میں نے اپنی غرض سے بلایا ہے اور مجھ کو اس کی خوشامد کرنی پڑتی ہے۔“ [۲]

---

[۱] مرقاۃ صفحہ ۲۲۲ ۔ [۲] مرقاۃ صفحہ ۲۲۹ ۔

مہاراجہ صاحب کے یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ انہیں آپ کا کس قدر اعزاز و اکرام منظور تھا۔ دوران ملازمت میں آپ کو کئی ایسے مواقع پیش آئے جبکہ آپ نے مذہبی مسائل کے سمجھانے میں شمہ بھر بھی مہاراجہ کی عظمت کا لحاظ نہیں کیا۔ چنانچہ ایسے ہی مواقع میں سے ایک موقعہ کا ذکر کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:۔

"ایک مرتبہ مہاراجہ کشمیر نے مجھ سے کہا کہ کیوں مولوی جی! تم ہم کو تو کہتے ہو کہ تم سوٗر کھاتے ہو اس لئے بیجا حملہ کر بیٹھتے ہو۔ بھلا یہ تو بتلاؤ کہ انگریز بھی تو سوٗر کھاتے ہیں وہ کیوں اس طرح ناعاقبت اندیشی سے حملہ نہیں کرتے۔ میں نے کہا وہ ساتھ ہی گائے کا گوشت بھی کھاتے رہتے ہیں اس سے اصلاح ہو جاتی ہے۔ یہ سنکر خاموش ہی ہو گئے اور پھر دو برس تک مجھ سے کوئی مذہبی مباحثہ نہیں کیا۔" [۱]

باوجود اس خودداری اور حق گوئی کے آپ میں تکبر اور غرور نام کو بھی نہ تھا۔ آپ سادگی اور انکسار کا مجسمہ تھے۔ گذشتہ صدی میں سینکڑوں روپیہ ماہوار کوئی معمولی تنخواہ نہیں تھی۔ علاوہ اس تنخواہ کے آپ کو بڑی بڑی گرانقدر رقمیں بطور انعام بھی ملا کرتی تھیں۔ مگر آپ فرماتے ہیں کہ

"بعض اسّی اسّی روپیہ ماہوار کے طبیب مجھ سے اول بیٹھنے کی کوشش کرتے اور میں اُن کو آگے بیٹھنے دیتا اور بہت خوش ہوتا۔" [۲]

مباحثات سے اجتناب

آپ فرماتے ہیں:۔

"مجھ کو کسی سے خود کوشش کر کے مباحثہ کرنے کی نہ کبھی خواہش ہوئی اور نہ اب ہے۔ ہاں! جب کوئی مجبور ہی کر دے اور گلے ہی آپڑے تو پھر خدا تعالیٰ سے دعا مانگ کر مباحثہ کیا اور ہمیشہ کامیاب ہوا۔ تم لوگ اس کا تجربہ کر کے دیکھو۔ ہاں انبیاء علیہم السلام معذور ہوتے ہیں کیونکہ مامور ہوتے ہیں۔" [۳]

آپ کی حاضر جوابی

آپ حاضر جواب بھی غضب کے تھے۔ یہاں صرف ایک واقعہ کا ذکر کیا جاتا ہے آپ فرماتے ہیں:۔

"وہاں ایک بوڑھے آدمی تھے۔ انہوں نے بہت سے علوم و فنون کی حدود یعنی تعریفیں یاد کر رکھی تھیں۔ بڑے بڑے عالموں سے کسی علم کی تعریف دریافت کرتے۔ وہ جو کچھ

---

[۱] مرقاۃ صفحہ ۲۲۱ ۔ [۲] مرقاۃ صفحہ ۲۲۲ ۔ [۳] مرقاۃ صفحہ ۲۲۹ ۔

بیان کرتے یہ اس میں کوئی نہ کوئی نقص نکال دیتے کیونکہ پختہ الفاظ تعریفوں کے یاد تھے۔
اس طرح ہر شخص پر اپنا رُعب بٹھانے کی کوشش کرتے۔ایک دن سر دربار مجھ سے دریافت کیا کہ مولوی صاحب! حکمت کس کو کہتے ہیں؟ میں نے کہا کہ شرک سے لیکر عام بداخلاقی تک سے بچنے کا نام حکمت ہے۔ وہ حیرت سے دریافت کرنے لگے کہ یہ تعریف حکمت کی کس نے لکھی ہے؟ میں نے دہلی کے ایک حکیم سے جو حافظ بھی تھے اور میرے پاس بیٹھے تھے، کہا کہ حکیم صاحب! ان کو سورۃ بنی اسرائیل کے چوتھے رکوع کا ترجمہ سُنا دو جس میں آتا ہے ذٰلک مما اوحیٰ الیک ربک من الحکمۃ۔ پھر تو وہ بہت ہی حیرت زدہ سے ہو گئے۔" [۱]

مہاراجہ کشمیر کا آپ سے قرآن مجید پڑھنا

مہاراجہ جموں وکشمیر آپ کی نیکی اور تقویٰ سے اس قدر متاثر تھے۔ کہ ایک مرتبہ انہوں نے آپ سے قرآن کریم پڑھنے کی درخواست کی جس پر آپ نے انہیں پندرہ پارے پڑھائے۔ [۲]

نیکی کا موقعہ نکل جانیکے بعد پھر توفیق نہیں ملتی

نوجوان طالب علم اکثر موقعوں پر دینی تعلیم حاصل کرنے سے رُکتے ہیں اور دوسرے وقت پر اسے ملتوی کرتے رہتے ہیں۔ یہ اچھا طریقہ نہیں۔ اس سے وہ تعلیم حاصل کرنے سے بالکل محروم رہ جاتے ہیں۔ اسی قسم کے ایک نوجوان کا واقعہ لکھا ہے کہ وہ آپ کے پاس رہا کرتا تھا۔ آپ نے اسے بار بار قرآن کریم پڑھ لینے کی ترغیب دلائی مگر وہ ہمیشہ ہی ٹالتا رہا حتیٰ کہ جب آپ کشمیر سے اپنے وطن کو تشریف لا رہے تھے تو وہ بھی ساتھ تھا۔ آپ کے ڈر سے ایک حمایل شریف اس نے گلے میں لٹکائی ہوئی تھی۔ ایک مقام اودھم پور ہے۔ وہاں اُتر کر آپ نے نماز پڑھی۔ اس مقام پر جو ڈاک ملی۔ تو اس نوجوان کی ملازمت کا پروانہ بھی اس میں موجود تھا۔ اور اُسے محکمۂ پولیس میں ملازمت کے سلسلہ میں لاہور حاضر ہونے کی ہدایت تھی۔ وہاں سے جب آگے چلے۔ تو اگلے پڑاؤ پر اس نوجوان نے آپ کی خدمت میں عرض کی کہ مولوی صاحب! میرا قرآن شریف تو وہیں درخت سے لٹکا رہ گیا جہاں نماز پڑھی تھی۔ مگر خیر اب لاہور جاتے ہی سب سے پہلا کام یہ کروں گا کہ ایک عمدہ قرآن شریف خریدوں گا۔ آپ نے فرمایا۔ بس! اب تم کو قرآن شریف پڑھنے کا موقعہ نہ ملے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور

---

[۱] مرقاۃ صفحہ ۲۲۲ ۔ [۲] الفضل جلد ۱۹ نمبر ۹۲ صفحہ ۸-۹ ۔

ایک مدت کے بعد جب آپ خلافت اولیٰ کے بلند منصب پر فائز تھے اس کا خط ملا جس میں یہ درج تھا کہ اُسے آجتک قرآن کریم پڑھنا نصیب نہیں ہوا۔ البتہ یہ ارادہ ضرور رکھتا ہے کہ اپنے لڑکے کو قرآن شریف پڑھائے۔[1]

ریاستوں میں بدنظمی کا دور دورہ

ریاستوں میں عموماً بدنظمی کا دور دورہ رہتا تھا۔ راجے مہاراجے اور نواب عیاشی اور بے راہ روی کی زندگی بسر کرتے تھے جس کا نتیجہ لازمی طور پر یہ نکلتا تھا کہ اہلکار والیانِ ریاست کو تو خوش رکھتے تھے مگر سرکاری خزانہ کو خوب لوٹتے تھے۔ رعایا بھی عموماً اُن سے نالاں ہی رہتی تھی۔ یہی حال ریاست کشمیر کا تھا۔ کئی کئی ماہ تک اہلکاروں کو تنخواہیں نہیں ملتی تھیں۔ یہ حال دیکھ کر آپ نے بعض احباب کے مشورہ سے درخواست دی کہ میری تنخواہ ماہ بماہ مجھ کو مل جایا کرے۔ جب آپ کی درخواست پیش ہوئی تو اس وقت عمداً آپ غیر حاضر تھے۔ مہاراجہ صاحب بہت ناراض ہوئے کہ یہ ہمارا اعتبار نہیں کرتے اور تنخواہ ماہ بماہ لیتے ہیں۔ تمام حاضرین دربار نے یکزبان ہو کر آپ کی تائید کی اور کہا کہ ان کا خرچ بہت ہے اور بدوں اس کے گذر مشکل ہے چنانچہ آپ کی درخواست منظور کر لی گئی۔ لیکن جب آپ دربار میں گئے تو مہاراج نے آپ کو سُنانے کے لئے کہا کہ

"بعض لوگ اپنی تنخواہ ہم سے پہلے ٹھہراتے اور ماہ بماہ مانگتے ہیں لیکن ہمارے وزیر اعظم دس برس سے ہمارے یہاں نوکر ہیں۔ ابتک تنخواہ مانگنا تو درکنار تنخواہ مقرر بھی نہیں ہوئی"[2]

مہاراجہ کی یہ بات سُنکر آپ نے فرمایا کہ

"پھر وہ کھاتے کہاں سے ہیں؟"

ظاہر ہے کہ اس کا جواب مہاراج کیا دے سکتے تھے۔ خاموش ہو رہے۔

مہاراج کی خیر خواہی

ریاستوں میں راجوں مہاراجوں اور نوابوں کے کئی شرکاء ان کے سخت مخالف ہوتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ انہیں کوئی شدید نقصان پہنچے یا مر جائیں تو ہم ملک کی دولت سے اپنے ہاتھ رنگیں۔ چنانچہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے وہ کئی لوگوں کو بھاری بھاری رقمیں انعام کا وعدہ دے کر اپنا آلہ کار بناتے تھے۔ اسی قسم کے لوگوں کے دو ایجنٹ یکے بعد دیگرے آپ کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے۔ ایک نے کہا کہ مہاراج کے متعلق یہ یہ باتیں ہیں۔ ذرا ان کا پتہ لگا دیں۔ اس خدمت کے عوض میں ہم آپ کو دس ہزار روپیہ دلائیں گے۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ

---

[1] مرقاۃ صفحہ ۲۲۰-۲۲۱ ۔ [2] مرقاۃ صفحہ ۲۲۷ ۔

"مجھ کو ایسی باتوں سے دلچسپی نہیں"

دوسرے کو آپ نے فرمایا کہ

"رئیس مجھ پر بھروسہ کرتا ہے میں ہرگز اس کی مخالفت میں کوئی کام نہ کروں گا"۔

چنانچہ وہ بھی مایوس ہو کر چلا گیا۔ظاہر ہے کہ اس قسم کے وفادار اور بے لوث خدمات سرانجام دینے والے لوگ ان لوگوں کو کہاں نصیب ہو سکتے تھے!

جرأت آمیز درگذر ایک شاگرد کو آپ نے سو روپیہ ماہوار پر نوکر کروایا مگر وہ اس لئے آپ کا مخالف ہو گیا کہ یہ اگر چاہتے تو مجھ کو سو سے زیادہ کا نوکر کروا سکتے تھے چنانچہ اس نے پندرہ با اثر اشخاص کو اپنے ساتھ ملا لیا اور وہ سارے کے سارے آپ کی مخالفت کرنے اور آپ کے خلاف منصوبہ بازی میں لگ گئے۔آپ نے ایک دن ان سب کی ضیافت کی۔جب وہ مکان کے اندر آ گئے تو آپ نے اپنے ملازم کو حکم دیا کہ تمام دروازے بند کر دو۔ملازم کی یہ حرکت دیکھ کر وہ ڈر گئے اور سمجھے کہ اب ہماری خیر نہیں۔بہت سے راجپوت اور پٹھان ان کے معتقد ہیں وہ ضرور کہیں چھپ کر بیٹھے ہیں اور یہ ہمیں ان سے پٹوائیں گے۔آپ نے ان سب کو مخاطب کر کے کہا کہ تم ڈرو مت۔ہم نے تم کو گرفتار تو کر ہی لیا ہے لیکن تمہاری جانوں کو زیاں نہیں پہنچیگا۔اس کے بعد آپ نے ان سب میں سے جو بڑا آدمی تھا۔اُسے مخاطب کر کے پوچھا کہ " اچھا تو شریک ہے یا نہیں"۔ اس نے لرزتے ہوئے کہا کہ مجھ کو تو فلاں شخص نے یہ باتیں کہہ کر شامل کیا۔جب اس شخص سے پوچھا گیا۔تو اس نے کسی اور آدمی کا نام لے لیا۔آخر اسی طرح دو آدمیوں پر بات ٹھہری کہ یہ تمام سازش کے بانی اور محرک ہیں اور ان میں بھی ایک وہی آپ کا شاگرد تھا۔اس سے جب پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ میں ان پر بڑی بڑی امیدیں رکھتا تھا۔اگر یہ چاہتے تو مجھ کو سو روپیہ سے زیادہ کی نوکری دلوا سکتے تھے۔اس پر اس بڑے آدمی نے کہا کہ یہ سو روپیہ کی نوکری تو تمہیں انہیں کی بدولت ملی ہے ورنہ تم سو روپیہ کے قابل ہرگز نہیں تھے۔اس پر وہ سخت لاجواب اور دم بخود ہو کر رہ گیا۔اس پر آپ نے یہ فرما کر درگذر سے کام لیا کہ میں تو تم سب کے حوصلے دیکھتا تھا۔[1]

ریاست کی ملازمت سے علیحدگی کے اسباب ریاست میں ایک شخص راجہ سورج کول نام وہاں کی کونسل کے سینئر ممبر تھے۔اُن کے

[1] مرقاۃ صفحہ ۲۲۷ - ۲۲۸۔

گردے میں مدت سے درد تھا۔ آپ سے انہوں نے علاج کروانا چاہا۔ آپ کی تشخیص میں ان کے گردے میں پتھری ثابت ہوئی چنانچہ آپ نے انہیں بے تکلفی سے اپنی تشخیص سے آگاہ کر دیا۔ اس پر انہوں نے سخت ناراض ہو کر کہا کہ "کیا آپ جانتے نہیں کہ سات انگریز میرے ماتحت رہے ہیں"۔ آپ نے فرمایا "انگریزوں کے ماتحت رہنے سے گردے کی پتھری نہیں رُک سکتی"۔ پھر انہوں نے کہا "میرا ایک بیٹا ڈاکٹر ہے"۔ آپ نے فرمایا کہ "بیٹے کے ڈاکٹر ہونے سے بھی باپ کی پتھری نہیں رُک سکتی"۔ اس پر وہ بہت ہی ناراض ہو گئے۔ کچھ مدت کے بعد پیری نام ایک انگریز ڈاکٹر جو لاہور میڈیکل کالج میں پروفیسر تھا، وہاں گیا۔ اور مہاراجہ نے ان راجہ صاحب کے درد گردہ کا ذکر کیا اور تاکید کی کہ آپ ضرور علاج کریں۔ ڈاکٹر نے ان کو جا کر دیکھا۔ اعد فیکو کرنے لگا۔ اتنے میں راجہ صاحب نے کہا کہ ایک دیسی طبیب نے انہیں یہ بھی کہا تھا کہ تمہارے گردہ میں پتھری ہے۔ یہ سُنتے ہی انگریز نے دوسرے انگریز کو کہا کہ فوراً گردے کو چیر دو۔ اس انگریز نے شگاف دیا۔ مگر پتھری نظر نہ آئی۔ اس پر پیری صاحب نے نشتر خود ہاتھ میں لیا اور شگاف کو وسیع کیا تو گردے کی نالی کے پاس پتھری نظر آئی۔ اس کو نکالا اور بہت بڑی خوشی کی۔ اور آپ کے متعلق بھی جو کچھ اُن سے بن پڑا بہت تعریفی کلمات کہے۔ راجہ صاحب نے پھر آپ کو بُلایا مگر آپ نے اس مرتبہ جانا پسند نہ فرمایا۔ اس پر وہ پھر ناراض ہو گئے۔ آپ فرماتے ہیں۔

> "گو مجھے پورا علم نہیں ہے مگر قرائن قویہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے پھر میرا وہاں رہنا اور مجھ کو دیکھنا پسند نہ کیا"۔ [۱]

کونسل کے ایک دوسرے ممبر باگ رام نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ مولوی صاحب! بہتر ہے کہ آپ ملازمت سے استعفیٰ دیدیں اس میں بڑے مصالح ہیں۔ مگر آپ نے فرمایا کہ

> "بنے ہوئے روزگار کو خود چھوڑنا ہماری شریعت میں پسند نہیں کیا گیا۔ الاقامۃ فیما اقام اللہ ضروری ہے"۔ [۲]

ملازمت سے علیحدگی

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ راجہ سورج کول نے مہاراج سے ساز باز کر کے آپ کو ملازمت سے علیحدہ کرنے پر راضی کر لیا تھا اور اپنے ساتھی باگ رام سے بھی اس کا ذکر کر دیا تھا۔ جس نے ازراہِ خیر خواہی آپ سے عرض کی کہ اگر آپ استعفا دے دیں۔ تو

---

[۱] مرقاۃ صفحہ ۱۶۶ ۔ [۲] ایضاً ۔

بہتر ہو گا۔ مگر آپ نے شریعت کے حکم کو مقدم سمجھا۔ بہر حال چونکہ فیصلہ ہو چکا تھا۔ اس لئے ایک روز آپ کی علیحدگی کا پروانہ آگیا۔ ایک وجہ اور بھی تھی جس کے باعث مہاراج کو آپ سے پرخاش تھی اور وہ یہ کہ مہاراج کو اپنے چھوٹے بھائی سے کدورت تھی اور آپ کے اس کے ساتھ گہرے مراسم تھے۔ اس لئے راجہ سورج کول کو مہاراجہ کے اکسانے کا اور بھی موقعہ مل گیا۔

چنانچہ حضرت اقدس کے سوانح نگار حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ نے لکھا ہے۔

"حضرت حکیم الامت اور مولوی محرم علی چشتی مرحوم پر ایک سیاسی الزام آپ کے دشمنوں نے لگایا تھا۔ راجہ امر سنگھ صاحب کو (جو موجودہ صدر ریاست جموں وکشمیر کے دادا تھے) حضرت حکیم الامت سے بہت محبت تھی اور وہ آپ کی عملی زندگی اور صداقت پسندی کا عاشق تھا اور وہ ایک مدبر اور صائب الرائے نوجوان تھا۔ وہ سیاسی جماعت جو مہاراجہ پرتاپ سنگھ کی عالت سے واقف اور اُن پر قابو یافتہ تھی۔ انہیں یہ شبہ تھا کہ کسی بھی وقت مہاراجہ پرتاپ سنگھ کو معزول کر دیا جائے گا۔ اور اس کی جگہ مہاراجہ امر سنگھ ہو جائیں گے۔ یہ دراصل سیاسی اور اقتداری جنگ تھی اور اس کو مذہب کا رنگ دیا گیا کہ حضرت مولوی صاحب راجہ امر سنگھ کو جب وہ مہاراجہ ہو جائیں گے۔ مسلمان کر لیں گے اس قسم کی سازش کر کے آپ کو اور مولوی محرم علی چشتی کو جموں سے نکل جانے کا حکم دے دیا گیا۔" [1]

حضرت شیخ صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ حضرت اقدسؑ کو جب آپ نے اس واقعہ کی اطلاع دی۔ تو حضور نے مندرجہ ذیل گرامی نامہ حضرت مولوی صاحب کو لکھا۔

"مخدومی مکرمی اخویم حضرت مولوی صاحب سلمہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہٗ

کل کی ڈاک میں آنمکرم کا محبت نامہ پہنچکر بوجہ بشریت اس کے پڑھنے سے ایک حیرت دل پر طاری ہوئی مگر ساتھ ہی دل پھر کھل گیا۔ یہ خداوند حکیم و کریم کی طرف سے ایک ابتلاء ہے۔ انشاء اللہ القدیر کوئی خوف کی جگہ نہیں۔ اللہ جلشانہ کی پیار کی قسموں میں سے یہ بھی ایک قسم پیار کی ہے کہ اپنے بندے پر کوئی ابتلا نازل کرے۔

---

[1] حیات احمد جلد دوم صفحہ ۴۲۳

مجھے تین چار روز ہوئے ایک متوحش خواب آئی تھی جس کی یہ تعبیر تھی کہ ہمارے ایک دوست پر دشمن نے حملہ کیا ہے اور کچھ ضرر پہنچاتا ہے مگر معلوم ہوتا ہے کہ دشمن کا بھی کام تمام ہو گیا۔ میں نے جس قدر آنمکرم کے لئے دعا کی اور جس حالت پُرسوز میں دعا کی، اس کو خداوندکریم خوب جانتا ہے اور اس پر ابھی بفضلہ تعالیٰ بس نہیں کرتا اور چاہتا ہوں کہ خداوندکریم سے کوئی بات دل کو خوش کرنے والی سنوں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو چند روز تک اطلاع دوں گا اور انشاءاللہ القدیر آپ کے لئے دعا کروں گا جو کبھی کبھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک یگانہ رفیق کے لئے کی جاتی ہے۔ ہمیں جو ہمارا بادشاہ ہمارا حاکم ذوی الاقتدار زندہ حی و قیوم موجود ہے۔ جس کے آستانہ پر ہم گرے ہوئے ہیں جس قدر اس کی مہربانیوں، اس کے فضل، اس کی عجیب قدرتوں، اس کی عنایات خاصہ پر بھروسہ ہے، اس کا بیان کرنا غیرممکن ہے۔ دعا کی حالت میں یہ الفاظ منجانب اللہ زبان پر جاری ہوئے۔ لوی علیہ (زد) لاولی علیہ۔ اور یہ خدا تعالیٰ کا کلام تھا اور اسی کی طرف سے تھا۔

آج رات ایک خواب دیکھا کہ کوئی شخص کہتا ہے کہ لڑکے کہتے ہیں کہ عید کل نہیں پرسوں ہوگی۔ معلوم نہیں کل اور پرسوں کی کیا تعبیر ہے۔ مجھے معلوم نہیں۔ کہ ایسا پُراشتعال حکم کس اشتعال کی وجہ سے دیا گیا ہے۔ کیا بدقسمت وہ ریاست ہے جس سے ایسے مبارک قدم، نیک بخت اور سچے خیرخواہ نکالے جائیں اور معلوم نہیں کیا ہونے والا ہے۔

حالات سے مجھے بہت جلد اطلاع بخشیں اور یہ عاجز انشاءاللہ ثمرات بیّنہ دعا سے اطلاع دے گا بفضلہ ومنہ تعالیٰ۔ مجھے فصیح[1] کی نسبت حالات سنکر نہایت افسوس ہوا۔ اپنے محسن کا دل سخت الفاظ سے شکستہ کرنا اس سے زیادہ کیا نااہلی ہے۔ خدا تعالیٰ ان کو نادم کرے اور ہدایت بخشے۔ خاکسار غلام احمد عفی عنہ از قادیان

۲۶ اگست ۱۸۹۲ء

---

[1] منشی غلام قادر صاحب فصیح سیالکوٹی حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کے ہم زلف تھے۔

اس مکتوب سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مولوی صاحبؓ ۲۶ اگست ۱۸۹۲ء تک ریاست جموں سے علیحدہ ہو چکے تھے۔

ایک اور بات جو حضرت شیخ یعقوب علی صاحبؓ کی تحریر سے معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت مولوی صاحب کے تعلقات مہاراجہ پرتاپ سنگھ والئے ریاست کے بھائی راجہ امر سنگھ صاحب کے ساتھ بہت اچھے تھے اور مہاراجہ کو یہ بات ناگوار تھی۔ ممکن ہے کہ حضرت مولوی صاحب کا مذہبی اثر بھی راجہ امر سنگھ پر ہو۔ اس لحاظ سے جو بات اوپر درج کی گئی ہے اس میں اور اس میں کوئی فرق نہیں۔ حضرت مولوی صاحب نے یہ واقعہ مجمل طور پر لکھوایا ہے اور حضرت شیخ صاحب نے قدرے تفصیل بیان کردی ہے لیکن نفس واقعہ میں کوئی فرق نہیں۔

بہرحال ملازمت سے سبکدوشی کا باعث خواہ کچھ ہو۔ دراصل اب وقت آگیا تھا کہ آپ جیسا عظیم المرتبت انسان مستقل طور پر مسیح الزمان کے قدموں میں رہ کر سلسلہ عالیہ کی خدمت میں لگ جائے ورنہ جیسا کہ بعد کے حالات بتاتے ہیں۔ مہاراجہ صاحب آپ کے علیحدہ ہو جانے کے بعد سخت متاسف تھے چنانچہ بعد ازاں جب آپ کو کسی تقریب پر کشمیر میں جانا پڑا تو اس وقت کے مہاراجہ نے کہا کہ "آپ پر بھی بہت بیجا ظلم ہوا ہے۔ آپ معاف کردیں"۔ جس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ

"یہ تو خدا تعالیٰ کا گناہ ہے اور خدا تعالےٰ کا گناہ خدا تعالیٰ ہی معاف کرسکتا ہے۔ بندے کی کیا طاقت ہے۔" [۱]

توکل کا اعلیٰ مقام

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ آپ ریاست میں ایک معقول تنخواہ پانے کے علاوہ سال میں متعدد مرتبہ بیش بہا انعام و اکرام سے بھی نوازے جاتے تھے مگر وہ ساری رقم آپ طلباء، بیوگان، یتامیٰ اور دیگر ضرورتمندوں کی فلاح و بہبود کے لئے خرچ کر دیتے تھے اور بالکل متوکلانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ جموں میں حاکم نام ایک ہندو پنساری تھا۔ وہ ہمیشہ آپ کو نصیحتاً کہا کرتا تھا کہ آپ ہر ماہ کم از کم یک صد روپیہ پس انداز کر لیا کریں۔ یہاں بعض اوقات اچانک مشکلات پیش آجایا کرتی ہیں۔ مگر آپ اُسے ہمیشہ یہی فرمایا کرتے تھے کہ ایسے خیالات لانا اللہ تعالےٰ پر بدظنّی ہے۔ ہم پر انشاء اللہ کبھی مشکلات نہ آئیں گے۔ جس روز آپ کو ملازمت سے علیحدگی کا نوٹس ملا۔ وہ ہندو پنساری آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مولوی صاحب! شاید آج آپ کو میری نصیحت یاد آئی ہوگی۔ آپ نے فرمایا۔ تمہاری نصیحت کو میں جیسا پہلے

---

[۱] مرقاۃ صفحہ ۱۶۷

حقارت سے دیکھتا تھا آج بھی ویسا ہی حقارت سے دیکھتا ہوں۔ ابھی وہ آپ سے باتیں ہی کر رہا تھا کہ خزانہ سے چار سو اسی روپے کی ایک رقم آپ کی خدمت میں اس چٹھی کے ہمراہ پہنچا دی گئی کہ یہ آپ کی ان دنوں کی تنخواہ ہے جو اس ماہ میں سے گذر چکے ہیں۔ اس پنساری نے افسروں کو گالی دے کر کہا کہ "کیا نوردین تم پر نالش تھوڑا ہی کرنے لگا تھا"۔ ابھی وہ اپنے غصہ کو فرو نہ کرنے پایا تھا کہ ایک رانی صاحبہ نے آپ کے پاس اپنے جیب خرچ کا بہت سا روپیہ بھجوایا اور معذرت بھی کی کہ اس وقت ہمارے پاس اس سے زیادہ روپیہ نہیں تھا ورنہ ہم اور بھی بھجواتے۔ اس روپیہ کو دیکھ کر تو اس پنساری کا غضب اَور بھی بڑھ گیا۔ آپ اس وقت ایک لاکھ پچانوے ہزار روپیہ کے مقروض بھی تھے اور اُسے اس قرض کا علم تھا۔ اس قرض کی طرف اشارہ کرکے وہ کہنے لگا کہ بھلا ہوتو ہوا جن کا آپ کو قریباً دو لاکھ روپیہ دینا ہے وہ اپنا اطمینان کئے بغیر آپ کو کیسے جانے دیں گے۔ ابھی اس نے یہ بات ختم ہی کی تھی کہ قارض کا ایک آدمی آیا اور بڑے ادب سے ہاتھ باندھ کر کہنے لگا کہ میرے پاس ابھی تار آیا ہے۔ میرے آقا فرماتے ہیں کہ " مولوی صاحب کو تو جانا ہے۔ ان کے پاس روپیہ نہ ہوگا۔ تم اُن کا سب سامان گھر جانے کا کر دو اور جس قدر روپیہ کی ان کو ضرورت ہو، دیدو، اور اسباب کو وہ ساتھ نہ لیجا سکیں تو تم اپنے اطمینان سے بحفاظت پہنچوا دو۔ آپ نے فرمایا کہ

" مجھ کو روپیہ کی ضرورت نہیں۔ خزانہ سے بھی روپیہ آگیا ہے اور ایک رانی نے بھی بھیج دیا ہے۔ میرے پاس روپیہ کافی سے زیادہ ہے اور اسباب میں سب ساتھ ہی لیجاؤں گا۔"

آپ فرماتے ہیں:۔

" غالباً اس وقت میرے پاس بارہ سو یا اس سے بھی کچھ زیادہ روپیہ آگیا تھا۔ وہ ہندو پنساری کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا کہ پرمیشر کے یہاں بھی کچھ لحاظ داری ہی ہوتی ہے۔ ہم لوگ صبح سے لیکر شام تک کیسے کیسے دُکھ اُٹھاتے ہیں۔ تب کہیں بڑی دقت سے روپیہ کا منہ دیکھنا نصیب ہوتا ہے۔ بھلا اور تو ہوا۔ اس احمق کو دیکھو اپنے روپیہ کا مطالبہ تو نہ کیا۔ اور دینے کو تیار ہوگیا۔"

آپ فرماتے ہیں:۔

" میں نے کہا کہ اللہ تعالےٰ دلوں کو جانتا ہے۔ ہم اس کا روپیہ انشاء اللہ جلد ہی ادا کر دیں گے۔ تم ان بھیدوں کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔" ؎

؎ مرقاۃ صفحہ ۱۶۰

قرض کی ادائیگی کا قصہ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسی موقعہ پر اس قرض کی ادائیگی کا قصہ[1] بھی بیان کر دیا جائے محترم جناب ملک غلام فرید صاحب ایم۔اے فرمایا کرتے ہیں کہ جتنا موقعہ مجھے حضرت خلیفۃ المسیح الاول ؓ کی صحبت میں رہنے کا ملا ہے بہت کم لوگوں کو اتنا موقعہ ملا ہوگا۔ آپ نے بارہا اس قرض کی ادائیگی کا ذکر فرمایا لیکن یہ کبھی نہیں بتایا تھا کہ وہ قرض حضور نے کس طرح ادا فرمایا۔ حضور کا زمانہ گذر گیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کا زمانہ آیا۔ اس میں سے بھی کافی عرصہ گذر گیا۔ میں نے جب قرآن مجید کی انگریزی تفسیر کی طباعت کے سلسلہ میں لاہور آنا شروع کیا تو ایک مرتبہ جناب ملک غلام محمد صاحب قصوری کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اس قرض کی ادائیگی کا ذکر چل پڑا۔ محترم ملک صاحب مرحوم نے فرمایا کہ حضرت مولوی صاحب جب سیاسی حالات کے ماتحت مہاراجہ جموں و کشمیر کی ملازمت سے الگ کئے گئے تو بعد میں حالات کے سدھرنے پر مہاراجہ صاحب کو خیال آیا کہ مولوی صاحب ایک بہت بڑے حاذق طبیب تھے ان کو ملازمت سے علیحدہ کرنے میں ہم سے ظلم اور ناانصافی ہوئی ہے انہیں واپس لانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ آپ سے جب عرض کی گئی تو آپ نے فرمایا کہ اب میں ایسی جگہ پہنچ چکا ہوں کہ اگر مجھے ساری دنیا کی حکومت بھی مل جائے تو میں اس جگہ کو نہیں چھوڑ سکتا۔ چونکہ مہاراجہ صاحب کو اس ناانصافی کا شدت سے احساس تھا۔ اس لئے انہوں نے اس کا ازالہ کرنے کی یہ تجویز کی کہ اب کی مرتبہ جنگلات کا ٹھیکہ صرف اسی شخص کو دیا جائے جو منافعہ کا نصف حصہ حضرت مولوی صاحب کو ادا کرے۔ چنانچہ اسی شرط کے ساتھ ٹنڈر طلب کئے گئے۔ جس شخص کو ٹھیکہ ملا۔ اس نے جب سال کے بعد اپنے منافع کا حساب کیا تو خدا تعالیٰ کی حکمت کہ اسے ٹھیک تین لاکھ نوے ہزار روپیہ منافع ہوا۔ جس کا نصف ایک لاکھ پچانوے ہزار بنتا تھا اور اسی قدر حضور کے ذمہ قرض تھا چنانچہ جب یہ روپیہ حضور کی خدمت میں پیش کیا گیا تو حضور نے فرمایا۔ یہ روپیہ ریاست میں واپس لے جا کر فلاں سیٹھ صاحب کو دیدیا جائے۔ ہم نے اس کا قرض دینا ہے۔ دوسرے سال مہاراجہ نے پھر اسی شرط پر ٹھیکہ دیا۔ لیکن اس سال جب منافع کا نصف روپیہ حضور کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ تو حضور نے لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ نہ اس کام میں میرا سرمایہ لگا نہ میں نے محنت کی میں اس کا منافع لوں تو کیوں لوں؟ ٹھیکہ دار نے کہا جناب! مجھے تو یہ ٹھیکہ ملا ہی اس شرط پر تھا۔ آپ ضرور اپنا حصہ لے لیں۔ ورنہ آئندہ مجھے ٹھیکہ نہیں ملیگا۔ حضور نے فرمایا اب خواہ کچھ ہی ہو میں یہ روپیہ نہیں لوں گا۔ اس نے کہا۔ پھر پچھلے سال کیوں لیا تھا؟ فرمایا۔ وہ تو میرے رب نے اپنے وعدہ کے مطابق میرا قرض اتارنا تھا۔ جب وہ اُتر گیا تو اب میں کیوں لوں۔ اس پر وہ ٹھیکہ دار واپس چلا گیا۔

---

[1] اس قرض کی ادائیگی کا ذکر کسی قدر اختلاف کے ساتھ الفضل مورخہ ۲۹ اگست ۱۹۵۲ء صفحہ ۲ میں بھی ہے لیکن ہم نے چونکہ محترم ملک صاحب سے براہ راست یہ واقعہ سنا ہے اس لئے ہم اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔ مؤلف

چوتھا باب

بھیرہ میں مکان کی تعمیر

اور

قادیان میں رہائش کیساتھ ایک نئی زندگی کا آغاز

بھیرہ میں ایک عالیشان مکان کی تعمیر

گو آپ کی رُوح ہر وقت حضرت اقدس امام الزمان کی عالی بارگاہ میں رہنے کے لئے بیقرار رہتی تھی اور اس لحاظ سے آپ کو ملازمت سے فراغت پاکر فوراً حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہو جانا چاہیئے تھا۔ مگر غالباً اس خیال سے کہ ایک معقول رقم آپ کے ذمہ ابھی بطور قرض ہے جب تک اس کی ادائگی کا انتظام نہ ہو جائے دارالامان میں سکونت اطمینان بخش نہیں ہو سکتی، آپ نے بھیرہ پہنچکر ایک بہت بڑے پیمانہ پر شفاخانہ کھولنے کا ارادہ فرمایا۔ اور اس کے لئے ایک عالیشان مکان بنوانا شروع کیا۔ ابھی وہ مکان نا تمام ہی تھا کہ آپ کو کچھ سامان عمارت خریدنے کے لئے لاہور جانا پڑا۔ لاہور پہنچکر جی چاہا کہ قادیان نزدیک ہے حضرت اقدس سے بھی ملاقات کر لیں۔ مگر چونکہ بھیرہ میں ایک بڑے پیمانہ پر تعمیر کا کام جاری تھا۔ اس لئے بٹالہ پہنچکر فوری واپسی کی شرط سے کرائے کا یکہ کیا۔ جب حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوئے تو قبل اس کے کہ آپ واپسی کی اجازت مانگتے حضور نے خود ہی دوران گفتگو میں فرمایا کہ اب تو آپ فارغ ہو گئے۔ آپ نے عرض کیا۔ ہاں۔ حضور! اب تو میں فارغ ہی ہوں۔ وہاں سے اُٹھے تو یکے والے سے کہدیا کہ اب تم چلے جاؤ۔ آج اجازت لینا مناسب نہیں ہے۔ کل پرسوں اجازت لیں گے۔ اگلے روز حضرت اقدس نے فرمایا کہ مولوی صاحب! آپ کو اکیلے رہنے میں تو تکلیف ہوگی۔ آپ اپنی ایک بیوی کو بلوالیں۔ آپ نے حسب الارشاد بیوی کے بلانے کے

لئے خط لکھ دیا۔ اور یہ بھی لکھ دیا کہ ابھی میں شاید جلد نہ آسکوں اس لئے عمارت کا کام بند کر دیا جائے۔ جب آپ کی بیوی آگئیں تو حضرت اقدس نے فرمایا کہ آپ کو کتابوں کا بڑا شوق ہے۔ لہذا آپ اپنا کتب خانہ بھی منگوالیں۔ تھوڑے دنوں کے بعد فرمایا کہ دوسری بیوی آپ کی مزاج شناس اور پرانی ہے۔ آپ اس کو ضرور بلالیں لیکن مولوی عبدالکریم صاحبؓ سے فرمایا کہ مجھ کو (مولوی) نورالدین (صاحب) کے متعلق الہام ہوا ہے۔ اور وہ شعر حریری میں موجود ہے کہ

لاتصبون الی الوطن   فیہ تہان وتمتحن [۱]

پھر ایک موقعہ پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ مولوی صاحب! اب آپ اپنے وطن بھیرہ کا خیال بھی دل میں نہ لاویں۔ حضرت مولوی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں دل میں بہت ڈرا کہ یہ تو ہو سکتا ہے کہ میں وہاں کبھی نہ جاؤں مگر یہ کس طرح ہو گا کہ میرے دل میں بھی بھیرہ کا خیال نہ آوے مگر آپ فرماتے ہیں کہ

"خدا تعالیٰ کے بھی عجیب تصرفات ہوتے ہیں۔ میرے واہمہ اور خواب میں بھی مجھے وطن کا خیال نہ آیا۔ پھر تو ہم قادیان کے ہو گئے" [۲]

ناظرین کرام! غور فرمائیے۔ ایک شخص ہزاروں روپے خرچ کر کے اپنے وطن میں ایک عالیشان مکان تعمیر کرتا ہے مگر امام کی اطاعت کا جذبہ اس حد تک اس پر مستولی ہے کہ وہ اتنا بھی عرض نہیں کرتا کہ حضرت! مجھے اجازت دی جائے کہ میں اس مکان کو فروخت کر آؤں تا وہ روپیہ ہی میرے کام آوے بلکہ یہ بھی نہیں کرتا کہ کسی اور کے ذریعہ سے ہی اس مکان کی فروختگی کا انتظام کرے کیونکہ اس صورت میں بھی اسے اندیشہ تھا کہ مبادا حضرت اقدس کے اس فرمان کی خلاف ورزی ہو جائے کہ "مولوی صاحب! اب آپ اپنے وطن بھیرہ کا خیال بھی دل میں نہ لاویں"۔ بس ادھر حکم ملا۔ ادھر آمنا و صدقنا کہا۔

حضرت ماسٹر عبدالرؤف صاحب بھیرویؓ فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ بھیرہ کے کسی رئیس نے آپ کی خدمت میں چٹھی لکھی کہ میں بیمار ہوں اور آپ ہمارے خاندانی طبیب ہیں مہربانی فرما کر بھیرہ تشریف لا کر مجھے دیکھ جائیں۔ آپ نے اس رئیس کو لکھا کہ میں بھیرہ سے ہجرت کر چکا ہوں اور اب حضرت مرزا صاحب کی

---

[۱] ترجمہ۔ یعنی اپنے وطن کی طرف ہرگز رخ نہ کرنا ورنہ تمہاری اہانت ہو گی اور تمہیں تکلیفیں اٹھانا پڑیں گی۔
حاشیہ۔ دیکھیں تذکرہ نیا ایڈیشن صفحہ ۱۶۷۔ اس الہام پر تاریخ ۲ اپریل ۱۸۹۳ء لکھی ہے جس سے ظاہر ہے کہ آپ آخر مارچ ۱۸۹۳ء میں قادیان تشریف لائے تھے

[۲] مرقاۃ صفحہ ۱۴۹

اجازت کے بغیر میں قادیان سے باہر کہیں نہیں جاتا۔ آپ کو اگر میری ضرورت ہے تو حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں لکھو۔ چنانچہ اس رئیس نے حضرت اقدس کی خدمت میں لکھا۔ حضور نے فرمایا۔ مولوی صاحب! آپ بھیرہ جا کر اس رئیس کو دیکھ آئیں۔ جب آپ بھیرہ پہنچے تو اس رئیس کا مکان بھیرہ کے ارد گرد جو گول سڑک ہے اس پر تھا۔ اُسے آپ نے دیکھا اور نسخہ تجویز فرما کر فوراً واپس تشریف لے آئے۔ نہ اپنے آبائی مکانوں کو دیکھا نہ نئے زیر تعمیر مکان تک گئے، نہ عزیزوں سے ملاقات کی، نہ دوستوں سے ملے بلکہ جس غرض کے لئے حضرت اقدس نے آپ کو بھیجا تھا جب وہ غرض پوری ہو گئی تو فوراً واپس تشریف لے آئے۔

حضرت مولوی صاحب کی فرمانبرداری کے چند واقعات

بات سے بات نکلتی ہے۔ حضرت مولوی صاحبؓ کی اطاعتِ امام کا ذکر آگیا ہے۔ دل چاہتا ہے کہ اس موقعہ پر چند ایک معروف واقعات اَور بھی بیان کر دیئے جائیں تا کسی عاشق رُوح کے لئے ازدیادِ ایمان کا باعث بن جائیں۔

۱۔ حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ راولپنڈی سے ایک غیر احمدی صاحب آئے جو اچھے متمول آدمی تھے اور انہوں نے حضرت اقدس سے درخواست کی کہ میرا فلاں عزیز بیمار ہے حضور حضرت مولوی نور الدین صاحب کو اجازت دے دیں کہ آپ میرے ساتھ راولپنڈی تشریف لے چلیں اور اس کا علاج کریں۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ ہمیں یقین ہے کہ اگر ہم مولوی صاحب کو یہ بھی کہیں کہ آگ میں گُھس جاؤ یا پانی میں کود جاؤ تو اُن کو کوئی عذر نہیں ہوگا۔ لیکن ہمیں بھی تو مولوی صاحب کے آرام کا خیال چاہیئے۔ ان کے گھر میں آج کل بچہ ہونیوالا ہے اس لئے میں ان کو راولپنڈی جانے کے لئے نہیں کہہ سکتا۔ مولوی شیر علی صاحبؓ بیان کرتے ہیں کہ مجھے یاد ہے کہ اس کے بعد حضرت مولوی صاحب حضرت صاحب کا یہ فقرہ بیان کرتے تھے اور اس بات پر خوش ہوتے تھے کہ حضرت صاحب نے مجھ پر اس درجہ اعتماد ظاہر کیا ہے۔[۱]

۲۔ ماسٹر اللہ دتا صاحب سیالکوٹی کا بیان ہے کہ

سنہ ۱۹۰۰ء یا سنہ ۱۹۰۱ء کا واقعہ ہے کہ میں دارالامان میں موجود تھا۔ ان دنوں ایک نواب صاحب حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی خدمت میں علاج کے لئے آئے ہوئے تھے۔ جن کے لئے ایک الگ مکان تھا۔ ایک دن نواب صاحب کے اہلکار حضرت مولوی صاحب کے پاس آئے جن میں ایک مسلمان اور ایک سکھ

---

[۱] سیرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۲۷۵۔

تھا اور عرض کیا کہ نواب صاحب کے علاقہ میں لاٹ صاحب آنیوالے ہیں۔ آپ ان لوگوں کے تعلقات کو جانتے ہیں۔ اس لئے نواب صاحب کا منشا ہے کہ آپ اُن کے ہمراہ وہاں تشریف لے جائیں۔ حضرت مولوی صاحب نے فرمایا کہ میں اپنی جان کا مالک نہیں۔ میرا ایک آقا ہے۔ اگر وہ مجھے بھیجدے تو مجھے کیا انکار ہے۔ پھر ظہر کے وقت وہ اہلکار مسجد میں بیٹھ گئے جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام تشریف لائے تو انہوں نے اپنا مدعا بیان کیا۔ حضور نے فرمایا۔ اس میں شک نہیں کہ اگر ہم مولوی صاحب کو آگ میں کودنے یا پانی میں چھلانگ لگانے کے لئے کہیں تو وہ انکار نہ کریں گے لیکن مولوی صاحب کے وجود سے یہاں ہزاروں لوگوں کو ہر وقت فیض پہنچتا ہے۔ قرآن و حدیث کا درس دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ سینکڑوں بیماروں کا ہر روز علاج کرتے ہیں ایک دنیاداری کے کام کے لئے ہم اتنا فیض بند نہیں کر سکتے۔

اس دن جب عصر کے بعد درس قرآن مجید دینے لگے تو خوشی کی وجہ سے منہ سے الفاظ نہ نکلتے تھے۔ فرمایا۔ مجھے آج اس قدر خوشی ہے کہ بولنا محال ہے اور وہ یہ کہ میں ہر وقت اس کوشش میں لگا رہتا ہوں کہ میرا آقا مجھ سے خوش ہو جائے۔ آج میرے لئے کس قدر خوشی کا مقام ہے کہ میرے آقا نے میری نسبت اس قسم کا خیال ظاہر کیا ہے کہ اگر ہم نورالدین کو آگ میں جلائیں یا پانی میں ڈبو دیں تو پھر بھی وہ انکار نہیں کریگا"[1]

۴۳۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جماعت کے قابل شادی لڑکوں اور لڑکیوں کی ایک فہرست تیار فرمائی تھی اور اسے آپ نہایت ہی احتیاط سے محفوظ رکھا کرتے تھے اور عموماً جو کوئی احمدی اپنی لڑکی یا لڑکے کے لئے رشتہ معلوم کرنا چاہتا حضور اس کے مناسب حال اسے رشتہ بتا دیا کرتے تھے اور ہر شخص حضور کے تجویز فرمودہ رشتہ کو بطیب خاطر منظور کر لیتا تھا۔ مگر ایک مرتبہ جب ایک شخص کو اپنی لڑکی کا رشتہ کسی احمدی سے کرنے کو ارشاد فرمایا تو اس نے منظور نہ کیا۔ اس پر حضور کو بہت تکلیف ہوئی اور حضور نے آئندہ کے لئے رشتہ ناطہ کے اس انتظام کو ختم کر دیا۔

حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب رضؓ کا بیان ہے کہ

---

[1] سیرۃ المہدی حصہ سوم صفحہ ۱۶۰۔

"حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کے جس قدر آدمی ہیں۔ سب کو حضور علیہ السلام سے اپنے اپنے طریق پر محبت تھی مگر جس قدر ادب و محبت حضور سے حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کو تھی۔ اس کی نظیر تلاش کرنی مشکل ہے چنانچہ ایک دن میں حضرت مولوی صاحب کے پاس بیٹھا تھا۔ وہاں ذکر ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کسی دوست کو اپنی لڑکی کا رشتہ کسی احمدی سے کر دینے کے لئے فرمایا مگر وہ دوست راضی نہ ہوا۔ اتفاقاً اس وقت مرحومہ امۃ الحی صاحبہ بھی جو اس وقت بہت چھوٹی تھیں کھیلتی ہوئی سامنے آگئیں۔ حضرت مولوی صاحب اس دوست کا ذکر سنکر جوش سے فرمانے لگے کہ "مجھے تو اگر مرزا کہے کہ اپنی لڑکی کو نہالی[1] کے لڑکے کو دیدو۔ تو میں بغیر کسی انقباض کے فوراً دے دوں گا"۔ یہ کلمہ سخت عشق و محبت کا تھا۔ مگر نتیجہ دیکھ لو کہ بالآخر وہی لڑکی حضور علیہ السلام کی بہو بنی اور اس شخص کی زوجیت میں آئی جو خود حضرت مسیح موعود کا حسن و احسان میں نظیر ہے"[2]

۴۔ محترم جناب حکیم محمد صدیق صاحب آف میانی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ جب آپ مطب میں میٹھے تھے۔ ارد گرد لوگوں کا حلقہ تھا۔ ایک شخص نے آکر کہا کہ مولوی صاحب! حضور یاد فرماتے ہیں۔ یہ سنتے ہی اس طرح گھبراہٹ کے ساتھ اُٹھے کہ پگڑی باندھتے جاتے تھے اور جوتا گھسیٹتے جاتے تھے۔ گویا دل میں یہ تھا کہ حضور کے حکم کی تعمیل میں دیر نہ ہو۔

پھر جب خلیفہ ہو گئے تو اکثر فرمایا کرتے تھے کہ تم جانتے ہو نورالدین کا یہاں ایک معشوق ہوتا تھا جسے مرزا کہتے تھے۔ نورالدین اس کے پیچھے یوں دیوانہ وار پھرا کرتا تھا کہ اسے اپنے جوتے اور پگڑی کا بھی ہوش نہیں ہوا کرتا تھا۔

۵۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ

"جن دنوں ہمارا چھوٹا بھائی مبارک احمد بیمار تھا۔ ایک دفعہ حضرت مسیح موعودؑ نے حضرت مولوی نورالدین صاحب (خلیفہ اول) کو اس کے دیکھنے کے لئے گھر میں بلایا۔ اس وقت آپ صحن میں ایک چارپائی پر تشریف رکھتے تھے اور صحن میں کوئی فرش وغیرہ نہیں تھا۔ مولوی صاحب آتے ہی آپ کی چارپائی کے پاس زمین پر بیٹھ گئے حضرت نے فرمایا۔ مولوی صاحب چارپائی پر بیٹھیں۔ مولوی صاحب نے عرض کیا۔ حضور! میں

---

[1] نہالی ایک مہترانی تھی جو حضرت صاحب کے گھر میں کماتی تھی۔ [2] سیرت المہدی حصہ سوم صفحہ ۶۱۴۔

بیٹھا ہوں اور کچھ اُونچے ہو گئے اور ہاتھ چارپائی پر رکھ لیا مگر حضرت صاحب نے جب دوبارہ کہا تو مولوی صاحب اُٹھ کر چارپائی کے ایک کنارہ پر پائنتی کے اُوپر بیٹھ گئے۔[1]

اس روایت کے نیچے حضرت صاحبزادہ صاحبؓ کا نوٹ بایں الفاظ درج ہے کہ

"مولوی صاحب میں اطاعت اور ادب کا مادہ کمال درجہ پر تھا"

اللہ! اللہ! اطاعت آقا میں کیسا کمال ہے کہ وہ شخص جو کسی بڑے سے بڑے آدمی کے سامنے زمین پر بیٹھنے کے لئے طالب علمی کے زمانہ میں بھی تیار نہیں ہوتا تھا، دینی و دنیوی ترقیات کی اعلیٰ منزلیں طے کرنے کے بعد بھی حضرت مسیح پاک کے سامنے زمین پر بیٹھنے ہی میں سعادت عظمیٰ سمجھتا ہے۔

۲۔ حضرت مولوی غلام رسُول صاحب راجیکی کا بیان ہے کہ

"ایک مرتبہ ایک ہندو بٹالہ سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی کہ میری اہلیہ سخت بیمار ہے۔ ازراہ نوازش بٹالہ چل کر اسے دیکھ لیں۔ آپ نے فرمایا۔ حضرت مرزا صاحب سے اجازت حاصل کرو۔ اس نے حضرت کی خدمت میں درخواست کی حضور نے اجازت دی۔ بعد نماز عصر جب حضرت مولوی صاحب حضرت اقدس کی خدمت میں ملاقات کے لئے حاضر ہوئے تو حضور نے فرمایا کہ "امید ہے آپ آج ہی واپس آجائیں گے۔" عرض کی، بہت اچھا۔ بٹالہ پہنچے۔ مریضہ کو دیکھا۔ واپسی کا ارادہ کیا مگر بارش اس قدر ہوئی کہ جل تھل ایک ہو گئے۔ ان لوگوں نے عرض کی کہ حضرت! راستے میں چوروں اور ڈاکوؤں کا بھی خطرہ ہے۔ پھر بارش اس قدر زور سے ہوئی ہے کہ واپس پہنچنا مشکل ہے کئی مقامات پر پیدل پانی میں سے گذرنا پڑے گا۔ مگر آپ نے فرمایا خواہ کچھ ہو سواری کا انتظام بھی ہو یا نہ ہو۔ میں پیدل چل کر بھی قادیان ضرور پہنچوں گا کیونکہ میرے آقا کا ارشاد یہی ہے کہ آج ہی مجھے واپس قادیان پہنچنا ہے۔ خیر۔ یکہ کا انتظام ہو گیا اور آپ چل پڑے۔ مگر بارش کی وجہ سے راستہ میں کئی مقامات پر اس قدر پانی جمع ہو چکا تھا کہ آپ کو پیدل وہ پانی عبور کرنا پڑا۔ کانٹوں سے آپ کے پاؤں زخمی ہو گئے مگر قادیان پہنچ گئے۔ اور فجر کی نماز کے وقت مسجد مبارک میں حاضر ہو گئے۔ حضرت اقدس نے

---

[1] سیرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۶۳

لوگوں سے دریافت فرمایا کہ کیا مولوی صاحب رات بٹالہ سے واپس تشریف لے آئے تھے۔ قبل اس کے کہ کوئی اور جواب دیتا آپ فوراً آگے بڑھے اور عرض کی حضور! میں واپس آگیا تھا۔ یہ بالکل نہیں کہا کہ حضور! رات شدت کی بارش تھی، اکثر جگہ پیدل چلنے کی وجہ سے میرے پاؤں زخمی ہو چکے ہیں اور میں سخت تکلیف اُٹھا کر واپس پہنچا ہوں۔ وغیرہ وغیرہ بلکہ اپنی تکالیف کا ذکر تک نہیں کیا۔

غرض آپ کی زندگی فدائیت کے واقعات سے معمور ہے۔ یہ چند واقعات تو بطور نمونہ درج کئے گئے ہیں۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی حیات کا لمحہ لمحہ سلسلہ حقہ کے لئے وقف تھا۔ آپ عموماً سارا دن ایک نمدے کے اوپر بیٹھے رہتے تھے۔ آگے ایک ڈسک ہوتا تھا۔ اس پر بیٹھ کر طب کرتے تھے۔ اسی پر بیٹھے بیٹھے قرآن و حدیث اور طب پڑھاتے تھے اور بعض اوقات کھانا بھی وہیں منگوا لیتے تھے۔

محترم شیخ عبداللطیف صاحب بٹالوی فرمایا کرتے ہیں کہ میں جب قادیان جاتا تھا تو اکثر سارا سارا دن آپ ہی کے پاس بیٹھا رہتا تھا۔ عصر کی نماز کے بعد آپ مسجد اقصیٰ میں قرآن کریم کا درس دیا کرتے تھے ایک دن درس سے واپس آتے ہوئے ہندو ڈپٹی صاحب کے مکان (جہاں اب صدر انجمن احمدیہ قادیان کے دفاتر ہیں۔ مؤلف) کے پاس مجھے بازو سے پکڑ کر فرمایا کہ عبداللطیف! تم وہ وقت دیکھو گے کہ جب تم خلیفہ کو دیکھنے کے لئے ترسا کرو گے۔ شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ اس وقت تو میں آپ کی بات کا مطلب نہ سمجھا لیکن اب جبکہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کو دیکھنے کے لئے ترسنے لگے تو بات سمجھ میں آگئی۔

سرسیّد مرحوم کے ساتھ تعلقات

آپ ہر اس انسان کے ساتھ تعاون کرنے کے لئے تیار تھے جو بنی نوع انسان کی کسی نہ کسی رنگ میں خدمت کرنے کا جذبہ اپنے اندر رکھتا تھا۔ سرسیّد مرحوم نے مسلمانوں کی تعلیمی پستی کو دور کرنے کے لئے ایک اسلامیہ کالج بنانے کا عزم کیا۔ علماء وقت انگریزی تعلیم کے شدید مخالف تھے۔ ان کے غلیظ سے غلیظ فتووں اور مخالفتوں کے باوجود سرسیّد کالج کے قائم کرنے میں کامیاب ہو کر رہے۔ حضرت مولوی صاحبؓ سرسیّد مرحوم کی ان خدمات اور قربانیوں کے مداح تھے۔ اور ۱۸۸۷ء سے لیکر ۱۸۹۷ء تک برابر چندہ بھیجتے رہے۔ اور "محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس" کے جلسوں میں بھی حضرت اقدس کی بیعت کے زمانہ تک شریک ہوتے رہے۔ بیعت کے بعد آپ کی دلچسپیوں کا مرکز بدل چکا تھا۔ تاہم سرسیّد کی تعلیمی مساعی اور قومی خدمات کے آپ قدردان تھے۔

انجمن حمایت اسلام کے ۱۸۹۳ء کے جلسہ میں آپ کی تقریر

قادیان کے ۱۸۹۲ء کے جلسہ سالانہ میں چونکہ بعض لوگوں نے اپنے آرام و آسائش کو دوسروں پر مقدم کیا تھا۔ حضرت اقدس کو اس امر سے سخت تکلیف ہوئی۔ اور حضور نے ۱۸۹۳ء کا جلسہ ملتوی فرما دیا تھا۔ حضرت مولوی صاحب نے انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ جلسہ ۱۸۹۳ء میں تقریر کرنا تھا۔ حضرت شیخ یعقوب علیؓ صاحب فرماتے ہیں :-

"میں اس جلسہ میں موجود تھا۔ حضرت حکیم الامت نے اللہ نور السموت والارض کے رکوع پر تقریر فرمائی۔ تقریر کے ابتدائی فقرے نے حاضرین میں ایک مسرت اور انوکھے پن کی لہر پیدا کر دی۔ مجھے وہ الفاظ ابھی تک یاد ہیں۔ فرمایا۔

"یہاں کچھ ایسے لوگ ہیں جو مشرقی روایات کے پابند ہیں۔ اور کچھ ایسے نوجوان ہیں جو مغربی تہذیب و تمدن کے دلدادہ نظر آتے ہیں۔ میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ اس کے متعلق قرآن حکیم کہتا ہے کہ لا شرقیة ولا غربیة۔ پس قرآن حکیم مشرق و مغرب اور ساری انسانیت کے لئے فلاح لے کر آیا ہے۔"

حضرت مولوی حسن علیؓ پر تقریر کا اثر

اس تقریر کا عام اثر تو اس وقت کے منظر ہی سے معلوم ہو سکتا ہے۔ مصور اور مورخ اس کو بیان نہیں کر سکتا۔ مگر ہندوستان کا ایک مشہور مسلم مشنری (اسلامی واعظ) جو اپنے اس عہد کا ایک ممتاز انسان سمجھا جاتا تھا۔ اور فی الحقیقت اس نے تبلیغ اسلام کے لئے جو قربانی کی تھی وہ بے نظیر تھی، اس قدر متاثر ہوا کہ آخر اس نے دنیا کی سب شہرتوں اور قبولیت عامہ کی تمام مسرتوں پر لات مار دی اور سلسلہ احمدیہ میں داخل ہو گیا۔ اس تقریر کا ذکر اس کے اپنے الفاظ میں پڑھئے :-

"۱۸۹۳ء میں انجمن حمایت اسلام کے جلسہ میں شریک ہونے کا مجھ کو اتفاق ہوا۔ یہاں پر میں اس عالم مفسر قرآن سے ملا جو اپنی نظیر اس وقت سارے ہند کیا بلکہ دور دور تک نہیں رکھتا یعنی مولوی حکیم نورالدین صاحب سے ملاقات ہوئی۔ میں ۱۸۸۷ء کے سفر پنجاب میں بھی حکیم صاحب ممدوح کی بڑی تعریفیں سن چکا تھا۔ غرض حکیم صاحب نے انجمن کے جلسہ میں قرآن مجید کی چند آیتیں تلاوت کر کے ان کے معنے و مطالب کو بیان کرنا

شروع کیا۔ کیا کہوں اس بیان کا مجھ پر کیا اثر ہؤا۔ حکیم صاحب کا وعظ ختم ہوا۔ اور میں نے کھڑے ہو کر اتنا کہا کہ مجھ کو فخر ہے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے اتنے بڑے عالم اور مفسّر کو دیکھا۔ اور اہلِ اسلام کو چاہئے فخر ہے کہ ہمارے درمیان میں اس زمانہ میں ایک ایسا عالم موجود ہے۔" [1]

اور فرماتے ہیں:۔

"میری خواہش تھی کہ جناب حکیم مولوی نورالدین صاحب سے ملاقات کرتا۔ لیکن مولوی صاحب ازراہ کرم خود اس خاکسار سے ملنے آ گئے۔ میں نے اُن سے تنہائی میں سوال کیا کہ مرزا صاحب سے جو آپ نے بیعت کی ہے اس میں کیا نفع دیکھا ہے۔ جواب دیا کہ ایک گناہ تھا جس کو میں ترک نہیں کر سکتا تھا۔ جناب مرزا صاحب سے بیعت کر لینے کے بعد وہ گناہ نہ صرف چھوٹ ہی گیا بلکہ اس سے نفرت ہو گئی۔ جناب مولوی حکیم نورالدین صاحب کی اس بات کا مجھ پر ایک خاص اثر ہوا۔ حکیم صاحب مجھ سے فرماتے رہے کہ قادیان چل لیکن میں نہ گیا۔" [2]

اور فرماتے ہیں کہ

"جناب مولوی حکیم نورالدین صاحب اگر جناب مرزا غلام احمد صاحب کی کرامات اور پیشگوئیوں کا ذکر کرتے تو مجھ نالائق پر کچھ اثر نہ ہوتا لیکن بات انہوں نے کہی ایسی کہ کھٹ سے دل میں لگی۔" [3]

مولوی حسن علی صاحبؓ آگے چل کر اپنے نفس کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔

"او کوتہ اندیش! جس روحانی مرض میں تو مبتلا ہے اس کی دوا تک (یعنی قادیان میں حضرت مرزا صاحب کے پاس) اللہ نے تجھ کو پہنچا دیا۔ جناب مولوی حکیم نورالدین صاحب ایسا بے ریا فاضل اپنا ذاتی تجربہ پیش کر کے اس دوا کا فائدہ مند ہونا بتاتا ہے۔ پھر کیسی کم بختی تجھ کو آئی ہے اپنی روحانی صحت کا دشمن بن کر اندرونی پلیدی اور منافقانہ زندگی میں ڈوبا رہنا چاہتا ہے۔" [4]

---

[1] رسالہ "تائیدِ حق" مولوی حسن علی صاحب مرحوم بھاگلپوری صفحہ ۶۴، ۶۷ [2] ایضاً صفحہ ۶۵ [3] ایضاً صفحہ ۶۹ [4] ایضاً صفحہ ۶۹

حضرت مولانا راجیکی صاحب کی چند روایات

حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکی کا بیان ہے کہ

"جب حضرت مولانا حسن علی صاحب بھاگلپوریؒ قادیان میں تشریف لائے تو انہوں نے حضرت مولانا حکیم نورالدین صاحب سے دریافت کیا کہ آنجناب کو حضرت مرزا صاحب سے حسن ارادت کی سعادت کیسے نصیب ہوئی۔ آپ نے فرمایا۔ میں اس چودھویں صدی کے متعلق حدیث بعثت مجددین کی رُو سے کسی مجدد کی بعثت کا جوش اشتیاق کے ساتھ منتظر تھا کہ کہیں سے کسی کی آواز سُنائی دے۔ اس اثنا میں براہین احمدیہ کا اشتہار نکلا اور میرے پاس بھی پہنچا۔ اشتہار پڑھتے ہی میں بہت مسرور ہوا کہ وعدہ تجدید کے ظہور میں آنے کی بشارت کا موقعہ ملا۔ جب میں قادیان گیا تو سنت نبوی کے مطابق اللّٰھم رب السمٰوت السبع وما اظللن .... الخ کی دعا پڑھی۔ جب آپ پر نظر پڑی تو آپ کا صادقانہ حلیہ دیکھ کر پہچان گیا کہ ایسا منہ صادقوں کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ آپ کو دیکھنے سے اور آپ کے اخلاق حسنہ سے میرا قلب اس قدر متاثر ہوا کہ محبت سے میں آپ کا گرویدہ ہو گیا۔ پھر ایک گناہ مجھے محسوس ہوا کرتا تھا۔ اس کے دفع کرنے کے لئے میں نے ہر ممکن کوشش کی لیکن وہ دور نہ ہوا تھا۔ آخر حضرت اقدس کی توجہ اور برکت صحبت سے خود بخود دور ہو گیا حالانکہ میں نے آپ سے اس گناہ کا ذکر بھی نہیں کیا تھا۔"

آپ نے تذکرۃً مولوی حسن علی صاحب سے یہ بھی فرمایا کہ میرے نزدیک وَ یزکیھم کی علامت خدا تعالیٰ کے مامور کے لئے بطور نشان کے پائی جاتی ہے یعنی یہ کہ مامور من اللہ کی صحبت سے تزکیہ نفوس کا فائدہ حاصل ہوتا ہے اور طبیعت گناہوں سے متنفر ہو جاتی ہے اور یہ بات حضرت اقدس مرزا صاحب کی صحبت سے مجھے تو فی الواقعہ حاصل ہوتی جا رہی ہے اور باریک سے باریک تقویٰ کی راہیں کھلتی جا رہی ہیں۔"[1]

آپ فرماتے ہیں کہ

---

[1] حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکی کی تحریری بیعت ۱۸۹۷ء کی ہے اور دستی بیعت ۱۸۹۹ء کی۔ اس لحاظ سے آپ کا یہ بیان عینی شاہد کے طور پر نہیں ہو سکتا۔ البتہ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ یا دوسرے احباب سے سُنا ہوگا۔

"ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ قادیان کے ایک احمدی دوست نے متعدد احمدی احباب کی دعوت کی جن میں حضرت مولانا مولوی نورالدین صاحب اور مولوی حسن علی صاحب بھی تھے۔ جب دعوت سے فارغ ہو کر قیام گاہ کی طرف واپس آ رہے تھے تو راستہ میں ایک مکان تھا۔ اس پر سرکنڈوں کا چھپر تھا۔ اس چھپر سے بعض سرکنڈے جو قریب اور نیچے کی طرف جھکے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک سرکنڈے سے مولوی حسن علی صاحب نے دانتوں کے خلال کے لئے ایک تنکا توڑ لیا۔ جب حضرت مولانا نورالدین صاحب رضی اللہ عنہ وارضاہ نے مولوی حسن علی صاحب کو دیکھا کہ آپ نے خلال کے لئے تنکا توڑا ہے تو آپ کھڑے ہو گئے اور مولوی صاحب موصوف کو مخاطب کر کے فرمایا۔ مولوی صاحب! حضرت مرزا صاحب کی صحبت کا اثر میرے قلب پر بلحاظ تقویٰ کے۔ اس قدر پڑا ہے کہ جس تنکے کو آپ نے توڑا ہے میرا قلب اس کے لئے ہرگز جرأت نہیں کر سکتا بلکہ ایسے فعل کو خلاف تقویٰ اور گناہ محسوس کرتا ہے۔ اس پر مولوی حسن علی صاحب سخت متعجب ہو کر کہنے لگے کیا یہ فعل بھی گناہ میں داخل ہے؟ میں تو اسے گناہ نہیں سمجھتا۔ حضرت مولانا نے فرمایا۔ جب یہ سرکنڈا غیر کے مکان کی چیز ہے تو اس سے مالک مکان کی اجازت کے بغیر تنکا توڑنا میرے نزدیک گناہ میں داخل ہے۔ مولوی حسن علی صاحب کے قلب پر تقویٰ کے اس دقیق عملی نمونہ کا بہت بڑا اثر ہوا۔"

حضرت مولانا راجیکی صاحب ہی کا بیان ہے کہ

"نواب خاں صاحب تحصیلدار جو مخلص احمدی تھے جب گجرات میں تبدیل ہو کر آئے تو جب دورے پر راجیکی میں تشریف لاتے، میرے پاس کچھ دیر ضرور قیام فرماتے اور مجھ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت اور عظمت شان کے متعلق اکثر تذکرے ہوتے رہتے تھے۔ ایک دن اسی طرح کی گفتگو کا سلسلہ جاری تھا کہ نواب خاں صاحب تحصیلدار مرحوم نے مجھ سے ذکر کیا کہ میں نے حضرت مولانا حکیم نورالدین صاحب سے ایک دفعہ عرض کیا کہ مولانا! آپ

تو پہلے ہی باکمال بزرگ تھے۔ آپ کو حضرت مرزا صاحب کی بیعت سے زیادہ کیا فائدہ حاصل ہوا۔ اس پر حضرت مولانا صاحبؓ نے فرمایا۔ نواب خاں! مجھے حضرت مرزا صاحب کی بیعت سے فوائد تو بہت حاصل ہوئے ہیں لیکن ایک فائدہ اُن میں سے یہ ہوا ہے کہ پہلے مجھے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بذریعہ خواب ہوا کرتی تھی اب بیداری میں بھی ہوتی ہے۔"

آپ فرماتے ہیں۔

"حضرت اقدس جب شام کے دربار میں حضرت مولاناؓ کو یاد فرماتے تو آپ، جو کچھ فاصلہ پر نمازی احباب میں تشریف فرما ہوتے تھے فوراً مؤدبانہ لہجہ میں عرض کرتے حضور! حاضر! یہ کہہ کر قریب جا کر بیٹھ جاتے۔

حضور اقدس گو احباب مجلس میں سے ہر ایک پر نظرِ عنایت و شفقت فرماتے لیکن علمی مذاکرات کے وقت حضور کی توجہ علماء کرام میں سے مخصوص طور پر حضرت علامہ نورالدین صاحبؓ، حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؓ اور مولانا سید محمد احسن صاحب کی طرف ہوتی تھی اور جب یورپ کے حالات کا ذکر آتا تو روئے سخن حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ کی طرف ہوتا۔"

حضرت مولانا راجیکی صاحب فرماتے ہیں۔

"ایک مرتبہ جب شام کی مجلس ختم ہوئی تو حضرت مولوی صاحب نے محترم شیخ کرم الٰہی صاحب کو جو پٹیالہ کے باشندہ تھے۔ مخاطب کر کے فرمایا کہ

آپ حضرت اقدس کی مجلس میں جب بیٹھا کریں تو ایسے موقع پر درود شریف کثرت سے پڑھتے رہا کریں۔ اس سے بہت بڑا روحانی فائدہ ہوتا ہے۔ پھر فرمایا میں نے آج کی مجلس میں قریباً پانچ سو مرتبہ درود شریف پڑھا ہے۔ میں بھی یہ بات سُن رہا تھا۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ حضرت اقدس کی مجلس مبارکہ اور صحبت بابرکت میں آپ کا عام طور پر یہ دستور تھا کہ درود شریف کا ورد جاری رکھتے۔

حضرت مولانا فرماتے ہیں:۔

"اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کے مقدس نبیوں اور رسولوں کی صحبت میں درود شریف پڑھتے رہنا بہت ہی بابرکت شغل ہے اور اسی طرح مجلس خلفائے راشدین مہدیین میں بھی ایسا پاک شغل آداب رسالت و خلافت سے ہے بجز اس کے کہ مجلس میں خود خدا کا مقدس رسول یا خلیفہ کسی کو مخاطب فرما کر گفتگو کا موقعہ دے اور اسے اس سعادت سے بہرہ ور فرمائے۔ دوسرے اوقات میں مجلس میں درود شریف پڑھتے رہنا بہترین شغل ہے۔"

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ سے متعلق خاکسار راقم الحروف نے اکثر بزرگوں سے سُنا ہے کہ آپ حضرت اقدس کا ذکر عام طور پر "ہمارے امام" "حضرت اقدس" اور "امام الزمان" وغیرہ کے الفاظ سے کرتے تھے۔ لیکن کبھی کبھی شدت محبت کی وجہ سے "مرزا" یا "میرے مرزا" اور "مرزا جی" کہنے پر ہی اکتفا فرماتے تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے ایک مرتبہ اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

"حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ جب آپ بہت جوش اور محبت سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر کرتے تو "مرزا" کا لفظ استعمال کیا کرتے اور فرماتے۔ "ہمارے مرزا" کی یہ بات ہے۔ ابتدائی ایام سے جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ابھی دعویٰ نہیں تھا۔ چونکہ آپ کے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تعلقات تھے۔ اس لئے اس وقت سے یہ لفظ آپ کی زبان پر چڑھے ہوئے تھے۔ کئی نادان اس وقت اعتراض کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ حضرت مولوی صاحب کے دل میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ادب نہیں۔ (حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں آپ کو لوگ عام طور پر مولوی صاحب یا بڑے مولوی صاحب کہا کرتے تھے) میں نے خود کئی دفعہ یہ اعتراض لوگوں کے منہ سے سُنا ہے اور حضرت مولوی صاحب کو اس کا جواب دیتے ہوئے بھی سُنا ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ اسی مسجد میں حضرت خلیفہ اولؓ جبکہ درس دے رہے تھے آپ نے فرمایا بعض لوگ مجھ پر اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا

ادب نہیں کرتا۔ حالانکہ میں محبت اور پیار کی شدت کے وقت یہ لفظ بولا کرتا ہوں“۔ [ل]

حضرت مولانا راجیکی صاحب کی یہ بھی روایت ہے کہ

”ایک دفعہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ اپنے مطب میں تشریف رکھتے تھے۔ خاکسار بھی وہاں ہی موجود تھا۔ اتنے میں اتفاق سے نانا جان یعنی حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ والد حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا بھی تشریف لے آئے۔ دونوں مقدسوں کے درمیان سلسلہ کلام شروع ہوا۔ باتوں باتوں میں حضرت مولوی صاحبؓ نے حضرت میر صاحبؓ سے فرمایا۔ میر صاحب! ایک بات آپ سے دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت میر صاحبؓ نے فرمایا۔ فرمائیے۔ آپ نے فرمایا میر صاحب! آپ کو تو ہم جانتے ہی ہیں۔ آپ بھی احمدیت سے پہلے اہلحدیث تھے۔ اور ہم بھی۔ لیکن یہ کیا بات ہوئی کہ آپ کی لڑکی کو مسیح موعود جیسا شوہر مل گیا۔ اس کے جواب میں حضرت میر صاحب نے فرمایا۔ اصل بات تو اللہ تعالیٰ کے فضل ہی کی ہے۔ لیکن جب سے میری یہ لڑکی پیدا ہوئی ہے۔ میں نے کوئی نماز ایسی ادا نہیں کی جس میں اس کے لئے یہ دعا نہ کی ہو کہ اے اللہ! تیرے نزدیک جو شخص سب سے زیادہ موزوں و مناسب ہو اس کے ساتھ اس کا عقد ہو جائے۔ حضرت مولوی صاحب نے یہ جواب سُنکر فرمایا۔ بس میں سمجھ گیا یہ کسی وقت کی دعا ہی ہے جس کا تیر نشانے پر لگا ہے۔“

حضرت مولوی صاحب کا ایک خط حضرت نواب محمد علی خاں صاحب کے نام،

جیسا کہ ہم کئی دفعہ ذکر کر چکے ہیں حضرت مولوی صاحب کو نادار اور غرباء کی امداد کا خاص خیال رہتا تھا اور کوئی موقعہ آجانے پر آپ کبھی دریغ نہ فرماتے تھے۔ ذیل کے خط سے بھی جو آپ نے حضرت نواب محمد علیخاں صاحب کو لکھا تھا۔ اس پر روشنی پڑتی ہے خط کا متعلقہ حصہ درج ذیل ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں۔

”شامی کا معاملہ! شامی صاحب کی شادی میں دو آدمیوں کے خرچ کا ذمہ دار یہ خاکسار ہوا ہے اور یہی میرا وعدہ تھا جس پر میں بدل قائم ہوں اور انشاء اللہ قائم رہوں گا یہ

[ل] ”الفضل“ جلد ۲۶ نمبر ۱۴۷ پرچہ ۳۰ جون ۱۹۳۸ء صفحہ ۳۔

انشاء اللہ تاکیدی اور قسم ہے نہ حیلہ سازی فقط۔

مجھے یاد پڑتا ہے اگر میری یادداشت غلطی نہیں کرتی اور اگر غلطی ہو تو آپ اصلاح فرماویں کہ آپ نے فرمایا تھا چھ روپیہ دو آدمیوں کے لئے کافی ہیں۔ پس اس کی دو صورتیں ہیں آپ کے دو آدمی مولوی عبداللہ صاحب اور میاں نواب خاں صاحب ہمارے پاس کھانا کھالیا کریں اور آپ اس کے بدلہ میں شامی کی بی بی اور اس کی والدہ کو دیں۔

جناب من! شامی کے ہاتھ اگر قارون کا خزانہ ہو کفایت نہیں کرتا اور ہم اس کے فضول خرچ کے ذمہ دار نہیں نہ شرعاً نہ عرفاً جب اس کو اپنے اخراجات کے لئے مجبور نہ کیا جاوے گا۔ وہ فضولی میں ترقی کرے گا جس کی حد نہیں۔ پس یہ ہماری غلطی ہوگی اور ہے۔ شامی کے ہاتھ نقد روپیہ ہرگز نہ دیجئے۔ اور کہہ دیجئے کہ ہم نے شادی کر دی تم اپنا فکر کرو۔ بی بی کا فکر نہ کرو نہ شادی کا۔ یہ ہماری طرف سے سلوک کم نہیں۔ میں شامی کو خوب جانتا ہوں مگر اس کی شادی کو اس کی اصلاح کا باعث یقین کرتا ہوں۔ اگر اللہ تعالیٰ میرے ظن کو صحیح کر دے۔ میں دل سے حرض پیدا ہوں کہ شامی صاحب کی بی بی اور ساس کا خرچہ جہاں تک مجھ میں توفیق ہے ۶ روپیہ ماہانہ یا آپ مجھے مدد دیں تو پانچ روپے ۱۶ دسمبر ۹۳ء سے میرے ذمہ ہوا۔ اگر طالب علموں کا تبادلہ منظور ہو تو پھر روپیہ ششماہی یا ماہانہ جس طرح آپ فرماویں روانہ کروں۔ جو نابینا قابل رحم ہے اس کو آپ دیں۔"[1]

نسخہ نور نظر

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ نے ۲۷ مئی ۱۸۹۴ء کو حضرت نواب محمد علیخاں صاحب کو ایک خط لکھا جس میں تحریر فرمایا:۔

"میں نے بڑے درد و اخلاص سے دوائیں بنا کر آپ کے لئے اور حضرت ہمشیرہ صاحبہ کے لئے روانہ کیں لیکن استعمال میں نہ آئیں۔ کاش اب آپ استعمال فرمائیں۔ آپ کے گھر میں اللہ تعالیٰ اپنا رحم فرمائے۔ آمین۔

(اس جگہ نسخہ لکھا ہوا ہے)

پیس ملا کر ہر مہینہ میں دس روز یک رتی سے دو رتی تک تا ایام ولادت کھایا کریں۔ فرزند نرینہ پیدا ہوگا۔ خاکسار نورالدین ۲۷ مئی ۹۴ء۔"

---

[1] اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۱۱۷۔

اولاد نرینہ کی اس دوا کا اشتہار قادیان کے بعض دواخانوں کی طرف سے "نور نظر" کے نام سے دیا جاتا رہا بلکہ اب تک بھی بعض دواخانے اس کا اشتہار دیتے ہیں۔ حضرت نواب محمد علیخاں صاحب نے بھی اس کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا۔

"میں تصدیق کرتا ہوں کہ نسخہ نور نظر حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ نے خود میرے گھر میں دیا تھا۔ میرا تجربہ شدہ اور بعض اور لوگوں کو بھی دیا مجرب ثابت ہوا۔

خان محمد علی خاں رئیس مالیر کوٹلہ"[1]

چونکہ کئی دوستوں کو اس نسخہ کا اشتیاق ہوگا اس لئے ہم اصل نسخہ ذیل میں درج کر دیتے ہیں۔ یہ نسخہ ہمیں مکرم و محترم مولوی محمد یعقوب صاحب فاضل انچارج شعبہ زود نویسی ربوہ سے دستیاب ہوا ہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔ صفتہ:۔

گلونجی ۹ ماشہ۔ کالی مرچ چھ ماشہ۔ کچور چھ ماشہ۔ مجیٹھ چھ ماشہ۔ مشک خالص تین ماشہ۔ (کل پانچ دوائیں ہیں) باریک پیس کر ایک رتی سے دو رتی تک تا ایام ولادت ہر ماہ دس دن (صرف ایک وقت) عورت کو کھلا دیا کریں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اولاد نرینہ ہوگی۔

بہاولپور اور سندھ کا سفر اگست ۱۸۹۴ء

اگست ۱۸۹۴ء میں آپ بہاولپور اور سندھ کے ایک لمبے سفر پر تشریف لے گئے۔ اس امر کا سراغ ابھی تک مجھے نہیں مل سکا کہ سندھ کس لئے تشریف لے گئے تھے۔ البتہ بہاولپور کے سفر سے متعلق اتنا پتہ چلا ہے کہ نواب صاحب بہاولپور بیمار تھے۔ انہوں نے حضرت اقدس کی خدمت میں درخواست کر کے آپ کو چند روز کے لئے بلایا تھا۔ اور انہیں حضرت خواجہ غلام فرید صاحب چاچڑاں شریف والوں نے جو اُن کے پیر تھے آپ کو بلانے کی تحریک فرمائی تھی۔ اس کے بارہ میں مولانا غلام احمد صاحب اختر کی روایت ہے کہ

"آپ کے بلائے جانے پر بعض لوگ جو ریاست میں ممتاز عہدوں پر تھے، انہوں نے یہ اعتراض کیا کہ "حضرت صاحب" (مراد خواجہ غلام فرید صاحب) بعض اوقات تو دین کا کچھ باقی نہیں رہنے دیتے۔ اب "مرزائی" کے بلائے جانے کا مشورہ دے دیا ہے۔

جب یہ بات ایک ذریعہ سے خواجہ صاحب کے پاس پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ مرزا صاحب

---

[1] "الفضل" پرچہ ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۶ء

کا کلام شیخ اکبر کی طرح عمیق ہے۔ یہ لوگ اس کو سمجھتے نہیں، یونہی چلاتے ہیں۔"[۱]

جب آپ بہاولپور پہنچے تو نواب صاحب کو دیکھ کر آپ نے واپسی کا ارادہ ظاہر فرمایا مگر حضرت خواجہ غلام فرید صاحب نے بذریعہ تار حضرت اقدس سے چند دن ٹھہرنے کی اجازت منگوالی۔ نواب صاحب اور خواجہ صاحب نے کہا کہ دراصل تو ہم آپ سے ملاقات کرنا اور قرآن کریم کے معارف سننا چاہتے تھے۔ علاج تو آپ کو بلانے کا ایک ذریعہ بن گیا ہے۔ غرض قرآن کریم کا درس شروع ہو گیا۔ جب میعاد مقررہ گذر گئی۔ تو حضرت خواجہ صاحب نے نواب صاحب کو علیحدگی میں کہا کہ آپ کہا کرتے ہیں کہ جو ارشاد آپ فرمائیں گے میں اس کی تعمیل کروں گا۔ آج میں آپ کو کہتا ہوں کہ اگر ہو سکے تو نورالدین کو یہاں رکھ لو۔ نواب صاحب نے حضرت مولوی صاحبؓ کی خدمت میں عرض کی کہ ہمارا دل چاہتا ہے کہ آپ یہاں مستقل طور پر رہائش اختیار کر لیں آپ کے لئے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے آستانہ عالیہ سے جدا ہو کر کسی اور جگہ رہنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا مگر نواب صاحب کو آزمانے کے لئے آپ نے فرمایا۔ اچھا نواب صاحب! اگر میں یہاں رہ پڑوں تو میرے گذارے کی کیا سبیل ہو گی؟ اگلا قصہ خود حضرت مولوی صاحبؓ کی زبان سے سنئے۔ فرماتے ہیں

"نواب بہاولپور ہمیں ساٹھ ہزار ایکڑ زمین دیتا تھا۔ ہم نے انکار کیا اور کہا کہ اس قدر زمین سے کیا ہو گا۔ انہوں نے کہا کہ آپ اس سے امیر کبیر ہو جائیں گے۔ میں نے کہا کہ اب تو آپ ہمارے پاس چل کر آتے ہیں کیا پھر بھی آئیں گے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں! میں نے کہا کہ پھر فائدہ ہی کیا ہے؟"[۲]

آپ فرماتے ہیں۔

"میں نے اپنی اولاد کے واسطے کبھی فکر نہیں کیا نہ زمین کا نہ کسی اور بات کا۔ اگر ہم زمین لینا چاہتے تو بیشمار زمین جمع کر لیتے۔ اللہ تعالیٰ نے میرے دادا سے بڑھ کر اولاد اور رزق میرے باپ کو دیا۔ پھر مجھ کو مال، کتابیں، علم اور شہرت وغیرہ سب کچھ باپ سے زیادہ دیا۔"[۳]

ایک دفعہ فرمایا

"دیکھو! میں نے اپنے باپ کا روپیہ ترکہ میں نہیں لیا۔ باپ کے مکانات میں بھی

---

[۱] الفضل جلد ۱۳ نمبر ۱۰ صفحہ ۶ پرچہ ۱۸ اگست ۱۹۲۲ء [۲] مبلغ ۲۶ ستمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳ [۳] ایضاً

نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔ پس انسان اولاد کی فکر میں ایسا منہمک کیوں ہو۔"[1]

حضرت خواجہ غلام فرید صاحبؒ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ غلام فرید صاحبؒ کا بھی تھوڑا سا ذکر خیر کر دیا جائے۔ حضرت خواجہ صاحب، نواب صاحب بہاولپور کے پیر تھے اور حقیقت میں ایک عالم و فاضل اور صاحب کشف اور صاحب حال بزرگ تھے جب حضرت اقدس نے علماء ہند کو مخاطب کر کے "اشتہار مباہلہ" میں اپنے الہامات کی ایک فہرست شائع فرمائی۔ تو جہاں اور علماء، صوفیاء، سجادہ نشینوں اور پیروں کو وہ اشتہار رجسٹری کروا کر بھیجا وہاں ایک نسخہ اس کا حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں بھی بھیجا۔ خواجہ صاحب موصوف نے حضور کے الہامات کو بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا اور اس کا جواب عربی مکتوب میں دیا جو حضرت اقدس کی کتاب انجام آتھم صفحہ ۳۲۴ میں شائع شدہ موجود ہے۔ اس کے بعد اپنی مجلس میں فرمایا کہ

"مرزا صاحب مردے نیک و صادق است و نزد من کتابے از ملہمات خود فرستادہ است کمال او ازاں کتاب ظاہر است۔ اندریں اثنا بعضے از علماء ظواہر کہ حاضر خدمت حضور خواجہ ابقاہ اللہ تعالیٰ نشستہ بود، نسبت مرزا صاحب زبان طعن کشادہ رد و انکار کرد۔ حضور ابقاہ اللہ تعالیٰ در جوابش فرمودند۔ نے نے وے مرد صادق است مفتری و کاذب نیست۔ ایں معاملہ جبلی و خود ساختہ نیست۔ غایت مافی الباب آنکہ او را اندک خطا از اجتہاد و خطا در کشف است۔ بعد ازاں فرمودند کہ مردان انا الحق گفتہ اند و وے اگر خود را مجدد و عیسیٰ قرار دادہ تاہم عبد میگوید۔"

ترجمہ "مرزا صاحب نیک مرد اور صادق ہیں اور انہوں نے مجھے اپنے الہامات کی ایک کتاب (انجام آتھم) بھیجی ہے۔ ان کا کمال اس کتاب سے ظاہر ہے۔ اسی اثناء میں علماء ظواہر میں سے کسی نے جو حضرت خواجہ صاحب ابقاہ اللہ تعالیٰ بیقائہ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا۔ حضرت اقدس کے متعلق زبان طعن دراز کی اور آپ کا رد و انکار کیا۔ حضرت خواجہ صاحب ابقاہ اللہ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ نہیں نہیں! وہ مرد صادق ہیں۔ مفتری اور کاذب نہیں ہیں۔ ان کا دعویٰ جبلی اور خود ساختہ نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ تم یہ کہہ سکتے ہو کہ اُن سے اپنے بعض کشوف کے سمجھنے میں

---

[1] ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۴۵ شائع کردہ الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ ربوہ۔

تھوڑی سی اجتہادی غلطی ہوئی ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ لوگوں نے تو انا الحق کہا ہے۔ اور اگر وہ (یعنی حضرت مرزا صاحب) اپنے آپ کو مجدد اور عیسیٰ قرار دیں تو پھر بھی عبد ہی کہلاتے ہیں۔"

"بعدازاں فرمودند کہ مولوی نورالدین حکیم کہ از مریدانِ صادق الارادت و راسخ العقیدت اوست وقتے در بہاولپور نزد من آمدہ بود۔ گفت۔ من کہ مرید مرزا صاحب شدہ ام دیگر از کرامات وغیرہ از وشاں ہیچ ندیدہ ام۔ محض ایں سہ امر دیدہ مرید اوشاں گرویدہ ام۔

تین کرامتیں

یکے اینکہ مرزا صاحب علم ظاہری از صرف و نحو تا شرح ملّا جامی خواندہ اند۔ و آں نیز بوقت ملازمت انگریزاں مثل دیگراں فراموش کردہ بودند و اکنوں آنچناں متبحر تحریر عالم ہستند کہ قصائد عربی و فارسی و اردو بکمال فصاحت و بلاغت چہل چہل بیت بیک دفعہ بلا تامل انشا بنمایند و رموزات معانی قرآن شریف کہ ما مردم را معلوم شوند از کتب صوفیا کرام معلوم میکردند علی الخصوص از فصوص الحکم و فتوحاتِ مکی شیخ محی الدین ابن عربی۔ مگر آنچہ اسرار و رموزات معانی قرآن شریف از زبانِ مرزا صاحب شنیدہ ام در ہیچ کتاب ندیدہ ام و از ہیچ کس بجز مرزا صاحب نہ شنیدہ ام۔

دوم اینکہ روز و شب مرزا صاحب در عبادت خدا عزوجل معروف و مشغول دیدہ ام۔

سوم اینکہ در اشاعتِ دین چناں کمر بستہ اند کہ بے خوف و بے ہراس شدہ بادشاہان و سلاطین ہر دیار و امصار را دعوتِ اسلام کردہ اند۔ چنانچہ ملکہ زمان بادشاہ لندن را برائے شکستنِ شوکتِ صلیبی و کفارہ و عقیدہ تثلیث امر کردہ بدین اسلام خواندہ اند۔ و بادشاہِ جرمن و فرانس و روس را نیز دعوت کردہ فرمودہ اند کہ عقائدِ باطلہ خود را گذاشتہ بہ اسلام گرائید و سلطانِ روم و امیر عبدالرحمٰن بادشاہ کابل وغیرہ ہمہ را دعوت نمودہ کہ حمایتِ اسلام کنید و ہرگز خوف و ہراس در دلِ اوشاں را نیافتہ۔"[1]

ترجمہ۔ "اس کے بعد فرمایا کہ مولوی حکیم نورالدین صاحب جو آپ کے صادق الارادت اور راسخ العقیدہ مریدوں میں سے ہیں۔ ایک دفعہ میرے پاس بہاولپور آئے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ

---

[1] اشارات فریدی جلد سوم صفحہ ۷۲ تا ۷۴ مطبوعہ مفید عام پریس آگرہ۔

میں مرزا صاحب کا جو مرید ہوا ہوں ان کی اور کرامات دیکھ کر نہیں ہوا۔ بلکہ یہ تین امر دیکھ کر ہوا ہوں۔

اوّل یہ کہ حضرت مرزا صاحب نے ظاہری علم صرف ونحو کا شرح ملّا جامی تک پڑھا ہے اور وہ بھی انگریزوں کی ملازمت کے وقت دوسرے علماء کی مانند بھلا دیا تھا اور اب ایسے متبحر اور یگانۂ روزگار عالم ہیں کہ قصائد عربی اور فارسی اور اردو کمال فصاحت اور بلاغت کے ساتھ چالیس چالیس شعر یکدفعہ بلا تامل لکھتے چلے جاتے ہیں اور قرآن شریف کے معانی کے رموز جو کچھ ہم لوگوں کو معلوم ہیں وہ عموماً صوفیا کی کتابوں ہی سے ہیں خصوصاً فصوص الحکم اور فتوحات مکیہ شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربی سے۔ مگر قرآن شریف کے وہ اسرار اور معانی جو ہم نے حضرت مرزا صاحب سے سُنے ہیں نہ پہلے کسی کتاب میں دیکھے ہیں اور نہ سوائے حضرت مرزا صاحب کے کسی اور شخص سے سُنے ہیں۔

دوم یہ کہ ہم نے حضرت مرزا صاحب کو رات دن اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف و مشغول دیکھا ہے

سوم یہ کہ دین اسلام کی اشاعت میں ایسے کمربستہ ہیں کہ بےخوف و ہراس تمام ملکوں اور شہروں کے ملوک و سلاطین کو دعوت اسلام دی ہے جیسا کہ ملکہ زمان بادشاہ لندن کو صلیب کی شوکت اور کفارہ اور تثلیث کے عقیدہ کو توڑنے کی غرض سے دین اسلام کی دعوت دی ہے اور بادشاہ جرمن اور فرانس اور روس کو بھی دعوت دی ہے کہ اپنے جھوٹے عقیدوں کو چھوڑ کر اسلام قبول کریں اور روم کے بادشاہ اور کابل کے بادشاہ امیر عبدالرحمٰن وغیرہ سب کو دعوت دی ہے۔ کہ حمایت اسلام کریں اور کبھی ان کے دل میں کوئی خوف و ہراس راہ نہیں پاتی۔

اسی طرح حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی درباره پادری عبداللہ آتھم کے متعلق حضرت خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔

"بعد ازاں فرمودند کہ مرزا صاحب نسبت موتِ آتھم پادری پیشگوئی کردہ بود کہ وے اندر عرصہ یک سال خواہد مرد۔ قضاءً خلافِ آں بوقوع آمد یعنی آتھم پادری بقضائے آں سال موعود در دیگر سال بمرد۔ بعد ازاں فرمودند کہ چوں ایں حکایت پیش مولوی نورالدین کہ مرید مرزا صاحب است بیان کردہ شدہ۔ وے گفت۔ کہ

اعتقاد ما مردم در حق مرزا صاحب بدیں گونہ نیست کہ بہ سبب نہ مردن آتھم پادری
درآں سال کہ مرزا صاحب وعدہ کردہ بود، تزلزل پذیرد و از گشتہ شود۔ زیراکہ ایں
خلافِ وعدہ ہا از پیغمبراں نیز واقع شدہ است بہ سبب مصلحت کہ عند اللہ است۔
چنانکہ وقوعہ حدیبیہ کہ حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم بہ اصحاب
خود فرمودہ بودند کہ امسال طواف بیت اللہ خواہم کرد و حج خواہم گذارد و فتح مکہ نیز
خواہم نمود و حالانکہ ہر سہ امر میسر نشدند۔ ہمچناں از حدیبیہ بکفار مکہ صلح کردہ بازگردیدند
بعد ازاں حضور خواجہ ابقاہ اللہ تعالیٰ ببقائہٖ فرمودند کہ ایں مولوی بلائیست کہ در ہندوستان
او را علامہ مے گویند" [1]

ترجمہ۔ "اس کے بعد خواجہ صاحب نے فرمایا کہ مرزا صاحب نے عبد اللہ آتھم پادری کی موت کے
متعلق پیشگوئی کی تھی کہ وہ ایک سال کے عرصہ کے اندر مرجائے گا۔ لیکن واقعہ اس کے خلاف
وقوع میں آیا یعنی پادری آتھم اس موعود سال کے گذر جانے پر دوسرے سال مرا۔ اس کے بعد
حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا کہ جب یہ بات مولوی نورالدین صاحب (جو حضرت مرزا صاحب کے
مرید ہیں) کے سامنے بیان ہوئی۔ تو انہوں نے فرمایا کہ ہم لوگوں کا اعتقاد حضرت مرزا صاحب کے
حق میں اس قسم کا نہیں ہے کہ آتھم پادری کے موعود سال کے اندر نہ مرنے سے متزلزل ہو کر
ختم ہو جائے کیونکہ اسی قسم کے واقعات اللہ تعالیٰ کی بعض مصلحتوں کے باعث سابقہ انبیاء
کرام کے وقت بھی پیش آتے رہے ہیں چنانچہ واقعہ حدیبیہ سے قبل حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ
رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا تھا کہ ہم اس سال بیت اللہ شریف کا
طواف کریں گے اور حج کریں گے اور مکہ میں بھی داخل ہوں گے حالانکہ ان تینوں باتوں میں سے
کوئی بات بھی اس سال وقوع میں نہ آئی اور حضور علیہ السلام کفار کے ساتھ صلح کر کے مقام حدیبیہ
سے واپس تشریف لے آئے۔ اس کے بعد حضرت خواجہ صاحب ابقاہ اللہ تعالیٰ ببقائہٖ نے
فرمایا کہ

یہ مولوی نورالدین وہ بلا ہے جسے ہندوستان میں علامہ کہتے ہیں"

---

[1] اشارات فریدی جلد ۳ صفحہ ۴۳-۴۴

جلسہ سالانہ ۱۸۹۴ء میں آپکی تقاریر

اگرچہ ۱۸۹۳ء کا جلسہ سالانہ حضرت اقدس نے بعض وجوہ کی بناء پر نہ کرنے کا اعلان فرمادیا تھا۔ لیکن ۱۸۹۴ء کا جلسہ خدا تعالیٰ کے فضل سے اپنی مقررہ تاریخوں میں ہوا۔ اور اس میں حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحبؓ نے بھی اپنے خطبات اور روحانیت سے لبریز ملفوظات سے حاضرین کی ضیافت کی۔

کتاب "منن الرحمٰن" کی تالیف میں آپ کا حصہ

۱۸۹۵ء میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کئی ایک مثالی اور عظیم الشان انکشافات کا اعلان فرمایا چنانچہ سب سے پہلے آپ نے اس امر کا اعلان فرمایا کہ زبان عربی ام الالسنہ ہے اور اس سلسلہ میں آپ نے ایک کتاب "منن الرحمٰن" نام تصنیف فرمائی۔ اس تالیف میں جن لوگوں نے سب سے زیادہ محنت اور عرقریزی سے کام کیا۔ ان میں سرفہرست حضرت اقدس نے حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ اور حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹیؓ کے اسماء درج فرمائے ہیں۔ آپ نے نہ صرف قیمتی معلومات مہیا کیں بلکہ اس کام کے لئے انگریزی لٹریچر بھی خرید کر پیش کیا۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

ڈیرہ بابا نانک کا سفر

۱۸۸۷ء میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک کشف میں حضرت بابا نانک رحمۃ اللہ علیہ کو ایک مسلمان کی شکل میں دیکھا تھا اور آپ کو بتلایا گیا تھا کہ جس چشمہ صافی سے آپ نے پانی پیا ہے اسی سے حضرت بابا صاحب نے پیا تھا۔ اسوقت گو حضور نے متعدد احباب کو اس کشف سے مطلع فرمایا لیکن اس کی عام اشاعت نہیں کی تھی اور اس تلاش میں تھے کہ کوئی ایسا ثبوت ملے جس سے حضرت بابا نانک رحمۃ اللہ علیہ کے اسلام پر واضح شہادت مل جائے چنانچہ اس کشف کے ایک عرصہ بعد ۱۸۹۵ء میں جب حضور کو معلوم ہوا کہ قصبہ ڈیرہ بابا نانک ضلع گورداسپور میں حضرت بابا نانک کا ایک چولہ محفوظ ہے جس سے سکھ قوم بہت عقیدت رکھتی ہے اور بڑے بڑے قیمتی رومالوں میں اسے لپیٹ کر رکھا ہے تو حضور نے پہلے ایک پارٹی اس امر کی تحقیقات کے لئے بھیجی کہ وہ وہاں جا کر اپنی آنکھوں سے اس چولہ کو دیکھے اور پھر یہاں آکر رپورٹ کرے چنانچہ جب یہ معلوم ہوا کہ اس چولہ پر کلمہ طیبہ اور متعدد قرآنی آیات لکھی ہوئی ہیں۔ تو اس خیال سے کہ ممکن ہے بعد کے لوگ اس وفد کی شہادت کو اتنا وزن نہ دیں جتنے کی وہ مستحق ہے۔ حضور خود ایک پارٹی کے ساتھ ۳۰ ستمبر ۱۸۹۵ء کو خود روانہ ہوئے۔ اس پارٹی میں دس خدام شامل

تھے جن میں سب سے پہلے نمبر پر حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحبؓ کا نام نامی درج ہے۔ جب ڈیرہ بابا نانک جاکر اس چولہ کو دیکھا تو پتہ لگا کہ واقعی وہ چولہ ایک مسلمان بزرگ ہی کی یادگار ہو سکتا ہے کیونکہ اس پر جہاں کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہے۔ وہاں انّ الدین عند اللہ الاسلام اور کلمہ شہادت اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ بھی لکھا ہے۔ سورۃ فاتحہ اور سورہ اخلاص سے بھی وہ چولہ مزین تھا۔ چنانچہ حضور نے اس چولہ کی ساری عبارت محفوظ کروالی اور قادیان واپس پہنچکر ایک کتاب "ست بچن" لکھی جس میں علاوہ اس سفر کی روئداد کے سکھوں کی مذہبی کتاب گورو گرنتھ صاحب اور جنم ساکھیوں سے بھی ایسے شبد اور تحریریں پیش فرمائیں جن سے حضرت باوا نانک رحمۃ اللہ علیہ کے مسلمان ہونے کے واضح ثبوت ملتے ہیں۔ اس کتاب میں چولہ باوا نانکؒ کی تصویر بنا کر اس پر وہ تمام عربی عبارتیں درج ہیں جو اصل چولہ پر درج تھیں۔

حضرت مولوی صاحبؓ مالیر کوٹلہ میں ۱۸۹۶ء

۱۸۹۶ء میں حضرت نواب محمد علیخاں صاحبؓ نے حضرت اقدس کی خدمت میں عرض کی کہ میں قرآن مجید پڑھنا چاہتا ہوں۔ از راہ نوازش حضرت مولوی نورالدین صاحب کو کچھ عرصہ کے لئے میرے پاس مالیر کوٹلہ بھیج دیں۔ حضرت اقدس کے ارشاد پر آپ وہاں تشریف لے گئے اور چند ماہ وہاں قیام فرمایا آپ کے ہمراہ آپ کے اہلبیت بھی تھے۔ شروع شروع میں آپ کا قیام شہر میں رہا۔ پھر آپ کے قیام کے لئے شیروانی کوٹ میں انتظام کر دیا گیا۔ ایک گھوڑا گاڑی بھی آپ کی ضروریات کے لئے ہر وقت موجود رہتی تھی۔

حضرت نواب صاحب آپ سے قرآن مجید پڑھنے کے لئے روزانہ شیروانی کوٹ جاتے تھے اور دوپہر کا کھانا بھی آپ کی معیت میں تناول فرمایا کرتے تھے۔ مکرم میاں عبدالرحمٰن خاں صاحب ابن حضرت نواب صاحبؓ فرماتے ہیں کہ قریباً نصف سال میں حضرت والد صاحب (یعنی نواب صاحبؓ) نے قرآن مجید ختم کر لیا۔[له]

وہاں آپ کے بہت سے شاگرد بھی جمع ہو گئے تھے۔ جن میں سے حضرت بھائی عبدالرحیم صاحبؓ اور حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس سارے قافلہ کے قیام وطعام کا بہترین انتظام حضرت نواب صاحب کی طرف سے ہوتا تھا۔

حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی کے ایک خط سے جو انہوں نے یکم مئی ۹۷ء کو حضرت نواب

له اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۱۰۰۔

کی خدمت میں لکھا، ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مولوی صاحب وہاں بیمار ہو گئے تھے جس کی وجہ سے حضرت اقدس کو بہت فکر پیدا ہو گئی تھی۔ وہ خط یہ ہے۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مکرم معظم خاں صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

حضرت مولوی صاحب کی بیماری کی خبر نے جو کئی روز ہوئے یہاں پہنچی تھی تمام متعلقین کو نعل در آتش کر رکھا ہے اور سب کے سب اس حیرت میں ہیں کہ پھر بعد اس کے کوئی خبر اُن کی نسبت نہیں ملی۔ آپ از راہ کرم کچھ اطمینان آمیز خبر دے سکتے ہیں؟ عاجز عبد الکریم سیالکوٹی

یکم مئی از قادیان"

مکرم میاں عبدالرحمٰن خاں صاحب بیان کرتے ہیں کہ

"ان ایام میں مالیر کوٹلہ میں بھیرہ کے رہنے والے ڈاکٹر بھگت رام ساہنی پریکٹس کرتے تھے۔ ہم وطن ہونے کے علاوہ وہ کشمیر میں بھی ملازم رہ چکے تھے۔ وہ حضرت مولوی صاحب کی بہت عزت وتکریم کرتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے ذکر کیا کہ میں کہیں نہیں جاتا اور مجھے ایک ہزار روپیہ ماہوار آمد ہو جاتی ہے۔ اس پر حضرت مولوی صاحب نے فرمایا کہ میں بھی کہیں نہیں جاتا پھر بھی مجھے اتنی ہی آمد ہو جاتی ہے۔ ان ایام کا ذکر کر کے حضرت مولوی صاحب ایک مکتوب میں نواب صاحبؓ کو نصیحت کرتے ہوئے اپنی آمدنی اور غیب سے رزق کا سامان مہیا ہونے کا یوں ذکر فرماتے ہیں۔

"میرا عریضہ توجہ سے پڑھیں اور ایک آیت ہے قرآن کریم میں اس پر پوری غور فرما لیا ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب۔ یہ نابکار خاکسار راقم الحروف متقی بھی نہیں ہاں متقی لوگوں کا محب اور پورا محب۔

مجھے بھی بمقام مالیر کوٹلہ بڑی بڑی ضرورتیں پیش آتی رہیں اور قریب قریب اڑھائی ہزار کے خرچ ہوا۔ مگر کیا آپ معلوم کر سکتے ہیں کہ وہ کہاں سے آیا۔ شاید دو تین سو سے زائد کا آپ کو پتہ ہوگا مگر باقی کا علم سوائے میرے مولیٰ کریم کے کسی کو بھی نہیں۔ حتیٰ کہ میری

بی بی کو بھی نہیں" [1]

دستِ غیب کا ذکر آگیا ہے اس لئے موقعہ کی مناسبت کے لحاظ سے ذیل کا واقعہ جو حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانیؓ کے ساتھ پیش آیا۔ درج کیا جاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"میں حضرت مولوی صاحب کے گھر کے ایک حصہ میں رہتا تھا۔ حضرت پیر منظور محمد صاحب کے مکان سے شمال مشرق کی طرف کی سڑک تک جگہ خالی تھی۔ ان ایام میں احباب بھرتی ڈلوا کر مکان بنالیتے تھے۔ میں نے بھی ایسا ہی کیا۔ ایک روز میں حضرت مولوی صاحب کے پاس مطب میں بیٹھا تھا۔ فرمانے لگے کہ یہ جگہ مجھے دیدو۔ مریضوں کی رہائش کے لئے درکار ہے (یہ حضرت مولوی صاحب کے مکان سے ملحق ہے) میں نے عرض کیا کہ جیسے آپ پسند فرمادیں۔ دریافت کرنے پر کہ کتنا خرچ آیا ہے۔ میں نے نوے روپے گنوائے۔ تو مجھے مطب کے مغربی دروازے سے نکل کر پچھواڑے کی طرف آنے کے لئے فرمایا اور خود مکان کے مشرق کی طرف سے آئے۔ اور بکڈپو کے پچھواڑے میں کوئیں کے پاس ملے اور مجھے سو روپیہ کا ایک نوٹ دے کر فرمایا کہ دس روپے مجھے واپس دیدینا"

آگے حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی فرماتے ہیں کہ

"میں سمجھتا ہوں کہ یہ رزقِ غیب کی صورت ہوگی۔ مطب میں روپیہ رکھنے کی کوئی جگہ نہ تھی اور اگر گھر میں کسی جگہ رکھتے تھے یا جیب میں تھے تو مجھے ایک طرف سے بھیج کر خود دوسری طرف سے آنے کی کیا ضرورت تھی"

حضرت بھائی عبدالرحیم صاحب قادیانی اور حضرت نواب میاں محمد عبداللہ خاں صاحب بیان فرماتے ہیں کہ دوسری بار جب حضرت مولوی صاحب مالیرکوٹلہ تشریف لے گئے تو ان ایام میں میاں عبدالرحیم خاں صاحب کی ولادت ہوئی مگر انہیں سانس نہ آیا۔ حضرت مولوی صاحب کے ارشاد پر ایک ٹھنڈے اور ایک گرم پانی کے ٹب میں ڈبویا گیا جس سے سانس جاری ہوگیا۔ [2]

حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ جن کی تاریخ ولادت ۲ مارچ ۱۸۹۷ء ہے فرماتی ہیں کہ یہ امر یقینی ہے

---

[1] اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۱۰۲ ۔ [2] ایضاً صفحہ ۱۰۲ حاشیہ

کہ میری ولادت کے موقعہ پر حضرت اماں جان کی طبیعت ناساز ہو گئی تھی اس لئے تار دے کر حضرت مولوی صاحب کو مالیر کوٹلہ سے بلوایا گیا تھا۔ مکرم میاں عبدالرحمٰن خاں صاحب بھی اس دفعہ کا قیام اندازاً ڈیڑھ ماہ کا بتاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولوی صاحب وسط جنوری تک دوبارہ مالیر کوٹلہ تشریف لے جا چکے ہوں گے۔[1]

حضرت نواب صاحب کے ایک خواب کی تعبیر

حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ فرماتی ہیں:۔

"ایک خواب جو شاید ملک صلاح الدین صاحب کو لکھ کر دے چکی ہوں۔ میرے میاں (نواب محمد علی خاںؓ) نے اپنی اوائل عمر اور شروع بیعت کے ایام میں دیکھا تھا جس کا اکثر مجھ سے ذکر کیا کہ "میں نے دیکھا میرے مکان شیروانی کوٹ والے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام تشریف لائے ہیں اور گود میں دونوں ہاتھوں میں تھامے پودے ہیں جن کو حضرت اقدس اپنے ہاتھ سے میرے باغیچہ میں لگا رہے ہیں۔ جب ۱۸۹۶ء میں حضرت خلیفہ اولؓ مالیر کوٹلہ تشریف لے گئے تو میں نے یہ خواب ان کو سنایا۔ آپ نے سُنکر فرمایا کہ اس کی تو یہ تعبیر ہے کہ

"لگانے والے کی نسل جس کے گھر میں پودے لگائے ہیں اس کے گھر سے چلے گی"

اس زمانہ میں یہ کس قدر خلاف قیاس بات معلوم ہوتی ہوگی۔ مگر آج ہم تین بہن بھائیوں کے رشتے جو ہوئے (یعنی ہم دونوں بہنیں دونوں باپ بیٹوں کے نکاح میں آئیں۔ اور حضرت چھوٹے بھائی صاحب کی شادی ان کی بڑی لڑکی بو زینب بیگم سے ہوئی) اس کے ثمر ہماری اولادیں در اولادیں ملا کر اس وقت تہتر[۷۳] نفوس ہیں۔ جو نواب صاحب اور ان کے آقا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مشترکہ نسل ہیں۔ اللّٰھم زد فزد"[2]

---

[1] اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۱۰۳ حاشیہ۔

[2] اخبار الفضل پرچہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۶۱ء صفحہ ۲۲۷۔

جلسہ اعظم مذاہب لاہور میں شرکت
۲۶-۲۷-۲۸-۲۹ دسمبر ۱۸۹۶ء

جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے حضرت مولوی صاحب ۱۸۹۶ء میں مالیر کوٹلہ تشریف لے گئے تھے اور تھوڑے تھوڑے وقفوں کے علاوہ کافی عرصہ آپ وہاں تشریف فرما رہے۔

جلسہ اعظم مذاہب جس کا اب ذکر آرہا ہے اس میں شامل ہونے کے لئے آپ حضرت اقدس کے ارشاد کے ماتحت مالیر کوٹلہ ہی سے لاہور تشریف لائے تھے اور بعد اختتام جلسہ پھر مالیر کوٹلہ ہی کو واپس تشریف لے گئے تھے۔ اب جلسہ کی کیفیت سُنئے۔ "دھرم مہوتسو" یا جلسہ اعظم مذاہب کے نام سے جو بہت بڑا اجتماع ۲۶-۲۷-۲۸-۲۹ دسمبر ۱۸۹۶ء کو بمقام لاہور منعقد ہوا تھا اور جو انیسویں صدی کی زبردست یادگار خیال کیا گیا ہے غیر مسلم فرقوں کی تجویز سے قرار پایا تھا۔ اور اس کے لئے جو ایگزیکٹو کمیٹی یعنی مجلس منتظمہ قائم کی گئی تھی۔ اس کے صدر جناب ماسٹر درگا پرشاد صاحب اور سکرٹری جناب دھنپت رائے بی۔ اے۔ ایل ایل بی پلیڈر چیفکورٹ پنجاب قرار پائے تھے۔ صاحب اُلذکر اس جلسہ کی مطبوعہ رپورٹ کے انٹروڈکشن (تعارفی نوٹ) میں لکھتے ہیں:-

"یہ جلسہ جس شان و شوکت اور امن و اطمینان سے ہوا، محتاج بیان نہیں شائقین جلسہ کی بہتات کا پہلے ہی قیاس کر کے یہ معلوم ہوا کہ نہایت وسعت والا مکان انعقادِ جلسہ کے لئے تجویز ہو۔ اس ضرورت کو اسلامیہ کالج لاہور سے بہتر کوئی اور مکان پورا نہ کر سکتا تھا جو انجمن حمایت اسلام نے نہایت خوشی سے دیا اور اس کا خاص شکریہ کمیٹی ادا کرتی ہے . . . . . .

اس جلسہ کی صدارت اور تقریروں کو حسب شرائط کمیٹی اندازہ کرنے کیلئے چھ بزرگ پہلے ماڈریٹرز مقرر ہو چکے تھے جن میں سے ایک ایک کر کے ہر روز صدر نشین مقرر کئے گئے۔ ماڈریٹرز کے نام نامی یہ ہیں:-

۱۔ رائے بہادر بابو پرتول چندر صاحب جج چیف کورٹ پنجاب

۲۔ خان بہادر شیخ خدا بخش صاحب جج سمال کاز کورٹ لاہور

۳۔ رائے بہادر پنڈت رادھا کشن صاحب کول پلیڈر چیفکورٹ سابق گورنر جموں

۴۔ حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب طبیب شاہی

۵۔ رائے بھوانی داس صاحب ایم اے اکسٹرا اسٹلمنٹ آفیسر جہلم

۶۔ جناب سردار جواہر سنگھ صاحب سکرٹری خالصہ کالج کمیٹی لاہور

کمیٹی نہایت ادب کیساتھ ان بزرگوں کی تکلیف برداری کرنے کا شکریہ ادا کرتی ہے۔ اب یہاں وہ پانچ سوالات رکھے جاتے ہیں جو کمیٹی کی طرف سے بغرض جوابات شائع ہوئے۔ ان جوابات کے لئے یہ ضروری سمجھا گیا تھا کہ تقریر کرنے والا اپنے بیان کو حتی الامکان اس کتاب تک محدود رکھے جس کو وہ مذہبی طور سے مقدس مان چکا ہے۔

سوال اول۔ انسان کی جسمانی، اخلاقی اور رُوحانی حالتیں

سوال دوم۔ انسان کی زندگی کے بعد کی حالت یعنی عقبیٰ

سوال سوم۔ دنیا میں انسان کی ہستی کی اصل غرض کیا ہے اور وہ غرض کس طرح پوری ہو سکتی ہے

سوال چہارم۔ کرم یعنی اعمال کا اثر دنیا اور عاقبت میں کیا ہوتا ہے

سوال پنجم۔ علم یعنی گیان اور معرفت کے ذرائع کیا کیا ہیں۔

خاکسار دھنپت رائے بی۔اے۔ایل۔ایل۔بی پلیڈر چیف کورٹ پنجاب سکرٹری دھرم مہوتسو

نوٹ۔ ہم اس جلسہ کے صرف اس حصہ کا یہاں ذکر کریں گے جس کا تعلق حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب رضؓ کے ساتھ ہے کیونکہ اس موقعہ پر وہی ہمیں مطلوب ہے۔ مولف

دوسرے روز یعنی ۲۷ دسمبر ۱۸۹۶ء کو ٹھیک دس بجے اگزکٹو کمیٹی کے ممبروں نے اپنی کارروائی شروع کی اور ماسٹر درگا پرشاد صاحب کی خاص تحریک اور باقی ممبروں کی بالاتفاق تائید سے آج کے دن کی صدارت کے لئے مولوی حکیم نورالدین صاحب طبیب شاہی موڈریٹر صاحبان میں سے انتخاب کئے گئے۔ اس فیصلہ کے اظہار کے لئے ٹھیک سوا دس بجے کے قریب ماسٹر صاحب موصوف نے ذیل کے الفاظ بیان فرمائے۔

"معزز صاحبان! پرمیشر کا خاص شکریہ ہے اس کامیابی کے لئے جو ہم کو کل نصیب ہوئی۔ جس امن اور محبت کے ساتھ اور صبر کے ساتھ آپ نے کل کی تقریروں کو سُنا۔ امید ہے آج بھی آپ اسی طرح کریں گے۔ آج کے دن کی کارروائی کے

لئے ہمارے حکیم نورالدین صاحب پریسیڈنٹ مقرر ہوئے ہیں جو یہاں بیٹھے ہیں اور جن کو آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ کیسے عالم فاضل اور دیندار ہیں۔ میں اُن کی خدمت میں التماس کرتا ہوں کہ وہ آج کے دن کی کارروائی شروع کریں"

ماسٹر صاحب کے بیٹھنے پر حکیم صاحب نے ذیل کے مختصر اور پرمعنی الفاظ میں کارروائی شروع کی

تقریر حکیم مولوی نورالدین صاحب بھیروی میر مجلس

"خدا تعالیٰ کی مہربانی اور اس کا فضل اور اس کی ربوبیت عامہ اور اس کا وہ فضل جو خاص خاص بندوں پر ہوتا ہے اگر انسان کے شامل حال نہ رہے تو اس کا وجود کب رہ سکتا ہے۔ منجملہ اس کی مہربانیوں کے جو ہم پر آجکل عطا فرمائی ہیں۔ علم کے حاصل کرنے کے ذریعے اور اس کے مخازن ہیں، جو عطا کئے ہیں۔ کاغذ کا افراط سے بننا، مطبعوں کا جاری ہونا، پوسٹ آفسوں کی ترقی، کہ نہایت ہی کم خرچ پر ہم اپنے خیالات کو دور دراز ممالک میں پہنچا سکتے ہیں۔ پھر تار کا عمدہ انتظام، ریل اور جہاز کے ذریعہ سفر میں آسانی یہ تمام انعام الٰہی ہیں۔ اگر انسان شکر ادا نہیں کرتا تو وہ ضرور عذاب میں گرفتار ہوگا۔ لیکن جو شکر کرتا ہے خدا اس میں بڑھوتی کرتا ہے۔ میں نے اپنے ابتدائی زمانہ میں دیکھا ہے جو کتابیں ہمیں مشکل سے ملتی تھیں بلکہ جن کے دکھانے میں تامل اور مضائقہ ہوتا تھا تھوڑے زمانہ سے دیکھتے ہیں کہ قسطنطنیہ کی عمدہ عمدہ کتابیں اور ایسا ہی الجزائر۔ مراکش۔ ٹیونس۔ طرابلس اور مصر سے آسانی کے ساتھ گھر بیٹھے پہنچتی ہیں۔ ہر ایک شخص کو واجب ہے کہ اس امن کے زمانہ میں اس نعمت الٰہی سے بڑا فائدہ حاصل کرے۔

مذہب میرے نزدیک ایسی چیز ہے کہ کوئی آدمی دنیا میں بغیر قانون کے زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ گورنمنٹ کے قانون کی منشا رحقوق کی حفاظت ہے لیکن ان قانونوں پر عملدرآمد کرنے کے لئے جو جو حدود باندھے گئے ہیں۔ وہ اس قسم

کے ہیں کہ اُن سے ممکن ہے جرائم کا انسداد ہو لیکن محرکات جرائم کو روکنا ان کے احاطہ سے باہر ہے۔ مثلاً یہ تو ممکن ہے کہ اگر کوئی شخص زنا بالجبر کا مرتکب ہو تو گورنمنٹ اسے سزا دے۔ لیکن بدنظری سے، بدصحبتوں سے، بدخواہشوں سے، جو انسان میں پیدا ہو کر اس سے طرح طرح کے جرائم کراتی ہیں۔ اس کا انسداد قانون گورنمنٹ سے باہر ہے۔ گورنمنٹ کا قانون انہیں نہیں روک سکتا۔ ایسا قانون مذہب ہے جو ان امور سے ہم کو روکتا ہے۔ ہمارے بعض افعال سے وہ ناراض ہوتا ہے۔

أفمن كان مؤمنا كمن كان فاسقا لا يستوون۔ یعنی مومن اور فاسق ایک ایسے نہیں۔ اپنے معتقدات اور اعمال کے لحاظ سے وہ ایک دوسرے کے متساوی نہیں۔ ایسے ہی ان کے اعمال یکساں نتائج مرتب نہیں کرتے۔ یہ ایک مذہب کا ہی قانون ہے جس نے فاسق کو ان امور کے لئے مجرم ٹھہرا کر اسے ان کے ارتکاب سے روکا ہے جن کا انسداد گورنمنٹ کے قانون سے باہر ہے چنانچہ بعض ایسی سیاہ کاریاں بھی تھیں جو اگرچہ عقلاً نقلاً بری نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ اور اہلیانِ گورنمنٹ اور ایسے ہی سوسائٹی کے دوسرے افراد اسے کامل بداخلاقی سمجھتے ہیں لیکن نہ تو بذات خود گورنمنٹ بحیثیت گورنمنٹ اور نہ افراد سوسائٹی کوئی حکمی انسداد اس کے بند کرنے کا اپنے پاس رکھتے ہیں۔ مثلاً شراب خوری یا عیاشی جس میں فریقین راضی ہوں۔ ایسے جرائم اور سیہ کاریوں کے انسداد کیلئے اگر کوئی قانون مفید ہو سکتا ہے تو وہ صرف مذہب کا ہی قانون ہے۔ جو نہ صرف ایسے جرائم کو ہی روکتا ہے بلکہ ان خیالات اور خطرات نفس پر بھی اس کی حکومت ہے جو ان جرائم اور کج اخلاقیوں کے محرک ہوتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جب انسان مدنی الطبع ہونے کی صورت میں ایک قانون کا طبعاً اور مجبوراً محتاج ہے تو وہ قانون صرف شریعت الٰہی ہے جس میں سیاست مدن کی تکمیل کما حقہ ہو سکتی ہے اور یہی شریعت اصلاح انسانی کے لئے اپنے اندر وہ طاقت رکھتی ہے اور اسی شریعت کو انسانی طبیعت پر اس قدر غلبہ ہے جو کسی گورنمنٹ کے

قانون کو خواہ اس میں کیسی ہی جابرانہ طاقت کیوں نہ ہو، نصیب نہیں۔ لہٰذا مذہب میں انسان کو دلچسپی پیدا کرنا گورنمنٹ کے قوانین امن کی حفاظت کی ضرورت سے ہی نہیں بلکہ صدمات سے محفوظ رکھنے کا پہلا باعث ہے۔ اس ضروری چیز کے لئے فکر چاہیئے۔ فکر ہی تو ضرورتوں کے موافق سامان بن جاتا ہے۔ اس وقت جب ہمیں طرح طرح کے سامان خدا تعالیٰ نے مہیا کر دیئے ہیں تو یہ گویا خدا تعالےٰ کی ناشکری ہوگی اگر ہم ان خدا نعم کی نعمتوں سے فائدہ اُٹھا کر ان قوانین پر غور نہ کریں جو خدا کی طرف سے مذہب نے مرتب کر کے ہمارے اعمال اور افعال کو اُن کے ماتحت کیا۔ اس لئے نہایت ضروری ہے کہ ہم مذہب کی نگہبانی کریں۔ اور یہ جلسہ اس لئے قائم کیا گیا ہے۔ اس لئے میری دل سے یہی دعا ہے کہ جس طرح کل کا دن امن و آرام سے گذرا۔ ویسے ہی آج کا دن بھی گذرے اور غالباً مولوی ثناء اللہ صاحب جو امرتسر کے ایک ہونہار نوجوان ہیں اپنے ابتدائی خیالات سے آپ کو خوش کریں گے۔"

مولوی صاحب اپنی اس مختصر تقریر کے بعد بیٹھ گئے اور مولوی ثناء اللہ صاحب نے سٹیج پر آکر حاضرین کو مخاطب کیا" [1]

مولوی ثناء اللہ صاحب کی تقریر کے بعد بابو بیجارام صاحب چٹرجی سابق پریزیڈنٹ آریہ سماج سکھر نے تقریر کی۔ ان کے بعد پنڈت گوردھن داس صاحب فری تھنکر نے اپنی تقریر کا زیادہ حصہ انگریزی میں اور آخر میں کچھ خلاصہ کے طور پر اُردو میں بیان کیا۔ پنڈت گوردھن داس صاحب کی تقریر کے بعد نصف گھنٹہ کا وقفہ تھا۔ اس وقفہ کے بعد حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی مشہور و معروف تقریر جو **"اسلامی اصول کی فلاسفی"** کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی نے پڑھ کر سنانا شروع کی۔ لیکن ابھی پانچ سوالوں کے جوابات میں سے بمشکل ایک سوال کا جواب ہی سنایا تھا کہ شام ہونے لگی اور اس پر جلسہ ۵ ½ بجے شام ختم کرنا پڑا۔ مگر حاضرین نے اصرار کیا کہ اس مضمون کو مکمل طور پر سُنانے کے لئے جلسہ کا ایک دن بڑھایا جائے۔ چنانچہ ایگزیکٹو کمیٹی نے موڈریٹر صاحبان کی رضامندی سے انجمن حمایت اسلام کے سکرٹری اور پریذیڈنٹ صاحب سے چوتھے دن کے لئے مکان کے استعمال کرنے کی اجازت حاصل

[1] رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب صفحہ ۵۵ تا ۵۷۔

کر کے میر مجلس حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب کو اطلاع دی کہ آپ چوتھے دن کا اعلان کر دیں جس پر آپ نے ذیل کے الفاظ میں آج کے اجلاس کی کارروائی کو ختم کیا۔

"میرے دوستو! آپ نے پہلے سوال کا جواب جناب میرزا صاحب کی طرف سے سُنا ہمیں خاص کر جناب مولوی عبدالکریم صاحب کا مشکور ہونا چاہیئے جنہوں نے ایسی قابلیت کے ساتھ اس مضمون کو پڑھا۔ میں آپ کو مژدہ دیتا ہوں کہ آپ کے اس فرط شوق اور دلچسپی کو دیکھ کر جو آپ نے مضمون کے سُننے میں ظاہر کی اور خصوصاً موڈریٹر صاحبان اور دیگر عمائد و رؤسا کی خاص فرمائش سے ایگزکٹو کمیٹی نے منظور کر لیا ہے کہ حضرت مرزا صاحب کے بقیہ حصہ مضمون کے لئے وہ چوتھے دن اپنا آخری اجلاس کرے۔ اب نماز مغرب کا وقت قریب آگیا ہے اور میں زیادہ آپ کا وقت لینا نہیں چاہتا صرف میں آپ کو کل کا پروگرام سُناتا ہوں۔" [1]

ان الفاظ کے بعد آپ نے کل کے اجلاس کا پروگرام سُنا کر جلسہ کو برخاست فرما دیا اور حضرت اقدس کا بقیہ مضمون حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ نے ۲۹ دسمبر کو سُنایا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

جلسہ کے آخر میں ایگزکٹو کمیٹی کی درخواست پر جہاں اور موڈریٹر صاحبان نے تقریریں کیں وہاں حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب نے بھی ایک نہایت ہی رُوح پرور خطاب فرمایا۔ آپ نے کلمہ شہادت پڑھنے کے بعد قرآن کریم کی آخری سورۃ قل اعوذ برب الناس کی تلاوت فرمائی اور پھر ان دونوں کی نہایت ہی لطیف تشریح بیان فرمائی۔ افسوس ہے کہ کتاب کا حجم بڑھ جانے کا خوف آپ کی یہ پُر معارف تقریر مکمل صورت میں یہاں درج کرنے سے مانع ہے۔ شائقین رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب میں ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں صرف خلاصہ پیش کیا جا سکتا ہے۔

کلمہ شہادت کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی عبودیت کے اقرار کو کلمہ شہادت کا لازمی جزو قرار دے کر اس امر کو مدنظر رکھا کہ تا امت آپ کی عبودیت کو ہر وقت توحید کے ساتھ یاد رکھے اور شرک میں گرفتار نہ ہو۔

قل اعوذ برب الناس۔ ملک الناس۔ الٰہ الناس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:۔

---

[1] رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب صفحہ ۱۴۰۔

"اللہ تعالیٰ کے وہ تین نام جن کا اس سورۃ میں ذکر ہے یعنی ربّ الناس۔ ملک النّاس، الٰہ النّاس۔ ان کا تعلق انسان کی ان تین حالتوں سے ہے جو جسمانی، اخلاقی اور روحانی حالتوں سے موسوم ہیں۔

انسان کی ان تینوں حالتوں جسمانی، اخلاقی اور روحانی میں جو ذات انسان کے جسم کی مربی، قویٰ کی مربی اور روح کی مربی ہے اسے اس سورۃ میں ربّ النّاس کہا گیا ہے۔

اور وہ ذات جو انسان کو اس کے جسمانی، اخلاقی اور روحانی افعال، اقوال اور اعتقادات پر جزا دیتی ہے اسے ملک النّاس کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

اور وہ ذات جو انسان کی اصل غرض اور محبوب اور مقصود ہے۔ اسے الٰہ النّاس کہا گیا ہے۔

"اب غور فرمائیں۔ جب اس سورۃ میں انسان کی حالتوں کیطرف اشارہ کرکے اللہ کریم نے فرمایا کہ رب بھی میں ہوں اور بادشاہ بھی میں ہوں اور محبوب و مطلوب بھی میں ہوں اور غایۃ مقصود بھی میں ہوں تو میرے بندو! مجھ کامل پاک ذات سے پناہ مانگ لو اور کہدو: ہاں ہر ایک انسان تم میں سے کہے کہ میں ربوبیت میں، ضرورت حکومت میں اور ضرورت محبت میں ربّ النّاس۔ ملک النّاس اور الٰہ النّاس کی پناہ مانگتا ہوں اور پناہ بھی کس امر میں من شر الوسواس الخنّاس الذی یوسوس فی صدور النّاس۔ من الجنّۃ والنّاس۔"

صاحبان! آپ لوگوں نے اس جلسہ میں کئی مضامین سُنے۔ لازمی امر ہے کہ بعض باتیں صداقت اور راستبازی پر مشتمل ہوں گی اور بعض کذب و افترا اور دھوکے سے پُر ہوں گی۔ اس لئے قرآن کریم کی اس دعا کے ماتحت تمہیں ان تمام غلطیوں اور وسوسوں سے جو کسی وسوسہ انداز کے نظارہ یا کلام سے پیدا ہوں۔

ربّ النّاس۔ ملک النّاس اور الٰہ النّاس سے پناہ مانگنی چاہیئے۔"

"کیونکہ ان وسوسوں کی مثال ہوبہو اس تکلیف رساں کُتّے کی سی ہے
ہے۔ جو آٹھوں پہر کاٹنے کے لئے تیار ہے۔ جس طرح اس کُتّے سے بچنے سے
کے لئے ہم کو اس کے مالک کی پناہ مانگنی (پڑتی) ہے۔ اور اگر اس کا مالک ہمیں
بچانا چاہے اور اس کُتّے کو دھتکار دے۔ تو کیا مجال کہ وہ کُتّا کسی کو کاٹ
کھائے۔ اسی طرح انسان کا شیطانی وسوسوں سے بچنا بھی اس وجود کی پناہ سے
ہوگا۔ جو کل مخلوقات کا ربّ اور مالک اور محبوب ہے۔"[1]

سر سیّد مرحوم بانی مدرسہ علیگڈھ کے ساتھ آپ کے تعلقات

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالیٰ عنہ سر سیّد مرحوم بانی مدرسہ علیگڈھ کی قومی خدمات کے معترف تھے اور اس سلسلہ میں ہمیشہ ان کی امداد فرماتے رہتے تھے مگر ان کے مذہبی معتقدات سے آپ کو اختلاف تھا جس کا آپ برملا اظہار فرمایا کرتے تھے۔ "بدر" میں ایک "نواب صاحب"[3] کے نام آپ کا ایک خط چھپا تھا جس سے آپ کے ان تعلقات پر کسی قدر روشنی پڑتی ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

"مجھ خاکسار کی (سر) سیّد سے خط و کتابت رہی ہے۔ میں نے ان کو ایک بار کسی
تقریب پر عرض کیا تھا۔ جاہل علم پڑھ کر عالم بنتا ہے اور عالم ترقی کر کے حکیم ہوجاتا
ہے۔ حکیم ترقی کرتے کرتے صوفی بن جاتا ہے مگر جب صوفی ترقی کرتا ہے تو کیا بنتا
ہے؟ قابل غور ہے۔ جس کے جواب میں سر سیّد نے لکھا کہ وہ **نورالدین** بنتا
ہے . . . . . .

مجھے آپ نے دو لاکھ کے جمع کرنے کی ترغیب فرمائی ہے۔ آپ نواب،
رئیس اعظم، ہونہار نوجوان، لاکھوں جمع کرنے والوں کے فدائی۔ ذرا مجھ غریب
کی سُنیئے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ کذٰلک جعلنا فی کل قریۃ اکابر مجرمیھا[2]
اور فرماتا ہے۔ وما نریٰ اتبعک الّا الّذین ھم اراذلنا بادی

---

[1] رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب از صفحہ ۲۵۸ تا ۲۶۱۔ [2] الانعام ع ۱۵۔

[3] نواب صاحب کے نام کا چونکہ پتہ نہیں چل سکا اس لئے نقل مطابق اصل پر اکتفا کی گئی ہے۔ بعض لوگوں کے نزدیک یہ نواب "وقار الملک" تھے۔ مگر یہ بات صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ کیونکہ نواب وقار الملک ۱۸۴۱ء میں پیدا ہوئے۔ اور ۱۹۰۷ء میں نواب محسن الملک کے انتقال پر علی گڑھ کالج کے سیکرٹری مقرر ہوئے۔ اور یہ مکتوب ۱۹۰۹ء کا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ نواب صاحب موصوف اس زمانہ میں بوڑھے تھے۔ اور یہاں لکھا ہے۔ "ہونہار نوجوان" [illegible]

الرائی۔[1] اور فرماتا ہے کہ لوگ کہتے ہیں۔ لولا نزّل ھذا القرآن علیٰ رجل من القریتین عظیم[2]۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے علم و فضل بخشا ہے اور مال کو اللہ تعالیٰ نے خیر و فضل[3] فرمایا ہے اور ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ ابوالحنفاء نے دعا سکھائی ہے اور ہم مانگتے ہیں۔ گو سرسید دعا کا نتیجہ حصول مراد نہیں مانتے تھے مگر میں برخلاف ان کے دعا کو سبب حصول مرادات مانتا ہوں۔ ایک پیسہ جمع کرنا بھی ناپسند کرتا ہوں اور یہ واقعہ ہے کہ پھر بایں آپ کے سرسید بھی میری عزت کرتے تھے اور بہت کرتے تھے۔ محسن الملک[4] اور ان کے بازو بھی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ حضور کسی امام و مصنف کا نام اسلام میں بتا سکتے ہیں جس نے ان روپوں کے ذریعہ اسلام کو دنیا میں پھیلایا۔

لائبریری کا عالیجاہا آپ کو شوق ہے مگر ہندوستان میں صرف میری لائبریری ہے جس سے سرسید احمد خاں اور مولانا شبلی نے بحمد اللہ ضرور فائدہ اُٹھایا ہوگا یا ہے۔ ایک تو دنیا سے چل بسے، دوسرے موجود ہیں۔ آپ ان سے دریافت فرما سکتے ہیں۔ آہ! آپ کو کون بتائے کہ پراگندہ روزی پراگندہ دل اور ؎

شب چو عقدے نماز مے بندم ؛ چہ خورد بامداد فرزندم

بالعموم صحیح نہیں۔ نورالدین ۲۲ر مارچ ۱۹۰۹ء"[5]

سرسید مرحوم کو دعوت چائے اوائل ۱۸۹۷ء

"نواب صاحب" کے نام خط میں جو بات حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے اپنے متعلق سرسید مرحوم کی طرف منسوب کی ہے اس کا ذکر مشہور سوانح نگار حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ نے اپنے اخبار الحکم میں کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"۱۸۹۷ء کی پہلی سہ ماہی کا واقعہ ہے۔ حضرت حکیم الامۃ (خلیفۃ المسیح الاولؓ) نے شیخ محمد عبداللہ صاحب کو اپنی طرف سے سرسید کو چائے بلانے کے لئے فرمایا

---

[1] ہود ع ۳۰ [2] زخرف ع ۳ [3] بنی اسرائیل ع ۶ و جمعہ ع ۲ [4] یعنی نواب سید مہدی علیخاں [5] اخبار بدر پرچہ ۶ر مئی ۱۹۰۹ء

شیخ محمد عبداللہ صاحب کشمیر کے باشندہ تھے اور حضرت حکیم الامۃ کی تبلیغ و تعلیم سے وہ مسلمان ہوئے تھے۔ آپ کو شیخ صاحب سے بہت محبت تھی اور ان کی تعلیمی ترقیات و تربیت میں آپ کا ہاتھ کام کرتا رہا۔ شیخ صاحب قادیان بھی آیا کرتے تھے۔ اب وہ علی گڈھ کالج کے ٹرسٹی اور وہاں کے ایک کامیاب اور باا ثر وکیل ہیں۔ علیگڈھ کا زنانہ کالج ان کی اور ان کی بیگم صاحبہ کی کوششوں کا نتیجہ ہے (انہوں نے) اپنے اور اُن کے (یعنی سرسید مرحوم کے) مذاق کے موافق نہایت عمدگی سے (چائے کا) انتظام کیا تھا۔ اس تقریب پر حضرت حکیم الامۃ نے (سرسید احمد خاں سے) بعض استفسارات بھی کئے تھے جن میں سے ایک کا آپ ہمیشہ اپنے درس میں مناسب موقعہ پر کبھی کبھی ذکر فرمایا کرتے تھے[1] کہ میں نے سرسید سے پوچھا کہ جب صوفی ترقی کرتا ہے تو وہ کیا بن جاتا ہے؟ تو سرسید نے جواب دیا کہ وہ نور الدین بن جاتا ہے۔"

"احباب کو یہ معلوم نہ تھا اور نہ ہے کہ وہ کیا تقریب تھی جب آپ نے سوال کیا تھا اور جواب کس طرح ملا تھا۔ وہ یہی تقریب تھی کہ آپ نے شیخ عبداللہ صاحب کی معرفت سرسید کو چائے کی دعوت دی تھی۔ سرسید نے اس چائے نوشی کے سلسلہ میں ایک مکتوب حضرت حکیم الامت کو لکھا اور اس مکتوب کو خاکسار عرفانی نے حضرت حکیم الامت سے ایک تاریخی تحریر سمجھ کر لے لیا اور آج پورے ۲۳ سال کے بعد میں اسے پبلک کرتا ہوں جس سے حضرت حکیم الامت کی سیرت پر ایک روشنی پڑتی ہے اور یہ صاف کھل جاتا ہے کہ ہندوستان کے سب سے بڑے مسلمانوں کے سیاسی لیڈر اور تعلیمی محسن سرسید کی نگاہ میں حضرت حکیم الامت کی کیا وقعت تھی۔

مجھے افسوس ہے کہ ایک اور قیمتی مکتوب جو سرسید نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو لکھا تھا جبکہ "برکات الدعا" اور "آئینہ کمالات اسلام" ان کو

---

[1] دیکھئے سں د ۲۸ مئی ۱۹۰۸ء

بھیجی گئی تھی۔ میرے پاس اس کی کاپی تھی لیکن اب ملتی نہیں۔ اس میں سرسید نے لکھا تھا ؎

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند ٭ آنچہ اوستاد ازل گفت ہماں میگویم

اور دعا کے لئے بھی درخواست کی تھی"

"اس سلسلہ میں ایک اور امر قابل ذکر ہے۔ اگر اس کو چھوڑ دیا جائے تو سرسید کے مکتوب کے ایک حصہ کی حقیقت سمجھنے میں دقت ہو گی۔ سرسید چاہتے تھے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ان کے اغراض و مقاصد کے لئے کچھ چندہ دیں اور وہ اس چندہ کو نظیر قائم کر کے جماعت احمدیہ سے چندہ لیں۔ یہ تحریک حضرت حکیم الامت کے ذریعہ سے کی گئی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام چونکہ سرسید کی مذہبی رہنمائی کو صحیح نہیں سمجھتے تھے اور ان کی تفسیر کو حقیقت اسلام سے منافی بلکہ اس کے لئے مضر یقین کرتے تھے۔ آپ نے پسند نہ فرمایا کہ اس میں شریک ہوں۔ سرسید نے یہانتک خواہش کی تھی کہ چار آنے ہی چندہ دیدیں مگر حضرت جس چیز کو خدمت اسلام نہیں سمجھتے تھے اس میں آپ نے شرکت پسند نہ کی"

اس تمہید کے بعد حضرت عرفانی صاحب نے سرسید مرحوم کا خط درج کیا ہے۔ جو یہ ہے:۔

"جناب مولانا مخدوم و مکرم من جناب مولوی حکیم نور الدین صاحب! میں آپ کا دل و جان و روح رواں سے شکر ادا کرتا ہوں کہ کل بوقت عصر خلیفہ الامام المامور من اللہ یعنی شیخ عبد اللہ نے مجھ کو آپ کی طرف سے عمدہ و خوشگوار چائے پلائی۔ اس کے ساتھ مختلف قسم کی شیرینی بھی تھی۔ اگرچہ وہ ظاہر میں مختلف قسم کی تھی لیکن سب کی سب حلاوت عنایت و شفقت عالی سے ہی بنی ہوتی تھیں اور بزبان حال مسئلہ وحدت وجود کا وعظ فرما رہی تھیں۔ اس کے ساتھ نارنگیاں بھی تھیں۔ گو ظاہر میں ان کی صورت اور تھی مگر وہی حلاوت اور اسی مبداء سے جو شیرینی اس میں تھی، ان میں بھی تھی۔ میں نے ان سب چیزوں سے مخاطب ہو کر کہا

بہر رنگے کہ خواہی سر برآورد ٭ من انداز قدت را مے شناسم

مگر صوفیانہ دعوت میں ثمرہائے لذیذ کا ہونا میرے لئے بشارت ثمرہائے نیک کی دیتا ہے۔ خدا ہمچنیں کند۔

آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ جاہل پڑھ کر جب ترقی کرتا ہے تو پڑھا لکھا کہلاتا ہے مگر جب اور ترقی کرتا ہے تو فلسفی بننے لگتا ہے۔ پھر ترقی کرے تو اسے صوفی بننا پڑتا ہے۔ جب یہ ترقی کرے تو کیا بنتا ہے؟ سردست میں کچھ نہیں کہہ سکتا افسوس کہ سوال آخر کو آپ نے لاجواب چھوڑا۔ مگر ان بزرگوں کا دیکھنے والا ہوں جو وحدت شہود کے مقر اور وحدت وجود میں ساکت تھے اس لئے اس کا جواب اپنے مذاق کے موافق عرض کرتا ہوں کہ جب صوفی ترقی کرتا ہے تو **مولانا نورالدین** ہو جاتا ہے۔

ایک اور امر بھی عرض کرنے کے لائق ہے۔ آپ نے تحریر فرمایا کہ مامور من اللہ انسان دوسرے کی بات مان لینے میں مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ تعجب ہے کہ آپ نے مجھ کو مامور من اللہ نہیں سمجھا۔ حضرت! جو شخص جو کچھ کرتا ہے وہ اس کام کے لئے مامور من اللہ ہوتا ہے۔ پس مامور من اللہ کو مامور من اللہ کی عرض کا قبول کرنا ضروری ہوتا ہے اس لئے مجھے یقین ہے کہ حضرت مہدی زمان مسیح الوقت امام مامور من اللہ میری درخواست کو ہرگز رد نہ فرمائیں گے۔

وللناس فیما یعشقون مذاھب

خیر یہ تو سب باتیں تھیں مگر آپ کی اس عنایت کا جو آپ نے مجھ گنہگار پر کی اور اپنی متبرک شفقت دلی سے مجھے عزت بخشی۔ میں اس کا دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں امید ہے کہ آپ اس گنہگار کے دلی ناچیز شکر کو قبول و منظور فرماویں گے۔ والسلام مع الاکرام"

(سید احمد علی گڈھ ۸ مارچ ۱۸۹۷ء)[1]

سر سید مرحوم کا آپ سے تورات کی تفسیر لکھوانے کا ارادہ

یاد رہے کہ سر سید مرحوم نے آپ سے ایک مرتبہ توراۃ کی تفسیر لکھوانے کا بھی ارادہ کیا تھا مگر بعض وجوہ کی بناء پر یہ کام نہ ہو سکا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مولوی

[1] الحکم جلد ۳۷ نمبر ۱۳ پرچہ ۱۴ اپریل ۱۹۳۴ء

عنایت الرسول صاحب چریا کوٹی ایک مشہور عالم اور عیسائیوں سے مناظرات کرنے کا خاص جوش رکھنے والے انسان تھے اور عبرانی اور یونانی زبانیں بھی جانتے تھے۔ انہوں نے ایک دفعہ سر سید مرحوم سے کہا کہ اسلامی نقطۂ نظر سے تورات کی تفسیر آپ مجھ سے لکھوالیں ورنہ میرے بعد کسی اَور سے یہ کام ہونا مشکل ہوگا۔ سر سید مرحوم نے یہ تجویز پسند کی اور مولوی عنایت الرسول صاحب کی مدد کے لئے انہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی خدمت میں درخواست کی۔ یہ حضور کے قادیان آنے سے بہت پہلے کی بات ہے۔ حضور نے خدمتِ دین کے جذبہ کے ماتحت اپنے تمام مشاغل کو چھوڑ کر اس کام میں شمولیت اور امداد کا وعدہ کر لیا مگر افسوس ہے کہ خود مولوی عنایت الرسول صاحب ہی اس کام سے دستکش ہو گئے اور تورات کی تفسیر لکھنے کا ارادہ معرضِ وجود میں نہ آیا۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سر سید مرحوم کی نگاہ میں حضور کا کیا مقام تھا کہ ان کی نگاہ انتخاب سارے ہندوستان میں تورات کی تفسیر میں مدد دینے کے لئے جس شخص پر پڑی وہ صرف حضور ہی کا وجود تھا۔ [1]

حضرت مسیح موعودؑ کی آواز پر نماز توڑ دی

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کا بیان ہے کہ

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں ایک دفعہ آپ نے حضرت خلیفہ اولؓ کو آواز دی۔ آواز سنتے ہی آپ نے نماز توڑ دی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ نبی کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس لئے اجازت دی ہے کہ نبی ایسے احکام بتاتا ہے جو دین کے لئے اشد ضروری ہوتے ہیں۔" [2]

ایسا ہی ایک واقعہ حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب کو پیش آیا۔ آپ فرمایا کرتے تھے

"ایک مرتبہ میں نماز پڑھنے کے لئے مسجد مبارک میں گیا۔ میں دوسری یا تیسری رکعت میں شامل ہوا۔ اور جس دروازے سے حضرت اقدس اندر تشریف لیجایا کرتے تھے وہاں ہی مجھے جگہ ملی۔ جب جماعت ہو گئی تو باقیماندہ نماز پوری کرنے کے لئے کھڑا ہو گیا۔ ادھر سے حضرت اقدس اندر تشریف لیجانے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ اور چل پڑے۔ جب میرے پاس پہنچے تو میں نے سلام پھیر دیا۔ میرے پاس ایک شخص

---

[1] الفضل (بعد پارٹیشن) جلد ۵ نمبر ۱۳۳ صفحہ ۶۔ [2] ملفوظات حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ ۲۵ اکتوبر ۱۹۶۰ء

کھڑا تھا۔ اس نے مجھے آہستہ سے کہا کہ یہ آپ نے کیا کیا کہ نماز توڑ دی۔ حضرت اقدس نے بھی یہ بات سُن لی اور پیچھے مڑ کر فرمایا کہ "ان الحسنات یذھبن السیئات۔ مولوی صاحب نے جو کچھ کیا ٹھیک ہے"

جلسہ احباب کی مختصر روئداد

حکومت ہند نے جشن جوبلی سے متعلق جو احکام جاری کئے تھے۔ ان کے مدنظر اور اس امر کے شکریہ میں کہ اس حکومت میں تبلیغ اسلام اور فرائض اسلام کی بجاآوری میں آزادی ہے۔ حضرت اقدس نے ۱۹ ؍جون ۱۸۹۷ء کو جلسہ احباب کا اعلان فرمایا اور ۲۰ ؍اور ۲۱ ؍جون ۱۸۹۷ء کو حسب ہدایات وائس پریذیڈنٹ جنرل کمیٹی اہل اسلام (شائع کردہ یکم جون ۱۸۹۷ء) یہ جلسہ منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں حسب ہدایات حضرت اقدس، حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحبؓ حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ، حضرت مولوی برہان الدین صاحب جہلمیؓ اور حضرت مولوی جمال الدین صاحبؓ ساکن سیدوالہ نے تقاریر کیں اور پھر اجتماعی دعا کی گئی۔

سفر ملتان میں حضرت اقدسؑ کی ہمراہی

مولوی رحیم بخش صاحب مرحوم بہاولپوری نے لاہور کے اخبار ناظم الہند پر ازالہ حیثیت عرفی کا دعوی دائر کیا تھا۔ ناظم الہند کے ایڈیٹر سید ناظر حسین صاحب جو شیعہ تھے اور حضرت اقدس کے خلاف بہت سے اشتعال انگیز مضامین لکھ چکے تھے انہوں نے مخالفت کے باوجود اس مقدمہ میں اپنی طرف سے حضرت اقدس کو شہادت صفائی میں بطور گواہ طلب کیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حضور سچی شہادت دیں گے۔ چنانچہ حضور ملتان تشریف لے گئے۔ اس سفر میں حضور کے ہمراہ حضرت مولوی حکیم نورالدینؓ صاحب، حضرت مولوی عبدالکریم صاحب، مکرم خواجہ کمال الدین صاحب اور جناب مولوی محمد علی صاحب بھی تھے۔

تعلیم الاسلام سکول کی ضرورت اور حضرت مولوی صاحبؓ کی خدمات

۱۵ ؍ستمبر ۱۸۹۷ء کو حضرت اقدس نے قادیان میں "تعلیم الاسلام سکول" کے نام سے اپنا مدرسہ جاری کرنے کا اعلان فرمایا۔ اس کے لئے چونکہ سرمایہ کی ضرورت تھی اس لئے حضرت اقدس نے جب تحریک فرمائی تو سب سے اول آپ نے دس روپے ماہوار دینے کا وعدہ فرمایا۔

پادری مارٹن کلارک والے مقدمہ میں آپ کی شہادت

ڈاکٹر کلارک والا مقدمہ ہماری جماعت میں مشہور ہے۔ اس کی

ابتدا یوں ہوئی تھی کہ قادیان دارالامان میں ایک نوجوان عبدالحمید نامی آیا۔ اس نے اپنے آپ کو حضرت مولوی برہان الدین صاحب جہلمی رضؓ کا بھتیجا ظاہر کیا۔ حضرت مولوی صاحبؓ اس سے بملاطفت پیش آئے اور اس کی درخواست پر اُسے حضرت اقدس کی خدمت میں بیعت کے لئے پیش کیا۔ حضور نے نور فراست سے کام لیکر اس کی بیعت نہ لی۔ اس طرح پر وہ نامراد ہو کر قادیان سے چلا گیا۔ بٹالہ اور امرتسر کے کئی پادریوں کے پاس سے ہوتا ہوا آخر پادری مارٹن کلارک کے پاس پہنچ گیا۔ پادری مذکور نے دوسرے پادریوں کے ساتھ مل کر یہ سازش کی کہ عبدالحمید کو اس امر پر آمادہ کیا کہ وہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ امرتسر کی عدالت میں یہ درخواست دے کہ (حضرت) مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے مجھے اس لئے امرتسر بھیجا ہے کہ میں پادری مارٹن کلارک صاحب کو پتھر مار کر ہلاک کر دوں۔ عبدالحمید نے درخواست دیدی۔ اس وقت ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ مسٹر مارٹینو تھا۔ اس نے ڈاکٹر کلارک اور عبدالحمید کا بیان لے کر حفظ امن کی ضمانت کے لئے حضرت اقدس کے خلاف وارنٹ گرفتاری جاری کر دیا۔ اور بیس ہزار کا مچلکہ اور بیس ہزار کی دو ضمانتیں طلب کیں۔ یہ واقعہ یکم اگست ۱۸۹۷ء کا ہے۔ مگر عجیب تصرفات الٰہیہ ہیں کہ وہ وارنٹ پتہ نہیں کہاں گم ہو گیا۔ گورداسپور میں پہنچا ہی نہیں۔ ایک ہفتہ کے بعد ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ امرتسر کو اپنی اس غلطی کا احساس ہوا کہ اسے ایک غیر ضلع کے فرد کے خلاف وارنٹ گرفتاری جاری کرنے کا اختیار ہی حاصل نہیں۔ تب اس نے مسٹر ڈگلس ڈپٹی کمشنر گورداسپور کو بذریعہ تار یہ اطلاع دی کہ جو وارنٹ گرفتاری میں نے (حضرت) مرزا غلام احمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی گرفتاری کے لئے بھیجا ہے، اُسے روک دیا جائے۔ وہ یہ معلوم کر کے حیران ہوا کہ اس ضلع میں تو کوئی ایسا وارنٹ پہنچا ہی نہیں۔ ۷/اگست ۱۸۹۷ء کو یہ مقدمہ گورداسپور میں منتقل ہوا۔ ۹/اگست ۱۸۹۷ء کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ گورداسپور نے بذریعہ سمن حضرت اقدس کو اطلاع دی کہ ۱۰/اگست ۱۸۹۷ء کو بٹالہ میں پیش ہوں۔

حضرت اقدس اپنے احباب سمیت ۱۰/اگست کو کچہری کے وقت سے پہلے بٹالہ پہنچ گئے۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی بھی عیسائیوں کی طرف سے حضرت اقدس کے خلاف بطور گواہ پیش ہونے کے لئے اپنے لاؤ لشکر سمیت احاطہ کچہری میں موجود تھے۔ لیکن ان کی شہادت سے قبل حضرت خلیفۃ المسیح الاول کی شہادت ہوئی۔ راجہ غلام حیدر صاحب جو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ مسٹر ڈگلس کے ریڈر تھے۔ ان کا تحریری بیان ہے کہ

"مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی شہادت سے قبل مولانا مولوی نورالدین صاحب

کی شہادت ہوئی۔ ان کی سادہ ہیئت یعنی ڈھیلی ڈھالی سی بندھی ہوئی پگڑی اور کرتے کا گریبان کھلا ہوا اور شہادت ادا کرنے کا طریق نہایت صاف اور سیدھا سادھا ایسا مؤثر تھا کہ خود صاحب ڈپٹی کمشنر بہت متأثر ہوئے اور کہا کہ "خدا کی قسم! اگر یہ شخص کہے کہ میں مسیح موعود ہوں تو میں پہلا شخص ہوں جو اس پر پورا پورا غور کرنے کے لئے تیار ہوں گا"

مولوی نورالدین صاحب نے عدالت سے دریافت کیا کہ "مجھے باہر جانے کی اجازت ہے یا اسی جگہ کمرہ کے اندر رہوں" ڈگلس صاحب ڈپٹی کمشنر نے کہا۔ کہ "مولوی صاحب! آپ کو اجازت ہے کہ جہاں آپ کا جی چاہے جائیں"۔ ان کے بعد شیخ رحمت اللہ صاحب کی شہادت ہوئی۔ . . . اور ان کے بعد مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی شہادت کے لئے کمرہ عدالت میں داخل ہوئے اور دائیں بائیں دیکھا تو کوئی کرسی فالتو پڑی ہوئی نظر نہ آئی۔ مولوی صاحب کے منہ سے جو پہلا لفظ نکلا وہ یہ تھا کہ "حضور" "کرسی"۔ ڈپٹی کمشنر صاحب نے مجھ سے دریافت کیا کہ

"کیا مولوی صاحب کو حکام کے سامنے کرسی ملتی ہے؟"

میں نے کرسی نشینوں کی فہرست صاحب کے سامنے پیش کر دی اور کہا کہ اس میں مولوی محمد حسین صاحب یا ان کے والد بزرگوار کا نام تو درج نہیں لیکن جب کبھی حکام سے ملنے کا اتفاق ہوتا ہے تو بوجہ عالم دین یا ایک جماعت کا لیڈر ہونے کے وہ انہیں کرسی دیدیا کرتے ہیں۔ اس پر صاحب ڈپٹی کمشنر نے مولوی صاحب کو کہا کہ آپ کوئی سرکاری طور پر کرسی نشین نہیں ہیں آپ سیدھے کھڑے ہو جائیں[1] اور شہادت دیں"۔ تب مولوی صاحب نے کہا کہ "میں جب کبھی لاٹ صاحب کے حضور جاتا ہوں تو مجھے کرسی پر بٹھایا جاتا ہے۔ میں

---

[1] "سیدھے کھڑے ہو جائیں" اس لئے کہا کہ صاحب کے آگے ہاتھ سے کھینچنے والا پنکھا تھا جس کی وجہ سے مولوی صاحب جھک کر صاحب کو دیکھ رہے تھے۔

اہلحدیث کا سرغنہ ہوں"۔ تب صاحب ڈپٹی کمشنر نے گرم الفاظ میں ڈانٹا اور کہا کہ "لنچ کے طور پر اگر لاٹ صاحب نے تم کو کرسی پر بٹھایا تو اس کے یہ معنی نہیں کہ عدالت میں بھی تمہیں کرسی دی جائے" خیر شہادت شروع ہوئی تو مولوی صاحب نے جس قدر الزامات کسی شخص کی نسبت لگائے جا سکتے ہیں مرزا صاحب پر لگائے لیکن جب مولوی فضلدین صاحب وکیل حضرت مرزا صاحب نے جرح میں مولوی محمد حسین صاحب سے معافی مانگ کر اس قسم کا سوال کیا جس سے ان کی شرافت یا کیریکٹر پر دھبہ لگتا تھا تو سب حاضرین نے متعجبانہ طور پر دیکھا کہ جناب مرزا صاحب اپنی کرسی سے اُٹھے اور فرمایا کہ "میری طرف سے اس قسم کا سوال کرنے کی نہ تو ہدایت ہے اور نہ اجازت ہے۔ آپ اپنی ذمہ داری پر بہ اجازت عدالت اگر پوچھنا چاہیں۔ تو آپ کو اختیار ہے"۔ قدرتی طور پر صاحب ڈپٹی کمشنر کو دلچسپی ہوئی اور انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ کیا اس سوال کی بابت تم کو کچھ معلوم ہے۔ میں نے جواب نفی میں دیا۔ مگر کہا کہ اگر آپ معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ تو جب آپ لنچ کے لئے اٹھیں گے تو میں معلوم کرنے کی کوشش کروں گا۔ چنانچہ جب نماز ظہر کا وقت ہوا اور صاحب ڈپٹی کمشنر لنچ کے لئے اُٹھ گئے تو میں نے شیخ رحمت اللہ صاحب کی معرفت حضرت مرزا صاحب سے دریافت کروایا کہ ماجرا کیا ہے؟ حضرت مرزا صاحب نے نہایت افسوس کے ساتھ شیخ رحمت اللہ صاحب کو بتایا کہ مولوی محمد حسین صاحب کے والد کا ایک خط ہمارے قبضہ میں ہے جس میں کچھ نکاح کے حالات اور کچھ مولوی محمد حسین کی بدسلوکیوں کے قصے ہیں جو نہایت قابل اعتراض ہیں مگر ساتھ ہی حضرت مرزا صاحب نے فرمایا۔ ہم ہرگز نہیں چاہتے کہ اس قصہ کا ذکر مسل پر لایا جاوے یا ڈپٹی کمشنر صاحب اس سے متاثر ہو کر کوئی رائے قائم کریں۔ میں نے شیخ رحمت اللہ صاحب سے سُنکر لنچ والے کمرہ میں جا کر ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک کے روبرو جو ڈپٹی کمشنر کے ساتھ لنچ میں شامل تھے، ڈپٹی کمشنر صاحب بہادر کو یہ ماجرا سُنا دیا۔ اس پر خود ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک بہت ہنسے۔ صاحب ڈپٹی کمشنر نے کہا کہ یہ امر تو ہمارے اختیار

میں ہے کہ ہم اس ماجرا کو قلمبند نہ کریں مگر یہ بات ہمارے اختیار سے باہر ہے۔ کہ ہمارے دل پر اثر نہ ہو۔

لنچ کے بعد جب مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی دوبارہ جرح کے لئے عدالت میں پیش ہوئے تو مولوی فضلدین صاحب وکیل نے اُن سے سوال کیا کہ آج آپ ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک صاحب کی کوٹھی پر ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے؟ تو انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ جس پر بیساختہ میں چونک پڑا۔ ڈپٹی کمشنر صاحب نے مجھ سے اس چونکنے کی وجہ پوچھی تو میں نے ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک کی طرف اشارہ کیا۔ صاحب بہادر نے ڈاکٹر کلارک سے دریافت کیا تو انہوں نے صاف اقرار کیا کہ ہاں میرے پاس بیٹھے ہوئے اس مقدمہ کی گفتگو کر رہے تھے۔ پھر مولوی فضلدین صاحب وکیل نے پوچھا کہ کیا آپ ان دنوں امرتسر سے بٹالہ تک ہنری مارٹن کلارک کے ہمسفر تھے؟ اور آپ کا ٹکٹ بھی ڈاکٹر صاحب نے خرید کیا تھا تو مولوی محمد حسین صاحب منکر ہو گئے۔ بعض وقت انسان اپنے خیالات کا اظہار بلند آواز سے کرتا ہے یہی حال اس وقت میرا بھی ہوا۔ میرے منہ سے بیساختہ نکلا کہ یہ تو جھوٹ ہے تب ڈاکٹر مارٹن کلارک سے ڈپٹی کمشنر نے پھر پوچھا تو انہوں نے اقرار کیا کہ مولوی صاحب میرے ہم سفر تھے اور ان کا ٹکٹ میں نے ہی خرید ا تھا۔ اس پر صاحب ڈپٹی کمشنر صاحب حیران ہو گئے۔ آخر انہوں نے یہ نوٹ مولوی محمد حسین صاحب کی شہادت کے آخر پر لکھا کہ گواہ کو مرزا صاحب سے عداوت ہے جس کی وجہ سے اس نے مرزا صاحب کے خلاف بیان دینے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اس لئے مزید شہادت لینے کی ضرورت نہیں۔ مولوی محمد حسین صاحب شہادت کے کمرہ سے باہر نکلے۔ تو برآمدہ میں ایک کرسی پڑی تھی۔ اس پر بیٹھ گئے۔ کنسٹیبل نے وہاں سے انہیں اُٹھا دیا کہ کپتان صاحب پولیس کا حکم نہیں ہے۔ پھر مولوی صاحب ایک بچھے ہوئے کپڑے پر جا بیٹھے۔ انہوں (یعنی کپڑے کے مالک) نے یہ کہکر کپڑا کھینچ لیا کہ مسلمان ہو کر سرغنہ کہلا کر اور پھر اس طرح جھوٹ بولنا۔ بس ہمارے کپڑے کو

ناپاک نہ کیجئے۔ تب مولوی نورالدین صاحب نے اُٹھ کر مولوی محمد حسین صاحب کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ آپ یہاں ہمارے پاس بیٹھ جائیں۔ ہر چیز کی حد ہونی چاہیئے۔" [۱]

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کے اخلاق عالیہ کی یہ ایک مثال ہے کہ آپ نے مولوی محمد حسین صاحب جیسے عنید شدید کو بھی اپنے پاس بٹھانے کی ایک راہ نکال لی۔ راجہ غلام حیدر صاحب کا یہ طویل بیان جس کا ہمارے موضوع سے بظاہر تعلق نہیں صرف اس لئے نقل کیا گیا ہے تا قارئین کرام مسیح الزمان و مہدی دورانؑ کے ایک تربیت یافتہ خاص مرید اور اہلحدیث کے ایک چوٹی کے عالم کے اخلاقی مقام کا موازنہ کر سکیں۔ وَ بضدھا تتبین الاشیاء۔

آپ کی تیسری شادی کے لئے کوشش

پیچھے ذکر کیا جا چکا ہے کہ حضرت نواب محمد علی خاں صاحب حضرت مولوی صاحبؓ کا حد درجہ احترام کرتے تھے اور اس امر کی شدید خواہش رکھتے تھے کہ آپ مالیر کوٹلہ تشریف رکھیں تا آپ سے قرآن مجید پڑھا جا سکے۔ ادھر پہلی دو شادیوں سے آپ کے ہاں کوئی نرینہ اولاد نہیں ہوئی تھی اس لئے حضرت اقدس نے حضرت نواب صاحب کو حکیم فضل دین صاحب سے خط لکھوایا کہ آپ کوشش کریں کہ حضرت مولوی صاحب کے لئے کوئی موزون رشتہ مل جائے بلکہ ایک رشتہ حضور نے بتلایا بھی۔ تا اگر وہ مناسب ہو تو حضرت مولوی صاحب کے لئے کثرت سے مالیر کوٹلہ آنے جانے کا موقعہ نکل آئے۔ چنانچہ وہ خط یہ ہے۔

"مکرم معظم جناب نواب صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ

حضرت امام حجۃ الاسلام سلمہم اللہ تعالیٰ وایّد کا منشاء ہے کہ مولوی نورالدین صاحب کی شادی تیسری ہو جاوے۔ اس فکر میں بہت طرف خیال کیا تو ایک امر یہ بھی خیال میں آیا کہ کھیرد میں نور محمد کی لڑکی بھی ہے۔ آپ ایک لائق سمجھدار اور رازدار عورت بھیج کر دریافت فرماویں کہ وہ لڑکی کیسی ہے؟ مفصل پتہ لیکر اطلاع فرماویں۔

۷؍ جون ۱۸۹۸ء خاکسار فضل دین

حسب الحکم امام صادق ایدہ اللہ تعالیٰ از دارالامان قادیان

اس خط کے دوسری طرف اور پھر اگلے صفحہ پر ذیل کا مکتوب مرقوم ہے:۔

---

[۱] حیات احمد عہد جدید جلد دوم صفحہ ۵۹۸ تا ۶۰۱ حاشیہ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

محبی عزیزی اخویم نواب صاحب سلمہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

"آپ کو معلوم ہوگا کہ مولوی صاحب کے پانچ لڑکے ہو کر فوت ہو گئے ہیں۔ اب کوئی لڑکا نہیں۔ اب دوسری بیوی سے ایک لڑکی پیدا ہوئی ہے۔ اس صورت میں میں نے خود اس بات پر زور دیا کہ مولوی صاحب تیسری شادی کر لیں۔ چنانچہ برادری میں بھی تلاش درپیش ہے۔ مگر میاں نور محمد کھیوہ والے کے خط سے معلوم ہوا کہ اُن کی ایک ناکتخدا لڑکی ہے اور وہ بھی قریشی ہیں اور مولوی صاحب بھی قریشی ہیں اس لئے کچھ مضائقہ معلوم نہیں ہوتا کہ اگر وہ لڑکی عقل اور شکل اور دوسرے لوازم زنانہ میں اچھی ہو تو وہیں مولوی صاحب کے لئے انتظام ہو جائے۔ پس اس غرض سے آپ کو تکلیف دی جاتی ہے کہ آپ کوئی خاص عورت بھیجکر اس لڑکی کے تمام حالات دریافت کرا دیں اور پھر مطلع فرما دیں اور اگر وہ تجویز نہ ہو اور کوٹلہ میں آپکی نظر میں کسی شریف کے گھر میں یہ تعلق پیدا ہو سکے تو یہ بھی خوشی کی بات ہے۔ کیونکہ اس صورت میں مولوی صاحب موصوف کو کوٹلہ سے ایک خاص تعلق ہو جاوے گا مگر یہ کام جلدی کا ہے اس میں اب توقف مناسب نہیں۔ آپ بہت جلد اس کام میں پوری توجہ کے ساتھ کاروائی فرماویں۔ والسلام

خاکسار مرزا غلام احمد عفی عنہ (۲۶ جون ۱۸۹۶ء)"[1]

اس بارہ میں حضرت نواب صاحب کی طرف سے ایک مکتوب آنے پر ۲۷ جون ۹۶ء کو حضرت اقدس تحریر فرماتے ہیں:۔

"اخویم مکرمی حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب کی نسبت انہیں کی برادری میں سے ایک پیغام آ رہا ہے اور ایک جگہ اَور ہے سو آپ کو یہ بھی تکلیف دی جاتی ہے کہ اگر وہ مقام جو آپ نے سوچا ہے قابل اطمینان نہ ہو یا قابل تعریف نہ ہو یا اس کا ہونا مشکل ہو تو آپ اس سے مطلع فرما دیں تا دوسرے مقامات میں سلسلہ جنبانی کی جائے۔"[2]

---

[1] بحوالہ اصحاب احمد حصہ دوم صفحہ ۱۰۰؛ [2] ایضاً؛

ایک صاحب نے ایک خط اس تعلق میں ارسال کیا جس کے جواب میں حضور نے تحریر فرمایا:-

"مجبی عزیزی اخویم نواب صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اس وقت مجھ کو آپ کا عنایت نامہ ملا۔ اس کو پڑھ کر اس قدر خوشی ہوئی کہ اندازہ سے باہر ہے۔ مجھے . . . سے معلوم ہوا ہے کہ نور محمد کی لڑکی کی شکل اچھی نہیں۔ اور نہ ان لوگوں کی معاشرت اچھی ہے۔ اگر سادات میں سے کوئی لڑکی ہو جو شکل اور عقل میں اچھی ہو تو اس سے کوئی امر بہتر نہیں۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو پھر کسی دوسری شریف قوم میں سے ہو۔ مگر سب سے اول اس کے لئے کوشش چاہیئے اور جہانتک ممکن ہو جلد ہونا چاہیئے۔ اگر ایسا ظہور میں آگیا تو مولوی صاحب کے تعلقات کوٹلہ سے پختہ ہو جائیں گے اور اکثر وہاں رہنے کا بھی اتفاق ہوگا۔ یہ بڑی خوشی کی بات ہے اور چند ہفتہ میں یہ مبارک کام ظہور میں آئیں تو کیا تعجب ہے کہ یہ عاجز بھی اس کارِ خیر میں مولوی صاحب کے ساتھ کوٹلہ میں آوے سب امر اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ امید کہ پوری طرح آں محب کوشش فرمادیں گے۔ کیونکہ یہ کام ہونا نہایت مبارک امر ہے۔ خدا تعالیٰ پورا کر دیوے۔ آمین۔ ثم آمین" پھر حضور نے ۴ستمبر ۱۸۹۸ء کو مزید تاکید کرتے ہوئے فرمایا:- "افسوس کہ مولوی صاحب کے لئے نکاح ثانی کا کچھ بندوبست نہیں ہو سکا اگر کوٹلہ میں یہ بندوبست ہو سکے تو بہتر تھا۔ آپ نے سُن لیا ہوگا۔ کہ مولوی صاحب کی جوان لڑکی چند خورد سال بچے چھوڑ کر فوت ہو گئی ہے"

حضرت مولویصاحبؓ کی جوان بچی کی وفات۔ ۲۶ اگست ۱۸۹۸ء

جس جوان بچی کی وفات کا اس خط میں ذکر ہے اس کا نام امامہ تھا اور اپنے پیچھے دو لڑکے اور دو لڑکیاں چھوڑ کر ۲۶ اگست ۱۸۹۸ء کو بروز جمعۃ المبارک بعمر ۲۶ سال فوت ہوئی تھی۔ فاناللہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت مولویصاحبؓ نے رضا بالقضا کا شاندار نمونہ دکھلایا۔ حضرت اقدس بھی شریک جنازہ تھے۔ گور پر پہنچکر حضرت مولوی صاحب موصوف نے حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ

"یہ ہے انسان کا خاتمہ جس کے لئے وہ حسد، بغض، کینہ، جھوٹ اور فریب کو

اختیار کرنا ہے۔" [1]

یہ بچی حضرت مولوی صاحبؓ کی بڑی صاحبزادی اور مولوی عبدالواحد صاحب غزنوی کی اہلیہ تھیں اس بچی سے متعلق ایک دفعہ آپ نے مولوی عبدالجبار صاحب غزنوی کو لکھا تھا کہ

"اگر آپ سوچو تو عبدالواحد کو اپنی لڑکی امامہ رحمہا اللہ کا نکاح تمہارے والد ماجد کی محبت کا ہی ثمرہ تھا۔" [2]

اس سے ظاہر ہے کہ یہ رشتہ آپ نے حضرت مولوی عبداللہ صاحب غزنویؒ کی محبت کیوجہ سے اُن کے لڑکے کو دیا تھا۔ کیونکہ وہ ایک بڑے بزرگ اور خاصانِ خدا میں سے تھے۔

دوسری بات جو اس موقعہ پر قابل ذکر ہے یہ ہے کہ ان ایام میں چونکہ باوجود کوشش کے کوئی موزوں رشتہ نہ مل سکا۔ اور بعد ازاں آپ کے ہاں اولاد نرینہ بھی ہونے لگی اس لئے پھر اَور شادی کرنے کا خیال رہ گیا۔ ہر کام میں اللہ تعالےٰ کی کوئی نہ کوئی حکمت پوشیدہ ہوتی ہے۔ یہاں بھی یہ حکمت نظر آتی ہے کہ اللہ تعالےٰ کے علم میں چونکہ آپ کے ہاں اولاد نرینہ کا ہونا موجودہ بیوی ہی سے مقدر تھا۔ اس لئے باوجود پوری کوشش کے اس موقعہ پر کوئی موزون رشتہ نہ مل سکا۔

حضرت نواب محمد علیخاں صاحبؓ کے ساتھ آپ کے تعلقات

حضرت نواب محمد علی خاں صاحبؓ میں چونکہ عنفوانِ شباب ہی سے صالحیت کے آثار پائے جاتے تھے۔ اس لئے ان کو بھی آپ نہایت ہی قدر کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے اور خط و کتابت کے ذریعہ ان کے ایمان اور عرفان کو بڑھانے کی کوشش میں لگے رہتے تھے۔ چنانچہ ذیل میں آپ کا ایک مکتوب درج کیا جاتا ہے جو آپ نے مارچ ۱۸۹۳ء کو حضرت نواب صاحب کو لکھا۔ آپ فرماتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم وآلہٖ واصحابہٖ مع التسلیم

خاکسار نورالدین

اللّٰھم اجعلہ کاسمہٖ۔ آمین۔ بگرامی خدمت حضرت نواب صاحب مکرم معظم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

گذارش پرداز (۱) عرق اور افسنتین دونوں وقت۔ سحر اور افطار کے وقت

---

[1] الحکم ۲۴ اگست ۱۹۰۸ء [2] الحکم جلد ۳ نمبر ۳۱ صفحہ ۶

کھانے سے اول گو دس منٹ ہی پہلے کیوں نہ ہو۔ کھالیں

(۲) معدہ پر روغن کا ملنا غلو معدہ کے وقت انسب ہے اور رمضان شریف میں وہ دوپہر اور رات کے وقت کافی ہے۔ اگر دو وقت نہ ہوسکے تو ایک ہی وقت کافی ہے، دوپہر کے وقت۔

یہاں تک آپ کے ۲ر مارچ ۱۸۹۳ء کے کرم نامہ کا جواب ہے

اللہ تعالٰے اپنی ذات میں، صفات میں، اپنے افعال میں باہمہ کامل عدل اور کامل رحم کے بالکل مستغنی ہے۔ اور صاف ظاہر ہے کہ کامل علم، کامل قدرت کامل خدائی کو غنا لازمی ہے۔ پھر باایں ہمہ اللہ تعالٰے حیی اور ستیر ہے کیا معنی بڑا حیا والا اور پردہ پوش ہے۔ یہ میری باتیں سرسری نہیں بلکہ واقعی ہیں۔ حضرتؑ جب آپ کے لئے دعا پر زور دیتے تب ہی آپ کے لئے صبر اور تقوی کا حکم نازل ہوتا۔ حضرتؑ حیران رہ جاتے کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ آخر یہ صلاح ٹھہری کہ پیارا نواب صرف دو روز کے واسطے یہاں آجاوے۔ مطلب یہ تھا کہ بعض وقت روبرو ہونے سے حجاب جلد اٹھ جاتا ہے۔

ان چند روزوں میں آپ کے لئے توجہ پیش تھی۔ آپ زیادہ تر خوف الٰہی اور خشیت ربانی سے کام لیتے اور مجھے یقین ہے کہ اب آپ تلافی کریں گے۔ استغفار، لاحول اور نماز میں دعا سے زیادہ کام لیں گے۔ رمضان شریف زیادہ موقعہ دے گا

سنو بھائی! جو عذر آپ نے بیان فرمائے ہیں وہ خود ہی کیا ہیں۔ بحمد اللہ ہماری حالت بھی بہت امیروں، دولتمندوں، آسودوں سے کم نہیں اور علم و فہم اور اس پر مختلف مجلسوں، مختلف بلاد اور مختلف باتوں کے سننے کا موقعہ ہم کو بہ نسبت امراء کے زیادہ تر حاصل ہے۔ پھر آپ جانتے ہیں۔ ان دنوں مجھے علاج معالجہ کے واسطے زیادہ فرصت نکالنی مناسب تھی مگر پھر بھی مرزا جی کی صحبت کو کتنا مقدم کرلیا۔ آپ کی ضرورتیں مجھ سے زیادہ نہیں۔ اگر یہ فقرہ تفسیر طلب

ہے تو میں تفسیر کو حاضر ہوں"

حضرت نواب صاحب بھی آپ سے دینی مسائل کے بارہ میں استفسارات کرتے رہتے تھے چنانچہ اُن کے ایسے ہی ایک خط کے جواب میں حضرت مولوی صاحبؓ فرماتے ہیں:-

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ یہ وساوس ہیں اور سالک کو ضرور پیش آتے رہتے ہیں۔ ان میں تجدید نکاح کی ضرورت نہیں اور ہرگز نہیں۔ آپ ذرہ بھی توجہ نہ فرماویں۔ یہ کیا وساوس ہیں۔ کیا اچھا ہوتا اگر آپ گاہے گاہے قادیان آجایا کرتے۔ کوئی بھی تکلیف آپ کو یہاں انشاء اللہ تعالیٰ نہ ہوتی۔ نہ غسلخانہ کی، نہ پاخانہ کی، اور میں انشاء اللہ یہ چیزیں تیار کر دوں گا۔

باقی قصہ ایسا ہے کہ جلد طے ہوسکتا ہے۔ یہ شیطانی وساوس ہیں ان کا کیا بقا ہے۔ ثبوت اشیاء کا اس طرح بھی ہوتا ہے کہ راستباز اور بکثرت راستباز شہادت دیں اور ان کی شہادت میں کوئی کارستانی نہ ہو۔ نواب! میں راستباز ہوں۔ اور بدوں کسی طمع و غرض کے میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی آواز اور کلام میں نے خود سُنی ہے۔

میرے دوستوں میں مرزا خدا بخش بھی ہیں۔ ان کو السلام علیکم عرض کردیں اور یاد دلادیں کہ "القول المستحسن" میاں یوسف علی خاں صاحب کو دیدی، پہنچادی یا نہیں۔

نورالدین ۹ دسمبر ۱۸۹۶ء از قادیان

اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپکے کنبہ کو صحت و عافیت بخشے۔"

جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء

جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء میں علاوہ حضرت اقدسؑ اور حضرت مولوی عبدالکریمؓ صاحب کی ایمان افزا تقریروں کے حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ کی تقریر بھی ہوئی جو قرآنی معارف سے پُر تھی۔

مدرسہ تعلیم الاسلام کا اجراء جنوری ۱۸۹۸ء

واقعات کے تسلسل کو قائم رکھنے کے لئے مدرسہ تعلیم الاسلام کے اجراء کا ذکر نہیں کیا جاسکا۔ سو

اب غرض ہے کہ جس مدرسہ کے اجراء کی ضرورت پر اکتوبر ۱۸۹۷ء میں اشتہار دیا گیا تھا، اسے جاری کرنے کے لئے اہل الرائے اصحاب کا پہلا اجلاس ۲۷ دسمبر ۱۸۹۷ء کو منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں مدرسہ کے انتظام کے لئے ایک مجلس ناظم التعلیم قائم کی گئی جس کے سکرٹری خواجہ کمال الدین صاحب، پریذیڈنٹ حضرت مولوی صاحبؓ اور سرپرست حضرت اقدسؑ مقرر ہوئے۔[۱]

اس مجلس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ مدرسہ کا افتتاح یکم جنوری ۱۸۹۸ء کو کیا جائے مگر جلسہ سالانہ کی مصروفیات کی وجہ سے بجائے یکم جنوری کے اس کا افتتاح ۳ جنوری ۱۸۹۸ء کو ہوا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے اپنی ابتدائے خلافت میں تعلیم الاسلام ہائی سکول کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"اس کا محرک نورالدین اور مرزا خدا بخش تھے"

اور فرمایا:۔

"ہماری نیک نیتی تھی کہ جو لوگ یہاں رہتے ہیں اور جو احباب قادیان سے باہر ہیں۔ انہیں اپنی اولاد کو آخر وقتی ضروریات کے باعث تو سکولوں میں بھیجنا ہی پڑتا ہے اور خرچ کے متحمل ہوتے ہیں اور پھر ان سکولوں اور بورڈنگوں کی ناگوار برائیوں میں پھنسنے کا احتمال ہے اس لئے اگر وہ لوگ اس سکول میں اپنے بچوں کو بھیجدیں اور وہی خرچ جو اُن کو ان سکولوں میں دینا پڑتا ہے، یہاں دے دیں تو ان کے بچے بورڈنگوں میں جو امور مضر اخلاق و صحت پیدا ہوتے ہیں ان سے نسبتاً محفوظ رہیں گے۔ حضرت صاحب نے بھی اس کو جائز رکھا۔"[۲]

اس مدرسہ کے قیام میں چونکہ زیادہ دلچسپی حضرت نواب محمد علی خاں صاحب رضی اللہ عنہ لے رہے تھے۔ اس لئے کچھ عرصہ بعد آپ کو اس کا ڈائرکٹر مقرر کیا گیا۔ اور آپ کی تجویز کے مطابق ایک کونسل ٹرسٹیاں اُن اصحاب پر مشتمل مقرر کی گئی جو مدرسہ کو کم از کم ساٹھ روپے سالانہ دیں چنانچہ اس تجویز کے مطابق ۲۱ اشخاص کونسل ٹرسٹیاں کے ممبر قرار دئے گئے۔

۹ ستمبر ۱۹۰۰ء کو "بیت السلام" قادیان میں بصدارت حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کونسل ٹرسٹیاں کا اجلاس ہوا جس کے پریذیڈنٹ حضرت نواب صاحب، وائس پریذیڈنٹ حضرت مولوی نورالدین صاحب، سکرٹری حضرت مولوی عبدالکریم صاحب اور جائنٹ سکوٹری جناب مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے قرار پائے۔

---

[۱] الحکم ۱۳ فروری ۱۸۹۸ء

اور ۱۹۰۱ء کے لئے پانچ ہزار تین سو اٹھارہ روپے ۵۳۱۸ کا بجٹ (بشمول ڈیڑھ ہزار روپیہ برائے عمارت مدرسہ و بورڈنگ) منظور ہوا۔ اور میر مجلس اور فنانشل سکرٹری حضرت مولوی صاحب اور جنرل سکرٹری مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے قرار پائے۔

جیسا کہ اوپر ذکر گیا ہے اس مدرسہ کو چلانے میں سب سے زیادہ دلچسپی حضرت نواب صاحب اور حضرت مولوی صاحب لے رہے تھے۔ حضرت نواب صاحب ایک ہزار روپیہ ۱۰۰۰ سالانہ چندہ دیا کرتے تھے اور حضرت مولوی صاحب ایک سو بیس ۱۲۰ روپے سالانہ۔ باقی سب احباب اس سے کم چندہ دیتے تھے۔ یہ دونو صاحبان متعدد طلبہ کو اپنی جیب خاص سے معقول وظائف بھی دیا کرتے تھے۔ اور حضرت مولوی صاحب کی خدمت میں تو طالب علم امداد کے لئے لکھتے ہی رہتے تھے۔ مگر آپ نے کبھی بھی کسی کو روپیہ موجود ہوتے ہوئے خالی ہاتھ واپس نہیں لوٹایا۔ کچھ نہ کچھ امداد ضرور فرما دیا کرتے تھے۔ اس لحاظ سے محدود وسائل کے باوجود آپ پر بوجھ زیادہ تھا۔

خدا تعالیٰ کے فضل سے مدرسہ دن بدن ترقی کرتا چلا گیا اور آخر ۱۹۰۳ء میں وہ وقت آیا جب کہ ان باہمت ہستیوں نے مدرسہ ہائی سکول کو کالج تک ترقی دینے کا عزم کر لیا۔ چنانچہ فیصلہ ہوا کہ حضرت اقدس کی خدمت میں درخواست کر کے اس کی رسم افتتاح ادا کی جائے۔ لیکن حضرت اقدس کی طبیعت چونکہ علیل تھی اس لئے حضرت مولوی صاحب کی صدارت میں جلسہ کی کاروائی شروع ہوئی حضرت اقدس نے حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی معرفت یہ پیغام بھجوایا کہ

"میں اس وقت بیمار ہوں حتیٰ کہ چلنے سے بھی معذور ہوں لیکن وہاں حاضر ہونے سے بہت بہتر یہاں کام کر سکتا ہوں کہ ادھر جس وقت جلسہ کا افتتاح شروع ہو گا۔ میں بیت الدعا میں جا کر دعا کروں گا۔"

حضرت اقدس کا یہ پیغام سننے کے بعد پہلے حضرت نواب محمد علی خاں صاحب نے مختصر سی تقریر فرمائی اور پھر حضرت مولوی صاحب نے قرآن کریم کے فضائل اور اس کی تاثیرات پر ایک ایسی فاضلانہ اور پُر اثر تقریر فرمائی کہ سامعین عش عش کر اُٹھے۔ آپ کی تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ دنیا میں جتنے عظیم الشان رُوحانی تغیرات پیدا ہوئے ہیں سب کلام الٰہی پر عمل کرنے سے پیدا ہوئے ہیں اور اس کے ثبوت کیلئے سب سے پہلے آپ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ عربوں کی ترقی کا ذکر فرمایا۔ پھر حضرت یوسف

کی رُوحانی تربیت اور ظاہری عروج کا ذکر کیا اور آخر میں حضرت اقدس کی برکات اور کامیابیوں کا تذکرہ فرمایا اور بچوں کو نصیحت فرمائی کہ قال اللہ اور قال الرسول کو اپنا دستور العمل بناؤ پھر دیکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں کس قدر ترقیات عطا فرماتا ہے۔ آپ کی تقریر کے بعد بعض لوگوں نے نظمیں پڑھیں اور پھر جلسہ دعا پر ختم ہوا۔ یہ کالج خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت عمدہ طریق پر چل نکلا تھا اور جماعت کے چوٹی کے فاضل اس میں بطور پروفیسر کام کرتے تھے۔ حضرت مولوی صاحب بھی تھوڑا سا وقت دینیات کی تعلیم دینے کے لئے اس کالج کو دیا کرتے تھے۔

افسوس کہ یہ کالج صرف دو سال ہی جاری رہا یعنی صرف ایک ہی کلاس نے تعلیم پائی۔ بعد ازاں لارڈ کرزن کے قائم کردہ یونیورسٹی کمیشن کی ہدایات کے بعد اسے بند کرنا پڑا۔ کیونکہ کمیشن مذکور نے ایسی کڑی شرطیں لگا دی تھیں جن کی پابندی ممکن نہ تھی۔ اور گو اس وقت تو کالج بند ہو گیا مگر الحمدللہ کہ چالیس سال کے بعد پھر کھل گیا اور پہلے قادیان میں اور اب ربوہ میں کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے۔

آپ کے دو خطوط

اب ہم حضرت مولوی صاحبؓ کے دو خطوط یہاں درج کرتے ہیں جو آپ نے اپنے ایک دیرینہ دوست حاجی اللہ دین صاحب عرائض نویس صدر شاہ پور کو لکھے تھے۔ ان خطوط میں آپ نے حاجی صاحب موصوف کے اخلاص میں کمی دیکھ کر انہیں ناصحانہ انداز میں مناسب تنبیہ فرمائی ہے۔ اگرچہ پہلا خط ۱۸۹۸ء کا ہے اور دوسرا ۱۹۰۰ء کا۔ لیکن ایک ہی شخص مخاطب ہونے کی وجہ سے دونو کو ایک ہی جگہ درج کیا جاتا ہے۔

> "تم مجھے بے ریب عزیز تھے اور ہو۔ میں نے تم سے محبت کی اور بہت کی۔ میں نے تمہارے لئے دعائیں کیں اور اکثر قبول ہوئیں۔ الحمدللہ۔ اور انشاء اللہ یقین ہے۔ کہ قیامت میں بھی ان کی قبولیت ظاہر ہوگی
>
> میری محبت ایسے وقت سے شروع ہوئی جب مجھ میں شعور اور تمیز کا مادہ نہ تھا اور وہ میرے علم اور شعور کے ساتھ بڑھتی رہی۔ میرا تمہارا بچپن تھا۔ مگر اللہ تعالےٰ کا محض فضل اور اس کی خاص رحمت تھی اور تعجب انگیز کرم تھا کہ میرے اور تمہارے درمیان بایں جوش محبت اور شدت پیار کے بچپن سے کوئی ایسی حرکت واقع نہ ہوئی جس کو تم یا میں یا ہمارے پرانے دوست حقارت کی نگاہ سے دیکھیں

تم خوب یاد رکھو۔ کوئی لفظ، کوئی حرکت، کوئی ناشائستہ ارادہ اور نالائق خواہش میری تم پر کبھی بھی ظاہر ہوئی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں جو ابتدا سے میرے شامل حال ہیں۔ میں ذکر کروں گا کیونکہ یہ نصیحت کا بیان ہے۔ میں نے جب دعا کی اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے اور تعجب آتا ہے کہ کس طرح اللہ کریم میرے ساتھ تھا کہ مجھ کو ہمیشہ محفوظ رکھا۔ بچپن میں انسان کیا نہیں کر گذرتا۔ پھر میں نے ہمیشہ ترقی کی۔ یہانتک کہ حضرت امام صادق کی بیعت نصیب ہوئی اور تم میرے ساتھ مرید ہوئے اب مجھے امید ہو گئی کہ اللہ دین جو میرا پیارا دوست ہے، میرا بھائی ہو گیا۔ اب انشاء اللہ ترقی کرے گا۔ لاکن تم نے ٹھوکر کھائی اور قادیان کا آنا تو ترک کر دیا تھا مگر جو چندہ بغرض خدمت وعدہ کیا تھا اس سے بھی بخل کیا۔ افسوس!! افسوس! افسوس! کیا تم پر یہ فضل کچھ کم تھا کہ میرا کوئی دنیوی احسان تم پر نہیں ہوا۔ میں نے اب تک تم سے ایک کوڑی کا سلوک نہ کیا باینکہ مجھ میں دولت کے لحاظ سے بڑی وسعت تھی۔ تم اس بھید کو نہیں سمجھے۔ اس میں حکمت تھی اور ہے اگر سوچو والا ہم بتادیں گے۔

بہرحال جس خرچ کا تم کو ڈر تھا۔ شاید اتنا خرچ ان مشکلات میں ہو جاوے اللہ رحم کرے۔ اللہ دین! میں راستباز ہوں اور میرا امام بالکل راستباز ہے۔ ہم دنیا پرست نہیں۔ دنیا کے طالب نہیں۔ دنیا کے لئے ہم کوشش نہیں کرتے۔ راستبازی پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس واسطے کامیاب ہیں اور رہیں گے آہ! کوئی سمجھے اور تم سمجھو۔

اب میری صلاح یہ ہے کہ تم بھی توبہ کرو۔ کھانے، پینے، لباس، خوراک، گھر کے اسباب میں ایسی تدبیر کرو جس میں مال حرام کا کوئی حصہ نہ رہے اور استغفار و دعا کو اپنا شغل بنالو اور متواتر بحضور حضرت امام خطوط لکھو مگر براہ راست ہوں میرے ذریعہ سے نہ ہوں۔

میں دعا کروں گا مگر تم نے مجھے بہت ناراض کر دیا ہوا ہے۔ میں نے ایک

خط میں صاف لکھ دیا تھا۔ مدت ہوئی کہ تم ضرور یہاں آؤ مگر کون سنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تم پر فضل کریگا اور تمہاری مدد کرے گا۔ اور میری سُنے گا جب میں (دعا) کروں گا۔ غور کرو، ہمارا کنبہ کس طرح محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے پلتا ہے۔ کیا ہم کسی سے روپیہ لیتے ہیں۔ نہیں۔ مرزا جی کے مُریدوں میں منشی اللہ داد وہاں موجود ہے۔ اور حکیم فضل دین بھیرہ میں۔ کسی سے پوچھو۔ کیا میں یہاں مرزا جی کے مریدوں سے کچھ لیتا ہوں۔ نہیں۔ نہیں۔ نہیں اور ہرگز نہیں۔ کیا محمد یوسف تمہاری طرح خوبصورت ہے۔ اس کی ماں محمد یوسف کے سر پر ہاتھ رکھ کر یہ دعا پڑھ دے اَللّٰھم عَلِّمۃُ الکتاب و فقّھہ فی الدین سات بار۔ اے اللہ اس کو قرآن سکھا اور دین کا سمجھدار بنا۔

منشی اللہ داد کو السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ پہنچا دینا[1]

نور الدین ۲ر مارچ ۱۸۹۸ء

دوسرا خط

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

"دنیا میں مرزا جی ایک طوبیٰ کا درخت ہے اور بحمد اللہ یہ خاکسار نور الدین اس کی ایک شاخ اور میرا پیارا ابھی بحمد اللہ اسی شاخ میں پھنسا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ وہ ابھی زمین پر گرا نہیں اور خدا کرے کہ نہ گرے۔ میرزا جی کا کام ہے صرف قرآن کریم سُنانا۔ اگر اس کے قرآن سے کسی کا دل صاف نہ ہو تو وہ پھر قرآن ہی سُنائے گا یہانتک کہ وہ خود قرآن کا اثر پا جاوے

میرے پیارے! تو یاد کر اپنے لڑکپن اور بچپن کو۔ کیا تیرا اسچا اور مخلص دوست بد عقیدہ، بدچلن، نافہم یا کمزور ہے؟ کیا تونے کوئی بد نمونہ اس میں پایا۔ کہ تو اس سے الگ رہنا چاہتا ہے۔ یاد رکھ میری دعائیں تیرے حق میں، تیرے خاندان کے حق میں، تیری بہنوں میں کیسی مؤثر ہوئیں۔ مجھ پر بڑا ہی سخت افسوس گذرا ہے کہ تجھے مرزا جی کے متعلق ابتک توہمات ہیں معلوم ہوتا ہے کہ تونے اپنے دوست اور دلی دوست نور الدین کو بھی نہیں پہچانا کیا تیرے

---

[1] بحوالہ الحکم ۱۰ر اپریل ۱۹۰۲ء

لئے یہ کافی نہ تھا کہ نورالدین میرزا جی کا مرید ہے اور بس۔

اصل یہ ہے کہ تو دنیا پرست ہے اور اپنی نافہمی کا گرفتار۔ خبردار ہو جا اور یہاں چلا آ۔ کہاں تیری عقل اور میرزا جی پر تو ہمات، توبہ کر لے۔ اور بواپسی ڈاک قادیان پہنچ جا ورنہ میں تو افسوس کرونگا۔ مگر تجھے افسوس کے ساتھ ملامت اُٹھانی پڑے گی۔"[۱]

نورالدین ۳۱ مارچ ۱۹۰۲ء

حضرت نواب صاحبؓ کی دوسری شادی پر آپ کا مالیرکوٹلہ تشریف لے جانا۔ نومبر ۱۸۹۸ء

نومبر ۱۸۹۸ء میں جب حضرت نواب محمد علیخاںؓ کی بیگم صاحبہ وفات پا گئیں اور حضرت اقدس کے زور دینے پر انہوں نے دوسری شادی کا فیصلہ کیا تو ان کی درخواست پر حضور نے حضرت مولوی صاحبؓ کو مالیرکوٹلہ بھیجا۔ اور آپ نے ہی حضرت نواب صاحب کے نکاح کا خطبہ پڑھا۔ اس تقریب پر حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ اور حضرت مولوی محمد احسن صاحب امروہی بھی موجود تھے۔[۲]

علاج طاعون کیلئے دو مرکب دوائیں

حضرت اقدس نے طاعون کے زمانہ میں ہمدردی خلائق کیلئے دو مرکب دوائیں تیار فرمائیں۔ ایک دوا پر دو ہزار پانچسو روپیہ خرچ آیا جس میں سے دو ہزار روپیہ کے یاقوت رمانی حضرت مولوی صاحبؓ نے پیش کئے اس دوا کا نام حضرت اقدس نے "تریاق الٰہی"[۳] رکھا۔

---

[۱] بحوالہ الحکم ۱۰ اپریل ۱۹۰۲ء

[۲] اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۱۹۹

[۳] "تریاق الٰہی" کا نسخہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی کسی کتاب میں تحریر نہیں فرمایا لیکن مکرم ڈاکٹر عبدالحمید صاحب چغتائی ۶۰۔سی ماڈل ٹاؤن لاہور خلف الرشید حضرت حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے ان کے والد ماجد کی خواہش پر انہیں "تریاق الٰہی" کا نسخہ اپنے ہاتھ سے لکھ کر ارسال فرمایا تھا جس کی نقل اُن کے پاس محفوظ ہے۔ اس خط میں حضور نے اس کا جو نسخہ تحریر فرمایا وہ افادہ احباب کے لئے ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ اس کے اجزا یہ ہیں:۔ مشک تولہ۔ مرجان تولہ۔ یاقوت دس تولہ۔ مروارید تولہ۔ زنجبیل دو تولہ۔ کافور دو تولہ۔ زعفران دو تولہ۔ جدوار دو تولہ۔ برگ تلسی دس تولہ۔ گلسرخ تین تولہ۔ ابریشم مقرض دو تولہ۔ درونج دو تولہ۔ مرصافی دو تولہ۔ کہربا دو تولہ۔ گل مختوم ایکتولہ۔ طباشیر دو تولہ۔ کونین دو تولہ۔ لائکوار سٹرکنیا تین اونس۔ نارجیل دریائی تین اونس۔ پاپیتہ دو تولہ۔ فادزہر حیوانی دو تولہ۔ زہر مہرہ دو تولہ۔ الائچی خورد دو تولہ۔ صندل سفید دو تولہ۔ درونج تین تولہ۔ عود صلیب دو تولہ۔ عود ہندی تین تولہ۔ افیون ایکتولہ۔ سنبل الطیب چار تولہ۔ ٹنکچر کمفر کو دو اونس۔ وائنم اپیکاک دو اونس۔ اسارون تین تولہ۔ روح کیوڑہ دو بوتل۔ گلاب دو بوتل۔ بید مشک دو بوتل۔ سپرٹ کلوروفارم تین اونس۔ سحق بلیغ کر کے حبوب نخودی بنالیں۔

الحمد للہ کہ یہ دوا اور دوسرے تمام تبرکات جو صحابہ کرام یا ان کی اولادوں کے پاس محفوظ ہیں خاکسار نے اس زمانہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے جبکہ خاکسار نظارت تالیف و تصنیف کے ماتحت حالات صحابہ جمع کرنے کے کام پر مامور تھا۔ اس زمانہ میں ان کے تبرکات کی ایک فہرست الفضل میں بھی شائع ہوئی تھی۔ اب پھر نگران بورڈ نے ایک کمیٹی اس غرض کے لئے مقرر کی ہے کہ وہ تمام تبرکات کو ریکارڈ کرے۔ درحقیقت بڑے ہی خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کے پاس مسیح پاک کا کوئی نہ کوئی تبرک موجود ہے۔

جلسہ سالانہ ۱۸۹۸ء

جلسہ سالانہ ۱۸۹۸ء کی رپورٹ سے ظاہر ہے کہ اس جلسہ میں حضرت مولوی صاحب نے "ضرورت خلافت" کے موضوع پر ایک نہایت لطیف تقریر فرمائی جس میں بے بہا معارف قرآن بیان فرمائے۔

مقدمہ حفظ امن و ضمانت میں آپ کا حضرت اقدس کیساتھ سفر کرنا جنوری ۱۸۹۹ء

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی حضرت اقدس کے ساتھ عداوت کوئی ایسا امر نہیں جس سے کوئی باخبر احمدی ناواقف ہو۔ مولوی صاحب مذکور نے شیخ محمد بخش صاحب ڈپٹی انسپکٹر بٹالہ سے جو حضور کے ساتھ حد درجہ عداوت رکھتے تھے حضور کے خلاف یہ رپورٹ کروائی۔ کہ (حضرت) مرزا صاحب میرے مخالف ہیں اور مجھے ان سے جان کا خطرہ ہے اس رپورٹ کی بنا پر اس وقت کے ڈپٹی کمشنر ضلع گورداسپور مسٹر ڈیکن نے حضور کے خلاف زیر دفعہ ۱۰۷ فوجداری مقدمہ بنا دیا۔ مگر واقعات کچھ ایسے تھے کہ ساتھ ہی مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے خلاف بھی اسی دفعہ کے ماتحت مقدمہ بن گیا۔ ۵ جنوری ۱۸۹۹ء کو مقدمہ کی پیشی گورداسپور میں تھی۔ مگر ڈپٹی کمشنر کے تبدیل ہو جانے کی وجہ سے مقدمہ کی پیشی کے لئے ۱۱ جنوری ۱۸۹۹ء کا دن مقرر ہوا۔ اور نئے ڈپٹی کمشنر مسٹر ڈوئی کی عدالت میں پیش ہوا۔ اس مقدمہ کے دوران حضور کو پٹھانکوٹ اور دھاریوال بھی جانا پڑا۔ ان سفروں میں حضور کے ساتھ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ اور حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی بھی تھے۔ خوش آواز ہونے کی وجہ سے عام نمازیں تو حضرت مولوی عبدالکریمؓ ہی پڑھایا کرتے تھے۔ مگر دھاریوال میں خطبہ جمعہ حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ نے پڑھا جو بیحد پُر اثر اور لطف انگیز تھا۔ وہ تمام لوگ جو حضرت اقدس کی زیارت کے لئے جمع ہو گئے تھے خصوصاً کارخانہ دھاریوال کے مرد و زن اور انگریز افسر، ان تمام نے خطبہ بڑے غور سے سُنا۔

حضرت مولوی صاحبؓ میں ایک امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ آپ کا کلام نہایت ہی حکیمانہ طرز پر ہوا کرتا تھا۔ آپ کو مسافر خانہ میں، اسٹیشن پر اور گاڑی میں جہاں کہیں موقعہ ملا آپ نے حضرت اقدس کی صداقت پر ایسے دلنشیں پیرائے میں تقریر فرمائی کہ سامعین عش عش کر اُٹھے۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ کی طرح

آپ میں بھی یہ خوبی بدرجہ اتم پائی جاتی تھی کہ آپ اپنی تقریر کو تجربہ شدہ اور مشاہدہ میں آئے ہوئے دلائل سے مدلل فرماتے۔

ایک عزیز طالب علم کو دینیات کا سبق یاد نہ کرنے پر نصیحت۔فروری ۱۸۹۹ء

جماعت میں دینداری کی روح پیدا کرنے کی آپ کو اس قدر فکر رہتی تھی کہ آپ چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے لوگوں کو دینی تعلیم کا درس دیتے رہتے تھے اور آپ یہ برداشت ہی نہیں کر سکتے تھے کہ کوئی شخص آپ کے ساتھ تعلق رکھے اور دینیات کی تعلیم حاصل کرنے سے غافل رہے۔ ایک واقعہ عرض کرتا ہوں۔ ہے تو معمولی سا مگر اس سے حضرت مولوی صاحبؓ کے اس جذبہ پر خاصی روشنی پڑتی ہے۔ مدرسہ کے ایک طالب علم نے دینیات کا سبق یاد نہ کیا۔ چونکہ اس کے اخراجات آپ برداشت کرتے تھے۔ اس لئے آپ کے پاس اس کی شکایت کی گئی۔ آپ نے اسے اپنے پاس بُلا کر فرمایا:۔

"مجھے شکایت پہنچی ہے کہ تم نے دینیات کے پڑھنے سے انکار کیا ہے۔ ایک شخص یہاں موجود ہے (ایڈیٹر الحکم کی طرف اشارہ) اور وہ گواہ ہے۔ اس نے کسی طبیب کا پیغام مجھے دیا کہ اولاد ہونے کے لئے میں اس کا علاج کروں۔ میں نے اس کو یہی جواب دیا کہ مجھے دیندار اولاد کی ضرورت ہے۔ محض اولاد مطلوب نہیں۔ میں دین کے سوا کسی چیز کو پسند نہیں کر سکتا۔ مدرسہ کے اجراء سے اگر کوئی غرض ہے تو دینی تعلیم اس لئے اگر تم دینیات پڑھنا نہیں چاہتے تو فی الفور یہاں سے چلے جاؤ۔ میں نے امام کے ہاتھ پر دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد کیا ہے۔ اس لئے کوئی شخص جو میرے ساتھ تعلق رکھتا ہے لیکن دین کو دنیا پر مقدم نہیں کرنا چاہتا میرا اس سے کچھ تعلق نہیں رہ سکتا۔ تم کو یہ خوب معلوم ہے کہ میں یہاں کسی دنیا طلبی کے لئے نہیں بیٹھا دین کے لئے آیا ہوں اور صرف دین کے لئے۔ پھر تم دیکھو کہ باوجودیکہ کوئی نہیں جانتا میرے مولا کریم کے سوا کہ وہ مجھے کہاں سے دیتا ہے۔ پھر میں نے تمہارے اخراجات باوجود ایسی حالت کے کہ مساکین فنڈ سے نہیں دلائے میں نے خود برداشت کئے۔ پھر ایسی حالت میں بھی اگر تم دین کو حاصل کرنا نہیں چاہتے تو میں تم کو اپنے پاس قطعاً نہیں رکھ سکتا۔ یاد رکھو۔ دنیا میں میں کسی ایسے شخص کو جو دین سُننا

نہیں چاہتا، ہرگز اپنے پاس نہیں رکھ نہیں سکتا کیونکہ یہ ارادہ میرا خیال کچھ نہیں رہا میں
اسے دوسرے کے ہاتھ پر بیچ چکا ہوں۔ پس میں پھر کہتا ہوں کہ بیوی ہو یا لڑکی ہو یا کوئی
ہو اگر اسے دینیات کی خواہش نہیں تو مجھے اس سے کوئی غرض نہیں رہ سکتی۔" [۱]

اس نصیحت سے پتہ لگتا ہے کہ آپ کے دل میں دین سیکھنے اور سکھانے سے متعلق کسقدر تڑپ تھی۔

آپ کا حضرت مولوی غلام نبی صاحب مصریؓ کو کتابیں نقل کرنے کیلئے بھوپال و مصر بھیجنا

حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ نے استاذی المکرم حضرت مولوی غلام نبی صاحبؓ کو جو حضور کے عزیز شاگردوں میں سے تھے بعض نایاب کتابوں کو نقل کر کے لانے کے لئے ۱۸۹۹ء میں بھوپال اور ۱۹۰۲ء میں مصر بھیجا۔ حضرت مولوی غلام نبی صاحب مصری فرمایا کرتے تھے کہ

"حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ نے مجھے نورالحسن خاں صاحب خلف نواب صدیق حسن خاں صاحب کے کتب خانہ سے تفسیر شوکانی نقل کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ یہ کتاب میں نے ایک سال میں نقل کی۔ یہ کتاب چھ جلدوں میں تھی۔ یہ اس سال کی بات ہے جب خطبہ الہامیہ لکھی گئی۔

۱۹۰۲ء میں حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ نے لائبریری جامعہ ازہر اور گورنمنٹ مصر کی لائبریری سے کتاب شفاء العلیل فی مسائل القضاء والقدر والتعلیل مصنفہ ابن قیم نقل کرنے کے لئے بھیجا۔ اس کتاب کی ضخامت سات آٹھ سو صفحات ہو گی۔ ڈیڑھ سال میں یہ کتاب نقل ہوئی اس کے علاوہ ایک اور کتاب ھمع الھوامع محلہ شرح جامع الجوامع مصنفہ امام سیوطی بھی نقل کر کے آپ کی خدمت میں بھیجا کرتا تھا۔ یہ کتاب سات سو صفحات پر مشتمل تھی۔" [۲]

اللہ تعالیٰ بھی عجیب مسبب الاسباب ہے اس نے بھوپال میں حضرت مولوی غلام نبی صاحب کے گذارے کی صورت یہ پیدا کر دی کہ نواب صدیق حسن خاں صاحب نے ایک یمنی محدث بخاری شریف کا درس دینے کے لئے منگوایا ہوا تھا۔ اور لوگوں میں حدیث کا شوق پیدا کرنے کے لئے سننے والوں کو بارہ چودہ روپے ماہوار فی کس وظیفہ ملا کرتا تھا۔ نواب صاحب مرحوم تو فروری ۱۸۹۰ء میں وفات پا گئے تھے۔ مگر یہ درس

---

[۱] الحکم ۱۰ فروری ۱۸۹۹ء [۲] الفضل ۷ جولائی ۱۹۵۴ء

برابر جاری تھا۔ مولوی صاحب بھی اس درس میں شامل ہو گئے اور آپ کو وظیفہ ملنے لگ گیا۔

اس اثنا میں حضرت مولوی صاحب کو ایک شخص نے کہا کہ آپ کھانا ہمارے ہاں کھا لیا کریں۔ توے کی روٹی ہوتی تھی۔ جسے آپ بعض اوقات نمکین پانی میں بھگو کو کھا لیا کرتے تھے۔ بھوپال کا کام ختم کرنے کے بعد آپ بعض کتب کو نقل کرنے کے لئے مصر تشریف لے گئے۔ مصر میں آپ پھیری کا کام کر کے کچھ پیسے کما لیتے تھے اور انہیں سے گذر اوقات کرتے تھے۔ وہاں آپ نے جامعہ ازہر میں جا کر اپنی تعلیم کو بھی مکمل کیا۔

مصر میں آپ نے کسی مصری کے ساتھ گفتگو پر مشتمل عربی زبان میں ایک رسالہ بھی لکھا تھا اور مسائل فقہ کے متعلق ایک کتاب بھی تصنیف فرمائی تھی۔ کچھ مدت مصر میں رہنے کے باعث واپسی پر آپ "مصری" مشہور ہو گئے تھے۔ حضرت مولوی صاحب موصوف ۱۸۸۹ء میں پیدا ہوئے۔ سنہ ۱۹۰۰ء میں بیعت کی اور ۲۷ر اپریل ۱۹۵۶ء کو ربوہ میں وفات پا کر بہشتی مقبرہ میں دفن ہوئے فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

پیدائش میاں عبدالحی صاحب
۱۵ر فروری ۱۸۹۹ء

۱۵ر فروری ۱۸۹۹ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام عبدالحی رکھا گیا ۱۷ر فروری کو اس کا عقیقہ ہوا۔ اس بچے کی پیدائش پر احباب نے بہت خوشی کا اظہار کیا اور آپ کو مبارکبادیں دیں۔ آپ نے اخبار الحکم کے ذریعہ احباب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے لکھا۔

"میں ان تمام احباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے بلحاظ محبت اس خوشی میں شرکت کی اور ان کا بھی جنہوں نے اس خوشی کا اظہار کیا۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء آئندہ بھی وہ اپنی دعاؤں میں مجھے اور میرے بچہ کو نہ بھولیں۔ الحمد للہ الذی وھب لی علی الکبر اسماعیل۔ ربنا اغفر لی ولوالدی وللمومنین یوم یقوم الحساب۔ ربنا ھب لنا من ازواجنا وذریاتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما۔ آمین" [۱]

اس لڑکے کی پیدائش بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک زبردست نشان تھا۔ اور وہ اس طرح کہ اس لڑکے کی پیدائش سے پانچ سال قبل آپ کا ایک لڑکا جس کا نام محمد احمد تھا اور جو بھیرہ میں پیدا ہوا تھا، قادیان میں فوت ہوا۔ تو سعد اللہ لودھیانوی نے جو سلسلہ عالیہ احمدیہ کا شدید دشمن تھا۔ اس پر اعتراض کیا جس کا مفہوم یہ تھا کہ (حضرت) مرزا صاحب کی موجودگی میں تمہارے جیسے مشہور حواری کا بچہ نہیں

---

[۱] ضمیمہ الحکم ۱۷ر فروری ۱۸۹۹ء۔

کرنا چاہیئے تھا۔ گو یہ اعتراض بالکل جہالت پر مبنی تھا کیونکہ وفات حیات کا معاملہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا ہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ کی غیرت جوش میں آئی اور ایک رؤیا میں حضرت اقدس کو دکھایا گیا کہ

"اخویم مولوی حکیم نورالدین صاحب ایک جگہ لیٹے ہوئے ہیں اور ان کی گود میں ایک بچہ کھیلتا ہے جو انہیں کا ہے اور وہ بچہ خوشرنگ خوبصورت ہے اور آنکھیں بڑی بڑی ہیں۔ میں نے مولوی صاحب سے کہا کہ خدا نے بعوض محمد احمد آپ کو وہ لڑکا دیا کہ رنگ میں شکل میں طاقت میں اس سے بدرجہا بہتر ہے اور میں دل میں کہتا ہوں کہ یہ تو اور بیوی کا لڑکا معلوم ہوتا ہے کیونکہ پہلا لڑکا تو ضعیف الخلقت، بیمار سا اور نیم جان سا تھا اور یہ تو قوی ہیکل اور خوشرنگ ہے اور پھر میرے دل میں یہ آیت گذری جس کا زبان سے سُنانا یاد نہیں اور وہ یہ ہے۔ ماننسخ من اٰیۃ اوننسھا نأت بخیر منھا او مثلھا۔ الم تعلم ان اللہ علٰی کل شیئ قدیر۔[1]

اور میں جانتا ہوں کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اس عدوالدین کا جواب ہے[2] کیونکہ اس نے عیسائیوں کا حامی بن کر اسلام پر حملہ کیا اور وہ بھی بے جا اور بے ایمانی سے بھرا ہوا حملہ۔ اور ایک جزو اس خواب کی رہ گئی۔ میں نے دیکھا کہ اس بچہ کے بدن پر کچھ پھنسی اور ٹولوں کے مشابہ بخارات نکل رہے ہیں اور کوئی کہتا ہے کہ اس کا علاج جلدی اور ایک اور چیز ہے۔ واللہ اعلم۔"[3]

اللہ تعالیٰ کی یہ عجیب شان ہے کہ اس کشف کے چند سال بعد جب یہ بچہ پیدا ہوا تو کشف کے مطابق اس کے جسم پر بعض پھوڑے نکلے حضرت مولانا حکیم صاحب رضؓ نے اپنی طبابت سے کام لے کر ان پھوڑوں کا بہتیرا علاج کیا مگر بے سود! آپ فرماتے ہیں کہ ان کے علاج میں میری طبابت گرد تھی۔"[4]

حضرت صاحب کوٹھے والے کی نظر میں آپ کا مقام

حضرت صاحب کوٹھے والے سے اہل پنجاب بہت کم واقف ہیں۔ آپ کی کفش برداری پر حضرت مولوی عبداللہ صاحب غزنوی جیسے بزرگ کو بھی ناز تھا اور مولوی غلام رسول صاحب مرحوم ساکن میہاں سنگھ بھی آپ کے خدام میں سے تھے حضرت مولوی برہان الدین صاحب جہلمی بھی بارہا آپ کی خدمت میں

---

[1] ترجمہ جس نشان کو بھی ہم مٹادیں یا بھلوا دیں۔ اس سے بہتر یا اس جیسا دوسرا نشان لاتے ہیں۔ کیا تو نہیں جانتا۔ کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ [2] سعداللہ لدھیانوی۔ [3] انوارالاسلام حاشیہ صفحہ ۲۶۔ [4] تذکرہ صفحہ ۲۶۷ حاشیہ

حاضر ہوئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ فرمایا کرتے تھے کہ

"میں جب کبھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ آپ نہایت ہی ادب و احترام سے پیش آتے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کشفی طور پر آپ کو معلوم ہو گیا تھا کہ میں حضرت امام مہدی علیہ السلام کی بیعت سے مشرف ہو جاؤں گا۔"

چنانچہ ذیل میں ایک ایسے انسان کی شہادت پیش کی جاتی ہے جو نہایت ہی صالح اور ثقہ آدمی تھا۔ اور وہ شہادت یہ ہے:۔

"نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

بخدمت شریف کاشف رموز نہانی واقف علوم ربانی جناب مرزا صاحب مدظلکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

عرضداشت اینکہ چونکہ فضیلت پناہ محمد یحییٰ اخونزادہ صاحب در خدمت شما مشرف شدہ واپس آمد۔ بارہا بمن اتفاق ملاقاتش افتاد۔ ہر بار کہ ملاقاتش حاصل شدے ذکر جمیل آنجناب۔ وتذکرہ خلق عظیم مولوی نورالدین صاحب بجنبانیدے بحکم من احبّ شیئًا اکثر ذکرہ ہر وقت بر زبانش گفتگوئے شما و دیار شما مے بود۔ آخر یک روز درانثنا بحث سخن از مہدی و عیسیٰ و مجدد در آمد۔ ناگاہ از زبانم بر آید کہ یک روز مرشد ما حضرت صاحب کوٹھہ والا فرمود کہ مہدی موعود پیدا شدہ است لکن ظاہر نشدہ است اکنوں فضیلت پناہ محمد یحییٰ اخوان زادہ است واپس من شدہ کہ ایں اخبار بصورِ گواہی قسمیہ بقلم خود بنویس۔ پس من بحکم آیۂ کریمہ ولا تکتموا الشہادۃ ومن یکتمھا فانہٗ اٰثم قلبہ ولا نکتم شہادۃ اللہ انا اذا لمن الاٰثمین۔ والذین لا یشھدون الزور۔ گواہی بخدا مے دہم کہ پیش از وفات خود حضرت صاحب کوٹھہ والا سال یا دو سال در ۱۲۹۲ھ ہجری یا ۱۲۹۳ھ ہجری با خواص خویش نشستہ از ہر باب گفتگو از معارف و اسرار مے فرمودند ناگاہ سخن مہدی در میان آمد فرمودند کہ مہدی موعود پیدا شدہ اما ظاہر نشدہ واللہ باللہ ثم تاللہ کہ ایں راست و درست گفتہ نہ بہوائے نفس و یا غرض دیگر لیکن حضار مجلس ایں سخن را مقصودے ندانستہ

کہ مہدی چیست و کجا باشد و کی باشد۔ اگر پرسیدہ شدے امید کہ مفصل بیان کردہ بودے۔ اما مجمل بایں الفاظ افغانی بایں عبارت

" چہ مہدی پیدا شوی دی او وقت وظہوری ندی "

ترجمہ۔ مہدی موعود پیدا شدہ لیکن ظاہر نشدہ است۔ فقط و سنہ وفات حضرت موصوف سلخ ذی الحجہ ۱۲۹۴ھ ہجری است۔ دریں عاجز را شوق شرف اندوزی از آنجناب از حد زیادہ است۔ دعا فرمایند کہ اسباب میسر شوند۔ بخدمت شریف مولانا نورالدین صاحب تحیہ سلام بشوق قبول باد۔ باقی السلام علیکم وعلی من لدیکم دست لرزاں است اگر قصور رفتہ معاف فرمایند۔ زیادہ آداب

راقم حمید اللہ المشہور بملا ر صوات

از مقام بھورڑ ضلع ہزارہ علاقہ مانسہرہ یکم ماہ اکتوبر ۱۸۹۹ء

اس مکتوب سے ظاہر ہے کہ حضرت صاحب کوٹھہ والے ایک بڑا روحانی مقام رکھنے والے اور صاحب کشف بزرگ تھے اور حضرت مولوی صاحبؓ کی عظمت اور بلند روحانی مقام سے خوب واقف تھے۔

وفد نصیبین کے ایک ممبر کیلئے آپ کا ایک طرف کا خرچ پیش کرنا۔ اکتوبر ۱۸۹۹ء

حضرت اقدس کو چونکہ اللہ تعالےٰ سے اس امر کی اطلاع مل چکی تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے واقعہ صلیب کے بعد کشمیر کی طرف ہجرت کی تھی اور بعض آثار سے یہ امر ظاہر ہوتا تھا کہ "نصیبین" میں بھی آپ کی آمد کا پتہ چلتا ہے۔ اس لئے حضور نے تین افراد پر مشتمل ایک وفد تیار فرمایا جو اس ملک میں جائے اور اس بارہ میں مفید معلومات حاصل کر کے واپس آئے۔ اس وفد کے اخراجات سفر کی فراہمی کے لئے حضور نے "اشتہار الانصار" کے عنوان سے ایک اشتہار شائع فرمایا۔ حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحبؓ نے حضرت اقدس کی اس آواز پر سب سے پہلے لبیک کہا اور ایک شخص کے لئے ایک طرف کا خرچ فوراً ادا فرما دیا۔ اس کے بعد حضورؑ نے "جلسۃ الوداع" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا۔ گو اس مضمون کو مکمل طور پر درج کرنا زیر نظر کتاب کے موضوع کے لحاظ سے ضروری نہیں۔ بلکہ اس کا صرف ابتدائی حصہ ہی کافی ہے۔ لیکن چونکہ اس میں موجودہ اور آئندہ آنیوالی نسلوں کے لئے بہت سے قیمتی اسباق ہیں۔ اور اگرچہ یہ وفد بعض مجبوریوں کی وجہ سے نصیبین نہیں جا سکا تھا مگر معلوم ہوتا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے یہ مضمون حضرت اقدس سے اس لئے لکھوایا کہ تا بعد میں جو ہزاروں واقفین اعلائے کلمۂ حق کی غرض سے بیرونی ممالک میں جانے والے تھے، ان کے متعلق جماعت اپنے فرض کو پہچانے۔ اس لئے یہ مضمون ہم مکمل طور پر درج کرتے ہیں۔

جلسۃ الوداع

"ہم اشتہار لاانصار میں لکھ چکے ہیں کہ ہماری جماعت میں سے تین آدمی اس کام کے لئے منتخب کئے جائیں گے کہ وہ نصیبین اور اس کے نواح میں جائیں اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کے آثار اس ملک میں تلاش کریں۔ اب حال یہ ہے کہ خدا کے فضل سے سفر کے خرچ کا امر قریباً انتظام پذیر ہو چکا ہے۔ صرف ایک شخص کے زادراہ کا انتظام باقی ہے یعنی اخویم مکرمی مولوی حکیم نورالدین صاحب نے ایک آدمی کے لئے ایک طرف کا خرچ دیدیا ہے اور اخویم منشی عبدالعزیز صاحب پٹواری ساکن اوجلہ ضلع گورداسپور نے باوجود قلت سرمایہ کے ۱۲۵ روپیہ دئے ہیں اور میاں جمال الدین کشمیری ساکن سیکھواں ضلع گورداسپور اور ان کے دو برادر حقیقی میاں امام الدین اور میاں خیرالدین نے ؁ روپیہ دئے ہیں۔ ان چاروں صاحبوں کے چندہ کا معاملہ نہایت عجیب اور قابلِ رشک ہے کہ وہ دنیا کے مال سے نہایت ہی کم حصہ رکھتے ہیں گویا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرح جو کچھ گھروں میں تھا وہ سب لے آئے ہیں اور دین کو آخرۃ پر مقدم کیا جیسا کہ بیعت میں شرط تھی۔ ایسا ہی مرزا خدابخش صاحب نے بھی اس سفر خرچ کے لئے پچاس روپیہ چندہ دیا ہے۔ خدا تعالیٰ سب کو اجر بخشے۔ آج ۱۰ اکتوبر ۱۸۹۹ء کو قرعہ اندازی کے ذریعہ سے وہ دو شخص[۱] تجویز کئے گئے ہیں جو مرزا خدابخش صاحب کے ساتھ نصیبین کی طرف جائیں گے۔ اب یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان عزیزوں کی روانگی کے لئے ایک مختصر سا جلسہ کیا جائے۔ چونکہ یہ عزیز دوست ایمانی صدق سے تمام اہل و عیال کو خدا تعالیٰ کے حوالہ کر کے اور وطن کی محبت کو خیرباد کہہ کر دور دراز ملکوں میں جائیں گے اور سمندر کو چیرتے ہوئے اور جنگلوں اور پہاڑوں کو طے کرتے ہوئے نصیبین یا اس سے آگے بھی سیر کریں گے اور کربلا معلی کی بھی

---

[۱] حضرت میاں خیرالدین صاحب سیکھوانی اور حضرت مولوی قطب الدین صاحب بدوملہی۔

زیارت کریں گے۔ اس لئے یہ تینوں عزیز قابل قدر اور تعظیم ہیں۔ اور امید کی جاتی ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کے لئے ایک بڑا تحفہ لائیں گے۔

آسمان ان کے سفر سے خوشی کرتا ہے کہ محض خدا کے لئے قوموں کو شرک سے چھڑانے کے لئے یہ تین عزیز ایک منجی کی صورت پر اُٹھے ہیں۔ اس لئے لازم ہے کہ ان کے وداع کے لئے ایک مختصر سا جلسہ قادیان میں ہو اور ان کی خیر و عافیت کے لئے دعائیں کی جائیں۔ لہٰذا میں نے اس جلسہ کی تاریخ ۱۲ ار نومبر ۱۸۹۹ء مقرر کر کے قرین مصلحت سمجھا ہے کہ ان تمام خالص دوستوں کو اطلاع دوں جن کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی عید نہیں کہ جس کام کے لئے وہ اس سردی کے ایام میں اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو چھوڑ کر اور اپنے عیال اور دوستوں سے علیحدہ ہو کر جاتے ہیں۔ اس مراد کو حاصل کر کے واپس آویں اور فتح کے نقارے ان کے ساتھ ہوں۔

میں دعا کرتا ہوں کہ اے قادر خدا! جس نے اس کام کے لئے مجھے بھیجا ہے ان عزیزوں کو فضل اور عافیت سے منزل مقصود تک پہنچا اور پھر بخیر و خوبی فائز المرام واپس آئیں۔ آمین۔ ثم آمین۔ اور میں امید رکھتا ہوں کہ میرے وہ عزیز دوست جو دین کے لئے اپنے تئیں وقف کر چکے ہیں حتی الوسع فرصت نکال کر اس جلسہ وداع پر حاضر ہوں گے اور اپنے ان عزیزوں کے لئے رو رو کر دعا کریں گے۔ والسلام

۱۰ر اکتوبر ۱۸۹۹ء"

بعض دوسری تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت مولوی صاحب رضؓ کے بعد حضرت نواب محمد علی خانصاحب رضؓ نے بھی دو افراد کے اخراجات بھجوا دئے تھے[۱]

حضرت مولوی عبدالکریم صاحب رضؓ کی دینی تربیت میں آپ کی کوشش

ہماری جماعت کے مشہور عالم جنہیں بعد میں اللہ تعالیٰ کی وحی میں "مسلمانوں کا لیڈر" کا خطاب ملا۔ آپ ہی کے ذریعہ سے سلسلہ حقہ سے روشناس ہوئے تھے۔ انہوں نے جو رُوحانی فیوض آپ سے حاصل کئے۔ اس کا ذکر انہوں نے خود ہی اپنی ایک تقریر میں کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

"میں نے بہت غور کی ہے اور میری عمر کا بہت بڑا حصہ اسی غور و فکر میں گذرا ہے اور اللہ علیم اس بات کا گواہ ہے کہ مجھے ہوش کے زمانہ سے یہی شوق دامنگیر رہا کہ

---

[۱] اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۴۵۷

خدا کی رضا کی راہیں حاصل کروں اور میری بڑی خواہش اور سب سے بڑی آرزو یہی رہی ہے کہ کسی طرح پر اپنے مولیٰ کریم کو راضی کروں۔

حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ (خدا تعالیٰ ان پر اپنا بیحد فضل کرے) سے مجھے اللہ تعالیٰ نے ملا دیا اور اس طرح مجھے دین کی طرف اور قرآن کریم کے معارف اور حقائق کی طرف توجہ ہوئی۔ مگر بایں ہمہ بعض اخلاق ردیہ کی اصلاح نہ ہوئی اور طبیعت معاصی کی طرف اس طرح جاتی جیسے ایک سرکش جانور رسّہ تڑا کر بے اختیار دوڑتا ہے اور قابو سے نکل جاتا ہے اور میری رُوح میں وہ سیری اور لذت نہ ہوئی جس کا کہ میں جویاں تھا اس میں شک نہیں کہ قرآن کریم کے حقائق و معارف میں نے حضرت مولانا صاحب کے منہ سے سُنے اور بہت فیض اُٹھایا اور میں اعتراف کرتا ہوں کہ پختہ مسلمان اور غیور بن گیا۔ لیکن میں نہیں جانتا کہ وہ کیا بات تھی جس سے روح میں ایک بیقراری اور اضطراب محسوس ہوتا تھا اور سکون اور جمعیت خاطر جس کے لئے صوفی تڑپتے ہیں میسّر نہ آتی تھی۔ اور اس اثنا میں ایک بڑی ناسزا بات اور ناشدنی گردن زدنی عقیدہ کی پرورش میں بڑا متوجہ تھا۔ اور گویا بغل میں ایک "بعل" اور "لات" کو رکھتا تھا۔ اور دل میں سمجھتا تھا کہ یہ خدا کی رضا کی راہ ہے مگر خدا تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اس کے اختیار کرنے میں بھی نیت نیک تھی۔

سید احمد خانصاحب کے خیالات ابھی میں ۱۷ یا ۱۸ برس کی عمر کا لڑکا تھا کہ سید صاحب کے خیالات کے پڑھنے کا مجھے موقع ملا یعنی تہذیب اخلاق جو سید صاحب کے خیالات اور معتقدات کا آئینہ تھا۔ میں اسے شروع اشاعت سے پڑھنے لگا اور تیس برس کی عمر تک اس میں مشغول رہا۔ سید صاحب کے قلم سے کوئی ایسا لفظ نہیں نکلا، الاماشاءاللہ، جو میں نے نہ پڑھا ہو۔ ان کی تفسیر کو بڑے عشق سے پڑھتا۔ برابر بلیس بائیس برس کا زمانہ تھوڑا نہیں، ایک بڑی مدت ہے۔ اس عرصہ میں بھی میری روح کو طمانیت اور سکینت حاصل نہ ہوئی اور وہی اضطراب اور بیقراری دامنگیر رہتی۔ بلکہ بعض اوقات میں اپنی تنہائی کی گھڑیوں میں ہلاک کرنے والی بے چینی محسوس

کرتا۔ اور میں آخر اس نتیجہ پر پہنچتا کہ ہنوز اگر خدا تعالےٰ کو خوش کیا ہوتا اور واقعی خدا تعالیٰ سے سچا عشق پیدا ہوگیا ہوتا تو ضرور تھا کہ طمانیت اور سکینت کا سرد پانی میرے اُبلتے ہوئے کلیجے کو ٹھنڈا کرتا۔ اس خیال سے تردّد و تذبذب اور پریشانی اور بھی بڑھتی گئی۔ میرے مخدوم مولوی صاحب بھی سید صاحب کی تصانیف منگواتے اور صفاتِ الٰہی کے مسئلہ میں ہمیشہ سید صاحب سے الگ رہتے اور میں ان کے ساتھ ہو کر بھی سید صاحب کی ہر بات کی پچ کرتا۔ اور کبھی مولوی صاحب مجھ سے الجھ بھی پڑتے مگر میں اقرار کرتا ہوں کہ وہ میرے اس جنّ کے نکالنے میں کامیاب نہ ہوئے۔

فتوحات ابن عربی اور امام غزالی کو میں نے کئی بار پڑھا اور خوب غور اور تدبر سے پڑھا۔ مگر میں سچ کہتا ہوں کہ "مرض بڑھتا گیا جُوں جُوں دوا کی" کا ہی معاملہ رہا شاید میری رُوح ہی ایسی تھی کہ تسلّی نہ پا سکتی تھی یا وہ خیالات واقعی طمانیت کا موجب نہ تھے۔ مگر اب کہوں گا کہ وہ خیالات واقعی طمانیت بخش راہ نہ دکھا سکتے تھے۔

بہرحال میں اس کو گناہ نہ سمجھتا تھا۔ دل بیقرار رہتا تھا اور ایک دھڑکا لگا رہتا تھا۔ میں نے کئی بار رؤیا میں دیکھا کہ بڑے جلتے ہوئے شعلے مارتی ہوئی آگ کے بھٹوں میں اور کوندتی ہوئی بجلیوں میں ڈالا گیا ہوں اور پھر کئی بار بصیرت کی آنکھ سے دیکھا کہ بہشت میں ڈالا گیا ہوں۔ مگر میں وجوہات اور اسباب کو نہ سمجھا تھا۔ اسی بیقراری اور اضطراب میں میری عمر کا ایک بڑا حصہ گذر گیا۔ یہانتک کہ حضرت مولوی نورالدین کے طفیل سے امام الزمان، نور، مرسل اور خلیفۃ اللہ کی صحبت نصیب ہوئی۔ حضرت مولانا نورالدین کو تو بہت برس پیشتر براہین احمدیہ کے اشتہار کے ایک پرچہ نے اُس نُور کا پتہ دے دیا تھا اور اس وقت ہمارے آقا و امام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ابھی گوشہ گزین تھے اور کھلا طور پر مریض دنیا میں ہنوز قدم نہ رکھا تھا۔

غرض مولوی صاحب نے مجھے امام الزمان کے متعلق فرمایا۔ چونکہ مولویصاحب کے ساتھ ایک خاص محبت اور ان پر اعلیٰ درجہ کا حسن ظن تھا۔ میں نے مان لیا۔ مگر وہ بصیرت اور معرفت نصیب نہ ہوئی۔

مارچ ۱۸۸۹ء کا ذکر ہے کہ حضرت امام نے بیعت کا اشتہار شائع کیا اور مولوی صاحب لودھیانہ تشریف لے گئے اور مجھے بھی ساتھ لے گئے۔ میں صاف کہوں گا کہ میں اپنی خوشی سے نہیں گیا بلکہ زور سے ساتھ لے گئے۔ ان دنوں میں بیعت کرنے کا اول فخر مولوی صاحب کو ہوا مگر میں اس وقت بھی اڑ گیا۔ اور روح میں کشائش اور سینہ میں انشراح نہ دیکھ کر رکا۔ مولوی صاحب کے اصرار اور الحاح سے بیعت کر لی یہ سچا اظہار ہے۔ شاید کسی کو فائدہ پہنچے۔ اس کے بعد میں کیا دیکھتا ہوں کہ میرے دل و روح میں ایک تبدیلی پیدا ہونی شروع ہوئی۔ میں نے اس دوا کو جس کا میں ایک عرصہ سے جویاں تھا۔ قریب یقین کیا میرے دل میں ایک سکینت اُترتی ہوئی محسوس ہوتی تھی اور دل میں ایک طاقت اور لذت آتی معلوم ہونے لگی یہاں تک کہ ۱۸۹۰ء میں مسیح موعود کے دعوے کا اعلان ہوا۔ اور اس سال کے آخر میں حضور نے مجھے لکھا کہ میں ازالہ اوہام تصنیف کر رہا ہوں اور بیمار ہوں۔ کاپیاں پڑھنے، پروف دیکھنے، خطوط لکھنے کی تکلیف کا متحمل نہیں ہو سکتا جس طرح بن پڑے آجائیں۔ ادھر سے مولوی نورالدین صاحب کا خط آیا کہ حضرت کو تکلیف بہت ہے لودھیانہ جلدی جاؤ۔ اس وقت میں مدرسہ میں مدرس تھا۔ وہاں سے رخصت لے کر لودھیانہ پہنچا اور میں اقرار کرتا ہوں کہ ہنوز دُنیا اور ہوائے دُنیا سے میرا دل سیر اور نوکری سے قطعاً بیزار نہ ہوا تھا اور جو دس پندرہ روپے ملتے تھے انہیں غنیمت سمجھتا تھا اور عزم تھا کہ اختتام پر پھر اس سلسلہ کو اختیار کروں گا۔ مگر جب میں تین ماہ تک حضرت اقدس کی صحبت میں رہا تو یہ پہلا موقعہ اتنی دراز صحبت کا ملا۔ میں نہیں جانتا کہ وہ خیال اور وہ آرزو کدھر گئی۔ اس قسم کے خیالات سے میری روح کو صاف کر دیا گیا اور میرا سینہ دھویا گیا اور اندر سے آواز آئی کہ تو دنیا کے کام کا نہیں۔ بس پھر کیا تھا۔ تین ماہ کی رخصت پورے ہوتے ہوتے یہ سب خیالات جاتے رہے اور پھر نہ واپس نہ استعفار۔ خدا تعالیٰ نے دنیا کی دلدل سے مجھے بالکل نکال دیا۔ اس وقت سے لے کر ۱۸۹۳ء تک مجھ کو چھ چھ مہینے اور برس تک بھی حضرت اقدس کی صحبت میں رہنے کا اتفاق ہوا۔ اور اب تو ایک سیکنڈ اور طرفۃ العین کے لئے بھی میری روح جُدائی گوارا نہیں کرتی۔ اور ایک خوبصورت امید میرے سینہ میں ہے کہ انشاء اللہ میرا جینا میرا مرنا ان ہی پاؤں

میں ہوگا۔ اور اگر میں اب یہاں سے چند روز کے لئے کہیں جاتا ہوں تو دل کی آرزو
کے خلاف مجبوراً پکڑا جاتا ہوں"[1]

یہ تقریر کافی لمبی ہے اور بڑی ہی ایمان افزا۔ مگر جتنا حصہ میرے مقصد کی وضاحت کیلئے ضروری تھا، اتنا میں نے لیلیا ہے۔ میرا مدعا صرف یہ بتانا تھا کہ حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ جیسا جلیل القدر انسان بھی حضرت حافظ مولانا نورالدین صاحبؓ کی توجہ اور دعاؤں کی وجہ سے ہی سلسلہ حقہ کے ساتھ منسلک ہوا۔ گو یہ علیحدہ بات ہے کہ وہ نور اور یقین جو حضرت امام الزمان کی صحبت سے پیدا ہوا وہ حضرت مولوی صاحب کی صحبت سے نہیں پیدا ہو سکا۔ حضرت مولوی صاحبؓ کے اثر کا پتہ اس امر سے بھی لگتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ کی بیعت حضرت مولوی صاحب کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر لی تھی۔ جس میں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ، حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ کے خاص طور پر زیر اثر ہیں اور انہی کی وساطت سے سلسلہ میں داخل ہو رہے ہیں۔

قرآن کریم پڑھنے کا طریق

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن میری غذا اور میری رُوح کی فرحت کا ذریعہ ہے اور باوجود اس کے کہ میں قرآن کریم کو دن میں کئی بار پڑھتا ہوں مگر میری رُوح کبھی سیر نہیں ہوتی۔ یہ شفا ہے، رحمت ہے، نور ہے، ہدایت ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب آپ سے کسی نے سوال کیا کہ قرآن کریم کیونکر آ سکتا ہے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ

"قرآن کریم سے بڑھ کر سہل اور آسان کتاب دنیا میں نہیں مگر اس کے لئے جو پڑھنے والا ہو۔ سب سے پہلے اور ضروری شرط قرآن کریم کے پڑھنے کے واسطے **تقویٰ** ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ متقی کو قرآن پڑھا دے گا۔ طالب علم کو معاش کی طرف سے فراغت اور فرصت چاہیئے۔ تقویٰ اختیار کرنے کی وجہ سے اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچتا ہے کہ کسی کو معلوم بھی نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ خود متکفل ہو جاتا ہے۔

پھر دوسری **شرط** قرآن کریم کے پڑھنے کے واسطے **مجاہدہ** ہے۔ یہ مجاہدہ خدا میں ہو کر کرنا چاہیئے۔ پھر مشکلات کا آسان ہو جانا اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔

پھر قرآن کریم کے پڑھنے کا ڈھنگ یہ ہے کہ ایک بار شروع سے لیکر آخر تک خود پڑھے اور ہر ایک آیت کو اپنے ہی لئے نازل ہوتا ہوا سمجھے۔ آدم و ابلیس کا ذکر آئے تو اپنے دل سے سوال کرے کہ میں آدم ہوں یا شیطان۔ اسی طرح قرآن کریم پڑھتے وقت جو مشکل مقامات آویں۔ ان کو نوٹ کرتے جاؤ۔ جب قرآن شریف

---
[1] الحکم جلد ۳ نمبر ۳۹ پرچہ ۳۱ اکتوبر ۱۸۹۹ء

ایک بار ختم ہو جائے تو پھر اپنی بیوی کو اور گھر والوں کو اپنے درس میں شامل کرو۔ اور ان کو سناؤ۔ اس مرتبہ جو مشکل مقام آئے تھے انشاء اللہ تعالےٰ ان کا ایک بڑا حصہ حل ہو جاوے گا اور جو اب کے بھی رہ جائیں ان کو پھر نوٹ کرو۔

اور تیسری مرتبہ اپنے دوستوں کو بھی شامل کرو اور پھر چوتھی مرتبہ غیروں کے سامنے سناؤ۔ اس مرتبہ انشاء اللہ سب مشکلات حل ہو جائیں گی۔

مشکل مقامات کے حل کے واسطے دعا سے کام لو۔[1]

آپ کے ذریعہ جسمانی فیض

یہ تو تھا روحانی فیض جو آپ کے ذریعہ مخلوق خدا کو پہنچتا رہتا تھا۔ اب سنیئے جسمانی فیض کی کہانی۔ قادیان دارالامان میں آپ نے ایک شفاخانہ اپنے صرف خاص سے کھول رکھا تھا جس میں ہر خاص و عام کو مفت دوا ملتی تھی جنوری ۱۹۰۸ء کے الحکم میں سابقہ سال کی رپورٹ بدیں الفاظ چھپی کہ

"روزانہ اوسط مریضوں کی ۲۰ سے لیکر ۵۰ تک رہی چنانچہ سال تمام میں جن لوگوں نے جسمانی فیض حاصل کیا ان کی تعداد قریباً بیس ہزار ہے۔"

ممکن ہے بعض قارئین کے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ اگر آپ دوا کی قیمت نہیں لیتے تھے تو پھر گذارہ کی کیا صورت تھی؟ اس کے جواب میں عرض ہے کہ جو متمول مریض اچھے ہو جایا کرتے تھے۔ وہ بعض اوقات کافی بڑی بڑی رقمیں بطور نذرانہ پیش کر دیا کرتے تھے اور ان ان مقامات اور افراد سے آپ کو منی آرڈر آیا کرتے تھے جہاں سے وہم وگمان بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ اور آپ کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ آپ کی تمام ضرورتوں کا خود ہی کفیل ہو جایا کرتا تھا چنانچہ حضرت شیخ محمد نصیب صاحب ؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں دفتر محاسب میں ہیڈ کلرک تھا۔ آپ میرے پاس کبھی کبھی کچھ رقم بھجوا دیا کرتے تھے جسے میں ایک تھیلی میں ڈال کر محفوظ کر لیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ آپ مسجد اقصیٰ میں درس دے کر واپس تشریف لا رہے تھے میں بھی پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ اور لوگ بھی تھے فرمایا۔ نورالدین کو جب بھی روپیہ کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کہیں نہ کہیں سے نورالدین کی ضرورت پوری کر ہی دیتا ہے مگر آج میں بہت پریشان ہوں۔ میں نے آگے بڑھ کر عرض کیا کہ حضور! میرے پاس

---

[1] الحکم جلد ۴ نمبر ۲۵ صفحہ ۵

جو حضور کی رقم محفوظ ہے۔ میں وہ لا دیتا ہوں۔ فرمایا وہ کیسے؟ میں نے عرض کیا کہ حضور کبھی کبھی مجھے جو رقم دیا کرتے ہیں وہ میں محفوظ کر لیتا ہوں۔ یہ کہکر میں اسی وقت گیا اور تھیلی لا کر پیش کر دی۔ حضور روپیہ لے کر بہت خوش ہوئے۔

یوم عرفہ اور حضرت اقدس کی دعا

یوم العرفات کو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب رضؓ کو ایک رقعہ کے ذریعہ اطلاع دی کہ میں آج کا دن اور رات کا کسی قدر حصہ اپنے اور اپنے دوستوں کے لیئے دعائیں گذارنا چاہتا ہوں۔ اس لیئے وہ دوست جو یہاں موجود ہیں۔ اپنا نام اور جائے سکونت لکھ کر میرے پاس بھیجدیں تاکہ دعا کرتے وقت مجھے یاد رہیں۔ اس پر حضرت مولوی صاحبؓ نے سب دوستوں کو بلا کر ایک مختصر سی تقریر کی جس میں حضرت کے ارشاد سے سب کو مطلع کیا اور ایک فرد بنا کر حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کر دی۔ چنانچہ حضرت اقدس نے اس دن اور رات کا بڑا حصہ دعاؤں میں گذارا۔ چونکہ اس روز احباب کثرت سے آ رہے تھے اور ہر ایک حضرت اقدس کی زیارت کا متمنی تھا اس وجہ سے دعا کرتے وقت حضور قلب اور رجوع تام میں فرق آتا تھا۔ لہٰذا حضرت اقدس نے مکرر اطلاع بھیجی کہ حضور کے پاس کوئی رقعہ وغیرہ بھی نہ بھیجے۔

حضرت مولوی صاحبؓ نے پھر دوستوں کو جمع کر کے حضور کے اس حکم سے اطلاع دی۔ پھر جب مغرب اور عشا کی نمازیں جمع ہوئیں تو اس وقت بھی حضور نے فرمایا کہ

> "چونکہ میں خدا تعالیٰ سے وعدہ کر چکا ہوں کہ آج کا دن اور رات کا حصہ دعاؤں میں گذاروں۔ اس لیئے میں جاتا ہوں تاکہ تخلف وعدہ نہ ہو"[1]

یہ فرما کر آپ تشریف لے گئے۔ اس وقت حضور کا تشریف لے جانا گویا موسیٰ علیہ السلام کا طور پر جانا نظر آتا تھا۔ بہر حال وہ دن اور رات آپ کی دعاؤں میں گذری۔

حضرت مسیح موعودؑ کے ایک تبلیغی خط پر حضرت مولوی صاحبؓ کی چند سطور

۷ شعبان ۱۳۱۷ھ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مولوی سلطان محمود احمد صاحب کے نام ایک مکتوب لکھا اور چونکہ مولوی صاحب موصوف کا تعلق حضرت

---

[1] الحکم جلد ۴ نمبر ۱۴ صفحہ ۲۔

خلیفۃ المسیح الاولؓ کے ساتھ بھی تھا اس لئے حضور نے حضرت مولوی صاحب کو بھی فرمایا کہ آپ بھی اس مکتوب پر چند سطور لکھ دیں چنانچہ آپ نے لکھا

" خاکسار نورالدین۔ بگرامی خدمت قاضی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ

گذارش پرداز سرور عالم فخر بنی آدم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لا یؤمن احدکم حتیٰ یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ۔ پس بامتثال امر خاتم النبیین رسول رب العالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام الیٰ یوم الدین۔ درد دل سے عرض ہے کہ جناب امام الزمان علیہ الرضوان کے ارشاد کو دنیا کی بے ثباتی پر نظر کر کے غور سے پڑھیں۔ اور بجائے اس کے کہ آپ گذشتہ بزرگان کی قبور پر توجہ فرماویں۔ زندہ امام کے انصار اللہ میں اپنے آپ کو منسلک کر دیں۔ سارے کمالات اور الٰہی رضامندی اطاعت میں ہے۔

اور بس۔ نورالدین ۷ر شعبان ۱۳۱۷ھ" [1]

الاعلام

حضرت مولوی صاحبؓ ہر وقت اسی فکر میں لگے رہتے تھے کہ آپ زیادہ سے زیادہ خدمات سلسلہ بجالا کر حضرت اقدس کے عظیم الشان کام میں ممد و معاون ہو جائیں چنانچہ عیدالاضحیہ کے بعد آپ نے چند احباب کے سامنے کچھ باتیں پیش کیں جنہیں بعد ازاں "الاعلام" کے عنوان سے "الحکم" میں شائع بھی کروا دیا۔ وھو ھذا۔

"الاعلام"

" میں عرصہ دراز سے بحضور حضرت امام حجۃ الاسلام سلمہ اللہ تعالیٰ سعادت افروز رہا اور اب بھی ہوں۔ ہمیشہ حضرت ممدوح کی محنتوں اور مشقتوں کو دیکھتا۔ تو مجھے جوش اٹھتے تھے کہ الٰہی! کوئی دینی خدمت مجھ سے بھی ہوتی اور خواہش تھی کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت سے توفیق عطا ہو۔ بحمد اللہ کہ یہ مراد اس طرح پوری ہوئی۔ کہ عیدالاضحیٰ کے بعد چند احباب کے حضور فقیر نے یہ امر پیش کیا کہ یہاں مقام قادیان حضور امام حجۃ الاسلام کے آستانہ مبارک میں چند ضرورتیں ہیں

اوّل۔ چند نو مسلم نوجوان موجود ہیں جن کے لباس اور تعلیم اور دوسری ضروریات کا کوئی انتظام نہیں۔

دوم۔ مؤلفۃ القلوب لوگ آتے ہیں اور ان کی آمد و رفت اور دوسری ضرورتوں کا سامان نہیں۔

---

[1] الحکم جلد ۴ پرچہ ۲۸ر جولائی ۱۹۰۰ء

سوئم۔ بعض نوجوان نیک چلن ہماری جماعت کے لڑکے اپنے سلسلہ کی تعلیم کو باینکہ وہ ہر طرح تعلیم کے قابل ہیں۔ صرف قلت مال و افلاس کے باعث قائم نہیں رکھ سکتے۔

چہارم۔ بعض شرفا اپنی رُوحانی تعلیم کے واسطے یہاں مقیم ہیں اور وہ ایسے ہیں کہ کوئی عمدہ ہنر اور حرفہ نہیں جانتے جس سے اپنی اور اپنے کنبہ کی خبر گیری کر سکیں

پنجم۔ بعض مسافر ایسے آجاتے ہیں جن کے پاس جانے کے لئے کرایہ نہیں ہوتا اور وہ اپنے شوق سیر کسی طرح یہاں پہنچ جاتے ہیں یا کسی صدمہ سے بے خرچ ہو جاتے ہیں۔ پھر واپسی کے وقت ان کو سوال کرنا پڑتا ہے یا حضرت امام حجۃ الاسلام کو رقعہ لکھتے ہیں اور تنگ کرتے ہیں۔

ششم۔ بعض نومسلم اور غربا جماعت کی شادی کا سامان یہاں کرنا پڑتا ہے اور اس کے لئے وقتاً فوقتاً چندہ کرنے میں مشکلات پیش آجاتی ہیں اور اس طرح بعض کو امراض میں ایسی ضرورتیں پیش آجاتی ہیں جن کے پورا کرنے کے لئے مالی امداد کی ضرورت پڑتی ہے۔

ہفتم۔ بعض ہمارے نوجوان ہیں جن کو کتابوں کی ضرورت پڑتی ہے اور میرے کتبخانے میں حد سے حد دو دو تین تین نسخے ہوئے اور وہ ان کو کافی نہیں ہوتے۔

ہشتم۔ بعض یتیم لڑکے اور لڑکیاں حضور کے دولت سرائے میں ہیں۔ ان کی تعلیم اور شادی اور ضرورتوں کا خیال ہے۔

نہم۔ جن نومسلموں اور شرفا کا ارادہ ہے کہ یہاں حضور امام صادق کے قدموں میں دینی زندگی بسر کریں، ان کے لئے رہنے کو مکان نہیں اور ہمارے مکان اور حضرت جی کے تمام مکانات پُر ہیں۔ توسیع مکانات کی ضرورت ہے۔

دہم۔ ہماری جماعت کے واعظ بالکل قلیل ہیں اور باینکہ ہماری جماعت کو ضرورتیں ہیں۔ قلت کے باعث اور اس لئے بھی کہ واعظ جو اپنی جماعت کے متعلق وعظ کر سکیں، بہت کم ہیں، ایسے واعظ بنانا ضروری ہے جو بحث طلب مسائل اور امور متنازعہ فیہا پر بحث کر سکیں۔

ان ضرورتوں کے متعلق میں نے اپنے احباب کو جب کچھ سُنایا تو حکیم فضل الدین

نورالدین خلیفہ۔ میر ناصر نواب۔ منشی رستم علی۔ راجہ عبداللہ خاں۔ برادر عبدالرحیم حافظ احمداللہ خاں۔ وزیر خاں نے پسند فرمایا۔ اس لئے گذارش ہے کہ جو احباب اس خیال کو پسند فرماویں۔ وہ اپنی پسندیدگی کا اظہار فرماویں اور بحکم تعاونوا علی البر والتقویٰ ہمارا ساتھ دیں۔ حضرت امام حجۃ الاسلام نے بھی اجازت دے دی ہے اور آمد و خرچ کے رجسٹر مجلس شوریٰ ہائے میں دکھلائے جائیں گے اور قرآن شریف۔ نقد۔ کرتہ۔ پاجامہ۔ عمامہ۔ ٹوپی وغیرہ جو کچھ کسی سے میسر ہو، ہر ایک فرستندہ کو بھیجنے کا اختیار ہے۔ والسلام۔

المعلن نورالدین بھیروی از قادیان" [1]

حضرت مولوی صاحبؓ کے اس اشتہار سے ظاہر ہے کہ آپ کس طرح جماعت کے مختلف طبقات، نومسلموں، مولفۃ القلوب، طالب علموں، مسافروں، یتیموں اور جماعت کے واعظوں کی ضروریات کو پورا کر کے حضرت اقدس کے بوجھ کو ہلکا کرنے کی کوشش میں مصروف رہتے تھے۔

پیر مہر علیشاہ صاحب گولڑوی سے خط و کتابت

جناب پیر مہر علیشاہ صاحب گولڑوی ابتداءً حضرت اقدس سے ایک گونہ مخلصانہ تعلق رکھتے تھے اور برملا طور پر حضور کی نسبت اچھے خیالات کا اظہار کیا کرتے تھے۔ لیکن کچھ عرصہ بعد وہ بھی مخالفین کے گروہ میں شامل ہو گئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ایک کتاب "شمس الہدایہ" تالیف کی۔ اس کتاب میں چونکہ بعض ایسی کتابوں کے حوالے بھی درج کئے تھے جو اس ملک میں ملتی ہی نہیں تھیں۔ اس لئے حضرت مولوی صاحب نے بذریعہ چٹھی جناب پیر صاحب موصوف سے دریافت فرمایا۔ کہ

۱۔ جناب نے تفسیر ابن جریر کو دیکھا ہے یا نہیں؟ جناب کے پاس ہے یا نہیں؟ کہاں سے یہ تفسیر صرف دیکھنے کے لئے مل سکتی ہے؟ [2]

اس چٹھی کے جواب میں جناب پیر صاحب نے لکھا کہ کتاب کی تالیف وغیرہ کا کام غازی صاحب کے ذمہ رہا ہے لیکن جب لوگوں نے آپ کو پکڑا۔ اور پردہ اُٹھتا نظر آیا تو آپ نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ کتاب خود میں نے ہی لکھی ہے۔ چنانچہ ذیل میں ناظرین کے تفنن طبع کے لئے حضرت مولوی صاحب کا خط اور

---

[1] الحکم جلد ۴ نمبر ۱۱ صفحہ ۷۔ [2] الحکم جلد ۴ نمبر ۱۵ صفحہ ۷۔

جناب پیر صاحب کا جواب دونوں درج کئے جاتے ہیں

حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ کا خط

"مولانا السید المکرم المعظم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

اول فتح محمد نام آپ کے مرید سے پھر مولوی غلام محی الدین ساکن دہمن۔ مولوی محمد علی ساکن روال، حکیم اللہ دین شیخوپورہ، حکیم شاہنواز کے باعث مجھے جناب سے بہت ہی بڑا حسن ظن ہوا۔ اور میں بایں خیال کہ جناب کو اشغال وارشاد میں فرصت کہاں کہ میرے جیسے آدمیوں کے خطوط کا جواب ملیگا۔ ارسال عرائض سے متامل رہا۔ جناب کے دو کارڈ مجھے ملے اور ان میں مزاجی کے حسن ظنی کا تذکرہ تھا، اور بھی فرحت وسرور ملا۔ قریب تھا کہ میں حاضر ہوتا۔ اس اثنا میں ایک کتاب "شمس الھدایہ" نام مجھے آج رات دیکھنے کا اتفاق ہوا صفحہ ۸۴ تک رات کو پڑھی جناب نے اس میں بڑا تنزل اختیار کیا۔ کہ بالکل مولویوں اور منطقیوں کے رنگ میں جلوہ افروز ہوئے اور صوفیوں کے مشرب سے ذرہ جھلک نہ دی، سبحان اللہ! میں نے بارہا سُنا کہ جناب "فتوحات مکیہ" کے غواص ہیں۔ اور کتاب صفحہ ۸۴ تک صرف ایک جگہ شیخ اکبر کا ذکر، وہ بھی لاالٰہ الا اللہ کی توجیہ ناپسندیدہ پر آیا۔ کتاب کو دیکھ کر مجھے اس تحریر کی جرأت ہوئی کہ جب جناب تصنیف کا وقت نکال سکتے ہیں تو جواب خط کوئی بڑی بات نہیں۔ فاحسن کما احسن اللہ الیک۔

میری مختصر گذارش کا صرف مختصر جواب کافی ہوگا۔

اول جناب نے صفحہ ۸ میں فرمایا

تفاسیر معتبرہ سے مثل ابن جریر وابن کثیر۔ آہ اس پر

(۱)۔ عرض ہے جناب نے تفسیر ابن جریر کو دیکھا ہے یا نہیں۔ کہاں سے یہ تفسیر صرف دیکھنے کے لئے مل سکتی ہے؟

(۲) مثل ابن جریر سے کم سے کم پانچ چھ تفسیروں کے نام ارشاد ہوں۔

(۳) کلی طبعی جناب کے نزدیک موجود فی الخارج ہے یا نہیں؟ اور تشخص متشخص عین ہے یا غیر

(۴) تجدد امثال کا مسئلہ جناب کے نزدیک صحیح ہے یا غلط؟

(۵) زید و عمرو یا نورالدین راقم خاکسار غرض یہ جزئیات انسانیہ صرف اسی محسوس مبصر جسم عنصری خاکی مائی کا محدود نام ہے یا وہ کوئی اور چیز ہے جس کے لئے یہ موجودۃ الآن جسم بطور لباس کے ہے یا اسی معنی پر۔

(۶) انبیاء و رسل صلوات اللہ علیہم وسلامہ ائمہ و عترۃ۔ اولیاء کرام۔ صحابہ عظام۔ انواع و اقسام ذنوب و خطایا سے محفوظ و معصوم نہیں یا ہیں؟
بصورت اولیٰ ان پر اعتماد کا معیار کیا ہوگا اور بصورت ثانیہ کوئی قوی دلیل مطلوب ہے مگر ہو مختصر کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ سے۔

(۷) الہام و کشف رویا صالحہ کیا چیز ہیں اور ان سے ہم فائدہ اُٹھا سکتے ہیں یا نہیں؟

(۸) ایک جگہ جناب نے تاریخ کبیر بخاری کا حوالہ دیا ہے۔ کیا وہ جناب کے کتبخانہ میں ہے یا نہیں؟

(۹) بعض احادیث کی تخریج نہیں فرمائی۔ اس کو کس جگہ دیکھا جاوے؟
میرا مطلب یہ ہے کہ جناب نے ان احادیث کو کہاں کہاں سے لیا ہے جس کا ذکر کتاب میں فرمایا ہے۔

(۱۰) عقل۔ قانون قدرت۔ فطرت۔ کس حد تک مفید ہیں یا یہ چیزیں شریعۃ کے سامنے اس قابل نہیں کہ اُن کا نام لیا جاوے۔ تعارض عقل و نقل۔ تعارض اقوال شریعت و سنت اللہ بمقابلہ فطرۃ و شرع کے وقت کونسی راہ اختیار کی جاوے۔ مختصر جواب بدوں دلائل کافی ہوگا۔

(۱۱) تفسیر بالرائے اور متشابہات کے کیا معنے ہیں۔ کوئی ایسی تفسیر جناب کے خیال میں ہے کہ وہ تفسیر بالرائے سے پاک ہو اور متشابہات کو ہم کس طرح پہچان سکتے ہیں؟

نورالدین

مورخہ ۱۸ فروری سنہ ۱۹۰۰ء از قادیان

جناب پیر مہر علیشاہ صاحب کا جواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مولانا المعظم المکرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ

امابعد۔ مولوی محمد غازی صاحب کتب حدیث و تفسیر اپنی معرفت سے پیدا کر کے ملاحظہ فرماتے رہے ہیں۔ مولوی صاحب موصوف آجکل دولت خانہ کو تشریف لے گئے ہیں مولوی غلام محی الدین اور حکیم شاہ نواز وغیرہ احباب نے میری نسبت اپنے حسن ظن کے مطابق آپ کے سامنے بیان کیا ہوگا۔ ورنہ من آنم کہ من دانم مولوی صاحب نے اپنی سعی اور اہتمام سے کتاب شمس الہدایت کو مطبوع اور تالیف فرمایا۔ ہاں احیاناً اس بے ہیچ سے بھی اتفاق استفسار بعض مضامین ہوا جس وقت مولوی صاحب واپس آئیں گے کیفیت کتب مسئولہ اور جواب سرافراز نامہ اگر اجازت ہوئی تو لکھیں گے۔ اللہ تعالےٰ جانبین کو صراط مستقیم پہ ثابت رکھے۔ زیادہ سلام۔

نیاز مند علماء و فقراء مہر شاہ۔ ۲۶ شوال ۱۳۱۷ھ[1]

اب ناظرین اندازہ لگائیں موجودہ زمانہ کے گدی نشینوں کی حالت کا اور سوچیں کہ یہ لوگ کہانتک دوسروں کو خدا تک پہنچا سکتے ہیں۔ آخر جب مولوی غازی صاحب آ گئے تو انہوں نے مطلوبہ کتابوں کو تو کیا دکھلانا تھا۔ پیر صاحب کی طرف سے یہ لکھ دیا کہ ہم نے کتاب "شمس الہدایہ" میں ان کتابوں کی تخصیص ہرگز نہ کی تھی ان کے مثل کہہ کر تعمیم کر دی تھی۔ فاناللہ وانا الیہ راجعون۔ مریدوں نے جب استفسارات کیے۔ تو انہیں عجیب وغریب توجیہات سے خاموش کراتے رہے۔

قلمی مجاہدات

پیچھے گذر چکا ہے کہ حضرت مولوی صاحب نے جب پہلی مرتبہ حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضرت! اس سلسلہ میں مجھے کوئی مجاہدہ بتلائیے تو حضور نے فرمایا عیسائیت کے رد میں کوئی کتاب لکھیں اس پر آپ نے کتاب "فصل الخطاب لمقدمۃ اہل الکتاب" دو جلدوں میں لکھی۔ اس کے ایک عرصہ بعد پھر آپ نے حضرت اقدس سے ایسا ہی سوال کیا تو حضور نے فرمایا۔ آریوں کے رد میں کوئی کتاب لکھیں تب آپ نے "تصدیق براہین احمدیہ" لکھی۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ان دونوں مجاہدوں سے مجھے بڑے بڑے فائدے ہوئے۔

حضرت اقدس کا قادیان سے ہجرت کرنے کا ارادہ اور آپ کی فدائیت

سنہ ۱۹۰۰ء میں جب حضرت اقدس کی مخالفت بہت شدت اختیار کر گئی اور مہاجرین کو جو محض دین کی خاطر قادیان دارالامان میں دھونی رما کے بیٹھے تھے

[1] الحکم جلد ۴ نمبر ۱۱ صفحہ ۷

مخالفین خصوصاً مرزا امام الدین اور مرزا نظام الدین صاحبان کی طرف سے بہت دُکھ دیا جانے لگا۔ حتیٰ کہ انہوں نے ۷ر جنوری ۱۹۰۰ء کو مسجد مبارک کے سامنے ایک دیوار بھی کھڑی کر دی تا نمازی مسجد مبارک میں نماز کیلئے نہ آسکیں۔ تو حضرت اقدس نے احباب جماعت کو جمع کر کے مشورہ کیا کہ ایسے حالات میں جبکہ ہمارا یہاں رہنا مشکل ہو گیا ہے اور الہام "داغ ہجرت" بھی ہو چکا ہے ہمیں کسی اور مقام پر ہجرت کر کے چلے جانا چاہیئے۔ حضور کے اس ارادے کو دیکھ کر مختلف احباب نے اپنے اپنے مقام پر چلنے کی پیشکش کی حضرت مولوی صاحبؓ نے عرض کی کہ حضور بھیرہ تشریف لے چلیں۔ وہاں میرے مکانات حاضر ہیں اور انشاء اللہ کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوگی۔

حضرت اقدس کی اطاعت کا نمونہ گذشتہ صفحات میں احباب متعدد مرتبہ یہ امر ملاحظہ فرما چکے ہوں گے کہ حضرت مولوی صاحبؓ حضرت اقدس کی اس حد تک اطاعت کیا کرتے تھے کہ حضور کے احکام تو الگ رہے حضور کے اشاروں پر عمل کرنا جزو ایمان سمجھتے تھے۔ چنانچہ جن ایام میں حضور "اعجاز المسیح" اور بعض دیگر کتب کی تصنیف میں مصروف تھے۔ ان ایام میں کئی ماہ تک ظہر و عصر کی نمازیں جمع ہوتی رہیں۔ جب جمع صلوٰۃ کے عمل پر دو ماہ کا عرصہ گذر چکا تو مولوی محمد احسن صاحب امروہی نے جو ہماری جماعت کے ایک مشہور عالم تھے حضرت مولوی نورالدین صاحب کی خدمت میں لکھا کہ بہت دن نمازیں جمع کرتے گذر گئے ہیں لوگ اعتراض کریں گے تو ہم کیا جواب دیں گے حضرت مولوی صاحب نے جواب دیا کہ حضور ہی سے پوچھئے میں تو ایسی جرأت نہیں کر سکتا۔ حضرت منشی ظفر احمد صاحب کو جب اس امر کا علم ہوا تو انہوں نے حضرت اقدس کی خدمت میں اس کا ذکر کر دیا۔ اس وقت تو حضور خاموش رہے لیکن اسی روز مغرب کی نماز کے بعد حضور نے خفگی کے عالم میں جمع صلوٰۃ کے نشان پر ایک پُرجوش تقریر فرمائی۔ جس کے دوران میں فرمایا کہ

> "تم بہت سے نشانات دیکھ چکے ہو اور حروف تہجی کے طور پر اگر ایک نقشہ تیار کیا جاوے تو کوئی حرف باقی نہیں رہیگا اس میں کوئی نشان نہ آویں۔ تریاق القلوب میں بہت سے نشان جمع کئے گئے ہیں اور تم نے اپنی آنکھوں سے پورے ہوتے دیکھے اب وقت ہے کہ تمہارے ایمان مضبوط ہوں اور کوئی زلزلہ اور آندھی تمہیں ہلا نہ سکے۔ بعض تم میں سے ایسے بھی صادق ہیں کہ انہوں نے کسی نشان کی اپنے لئے

ضرورت نہیں سمجھی۔ گو خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان کو سینکڑوں نشان دکھا دیئے لیکن اگر ایک بھی نشان نہ ہوتا تب بھی وہ مجھے صادق یقین کرتے اور میرے ساتھ رہتے چنانچہ مولوی نورالدین صاحب کسی نشان کے طالب نہیں ہوئے۔ انہوں نے سنتے ہی آمنّا کہہ دیا اور فاروقی ہو کر صدیقی عمل کر لیا۔ لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر شام کی طرف گئے ہوئے تھے واپس آئے تو راستہ میں ہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت کی خبر پہنچی۔ وہیں انہوں نے تسلیم کر لیا" [۱]

حضرت مولوی صاحب تو عقیدت اور ارادت کے پتلے تھے ہی۔ حضور کی اس پُر معارف تقریر نے آپ کے ایمان اور عرفان کو اور بھی جلا دی چنانچہ آپ جذبہ محبت و عقیدت سے سرشار ہو کر اُٹھے اور نہایت پُر خلوص انداز میں عرض کی کہ حضرت عمرؓ نے بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور رضیت باللہ ربّاً و بمحمدٍ نبیّاً کہہ کر اقرار کیا تھا۔ اب میں اس وقت صادق امام مسیح موعود اور مہدی معہود کے حضور وہی اقرار کرتا ہوں کہ مجھے کبھی ذرا بھی شک اور وہم حضور کے متعلق نہیں گذرا۔ یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ بہت سے اسباب ایسے ہیں جن کا ہمیں علم نہیں۔ میں آپ کے حضور اقرار کرتا ہوں۔ رضیت باللہ ربّاً و بک مسیحًا و مھدیًا۔

حضرت مولوی صاحب کی اس مخلصانہ عرضداشت کو سُنکر حضرت اقدس نے بھی اپنی تقریر ختم فرما دی۔ مولوی محمد احسن صاحب امروہی جنہوں نے یہ سوال اُٹھایا تھا۔ ان کے متعلق لکھا ہے کہ وہ زار و قطار رو رہے تھے اور توبہ کر رہے تھے۔ [۲]

اس سارے بیان سے مجھے صرف یہ دکھانا ہے کہ حضرت مولوی صاحبؓ حضرت اقدسؑ کے کے ادب واحترام کے لحاظ سے کس مقام پر تھے۔

اسی قسم کا ایک اور واقعہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے حضرت مولوی صاحبؓ کی طرف منسوب کر کے یُوں لکھا ہے۔

"ایک دفعہ حضرت مسیح موعودؑ کسی سفر میں تھے۔ اسٹیشن پر پہنچے تو ابھی گاڑی آنے میں دیر تھی۔ آپ بیوی صاحبہ کے ساتھ پلیٹ فارم پر ٹہلنے لگ گئے۔ یہ دیکھ کر مولوی

---

[۱] الحکم پرچہ ۲۴ر نومبر ۱۹۰۲ء۔ [۲] اصحاب احمد جلد چہارم صفحہ ۱۳۲۔

عبدالکریم صاحب جن کی طبیعت غیور اور جوشیلی تھی، میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ بہت لوگ اور پھر غیر لوگ ادھر ادھر پھرتے ہیں۔ آپ حضرت صاحب سے عرض کریں کہ بیوی صاحبہ کو کہیں الگ بٹھا دیا جائے۔ مولوی صاحب فرماتے تھے کہ میں نے کہا۔ میں تو نہیں کہتا۔ آپ کہہ کر دیکھ لیں۔ ناچار مولوی عبدالکریم صاحب خود حضرت صاحب کے پاس گئے اور کہا کہ حضور! لوگ بہت ہیں۔ بیوی صاحبہ کو الگ ایک جگہ بٹھا دیں۔ حضرت صاحب نے فرمایا۔ جاؤ جی۔ میں ایسے پردے کا قائل نہیں ہوں۔ مولوی صاحب فرماتے تھے کہ اس کے بعد مولوی عبدالکریم صاحب سر نیچے ڈالے میری طرف آئے۔ میں نے کہا مولوی صاحب! جواب لے آئے۔" [1]

خاکسار نے بعض صحابہ سے یوں بھی سُنا ہے کہ حضرت مولانا عبدالکریم صاحب کو حضرت اقدس نے یہ بھی فرمایا تھا کہ مولوی صاحب! آخر لوگ کیا کہیں گے۔ یہی کہیں گے نا کہ مرزا صاحب اپنی بیوی کے ساتھ ٹہل رہے ہیں۔ اس میں کونسی حرج کی بات ہے؟

حضرت مولوی صاحبؓ اور حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ کی طبائع میں فرق

حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ کا ذکر چل پڑا ہے۔ استاذی المکرم حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب فاضل حلالپوریؓ جو ہمارے سلسلہ کے ایک جید عالم تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مولوی صاحب اور حضرت مولوی عبدالکریم صاحب اپنے اپنے رنگ میں اخلاص اور محبت کے پُتلے تھے لیکن دونوں کی طبائع میں نمایاں فرق تھا۔ حضرت مولوی حکیم صاحبؓ جب مسجد میں تشریف لایا کرتے تھے تو حضور کی مجلس میں سب سے آخر خاموشی کے ساتھ بیٹھ جایا کرتے تھے اور جو کچھ حضور ارشاد فرماتے، اسے بغور سُنا کرتے تھے۔ آپ نے کبھی کوئی سوال نہیں کیا بلکہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ خدا تعالیٰ کے مقدس لوگ جو کچھ فرمائیں، اسے توجہ سے سُننا چاہیئے لیکن حضرت مولانا عبدالکریم صاحب [2] ہمیشہ حضرت اقدس کے ساتھ بیٹھا کرتے تھے اور سوالات کرنے سے کبھی ہچکچاتے نہیں تھے۔ بلکہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ خدا تعالیٰ کے مامور دنیا میں روز روز نہیں آتے۔ صدیوں بعد خوش قسمت لوگوں کو ان کی زیارت نصیب ہوتی ہے۔ اس لئے جو سوالات ذہن میں آئیں وہ پیش کر کے دنیا کی روحانی تشنگی کو بجھانے کا سامان پیدا کر لینا چاہیئے بلکہ اپنے مخصوص انداز میں یوں فرمایا کرتے تھے کہ "یہ لوگ خدا تعالیٰ کے باجے ہوتے ہیں جتنا اُن کو بجا لیا جائے اتنا ہی اچھا ہے۔"

---

[1] سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۶۳۔ [2] خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نے ۱۹۰۶ء میں بیعت کی تھی۔ اس لئے یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ آپ نے خود ان مجالس کو دیکھا ہو جن میں یہ دونوں بزرگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دربار میں بیٹھا کرتے تھے۔ البتہ اس زمانہ میں چونکہ ان کو دیکھنے والے ہزاروں اصحاب موجود تھے۔ اس لئے ان سے حالات معلوم کر کے بیان کرتے ہوں گے۔ (مؤلف)

اللہ! اللہ! خدا تعالیٰ کے مامور کو کیسے کیسے عشاق ملے تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ حضور ایک گلستان میں رہتے تھے جس کا ہر پھول اپنے اپنے رنگ میں دلکش اور دلنواز تھا۔ کسی شاعر نے کیا سچ کہا ہے ؎

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

یہ مصرعہ حضرت اقدس کے اصحاب پر خوب چسپاں ہوتا ہے۔

بغرض شہادت روانگی سیالکوٹ ۱۳ فروری ۱۹۰۱ء

حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ مورخہ ۱۳ فروری ۱۹۰۱ء کو "انوار الاسلام" سیالکوٹ کے مقدمہ میں بغرض شہادت سیالکوٹ تشریف لے گئے اور چند یوم کے بعد واپس دارالامان تشریف لے آئے۔[1]

راستہ میں لاہور کے احباب کے سخت اصرار اور گذارشات پر ایک یوم کے لئے لاہور میں قیام فرمایا۔ اور کئی ہزار انسانوں کے مجمع میں قرآن کریم کے حقائق و معارف اور ہستی باریتعالیٰ کے موضوع پر مشتمل ایک موثر اور مدلل عظیم الشان تقریر فرمائی۔

محترم جناب سید سردار احمد شاہ صاحب سکنہ شاہ مسکین ضلع شیخوپورہ کا بیان ہے جو غالباً اسی تقریر کے ساتھ تعلق رکھتا ہے کہ

"حضرت مولانا حکیم نورالدین صاحبؓ ایک دفعہ لاہور تشریف لائے۔ چونہ منڈی میں بہ بنگلہ ایوب خاں میں آپ کی ہستی باری تعالیٰ کے مضمون پر تقریر تھی۔ ایک شخص جلال الدین کلرک ریلوے کو بھی جو کہ نہایت درجہ دہریہ تھا۔ میں ساتھ لے گیا۔ لیکچر رات ڈیڑھ بجے ختم ہوا۔ اور ہم اپنے گھروں میں واپس آ گئے۔ دوسرے دن جب ہم لوگ دفاتر سے واپس آئے تو جلال الدین مذکور نے کہا کہ میں نے اپنے خیال سے توبہ کر لی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ہستی پر میرا یقین واثق ہو گیا ہے۔ دنیا میں کوئی شخص حضرت مولوی نورالدین صاحب کے دلائل کو توڑ نہیں سکتا۔

سیدہ امۃ الحی کی پیدائش

۱۹۰۱ء میں آپ کے ہاں سیدہ امۃ الحی کی پیدائش ہوئی۔ یہ وہی لڑکی ہے جس کی شادی بعد ازاں حضرت المصلح الموعود خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے ہوئی۔

انجمن اشاعت اسلام کا قیام ۳۱ مارچ ۱۹۰۱ء

۳۱ مارچ ۱۹۰۱ء کو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے سلسلہ کی تعلیمات سے مغربی ممالک خصوصاً یورپ اور امریکہ کو آگاہ کرنے کے لئے ایک انگریزی رسالہ کے اجراء کی بنیاد رکھی اور اس کے

[1] الحکم ۲۱ فروری ۱۹۰۱ء

لئے چندہ کی فراہمی اور نظم و نسق کو چلانے کے لئے ایک انجمن بنائی گئی جس کا نام "انجمن اشاعت اسلام" رکھا گیا۔ اور اس کے سرپرست حضرت اقدس علیہ السلام اور پریذیڈنٹ حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، وائس پریذیڈنٹ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب ؓ، سکرٹری خواجہ کمال الدین صاحب اور اسسٹنٹ سکرٹری مولوی محمد علی صاحب قرار پائے اور دوسرے روز یعنی یکم اپریل ۱۹۰۱ء کو جب اس انجمن کا اجلاس ہوا۔ تو رسالہ کا نام "ریویو آف ریلیجنز" تجویز ہوا۔ رسالہ مذکور کو کامیابی کے ساتھ چلانے کے لئے انجمن کا ابتدائی سرمایہ دس ہزار روپیہ قرار پایا جس کی فراہمی کے لئے ہزار حصے مقرر کئے گئے اور ہر حصہ دس روپے کا تجویز ہوا۔ انجمن کی بنیاد کے دو ہفتہ کے اندر اندر اس کے ۵۰۷ حصص فروخت ہو گئے۔ حضرت مولوی صاحب ؓ نے ایک سو ساٹھ (۱۶۰) حصص خریدے جو سب سے زیادہ تھے۔

حضرت اقدس ؑ کے ساتھ گورداسپور تشریف لے جانا

پیچھے ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت اقدس ؑ کے چچازاد بھائیوں مرزا امام الدین صاحب اور مرزا نظام الدین صاحب نے جماعت احمدیہ پر عرصہ حیات تنگ کرنے کے لئے مسجد مبارک کے آگے ایک دیوار کھچوا دی تھی تا احمدی احباب نماز کے لئے مسجد میں نہ جا سکیں۔ ان کو اس اقدام سے باز رکھنے کے لئے حضرت اقدس نے ہر رنگ میں کوشش کی مگر جب وہ کسی طرح بھی باز نہ آئے تو مجبوراً حضرت اقدس کو ان کے خلاف عدالت میں چارہ جوئی کرنا پڑی اس مقدمہ میں فریق ثانی کی درخواست پر حضرت اقدس بغرض شہادت مورخہ ۱۵ جنوری ۱۹۰۱ء کو گورداسپور تشریف لے گئے اور حضرت مولوی صاحب کو بھی ساتھ چلنے کے لئے ارشاد فرمایا۔ [1]

الدار میں قیام

مارچ اور اپریل ۱۹۰۲ء میں جب پنجاب میں طاعون کا زور ہوا۔ تو حضرت اقدس کو طاعون سے محفوظ رہنے کے لئے منجملہ اور الہامات کے ایک الہام یہ بھی ہوا کہ انی احافظ کل من فی الدار کہ جو لوگ تیرے گھر کی چار دیواری کے اندر ہوں گے میں ان کی حفاظت کروں گا۔ اور گو مراد اس سے یہی تھا کہ جو لوگ صدق دل سے سلسلہ کی تعلیمات کو مشعل راہ بنائیں گے وہ طاعون سے محفوظ رکھے جائیں گے۔ لیکن حضور نے ظاہر پر عمل کرنے کے لئے بعض خاص احباب کو اپنے گھر میں بھی جگہ دیدی جن میں حضرت خلیفۃ المسیح الاول ؓ کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

ایک ہندو کو مسلمان بنانے کیلئے اسلام کی تلقین

اوائل جون ۱۹۰۲ء میں ایک ہندو نوجوان نے اسلام قبول کیا۔ حضرت مسیح موعود

[1] الحکم ۱۷ جولائی ۱۹۰۱ء۔

علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت مولوی صاحب کو ارشاد فرمایا کہ مولوی صاحب! آپ اسے اسلام کی تلقین کریں۔ آپ نے جن الفاظ میں اسے اسلام کی تعلیم سے آگاہ فرمایا۔ وہ یہ تھے :-

"اسلام کیا چیز ہے؟ تین باتوں کا نام ہے۔ اوّل جس نے پیدا کیا اور جس کے قبضہ قدرت میں سب کچھ ہے اس کو ایک مانا جاوے۔ اس کے سوا نہ کسی کو سجدہ کیا جاوے، نہ اس کے نام کے سوا کسی کا روزہ رکھا جاوے اور نہ اس کے نام کے سوا کسی جانور کو ذبح کیا جاوے کیونکہ جانوں کا مالک وہی ہے اور نہ اس کے سوا کسی کا طواف کیا جاوے اور کوئی خوف اور امید اس کے سوا کسی کا نہ کیا جاوے یہ تو لا الٰہ الا اللہ کے معنی ہیں۔ سارے دکھ، سارے سکھ، سارے آرام اور ضرورتوں کا پورا کرنا اس کے اختیار میں ہے۔ اس کے حضور عرض کرنا چاہیئے۔ ان باتوں کو سچے دل سے مان لیں تو اس کا نام اسلام ہے۔ اس کے لئے کسی ظاہری رسم اور اصطباغ کی ضرورت نہیں۔

دوسرا زینہ یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالےٰ کا نبی مانا جاوے۔ وہ اس لئے دنیا میں بھیجے گئے تھے کہ خدا تعالےٰ ہی کی عظمت اور تعریف اور اُستتی کریں اور لوگوں کو بھی سکھائیں۔ اسی لئے دوسرا جزو اسلام کا محمّد رسُول اللہ ہے۔ رسُول کے معنی ہیں خدا کا بھیجا ہوا۔

تیسری بات اسلام کی یہ ہے کہ سب مخلوق کو سُکھ پہنچانے کی کوشش کریں یہ تو منہ سے کہنے اور ماننے کی باتیں ہیں۔ اور پھر یہ بھی ماننا چاہیئے کہ خدا کے فرشتے حق ہیں۔ نبیوں اور کتابوں پر ایمان لائے اور اس بات پر بھی کہ جو کریں گے اس کا بدلہ پائیں گے اس کو جزا سزا کہتے ہیں۔ ان باتوں کے ماننے کے بعد ضروری ہے کہ مسلمان نماز پڑھے اور روزہ کے دن ہوں تو روزہ رکھے۔ جب ۵۲ روپے ہوں تو چالیسواں حصہ زکوٰۃ کے طور پر غریبوں اور مسکینوں کی مدد کے لئے دے پھر اور طاقت ہو تو مکہ معظمہ جا کر خدا کی بندگی کرے۔ اصل اسلام دل سے مان لینے کا نام ہے۔ جو سچے دل سے مان لیگا اور عمل بھی اس کے مطابق کرے گا وہ

مسلمان ہے۔ پس تم دل سے لا الٰہ الّا اللہ محمد رسول اللہ کو مان لو۔ اس کے لئے نہ کسی رسم کی ضرورت ہے اور نہ کچھ اور۔ البتہ نہا لینا چاہیئے اس لئے کہ دعا مانگو کہ اے اللہ! اوپر سے تو ہم جسم کو دھوتے ہیں۔ اندر سے تو دھو دے۔ اور کپڑے بدل لے اس لئے کہ اب سُستی نہیں کروں گا۔"

اس کے بعد اس کا نام حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تجویز کے مطابق "عبد اللہ" رکھا گیا۔[1]

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا خطبہ نکاح۔ ۱۲ ستمبر ۱۹۰۲ء

"قمر الانبیاء" حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے (ناظر خدمت درویشان قادیان و صدر نگران بورڈ) جن کی شادی حضرت مولوی غلام حسن خاں صاحب پشاوری کی صاحبزادی حضرت سرور سلطانہ صاحبہ سے قرار پائی تھی اور مہر ایک ہزار روپیہ مقرر ہوا تھا۔ کا خطبہ نکاح حضرت مولوی صاحب نے مورخہ ۱۲ ستمبر ۱۹۰۲ء کو پڑھا۔

حضرت مولوی غلام حسن صاحب ایک عالم آدمی تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کو صدر انجمن کا ممبر بھی مقرر فرمایا تھا لیکن ابتدائے خلافت ثانیہ میں آپ "انجمن اشاعت اسلام" لاہور کے ممبر بن گئے تھے۔ مگر کافی عرصہ غور و فکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہدایت دی اور قادیان تشریف لے جا کر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

مجھے یاد ہے آپ قمر الانبیاء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی بیٹھک میں قیام فرما تھے۔ حضرت صاحبزادہ صاحب نے اس خاکسار کو بلوا کر فرمایا کہ تم خاں صاحب کے پاس بیٹھا کرو اور انہیں وصیت کرنے کی تحریک کیا کرو۔ ساتھ ہی فرمایا۔ انہیں بتانے کی ضرورت نہیں۔ اگر انہوں نے وصیت کر دی تو ان کی طرف سے زر وصیت انشاء اللہ میں خود ادا کر دوں گا۔ چنانچہ خاکسار نے اس حکم کی تعمیل کی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت خانصاحب کو وصیت کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ خاکسار کے سامنے آپ نے فارم پُر کیا اور جہاں تک مجھے یاد ہے آپ کی وصیت کے فارم پر پہلے حضرت صاحبزادہ صاحب نے بطور گواہ دستخط کئے اور پھر اس خاکسار نے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کا خطبہ نکاح۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز) جن کی شادی حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب

---

[1] الحکم۔ ۱۷ جون ۱۹۰۲ء۔ یہ وہی عبد اللہ ہیں جو بعد میں ڈاکٹر عبد اللہ صاحب کے نام سے مشہور ہوئے اور قادیان میں ایک لمبے عرصہ تک نور ہسپتال میں کام کرتے رہے۔

کی صاحبزادی حضرت محمودہ بیگم صاحبہ سے قرار پائی تھی اور مہر ایک ہزار روپیہ مقرر ہوا تھا۔ کا خطبہ نکاح حضرت مولوی صاحبؓ نے ابتدائے اکتوبر ۱۹۰۲ء میں رڑکی (یوپی) جا کر پڑھا۔ جہاں حضرت ڈاکٹر صاحب بسلسلہ ملازمت مقیم تھے۔

حضرت ڈاکٹر صاحبؓ موصوف ایک فرشتہ خصلت انسان تھے اور خاکسار راقم الحروف کے ساتھ بہت ہی نرمی اور تلطف سے پیش آیا کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے جب اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے مجھے اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اس وقت میری عمر اندازاً ۱۵-۱۶ سال کی تھی۔ حضرت ڈاکٹر صاحب کے لڑکے خلیفہ صلاح الدین مرحوم قریباً میرے ہم عمر تھے۔ آپ نے میرا اُن کے ساتھ تعارف کروایا اور فرمایا کہ یہ تمہارا دوست ہے۔ اپنی ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد آپ کئی سال تک مسلسل نور ہسپتال قادیان کے انچارج رہے۔ ایک مرتبہ سردی کے موسم میں مجھے ہسپتال جانے کا اتفاق ہوا۔ آپ دھوپ میں تشریف فرما تھے۔ یہ دیکھ کر میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ مجھے دیکھ کر آپ کرسی سے اُٹھے اور ہسپتال کے اندر تشریف لیجا کر میرے لئے ایک کرسی اُٹھا لائے اور نہایت ہی محبت سے مجھے اس پر بیٹھنے کا ارشاد فرمایا۔ اللّٰھم صلّ علٰی محمّد و اٰل محمّد۔

حضرت ڈاکٹر صاحبؓ کا ذکر آنے پر میں تصورات کی دنیا میں گم ہو گیا اور مجھے اپنے اسلام قبول کرنے کے بعد کا یہ ابتدائی واقعہ یاد آگیا۔ ورنہ ذکر تو یہ ہو رہا تھا کہ حضرت مولوی صاحبؓ نے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا خطبہ نکاح پڑھا اور واپس قادیان پہنچ کر حضرت اقدس کی خدمت میں شادی کی مبارکباد پیش کی۔ اور حضرت ڈاکٹر صاحب کے اخلاص کی بہت تعریف کی جس پر حضور نے اظہار خوشنودی کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت اخلاص دیا ہے۔ ان میں اہلیت اور زہد کی بہت ہے اور میں نے دیکھا ہے کہ ان میں نور فراست بھی ہے۔[۱]

اس جگہ یہ ذکر کرنا بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ حضرت ڈاکٹر صاحب موصوف کے والد بزرگوار حضرت خلیفہ حمید الدین صاحب جو ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین صاحب کے دادا تھے، انجمن حمایت اسلام لاہور کے ابتدائی داعی اور معماروں میں سے تھے۔

علماء کی حالت علماء اسلام کی اخلاقی حالت کس قدر گر چکی ہے؟ اس کے ثبوت میں آپ نے ایک خطبہ جمعہ کے دوران میں ایک واقعہ بیان فرمایا۔ چونکہ وہ واقعہ بہت ہی سبق آموز ہے اس لئے یہاں اس کا درج کیا جانا ضروری ہے۔ آپ نے فرمایا:۔

"میں ایک بار ریل میں سفر کر رہا تھا۔ جس کمرہ میں میں بیٹھا ہوا تھا۔ اسی کمرہ میں

---

[۱] الحکم ۱۴؍ اکتوبر ۱۹۰۲ء

ایک اور بڈھا شخص بیٹھا ہوا تھا۔ ایک اور شخص جو مجھے مولوی صاحب کہکر مخاطب کرنے لگا تو اس دوسرے شخص (یعنی بڈھے۔ ناقل) کو سخت بُرا معلوم ہوا۔ اور اس نے کھڑکی سے باہر منہ نکال لیا۔ وہ شخص جو مجھ سے مخاطب تھا اس کے بعض سوالوں کا جواب جب میں نے دیا تو اس بڈھے نے بھی سر اندر کر لیا اور بڑے غور سے میری باتوں کو سُننے لگا اور وہ باتیں مؤثر معلوم ہوئیں۔ پھر خود ہی اس نے بیان کیا کہ مجھے مولویوں کے نام سے بڑی نفرت ہے۔ اس شخص نے جب آپ کو مولوی کرکے پکارا تو مجھے بہت بُرا معلوم ہوا۔ لیکن جب آپ کی باتیں سُنیں تو مجھے اُن سے بڑا اثر ہوا۔ میں نے پوچھا کہ مولویوں سے تمہیں (کیوں) نفرت ہے؟ اس نے کہا میں نے لدھیانہ میں ایک مولوی کا وعظ سُنا۔ اس نے دریائے نیل کے فضائل میں بیان کیا کہ وہ جبل القمر سے نکلتا ہے اور اس کے متعلق کہا کہ چاند کے پہاڑوں سے آتا ہے۔ میں نے اس پر اعتراض کیا تو مجھے پٹوایا گیا۔ اس وقت مجھے اسلام پر کچھ شکوک پیدا ہو گئے اور میں عیسائی ہو گیا۔ بہت عرصہ تک میں عیسائی رہا پھر ایک دن پادری صاحب نے مجھے کہا کہ ایک نئی تحقیقات ہوئی ہے۔ دریائے نیل کا منبع معلوم ہو گیا ہے اور اس نے بیان کیا کہ جبل القمر ایک پہاڑ ہے وہاں سے دریائے نیل نکلتا ہے۔ میں اس کو سُنکر رو پڑا۔ اور وہ سارا واقعہ مجھے یاد آگیا۔ ایک عیسائی نے مجھے مسلمان بنا دیا اور ایک مولوی نے مجھے عیسائی کیا اس وجہ سے میں ان لوگوں سے نفرت کرتا ہوں مگر آپ ان میں سے نہیں۔

(یہ واقعہ سُنانے کے بعد آپ نے فرمایا)

میں سچ کہتا ہوں کہ اس کی یہ کہانی سُنکر میرے دل پر سخت چوٹ لگی کہ اللہ! مسلمانوں کی یہ حالت ہے؟ غرض اس وقت مسلمانوں کی حالت تو یہانتک پہنچی ہے اور اس پر بھی ان کو کسی مزکّی کی ضرورت نہیں۔"[۱]

فونوگراف میں آپ کا ایک وعظ بند کیا گیا۔ ۲۴؍ اکتوبر ۱۹۰۲ء

نومبر ۱۹۰۱ء میں حضرت اقدس کے حکم سے حضرت نواب محمد علیخاں

---

[۱] الحکم ۱۷؍ دسمبر ۱۹۰۲ء

صاحب مالیر کوٹلہ سے فونوگراف اپنے ہمراہ لائے تھے اور قادیان کے ہندوؤں کی خواہش پر حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ سے ایک اردو اور دو فارسی نظمیں (جو حضرت اقدس نے انہی ایام میں محض تبلیغ کی غرض سے لکھی تھیں) پڑھوا کر اس میں بند کی گئی تھیں، انہیں سنائی گئیں۔ اس واقعہ کے قریباً ایک سال بعد اکتوبر ۱۹۰۲ء میں حضرت اقدس کے ارشاد پر حضرت مولوی صاحب کا بھی ایک وعظ فونوگراف میں بند کروایا گیا جو درج ذیل ہے:۔

" أعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم ۔ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

والعصر۔ انّ الانسان لفی خسر۔ الّا الّذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت و تواصوا بالحقّ و تواصوا بالصّبر۔ اس مختصر سی سورۃ شریف میں اللہ تعالےٰ رب العالمین الرحمٰن الرحیم مالک یوم الدین نے محض اپنی رحمانیت سے کس قدر قرب کی راہیں اور آرام و عزت و ترقی کی سچی تدابیر بتائی ہیں۔ اول یہ بتایا کہ کسی مرسل من اللہ کا زمانہ اور انسان کے کامل فہم اور تجارب صحیحہ کا وقت لوگوں کے لئے عصر کی طرح دن کا آخری وقت ہوتا ہے جس طرح عصر کے بعد پھر دن کا وقت ان نمازوں کے لئے نہیں رہتا جو ایمان والوں کے لئے معراج، دعا اور قرب کا ذریعہ اور ہر ایک بےحیائی اور بغاوت سے روکنے کا سبب ہے۔ اسی طرح مرسل من اللہ کا زمانہ اور انسان کے فہم اور تجارب صحیحہ کے بعد اور کوئی وقت نہیں رہتا جس میں انسان اپنے گھاٹے کو پورا کر سکے۔ اس لئے ہر ایک مرسل من اللہ کے زمانہ اور صحتِ عقل کے وقت کو لوگ غنیمت جان کر یہ کام کر لیں۔ اوّل سچے اور صحیح علوم کو حاصل کریں مثلاً اللہ تعالےٰ کی ہستی، یکتائی، بے ہمتائی، غرض وحدہٗ لاشریک کو مانیں۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں، اس کی تعظیمات میں کسی دوسرے کو شریک نہ کریں۔ ملائکہ کی پاک تحریکات کو مان لیں۔ اللہ تعالےٰ کی کتابوں اور رسولوں اور جزا سزا اور دیگر سچے علوم پر یقین کریں۔

دوم۔ ان کے سچے، صحیح واقعی علوم کے مطابق سنوار کے کام کریں اور کرتے رہیں۔ کوئی کام ایسا نہ ہو جو سنوار اور اصلاح کے خلاف ہو۔

سوم۔ دوسروں کو آخری دم تک بتاکید حق بتاتے رہیں اور ہر دم نفس واپسین یقین کر کے بطور وصیت حق پہنچا دیں۔

پیدائش صاحبزادہ عبدالقیوم صاحب ۲۲؍ستمبر ۱۹۰۳ء

۲۲؍ستمبر ۱۹۰۳ء کو حضرت مولوی صاحب کے ہاں آپ کی زوجہ ثانی کے بطن سے ایک فرزند پیدا ہوا۔ جس کا نام حضرت اقدس نے عبدالقیوم رکھا۔[1]

کپورتھلہ میں تشریف آوری ۴؍اکتوبر ۱۹۰۳ء

کپورتھلہ میں خانصاحب محمد خاں صاحب احمدی افسر بگھی خانہ سرکار کپورتھلہ بیمار تھے۔ حضرت اقدس نے حضرت مولوی صاحب کو ارشاد فرمایا کہ آپ ان کے علاج کے لئے کپورتھلہ تشریف لے جائیں چنانچہ حضور کے اس حکم کی تعمیل میں آپ ۴؍اکتوبر ۱۹۰۳ء کو قادیان دارالامان سے روانہ ہوئے اور ۷؍اکتوبر ۱۹۰۳ء کو واپس تشریف لائے۔[2]

کپورتھلہ کی جماعت نے اس موقعہ کو غنیمت جان کر آپ سے ایک پبلک تقریر کرنے کی بھی درخواست کی جسے آپ نے بخوشی منظور فرمالیا۔ اس تقریر میں آپ نے علاوہ اور بیش قیمت نصائح کے ہستی باریتعالےٰ ملائکۃ اللہ اور تقدیر کے مسائل پر بھی حکیمانہ رنگ میں روشنی ڈالی۔[3]

آپ کے نواسہ کی وفات ۱۵؍اکتوبر ۱۹۰۳ء

۱۵؍اکتوبر ۱۹۰۳ء کو مفتی فضل الرحمٰن صاحب کا لڑکا جو آپ کا نواسہ تھا۔ قضائے الٰہی سے وفات پا گیا۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس موقعہ پر تسلّی دینے کے لئے آپ نے نماز جنازہ کے بعد قبرستان ہی میں ایک نہایت ایمان افزا تقریر فرمائی۔[4]

قادیان آنیوالوں کو نصیحت

آپ ہر دم اس فکر میں رہتے تھے کہ قادیان آنیوالے دوست حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے انفاس قدسیہ سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھائیں۔ اور کمزور لوگوں کی کمزوری کو دیکھ کر ٹھوکر نہ کھائیں۔ اپنے وعظ ونصیحت اور خطبات کے دوران میں بھی آپ اس امر کی تلقین فرماتے رہتے تھے چنانچہ ۲۲؍جنوری ۱۹۰۴ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:۔

"میں یہاں کس لئے آیا ہوں۔ دیکھو بھیرہ میں میرا پختہ مکان ہے اور یہاں میں نے کچے مکان بنوائے اور ہر طرح کی آسائش مجھے یہاں سے زیادہ وہاں مل سکتی تھی۔ مگر میں نے دیکھا کہ میں بیمار ہوں اور بہت بیمار ہوں۔ محتاج ہوں اور بہت محتاج ہوں۔

[1] البدر ۲؍اکتوبر ۱۹۰۳ء [2] البدر ۹؍اکتوبر ۱۹۰۳ء [3] الحکم جلد ۲۰ نمبر ۱۲ تا ۳۴ صفحہ ۳ ۱۹۱۸ء
[4] البدر ۱۶؍اکتوبر ۱۹۰۳ء

لاچار ہوں اور بہت لاچار ہوں۔ پس میں اپنے ان دکھوں کے دور کرنے کے لئے یہاں ہوں۔ اگر کوئی شخص قادیان اس لئے آتا ہے کہ وہ میرا نمونہ دیکھے یا یہاں آکر یا کچھ عرصہ رہ کر یہاں کے لوگوں کی شکایتیں کرے تو یہ اس کی غلطی ہے اور اس کی نظر دھوکہ کھاتی ہے کہ وہ بیماروں کو تندرست خیال کرکے ان کا امتحان لیتا ہے۔ یہاں کی دوستی اور تعلقات، یہاں کا آنا اور یہاں سے جانا اور یہاں کی بودوباش سب کچھ لا اِلٰہ اِلّا اللہ کے ماتحت ہونی چاہیئے۔ ورنہ اگر روٹیوں اور چارپائیوں وغیرہ کے لئے آتے ہو تو بابا تم میں سے اکثروں کے گھر میں اچھی روٹیاں وغیرہ موجود ہیں۔ پھر یہاں آنے کی ضرورت کیا؟ تم اس اقرار کے قائل ٹھیک ٹھیک اسی وقت ہو سکتے ہو۔ جب تمہارے سب کام خدا کے لئے ہوں۔"[1]

اللہ تعالیٰ کا آپ سے وعدہ

حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحبؓ جب ۱۹۰۳-۴ء میں مولوی کرم دین صاحب والے مقدمہ کے سلسلہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ گورداسپور تشریف لیجایا کرتے تھے تو انہی ایام کا ایک واقعہ مکرم ملک بشیر علی صاحب[3] کنجاہی حال ربوہ نے یوں بیان کیا کہ

"میں حیدرآباد دکن میں قریباً تیرہ برس تک رہا اور وہاں ٹھیکیداری کا کام کرتا رہا ہوں۔ میرے حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ کے ساتھ بڑے گہرے تعلقات تھے اور ہم دونوں مدت تک اکٹھے رہتے رہے۔ ایک دفعہ حضرت عرفانی صاحبؓ نے فرمایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام گورداسپور ایک مقدمہ کے سلسلہ میں گئے ہوئے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے وہاں سے کہلا بھیجا کہ حضرت مولوی نورالدین صاحب اور شیخ یعقوب علی صاحب فوراً پہنچ جائیں چنانچہ میں اور حضرت مولوی صاحب دو بجے بعد دوپہر یکہ پر بیٹھ کر بٹالہ کی طرف چل پڑے۔ شیخ صاحب نے مجھے کہا کہ اس وقت میرے دل میں خیال آیا کہ حضرت مولوی صاحب کہا کرتے ہیں کہ "خدا تعالےٰ کا میرے ساتھ وعدہ ہے کہ میں اگر کسی جنگل بیابان میں بھی ہوں تب بھی خدا تعالیٰ مجھے رزق پہنچائیگا اور میں کبھی بھوکا نہیں رہونگا۔"[2] آج ہم بیوقت چلے ہیں پتہ لگ جائیگا کہ رات کو ان کے کھانے کا کیا انتظام ہوتا ہے۔

---

[1] البدر یکم فروری ۱۹۰۴ء۔ [2] بدر ۳ اگست ۱۹۱۱ء صفحہ ۹۔ [3] مکرم ملک صاحب فرماتے ہیں کہ محترم ملک غلام فرید صاحب ایم اے اور خاکسار قادیان میں پڑھا کرتے تھے میرے والد ملک فیروزالدین صاحب ان دنوں ناگرہ متھرا سیکشن میں ٹھیکیداری کرتے تھے ۱۹۱۰ء میں ہمیں دیکھنے کے

بٹالہ میں مقامی جماعت کی طرف سے ایک مکان بطور مہمانخانہ ہوا کرتا تھا۔اس میں ہم دونوں چلے گئے۔حضرت مولوی صاحب وہاں ایک چارپائی پر لیٹ گئے اور کتاب پڑھنے لگ گئے۔اس وقت اندازاً شام کے چھ بجے کا وقت ہوگا۔اچانک ایک اجنبی شخص آیا اور کہنے لگا۔میں نے سُنا ہے کہ آج مولوی نورالدین صاحب یہاں آئے ہوئے ہیں، وہ کہاں ہیں؟ میں نے کہا وہ یہ لیٹے ہوئے ہیں۔کہنے لگا حضور! میری ایک عرض ہے آج شام کی دعوت میرے ہاں قبول فرمائیے۔میں ریلوے میں ٹھیکیداری کرتا ہوں اور میری بیلسٹ ٹرین کھڑی ہوئی ہے اور میں نے امرتسر جانا ہے۔میرا ملازم حضور کے لئے کھانا لے آئیگا۔حضرت مولوی صاحب نے فرمایا۔بہت اچھا چنانچہ شام کے وقت اس کا ملازم بڑا پُرتکلف کھانا لے کر حاضر ہوا، اور ہم دونوں نے سیر ہو کر کھا لیا۔شیخ صاحب کہنے لگے۔میرے دل میں خیال آیا کہ ان کی بات تو صحیح ہو گئی اور انہیں خدا نے واقعہ میں کھانا بھجوا دیا۔

چونکہ گاڑی رات دس بجے کے بعد چلتی تھی۔میں نے حضرت مولوی صاحب سے عرض کیا کہ اندھیرا ہو رہا ہے، پھر مزدور نہیں ملے گا۔ہم کسی مزدور کو بُلا لیتے ہیں اور سٹیشن پر پہنچ جاتے ہیں۔وہاں ویٹنگ روم میں ہم آرام کرلیں گے۔حضرت مولوی صاحب نے فرمایا۔بہت اچھا چنانچہ میں نے ایک مزدور بلایا۔...........

اور وہ ہم دونوں کے بستر لیکر سٹیشن پر پہنچ گیا۔چونکہ گاڑی رات کے دس بجے کے بعد آتی تھی۔میں نے آپ کا بستر کھول دیا تاکہ حضرت مولوی صاحب آرام فرمالیں۔جب میں نے بستر کھولا تو اللہ تعالےٰ اس بات کا گواہ ہے کہ اس کے اندر سے ایک کاغذ میں لپٹے ہوئے دو پراٹھے نکلے جن کے ساتھ قیمہ رکھا ہوا تھا۔میں سخت حیران ہوا اور میں نے دل میں کہا لو بھئی۔وہ کھانا بھی ہم نے کھا لیا اور یہ خدا کی طرف سے اور کھانا بھی آگیا۔کیونکہ اس کھانے کا ہمیں مطلقاً علم نہیں تھا۔

میں نے حضرت مولوی صاحب سے عرض کیا کہ حضور جب ہم قادیان سے چلے تھے تو چونکہ اچانک اور بے وقت چلے تھے میں نے دل میں سوچا کہ آج ہم

دیکھیں گے کہ مولوی صاحب کو کھانا کہاں سے آتا ہے۔ سو پہلے آپ کی دعوت ہو گئی اور اب یہ پڑا بستر سے بھی نکل آتے ہیں۔ حضرت مولوی صاحب نے فرمایا۔

"شیخ صاحب! اللہ تعالیٰ کو آزمایا نہ کرو اور خدا سے ڈرو۔ اس کا میرے ساتھ خاص معاملہ ہے۔

محترم ملک غلام فرید صاحب ایم۔اے کا بیان ہے۔ کہ یہ واقعہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب نے انہیں بھی لندن میں سنایا تھا۔ لیکن وہ اجنبی شخص جس کا اوپر ذکر آیا ہے۔ اسکے متعلق بتایا تھا۔ کہ اس کے بھائی کا آپ نے علاج کیا تھا۔ مگر وہ خود ایک برات میں جانیکی وجہ سے حاضر نہیں ہو سکتا تھا۔ اسلئے اس نے اپنے بھائی کو بھیج دیا۔

کتاب "نورالدین" کی اشاعت
آخر فروری ۱۹۰۴ء

ایک شخص عبدالغفور نے جو مرتد ہو کر آریہ ہو گیا تھا اور اس نے اپنا نام "دھرمپال" رکھ لیا تھا۔ ایک کتاب "ترک اسلام" نامی لکھی۔ حضرت مولوی صاحبؓ نے حضرت اقدس کے حکم سے اس کا جواب "نورالدین" کے نام سے لکھا۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں کہ

"یہ کتاب روزانہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سنائی جاتی تھی۔ جب دھرمپال کا یہ اعتراض آیا کہ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے آگ ٹھنڈی ہوئی تھی تو دوسروں کے لئے کیوں ٹھنڈی نہیں ہوتی۔ اور اس پر حضرت خلیفہ اولؓ کا یہ جواب سنایا گیا کہ اس جگہ "نار" سے ظاہری آگ مراد نہیں بلکہ مخالفت کی آگ مراد ہے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ کہ

"تاویل کی کیا ضرورت ہے۔ مجھے بھی خدا تعالیٰ نے ابراہیم کہا ہے اگر لوگوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے آگ کس طرح ٹھنڈی ہوئی تو وہ مجھے آگ میں ڈال کر دیکھ لیں کہ آیا میں

اس آگ میں سے سلامتی کے ساتھ نکل آتا ہوں یا نہیں"

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کی وجہ سے حضرت خلیفہ اول رضؓ نے اپنی کتاب "نورالدین" میں یہی جواب تحریر فرمایا کہ

"تم ہمارے امام کو آگ میں ڈال کر دیکھ لو یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے مطابق اسے اس آگ سے اسی طرح محفوظ رکھیگا جس طرح اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو محفوظ رکھا تھا۔"[1]

حضرت اقدس نے اپنی کتاب "مواہب الرحمٰن" میں جب یہ لکھا کہ یہ بات ہمارے عقائد میں داخل ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے تو حضرت مولوی صاحب نے جن کا پہلے یہ عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ کی ولادت با باپ ہوئی تھی فوراً اپنے عقیدہ میں تبدیلی پیدا کر لی اور اپنی کتاب "نورالدین" میں صاف لکھ دیا کہ گو پہلے میرا یہی عقیدہ تھا۔ لیکن اب میرا یہ عقیدہ نہیں۔

حضرت نواب محمد علیخاں صاحب کے لڑکے کا علاج۔ اکتوبر ۱۹۰۴ء

حضرت نواب محمد علیخاں صاحب رضؓ رئیس مالیر کوٹلہ جب ہجرت کر کے قادیان تشریف لائے تو کچھ عرصہ بعد ان کا لڑکا عبدالرحیم تپ محرقہ سے شدید طور پر بیمار ہو گیا۔ حضرت مولوی صاحب کو حضرت نواب صاحب کی نیکی اور تقویٰ کی وجہ سے جو محبت تھی اس کا کسی قدر ذکر گذشتہ صفحات میں کیا جا چکا ہے۔ لہٰذا آپ نے اس کے علاج میں پوری توجہ سے کام لیا مگر "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی" صحت کی کوئی علامت نظر نہ آئی۔ بالآخر جب حضرت اقدس کی خدمت میں اطلاع کی گئی تو حضور کی دعا اور شفاعت سے اسے معجزانہ رنگ میں شفا ہوئی۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

سفر لاہور ۔۔ ۲۰ر اگست ۱۹۰۴ء

حضرت اقدس مقدمہ کرم دین کی وجہ سے معہ اہل و عیال گورداسپور تشریف فرما تھے۔ ۱۸ر اگست ۱۹۰۴ء کی پیشی کے بعد ۵ر ستمبر کی تاریخ پڑی جماعت کے مسلسل اصرار کی وجہ سے درمیانی وقفہ سے فائدہ اٹھا کر آپ ۲۰ر اگست کو لاہور تشریف لے گئے۔ حضرت مولوی صاحب رضؓ اور حضرت مولوی عبدالکریم صاحب رضؓ کو بھی طلب فرما لیا۔

۲ر ستمبر ۱۹۰۴ء کو جمعہ کی نماز حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب نے پڑھائی اور خطبہ میں سورۃ کوثر کی ایسی لطیف تفسیر فرمائی کہ جسے سُن کر حاضرین عش عش کر اُٹھے۔ اسی سفر میں حضرت اقدس کی وہ مشہور و

---

[1] نورالدین صفحہ ۱۴۶

معروف تقریر سُنائی گئی تھی جو "لیکچر لاہور" کے نام سے مشہور ہے اور جسے حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ نے ہزارہا افراد کی موجودگی میں "منڈوہ میلارام" میں پڑھ کر سُنایا تھا۔

اللہ تعالیٰ جب کسی انسان کو اپنی جناب میں قبول فرما لیتا ہے تو زمین میں اس کی قبولیت پھیلا دی جاتی ہے حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ لاہور پہنچ گئے تو اس موقعہ پر اخبار البدر نے ایک نوٹ لکھا کہ

"حضرت مولوی نورالدین صاحب کی شان میں عام طور پر غیر از جماعت لوگوں کی زبان پر یہ کلمات جاری تھے کہ "لو صاحب مرزے کا خلیفہ آگیا"۔ اس کی اصل حقیقت کا علم تو اللہ تعالےٰ کو ہے لیکن ہم نے اس لئے ذکر کر دیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کی قدر چاہتا ہے اور اسے قبول کرتا ہے تو کس طرح لوگوں کی زبان پر اس کا ذکر جاری کر دیتا ہے۔ حضرت حکیم نورالدین صاحب کی تشریف آوری سے عوام الناس کو یہ فائدہ ضرور ہوا کہ اس سے قبل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت، اور ملاقات کے لئے جو لوگ ڈانواڈول اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر پھر رہے تھے وہ دلجمعی سے آپ کے گرد حلقہ باندھ کر بیٹھ گئے اور اس شمع نوری کی روشنی میں اپنے متاعِ دین کے بکھرے ہوئے موتی ٹٹولنے لگے۔ ذٰلک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء۔"[1]

خاموش مباحثہ

آپ کی آمد کی خبر سُنکر کچھ آریہ بھی آپ سے ملنے کے لئے آئے جن میں سے ایک پلیڈر تھا جس نے دعویٰ کیا تھا کہ مولوی صاحب کو میں چند منٹ میں تناسخ کے مسئلہ پر گفتگو کر کے ہرا دوں گا۔ جب وہ لوگ بیٹھ گئے تو اُن میں سے ایک نے کہا کہ مولوی صاحب! یہ پلیڈر صاحب آپ سے تناسخ کے متعلق گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح نے اپنی جیب سے دو روپے نکالے اور پلیڈر کے سامنے رکھ دیئے اور کہا کہ جناب! پہلے ان دونوں روپوں میں سے ایک روپیہ اُٹھا لیں۔ بعد ازاں میں آپ سے بات کروں گا۔ پلیڈر صاحب جو بحث کے لئے آئے تھے یہ دیکھ کر خاموش ہو کر بیٹھ گئے اور ان روپوں کو دیکھنا شروع کیا۔ اسی حالت خاموشی میں آدھ گھنٹہ کے قریب گذر گیا۔ حاضرین نے کہا کہ آپ دونوں صاحبان تو خاموشی کی زبان میں مباحثہ کر رہے ہیں۔ ہم پاس یُونہی بیٹھے ہیں۔ اگر کچھ بولیں تو ہمیں بھی فائدہ ہو۔ پلیڈر نے کہا کہ میں تو مشکل میں پھنس گیا ہوں۔ اگر ان روپوں میں سے ایک اُٹھاؤں تو یہ سوال کریں گے کہ تم نے دونوں میں سے یہ ایک کیوں اُٹھایا دوسرے کو کیوں نہ اُٹھایا؟ یا ایک کو دوسرے پر بلا وجہ ترجیح کیوں

---

[1] البدر ۲۴ اگست ۱۹۰۸ء

دی۔اس اعتراض کے بعد تناسخ کی تائید میں میرا یہ اعتراض باطل ہو جائے گا کہ خدا نے ایک کو امیر اور ایک کو غریب کیوں بنایا۔یہ مجھ سے پوچھیں گے کہ تم ایک روپیہ کو اُٹھا سکتے اور دوسرے کو چھوڑ سکتے ہو تو پھر خدا کیوں ایک کو بیٹا اور دوسرے کو چھوٹا نہیں کر سکتا۔یہ کہہ کر پلیڈر نے رخصت چاہی اور کہا کہ وہ پھر کسی وقت آئیں گے مگر یہ وعدہ نہ پورا ہونا تھا نہ ہوا۔[1]

سفر سیالکوٹ
۲۷ راکتوبر ۱۹۰۴ء

۲۷ راکتوبر ۱۹۰۴ء کو حضرت اقدس سیالکوٹ تشریف لے گئے۔حضرت مولوی صاحب خلیفۃ المسیح الاوّل رضی کو بھی ساتھ چلنے کا ارشاد فرمایا۔۲ر نومبر ۱۹۰۴ء کو ایک پبلک لیکچر کی تجویز ہوئی۔لیکچر کا موضوع تھا "اسلام"۔جب حضرت اقدس لیکچر گاہ میں پہنچے تو ہزار ہا لوگ جمع تھے۔اسٹیج پر حضرت اقدس کے ساتھ بزرگان ملت اور شہر کے بعض معززین بھی تشریف فرما تھے۔میاں فضل حسین صاحب بیرسٹر کی تحریک اور حاضرین کی تائید سے حضرت مولوی صاحب جلسہ کے صدر قرار پائے۔آپ نے ایک مختصر سی تقریر میں حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ قرآن کریم کی آیت لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحٰب السعیر میں جن لوگوں کی باتیں نہ سننے کی وجہ سے قیامت کے روز لوگوں کو یہ کہنا پڑے گا کہ کاش! ہم ان باتوں کو سنتے اور پھر عقل سے کام لیکر ان پر غور کرتے تو آج ہم دُکھوں میں نہ پڑتے۔وہ اس قسم کے لوگ ہیں جس قسم کے انسان کا ابھی آپ لیکچر سنیں گے۔اس لئے توجہ سے سنئے اور اس پر عمل کیجئے۔[2]

عارفانہ جواب

۱۹ر دسمبر ۱۹۰۴ء کا ذکر ہے کہ حضرت اقدس نماز ظہر کے لئے مسجد میں تشریف لائے۔حضرت مولوی صاحب رض بیمار تھے۔حضور نے آپ کی علالت طبع کا حال خود آپ سے دریافت فرمایا اور غذا کے اہتمام کی تاکید فرمائی۔آپ نے عرض کی کہ حضور! ہر چند کوشش کی جاتی ہے مگر قدرت کی طرف سے کچھ ایسے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں کہ جس سے انتظام قائم نہیں رہتا۔شاید ارادہ الٰہی ابھی اس امر کا خواہاں نہیں ہے کہ آرام ہو۔اس اثنا میں ایک صاحب جن کو حضرت مولوی صاحب رض سے نہایت محبت اور اخلاص اور نیازمندی کا تعلق تھا، بول اُٹھے کہ آخر تدبیر کرنی چاہیئے۔قرآن شریف میں آیا ہے فالمدبرات امرًا۔اس پر آپ نے ایک نہایت ہی عارفانہ جواب دیا کہ یہاں مؤنث کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔فالمدبرون امرًا نہیں فرمایا۔جس سے ظاہر ہے کہ اس کا بڑا تعلق اناث سے ہے (اور ان میں ضرور نقص ہوتا ہے) بہرحال یہ

---

[1] الفضل جلد ۱ نمبر ۱۳ صفحہ ۱۲ ۔ [2] الحکم ۳۰ر نومبر و ۱۰ر دسمبر ۱۹۰۴ء ۔

ایک عجیب نکتہ ہے جو آپ نے بیان فرمایا۔ اس بحث کو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی دلچسپی سے سُنا اور پھر خوراک کا انتظام ایک خاص صاحب کے سپرد فرما کر زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ یہ سب لوگ سُنتے ہیں اور گواہ ہیں کہ ہم نے اب تم کو ذمہ دار بنا دیا ہے۔ اب اس کا ثواب یا عذاب تمہاری گردن پر ہے۔[1]

چونکہ احتیاط اور علاج کے باوجود بھی حضرت مولوی صاحبؓ کی طبیعت کئی روز تک علیل رہی جس کی وجہ سے قرآن کریم کا درس بھی آپ کو ملتوی کرنا پڑا۔ اس لئے حضرت اقدسؑ نے آپ کی صحت کے لئے کثرت سے دعا شروع کی۔ ۴؍ جنوری ۱۹۰۵ء کو جب آپ مسجد میں تشریف لائے تو فرمایا کہ میں دعا کر رہا تھا کہ یہ الہام ہوا:۔

اِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَأْتُوْا بِشِفَاءٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ

اس کے بعد چند روز کے اندر ہی آپ بالکل تندرست ہو گئے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔[2]

حضرت ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب سابق مہر سنگھ کی کتاب پر ریویو۔ ۱۰؍ جنوری ۱۹۰۵ء

استاذی المکرم حضرت ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب بی۔ اے (سابق سردار مہر سنگھ) ایک نہایت ہی مخلص اور پر جوش مبلغ اسلام تھے۔ گو پیشہ تو آپ کا مدرسی تھا لیکن تبلیغ میں جنون رکھتے تھے۔ آپ کے تعلیم دلانے میں بھی بہت حد تک حضرت مولوی صاحبؓ کا حصہ ہے۔ حضرت مولوی صاحب آپ کو جموں سے ماہوار وظیفہ بھیجا کرتے تھے۔ ان کی شادی بھی آپ ہی نے کروائی۔ اس کا قصہ بھی عجیب ہے۔ حضرت خلیفہ نورالدین صاحب جموّی جو ایک مخلص صحابی تھے اور قوم کے غوری مغل تھے، انہوں نے حضرت مولوی صاحب کی خدمت میں اپنی لڑکی کے رشتہ کے لئے کسی موزون لڑکے کے متعلق عرض کیا۔ آپ نے حضرت ماسٹر صاحب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ "یہ میاں عبدالرحمٰن ایک مخلص اور نیک لڑکا ہے۔ اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟" حضرت خلیفہ صاحب اور ان کی اہلیہ صاحبہ دونوں کی یہ رائے تھی کہ یہ غریب آدمی ہے اس کا نہ کوئی آگا ہے نہ پیچھا۔ نہ گھر نہ گھاٹ۔ اس کے کمرہ میں صرف ایک چٹائی، ایک لوٹا اور ایک چارپائی ہے و بس۔ ہماری لڑکی رہے گی کہاں؟ چنانچہ جب خلیفہ صاحب نے حضرت مولوی صاحب کی خدمت میں اس رائے کا اظہار کیا تو آپ نے بڑے زور سے پنجابی زبان میں فرمایا۔

---

[1] البدر یکم جنوری ۱۹۰۵ء۔ [2] البدر ۱۰؍ جنوری ۱۹۰۵ء۔

"میاں نورالدین صاحب! جے تے تہاڈی لڑکی دے بھاگاں وچ کجھ ہے تے
اوہ خالی گھر وچہ جا کے وی اونوں بھر دئے گی۔ تے جے اوہدے بھاگاں وچ
کجھ نہیں تے اوہ بھرے گھر وچ جا کے بھی اوہنوں خالی کر دئے گی"

حضرت مولوی صاحبؓ کے یہ الفاظ سُنکر حضرت خلیفہ صاحب نے فوراً یہ رشتہ منظور کر لیا۔ [1]

اس شادی سے حضرت ماسٹر صاحب کو اللہ تعالیٰ نے اولاد دی اور اولاد بھی ایسی کہ سب میں خدمت دین کا ایک خاص جوش پایا جاتا ہے۔ انہی ماسٹر صاحب کا ذکر ہے کہ ایک مرتبہ ان کی آنکھیں بیمار ہو گئیں۔ حضرت مولوی صاحب نے بہت علاج کیا مگر کوئی افاقہ نہ ہوا۔ بلکہ بیماری دن بدن ترقی کرتی گئی۔ آخر ایک دن آپ نے فرمایا "میاں خطرہ ہے تمہاری آنکھیں ضائع نہ ہو جائیں"۔ ماسٹر صاحب آپ کی یہ بات سُنکر بہت گھبرائے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سارا ماجرا کہہ سُنایا حضور نے فرمایا:۔

"میں نے کہا تھا کہ نو مسلم سلسلہ کے متعلق کچھ لکھیں۔ آپ نے کچھ لکھا کہ نہیں؟"

ماسٹر صاحب فرماتے ہیں۔ میں نے کہا حضور! میں نے ارادہ کیا ہوا ہے اور انشاء اللہ خوب لکھوں گا۔ مگر اب آنکھوں میں سخت تکلیف ہے۔ اس وقت نہیں لکھ سکتا۔ حضور نے فرمایا۔

"نیت کر لو۔ خدا توفیق دے گا۔ اور ہم انشاء اللہ دعا کرینگے۔ آنکھیں ٹھیک ہو جائینگی"

چنانچہ دو چار روز کے بعد آنکھیں تندرست ہو گئیں اور حضرت ماسٹر صاحب قلمی جہاد میں مصروف ہو گئے چنانچہ آپ نے لکھا اور خوب لکھا چنانچہ حضرت مولوی صاحبؓ کی مدد سے آپ نے ایک کتاب لکھی جس کا نام تھا

"میں مسلمان ہو گیا یعنے اختیار الاسلام"

اس کتاب پر حضرت مولوی صاحب نے جو ریویو کیا وہ درج ذیل ہے۔

"جہانتک مولا کریم نے مجھے فہم عطا کیا ہے میں دلیری سے اس کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ حق کے طالب ایک طرف "ترک اسلام" اور دوسری طرف "میں مسلمان ہو گیا" پڑھیں۔ غالباً ناظرین کو یقین ہوگا کہ حق کیا چیز ہے اور حق کی پیاس کیا چیز ہے؟ اور اس کے نتائج کیا چیز ہیں؟ نورالدین" [2]

---

[1] اصحاب احمد جلد ہفتم صفحہ ۲۰۰۔ [2] البدر ۱۰ جنوری ۱۹۰۸ء۔

زلزلہ کانگڑہ پر آپ کا مضمون لکھنا

۴؍ اپریل ۱۹۰۵ء کو جب کانگڑہ میں زبردست زلزلہ آیا تو اس موقعہ پر حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے اخبار میں ایک مضمون لکھا جس میں لوگوں کو خدا تعالےٰ کی طرف رجوع کرنے کی تلقین کی۔ اور اس امر پر افسوس کیا کہ سینکڑوں جانوں اور بیش بہا سامان کا نقصان ہوا۔ مگر اس امر پر خوشی کا اظہار بھی فرمایا کہ خدا تعالیٰ کے مسیحؑ کی زلزلوں سے متعلق پیشگوئی پوری ہوئی جو متعدد بار سلسلہ کے اخبارات میں شائع ہو چکی تھی اور حضرت شیخ یعقوب علی صاحب ایڈیٹر الحکم کو بھی ارشاد فرمایا کہ آپ بھی اس پر کچھ لکھیں۔[1]

زلزلہ کے بعد باغ میں قیام اپریل۔ مئی۔ جون ۱۹۰۵ء

۴؍ اپریل ۱۹۰۵ء کے زلزلہ کے بعد جس نے کانگڑہ اور اس کے اردگرد کے علاقہ میں سخت تباہی مچائی تھی۔ حضرت اقدس نے معہ اہل و عیال کچھ عرصہ کے لئے اپنے باغ میں سکونت اختیار کر لی تھی اور دوستوں کو بھی ارشاد فرمایا تھا کہ سب باغ میں چلے آویں۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ اور دیگر حضرات نے بھی باغ ہی میں خیمے لگا کر رہنا شروع کر دیا تھا۔ حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحبؓ کا مطب اور درس القرآن سب باغ میں ہی ہونے لگے۔ مہمان بھی وہیں تشریف لاتے تھے مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کے بھائی ابوالنصر آہ بھی انہی ایام میں تشریف لائے تھے اور باغ میں ہی قیام فرمایا تھا انہوں نے واپسی پر امرتسر جا کر اخبار "وکیل" میں جو اپنے تاثرات شائع فرمائے چونکہ ان میں حضرت مولوی صاحبؓ کا بھی ذکر ہے اس لئے انہیں درج ذیل کیا جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

> "میں نے اور کیا دیکھا۔ قادیان دیکھا۔ مرزا صاحب سے ملاقات کی۔ مہمان رہا۔ میرزا صاحب کے اخلاق اور توجہ کا مجھے شکریہ ادا کرنا چاہیئے۔ میرے منہ میں حرارت کیوجہ سے چھالے پڑ گئے تھے اور میں شور غذائیں کھا نہیں سکتا تھا۔ میرزا صاحب نے (جبکہ دفعتاً گھر سے باہر تشریف لائے تھے) دودھ اور پاؤ روٹی تجویز فرمائی۔
>
> آجکل مرزا صاحب قادیان سے باہر ایک وسیع اور مناسب باغ میں (جو خود انہیں کی ملکیت ہے) قیام پذیر ہیں۔ بزرگان ملت بھی وہیں ہیں۔ قادیان کی آبادی قریباً تین ہزار آدمیوں کی ہے مگر رونق اور چہل پہل بہت ہے۔ بلند عمارت بستی میں صرف ایک ہی ہے ۔۔۔۔۔۔ رستے کچے اور ناہموار ہیں ۔۔۔۔۔۔

---

[1] الحکم نمبر ۱۲ ۱۹۰۵ء صفحہ ۲

اکرامِ ضیف کی صفت خاص اشخاص تک محدود نہ تھی۔ چھوٹے سے لیکر بڑے تک ہر ایک نے بھائی کا سا سلوک کیا خصوصاً مولانا حاجی حکیم نورالدین صاحب جن کے اسم گرامی سے تمام انڈیا واقف ہے اور مولانا عبدالکریم صاحب جن کی تقریر کی پنجاب میں دھوم ہے اور مولوی مفتی محمد صادق صاحب ایڈیٹر بدر جن کی تحریروں سے کتنے انگریز یورپ میں مسلمان ہو گئے ہیں۔" [1]

میاں عبدالحی صاحب کے ختم قرآن کی تقریب۔ ۳۰ر جون ۱۹۰۵ء

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کا وہ بچہ جس کی پیدائش کی حضرت اقدس نے ۱۸۹۶ء میں پیشگوئی کی تھی اور ۱۵ر فروری ۱۸۹۹ء کو پوری ہوئی تھی۔ اس نے جب چھ سال کی عمر میں حضرت پیر منظور محمد صاحب مصنف قاعدہ یسرنا القرآن سے قرآن کریم ناظرہ ختم کر لیا تو ۳۰ر جون ۱۹۰۵ء بروز جمعۃ المبارک اس کی خوشی کی تقریب منعقد کی گئی۔

آپ کے حرم اول کی وفات ۲۸ر جولائی ۱۹۰۵ء

حضرت مولوی صاحبؓ کے حرم اول جن کا نام فاطمہ تھا ۲۸ر جولائی ۱۹۰۵ء بروز جمعہ بعد نماز جمعہ اس دارفانی سے رحلت فرما گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحومہ مفتی شیخ مکرم صاحب قریشی نعمانی کی صاحبزادی تھیں اور حضرت مولوی صاحبؓ کے نکاح میں اس وقت آئی تھیں جبکہ آپ ہندوعرب سے تحصیل علوم کر کے کوئی تیس برس کی عمر میں اپنے وطن عزیز بھیرہ میں واپس تشریف لے آئے تھے اور قریب ۲۷ برس تک آپ کی محرم راز رہ کر قریباً پچپن سال کی عمر میں وفات پائی۔ بھیرہ میں تقلیدی رسوم اور بدعات کی مخالفت سب سے پہلے حضرت مولوی صاحب ہی نے کی تھی۔ اور یہی گروہ مخالف اس نکاح میں ہارج اور مانع ہوا تھا۔ مگر مفتی شیخ صاحب نے اس کی پروانہ کر کے اس کام کو تکمیل تک پہنچایا۔ اور مرحومہ یوم نکاح سے لیکر مرتے دم تک اپنے خاوند کے ساتھ ہم مذہب و ہم عقیدہ رہیں۔ مرحومہ صلہ رحمی کی صفت میں کمال رکھتی تھیں۔ اپنے نواسوں اور نواسیوں (یعنی مولوی عبدالواحد غزنوی اور مفتی فضل الرحمٰنؓ کی اولاد) کی پرورش مرتے دم تک اپنے ذمہ لی ہوئی تھی اور مفتیوں کے گھر میں ان کی چھوٹی لڑکی کا رشتہ انہیں کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ باوجود اس قدر بیماری کے جو مدت سے

---

[1] بدر ۲۵ر مئی ۱۹۰۵ء

اُن کے لاحق حال تھی؛ گھر کا سب کام کھانے پکانے وغیرہ کا خود کرتی تھیں۔ دور و نزدیک کے رشتہ داروں کے ساتھ ہمیشہ نیک سلوک کرتی رہتی تھیں اور سب کی خبر گیری کرتی تھیں۔ . . .

مرحومہ کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ سچا اخلاص اور ایمان تھا۔ فرمایا کرتی تھیں کہ مولوی صاحب کا یہ احسان ہے کہ ہم نے خدا تعالیٰ کے مسیح کو شناخت کیا۔ لیکن اب تو میرے دل میں خدا تعالیٰ کے رسُول کی اس قدر محبت ہے کہ اگر کوئی بھی اس سے پھر جائے میں اس سے مُنہ نہیں پھیر سکتی۔ بعد نماز عصر مرحومہ کا جنازہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معہ جماعت کثیر باہر میدان میں پڑھا۔ نماز جنازہ میں دُعا کو بہت ہی لمبا کیا۔ قبل مغرب مرحومہ کو قادیان کے شمال مشرقی جانب کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ اللہ تعالےٰ ان کو جنت میں بلند جگہ نصیب فرمائے۔ آمین۔

رات (۲۸ جولائی ۱۹۰۵ء) حضرت مسیح موعودؑ کی مجلس میں حضرت نے خود ہی مرحومہ کا ذکر کیا۔ فرمایا

"وہ مجھے کہا کرتی تھیں کہ میرا جنازہ آپ پڑھائیں اور میں نے دل میں پختہ وعدہ کیا ہوا تھا کہ کیسا ہی بارش یا آندھی وغیرہ کا بھی وقت ہو میں ان کا جنازہ پڑھاؤنگا آج اللہ تعالیٰ نے ایسا موقعہ دیا کہ طبیعت بھی درست تھی اور وقت بھی صاف میسر آیا اور میں نے خود جنازہ پڑھایا۔"

ایڈیٹر صاحب البدر نے عرض کیا کہ ان کی یہ خواہش تھی کہ میری وفات جمعہ کے دن ہو۔ فرمایا

"ہاں وہ ایسا کہا کرتی تھیں۔ خدا تعالیٰ نے یہ خواہش بھی ان کی پوری کر دی۔ چند روز ہوئے۔ ابھی ہم باغ میں تھے کہ وہ ایک دن سخت بیمار ہو گئیں اور قریب موت کے حالت پہنچ گئی تو کہنے لگیں کہ آج تو منگل ہے اور ہنوز جمعہ دور ہے۔ اور ابھی عبدالحی کی آمین بھی نہیں ہوئی۔ قدرت خدا، اس وقت طبیعت بحال ہو گئی۔ اور پھر خواہش کے مطابق عبدالحی کی آمین کی خوشی بھی دیکھی اور آخر جمعہ کا دن ہی پایا۔..."

فرمایا۔

"مرحومہ نے اپنی عمر میں بہت شدائد اور مصائب اُٹھائے کتنی اولاد مر گئی۔ یہ مصائب جو قضا و قدر سے انسان پر پڑتے ہیں۔ اس کمی کو پورا کر دیتے ہیں جو انسان سے اعمال حسنہ میں رہ جاتی ہے۔"

جب حضرت اقدس کے صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب تولد ہوئے تو حضور نے مرحومہ کو فرمایا تھا کہ یہ تمہارا بیٹا ہے اس لئے میاں بشیر احمد صاحب کے ساتھ مرحومہ کو خاص محبت تھی۔ صاحبزادہ بشیر احمد صاحب جنازہ کے ساتھ اور پھر دفن کے وقت اس طرح موجود رہے کہ ان کا چہرہ اس اندرونی محبت کو ظاہر کرتا تھا۔ مرحومہ کی عادت مہمان نوازی کا یہ حال تھا کہ ان کی دلی خواہش تھی کہ ہمارے باورچیخانہ میں ایک سیر پختہ نمک خرچ ہوا کرے۔ اَللّٰھم اغفرھا وارحمھا۔[1]

وفات صاحبزادہ عبدالقیوم ۱۲؍اگست ۱۹۰۵ء

۱۲؍اگست ۱۹۰۵ء کو قبل دوپہر حضرت مولوی صاحبؓ کے صاحبزادے عبدالقیوم چند دن خسرہ میں مبتلا رہنے کے بعد وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ عمر ایک سال گیارہ ماہ تھی حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے سنت نبوی کی متابعت میں دفن ہونے سے پہلے بچے کو بوسہ دیا اور آپ کی آنکھیں پُرنم ہو گئیں اور فرمایا۔

”میں نے بچہ کا مُنہ اس واسطے نہیں کھولا تھا کہ مجھے کچھ گھبراہٹ تھی بلکہ اسواسطے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا بیٹا ابراہیم جب فوت ہوا تھا تو آنحضرتؐ نے اس کا مُونہہ چُوما تھا اور آپ کے آنسو بہہ نکلے اور آپ نے اللہ تعالیٰ کی مدح کی اور فرمایا کہ جدائی تو تھوڑی دیر کے لئے بھی پسند نہیں ہوتی۔ پر ہم خدا کے فضلوں پر راضی ہیں۔ اسی سُنت کو پورا کرنے کے واسطے میں نے بھی اس کا مونہہ کھولا اور چُوما۔ یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے اور خوشی کا مقام ہے کہ کسی سنت کے پورا کرنے کا موقع عطا ہو۔“[2]

حضرت اقدسؑ نے آپ کو دہلی بُلالیا۔ ۲۸؍اکتوبر ۱۹۰۵ء

۲۲؍اکتوبر ۱۹۰۵ء کو حضرت اقدس حضرت ام المومنینؓ کو آپ کے خویش واقارب سے ملانے کے لئے دہلی تشریف لے گئے۔ ابھی دہلی پہنچے چند ہی دن ہوئے تھے کہ حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ بیمار ہو گئے۔ اس پر حضور کو خیال آیا کہ اگر مولوی نورالدین صاحب کو بھی دہلی بُلا لیا جائے تو بہتر ہوگا۔[3] چنانچہ حضرت مولوی صاحب کو تار دلوا دیا۔ جس میں تار لکھنے والے نے امیجی ایٹ (Immediate) (یعنی بلاتوقف کے

---

[1] البدر ۲۹؍جولائی ۱۹۰۵ء۔ [2] بدر ۱۰؍اگست ۱۹۰۵ء۔ حاشیہ: ریکارڈ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ صاحبزادہ عبدالقیوم کی وفات ۱۲؍اگست کو ہوئی تھی مگر جس پرچہ میں ذکر ہے اس پر ۱۰؍اگست لکھا ہوا ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ پرچہ ۱۲ یا ۱۳ اگست کو شائع ہوا ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔ [3] الفضل جلد ۲۷ نمبر ۲۵۷ صفحہ ۶، ۷۔

الفاظ لکھ دیئے۔جب یہ تار قادیان پہنچا تو حضرت مولوی صاحب اپنے مطب میں بیٹھے ہوئے تھے۔اس خیال سے کہ حکم کی تعمیل میں دیر نہ ہو۔اسی حالت میں فوراً چل پڑے۔نہ گھر گئے نہ لباس بدلا نہ بستر لیا۔اور لطف یہ ہے کہ ریل کا کرایہ بھی پاس نہ تھا۔گھر والوں کو پتہ چلا تو انہوں نے پیچھے سے ایک آدمی کے ہاتھ کمبل تو بھجوا دیا مگر خرچ بھجوانے کا انہیں بھی خیال نہ آیا اور ممکن ہے گھر میں اتنا روپیہ ہو بھی نہ۔جب آپ بٹالہ پہنچے تو ایک متمول ہندو رئیس نے جو گویا آپ کی انتظار ہی کر رہا تھا، عرض کی کہ میری بیوی بیمار ہے۔مہربانی فرما کر اسے دیکھ کر نسخہ لکھ دیجئے۔فرمایا۔میں نے اس گاڑی پر دہلی جانا ہے۔اس رئیس نے کہا میں اپنی بیوی کو یہاں ہی لے آتا ہوں۔چنانچہ وہ لے آیا۔آپ نے اسے دیکھ کر نسخہ لکھ دیا۔وہ ہندو چپکے سے دہلی کا ٹکٹ خرید لایا۔اور ایک معقول رقم بطور نذرانہ بھی پیش کی۔اور اس طرح سے آپ دہلی پہنچ کر حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔[1]

دہلی میں آپ کا وعظ
۳ر نومبر ۱۹۰۵ء

دہلی میں ۳ر نومبر ۱۹۰۵ء کو بعد نماز جمعہ حضرت مولوی صاحب کا وعظ ہوا۔حاضری کافی تھی۔آپ نے پہلے قرآن مجید اور احادیث سے انسان کے راہ حق سے محروم رہنے کے اسباب بیان فرمائے۔پھر وفات مسیحؑ کے دلائل دینے شروع کئے۔ابھی وعظ جاری تھا کہ مخالفین نے یہ محسوس کر کے کہ سامعین بہت متاثر ہو رہے ہیں، شور مچانا شروع کر دیا اور ایک دوسرے کو دھکے دے دے کر جلسہ کو خراب کرنے کی کوشش کی۔حضرت اقدس بنفس نفیس اس جلسہ میں موجود تھے۔حضور نے خود اُٹھ کر لوگوں کو خاموش رہنے کی تلقین فرمائی۔جس پر اکثر لوگ ٹھہر تو گئے مگر وعظ سُننے کی بجائے سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہو گیا اور حضرت اقدس کافی دیر تک جوابات دیتے رہے۔

لُدھیانہ میں آپ کا وعظ
۴ر نومبر ۱۹۰۵ء

یہ مقدس قافلہ ۴ر نومبر ۱۹۰۵ء کو دہلی سے روانہ ہو کر لودھیانہ پہنچا۔ایک ہزار کے قریب آدمی حضرت اقدس کے استقبال اور زیارت کے لئے اسٹیشن پر موجود تھا۔لدھیانہ کے احباب نے حضور اور حضور کے خدام کی رہائش کے لئے بہت عمدہ انتظام کر رکھا تھا۔چونکہ صدہا لوگوں کی آمد و رفت کا تانتا بندھا ہوا تھا حضرت اقدس نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھ کر اسی روز شام کے وقت حضرت مولوی صاحبؓ کو تقریر کے لئے ارشاد فرمایا چنانچہ آپ نے تربیتی اور اصلاحی پہلوؤں پر مشتمل ایک جامع اور موثر تقریر فرمائی۔اور سامعین بہت محظوظ ہوئے۔

---

[1] الفضل پرچہ مورخہ ۶ر دسمبر ۱۹۵۰ء۔

ولادت میاں عبدالسلام صاحب
۲۵ دسمبر ۱۹۰۵ء

حضرت مولوی صاحبؓ کے صاحبزادہ میاں عبدالقیوم کی وفات پر جس کا پیچھے ذکر ہو چکا ہے مخالفوں نے بہت شور مچایا مگر مومنوں نے صبر کے ساتھ انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھ کر نعم البدل کی دعائیں کیں۔ الحمد للہ کہ اس نے محض اپنے فضل و کرم سے مورخہ ۲۵ دسمبر ۱۹۰۵ء کو حضرت مولوی صاحبؓ کو ایک لڑکا عطا فرمایا جس کا نام حضرت اقدس نے عبدالسلام رکھا۔[1]

محترم جناب حکیم محمد صدیق صاحب سکنہ میانی متصل بھیرہ حال محلہ دارالرحمت ربوہ کا بیان ہے کہ

"ایک دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ مسجد اقصیٰ میں قرآن کریم کا درس دے رہے تھے۔ کافی لوگ جمع تھے۔ میاں عبدالسلام صاحب جو ہنوز بچہ ہی تھے۔ چار پانچ سال کی عمر ہو گی، پیچھے سے آئے اور آپ کے کندھوں پر سوار ہو گئے۔ پگڑی گرا دی۔ کبھی حضرت خلیفہ اولؓ کو دائیں طرف جھکانے کی کوشش کرتے کبھی بائیں طرف۔ حضرت خلیفہ اولؓ اُسے خوش کرنے کے لئے جھک جاتے اور ساتھ ساتھ فرماتے جاتے کہ ہاں! ہمیں معلوم ہو گیا۔ ہمارا بچہ آ گیا۔ ہاں! ہمیں معلوم ہو گیا ہمارا بچہ آ گیا۔"

غور فرمائیے کہ آپ اس بچہ سے کس قدر پیار کرتے تھے لیکن جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبشر اولاد کی ساتھ مقابلہ کا سوال پیدا ہوا تو آپ نے اس کی ذرہ پرواہ نہیں کی۔ چنانچہ حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ فرماتی ہیں۔

"ایک واقعہ بھی یاد آ گیا۔ آپ کے صاحبزادے میاں عبدالسلام مرحوم چھوٹے بچے تھے۔ میں جب پڑھنے کو روز صبح جاتی قرآن کے لئے جیب میں بادام۔ اخروٹ وغیرہ لے جاتی اور جیسا کہ بچوں کے کھیل ہوتے ہیں روز ہی پہلے ان سے پوچھتی۔ کہ بتاؤ۔ عبدالسلام! تم کتنے اخروٹ کے نوکر ہو؟ وہ روز جواب دیتے۔ دو اخروٹ کا نوکر ہوں۔ ایک دن میاں عبدالحی مرحوم نے غصے سے کہا کہ عبدالسلام! نوکر کیوں کہتے ہو۔ تم کوئی نوکر ہو؟ کہہ دو میں نوکر نہیں ہوں۔ اندر کمرے میں حضرت خلیفہ اولؓ سن رہے تھے نہایت جوش سے کڑک کر فرمایا۔ "عبدالحی! یہ کیا کہا تم نے؟ یہ نوکر ہے۔" اور فرمایا۔ "عبدالسلام! اندر آؤ" ہم دونوں اندر چلے گئے۔ فرمایا "کہو میرے سامنے میں

---

[1] الحکم ۱۷ جنوری ۱۹۰۶ء۔ حاشیہ۔ میاں عبدالسلام صاحب عمر ۲۲-۲۵ مارچ ۱۹۵۶ء کی درمیانی شب ڈیڑھ بجے کے قریب لاہور میں انتقال فرما گئے وفات کے وقت آپ کی عمر قریباً ۵۱ سال تھی۔ ۲۵ مارچ کو آپ کی نعش مقبرہ بہشتی (ربوہ) میں چار دیواری کے اندر دفن کی گئی۔ فانا للہ و انا الیہ راجعون

نوکر ہوں"۔ بچہ نے دوہرا دیا۔ اس جذبہ کا اندازہ وہی لوگ لگا سکتے ہیں۔ جو حضرت خلیفہ اول کی طبیعت سے واقف، آپ کی صحبت میں رہ چکے یا آپ کی سیرت کا مطالعہ کر چکے ہیں۔ وہ کوہِ وقار تھے، غیور تھے، خود دار تھے۔ ان کا سر کبھی کسی کے سامنے نہ جھکا، جھکا تو اپنے محبوب آقا کے سامنے۔ اور اسی عشق کامل کا نتیجہ تھا کہ ایک کم عمر لڑکی جو اُن کی شاگرد بھی تھی۔ اس کے لئے بھی اپنے پیارے لڑکے کا اتنا کہنا کہ "کہو میں نوکر نہیں ہوں" سخت ناگوار گذرا۔ آپ کا چہرہ مجھے ابتک یاد ہے، ایسا اثر تھا کہ صرف غصہ اور ناگواری ہی نہیں بلکہ بہت صدمہ گذرا ہے۔ حالانکہ جیسا وہ والدین کی مانند بے انتہا لاڈ پیار مجھ سے کرتے تھے، بے تکلف تھے۔ ان کا حق تھا وہ آسانی مجھے بھی کہہ سکتے تھے، سمجھا سکتے تھے کہ بچہ سے ایسا نہیں کہلواتے، ذلیل ہو جاتا ہے عزت نفس نہیں رہتی۔ تم اس کو جو چاہو ویسے ہی دے دیا کرو۔ اور مجھے بھی آپ کا روکنا ذرا بھی بُرا معلوم نہ ہوتا۔ کیونکہ ان کی محبت کا پلڑا بہت بھاری تھا۔ مگر انہوں نے اپنے طبعی وقار کے خلاف صرف اپنے جذبۂ عشق و محبت کے تحت اُلٹا بچہ سے سامنے کہلوایا کہ "میں نوکر ہوں"۔ [۱]

طلبائے دینیات

حضرت مولوی صاحبؓ کی زندگی میں ایک خاص بات جو ہمیشہ نمایاں نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ جہاں کہیں رہے، آپ نے دینیات کی تعلیم حاصل کرنے والے طالب علموں کی ایک جماعت ہمیشہ اپنے پاس رکھی اور اپنی آمد کا ایک حصہ اور اکثر وقت اُن پر خرچ کرتے رہے۔ پندرہ سولہ سال ریاست کشمیر میں گذارے۔ اپنی زندگی جیسا کہ آپ کا طرۂ امتیاز رہا ہے ہمیشہ سادگی کے ساتھ گذاری اور اپنی آمد کا کثیر حصہ ہمیشہ بیواؤں، یتیموں، مسکینوں اور غرباء پر خرچ کرتے رہے۔ مستحق طالب علموں کا بھی سارا بوجھ عموماً خود ہی برداشت کرتے رہے۔ (بلکہ بعض ایسے طلبہ کو بھی آپ کی طرف سے وظیفہ ملتا۔ جو دوسرے سکولوں یا کالجوں میں تعلیم پاتے تھے۔ محترم ڈاکٹر عطر دین صاحب فرماتے ہیں کہ میں جب وٹرنری کالج میں تعلیم پاتا تھا۔ مجھے ۱۹۰۷ء سے لیکر ۱۹۱۰ء تک پانچ روپے ماہوار برابر دیتے رہے)۔

حضرت مسیح پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے در پر آکر دھونی رمانے کے بعد تو جس قدر محنت اور توجہ

---

[۱] الفضل ۲۶ / اکتوبر ۱۹۶۱ء

آپ نے سلسلہ کے لئے علماء تیار کرنے میں صرف کی وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز، حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ، حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ، حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ، حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ، حضرت مولوی غلام نبی صاحب مصریؓ، حضرت صوفی غلام محمد صاحب المعروف ماریشسی اور دیگر علماء جنہوں نے خلافت ثانیہ میں شاندار کارنامے سرانجام دیئے، سب آپ ہی کے شاگرد تھے۔ ذیل میں جناب ایڈیٹر صاحب البدر کا ایک نوٹ درج کیا جاتا ہے جس سے اس سلسلہ میں آپ کے کام کا کسی قدر اندازہ ہو سکتا ہے۔ محترم ایڈیٹر صاحب فرماتے ہیں۔

> "ایک درس کتب دینیات کا حضرت مولوی صاحب کے ہاں خاص ہے جس میں پانچ دس طلباء ہمیشہ حضرت مولوی صاحب موصوف سے تفسیر، ترجمہ، حدیث، فقہ، صرف ونحو، معانی، منطق، فلسفہ، طب وغیرہ علوم کی تحصیل کرتے ہیں۔ حضرت مولوی صاحب کے وقت کا اکثر حصہ ان طلباء کی تعلیم میں صرف ہوتا ہے ان طلباء کے ہر طرح گذارے کی صورت بھی اکثر حضرت مولوی صاحب کے ذمہ ہی ہے جس میں بعض احباب کچھ ماہواری یا وقتاً فوقتاً امداد بھی دیا کرتے ہیں۔ اس سال کے بعض طلباء یہ ہیں۔ مولوی غلام نبی صاحب مصری، حافظ روشن علی صاحب، میاں غلام محمد صاحب کشمیری، ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب، سید عبدالحی صاحب، عبدالرحمٰن صاحب داتوی، محمد جی ہزاروی، محمد شاہ، ابوسعید عرب صاحب، محمد یار۔"[1]

حضرت مولوی صاحب نے یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رکھا۔ حتیٰ کہ خلافت کے ایام میں بھی آپ کا یہ فیض جاری رہا۔ اور میں سمجھتا ہوں۔ آپ کا یہ کارنامہ اس قدر عظیم الشان ہے کہ شاید اس کی مثال ملنا محال ہو۔
آپ کے شاگردوں میں حضرت حافظ روشن علی صاحب کا نام آنے پر مجھے ایک واقعہ یاد آ گیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دفعہ یہ ذکر کرتے ہوئے کہ میں طالب علمی کے زمانہ میں چھ چھ سات سات وقت کھانا نہیں کھایا کرتا تھا۔ فرمایا۔

> "حافظ روشن علی نے میری تقریر ہوتے ہوئے آسمانی کھانا کھا لیا تھا۔ بیداری میں

---

[1] البدر ۱۷ پرچہ ۱۲ جنوری ۱۹۰۷ء

کباب اور پراٹھے کھاتا رہا۔"

حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضؓ تحریر فرماتے ہیں:۔

"خاکسار راقم الحروف نے حضرت اقدس سے حافظ صاحب کے متعلق یہ سُنکر بعد میں حافظ صاحب سے مفصل پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ

ایک دن میں نے ابھی کھانا نہیں کھایا تھا سبق کی انتظار میں بیٹھے بیٹھے کھانے کا وقت گذر گیا حتی کہ ہمارا حدیث کا سبق شروع ہو گیا۔ میں اپنی بھوک کی پروا نہ کر کے سبق میں مصروف ہو گیا درانحالیکہ میں بخوبی سبق پڑھنے والے طالبعلم کی آواز سُن رہا تھا اور سب کچھ دیکھ رہا تھا کہ یکایک سبق کا آواز مدھم ہوتا گیا اور میرے کان اور آنکھیں باوجود بیداری کے سُننے اور دیکھنے سے رہ گئے۔ اسی حالت میں میرے سامنے کسی نے تازہ بتازہ تیار ہوا ہوا کھانا لا رکھا۔ گھی میں تلے ہوئے پراٹھے اور بھنا ہوا گوشت تھا۔ میں خوب مزے لے لے کر کھانے لگ گیا۔ جب میں سیر ہو گیا تو میری یہ حالت منتقل ہو گئی اور پھر مجھے سبق کا آواز سنائی دینے لگ گیا۔ مگر اس وقت تک بھی میرے مُنہ میں کھانے کی لذت موجود تھی۔ اور میرے پیٹ میں سیری کی طرح ثقل محسوس ہوتا تھا اور سچ مچ جس طرح کھانا کھانے سے تازگی ہو جاتی ہے وہی تازگی اور سیری مجھے میسر تھی حالانکہ نہ میں کہیں گیا اور نہ کسی اَور نے مجھے کھانا کھاتے دیکھا"

اس کے بعد حضرت خلیفہ اول رضؓ نے فرمایا

"میں نے خود ان باتوں کا بڑا تجربہ کیا ہے"[1]

حضرت میر محمد اسحاق صاحب کا خطبہ نکاح۔ ۵ فروری ۱۹۰۶ء

۵ فروری ۱۹۰۶ء کو حضرت مولوی صاحب نے حضرت اقدس کی موجودگی میں استاذی المکرم حضرت میر محمد اسحاق صاحب رضؓ پسر حضرت میر ناصر نواب صاحب دہلوی رضؓ کے نکاح کا اعلان فرمایا۔ حضرت میر صاحب موصوف کا رشتہ محترمہ صالحہ خاتون صاحبہ بنت حضرت پیر منظور محمد صاحب کے ساتھ قرار پایا تھا[2]

---

[1] کلام امیر صفحہ ۴۹۔۵۰
[2] بدر ۹ فروری ۱۹۰۶ء

انجمن کارپردازان مصالح قبرستان کا قیام اور حضرت مولوی صاحب کا پریذیڈنٹ مقرر کیا جانا۔ ۱۶؍ فروری ۱۹۰۶ء

۱۹۰۵ء کے آخر میں جب حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے قرب وصال کے متعلق پے در پے الہامات ہونے شروع ہوئے تو حضور نے ایک رسالہ "الوصیۃ" لکھا جس میں خدائی بشارات کے ماتحت ایک مقبرہ کی تجویز فرمائی جس کے متعلق حضور کا منشاء تھا کہ اس میں اُن صادق الارادت لوگوں کی قبریں ہوں جنہوں نے اپنی زندگی نیکی، تقویٰ اور طہارت میں گذاری ہو۔ اور مالی اور جانی قربانیوں میں ایک شاندار مثال قائم کی ہو۔ چنانچہ حضور نے الٰہی منشاء کے ماتحت اس مقبرہ کا نام "بہشتی مقبرہ" رکھا۔ اور اس میں دفن ہونے کے لئے جو شرطیں حضور نے مقرر فرمائیں۔ وہ یہ تھیں۔

اوّل۔ پہلی شرط یہ ہے کہ ہر ایک شخص جو اس قبرستان میں دفن ہونا چاہتا ہے۔ اپنی حیثیت کے لحاظ سے ان مصارف کے لئے چندہ داخل کرے۔

دوم۔ دوسری شرط یہ ہے کہ تمام جماعت میں سے اس قبرستان میں وہی مدفون ہوگا جو یہ وصیت کرے کہ جو اس کی موت کے بعد دسواں حصہ اس کے تمام ترکہ کا حسب ہدایت اس سلسلہ کے اشاعت اسلام اور تبلیغ احکام قرآن میں خرچ ہوگا۔ اور ہر ایک صادق الایمان کو اختیار ہوگا کہ اپنی وصیت میں اس سے بھی زیادہ لکھ دے لیکن اس سے کم نہیں ہوگا۔

سوم۔ تیسری شرط یہ ہے کہ اس قبرستان میں دفن ہونیوالا متقی ہو اور محرمات سے پرہیز کرتا ہو اور کوئی شرک اور بدعت کا کام نہ کرتا ہو۔ سچا اور صاف مسلمان ہو۔

حضور نے اس مقبرہ کے انتظام کے لئے ایک انجمن بھی قائم کی جس کا نام "انجمن کارپردازان مصالح قبرستان" رکھا اور اس انجمن کا صدر حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحبؓ کو مقرر فرمایا۔

صدر انجمن احمدیہ کا قیام فروری ۱۹۰۶ء

اس مذکورہ بالا انجمن کے علاوہ بعض اور انجمنیں بھی تھیں جیسے سکولوں کا انتظام کرنے والی انجمن، مختلف تبلیغی رسالوں کا انتظام کرنے والی انجمن وغیرہ وغیرہ۔ اس لئے حضور نے ایک مرکزی انجمن "صدر انجمن احمدیہ" کے نام سے قائم فرمائی اور دوسری انجمنوں کو اس کے ماتحت قرار دیا[1]۔ اس انجمن کا صدر بھی حضرت اقدس نے

---

[1] الحکم ۱۰؍ فروری ۱۹۰۶ء و بدر ۱۶؍ فروری ۱۹۰۶ء

حضرت مولوی صاحب رض کو مقرر فرمایا اور سکرٹری جناب مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے کو۔

ایک علمی لطیفہ ایک مرتبہ ایک پادری صاحب نے آپ سے ملاقات کی اور آپ کی خدمت میں ایک کتاب پیش کی۔ جس کا نام تھا "عدم ضرورت قرآن"۔ اس کتاب میں پادری صاحب نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ قرآن کریم خدا تعالیٰ کا کلام نہیں بلکہ دیگر الہامی کتابوں کو اکٹھا کرکے انہیں عربی زبان کا لباس پہنا کر "قرآن کریم" کی شکل میں پیش کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے قرآن کریم کی متعدد آیات کو جمع کرکے یہ اعتراضات کئے کہ یہ صداقت قرآن شریف کی توراۃ میں موجود ہے۔ اور وہ انجیل میں ہے۔ اس آیت کا مطلب وید میں پایا جاتا ہے اور اس کا خلاصہ ژند و اوستا میں مل سکتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ حضرت مولوی صاحب نے وہ کتاب تھوڑی دیر میں ختم کر لی اور پادری صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ

"پادری صاحب! آپ کی کتاب نے قرآن شریف پر میرے ایمان کو بہت ترقی دی۔ اور میرا یقین اور بھی بڑھ گیا۔ بیشک یہ خدا کا کلام ہے۔ کیونکہ اس قدر دنیا کی مختلف کتابوں کا جمع کرنا۔ پھر ہر ایک کتاب کی زبان جدا ہے۔ سنسکرت۔ پہلوی۔ عبرانی۔ سریانی، پالی وغیرہ وغیرہ بہت زبانوں کو سیکھنا۔ پھر کتابوں کو بغور مطالعہ کرنا۔ جن میں سے ایک وید کے مطالعہ کے لئے ہی کم از کم چالیس سال کا عرصہ بتلایا جاتا ہے۔ پھر ان سب میں سے صداقتوں کا نکالنا اور ایک جگہ جمع کر دینا درحقیقت عرب کے بادیہ نشین امی حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا کام نہ تھا۔ یہ خدا ہی کا کام تھا جو سب کتب اور زبانوں کا مالک ہے۔

پادری صاحب! اس جمع کرنے کے علاوہ عظیم الشان صداقتوں کے دلائل صرف قرآن کریم نے دیئے اور عقل اور قانون قدرت میں تدبیر کرنے کی راہ کھولدی۔ اگر آگے ملکی سلاطین جبر و اکراہ سے کام لیتے اور ہادیان دین اپنے مسائل کے سامنے کسی کو کلام کرنے کی اجازت نہ دیتے تھے اور استاد شاگردوں کے لئے آزادی کے مجاز نہ تھے تو اسلام نے افلا تعقلون۔ افلا تبصرون۔ افلا یتدبرون القرآن کہہ کر آزادی بخشدی۔" [1]

---

[1] بدر ۲۳ فروری ۱۹۰۶ء

حضرت مولوی صاحبؓ کا یہ جواب سُنکر پادری صاحب ایسے خاموش ہوئے کہ گویا انہوں نے آپ سے کوئی سوال کیا ہی نہیں تھا۔

دینیات کا پہلا رسالہ

مئی ۱۹۰۶ء میں حضرت مولوی صاحب نے جماعت کے بچوں کو دینیات کے مسائل سکھانے کے لئے ایک رسالہ تصنیف فرمایا جس کا نام "دینیات کا پہلا رسالہ" رکھا۔ اس رسالہ میں نماز کی دعائیں۔ تیمم۔ اذان۔ وضو۔ اوقات نماز۔ فرائض۔ سُنن وغیرہ کے سب ضروری مسائل درج ہیں۔ اور آخر میں قرآن شریف کی چند آخری سورتیں بھی درج کر دی گئی ہیں۔[۱]

ڈاکٹر عبدالحکیم پٹیالوی سے آپ کی خط و کتابت

ڈاکٹر عبدالحکیم پٹیالوی حضرت اقدس کے ایک پرانے مرید تھے۔ انہوں نے قرآن کریم کی ایک تفسیر بھی لکھی تھی۔ حضرت اقدسؑ نے جب ان کی تفسیر کہیں کہیں سے سُنی تو فرمایا کہ "اس میں رُوحانیت نہیں ہے" حضرت مولوی صاحب نے وہ تفسیر دیکھ کر فرمایا کہ "اس میں غلطیاں بہت کثرت سے ہیں"۔ ان دونوں بزرگوں کے اپنی تفسیر کے متعلق خیالات سُنکر ڈاکٹر صاحب بگڑ کر واپس چلے گئے اور پھر قادیان میں آمد و رفت ترک کر دی۔ اور اپنی قرآن دانی کے گھمنڈ میں آ کر یہ عقیدہ اختیار کر لیا کہ انسان کی نجات کے لئے صرف اللہ تعالیٰ کی توحید اور قیامت پر ایمان لانا کافی ہے۔ انبیاء پر ایمان لانا ضروری نہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے رسالہ "الذکر الحکیم" صفحہ ۴ پر لکھا۔

"تمام قرآن مجید حمد الٰہی سے گونج رہا ہے اور توحید اور تزکیہ نفس کو ہی مدار نجات قرار دیتا ہے نہ کہ محمدؐ پر ایمان لانے کو یا مسیحؑ پر۔"

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس عقیدہ کو غلط قرار دیا اور ڈاکٹر صاحب کو نصیحت کی کہ وہ اس عقیدہ سے توبہ کریں۔ مگر انہوں نے اس کے برخلاف امام الزمان حکم و عدل سے بحث شروع کر دی اور بحث میں وہ رنگ اختیار کیا جو ایک گستاخ، سخت دشمن اور کینہ ور انسان ہی اختیار کر سکتا ہے۔ اس پر حضور نے انہیں ایک اعلان کے ذریعہ اپنی جماعت سے خارج کر دیا۔[۱]

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے حضرت مولوی صاحبؓ سے خط و کتابت شروع کی اور اپنے مندرجہ بالا عقیدہ کی تائید میں بڑے زور سے دلائل دینے شروع کئے۔ حضرت مولوی صاحب نے ان کے دلائل کا رد قرآن کریم کی متعدد آیات سے ایسا مدلل اور معقول دیا کہ ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔"[۲]

---

[۱] اعلان ۳ مئی ۱۹۰۶ء [۲] بدر ۳۰ مئی ۱۹۰۶ء

حضرت مولوی صاحب چونکہ بہت غیور انسان تھے اس لئے آپ نے ڈاکٹر عبد الحکیم صاحب کے جماعت سے خارج کئے جانے کے بعد ان کی تمام کتابیں انہیں واپس کر دیں اور انہیں لکھا۔

"چند اوراق و رسائل و کتابیں آپ کی اگر میرے کتب خانہ میں تھیں تو میں نے باحتیاط آپ کو واپس کر دیں۔"[۱]

ایسا ہی ڈاکٹر عبد الحکیم صاحب نے جو قرآن کریم کی تفسیر لکھی تھی اسے بھی آپ نے اپنی لائبریری سے خارج کروا دیا[۲]

ایک سکھ کے ساتھ مذہبی گفتگو

ایک سکھ نے آپ کی خدمت میں عرض کی کہ گورو گرنتھ صاحب ایک ایسی کتاب ہے جس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس میں صرف توحید اور اخلاقی باتوں کا ذکر ہے آپ کو بھی چاہیئے کہ آپ اس مذہب میں داخل ہو جائیں آپ نے فرمایا۔ بیشک ہم تو ہر ایک راستی کو قبول کرنے کے لئے تیار ہیں۔ آپ اپنی ماں یا بہن کے ساتھ شادی کریں۔ اس شادی کے جلسہ میں ہم بھی شامل ہو کر اسی جگہ پوہل لے لیں گے (یعنی سکھ بن جائیں گے)۔ وہ حیران ہوا کہ یہ کیا جواب ہے؟ اس پر آپ نے اُسے سمجھایا کہ سچا اور عالمگیر مذہب وہ ہو سکتا ہے۔ جو صرف اخلاق کو بیان نہ کرے بلکہ تمام قواعد شریعت متعلق عقائد، اخلاق اور تمدن بھی بیان کرے جب گورو گرنتھ صاحب آپ کے نزدیک کامل کتاب ہے اور اس میں یہ نہیں لکھا کہ ماں بہن کے ساتھ نکاح ناجائز ہے تو اس کی رو سے تو جائز ہوا۔ سردار صاحب نے کہا کہ یہ بات اور مذہب والوں سے لینگے حضرت مولوی صاحب نے فرمایا۔ پھر ایسے مذہب کو قبول کرنا نامناسب ہے جو دوسرے مذہب کا محتاج ہو۔[۳]

حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب کے نکاح کا اعلان۔ ۱۵ ر نومبر ۱۹۰۶ء

آپ نے ۱۵ ر نومبر ۱۹۰۶ء کو حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ کے نکاح کا اعلان حضرت نواب محمد علی خاں صاحبؓ کی صاحبزادی حضرت بوزینب بیگم صاحبہ کے ساتھ ایک ہزار روپیہ مہر پر پڑھا۔ حضرت اقدس اس نکاح کی مجلس میں خود بنفس نفیس موجود تھے۔ نکاح کا اعلان نئے مہمانخانہ کے اوپر دار البرکات کے صحن میں ہوا تھا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے اس موقعہ پر ایک نہایت ہی لطیف اور پُر معارف خطبہ ارشاد فرمایا جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ یہاں اس کے صرف چند فقرات درج کئے جاتے ہیں۔ فرمایا۔

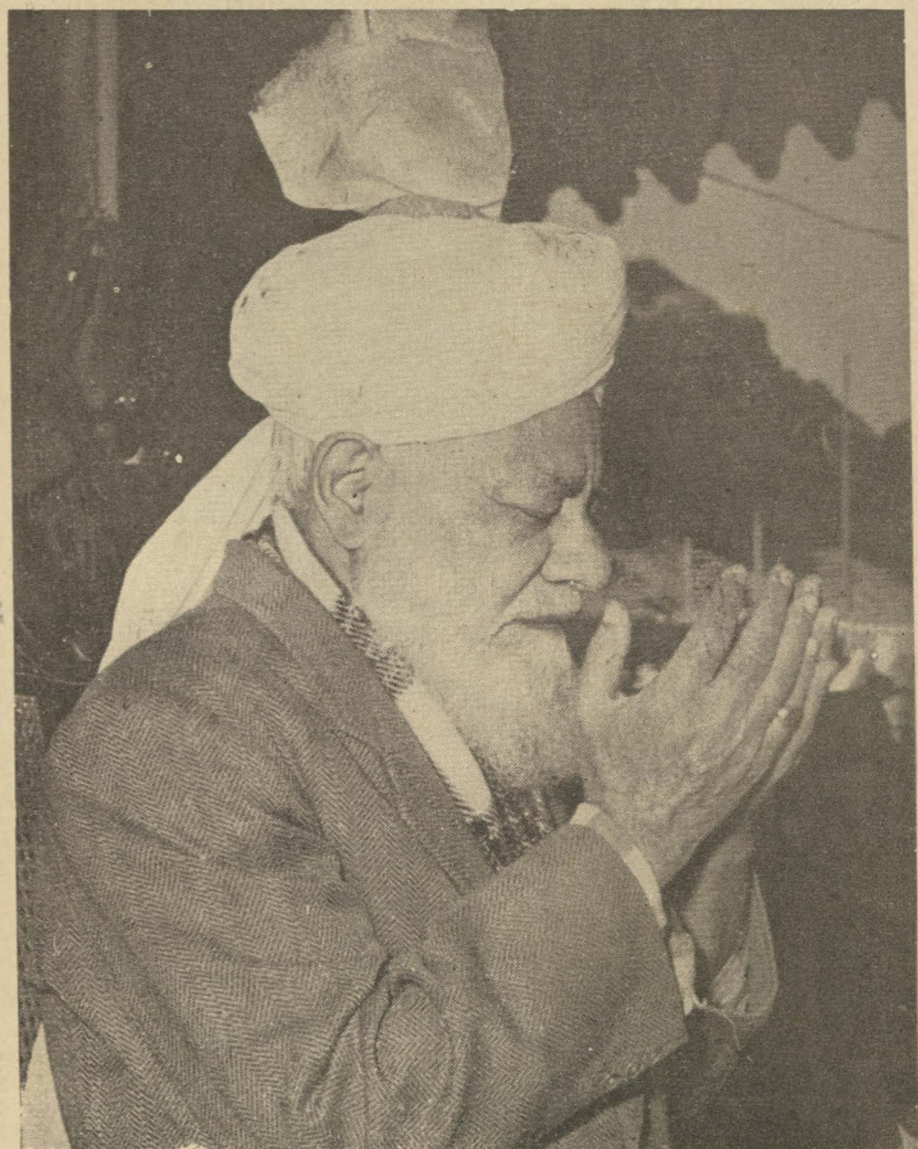
---

[۱] الحکم جلد ۱۰ نمبر ۲۹ ۱۹۰۶ء صفحہ ۱۔ [۲] الفضل جلد ۳۲ نمبر ۱۴۳ صفحہ ۱۔ [۳] بدر ۱۹ ر جولائی ۱۹۰۶ء

شبیہ مبارک حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب
رضی اللہ عنہ



شبیہ مبارک قمرالانبیاءؑ
حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ



شبیہ مبارک قمرالانبیاء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ

"ہماری خوش قسمتی ہے کہ خدا نے ہمارے امام کو بھی آدم کہا ہے اور بث منھما رجالاً کثیراً و نساءً کی آیت ظاہر کرتی ہے کہ اس آدم کی اولاد بھی دنیا میں اسی طرح پھیلنے والی ہے۔ میرا ایمان ہے کہ بڑے خوش قسمت وہ لوگ ہیں جن کے تعلقات اس آدم کے ساتھ پیدا ہوں۔ کیونکہ اس کی اولاد میں اس قسم کے رجال اور نساء پیدا ہونے والے ہیں جو خدا تعالیٰ کے حضور میں خاص طور پر منتخب ہو کر اس کے مکالمات سے مشرف ہوں گے۔ مبارک ہیں وہ لوگ۔" [1]

رسالہ "تعلیم الاسلام" میں آپ کے مضامین

جولائی ۱۹۰۶ء میں استاذی المکرم حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحبؓ کی ادارت میں ایک رسالہ بنام "تعلیم الاسلام" جاری کیا گیا۔ رسالہ کی اصل غرض و غایت تفسیر القرآن کی اشاعت تھی چنانچہ اس رسالہ میں حضرت مولوی صاحبؓ کی عربی تفسیر کا خلاصہ اور آپ کے درس القرآن کے نوٹوں کے علاوہ حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحبؓ کی تفسیر بھی شائع ہوا کرتی تھی۔ مئی ۱۹۰۷ء میں یہ رسالہ ریویو آف ریلیجنز اردو کے ساتھ بطور ضمیمہ چھپنے لگا۔

جلسہ سالانہ ۱۹۰۶ء میں تقریریں

جلسہ سالانہ ۱۹۰۶ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے "ضرورۃ الامام" کے موضوع پر ایک نہایت ہی لطیف تقریر فرمائی[2]

۲۸ دسمبر ۱۹۰۶ء کو آپ نے نماز جمعہ سے قبل ایک تقریر میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کے جاری کردہ رسالہ "تشحیذ الاذہان" کے مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ اس رسالہ کے ذریعہ نوجوان طلبا کی ذہنی معلومات میں اضافہ ہوگا۔ باہمی اخوت بڑھے گی اور حضرت اقدس کے ان بیش قیمت اقوال کی اشاعت ہوگی جو حضرت اندرون خانہ میں فرماتے ہیں۔ اور یہ ایک ایسا کام ہے جسے حضرت صاحبزادہ صاحب کے بغیر اور کوئی نہیں کر سکتا۔ نیز اس رسالہ کی ایک غرض یہ بھی ہے کہ اس میں حضرت اقدس کے تحریر فرمودہ عربی فقرات کی اشاعت ہوتی رہے۔ پس احباب کو چاہیئے۔ کہ وہ اس رسالہ کی اشاعت اور خریداری میں حصہ لے کر ان اغراض و مقاصد کو پورا کرنے کے لئے حضرت صاحبزادہ صاحب کے ممد و معاون ثابت ہوں۔[3]

۲۹ دسمبر ۱۹۰۶ء کو حضرت اقدس ۱۰ بجے صبح سیر کی غرض سے بہشتی مقبرہ کی طرف تشریف لے

---

[1] الحکم جلد ۱۰ نمبر ۲۴ صفحہ ۷۔ ۱۹۰۶ء [2] [3] خلاصہ بیان حضرت مولوی صاحب مندرجہ ۱۰ جنوری ۱۹۰۷ء

گئے۔ اور حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر اہل قبور کے واسطے دعا کی۔ حضرت مولانا حکیم صاحب (خلیفۃ المسیح الاولؓ) نے بھی وعظ و نصیحت کے رنگ میں احمدی احباب کو تلقین کی کہ وہ تفقہ فی الدین حاصل کرنے کے لئے اپنے میں سے ایک ایک آدمی اور اس کا خرچ بھیجا کریں تا وہ دین سیکھ کر واپس جائے اور اپنے اہل شہر کو پیغام حق پہنچائے۔[۱]

مولوی سعد اللہ لدھیانوی کی ہلاکت کے متعلق حضرت مولویصاحبؓ کی زبان پر حدیث رسولؐ کا جاری ہونا۔ آخر دسمبر ۱۹۰۶ء

مولوی سعد اللہ لدھیانوی حضرت اقدسؑ کے اشد مخالفین میں سے تھا۔ اس نے حضورؑ کے خلاف ایک کتاب "شہاب ثاقب بر مسیح کاذب" کے نام سے لکھی اور اس میں حضرت اقدس کی ناکامی اور نامرادی کے لئے دعائیں کیں اور پیشگوئی کے رنگ میں کہا کہ آپ نعوذ باللہ زیاں کار اور نامراد مریں گے۔ ۱۶ ستمبر ۱۸۹۴ء کو اس نے ایک اشتہار میں حضور کو ابتر کے لفظ سے بھی یاد کیا۔ اس کے جواب میں حضرت اقدس کو اس کے خلاف الہام ہوا۔ اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَالۡاَبۡتَرُ: یعنی تیرا دشمن سعد اللہ جو تجھے ابتر کہتا ہے اس کا دعویٰ غلط ہے کیونکہ تُو تو ابتر نہیں البتہ وہ ضرور ابتر رہے گا۔[۲]

اس الہام کے وقت سعد اللہ کا ایک بیٹا محمود نامی موجود تھا۔ اس کے بعد بارہ سال گذر گئے مگر اس کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی۔ سعد اللہ کا بیٹا بھی جوان ہو چکا تھا۔ لوگوں نے سعد اللہ کو کہا کہ اس کی جلد شادی کر دو تا کہ ہم بھی اسے صاحب اولاد دیکھ سکیں۔ سعد اللہ نے کوشش بھی کی کہ لڑکے کی شادی ہو جائے مگر لڑکا رضامند نہیں ہوتا تھا۔ لیکن جب تئیس سال کا ہو گیا تو سعد اللہ نے زبردستی ایک شخص حاجی عبدالرحیم کی دختر سے اس کی نسبت کر دی۔ لیکن شادی کی ابھی تیاریاں ہی ہو رہی تھیں۔ کہ سعد اللہ ۳ جنوری ۱۹۰۷ء کو نمونیہ پلیگ سے فوت ہو گیا۔ اور اس کے دل کے ارمان دل ہی میں رہے۔ اور گو وہ شادی بعد میں ہو گئی مگر اس شادی سے اس کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی۔ اس کے ایک عرصہ بعد مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے کوشش کر کے اس کی دوسری شادی کروائی مگر ان کی امید اس شادی سے بھی بر نہ آئی اور وہ لڑکا بغیر اولاد کے ہی مورخہ ۱۲ جولائی ۱۹۲۶ء کو مر گیا۔ اور حضرت اقدس کی پیشگوئی اپنی پوری شان کے ساتھ پوری ہوئی۔

---

[۱] بدر ۱۰ جنوری ۱۹۰۷ء۔ [۲] اشتہار انعامی ۲۹ ستمبر ۱۸۹۴ء۔

ابتر کے لفظ کی اشاعت پر ایک نشان

حضرت اقدس نے جو سعد اللہ لدھیانوی کو ابتر لکھا تو خواجہ کمال الدین صاحب پلیڈر نے بحیثیت وکیل یہ عرض کی کہ حضور ابھی سعد اللہ خود بھی زندہ ہے اور اس کا لڑکا بھی زندہ ہے اور حضور نے لکھ دیا ہے کہ نہ اُس سے اور نہ اس کے لڑکے سے اس کی نسل آگے چل سکتی ہے۔ اس پر اگر وہ چاہے تو عدالت میں استغاثہ کر سکتا ہے۔ اور پھر مقدمہ چلنے کی صورت میں مصائب کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ ان حالات میں اگر ابھی اس وحی (یعنی ان شانئک ھو الابتر) کی اشاعت کے بارہ میں اخفا سے کام لیا جائے تو مناسب ہوگا۔ لیکن حضرت اقدس نے تو جو کچھ لکھا تھا۔ الٰہی اشارہ سے لکھا تھا۔ اس لئے حضور نے محترم خواجہ صاحب کے مشورہ پر عمل کرنے سے انکار کر دیا۔ خواجہ صاحب نے جب دوبارہ کچھ عرض کیا تو حضرت اقدس نے بڑے جلال کے ساتھ فرمایا۔

> "مَیں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ شریر انسان کو مجھ پر مسلّط نہیں کرے گا اور اُسے کسی آفت میں مبتلا کر کے اپنے اس بندہ کو جو اُس کے حضور پناہ کا طالب ہے، اس کے شر سے محفوظ رکھے گا۔"

آگے چل کر حضور لکھتے ہیں۔ کہ

> "جب میری یہ بات میرے یکتا مخلص فاضل ماہر علوم دین مولوی حکیم نورالدین صاحب نے سُنی تو ان کی زبان پر حدیث ربّ اشعث اغبر جاری ہوئی۔ اور میرے جواب کو سُنکر اور نیز مولوی صاحب سے یہ حدیث سُنکر جماعت کے لوگوں کو اطمینان حاصل ہو گیا اور انہوں نے اس وکیل کو جس نے مجھے ڈرایا تھا غلطی خوردہ قرار دیا اور اس کی تخویف کو ہیچ سمجھا۔ اس کے بعد میں نے دو تین روز تک سعد اللہ کی موت کے لئے خدا تعالیٰ کی جناب میں دعائیں کیں۔ جس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ وحی نازل کی کہ ربّ اشعث اغبر لو اقسم علی اللّٰہ لابرہ۔ یعنی بعض لوگ جو عوام کی نظروں میں پراگندہ مُو اور غبار آلودہ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حضور وہ مقام رکھتے ہیں کہ اگر وہ کسی بات کے متعلق قسم کھا لیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو ضرور پورا کر دیتا ہے اور اس سے مراد یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ

اس شخص کے شر سے تمہیں محفوظ کرے گا۔ سو مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم ہے کہ ابھی چند ہی روز گذرے تھے کہ اس کی ہلاکت کی خبر آگئی" [1]

سیدزادی سے نکاح

ایک شخص نے حضرت اقدس کی خدمت میں سوال کیا کہ غیر سید کو سیدانی سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے نکاح کے واسطے جو محرمات بیان کئے ہیں اُن میں کہیں یہ نہیں لکھا کہ مومن کے واسطے سیدزادی حرام ہے۔ علاوہ ازیں نکاح کے واسطے طیبات کو تلاش کرنا چاہیئے اور اس لحاظ سے سیدزادی کا ہونا بشرطیکہ تقویٰ وطہارت اس میں ہوں، افضل ہے۔

حضرت مولوی صاحبؓ نے فرمایا کہ سیّد کا لفظ اولادِ حسینؓ کے واسطے ہمارے ملک میں ہی خاص ہے ورنہ عرب میں سب بزرگوں کو سید کہتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ سب سیّد تھے۔ اور حضرت علیؓ کی ایک لڑکی حضرت عمرؓ کے گھر میں تھی [3] اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک لڑکی [4] حضرت عثمانؓ سے بیاہی گئی تھی۔ پس اس عمل سے یہ مسئلہ بآسانی حل ہو جاتا ہے۔ جاہلوں کے درمیان یہ بات مشہور ہے کہ امتی سیدانی کے ساتھ نکاح نہ کرے حالانکہ امتی میں تو ہر ایک مومن شامل ہے۔ خواہ وہ سید ہو یا غیر سیّد۔ [2]

حضرت مولوی صاحبؓ کی عظمت شان حضرت مسیح موعودؑ کی نظر میں، ۱۹۰۷ء

حضرت ملک غلام فرید صاحب ایم۔اے کا بیان ہے کہ

"ایک دن حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ قادیان میں بک ڈپو کے پاس کھڑے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھ کر میر صاحبؓ نے فرمایا۔ ملک صاحب! میں آپ کو ایک روایت سناتا ہوں۔ اس کو آپ یاد رکھیں۔ اس کے بعد فرمایا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں حضرت خلیفہ اولؓ بیمار ہوگئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میری یہ ڈیوٹی لگائی کہ جب آپ حضرت مولوی صاحبؓ کو دیکھنے تشریف لے جائیں تو میں آپ کے ساتھ جایا کروں ایک دن حضرت مولوی صاحب کی طبیعت کچھ زیادہ ناساز تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام حسبِ معمول آپ کو دیکھنے کے لئے ان سیڑھیوں سے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مکان کے اوپر کے حصہ سے حضرت صاحبزادہ

---

[1] ترجمہ الاستفتاء عربی صفحہ ۳۵-۳۶؛ [2] مبدر۔ ۱۴ فروری ۱۹۰۷ء؛ [3] فروغ کافی

[4] یعنی ایک وقت میں۔ مؤلف

مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے مکان کے صحن میں اترتی ہیں، حضرت مولوی صاحب کو دیکھنے کے لئے تشریف لائے۔ میں حضور کے ساتھ تھا جب ڈاکٹروں نے اور خود حضرت مسیح موعودؑ نے بھی حضرت مولوی صاحب کو دیکھ لیا تو حضور نے باہر صحن میں تشریف لاکر ٹہلنا شروع کر دیا۔ اس وقت حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحبؓ نے آپ پر چھتری سے سایہ کیا ہوا تھا۔ حضور کچھ دیر ٹہلتے رہے اور پھر انہیں سیڑھیوں کے ذریعہ اوپر تشریف لے گئے۔ میں بھی حضرت صاحب کے ساتھ چلا گیا۔ اپنے مکان میں تشریف لاکر حضرت صاحب نے ایک الماری میں سے کچھ دوائیں نکالیں اور حضرت اماں جانؓ کے دالان میں ہی زمین پر بیٹھ گئے۔ اور ان دواؤں میں سے کچھ دوائیں نکال نکال کر کاغذ کے ٹکڑوں پر رکھنی شروع کر دیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فکرمندی کو دیکھ کر حضرت اماں جان بھی آکر حضور کے پاس بیٹھ گئیں۔ اور جیسے کوئی کسی کو تسلی دیتا ہے اس طرح سے آپ نے حضور سے کلام کرنا شروع کر دیا۔ کہ جماعت کے بڑے بڑے عالم فوت ہو رہے ہیں۔ مولوی برہان الدین صاحب جہلمی فوت ہو گئے۔ مولوی عبدالکریم صاحب بھی فوت ہو گئے۔ خدا تعالیٰ مولوی صاحب کو صحت دے۔ حضرت اماں جانؓ کی یہ باتیں سُنکر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:۔

"یہ شخص ہزار عبدالکریم کے برابر ہے"

اتنی روایت سُنا کر حضرت میر صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ ملک صاحب! اس فقرے کو یاد رکھیں۔ بالکل یہی الفاظ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمائے تھے"

خاکسار کے استفسار پر حضرت ملک صاحب موصوف نے فرمایا کہ

"حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کی بیماری کا یہ واقعہ غالباً ۱۹۰۸ء کا ہے۔"

ملکی شورش سے الگ رہنے کی تلقین کے لئے جلسہ ۱۲ مئی ۱۹۰۷ء

تقسیم بنگال کے نتیجہ میں ہندوؤں نے ملک میں جو طوفان بے تمیزی برپا کر رکھا تھا۔ جب اس نے ۱۹۰۷ء میں زیادہ خطرناک صورت اختیار کر لی۔ تو حضرت اقدسؑ نے

۷ رمئی ۱۹۰۷ء کو ایک اشتہار کے ذریعہ اپنی جماعت کو اس سے الگ رہنے کی تلقین فرمائی۔

اس سلسلہ میں ۱۲ رمئی ۱۹۰۷ء کو حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی صدارت میں ایک جلسہ بھی کیا گیا۔ جس میں حضرت مولوی صاحبؓ نے قیام امن کے موضوع پر ایک نہایت ہی لطیف تقریر فرمائی جس میں بالخصوص اس امر کا ذکر فرمایا کہ اس حکومت میں سب سے زیادہ فائدہ ہندو قوم نے اُٹھایا ہے۔ ہر سال کروڑوں کی جائداد مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل کر ہندوؤں کے قبضہ میں چلی جاتی ہے حکومت کی تمام کلیدی اسامیوں پر ہندو قابض ہیں اور مسلمانوں کے پاس صرف ادنیٰ ادنیٰ ملازمتیں رہ گئی ہیں۔ ان حالات میں ہندوؤں کو چاہیئے تھا کہ وہ اس گورنمنٹ کے سب سے زیادہ شکرگذار ہوتے۔ مگر افسوس کہ انہوں نے سب سے زیادہ ناشکری کی اور کیوں نہ کرتے آخر مشرک جو ٹھہرے۔ ایک مشرک جو اپنے حقیقی محسن خالق مالک کو چھوڑ کر ایک پتھر کے آگے سر جھکاتا ہے اس سے بھلا کب توقع ہو سکتی ہے کہ وہ انسان کے احسان کو شکریہ کے ساتھ دیکھے گا۔[1]

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کا مذہب دربارہ مسئلہ کفر و اسلام و نبوت حضرت مسیح موعودؑ

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں ایک شخص نے بعض سوالات لکھ کر بھیجے۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ

۱۔ کیا حضرت مسیح موعود اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے منکر برابر ہیں ؟

۲۔ لانبی بعدی کے کیا معنی ہیں ؟

۳۔ اگر نبی آسکتا ہے تو ابوبکرؓ وغیرہ نبی کیوں نہ بنے ؟

ان سوالات کے جواب میں جو چٹھی جو حضرت مولوی صاحب نے لکھی۔ اس کا عکس اخبار الفضل پرچہ ۱۳ رمئی ۱۹۱۶ء کے صفحات ۳ تا ۶ پر درج ہے۔ خلاصہ جوابات حضور کے اپنے الفاظ میں یہ ہے کہ

۱۔ "میاں صاحب! رسولوں میں تفاضل تو ضرور ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ تلک الرسل فضلنا بعضھم علیٰ بعض۔ ابتدا پارہ تیسرا۔ جب رسل میں مساوات نہ رہی تو ان کے انکار کی مساوات بھی آپ کے طرز پر نہ ہوگی۔ تو آپ ایسا خیال فرما لیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے مسیح کا منکر جس فتویٰ کا مستحق ہے۔ اس سے بڑھ کر خاتم الانبیاء کے مسیح کا منکر ہے۔ صلوٰت اللہ علیہم اجمعین۔

---

[1] بدر ۱۶ رمئی ۱۹۰۷ء

میاں صاحب! اللہ تعالیٰ مومنوں کی طرف سے ارشاد فرماتا ہے کہ ان کا قول ہوتا ہے لانفرق بین احدٍ من رسلہ۔ اور آپ نے بلاوجہ یہ تفرقہ نکالا کہ صاحب شریعت کا منکر کافر ہو سکتا ہے اور غیر صاحب شرع کا کافر نہیں۔ مجھے اس تفرقہ کی وجہ معلوم نہیں ہوئی۔"

"جن دلائل و وجوہ سے ہم لوگ قرآن کریم کو مانتے ہیں۔ انہیں دلائل و وجوہ سے ہمیں مسیح موعود کو ماننا پڑا ہے۔ اگر دلائل کا انکار کریں تو اسلام ہی جاتا ہے۔ آپ اس آیت پر غور کریں واذا قیل لھم اٰمنوا بما انزل اللہ۔ قالوا نؤمن بما انزل علینا ویکفرون بما وراءہ وھو الحق مصدقاً لما معھم۔ دلائل کی مساوات پر مدلول کی مساوات کیوں نہیں مانی جاتی۔"

۲۔ دوسرے سوال کے جواب میں عرض ہے۔ نازل ہونے والے عیسٰی بن مریم کو حضرت نبی کریم نے صلے اللہ علیہ وسلم نبی اللہ فرمایا ہے اور ان الہامات و وحیوں نے جو مرزا کو منجانب اللہ ہوئیں۔

اگر آپ احادیث کو مانتے ہیں تو آپ لا ایمان لمن لا امانۃ لہ و لا دین لمن لا عھد لہ۔ لاصلوٰۃ الاّ بفاتحۃ الکتاب۔ لانکاح الاّ بولی۔ لاحسد الاّ فی اثنین۔ میں غور فرماویں۔ کیا یہ نفی آپ کے نزدیک عموم رکھتی ہے۔ پھر غور کرو۔ اور قرآن کریم میں تو خاتَم النبیین بفتح تا ہے۔ خاتِم بکسر تا نہیں۔ بھلا میاں صاحب! یقتلون النبیین میں آپ عموم کے قائل ہیں یا تخصیص کے۔

۳۔ "ابوبکر کو نبی نہیں کہا گیا اور مسیح موعود کو کہا گیا۔ سردست اسی عرض پر بس کرتا ہوں۔ یار باقی صحبت باقی!

نورالدین ۵؍جولائی ۱۹۰۷ء"

اکبر شاہ خاں نجیب آبادی کے والد کی صحت کے لئے دعا۔ ۱۵؍جولائی ۱۹۰۷ء

اکبر شاہ خاں نجیب آبادی کے والد مولوی نادر شاہ خاں صاحب سخت بیمار ہو گئے۔ بعد میں خط آیا کہ والدہ بھی بیمار ہو گئی ہے۔ اکبر شاہ خاں وہی خط لئے ہوئے بیتابانہ حضرت

مولوی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ السلام علیکم عرض کرکے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے سلام کا جواب دے کر ان کی طرف دیکھ کر فرمایا "وہ اچھے ہوگئے" یا "وہ اچھے ہوجائیں گے"۔ یہ فرمانا کچھ اس طرح غیر معمولی تھا۔ کہ بظاہر بڑی ہی کم توجہی پائی جاتی تھی اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا آپ نے بے اعتنائی یا تحقیر کے ساتھ ٹال دیا ہے۔ اکبر شاہ خاں لکھتے ہیں کہ

"میرے دل میں اس وقت بجلی کی طرح یک لخت حدیث رب اشعث اغبر لو اقسم علی اللّٰہ لابرہ کا خیال گذرا۔ اور یقین ہوگیا کہ میرے والدین اچھے ہوجائیں گے چنانچہ والد صاحب کا خط آگیا کہ ۱۵ جولائی کو گیارہ بجے کے قریب سے (ٹھیک یہی وقت حضرت حکیم الامۃ کی خدمت میں میرے حاضر ہونے کا تھا) ہم یک لخت اچھے ہوگئے اور مرض کی تمام علامات یک لخت جاتی رہیں۔ ہزاروں لاکھوں بلکہ لاتعداد رحمتیں ہوں اے مسیح موعود تجھ پر کہ تیری تعلیم کا میں نے یہ اثر دیکھا کہ تیرے ایک مرید مولوی نورالدین کی دعا سے بھی مردے زندہ ہوجاتے ہیں"[1]

صاحبزادہ مرزا مبارک احمد اور میاں عبدالحی کے نکاحوں کا اعلان۔ ۳۰ اگست ۱۹۰۷ء

حضرت اقدس کے صاحبزادہ مرزا مبارک احمد کا نکاح حضرت ڈاکٹر سید عبدالستار شاہ صاحب کی لڑکی مریم بیگم صاحبہ کے ساتھ اور حضرت مولوی صاحب کے لڑکے میاں عبدالحی کا نکاح حضرت پیر منظور محمد صاحب کی لڑکی حامدہ بیگم صاحبہ کے ساتھ قرار پایا تھا۔ حضرت مولوی صاحب نے ۳۰ اگست ۱۹۰۷ء کو عصر کی نماز کے بعد حضرت اقدس کی موجودگی میں دونوں کا خطبہ نکاح پڑھا۔

حضرت مولوی صاحب جیسا طبیب ہر جگہ کہاں مل سکتا ہے

ایک بیمار جو کہ باہر سے اپنا علاج کروانے کے لئے حضرت مولوی صاحب رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا حضرت اقدس کی خدمت میں بھی سلام کے لئے حاضر ہوا۔ حضور نے اثنائے گفتگو میں حضرت مولوی صاحب رضؓ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:-

"مولوی صاحب کا وجود از بس غنیمت ہے۔ آپ کی تشخیص بہت اعلیٰ ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ بیمار کے واسطے دعا بھی کرتے ہیں۔ ایسے طبیب ہر جگہ کہاں مل

---

[1] بدر ۲۵ جولائی ۱۹۰۷ء

سکتے ہیں"۔ ؎۱

صدر انجمن کے فیصلہ کا احترام

محترم جناب ماسٹر فقیر اللہ صاحب کا بیان ہے کہ "جب قادیان میں انجمن قائم ہوئی تو انجمن کی نقدی رکھنے کے لئے حضرت نواب محمد علیخاں صاحبؓ نے ایک لوہے کی الماری انجمن کو دی۔ جب میں دفتر محاسب میں لگا تو حضرت مولوی صاحب انجمن کے امین تھے اور یہ الماری اس کوٹھڑی میں تھی جو حضرت مولوی صاحب کے مطب کے ساتھ تھی اور مولوی صاحب کے شاگرد حضرت مولوی غلام محمد صاحب کشمیری اس میں سویا کرتے تھے اور اگر کوئی اور حضرت مولوی صاحب کا مہمان آتا۔ تو وہ بھی وہاں سوتا۔ اس الماری کی ایک چابی حضرت مولوی صاحب کے پاس رہتی اور ایک میرے پاس اور انجمن کی ہدایت تھی کہ الماری دونوں کی موجودگی میں کھلے چونکہ الماری میں تقریباً روزانہ روپیہ رکھنا یا نکالنا ہوتا تھا۔ میں دفتر محاسب سے آتا اور مولانا مطب سے اُٹھ کر تشریف لاتے مگر بعد میں وہ اپنے شاگرد مولوی غلام محمد صاحب کشمیری یا کسی اَور کو چابی دیدیتے۔ اور اس کی موجودگی میں الماری کھولی جاتی اور میں روپیہ رکھتا یا نکالتا۔ انہی ایام میں ایک دفعہ خزانہ سے ایک سو روپیہ کم ہو گیا۔ میں نے حضرت مولوی صاحب کی خدمت میں عرض کیا۔ فرمانے لگے تم جانو۔ تم ہی الماری بند کرتے اور کھولتے ہو۔ آخر انجمن میں رپورٹ ہوئی۔ انجمن نے فیصلہ کیا کہ انجمن کے فیصلہ کے مطابق مولوی صاحب خود نہیں جاتے رہے۔ اس لئے اس نقصان کے ذمہ دار مولوی صاحب ہیں چنانچہ مولوی صاحب نے یہ روپیہ ادا کر دیا۔" ؎۲

تیاری فہرست نو مسلمین میں آپ کا کردار

محترم ڈاکٹر ظفر حسن صاحبؓ کا بیان ہے کہ "حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد سعادت میں ایک دفعہ بعض مخالفین نے اعتراض کیا کہ مرزا صاحب اسلام کی ترقی اور تبلیغی وسعت کے متعلق دعاوی تو بہت بلند بانگ کرتے ہیں۔ لیکن آپ نے کچھ مسلمانوں کو اکٹھا کر کے اپنی جماعت کی شیرازہ بندی کر لی ہے

؎۱ بدر ۵ ستمبر ۱۹۰۷ء ؎۲ اصحاب احمد جلد دہم صفحہ ۲۶ ۔

اگر غیر مسلموں کو اسلام میں داخل کرنے کا کام کرتے تو آپ کی سچائی کے متعلق غور کیا جا سکتا۔ جب اس جہت سے کوئی کام نظر نہیں آتا تو بلا ثبوت دعاوی پر کون ایمان لا سکتا ہے؟ حضرت اقدس علیہ السلام نے اس اعتراض کا جواب دینے کے لئے حضرت حکیم الامت مولانا نورالدین رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا کہ ایک فہرست اُن غیر مسلموں کی بھی تیار کی جائے جو ہمارے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے ہیں۔

چنانچہ حسب الارشاد حضرت مولانا نورالدین صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک فہرست تیار کی جس میں کچھ اس قسم کے کوائف درج فرمائے۔

موجودہ اسلامی نام ۔ سابقہ نام ۔ ولدیت قوم سابقہ سکونت وغیرہ

جب آپ نے یہ فہرست تیار کی تو سر فہرست اپنا نام درج فرمایا اور لکھا

موجودہ نام نورالدین۔ سابقہ نام نورالدین ۔ ولدیت مولوی غلام رسول قوم قریشی۔ سابقہ سکونت بھیرہ ضلع شاہ پور وغیرہ

آپ کے نام کا پہلے نمبر پر اندراج دیکھ کر بعض احباب نے عرض کیا کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے تو نو مسلموں کی فہرست تیار کرنے کا ارشاد فرمایا تھا اور آپ نے سر فہرست اپنا نام درج کر دیا ہے۔ حضرت مولوی صاحبؓ نے بڑے جوش سے فرمایا کہ مجھے حقیقی اور اصل اسلام کا شرف تو حضرت اقدس علیہ السلام کے ذریعہ سے ہی حاصل ہوا ہے اس لئے میں نے اپنا نام بھی اس فہرست میں درج کر دیا ہے۔" [1]

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے اس فعل سے پتہ چلتا ہے کہ آپ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اکتساب فیض کے کس قدر حریص تھے؟ اور جب اس قدر عظیم الشان انسان کا یہ حال تھا کہ وہ اپنے مرشد و ہادی کے سامنے کمال تذلل وانکسار کے ساتھ اپنے آپ کو بالکل بے دست و پا کر کے پھینکے ہوئے تھا تو ہم لوگوں کا کہاں ٹھکانہ! رب اغفر وارحم و انت خیر الراحمین - اٰمین یا رب العالمین ۔

---

[1] الفضل مورخہ ۱۴ جولائی ۱۹۶۳ئہ ۔

طبیعت میں استغنا آپ کی طبیعت میں استغنا کا مادہ خدا تعالیٰ نے اس حد تک ودیعت کیا ہوا تھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کا بیان ہے کہ

"حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کے پاس ایک بڈھا دوائی لینے کے لئے آیا کرتا تھا اور وہ متواتر چھ سات ماہ تک آتا رہا۔ میں اور میر محمد اسحاق صاحب ان دنوں حضرت خلیفۂ اولؓ سے پڑھا کرتے تھے۔ ہمارے لئے یہ عجیب بات تھی کہ وہ ہمیشہ ہی دوائی لینے آ جاتا ہے۔ ایک دن ہم نے اس سے پوچھا کہ تم روز یہاں آتے ہو اگر تمہارا علاج ٹھیک نہیں ہو رہا تو کسی اور طبیب سے علاج کراؤ۔ حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ ان دنوں عموماً زکام کے مریضوں کے لئے نسخہ جات میں شربت بنفشہ لکھا کرتے تھے۔ اس بڈھے نے کہا کہ چونکہ مجھے یہاں شربت پینے کو مل جاتا ہے اس لئے میں روز دوائی لینے آجاتا ہوں۔

حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے اُسے کئی دفعہ نماز پڑھنے کی نصیحت کی۔ وہ کہا کرتا تھا۔ آپ کی نماز بھی کوئی نماز ہے۔ مسجد میں نماز پڑھنے گئے اور پھر سلام پھیر کر باہر آ گئے۔ جس چیز سے عشق ہو بھلا وہاں سے کوئی باہر بھی آیا کرتا ہے۔ ہم نے تو جس دن سے اپنے پیر کی مریدی کی ہے، ہم نماز پڑھ رہے ہیں اور اس دن سے نماز توڑی ہی نہیں تو پھر نئی نماز پڑھنے کا سوال ہی کس طرح پیدا ہو سکتا ہے۔"[1]

اس سے ظاہر ہے کہ علاج کے معاملہ میں آپ احمدی و غیر احمدی، مسلم و کافر سب کے ساتھ یکساں سلوک کرتے تھے۔ وہ شخص احمدی نہ تھا اور باوجود بارہا نصیحت کرنے کے نماز بھی نہیں پڑھتا تھا۔ پھر اپنے اقرار کے مطابق چھ سات ماہ سے برابر محض شربت پینے کے لئے آیا کرتا تھا۔ بیماری وغیرہ اسے کوئی نہ تھی اور یہ ناممکن ہے کہ اتنے بڑے طبیب کو اس کی اس حرکت کا علم نہ ہو۔ آپ یقیناً جانتے ہوں گے کہ وہ محض شربت پینے کے لئے آتا ہے مگر آپ نے اُسے کبھی اشارتاً بھی نہیں کہا کہ بابا دوا لینے کے لئے کوئی شخص مہینوں بھر بھی آیا کرتا ہے؟

آپ کا یہ طریق تھا کہ آپ دوا کی قیمت نہیں لیا کرتے تھے بلکہ اگر کسی شخص کے لئے غذا کے طور پر دودھ ڈبل روٹی وغیرہ تجویز کرتے اور وہ کہتا کہ میں غریب آدمی ہوں، خرید نہیں سکتا تو آپ اپنی گرہ سے اس کی خوراک کا انتظام فرماتے۔ اور اس طرح بعض نادار لوگ کئی کئی دن بیماری کا بہانہ بنا کر دودھ اور ڈبل روٹی کھاتے رہتے۔

---

[1] از خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۰ فروری ۱۹۵۰ء بمقام راولپنڈی مندرجہ اخبار الفضل ۰ ا جولائی ۱۹۶۳ء

صاحبزادہ مرزا مبارک احمد کی وفات پر حضور کا حضرت مولوی صاحب سے خطاب ۱۶ ستمبر ۱۹۰۷ء

صاحبزادہ مرزا مبارک احمد جن کے نکاح کا اوپر ذکر ہو چکا ہے ۔ نکاح کے پورے سولہ دن بعد وفات پا کر اپنے مولیٰ حقیقی کے حضور حاضر ہو گئے ۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون ۔ حضرت اقدس جنازہ کے ساتھ قبرستان تشریف لے گئے اور قبر کی تیاری کی انتظار میں کچھ فاصلے پر بیٹھ گئے ۔ احباب نے بھی ارد گرد حلقہ کر لیا ۔ تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد حضرت مولوی صاحب کو مخاطب کر کے حضور نے قرآن کریم کی آیت ولنبلونکم بشیئٍ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ الخ کی ایسی لطیف تفسیر بیان فرمائی کہ سامعین محو حیرت ہو کر رہ گئے ۔

جلسہ مذاہب میں شمولیت ۲-۳-۴ دسمبر ۱۹۰۷ء

دسمبر ۱۹۰۷ء کے پہلے ہفتے میں آریہ سماج وچھو والی لاہور نے "جلسہ مذاہب" کے نام پر ایک عام جلسہ منعقد کرنے کا فیصلہ کیا اور مضمون یہ مقرر کیا کہ "الہامی کتاب کونسی ہو سکتی ہے؟" آریہ صاحبان نے جہاں دیگر تمام مذہبی لیڈروں کو اس جلسہ میں مضمون سُنانے کے لئے مدعو کیا ۔ وہاں حضرت اقدس کی خدمت میں بھی درخواست کی کہ حضور بھی اس جلسہ کے لئے مضمون تیار فرماویں ۔ حضور نے آریوں کے اخلاق اور عادات کا خیال کر کے پہلے تو اعراض کرنا چاہا مگر ان کے اصرار اور اس یقین دہانی پر کہ دیگر مذاہب کے بانیان کی عزت و احترام کا پورا پورا خیال رکھا جائے گا اور کسی گروہ کی دلآزاری نہیں کی جائے گی ، مضمون لکھنے کا وعدہ فرما لیا ۔ آریوں نے جلسہ کے لئے ۲-۳-۴ دسمبر ۱۹۰۷ء کی تاریخیں مقرر کی تھیں اور سامعین کے لئے چار چار آنہ فی کس ٹکٹ بھی مقرر کیا ۔ قادیان سے حضرت مولوی حکیم نور الدین صاحب رضؓ کی قیادت میں ایک وفد اس جلسہ میں شامل ہونے کے لئے گیا ۔ اور دور و نزدیک سے بھی کافی احمدی اس جلسہ میں شامل ہوئے ۔ حضور کے مضمون کا پہلا حصہ حضرت مولوی صاحبؓ نے اور دوسرا حصہ جناب ڈاکٹر مرزا یعقوب صاحب نے پڑھ کر سُنایا ۔ مضمون کیا تھا ۔ اس کا حظ وہی لوگ اُٹھا سکتے ہیں جو اس کا مطالعہ کریں ۔ حضرت اقدس کی مشہور کتاب "چشمہ معرفت" کے آخر میں چھپا ہوا موجود ہے ۔

حضور کا یہ مضمون ۲ دسمبر ۱۹۰۷ء کو شام کے اجلاس میں جو ۷ بجے شروع ہو کر دس بجے ختم ہوا ، سُنایا گیا ۔ مضمون کے آخری حصہ میں چونکہ حضرت اقدس کے بعض الہامات درج تھے ۔ اس لئے سامعین نے خواہش

کی کہ حضرت مولوی صاحبؓ ان الہامات کا ترجمہ بیان فرمائیں۔ آپ نے اپنے امام کا انتہائی ادب کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ

"جب ملہم نے ترجمہ نہیں دیا تو مجھے کوئی حق نہیں کہ میں ان کا ترجمہ کروں۔ لیکن حاضرین کی خواہش پر میں اپنی سمجھ کے مطابق ترجمہ سُنا دیتا ہوں مگر یاد رہے کہ ملہم جس پر یہ وحی ہوئی ہے میرے اس ترجمہ کا پابند نہیں اور نہ اس پر یہ ترجمہ حجت ہو سکتا ہے۔ اصل وہی ہوگا جو وہ خود پیش کرے گا۔" [1]

یہ الفاظ جہاں اس ادب کو ظاہر کرتے ہیں جو آپ کے قلب مطہر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق پایا جاتا تھا۔ وہاں آپ کے کمال انکسار پر بھی شاہد ہیں کہ باوجود ترجمہ کرنے کے آپ نے فرمایا کہ اصل ترجمہ وہی ہوگا جو ہمارا امام خود پیش کرے گا۔ اللّٰھم صل علیٰ محمّد و علیٰ آل محمّد۔

اس کے بعد آپ نے اپنی جماعت کی طرف سے شکریہ ادا کرتے ہوئے امید ظاہر کی کہ لوگ اس مضمون پر غور کریں گے۔ آپ کی اس مختصر سی تقریر کے بعد صدر جلسہ کاشی رام دیو نے حضرت مولوی صاحبؓ سے درخواست کی کہ ہمارے لئے دعا کی جائے کہ ہمیں بھی ہدایت نصیب ہو۔

آریوں نے ۴؍ دسمبر ۱۹۰۷ء کو یعنی جلسہ کے آخری روز جو مضمون پڑھا اس میں اسلام اور بانئے اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف سخت بدزبانی اور دلآزاری کی۔ اجلاس کے صدر نے اگرچہ بعد ازاں معذرت کی اور اس امر پر اظہار افسوس کیا کہ ہم نے یہ مضمون پہلے پڑھا نہیں تھا ورنہ ہم اس کے پڑھنے کی ہرگز اجازت نہ دیتے۔ مگر یہ تو عذر گناہ بدتر از گناہ تھا۔ وہ اگر چاہتے تو مقرر کو تقریر کے دوران میں ہی روک سکتے تھے۔ جماعت کے دوستوں نے گو اس تقریر کو بادلِ ناخواستہ سُنا لیکن ان کے جگر اس گندی تحریر کو سُن کر پاش پاش ہو رہے تھے۔

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کا بیان ہے کہ

"میری عمر اس وقت سترہ سال کی تھی۔ مگر میں اس بدگوئی کو سُن کر برداشت نہ کر سکا اور میں نے کہا کہ میں تو ایک منٹ کے لئے بھی اس جلسہ میں نہیں بیٹھ سکتا۔ میں یہاں سے جاتا ہوں۔ . . . . اکبر شاہ خانصاحب نجیب آبادی مجھے کہنے لگے کہ مولوی صاحب تو یہاں بیٹھے ہیں اور آپ اُٹھ کر باہر جا رہے ہیں۔ اگر یہ غیرت کا مقام ہوتا تو کیا مولوی

---

[1] الحکم جلد ۱۰ نمبر ۴۴ صفحہ ۹

صاحب کو غیرت نہ آتی۔ میں نے کہا کچھ ہو، مجھ سے تو یہاں بیٹھا نہیں جاتا اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ سخت کلامی مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتی۔ وہ کہنے لگے۔ آپ کو کم سے کم نظام کی تو اتباع کرنی چاہئے۔ مولوی صاحب اس وقت ہمارے لیڈر ہیں، اس لئے جب تک وہ بیٹھے ہیں اس وقت تک نظام کی پابندی کے لحاظ سے آپ کو اُٹھ کر باہر نہیں جانا چاہیئے۔ ان کی یہ بات اس وقت کے لحاظ سے مجھے معقول معلوم ہوئی اور میں بیٹھ گیا۔" [1]

جب یہ وفد واپس قادیان پہنچا اور حضرت اقدس کی خدمت میں اس جلسہ کی رپورٹ پیش کی تو حضور کو اس قدر رنج پہنچا کہ الفاظ میں اسے بیان کرنا مشکل ہے۔ جو صحابہؓ اس موقعہ پر موجود تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت اقدس کی زبان فیض ترجمان سے بار بار یہ الفاظ نکلتے تھے کہ تمہاری غیرت نے یہ کیسے برداشت کیا کہ تم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیخلاف گالیاں سنتے رہے۔ تم لوگ اس مجلس سے فوراً اُٹھ کر باہر کیوں نہ آ گئے۔ پھر حضور نے بڑے جوش کے عالم میں قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی کہ

اذا سمعتم اٰیات اللّٰہ یکفر بھا ویستھزء بھا فلا تقعدوا معھم حتّٰی یخوضوا فی حدیث غیرہ (النساء ع ۲۰) یعنی اے مومنو! جب تم سُنو کہ خدا کی آیات کا دل آزار رنگ میں کفر کیا جاتا اور ان پر ہنسی اڑائی جاتی ہے تو تم ایسی مجلس سے فوراً اُٹھ کر چلے جایا کرو اور اس وقت تک وہاں نہ بیٹھا کرو جب تک کہ وہ اس دلآزار طریق کو چھوڑ کر مہذبانہ انداز گفتگو اختیار نہ کریں۔"

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ جو اس وفد کے امیر تھے سر نیچا کرکے بیٹھے رہے اور باقی دوست بھی اپنے کئے پر پشیمان نظر آتے تھے۔

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا بیان ہے کہ

"مولوی محمد احسن صاحب امروہی گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور جس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک ناراضگی کے موقعہ پر یہ الفاظ کہے تھے کہ رضیت باللّٰہ ربًّا وبالاسلام دینًا وبمحمدٍ نبیًّا۔ اسی قسم کے الفاظ انہوں نے کہے اور پھر کہا کہ ذہول ہو گیا۔ یعنی ہر آدمی سے

---

[1] الفضل ۲۷ جنوری ۱۹۴۰ء

بعض موقعوں پر غلطی ہوجاتی ہے۔ ہم سے بھی ذہول کے ماتحت یہ غلطی ہوئی ہے۔
حضور درگذر فرمائیں۔ آخر بہت دیر کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا
غصہ فرو ہوا۔ اور آپ نے اس غلطی کو معاف فرمایا۔" [۱]

مگر جہاں آپ نے جماعت کے دوستوں پر اس لئے اظہار ناراضگی فرمایا کہ وہ ایسی مجلس سے اُٹھ کر کیوں نہ چلے آئے وہاں آپ کو اس امر سے خوشی بھی ہوئی کہ ایسی شدید اشتعال انگیزی کے باوجود جماعت نے صبر اور برداشت کا نہایت اعلیٰ نمونہ دکھایا ہے۔ چنانچہ حضور "چشمہ معرفت" میں فرماتے ہیں:۔

"اگر پاک طبع مسلمانوں کو اپنی تہذیب کا خیال نہ ہوتا اور بموجب قرآنی تعلیم کے صبر کے پابند نہ رہتے اور اپنے غصہ کو تھام نہ لیتے تو بلاشبہ یہ بدنیت لوگ ایسی اشتعال دہی کے مرتکب ہوئے تھے کہ قریب تھا کہ وہ جلسہ کا میدان خون سے بھر جاتا۔ مگر ہماری جماعت پر ہزار آفرین ہے کہ انہوں نے بہت عمدہ نمونہ صبر اور برداشت کا دکھایا اور وہ کلمات آریوں کے جو گولی مارنے سے بدتر تھے ان کو سُن کر چُپ کے چُپ رہ گئے۔" [۲]

اسی طرح فرماتے ہیں:۔

"اگر میری طرف سے اپنی جماعت کے لئے صبر کی نصیحت نہ ہوتی اور اگر میں پہلے سے اپنی جماعت کو اس طور سے تیار نہ کرتا کہ وہ ہمیشہ بدگوئی کے مقابل پر صبر کریں تو وہ جلسہ کا میدان خون سے بھر جاتا۔ مگر یہ صبر کی تعلیم تھی کہ اس نے اُن کے جوشوں کو روک لیا۔" [۳]

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت خلیفہ اولؓ کے اوصاف حمیدہ اور کمالات علمی اور روحانی کی وجہ سے حضرت اقدس آپ سے بہت محبت کرتے تھے بلکہ ایسی محبت کہ جس کی مثال نہیں مل سکتی۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ اور حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ کی بیویوں میں یہ دلچسپ اختلاف ہوگیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ان میں سے کس کے خاوند کے ساتھ زیادہ محبت ہے۔ آخر معاملہ حضرت ام المومنینؓ تک پہنچا۔ آپ نے فرمایا کہ میرے علم میں تو بڑے مولوی صاحب (یعنی حضرت خلیفہ اولؓ)

---

[۱] الفضل ۱۶ جنوری ۱۹۴۲ء وسیرۃ المہدی صفحہ ۲۱۹-۲۲۰ [۲] چشمہ معرفت صفحہ ۲ [۳] ضمیمہ باعث تالیف کتاب صفحہ ۷

کے ساتھ زیادہ محبت ہے مگر ابھی امتحان کئے لیتے ہیں چنانچہ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام سے عرض کیا کہ آپ کے سب سے زیادہ پیارے رفیق. . . . ابھی آپ اس فقرہ کو پورا نہیں کرنے پائی تھیں کہ حضرت اقدس نے جلدی سے فرمایا۔ کیوں مولوی نورالدین صاحب کی کیا بات ہے ؟ اور اس طرح اس حل شدہ مسئلہ کی تصدیق ہو گئی۔[1]

پھر آپ ہی ہیں جن کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ

چہ خوش بودے اگر ہر یک ز امت نوردیں بودے

ہمیں بودے اگر ہر دل پُر از نورِ یقیں بودے

پھر اللہ تعالیٰ نے بھی آپ کو حضرت اقدس کے وصال کے بعد خلافت اولیٰ کے بلند و بالا منصب پر سرفراز فرما کر اور بعد وفات حضرت کے پہلو میں جگہ دے کر اس بات کا ثبوت بہم پہنچا دیا کہ واقعی آپ کا مقام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے غلاموں میں سب سے اونچا تھا۔

مگر اس کے باوجود جہاں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی عزت کا سوال تھا وہاں آپ نے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق اپنے جذبات غیرت کا اظہار کرنے اور سلسلہ کے عاشق اور فدائی انسانوں پر بھی اظہار ناراضگی کرنے میں کوئی دریغ نہ فرمایا۔

چنانچہ محترم مولوی تاج الدین صاحب لائلپوری قاضی سلسلہ عالیہ کا بیان ہے کہ

"حضرت مولانا سید سرور شاہ صاحب رضؓ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کا ایک عزیز عبدالرحمٰن نام سخت آوارہ اور بھنگی چرسی تھا۔ حضرت اقدس کو جب اس کا علم ہوا تو حضور نے آپ کو کہلا بھیجا کہ اس لڑکے کو قادیان سے نکال دیا جاوے۔ مگر وہ کچھ دیر وہیں بیٹھا رہا اور قادیان سے باہر نہ گیا۔ حضرت اقدس کو جب اس امر کی دوبارہ اطلاع ہوئی کہ وہ لڑکا ابھی تک مولوی صاحب کے پاس ہی ہے تو حضور نے حضرت مولانا محمد سرور شاہ صاحب سے فرمایا کہ ابھی جائیے اور مولوی صاحب سے کہئے کہ اس لڑکے کو فوراً قادیان سے نکال دیجئے اور اگر آپ کو اس لڑکے کو قادیان سے بھیج دینا ناگوار ہو تو آپ بھی ساتھ ہی چلے جائیں۔

یہ واقعہ بیان کر کے حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب فرمایا کرتے تھے

---

[1] روایت حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضؓ بحوالہ الفضل ۱۷ دسمبر ۱۹۵۰ء

کہ میں نے جب حضرت اقدس کا پیغام حضرت مولوی صاحب کو دیا تو اس وقت وہ لڑکا حضرت مولوی صاحب کے پاس ہی بیٹھا ہوا تھا۔ آپ نے اسے فرمایا کہ اسی وقت اڈے میں چلے جاؤ کرایہ وغیرہ تمہیں وہاں ہی پہنچا دیا جائے گا چنانچہ وہ لڑکا اُسی وقت چلا گیا۔"

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا بیان ہے کہ

"جب اس لڑکے کو اس بات کا علم ہوا کہ حضرت اقدس نے مولوی صاحب کو میرے قادیان سے نکالنے کا حکم دیا ہے تو اس نے یہ موقعہ غنیمت سمجھا اور کہا کہ اگر اتنے روپے دو گے تو میں چلا جاؤں گا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جتنے روپے وہ مانگتا تھا اُس وقت اتنے روپے حضرت خلیفہ اولؓ کے پاس نہ تھے۔ اس لئے آپ کچھ کم دیتے تھے اس جھگڑے میں دیر ہو گئی۔ چنانچہ اس کی اطلاع پھر حضرت صاحب تک پہنچی کہ وہ ابھی تک نہیں گیا اور قادیان میں ہی ہے تو اس پر حضرت صاحب نے حضرت خلیفہ اولؓ کو کہلا بھیجا کہ یا تو اسے فوراً قادیان سے رخصت کر دیں۔ یا خود بھی چلے جائیں۔" [۱]

اس واقعہ سے احباب اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ حضرت اقدس کے کیسے جانثار صحابی تھے۔ آپ نے جب دیکھا کہ حضرت اقدس ناراض ہو رہے ہیں تو اس لڑکے کو فوراً اڈے پر بھیج دیا اور اُسے کہا کہ جس قدر روپے تم مانگتے ہو تمہارے پیچھے اڈے پر پہنچا دیئے جائیں گے۔

کارکنان تشحیذ الاذھان کے انتظام کے ماتحت ایک جلسۂ عام میں آپ کی تقریر ۲۵ دسمبر ۱۹۰۷ء

۲۵ دسمبر ۱۹۰۷ء کو کارکنان رسالہ "تشحیذ الاذہان" کے انتظام کے ماتحت آپ نے ایک تقریر فرمائی جس میں احباب جماعت کو رسالہ مذکور کی خریداری کی طرف توجہ دلانے کے بعد واعظ کے مزکی ہونے کے بارے میں نہایت لطیف ارشادات فرمائے اس تقریر میں آپ نے قرآن کریم سے یہ ثابت کیا کہ سب سے بڑے واعظ انبیاء کرام اور ان کے بعد خاصانِ خدا ہوتے ہیں۔ لہٰذا اگر نوجوان چاہتے ہیں کہ وہ سلسلہ حقہ کے لئے مفید واعظ بن سکیں تو انہیں اپنے نفسوں کی اصلاح کرنی چاہیئے۔

---

[۱] اصحاب احمد جلد ہفتم صفحہ ۱۲۷

جلسہ سالانہ ۱۹۰۷ء کی تقاریب

۲۶؍ دسمبر ۱۹۰۷ء کو حضرت مولوی صاحب نے ظہر و عصر کی نمازیں جمع کروانے کے بعد بعض نکاحوں کا اعلان فرماتے ہوئے ایک نہایت لطیف خطبہ ارشاد فرمایا جس میں نکاح کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی۔

۲۷؍ دسمبر کو جمعہ تھا۔ حضرت اقدس کے ارشاد کے ماتحت آپ نے خطبہ جمعہ مسجد اقصیٰ میں پڑھا۔ جلسہ کی وجہ سے عصر کی نماز بھی ساتھ ہی ادا کی گئی۔

۲۸؍ دسمبر کو جلسہ کا آخری دن تھا۔ مغرب کی نماز کے بعد صدر انجمن احمدیہ کی کانفرنس ہوئی جس میں بیرونی انجمنوں کے اکثر عہدیدار شامل ہوئے۔ سب سے پہلے سکرٹری صاحب نے مختلف مرکزی صیغوں کی رپورٹ پڑھ کر سنائی۔ اس کے بعد بجٹ برائے ۱۹۰۸ء پیش ہوا۔ بجٹ کے بعد جناب خواجہ کمال الدین صاحب نے تمام ضروری امور کی تفصیل پیش کی اور بعد ازاں حضرت مولوی صاحب نے ایک شاندار تقریر میں اس امر پر روشنی ڈالی کہ قرآن کریم کی رو سے کس قسم کی انجمنیں بنانا جائز ہیں اور کس قسم کی ناجائز۔"[1]

خطبہ عید الاضحیہ ۱۵؍ جنوری ۱۹۰۸ء

حضرت مولوی صاحبؓ بہ سبب اسہال علیل تھے۔ بعض دوستوں نے حضرت اقدس کی خدمت میں عرض کی کہ حضرت مولوی صاحب بوجہ بیماری نہ آسکیں گے۔ مگر حضرت نے فرمایا کہ میں نے ابھی ان کو ایک دوا بھیجی ہے، بلاؤ تو سہی۔ دوا کیا تھی، حضرت کی دعا کا اثر تھا کہ مولوی صاحب تشریف لے آئے۔ اور باوجود شدید علالت کے ایک نہایت لطیف خطبہ تقویٰ، دعا اور قربانی پر بیان فرمایا۔[2]

میاں عبد الوہاب صاحب کی پیدائش ۸؍ فروری ۱۹۰۸ء

۸؍ فروری ۱۹۰۸ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ کے گھر میں تیسرا لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عبد الوہاب تجویز فرمایا۔

خطبہ نکاح حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ ۱۷؍ فروری ۱۹۰۸ء

۱۷؍ فروری ۱۹۰۸ء بروز سہ شنبہ بعد نماز عصر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بڑی صاحبزادی حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کا نکاح حضرت نواب محمد علی خاں صاحب رئیس مالیر کوٹلہ کے ساتھ چھپن ہزار روپیہ مہر پر حضرت مولوی صاحب نے پڑھا۔ آپ نے خطبہ نکاح میں پہلے عربی زبان میں حمد الٰہی بیان کی پھر چند آیات قرآن کی تلاوت کی اور پھر عربی عبارت کی تفسیر اور تشریح کی۔ اور نکاح کی ضرورت اور

---

[1] بدر۔ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء

[2] بدر ۲۳ جنوری ۱۹۰۸ء

اس کے فوائد پر بحث کی اور آخر میں حق مہر کے متعلق فرمایا کہ مہر خاوند کے حالات اور اس کی قوم اور ملک کے حالات کے مطابق ہوتا ہے ورنہ ایک غریب شخص کا نکاح صرف اتنے پر ہوا کہ اس سے اقرار لیا گیا کہ وہ اپنی بیوی کو حق مہر کے عوض چند آیات قرآنی پڑھا دے گا۔[1]

اس رشتہ کی تحریک بھی دراصل حضرت مولوی صاحب کی وجہ سے ہی ہوئی تھی۔ واقعہ یوں ہے کہ حضرت نواب صاحب کی بیگم محترمہ امۃ الحمید صاحبہ جب وفات پا گئیں تو حضرت نواب صاحب کو کسی موزوں جگہ رشتہ کرنے کی ضرورت پیش آگئی۔ حضرت اقدس نے بھی کئی جگہ تحریک فرمائی مگر کوئی نہ کوئی روک پیدا ہوتی رہی یہانتک کہ ایک روز حضرت نواب صاحب حضرت مولوی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خواہش ظاہر کی کہ فلاں جگہ رشتہ کے متعلق خط لکھ دیں۔ آپ نے فرمایا۔

"اچھا ہم لکھ دیتے ہیں مگر دل نہیں چاہتا۔ ہمارا دل کچھ اور چاہتا ہے۔ مگر زبان جلتی ہے"

حضرت نواب صاحب آپ کے اس فقرہ سے سمجھ گئے اور دوسری جگہ خط لکھوانے کی خواہش چھوڑ دی اور آپ سے کچھ کہے بغیر اٹھ کر چلے گئے۔ اور بعد میں گفت و شنید کے ذریعہ سے یہ رشتہ طے قرار پا گیا۔

حضرت مولوی صاحب کے حضرت نواب صاحب کے ساتھ گہرے تعلقات تھے اور انہی کی بناء پر آپ حضرت نواب صاحب کی پہلی بیوی کے بچوں کو بھی نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم اخلاص اور قربانی میں ترقی کرنا چاہتے ہو تو اپنے رشتے احمدیوں میں کراؤ۔

قرآن کریم کے پہلے پارہ کا ترجمہ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے ترجمہ قرآن کریم کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے اس اہم کام کی طرف بھی توجہ فرمائی اور اس ترجمہ کا ایک پارہ نمونۃً شائع بھی ہو گیا۔ مگر مکمل شائع نہیں ہوا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اس پر اپنی خوشنودی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

چونکہ زندگی اور عمر کا اعتبار نہیں اور درحقیقت یہ ضرورت ہے اگر آپ سے انجام پذیر ہو تو بہت ثواب کا کام ہے۔ میرے نزدیک اس خدمت سے عمر بھی بڑھتی ہے جب حدیث کے خادموں کی طول عمر کی نسبت بہت کچھ ثابت ہے تو پھر قرآن شریف کے

---

[1] بدر پرچہ ۲۰ فروری ۱۹۰۸ء

خادم کے بارہ میں قوی یقین ہے کہ خدا اس کی عمر میں برکت دیگا۔ والسلام۔

مرزا غلام احمد "[1]

یہاں یہ ذکر کر دینا بھی خالی از فائدہ نہ ہوگا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کی عربی میں ایک تفسیر بھی لکھی تھی اور لوگوں نے اصرار بھی کیا کہ اسے چھپوا دیا جائے مگر آپ نے اسے ضائع فرما دیا۔ آپ نے اپنے ایک خطبہ میں اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

" "قرآن شریف اللہ تعالےٰ کا کلام ہے۔ جس طرح خدا تعالےٰ کی کوئی حد و بست نہیں۔ اسی طرح اس کے کلام کا بھی کوئی حد و بست نہیں۔ لہٰذا کلام الٰہی کی تفسیر کو ہم کسی خاص معنیٰ میں محدود نہیں کر سکتے۔ قرآن شریف اللہ تعالیٰ کا کلام تھا۔ بظاہر چاہیئے تھا کہ خدا ہی اس کی کوئی تفسیر کر دیتا۔ مگر خدا تعالیٰ نے اپنی کتاب کی کوئی تفسیر نازل نہیں فرمائی۔ پھر نبی کریم محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی قرآن شریف کی کوئی تفسیر نہیں کی۔ ان کے بعد خلفائے راشدین کا حق تھا۔ انہوں نے بھی کوئی تفسیر نہیں کی۔ پھر فقہ کے آئمہ اربعہ گذرے ہیں۔ حضرت امام ابو حنیفہ ۱۵۰ھ ہجری میں ہوئے بہت قریب وقت میں تھے صحابہ کو دیکھا مگر کوئی تفسیر قرآن شریف کی نہ لکھی۔ پھر امام شافعی ہوئے، امام مالک ہوئے۔ امام احمد حنبل ہوئے مگر کسی نے قرآن شریف کی تفسیر نہ لکھی۔ پھر محدثین بخاری۔ ترمذی۔ ابو داؤد بڑے شاندار لوگ گذرے ہیں۔ پر انہوں نے بھی کوئی تفسیر نہیں لکھی۔ صوفیاء کرام میں خواجہ معین الدین۔ شہاب الدین سہروردی حضرت مجدد صاحب۔ شاہ نقشبند۔ حضرت سید عبد القادر جیلانی بڑے عظیم الشان لوگ ہوئے۔ علم ظاہری کے ساتھ علم باطن بھی رکھتے تھے مگر کسی نے کوئی تفسیر نہیں لکھی۔ حضرت شہاب الدین کی ایک تفسیر ہے مگر اس میں انہوں نے اپنی کوئی تحقیقات نہیں لکھی۔

میں نے بھی ایک تفسیر لکھی تھی اور لوگوں نے اصرار کیا کہ جلد چھپواؤ۔ مگر میں نے سوچا کہ میری تفسیر کو دیکھ کر بعد میں آنیوالے لوگ ان معنوں پر حصر کرنے لگیں گے کہ یہی معنے ہیں اور بس اور اس طرح قرآن شریف کے حقائق و معارف کا دروازہ وہ

---

[1] بدر پرچہ ۱۹ مارچ ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۱۔

آئندہ کے لئے اپنے اوپر بند کرلیں گے۔ یہ مولا کریم کی کتاب ہے۔ ہر زمانہ کے مباحثات کا اس میں جواب ہے اور ہر زمانہ کے لئے شفاء لما فی الصدور ہے۔ اس کو محدود نہیں کر دینا چاہئے" [۱]

۲۵ مئی ۱۹۰۹ء کو حضور نے فرمایا:۔

" آئمہ اربعہ، آئمہ حدیث۔ آئمہ تصوف۔ آئمہ کلام میں سے کسی نے قرآن شریف کی پوری تفسیر نہیں لکھی۔ مجھ کو بچپنے ہی سے تفسیر کا بہت شوق ہے میں نے کئی مرتبہ تفسیر لکھنی شروع کی اور پوری نہ ہو سکی۔ ایک مرتبہ میں نے بڑی دعا مانگی کہ خدا تعالیٰ تفسیر لکھنے کی توفیق دے۔ خواب میں دیکھا کہ مجھ کو ایک دوات دی گئی لیکن وہ خشک تھی۔ میں سمجھا کہ اور دعا مانگنی چاہیئے کیونکہ پانی ڈالنے سے دوات کام دے سکتی ہے۔ پھر دوسری مرتبہ خواب دیکھا کہ ایک قلم دیا گیا جو چِرا ہوا تھا۔ میں نے سمجھ لیا کہ چِرے ہوئے قلم کا تو کوئی علاج ہی نہیں۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ میرے اُوپر بھی امام کا لفظ آنے والا تھا۔" [۲]

مکرم ڈاکٹر فیض علی صاحب صابر مرحوم کی روایت ہے کہ

" جس زمانہ میں میں نے اخبار بدر نکالا۔ میں نے حضور سے التجا کی کہ آپ قرآن مجید کا ترجمہ مجھے لکھ دیا کریں تو میں اُسے چھاپ کر 'ہم خرما و ہم ثواب' کا مصداق ہو جاؤں۔ اس پر آپ نے وعدہ فرمایا کہ پارہ پارہ کر کے ترجمہ لکھ دیا کریں گے لیکن جب عرصہ قریباً ایک ماہ گذر گیا تو میرے یاد دہانی کرانے پر فرمایا۔ میں بھولا نہیں ہوں بلکہ اسی فکر میں ہوں۔ مگر جب کچھ اَور وقت گذرا تو میرے تقاضا پر آپ نے جو کچھ فرمایا اس کا مفہوم یہ تھا

اگرچہ میں مدت دراز سے قرآن مجید کا درس دے رہا ہوں اور کثرت سے قرآن مجید کے دور ختم کر چکا ہوں لیکن میں لکھتا بھی جاتا ہوں اور میرے پاس بڑا انبار مسودوں کا موجود ہے اور ہر مرتبہ میں یہ خیال کرتا ہوں کہ اب یہ کام مکمل ہو گیا اس کو چھاپ دیا جائے۔ مگر جب نیا دَور درس کا شروع ہوتا ہے

---

[۱] بدر پرچہ ۱۶ر نومبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۲۔ [۲] مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۸۹۔

تو ایسے عجیب وغریب حقائق اور معارف کا انکشاف از سر نو شروع ہو جاتا ہے۔ کہ میری پچھلی تمام محنت اس کے مقابلہ میں رائگاں ہو جاتی ہے۔

سلسلہ تقریر میں یہ بھی فرمایا:

دیکھو یہ مرزا بھی جو قرآن مجید کی خدمت کے لئے مامور ہے اس کا ترجمہ یا تفسیر شائع نہیں کرتا اور یہ کام امت مسلمہ کے کسی خاص بزرگ یا مجدد نے بھی نہیں کیا۔ قرآن مجید کے جتنے تراجم اور تفسیریں لکھی گئی ہیں اگرچہ ان سے فائدہ بھی ہوا ہے لیکن عام طور پر عوام الناس نے ان کی بناء پر خود تدبر اور فکر کرنے کی عادت چھوڑ دی اور ان پر اکتفا کرنے کا عقیدہ اختیار کر لیا۔ اس لئے دین اسلام کو سخت نقصان بھی پہنچا ہے لہٰذا میں باوجود خواہش اور ہمدردی کے بھی دریا کو کوزہ میں بند نہیں کر سکتا۔" [۱]

مجمع الاحباب والاخوان کی تشکیل
۱۹ مارچ ۱۹۰۸ء

۱۹ مارچ ۱۹۰۸ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اجازت سے ایک مضمون "الاحباب والاخوان کی خدمت میں ایک عرض" کے عنوان سے لکھا۔ مضمون چونکہ سارا درج کیا جا رہا ہے۔ اس لئے اس کے اغراض و مقاصد پر کچھ علیحدہ لکھنا ضروری نہیں۔ قارئین خود پڑھ کر اندازہ کر سکتے ہیں کہ آپ کے دل میں ایک پاک اور مخلص جماعت کی تشکیل اور پھر اس کے ذریعے خدماتِ اسلام سرانجام دینے کی کس قدر تڑپ تھی۔ وہ مضمون یہ ہے:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

احباب و اخوان احمدیہ کی خدمت میں

ایک عرض

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ میں ایک رات اپنی عمر اور بہت بڑی عمر جو عمر امت محمدیہ کی آخری حد پر پہنچنے کو ہے، سوچتے سوچتے بہت گھبرایا، کہ کیا کیا۔ بعد الموت نتائج پر غور کرتا ہوا التحیات کے اسرار کی طرف جھکتا جھکتا مثنوی کے طوطے والی کہانی کی طرف جا پہنچا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک طوطے نے اپنے تاجر

---

[۱] الفضل مورخہ ۴ نومبر ۱۹۳۷ء صفحہ ۵

کو کہا کہ ہند کے طوطیوں کو میرا سلام پہنچا دینا ۔ منشا ریہ تھا کہ کس طرح میں اس قید سے نجات پاؤں ۔ تو ان طوطیوں نے کہا کہ جب تک کہ وہ ایک قسم کی موت اپنے اوپر نہ لاوے تو نجات محال ہے ۔ یہی طوطیان الٰہی ارواح شہداء اللہ کی طرف جو جوف طیر خضر میں عرش سے متعلق ہیں ، انتقال کر گیا ۔ اور السلام علیك ایّها النّبی ورحمة الله وبرکاته اور السلام علینا وعلٰی عباد الله الصالحین پر تدبر کرتے کرتے جوش کے ساتھ جناب الٰہی کو تاجر بنایا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان الله اشتری من المومنین انفسهم واموالهم بانّ لهم الجنّة یعنی اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور اموال خرید لئے ہیں اور اس کے بدلہ میں ان کو جنت دینے کا وعدہ دیا ۔ پس اسی لئے ہر ایک مومن کو چاہیئے کہ وہ اپنی جان اور مال کو بجز پروانگی الٰہی کے خرچ نہ کیا کرے ۔ کیونکہ اس نے تو اپنی جان اور مال کو خدا کے ہاتھ پر بیچ دیا ہے ۔ اس آیتہ کریمہ میں اللہ تعالےٰ نے اپنا نام مشتری تاجر رکھا ہے ۔ اسی سلسلہ میں مَیں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر درود و برکات وسلام پڑھنے شروع کئے ۔ آخر اس شغل کے بعد مجھے خیال پیدا ہوا کہ میں اپنے اصحاب بناؤں کی تسبیح الله کثیراً وتذکرہ کثیراً اور اُن کے لئے کوئی امتیازی نشان قائم کروں والحمدللہ کہ شرک و بدعت سے متنفر اور لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ایمان لانے والوں میں سچے اور پکے سنت جماعت فرقہ احمدیہ جو سنت متوارثہ پر عمل کر کے سنی اور امام کے ماتحت ہو کر جماعت ہیں ان میں سے میں نے حسن ظن ۔ استقلال ۔ مرنج مرنجاں حالت والے ، دعاؤں کے قائل لوگوں کو بقدر اپنے فہم و محدود معاملہ کے دوست بنایا ۔ اس میں چند اغراض تھے اوّل ۔ کم سے کم یہ میرے لئے میرے ایمان کے شہداء اللہ فی الارض ہوں کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ صالحین جس کی نسبت اچھی گواہی دے دیں وہ جنتی ہوتا ہے اور جس کی نسبت بری گواہی دیں وہ دوزخی ہوتا ہے ۔ ان شہداء اللہ فی الارض کی شہادت سے میں انشاء اللہ وارث ما ادث من اللہ ۔

دوم۔ اس میل جول سے باہم تعاون علی البر والتقویٰ کے مصداق بن جاویں اور یار اور انصار ہوں۔

سوم۔ بعض ایسے خاص فضل الٰہی ہوتے ہیں جو بغیر اتفاق و اتحاد اور جماعت کے نہیں ملتے۔ اس بات کو میں نے مدنظر رکھ کر ایک مجمع احباب بنایا ہے۔ تاکہ باہمی دوستانہ تعلقات سے کوئی فیضان الٰہی خاص طور پر نازل ہو جس سے اللہ تعالےٰ راضی ہو جاوے اور ہمیں خادم اسلام و مسلمین کر دے۔

چہارم۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت کے دن سبعۃٌ یُظلّھم اللّٰہ یوم لاظلّ الّا اللّٰہ۔ سات قسم کے لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کے عرش کے سایہ کے نیچے ہوں گے۔ منجملہ ان کے دو ایسے آدمی بھی ہوں گے جو اللہ ہی کے لئے محبت کا رشتہ باندھتے ہیں جب وہ ملتے ہیں تو اسی پر ملتے ہیں اور جب الگ ہوتے ہیں تو اسی محبت الٰہیہ پر الگ ہوتے ہیں۔

سو میں نے چاہا کہ تحابا فی اللہ والے لوگوں میں شامل ہو کر ہم سایہ عرش عظیم کے نیچے آسودگی حاصل کریں۔ عرش کا سایہ اس جہاں اور اس جہاں، دنیا و آخرت ہر دو جگہ میں ظہور پا سکتا ہے۔

پنجم۔ کوئی تدبیر ایسی نکل آوے کہ عربی زبان باہم خصوصاً احمدیوں میں اور عام طور سے تمام مسلمانوں میں رائج ہو جاوے کیونکہ صرف یہی ذریعہ ہے جس سے تمام دنیا کے مسلمان خواہ وہ کسی ملک کے باشندے ہوں باہم سلسلہ اتحاد و اتفاق کو ترقی دے سکتے ہیں۔ دوسرے صرف عربی پر ہی فہم قرآنی اور احادیث رسول ربانی منحصر ہے۔ اس پر کسی خاص صورت میں ملکہ پیدا ہو جاوے جس طرح جسمانی لوگوں نے سکۃ الحدید کے ذریعہ طیّ الارض کیا ہے اور وہ ما انزلہ الّا بقدرٍ معلوم سے صاف واضح ہوتا ہے۔

ششم۔ جہاں احباب احمدیہ میں باہمی رنج و کدورت ہو یہ احباب صلح کا موجب ہوں۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے واصلحوا ذات بینکم اور اصلحوا بین

اخویکم والصلح خیر۔

ہفتم۔ ہر عسر و یسر میں باہمی مشوروں اور دعاؤں سے کام لیں مگر مسلمانوں کی کاہلی ہے کہ اب تک قادیان کے احباب نے بھی ان امور میں کسی قدر کسل سے کام لیا ہے اور دُور والوں پر کیا شکایت ہو سکتی ہے؟ جو اعتراض مجمع پر ہوتے ہیں اُن کے جوابات کی نقل جہاں جہاں بھیجی گئی تھی۔ ان میں سے صرف سیالکوٹ اور پشاور نے ہی اپنے مفید مشورہ سے امداد دی ہے مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ لاہور سے کوئی جواب نہیں آیا۔

اس کے علاوہ میں نے دُور دُور کے اہل الرائے کو خطوط لکھے ہیں کہ کس طرح عربی تعلیم اور ارشاد کیا معنے، وعظ کرنے اور تقریر و تحریر کرنے میں ترقی حاصل کر سکتے ہیں۔ اسکندریہ اور مصر تک خط بھیجے ہیں کہ ایسے پاک مشوروں سے کوئی کام نکل آوے۔ نیز کوشش کی جاوے کہ چھوٹے چھوٹے ٹریکٹ جن میں تائید اسلام کی جاوے اور ان اعتراضوں کا جواب دیا جاوے جو جماعت پر غیر مذاہب کی طرف سے کئے جاتے ہیں اور جن سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرض سے کسی قدر سبکدوش ہوں اور سُوء ظن کے آفات سے احباب کو آگاہ کیا جاوے اور یہ تحریک بردست الحکم۔ بدر اور تشحیذ الاذہان میں شائع کی جاتی ہے۔ احباب اور اخوان احمدی اپنے پاک مشوروں سے ہماری نصرت کے لئے کوشش کریں۔"[1]

اس غرض کے لئے آپ نے چودہ سو کارڈ بھی چھپوائے تھے اور آپ کا ارادہ تھا کہ جب اس مجلس کے چودہ سو ممبر بن جائیں تو ان اغراض و مقاصد کو پیش نظر رکھ کر جن کا اس مضمون میں ذکر ہے۔ حضرت اقدس سے دعائے خاص کی درخواست کریں گے۔ مگر اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ بعد میں جلد ہی حضرت اقدس کو لاہور جانا پڑا جہاں حضور کا وصال ہو گیا۔ پھر تو ساری جماعت ہی حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی غلام بن گئی۔ اسی بات کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے ۲۶ دسمبر ۱۹۰۸ء کو جلسہ سالانہ کی تقریر میں فرمایا۔

"یہ کارڈ کا مضمون میں نے محمود کو دیا کہ ذرا ابا کو دکھا دو۔ انہوں نے کہا۔ اس

---

[1] ب ۔ ن جلد ۷ نمبر ۱۱ پرچہ ۱۹ مارچ ۱۹۰۸ء

سے بہتر اور کیا کام ہو سکتا ہے۔ چودہ سو کارڈ چھاپے گئے تھے اور میرا خیال تھا کہ اتنے احباب میرے ہو گئے تو میں حضرت صاحب سے دعا کراؤں گا کہ ہم پر وہ فیضان ہو جو اجتماع پر موقوف ہے۔ مگر میرے مولیٰ کو میرے دل کی تڑپ کا حال معلوم تھا۔ میں چودہ سو چاہتا تھا مگر خدا نے مجھے کئی چودہ سو مخلص احباب دیئے اور میری وہ حالت ہو گئی جو تم دیکھتے ہو۔"[۱]

اسی طرح خطبہ عید الفطر ۱۹۰۹ء میں فرمایا۔

"حضرت صاحب کے زمانے میں مَیں نے چودہ سو کارڈ چھپوائے تھے کہ چودہ سو آدمیوں کی جماعت ہو کر ہم حضرت صاحب سے بیعت کریں گے اور اس فضل سے حصہ لیں گے جو جماعت سے مختص تھا۔ خدا نے خلوص نیت کو نوازا۔ اور چودہ سو سے کئی لاکھ اس جماعت کو بنا دیا۔ **اب ضرورت ہے اس جماعت میں اتفاق اتحاد اور وحدت کی اور وہ موقوف ہے خلیفہ کی فرماں برداری پر"**[۲]

قادیان میں فنانشل کمشنر کی آمد ۲۱ مارچ ۱۹۰۸ء

سر جیمز ولسن فنانشل کمشنر پنجاب جب ڈپٹی کمشنر گورداسپور اور اپنے پرائیویٹ سکرٹری کے ہمراہ ۲۱ مارچ ۱۹۰۸ء کو قادیان پہنچے۔ تو کچھ نوجوان تو پیشوائی کے لئے ایک میل آگے گھوڑوں پر سوار ہو کر گئے تھے۔ اور باقی دوست استقبال کے لئے لائن میں کھڑے تھے۔ لائن میں سب سے اول نمبر پر حضرت مولوی صاحب رضی اللہ عنہ تھے اور دوسرے نمبر پر حضرت نواب محمد علی خاں صاحب رضی اللہ عنہ۔ حضرت مولوی صاحب کا جب فنانشل کمشنر سے تعارف کرایا گیا تو حضرت مولانا نے فرمایا کہ آپ سے میری ملاقات اپنے ضلع شاہ پور میں ہوئی تھی جبکہ آپ وہاں ڈپٹی کمشنر تھے۔ کمشنر صاحب نے اس امر کی تصدیق کی۔ بعد ازاں ڈپٹی کمشنر صاحب نے شہر جا کر حضرت مولوی صاحب کے مطب کا بھی معائنہ کیا اور آپ کی سادگی کو دیکھ کر بہت متاثر ہوئے۔

آپ کے درس قرآن کے متعلق ایڈیٹر صاحب بدر کے تاثرات

حضرت مولوی صاحب رضی اللہ عنہ کے درس قرآن کے متعلق پیچھے بھی ذکر آچکا ہے۔ مگر ذیل میں جناب ایڈیٹر صاحب بدر کے تاثرات بیان کئے جاتے ہیں جو انہوں نے ۲ اپریل ۱۹۰۸ء کے پرچہ میں درج کئے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

---

[۱] بدر ۷ جنوری ۱۹۰۹ء صفحہ ۳۔ [۲] بدر پرچہ ۲۱ اکتوبر ۱۹۰۹ء صفحہ ۱۰۔

"یہ سب کچھ حضرت مولوی نورالدین صاحب کے درس قرآن کی برکت اور فیض ہے کہ میں اتنا کچھ لکھ سکتا ہوں اور مجھ میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ ذوق ہے کہ میں اس کام میں ہاتھ ڈالنے کی جرأت کرتا ہوں۔ درس قرآن شریف جو روزانہ حضرت مولوی صاحب موصوف مسجد اقصیٰ میں دیا کرتے ہیں اس کی ابتدا کچھ قادیان میں نہیں ہوئی بلکہ مدت سے حضرت مولوی صاحب موصوف قرآن شریف کی اس خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ میں چھوٹا سا تھا جبکہ میں نے یہ درس جموں و کشمیر میں سننا شروع کیا تھا۔ اور یہی درس ہے جس نے مجھے مسلمان کیا اور پھر یہی درس ہے جس نے مجھے احمدی کیا۔ اور میں اس درس کو اس قدر متبرک پاتا ہوں کہ باوجود اتنا عرصہ سننے کے پھر بھی میں ہمیشہ اس کو اپنے واسطے نئے برکات کا موجب پاتا ہوں۔ حضرت مولوی صاحب کے درس میں ہی میں نے یہ خوبی دیکھی ہے کہ بچے بھی اس سے فائدہ حاصل کر سکتے ہیں اور جوان بھی اور بوڑھے بھی۔ بے علم بھی کچھ نہ کچھ حاصل کر لیتا ہے اور عالم بھی اپنے علم میں ترقی کرتا ہے۔ قادیان کی رہائش میں جو عظیم الشان نعمتیں ہم کو حاصل ہیں ان میں سے ایک درس قرآن شریف بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو ہمیشہ قائم رکھے تاکہ ہم پر اس کی برکتیں اور رحمتیں اس کے ذریعہ سے نازل ہوتی رہیں۔ آمین۔ ثم آمین۔"[1]

محترم ڈاکٹر عبید اللہ خاں صاحب بٹالوی جو بہت ہی مخلص اور اسلام اور احمدیت کے فدائی بزرگ ہیں (اللہ تعالیٰ ان کی صحت اور عمر میں برکت دے) فرمایا کرتے ہیں کہ

"حضرت مولانا حکیم صاحب کو قرآن کریم سے اس قدر عشق تھا کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کہیں سے زکوٰۃ کی رقم بھی مجھے مل جائے تو میں اس سے بھی صحیح اور خوبصورت قرآن مجید چھپوا کر مستحقین میں تقسیم کر دوں۔"

"اپنی خلافت کے آخری ایام میں آپ کا یہ معمول تھا کہ آپ اپنے فرزند میاں عبدالحی صاحب مرحوم سے روزانہ دو پارے سنا کرتے تھے۔"

"نیز آپ جنت اور جنت کی نعماء کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ اگر خدا تعالیٰ نورالدین سے پوچھے کہ تمہیں کونسی چیز سب سے زیادہ پسند ہے تو میں تو یہی کہوں کہ مجھے

---

[1] بدر ۲۰ اپریل ۱۹۰۸ء

قرآن مجید دیا جاوے۔"

مکرم و محترم مولوی ظہور حسین صاحب مجاہد بخارا و روس کا بیان ہے کہ

"حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ جو حضرت مولوی صاحبؓ کے خاص الخاص شاگردوں میں سے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ جب میں وزیر آباد میں اپنے ماموں حضرت حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادیؓ سے قرآن کریم حفظ کیا کرتا تھا تو میں نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ ایک نہایت بزرگ سفید ریش آدمی نے ایک دودھ کا بھرا ہوا پیالہ مجھے دیا اور فرمایا کہ پیو۔ میں نے پیا مگر کچھ بچ گیا۔ انہوں نے فرمایا اور پیو۔ چنانچہ میں نے پھر اور پیا۔ حضرت حافظ صاحب فرماتے تھے کہ اس وقت تو مجھے اس خواب کی تعبیر سمجھ نہ آئی لیکن جب قادیان پہنچا تو پتہ لگا کہ وہ بزرگ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ تھے۔ کیونکہ میں بعض اوقات ساری ساری رات آپ سے علوم دین حاصل کرتا رہتا تھا مگر آپ اکتاتے نہیں تھے۔"

سفر لاہور۔ ۲۷ اپریل ۱۹۰۸ء

ان دنوں حضرت ام المومنینؓ کی طبیعت چونکہ علیل رہتی تھی۔ اور آپ چاہتی تھیں کہ لاہور جاکر کسی قابل لیڈی ڈاکٹر کے مشورہ سے علاج ہو۔ مگر حضرت اقدس کو بعض الہامات کی وجہ سے اپنے قرب وصال کا احساس پیدا ہو چکا تھا۔ اس لئے حضور لاہور تشریف لے جانے میں متامل تھے۔ لیکن حضرت ام المومنینؓ کی خواہش کا احترام بھی مد نظر تھا۔ اس لئے حضور نے دعا شروع کی اور بعض اور لوگوں کو بھی دعا کے لئے فرمایا۔ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ فرماتی ہیں کہ مجھے حضور نے فرمایا کہ

"مجھے ایک کام درپیش ہے۔ دعا کرو اور اگر کوئی خواب آئے تو مجھے بتانا"

چنانچہ آپ نے خواب دیکھا کہ آپ چوبارہ پر گئی ہیں اور حضرت مولوی نورالدین صاحب ایک کتاب لئے بیٹھے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو اس کتاب میں میرے متعلق حضرت صاحب کے الہامات ہیں۔ اور میں ابوبکر ہوں۔

دوسرے دن حضرت سیدہ موصوفہ نے حضرت اقدس کو جب یہ خواب سنائی تو حضور نے فرمایا کہ

"یہ خواب اپنی ماں کو نہ سنانا" [1]

---

[1] سیرت المہدی حصہ سوم صفحہ ۳۷۔

یہ خواب بھی صاف بتا رہا تھا کہ حضور کا وصال اب بالکل قریب ہے اور یہ کہ حضور کے بعد آپ کے خلیفہ حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب رضی اللہ عنہ ہوں گے۔ مگر جیسا کہ بتایا جا چکا ہے حضرت ام المومنینؓ کی خواہش کے احترام میں اور پھر خاص طور پر خدائی تقدیر کے ماتحت حضور نے لاہور تشریف لے جانے کا عزم کر لیا چنانچہ ۲۷ اپریل ۱۹۰۸ء کو حضور عازم لاہور ہوئے۔ لاہور پہنچ کر آپ چند دن تو جناب خواجہ کمال الدین صاحب کے مکان پر رہے مگر بعد ازاں الہام "الرحیل ثم الرحیل" کو ظاہری طور پر بھی پورا کرنے کے لئے حضور جناب ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کے مکان کی طرف منتقل ہو گئے۔ چونکہ لاہور میں قیام کا ارادہ ذرا لمبا ہو گیا۔ اس لئے حضور نے حضرت مولوی صاحبؓ اور دیگر بزرگوں کو بھی لاہور طلب فرما لیا۔ احباب کو سلسلہ کی تازہ بتازہ خبریں پہنچانے کے لئے اخبار بدر بھی عارضی طور پر لاہور میں منتقل ہو گیا۔

درس القرآن

حضرت مولوی صاحبؓ جہاں کہیں تشریف لے جاتے تھے وہیں قرآن کریم کا درس شروع فرما دیتے تھے۔ چنانچہ لاہور پہنچ کر بھی آپ نے علم و عرفان کی بارش شروع کر دی۔ ادھر حضرت اقدس اپنے انفاس قدسیہ سے لوگوں کی روحانی بیماریوں کو دور فرماتے جاتے تھے۔ ادھر آپ اپنے وعظ و نصیحت کی مجالس کے ذریعہ لوگوں کے وساوس کو دور کر کے انہیں حضرت اقدس کی صداقت منوانے کے لئے رستہ صاف کرتے رہتے تھے۔

رؤسائے لاہور کو روحانی غذا پہنچانے کیلئے دعوت کا انتظام

۱۷ مئی ۱۹۰۸ء کو حضرت اقدس کی تجویز کے مطابق رؤسائے لاہور کو روحانی غذا پہنچانے کے لئے دعوت طعام کا انتظام کیا گیا۔ حضور علیہ السلام کی طبیعت چونکہ علیل تھی۔ اس لئے حضور نے حضرت مولوی صاحب کو ارشاد فرمایا کہ آپ معزز مہمانوں کو کچھ سُنا دیں۔ آپ نے ابھی تقریر شروع ہی کی تھی کہ حضرت اقدس الٰہی بشارت انی مع الرسول اقوم (میں اپنے رسول کے ساتھ کھڑا ہوں) کے ماتحت غیبی طاقت پا کر خود تشریف لائے اور آتے ہی تقریر شروع فرما دی۔ ۱۱ بجے حضور نے تقریر شروع کی۔ جب ایک گھنٹہ تقریر فرما چکے تو سامعین سے فرمایا کہ اگر آپ لوگ چاہیں۔ تو میں تقریر بند کر دوں، آپ کھانا کھا لیں۔ مگر تمام سامعین نے بالاتفاق عرض کیا کہ نہیں! آپ تقریر جاری رکھیں۔ وہ کھانا تو ہم ہر روز کھاتے ہیں مگر یہ روحانی غذا ہر وقت کہاں نصیب ہو سکتی ہے۔ الغرض حضور

نے تقریر فرمائی اور نہایت ہی مؤثر تقریر فرمائی۔ مگر یہ تقریر چونکہ ایک محدود طبقہ میں کی گئی تھی۔ اس لئے بعض معززین نے یہ تجویز پیش کی کہ حضور ایک پبلک لیکچر بھی دیں جس میں ہر کہ ومہ شامل ہو کر حضور کے خیالات سے مستفید ہو سکے۔

لیکچر "پیغام صُلح" کی تیاری

اس پر حضور نے "پیغام صلح" کے عنوان سے ایک مضمون لکھنا شروع فرمایا۔ جس کے ذریعہ سے آپ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان مذہبی طور پر صلح کروانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ مگر افسوس کہ یہ مضمون حضور کی زندگی میں نہ سُنایا جا سکا۔ بلکہ حضور کے وصال کے بعد حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاول رضؓ کے عہد میں آپ کی اجازت سے جناب خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم نے ۲۱ر جون ۱۹۰۸ء کو ۷ بجے صبح بصدارت جسٹس پرتول چندر چیٹرجی جج چیف کورٹ پنجاب یونیورسٹی ہال میں کئی ہزار کے مجمع میں سُنایا۔

پانچواں باب

حضرت اقدس کا وصال۔ آپ کا خلافت کے اہم منصب پر فائز ہونا

اور

فتنہ غیر مبائعین

وصالِ اکبر
۲۶ر مئی ۱۹۰۸ء

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے تفصیلی حالات تو حضور کی سیرت و سوانح پر مشتمل کتب میں مذکور ہیں۔ اس جگہ موقعہ کی مناسبت کے لحاظ سے ان کا مختصراً ذکر کیا جاتا ہے۔

جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ حضرت اقدس نے ایک اہم مضمون "پیغام صلح" کے عنوان سے لکھنا شروع فرما دیا تھا اور کسی مخفی اثر کے ماتحت اس مضمون میں حضور اس قدر منہمک تھے کہ ۲۵ر مئی کو عصر کی نماز تک اسے قریباً قریباً ختم ہی کر لیا۔ نماز عصر کے بعد حسب معمول سیر کو تشریف لے گئے مگر جلد واپس لوٹ آئے۔ مسلسل دماغی محنت اور تھکان کی وجہ سے طبیعت پہلے ہی کمزور تھی مگر تازہ مضمون لکھنے کی وجہ سے اور بھی کمزور ہو گئی۔ نتیجۃً حضور کو اسہال اور برد اطراف کا ایسا شدید دورہ ہوا کہ طبیعت برداشت نہ کر سکی۔ حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحبؓ اور جناب ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کو طلب فرمایا۔ مقوی ادویہ دی گئیں اور اس خیال سے کہ دورہ دماغی کام کی وجہ سے ہوا ہے۔ ادویہ مذکورہ کے استعمال سے کمزوری دور ہو کر اور نیند آ کر آرام آ جائے گا۔ حضرت مولوی صاحبؓ اور جناب ڈاکٹر صاحب اپنی اپنی جگہ پر چلے گئے۔ مگر تقریباً دو اور تین بجے رات کے درمیان ایک اور زبردست اسہال ہوا جس کی وجہ سے نبض بالکل بند ہو گئی۔ حضرت مولوی صاحبؓ، جناب ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب۔ جناب خواجہ کمال الدین

صاحب اور جناب ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کو بُلوا کر فرمایا کہ مجھے اسہال کا سخت دورہ ہو گیا ہے آپ کوئی دوا تجویز کریں۔ پھر ساتھ ہی فرمایا کہ حقیقت میں تو دوا آسمان پر ہے۔ آپ دوا بھی کریں اور دعا بھی علاج شروع کیا گیا۔ حالت نازک ہونے کی وجہ سے اطبار پاس ہی ٹھہرے رہے اور علاج باقاعدہ ہوتا رہا۔ مگر نبض واپس نہ آئی اور صبح ۱۰ بجے خدا کے برگزیدہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مقدس رُوح اپنے ازلی و ابدی محبوب حقیقی کے حضور حاضر ہو گئی۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت اقدس کے وصال پر حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب رضؓ حضور کی مبارک پیشانی کو بوسہ دیکر کمرہ سے باہر نکلے ہی تھے کہ حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب امروہی نے رقت بھری آواز میں آپ سے کہا کہ انت صدیقی۔ حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب کے یہ الفاظ سُنکر آپ نے موقعہ کی مناسبت کے لحاظ سے فرمایا کہ مولوی صاحب! یہاں یہ سوال رہنے دیں۔ قادیان چل کر فیصلہ ہوگا۔ کوئی اڑھائی بجے تک غسل دینے اور کفنانے سے فراغت ہوئی۔ قریباً تین بجے بعد دوپہر حضرت مولوی صاحب کی اقتداء میں ایک کثیر جماعت نے جنازہ پڑھا اور اس کے بعد جوق در جوق احمدی و غیر احمدی احباب حضور کی زیارت کے لئے آتے رہے۔ چار بجے کے قریب جنازہ احمدی احباب نے کندھوں پر اُٹھایا اور اسٹیشن کی طرف چل دیئے اور پونے چھ بجے کے قریب جو گاڑی لاہور سے روانہ ہوتی تھی اس میں حضور کا جنازہ، اہلبیت اور تمام خدام بٹالہ کو روانہ ہوئے۔ رات دس بجے کے قریب بٹالہ پہنچے۔ جنازہ گاڑی میں رہا۔ خدام پہرہ پر موجود رہے۔ صبح دو بجے بہت سے دوست جنازہ کو شانہ بشانہ اُٹھا کر آٹھ بجے کے قریب قادیان پہنچ گئے

انتخاب خلافت کا سوال

اب انتخاب خلافت کا سوال تھا۔ مشیت الٰہی کے ماتحت تمام اہلبیت، اکابرین اور عوام کے دل حضرت مولوی صاحب رضؓ کی طرف مائل تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد قلوب پر انابت الٰہی کا گہرا اثر تھا نفسانی جذبات دب چکے تھے، سب پر ایک رُوحانی کیفیت طاری تھی۔ حضرت اقدس کے وصال کی خبر سُنتے ہی ہر احمدی اپنے آپ کو بیکس اور یتیم سمجھ کر آستانہ الٰہی پر جُھک گیا۔ اور جماعت کی رہنمائی، نصرت اور تائید غیبی کے لئے اپنے خالق و مالک کے حضور گریہ وزاری کرتے ہوئے صورت سوال بن چکا تھا۔ اگرچہ تمام دل حضرت مولوی صاحب رضؓ ہی کو اس منصب جلیلہ کا اہل یقین کرتے تھے مگر جب تک خلیفہ کا انتخاب عمل میں نہ آگیا۔ صحابہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مارے غم کے دیوانہ ہو رہے تھے۔ اور دعاؤں اور گریہ وزاری

میں اس طرح مصروف تھے کہ یقیناً ان کی اس آہ و بکا کو دیکھ کر عرش الٰہی ہل گیا۔ اس روز ہر شخص کا دل واقعی خشیت اللہ سے بھر چکا تھا۔ باوجود انتہائی ضبط کے بعض لوگوں کی چیخیں اس زور سے نکل رہی تھیں کہ شاید کسی ماں نے اپنے اکلوتے بیٹے کی وفات پر بھی اس بے صبری اور اضطراب کا اظہار نہ کیا ہوگا۔ اور یہی وجہ تھی کہ لوگوں کے قلوب سے نفسانیت نکل چکی تھی اور ہر شخص کی یہی خواہش نظر آتی تھی کہ جماعت جلد از جلد پھر کسی مقدس برگزیدہ اور پاک وجود کے ہاتھ پر جمع ہو کر وحدت اور اتحاد کی سلک میں پروئی جائے۔

پرانے صحابہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت اقدس کی وفات کا سب سے زیادہ صدمہ حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا۔ آپ کی زبان سے کئی مرتبہ بے ساختہ یہ الفاظ نکل جاتے تھے کہ حضرت کی وفات کے بعد ساری دُنیا جسم بلا رُوح محسوس ہوتی ہے۔

حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب کا بیان ہے کہ

"۲۷ مئی ۱۹۰۸ء کو جب خواجہ صاحب شیخ رحمت اللہ صاحب۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اور ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب وغیرہ قادیان آئے سخت گرمی کے دن تھے۔ ان کی خدمت تواضع اور ناشتہ پانی وغیرہ کا انتظام میرے ذمہ لگایا گیا چنانچہ میں مناسب طریق پر کہہ سُن کر ان سب کو باغ سے شہر میں لے آیا۔ حضرت نواب صاحب کے مکان کے نچلے حصے کے جنوب مغربی دالان میں بٹھایا اور موقعہ محل کے مناسب حال ان کی تواضع کی۔

اس موقعہ پر خواجہ کمال الدین صاحب نے کھڑے ہو کر نہایت پر سوز تقریر کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ "خدا کی طرف سے ایک انسان منادی بن کر آیا جس نے لوگوں کو خدا کے نام پر بلایا۔ ہم نے اس کی آواز پر لبیک کہی اور اس کے گرد جمع ہو گئے مگر اب وہ ہم کو چھوڑ کر اپنے خدا کے پاس چلا گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔"

خواجہ صاحب کا انداز بیان، طریق خطاب اور تقریر کچھ ایسی درد بھری، رقت آمیز اور زہرہ گداز تھی کہ ساری مجلس پہ ایک سناٹا چھا گیا۔ سکتہ کا عالم اور خاموشی طاری ہو گئی۔ آخر شیخ رحمت اللہ صاحب نے سکوت توڑا۔ اور کھڑے ہو کر ٹھیٹھ پنجابی زبان میں جو کچھ فرمایا۔ اس کا خلاصہ مطلب اردو میں یہ ہے کہ

"میں نے قادیان آتے ہوئے رستہ میں بھی بار بار یہی کہا ہے اور اب بھی دوہراتا ہوں کہ اس بڈھے (یعنی حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحبؓ) کو آگے کرو۔ اس کے سوا یہ جماعت قائم نہ رہ سکے گی"

شیخ صاحب کے اس بیان پر خاموش رہ کر گویا سبھی نے مہر تصدیق ثبت کی۔ اور سر تسلیم خم کیا۔ کسی نے انکار کیا نہ اعتراض" [۱]

حضرت نواب محمد علیخاں صاحبؓ نے اپنی ڈائری میں حضرت مولوی صاحب کے انتخاب خلافت کے بارے میں اہلبیت کی رائے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

"میاں محمود صاحب نے بھی کشادہ پیشانی (سے) اس امر پر رضامندی ظاہر کی بلکہ (کہا) کہ حضرت مولانا سے بڑھ کر کوئی نہیں اور خلیفہ ضرور ہونا چاہیئے اور حضرت مولانا ہی خلیفہ ہونے چاہیئیں ورنہ اختلاف کا اندیشہ ہے اور حضرت اقدس کا ایک الہام ہے کہ "اس جماعت کے دو گروہ ہوں گے۔ ایک کی طرف خدا ہوگا اور یہ پھوٹ کا ثمرہ (ہے)" اس کے بعد ہم باغ میں گئے اور وہاں میر ناصر نواب صاحب (خسر حضرت مسیح موعودؑ) سے دریافت کیا۔ انہوں نے بھی حضرت مولانا کا خلیفہ ہونا پسند کیا . . . . . .
پھر خواجہ کمال (الدین) صاحب جماعت کی طرف سے حضرت ام المومنینؓ کے پاس تشریف لے گئے۔ انہوں نے کہا میں کسی کی محتاج نہیں[۲] اور نہ محتاج رہنا چاہتی ہوں۔ جس پر قوم کا اطمینان ہے، اس کو خلیفہ کیا جائے اور حضرت مولانا کی سب کے دل میں عزت ہے۔ وہی خلیفہ ہونا چاہیئے" [۳]

حضرت مولوی محمد احسن صاحب کی رائے اوپر گذر چکی ہے کہ آپ نے سب سے پہلے حضرت مولوی صاحب کو کہا تھا کہ آپ صدیق اکبر ہیں۔ قادیان پہنچ کر آپ نے حضرت خلیفہ اولؓ کی خدمت میں ایک خط بھی لکھا جس میں حضرت مولوی صاحبؓ کی خدمات دینیہ، حضرت اقدسؑ اور جماعت کے ساتھ آپ کا

---

[۱] بحوالہ "خلافت ثانیہ کا انتخاب" مصنفہ حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی صفحہ ۴-۵

[۲] "یعنی میں کسی کی بفضلہ محتاج نہیں ہوں۔ اس لئے میں اپنے کسی ذاتی فائدہ کی غرض سے رائے نہیں دوں گی بلکہ میرے نزدیک جسے جماعت منتخب کرے وہی خلیفہ ہونا چاہیئے اور حضرت مولوی صاحب اس کے اہل بھی ہیں"

[۳] اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۵۸۹

اخلاص اور رُوحانی مقام کا ذکر کرتے ہوئے آپ کو صدیق ثانی قرار دیا۔"[1]

حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانیؓ لکھتے ہیں کہ

" اس اتفاق (جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ناقل) کے بعد انہی اصحاب (یعنی سرکردہ اصحاب غیر مبائعین۔ناقل) نے معہ دیگر اکابر صحابہ و بزرگانِ جماعت سیدنا حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ کے حضور درخواست کی جو باغ سے شہر تشریف لائے ہوئے تھے مگر حضرت ممدوح نے کچھ سوچ اور تردد کے بعد فرمایا کہ میں دعا کے بعد جواب دونگا۔ چنانچہ وہیں پانی منگوایا گیا۔حضرت نے وضو کر کے دو نفل نماز ادا کی اور دعاؤں کے بعد فارغ ہو کر فرمایا

"چلو ہم سب وہیں چلیں جہاں ہمارے آقا کا جسد اطہر اور ہمارے بھائی انتظار میں ہیں"

چنانچہ یہ مجلس برخواست ہو کر پھر باغ پہنچی تو سب سے پہلے تمام حاضر الوقت احباب کے اتفاق سے حضرت مفتی محمد صادق صاحب ایڈیٹر اخبار بدر نے کھڑے ہو کر حضرت مولانا کی خدمت میں مندرجہ ذیل تحریر بطور درخواست پڑھ کر سُنائی۔

" بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خاتم النبیین محمد ن المصطفیٰ وعلی المسیح الموعود وخاتم الاولیاء۔

امابعد مطابق فرمان حضرت مسیح موعود علیہ السلام مندرجہ رسالہ الوصیت ہم احمدیان جن کے دستخط ذیل میں ثبت ہیں، اس امر پر صدق دل سے مطمئن ہیں کہ اوّل المہاجرین حضرت حاجی مولوی حکیم نورالدین صاحب جو ہم سب میں سے اعلم اور اتقی ہیں اور حضرت امام کے سب سے زیادہ مخلص اور قدیمی دوست ہیں اور جن کے وجود کو حضرت امام علیہ السلام اُسوۂ حسنہ قرار فرما چکے ہیں جیسا کہ آپ کے شعر

چہ خوش بُودے اگر ہر یک زامت نوردیں بُودے
ہمیں بُودے اگر ہر دل پُر از نور یقیں بُودے

سے ظاہر ہے، کے ہاتھ پر احمد کے نام پر تمام احمدی جماعت موجودہ اور آئندہ

---

[1] بدر ۲ جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۵ و ۶

نئے ممبر بیعت کریں اور حضرت مولوی صاحب موصوف کا فرمان ہمارے واسطے آئندہ ایسا ہی ہو جیسا کہ حضرت اقدس مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تھا"۔ [1]

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ جب یہ تحریر پڑھ کر سُنا چکے تو حضرت مولوی صاحبؓ کھڑے ہوئے۔ اور

انتخاب خلافت کے موقعہ پر آپ کی پہلی تقریر

تشہد اور تعوذ کے بعد آیت

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر و ینھون عن المنکر

کی تلاوت فرمائی۔ اس کے بعد ایک درد انگیز تقریر فرمائی جس میں فرمایا کہ

"میری پچھلی زندگی پر غور کر لو میں کبھی امام بننے کا خواہشمند نہیں ہوا۔ مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم امام الصلوٰۃ بنے تو میں نے بھاری ذمہ داری سے اپنے تئیں سبکدوش خیال کیا تھا میں اپنی حالت سے خوب واقف ہوں اور میرا رب مجھ سے بھی زیادہ واقف ہے میں دنیا میں ظاہر داری کا خواہشمند نہیں۔ اگر خواہش ہے تو یہ کہ میرا مولیٰ مجھ سے راضی ہو جائے اس خواہش کے لئے میں دعائیں کرتا ہوں اور قادیان بھی اسی لئے رہا اور رہتا ہوں اور رہوں گا۔ میں نے اسی فکر میں کئی دن گذارے کہ ہماری حالت حضرت صاحب کے بعد کیا ہوگی۔ اسی لئے میں کوشش کرتا رہا کہ **میاں محمود کی تعلیم اس درجہ تک پہنچ جائے**۔ حضرت صاحب کے اقارب میں تین آدمی موجود ہیں۔ اوّل میاں محمود احمد، وہ میرا بھائی بھی ہے اور بیٹا بھی۔ اس کے ساتھ میرے خاص تعلقات ہیں۔ قرابت کے لحاظ

---

[1] بدر ۲ جون ۱۹۰۸ء۔ حاشیہ۔ اس درخواست کے نیچے بہت سے احباب نے دستخط کئے۔ جن میں سے متعدد نام بدر ۲ جون ۱۹۰۸ء میں درج ہیں۔ یہاں صرف کچھ احباب کے نام درج کئے جاتے ہیں:۔

(شیخ) رحمت اللہ (مالک انگلش ویر ہاؤس لاہور)۔ (صاحبزادہ) مرزا محمود احمد۔ (مفتی) محمد صادق عفی اللہ عنہ۔ سید محمد احسن امروہی سید محمد حسین اسسٹنٹ سرجن لاہور۔ (مولوی) محمد علی (ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز)۔ خواجہ کمال الدین۔ (ڈاکٹر) مرزا یعقوب بیگ۔ خلیفہ رشید الدین اسسٹنٹ سرجن۔ مرزا خدا بخش۔ (شیخ) یعقوب علی (ایڈیٹر الحکم)۔ (مولوی) ماسٹر شیر علی ہیڈ ماسٹر مدرسہ تعلیم الاسلام۔ (نواب) محمد علی خاں (رئیس مالیر کوٹلہ)۔ (صاحبزادہ) مرزا بشیر احمد۔ (حضرت میر) ناصر نواب (جنہوں نے اس موقعہ پر کھڑے ہو کر اس امر کی رقت آمیز اور دردمندانہ الفاظ میں تائید کی کہ ہم میں سے اب مسیح کا جانشین بننے اور بیعت لینے کے لائق حضرت مولوی صاحب موصوف ہی ہیں)۔ مولوی غلام حسن سب رجسٹرار پشاور۔ حکیم محمد حسین قریشی لاہور۔ (قاضی) محمد ظہور الدین اکمل۔ ڈاکٹر بشارت احمد اسسٹنٹ سرجن بھیرہ۔

سے میر ناصر نواب صاحب ہمارے اور حضرت کے ادب کا مقام ہیں۔ تیسرے قریبی نواب
محمد علیخاں صاحب ہیں۔ اسی طرح خدمت گذاران دین میں سے سید محمد احسن صاحب
نہایت اعلیٰ درجہ کی لیاقت رکھتے ہیں سیّد بھی ہیں۔ خدماتِ دین میں بھی ایسے ایسے
کام کئے ہیں کہ میرے جیسا انسان شرمندہ ہو جاتا ہے۔ آپ نے ضعیف العمری میں
بہت سی تصانیف حضرت کی تائید میں کیں۔ یہ ایسی خدمت ہے جو انہی کا حصہ ہے۔ بعد
اس کے مولوی محمد علی صاحب ہیں جو ایسی خدمات کرتے ہیں جو میرے وہم وگمان میں بھی
نہیں آسکتیں۔ یہ سب لوگ موجود ہیں۔ باہر کے لوگوں میں سے سید حامد شاہ اور مولوی
غلام حسن ہیں اور بھی کئی اصحاب ہیں۔

یہ ایک بڑا بوجھ ہے۔ خطرناک بوجھ ہے۔ اس کا اٹھانا مامور کا کام ہو سکتا ہے
کیونکہ اس سے خدا کے عجیب در عجیب وعدے ہوتے ہیں۔ جو ایسے دکھوں کے لئے جو
پیٹھ توڑ دیں، عصا بن جاتے ہیں۔ اس وقت مردوں اور عورتوں کے لئے ضروری ہے
کہ وحدت کے نیچے ہوں۔ اس وحدت کے لئے ان بزرگوں میں سے کسی کی بیعت
کرلو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ میں خود ضعیف ہوں۔ بیمار رہتا ہوں۔ پھر طبیعت
مناسب نہیں۔ اتنا بڑا کام آسان نہیں۔ حضرت صاحب کے ساتھ چار کام تھے۔ (۱)
ایک اُن کی اپنی عبودیت (دوم) کنبہ پروری (سوم) مہمان نوازی (چہارم) اشاعتِ
اسلام جو اُن کا اصل مقصد تھا۔ ان چار کاموں میں سے ایک سے ہم سبکدوش ہو سکتے
ہیں، وہ آپ کی عبودیت تھی جو ان کے ساتھ رہے گی۔ آپ نے جیسے اس جہاں میں
خدمتیں کیں ویسے ہی بعد الموت کریں گے۔ باقی تین کام ہیں۔ ان میں سے اشاعتِ
اسلام کا کام بہت اہم اور نہایت مشکل ہے۔ اس وقت دہریت کے علاوہ اندرونی
اختلاف بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس اختلاف کے مٹانے کے لئے ہماری جماعت کو
منتخب کر لیا ہے۔ تم آسان سمجھتے ہو مگر بوجھ اُٹھانے والے کے لئے سخت مشکل
ہے۔ پس میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ جن عمائد کا نام لیا ہے۔ ان میں سے کوئی منتخب
کرلو۔ میں تمہارے ساتھ بیعت کرنے کو تیار ہوں۔ اگر تم میری بیعت ہی کرنا چاہتے ہو۔

تو سُن لو کہ بیعت بِک جانے کا نام ہے۔ ایک دفعہ حضرت نے مجھے اشارتاً فرمایا۔ کہ وطن کا خیال بھی نہ کرنا۔ سو اس کے بعد میری ساری عزت اور سارا خیال انہی سے وابستہ ہو گیا اور میں نے کبھی وطن کا خیال تک نہیں کیا۔ پس بیعت کرنا ایک مشکل امر ہے۔ ایک شخص دوسرے کے لئے اپنی تمام حریت اور بلند پروازیوں کو چھوڑ دیتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کا نام عبد رکھا ہے۔ اس عبودیت کا بوجھ اپنی ذات کیلئے مشکل سے اُٹھایا جاتا ہے کوئی دوسرے کے لئے کیا اور کیونکر اٹھائے۔ طبائع کے اختلاف پر نظر کر کے یک رنگ ہونے کے لئے بڑی ہمت کی ضرورت ہے۔ میں تو حضرت صاحب کے کاموں میں حیران ہو جاتا ہوں کہ اول بیمار پھر اس قدر بوجھ۔ نثر، نظم تصنیف دیگر ضروری کام۔ ادھر میں حضرت صاحب کے قریب عمر، وہاں تائیدات روزانہ موجود۔ یہاں میری حالت ناگفتہ بہ۔ اسی لئے فرمایا فاصبحتم بنعمتہٖ اخواناً کہ یہ سب کچھ خدا کے فضل پر موقوف ہے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کیوقت عرب کی حالت

میں ایک بڑا امر پیش کرتا ہوں کہ جناب ابوبکرؓ کے زمانے میں عرب میں ایسی بلا پھیلی تھی کہ سوا مکہ اور مدینہ اور جواثہ کے سخت شور و شر اُٹھا۔ مکہ والے بھی فرنٹ ہونے لگے۔ مگر وہ بڑی پاک رُوح تھی جس نے انہیں کہا کہ اسلام لانے میں تم سب سے پیچھے ہو، مرتد ہونے میں کیوں پہلے بنتے ہو۔ صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میرے باپ کے اُوپر جو پہاڑ گرا ہے وہ کسی اور پر گرتا تو چُور ہو جاتا۔ پھر بیس ہزار کی جماعت مدینہ میں موجود تھی۔ اور چونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم حکم دے چکے تھے کہ ایک لشکر روانہ کرنا ہے۔ پس اس کو بھیجدیا۔ ادھر اپنی قوم کا یہ حال تھا مگر آخر خدا نے اپنی قدرت کا ہاتھ دکھلایا۔ ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم کا زمانہ آگیا۔ اسوقت بھی اس قسم کا واقعہ پیش آیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ دفن ہونے سے پہلے تمہارا کلمہ ایک ہو جائے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکرؓ کے زمانہ میں صحابہ کرامؓ کو بہت سی مساعی جمیلہ کرنی پڑیں۔ سب سے اہم کام جو کیا وُہ جمع قرآن ہے اب

موجودہ صورت میں جمع یہ ہے کہ اس پر عملدرآمد کرنے کی طرف خاص توجہ ہو۔
پھر حضرت ابوبکرؓ نے زکوٰۃ کا انتظام کیا۔ یہ ایک بڑا عظیم الشان کام ہے۔ انتظام زکوٰۃ کے لئے اعلیٰ درجے کی فرماں برداری کی ضرورت ہے۔ پھر کنبہ کی پرورش ہے۔ غرض کئی ایسے کام ہیں۔ اب تمہاری طبیعتوں کے رُخ خواہ کسی طرف ہوں تمہیں میرے احکام کی تعمیل کرنی ہوگی۔ اگر یہ بات تمہیں منظور ہو تو میں طوعاً و کرہاً اس بوجھ کو اٹھاتا ہوں۔

وہ بیعت کے دس شرائط بدستور قائم ہیں۔ اُن میں خصوصیت سے میں قرآن کو سیکھنے اور زکوٰۃ کا انتظام کرنے، واعظین کے بہم پہنچانے اور اُن امور کو جو وقتاً فوقتاً اللہ میرے دل میں ڈالے، شامل کرتا ہوں۔ پھر تعلیم دینیات۔ دینی مدرسہ کی تعلیم میری مرضی اور منشا کے مطابق کرنا ہوگی۔ اور میں اس بوجھ کو صرف اللہ کے لئے اُٹھاتا ہوں۔ جس نے فرمایا۔ ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر۔

یاد رکھو کہ ساری خوبیاں وحدت میں ہیں جس کا کوئی رئیس نہیں وہ مرچکی۔ فقط[1]۔"

حضرت مولوی صاحبؓ کی یہ تقریر سُنکر تمام حاضرین نے یکزبان ہو کر کہا کہ آپ ہماری بیعت لیں ہم آپ کے احکام مانیں گے۔ آپ ہمارے امیر ہیں اور ہمارے مسیح کے جانشین۔ اس کے بعد تمام حاضرین نے جن میں سے کافی دوست انبالہ۔ جالندھر۔ امرتسر۔ لاہور۔ گوجرانوالہ۔ وزیرآباد۔ جموں۔ گجرات۔ بٹالہ۔ گورداسپور وغیرہ مقامات سے بھی آئے ہوئے تھے اور جن کی تعداد بارہ سو تھی۔ حضرت مولوی صاحبؓ کو خلیفۃ المسیح الاول تسلیم کرکے آپ کی بیعت کی۔ بیعت کا نظارہ بھی عجیب تھا۔ تمام لوگ جو مسیح موعودؑ کی وفات کے صدمہ سے چُور چُور ہو رہے تھے، پُرنم آنکھوں کے ساتھ دعاؤں میں مصروف تھے۔ اور ہر شخص زبان حال سے یہ کہہ رہا تھا کہ خدا کرے جلد از جلد تمام جماعت خلافت حقہ پر متفق و متحد ہو کر سلک وحدت میں پرو دی جائے۔

جب تمام لوگ بیعت کر چکے تو حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ نے کچھ وقفہ کے بعد حضرت مرزا سلطان احمد صاحبؓ کے باغ میں کوئیں کے قریب نماز جنازہ پڑھائی[2]۔ نماز جنازہ کے دوران مسلسل گریہ وزاری کی وجہ سے لوگوں کی چیخیں نکل رہی تھیں۔ جنازہ کے بعد نماز عصر پڑھی گئی۔ اور پھر سب خدام نے حضرت اقدس مسیح موعود و مہدیٔ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نورانی چہرہ کی یکے بعد دیگرے آخری بار زیارت کی۔ زیارت کے بعد حضور کے جسد مبارک کو بہشتی مقبرہ میں لے جایا گیا۔ اور کوئی چھ بجے

---

[1] بدر ۲ر جون ۱۹۰۸ء۔
[2] الفضل ۲۳ر فروری ۱۹۵۸ء صفحہ ۲۔

شام کے قریب سینکڑوں غمزدہ دلوں اور اشکبار آنکھوں کے ساتھ حضور کی نعش مبارک کو زیر زمین دفن کر دیا گیا۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد ٭ روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

اطلاع از جانب صدر انجمن احمدیہ

اس کے بعد صدر انجمن کے سکرٹری جناب خواجہ کمال الدین صاحب نے انجمن کے سارے ممبروں کی طرف سے تمام جماعت کی اطلاع کے لئے حسب ذیل اعلان شائع کیا۔

"حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جنازہ قادیان میں پڑھا جانے سے پہلے آپ کے وصایا مندرجہ رسالہ الوصیت کے مطابق حسب مشورہ معتمدین صدر انجمن احمدیہ موجودہ قادیان و اقربا حضرت مسیح موعود بہ اجازت حضرت ام المومنین کل قوم نے جو قادیان میں موجود تھی جس کی تعداد اس وقت بارہ سو تھی والامناقب حضرت حاجی الحرمین شریفین جناب حکیم نور الدین صاحب سلمہ کو آپ کا جانشین اور خلیفہ قبول کیا۔ اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ معتمدین میں سے ذیل کے احباب موجود تھے۔ مولانا حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب۔ صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب۔ جناب نواب محمد علی خاں صاحب۔ شیخ رحمت اللہ صاحب۔ مولوی محمد علی صاحب۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب۔ ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب۔ خلیفہ رشید الدین صاحب۔ خاکسار (خواجہ کمال الدین)

موت اگرچہ بالکل اچانک تھی۔ اور اطلاع دینے کا بہت ہی کم وقت ملا۔ تاہم انبالہ جالندھر۔ کپورتھلہ۔ امرتسر۔ لاہور۔ گوجرانوالہ۔ وزیر آباد۔ جموں۔ گجرات بٹالہ۔ گورداسپور وغیرہ مقامات سے معزز احباب آ گئے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جنازہ ایک کثیر جماعت نے قادیان اور لاہور میں پڑھا حضرت قبلہ حکیم الامت سلمہ کو مندرجہ بالا جماعتوں کے احباب اور دیگر کل حاضرین نے جن کی تعداد اوپر دی گئی ہے بالاتفاق خلیفۃ المسیح قبول کیا۔ یہ خط بطور اطلاع کل سلسلہ کے ممبران کو لکھا جاتا ہے کہ وہ اس خط کے پڑھنے کے بعد فی الفور حضرت حکیم الامت

خلیفۃ المسیح والمہدی کی خدمت بابرکت میں بذات خود یا بذریعہ تحریر بیعت کریںؑ۔"

الفاظ بیعت | مندرجہ بالا اطلاع کے ساتھ ہی وہ الفاظ بھی درج اخبار کر دیئے گئے جن میں حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے بیعت لی تھی۔ اور وہ یہ تھے۔

"اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ واشھد ان محمدًا عبدہٗ و رسولہٗ (تین بار) آج میں نور الدین کے ہاتھ پر تمام ان شرائط کے ساتھ بیعت کرتا ہوں جن شرائط سے مسیح موعود و مہدی معہود بیعت لیا کرتے تھے اور نیز اقرار کرتا ہوں کہ خصوصیت سے قرآن وسنت اور احادیث صحیحہ کے پڑھنے سُننے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کروں گا۔ اور اشاعت اسلام میں جان و مال سے بقدر وسعت و طاقت کمربستہ رہوں گا اور انتظام زکوٰۃ بہت احتیاط سے کروں گا۔ اور باہمی اخوان میں رشتہ محبت کے قائم رکھنے اور قائم کرنے میں سعی کروں گا۔

استغفر اللہ ربی من کل ذنب و اتوب الیہ (تین بار)

رب انی ظلمت نفسی و اعترفت بذنبی فاغفر لی ذنوبی فانہٗ لا یغفر الذنوب الا انت۔ ترجمہ۔ اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور میں اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہوں۔ میرے گناہ بخش کہ تیرے سوا کوئی بخشنے والا نہیں آمین۔" [۲]

جلسہ سالانہ ۱۹۱۰ء کے موقعہ پر آپ نے الفاظ بیعت میں مندرجہ ذیل کلمات کا اضافہ فرمایا کہ:۔

"میں شرک نہیں کروں گا۔ چوری نہیں کروں گا۔ بدکاریوں کے نزدیک نہیں جاؤں گا۔ کسی پر بہتان نہیں لگاؤں گا۔ چھوٹے بچوں کو ضائع نہیں کروں گا۔ نماز کی پابندی کروں گا اور زکوٰۃ اور حج اپنی طاقتوں کے موافق ادا کرنے کو مستعد رہوں گا۔" [۳]

بلکہ یہ بھی فرمایا کہ میں الفاظ بیعت میں یہ بھی بڑھانا چاہتا تھا کہ

"آپس میں محبت بڑھائیں گے"

مگر میں نے دیکھا کہ لوگ آپس میں لڑتے ہیں۔ اس لئے میں ڈر گیا کہ ایسا نہ ہو یہ لوگ معاہدہ کا خلاف کریں

---

[۱] الحکم ۲۸ مئی ۱۹۰۸ء و بدر ۲ جون ۱۹۰۸ء [۲] بدر ۲ جون ۱۹۰۸ء [۳] الحکم سنہ ۱۹۱۱ء نمبر ۱/۲ صفحہ ۲

اور پھر معاہدہ کی خلاف ورزی سے نفاق پیدا ہو جاتا ہے۔[1]

ساری جماعت کا آپ کی خلافت پر اجماع

اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ جس قدر جماعت قادیان میں موجود تھی اور جس کی تعداد بارہ سو تھی۔ ان سب نے بالاتفاق حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تھی اور باہر کے احمدیوں کی اطلاع کے لئے اخبارات بدر و الحکم میں اعلان کروا دیا گیا تھا کہ سب دوست بذات خود یا بذریعہ تحریر بیعت کریں۔ اس اطلاع کا پہنچنا تھا کہ ساری جماعت نے دیوانہ وار حضرت خلیفۃ المسیح الاول رض کی بیعت قبول کر لی۔ اور اس طرح ایک نہایت ہی قلیل عرصہ کے اندر اندر ساری جماعت پھر ایک جھنڈے تلے جمع ہو گئی اور ان مخالفین و معاندین کے سروں پر گھڑوں پانی پھر گیا جو یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ جماعت کا وجود بس حضرت اقدس کی زندگی ہی تک ہے اور حضور کے بعد کوئی ایسا وجود نہیں جو جماعت کو ایک ہاتھ پر اکٹھا کر سکے۔

قدرت ثانیہ کی پیشگوئی

احباب یہ پڑھ چکے ہیں کہ بیعت خلافت کے بعد سب سے پہلا اعلان جو جناب خواجہ کمال الدین صاحب سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان نے بیرونی جماعتوں کی اطلاع کے لئے شائع کیا۔ اس میں اس امر کا برملا طور پر اظہار کیا گیا تھا کہ ہم نے جو حضرت مولانا حکیم الامت کی بیعت کی ہے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے **وصایا مندرجہ رسالہ الوصیت** کے مطابق کی ہے اور باقی بھی تمام دوستوں کا فرض ہے کہ وہ بذات خود یا بذریعہ تحریر تجدید بیعت کریں۔ لہٰذا اس موقعہ پر ضروری ہے کہ رسالہ "الوصیۃ" کی وہ عبارت درج کر دی جائے جس کی بنا پر بلا استثنا ساری جماعت نے حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب رض کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سب سے پہلا خلیفہ تسلیم کیا۔ حضور فرماتے ہیں :-

"یہ خدا تعالیٰ کی سُنّت ہے اور جب سے کہ اس نے انسان کو زمین میں پیدا کیا ہمیشہ اس سُنّت کو ظاہر کرتا رہا ہے کہ وہ اپنے نبیوں اور رسُولوں کی مدد کرتا ہے اور ان کو غلبہ دیتا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے کتب اللہ لاغلبنّ انا و رسلی*۔ اور غلبہ سے مراد یہ ہے کہ جیسا کہ رسولوں اور نبیوں کا یہ منشا ہوتا ہے کہ خدا کی حجت زمین پر پوری ہو جائے اور اس کا مقابلہ کوئی نہ کر سکے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ

* حاشیہ۔ ترجمہ۔ خدا نے لکھ رکھا ہے کہ وہ اور اس کے نبی غالب رہیں گے۔ منہ

[1] الحکم نمبر ۱۴ صفحہ ، سنہ ۱۹۱۰ء

قوی نشانوں کے ساتھ ان کی سچائی ظاہر کر دیتا ہے اور جس راستبازی کو وہ دنیا میں پھیلانا چاہتے ہیں۔ اس کی تخم ریزی انہیں کے ہاتھ سے کر دیتا ہے۔ لیکن اس کی پوری تکمیل ان کے ہاتھ سے نہیں کرتا۔ بلکہ ایسے وقت میں ان کو وفات دے کر جو بظاہر ایک ناکامی کا خوف اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ مخالفوں کو ہنسی اور ٹھٹھے اور طعن و تشنیع کا موقعہ دے دیتا ہے اور جب وہ ہنسی اور ٹھٹھا کر چکتے ہیں تو پھر ایک دوسرا ہاتھ اپنی قدرت کا دکھاتا ہے اور ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے جن کے ذریعہ سے وہ مقاصد جو کسی قدر ناتمام رہ گئے تھے اپنے کمال کو پہنچتے ہیں۔ غرض دو قسم کی قدرت ظاہر کرتا ہے (۱) اول خود نبیوں کے ہاتھ سے اپنی قدرت کا ہاتھ دکھاتا ہے۔ (۲) دوسرے ایسے وقت میں جب نبی کی وفات کے بعد مشکلات کا سامنا پیدا ہو جاتا ہے اور دشمن زور میں آجاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اب کام بگڑ گیا اور یقین کر لیتے ہیں کہ اب یہ جماعت نابود ہو جائے گی اور خود جماعت کے لوگ بھی تردد میں پڑ جاتے ہیں اور ان کی کمریں ٹوٹ جاتی ہیں اور کئی بدقسمت مرتد ہونے کی راہیں اختیار کر لیتے ہیں تب خدا تعالیٰ دوسری مرتبہ اپنی زبردست قدرت ظاہر کرتا ہے۔ اور گرتی ہوئی جماعت کو سنبھال لیتا ہے۔ پس وہ جو اخیر تک صبر کرتا ہے خدا تعالیٰ کے اس معجزہ کو دیکھتا ہے جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے وقت میں ہوا جبکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی موت ایک بے وقت موت سمجھی گئی اور بہت سے بادیہ نشین نادان مرتد ہو گئے اور صحابہ بھی مارے غم کے دیوانہ کی طرح ہو گئے۔ تب خدا تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کھڑا کر کے دوبارہ اپنی قدرت کا نمونہ دکھایا اور اسلام کو نابود ہوتے ہوتے تھام لیا اور اس وعدہ کو پورا کیا جو فرمایا تھا وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا۔ یعنی خوف کے بعد پھر ہم ان کے پیر جما دیں گے۔ ایسا ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں ہوا۔ جبکہ حضرت موسیٰ مصر اور کنعان کی راہ میں پہلے اس سے جو بنی اسرائیل کو وعدہ کے

موافق منزلِ مقصود تک پہنچا دیں۔ فوت ہو گئے۔ اور بنی اسرائیل میں اُن کے مرنے سے ایک بڑا ماتم برپا ہوا جیسا کہ توریت میں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل اس بیوقت موت کے صدمہ سے اور حضرت موسیٰ کی ناگہانی جدائی سے چالیس دن تک روتے رہے۔ ایسا ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ معاملہ ہوا۔ اور صلیب کے واقعہ کے وقت تمام حواری تتر بتر ہو گئے اور ایک ان میں سے مرتد بھی ہو گیا۔

سو اے عزیزو! جبکہ قدیم سے سُنّت اللہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ دو قدرتیں دکھلاتا ہے تا مخالفوں کی دو جھوٹی خوشیوں کو پامال کر کے دکھلا دے۔ سو اب ممکن نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی قدیم سُنّت کو ترک کر دیوے۔ اس لئے تم میری اس بات سے جو میں نے تمہارے پاس بیان کی غمگین مت ہو اور تمہارے دل پریشان نہ ہو جائیں کیونکہ تمہارے لئے دوسری قدرت کا دیکھنا بھی ضروری ہے اور اس کا آنا تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ وہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا اور وہ دوسری قدرت نہیں آسکتی جب تک میں نہ جاؤں لیکن میں جب جاؤنگا تو پھر خدا اُس دوسری قدرت کو تمہارے لئے بھیج دے گا جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گی۔" [1]

قدرت ثانیہ سے مراد "الوصیت" کے اس حوالہ سے یہ امر روز روشن کی طرح ظاہر ہو رہا ہے۔ کہ جس قدرت ثانیہ کی حضرت اقدس نے اس عبارت میں خبر دی ہے اس سے مراد "خلافت" ہے۔ کیونکہ

اوّل۔ فرمایا

"(خدا تعالیٰ) دو قسم کی قدرت ظاہر کرتا ہے (۱) اول خود نبیوں کے ہاتھ سے اپنی قدرت کا ہاتھ دکھاتا ہے۔ (۲) دوسرے ایسے وقت میں جب نبی کی وفات کے بعد مشکلات کا سامنا پیدا ہو جاتا ہے۔ . . . تب خدا تعالیٰ دوسری مرتبہ اپنی زبردست قدرت ظاہر کرتا ہے . . . جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق

---

[1] "الوصیت" صفحہ ۶ تا ۸۔ ایڈیشن مطبوعہ فروری ۱۹۵۹ء

کے وقت میں ہوا جبکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی موت ایک بے وقت موت سمجھی گئی۔ اور بہت سے بادیہ نشین نادان مرتد ہو گئے اور صحابہ بھی مارے غم کے دیوانہ ہو گئے"۔

اس عبارت میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کی مثال سے یہ امر بالکل واضح ہو گیا کہ قدرت ثانیہ سے مراد خلافت ہے اور خلافت بھی فرد واحد کی۔

دوّم۔ دوسرا ثبوت اس امر کا کہ قدرت ثانیہ سے مراد خلافت ہے حضرت اقدس کا آیت استخلاف کو پیش کرنا ہے جیسا کہ آگے فرمایا۔

"تب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو کھڑا کر کے دوبارہ اپنی قدرت کا نمونہ دکھایا اور اسلام کو نابود ہوتے ہوئے تھام لیا۔ اور اس وعدہ کو پورا کیا جو فرمایا تھا کہ ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امناً"

اس حوالہ میں صریحاً فرمایا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو کھڑا کر کے جو دوسری قدرت دکھائی گئی۔ اس کا آیت استخلاف میں وعدہ تھا۔ جیسا کہ فرمایا۔ وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض یعنی امر موعود خلافت ہے اور حضور فرماتے ہیں کہ آیت استخلاف کا موعود قدرت ثانیہ ہے۔ اس سے ایک اور ایک دو کی طرح ثابت ہو گیا۔ کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک قدرت ثانیہ اور خلافت ایک مفہوم کے دو نام ہیں

سوم۔ آگے چل کر حضور فرماتے ہیں۔

"اور وہ دوسری قدرت نہیں آسکتی جب تک میں نہ جاؤں لیکن جب میں جاؤنگا تو پھر خدا اس دوسری قدرت کو تمہارے لئے بھیجدے گا جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گی۔"

یہ حوالہ یقینی دلیل ہے اس امر کی کہ قدرت ثانیہ سے مراد خلافت ہے کیونکہ خلافت ہی ایسا مفہوم ہے جو حضور کی زندگی میں ظہور پذیر نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ خلافت کے معنی ہیں۔ منسوب عنہ کی وفات کے بعد اس کا نائب ہونا۔ اور وفات اور زندگی ایک وقت میں جمع نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ واقعات

بھی یہی بتاتے ہیں کہ حضور کی وفات کے معاً بعد جماعت میں خلافت آگئی۔ پس معلوم ہوا کہ "قدرت ثانیہ" سے مراد خلافت ہے نہ کہ کچھ اور۔

اس مفصل بیان کی ضرورت

اس مفصل بیان کی ضرورت اس لئے پیش آئی ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی بیعت خلافت کے چند دن بعد ہی جماعت کے سرکردہ لوگوں میں سے ایک طبقہ جس کے سرگردہ جناب مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے اور جناب خواجہ کمال الدین صاحب تھے۔ ایسا پیدا ہوگیا تھا۔ جس نے حضور کے رسالہ الوصیت ہی سے ایک اور فقرہ لے کر یہ سوال اُٹھانا شروع کر دیا کہ

"حضرت صاحب کی وصیت سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ خلیفہ کوئی فردِ واحد ہونا ضروری ہے بلکہ حضرت صاحب نے انجمن کو اپنا خلیفہ بنایا ہے اور یہ ضروری نہیں کہ خلیفہ ایک ہی شخص ہو بلکہ ایک جماعت بھی ہو سکتی ہے" [1]

اور وہ فقرہ یہ ہے:۔

"چونکہ انجمن خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین ہے اس لئے انجمن کو دنیاداری کے رنگوں سے بکلّی پاک رہنا ہوگا اور اس کے تمام معاملات نہایت صاف اور انصاف پر مبنی ہونے چاہئیں۔" [2]

منکرین خلافت انجمن کے حق میں اور خلافت کے خلاف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک تحریر اس مضمون کی بھی پیش کیا کرتے ہیں کہ ایک موقعہ پر حضور نے تحریر فرمایا:۔

"میری رائے تو یہی ہے کہ جس امر پر انجمن کا فیصلہ ہو جائے کہ ایسا ہونا چاہیئے اور کثرتِ رائے اس میں ہو جائے تو وہی امر صحیح سمجھنا چاہیئے اور وہی قطعی ہونا چاہیئے لیکن اس قدر میں زیادہ لکھنا پسند کرتا ہوں کہ بعض دینی امور میں جو ہماری خاص اغراض سے تعلق رکھتے ہیں مجھ کو محض اطلاع دی جائے۔ اور میں یقین رکھتا ہوں کہ یہ انجمن خلاف منشا میرے ہرگز نہیں کرے گی۔ لیکن صرف احتیاطاً لکھا جاتا ہے کہ شاید وہ ایسا امر ہو کہ خدا تعالیٰ کا اس میں کوئی خاص ارادہ ہو۔ اور یہ صورت صرف میری زندگی تک ہے اور بعد میں ہر ایک امر میں صرف اس انجمن کا اجتہاد

---

[1] "حقیقت اختلاف" صفحہ ۳۹۔
[2] ضمیمہ متعلقہ رسالہ الوصیت۔

کافی ہوگا۔ مرزا غلام احمد عفی عنہ۔ ۲۷ر اکتوبر ۱۹۰۷ء"

اس کے جواب میں عرض ہے کہ ہر امر کا فیصلہ پیش آمدہ واقعات کو سامنے رکھ کر کیا جاتا ہے۔ یہاں واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ۱۹۰۷ء کے موسم سرما میں انجمن نے افسر تعمیرات حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ کے سپرد مسجد مبارک کی توسیع کا کام کیا۔ انجمن کی رائے یہ تھی کہ پہلی مسجد کا نشان باقی نہیں رہنا چاہیئے مگر حضرت میر صاحب پہلی مسجد کا نشان قائم رکھنا چاہتے تھے چنانچہ آپ نے حضرت اقدس کے مشورہ سے اپنی رائے کے مطابق تعمیر کے کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ انجمن کے بعض ممبر حضرت میر صاحب کے اس اقدام پر بہت جز بز ہوئے اور اُن کی طرف سے جناب مولوی محمد علی صاحب حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ حضور! اگر انجمن کے فیصلوں کی یہی قدر ہونی ہے تو پھر انجمن کی ضرورت ہی کیا ہے؟ ساتھ ہی کہا کہ حضرت میر صاحب ہماری شکائتیں کرتے رہتے ہیں اور حضور اُن سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ حضور نے فرمایا کہ مولوی صاحب! اول تو میر صاحب نے آپ لوگوں کی کوئی شکایت میرے پاس کی ہی نہیں۔ لیکن اگر کرتے بھی تو بھی میں اپنے کام میں اس قدر مصروف ہوتا ہوں کہ مجھے ان چھوٹی چھوٹی باتوں کی طرف توجہ ہی نہیں ہوتی۔ اس پر جناب مولوی محمد علی صاحب نے عرض کی کہ حضور کی طرف سے کوئی ایسی تحریر ہونی چاہیئے جس کا مطلب یہ ہو کہ آئندہ کے لئے انجمن کا فیصلہ قابل تعمیل ہو اس پر حضور نے بقول ان کے مذکورۃ الصدر الفاظ لکھے۔

ظاہر ہے کہ مذکورہ بالا واقعہ کی رو سے حضرت اقدس کی تحریر کا مطلب صرف اسی قدر لیا جا سکتا ہے کہ جو کام حضرت اقدس نے انجمن کے سپرد کئے تھے۔ ان میں انجمن کے ماتحتوں کا فرض ہے کہ وہ انجمن کے فیصلوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں اور ان کی تعمیل کریں۔ یہ مطلب ہرگز نہیں لیا جا سکتا کہ شرعی امور میں فتویٰ دینا، عقاید کی تشریح کرنا یا اور کوئی مذہبی کام کرنا بھی انجمن ہی کا ہے۔ پھر جو ہے۔ حضرت میر صاحب چونکہ افسر تعمیرات ہونے کی حیثیت میں انجمن کے ماتحت تھے اس لئے بظاہر یہی مناسب تھا کہ آپ صدر انجمن کے افسروں کی اطاعت کرتے۔ لیکن چونکہ آپ نے حضرت اقدس کے مشورہ کے ماتحت کام کیا اس لئے انجمن والوں کو کوئی حق نہیں پہنچتا تھا کہ وہ یہ معلوم کرنے کے بعد بھی کہ آپ نے حضرت اقدس کے مشورہ سے ایسا کیا ہے آپ کے کام پر اعتراض کرتے۔ اسی لئے حضور نے یہ لکھ دیا کہ

"شاید وہ امر ایسا ہو کہ خدا تعالیٰ کا اس میں کوئی خاص ارادہ ہو . . . اور بعد

لہ رپورٹ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۰۸ء۔

میں صرف انجمن کا اجتہاد کافی ہوگا۔"

اور پرانی مسجد کو قائم رکھنے سے چونکہ سلسلہ کی تاریخ محفوظ رہتی تھی اس لئے حضور نے حضرت میر صاحب کو اُسے قائم رکھنے کا مشورہ دیا۔ اگر حضور کا مشورہ حضرت میر صاحب کے ساتھ نہ ہوتا تو آپ یقیناً انجمن کے حسب منشا کام کرتے۔

پس واقعات کی رو سے یہ معاملہ صدر انجمن کے ملازمین کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور انجمن کے ملازموں .... کا فرض ہے کہ وہ اپنے مفوضہ کاموں کو حسب منشا صدر انجمن احمدیہ سرانجام دیں۔ البتہ اگر ان کے ذاتی حقوق کو انجمن تلف کرے تو وہ قضا یا خلیفہ وقت کے حضور اپیل کر سکتے ہیں اور یہ حق ان کا برابر قائم رہے گا۔

پس اگر یہ تحریر نہ بھی ہوتی تو بھی ہم ہرگز ہرگز نہ کہتے کہ انجمن کی ضرورت نہیں۔ جس امر کا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فیصلہ فرما دیا ہے۔ کسی احمدی کہلانے والے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس کا انکار کرے۔ حضور نے دو چیزوں کا ذکر فرمایا ہے (۱) **قدرت ثانیہ** کا (۲) **انجمن** کا۔ ہم دونوں چیزوں کے قایل ہیں۔

قدرت ثانیہ کے متعلق ہم ثابت کر آئے ہیں کہ خلافت ہی کا دوسرا نام ہے۔ اس کا ایک اہم مقصد حضور نے یہ بیان فرمایا ہے کہ حضور کے وصال پر جماعت میں جو زلزلہ آنے والا ہے قدرت ثانیہ کے ذریعہ اس کی تلافی ہوگی جیسا کہ حضور فرماتے ہیں۔

"پس وہ جو اخیر تک صبر کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے اس معجزے کو دیکھتا ہے جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے وقت میں ہوا۔"

پس جس طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اگر لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر جمع نہ ہو جاتے تو یقیناً سب صحابہ پراگندہ ہو جاتے۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد اگر سب احمدی حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر جمع نہ ہو جاتے تو یقیناً یہ جماعت پراگندہ ہو جاتی۔ پس قدرت ثانیہ کا سب سے پہلا اور اہم کام اس زلزلہ کو مٹانا تھا جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد برپا ہونا تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی بے شمار کام ہیں جو صرف خلافت کے ساتھ ہی وابستہ ہیں اور جن کا ذکر آئندہ صفحات میں موقعہ بموقعہ

قارئین کرام ملاحظہ فرماتے رہیں گے۔

دوسری چیز جس کا حضور نے ذکر فرمایا ہے، وہ ہے انجمن۔ سو اس کے متعلق ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ حضرت اقدس نے انجمن کے قیام کی کیا اغراض لکھی ہیں۔ حضور نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت بہشتی مقبرہ کی بنیاد رکھی اور اس میں دفن ہونے کے لئے علاوہ اور شرائط کے یہ شرط بھی مقرر فرمائی کہ

"تمام جماعت میں سے اس قبرستان میں وہی مدفون ہوگا جو یہ وصیت کرے جو اس کی موت کے بعد دسواں حصہ اس کے تمام ترکہ کا حسب ہدایت اس سلسلہ کے اشاعت اسلام اور تبلیغ احکام قرآن میں خرچ ہوگا اور ہر ایک صادق کامل الایمان کو اختیار ہوگا کہ اپنی وصیت میں اس سے بھی زیادہ لکھ دے۔"

اس صورت میں چونکہ اموال کا کثرت کے ساتھ آنا ضروری تھا اور اس کا باقاعدہ حساب کتاب رکھنے کے لئے ایک بڑے دفتر کی ضرورت تھی۔ اس لئے حضور نے فرمایا کہ

"یہ مالی آمدنی ایک بادیانت اور اہل علم انجمن کے سپرد رہے گی اور وہ باہمی مشورہ سے ترقی اسلام اور اشاعتِ علمِ قرآن و کتب دینیہ اور اس سلسلہ کے واعظوں کے لئے حسب ہدایت مذکورہ بالا خرچ کریں گے۔"

مگر چونکہ انجمن کی تشکیل کے لئے کچھ وقت درکار تھا اور مخلصین کی طرف سے روپیہ آنے کی فوری توقع تھی۔ اس لئے حضور نے تحریر فرمایا کہ

"بالفعل یہ چندہ اخویم مکرم مولوی نورالدین صاحب کے پاس آنا چاہیئے۔"

مگر ساتھ ہی فرمایا:۔

"لیکن اگر خدا تعالیٰ نے چاہا تو یہ سلسلہ ہم سب کی موت کے بعد بھی جاری رہیگا اس صورت میں ایک انجمن چاہیئے کہ ایسی آمدنی کا روپیہ جو وقتاً فوقتاً جمع ہوتا رہے گا اعلائے کلمہ اسلام اور اشاعت توحید میں جس طرح مناسب سمجھیں خرچ کریں۔"

"اس صورت میں" کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ انجمن کی ضرورت صرف روپیہ کی وصولی اور اس کے مناسب طور پر خرچ کرنے کے سلسلہ میں پیدا ہوئی۔ خلافت کے کام سنبھالنے کے سلسلہ میں نہیں اور یہ ضرورت جس طرح

حضرت اقدس کی زندگی میں تھی ویسے ہی حضور کے بعد بھی قائم رہنی تھی۔

آگے فرمایا کہ ۔

"ان اموال میں سے ان یتیموں اور مسکینوں اور نومسلموں کا بھی حق ہوگا جو کافی طور پر وجوہ معاش نہیں رکھتے اور سلسلہ احمدیہ میں داخل ہیں اور جائز ہوگا کہ ان اموال کو بطور تجارت ترقی دی جائے۔"

پس حضرت اقدس کی تصریحات سے ظاہر ہے کہ انجمن کے سپرد جو کام حضرت اقدس نے فرمایا وہ صرف چندوں کی وصولی اور ان کا مذکورہ بالا مدّات میں خرچ کرنا ہے اور وہ بھی حسب ہدایت سلسلہ۔ اب سلسلہ کے ہر فرد کے حکم کی تعمیل کرنے سے تو رہی انجمن رہی۔ لازماً سلسلہ سے مراد ساری جماعت کا نمائندہ یعنی امام جماعت ہی ہو سکتا ہے۔ پس انجمن کا فرض ہے کہ **خلیفہ وقت** کی زیر ہدایت کام کرے۔ چنانچہ کوئی بھی الٰہی سلسلہ ایسا نہیں ہو سکتا جو امام کے بغیر قائم رہ سکے۔ بیشمار کام ایسے ہوتے ہیں جنہیں کوئی انجمن کبھی سرانجام دے ہی نہیں سکتی۔ مثلاً

۱۔ قوم کے افراد کی توجہ کو ایک مرکز پر لانا،

۲۔ افراد کی مشکلات میں مشیر ہونا،

۳۔ افراد اور قوم کے لئے دعائیں کرنا،

۴۔ دینی مسائل میں ان کی صحیح رہنمائی کرنا،

۵۔ قوم کی علمی ترقی میں کوشاں رہنا،

۶۔ اپنے عملی نمونہ سے غیر قوموں کے لئے باعثِ کشش ہونا،

۷۔ اپنے پُراثر کلمات سے افراد کی زندگی میں رُوح پھونکنا،

۸۔ اپنے مذہب کی صداقت غیر مذاہب والوں پر ثابت کرنا،

۹۔ غیر مذہب والوں کو اپنے سلسلہ میں داخل کرنا۔ یعنی بیعت لینا،

۱۰۔ قوم جب مشکلات اور مصائب میں گھِر جائے تو اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق سے اس کے خوف کو امن کی حالت سے بدلنا۔ وغیرہ وغیرہ،

صاف ظاہر ہے کہ ان سب ضروریات کے لئے کسی انجمن کا وجود کام نہیں آسکتا۔ کیونکہ انجمن نام

ہے ریزولیوشن کا۔ اور ریزولیوشن سے مذکورہ بالا فوائد حاصل نہیں ہو سکتے۔ ان تمام ضروریات کے پورا کرنے اور ان تمام فوائد کے حصول کے لئے ایک ایسے مقدس اور برگزیدہ وجود کا ہونا لازمی ہے جو فرد واحد ہو اور حضرت مسیح موعودؑ کا جانشین ہو۔

خلاصہ اس ساری بحث کا یہ ہے کہ بیشک انجمن بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جانشین ہے مگر انہی کاموں میں جو کام "الوصیۃ" میں حضور نے اس کے سپرد کئے ہیں اور قدرت ثانیہ بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جانشین ہے اور اس کو وہی اختیارات حاصل ہیں جو حضرت ابوبکرؓ کو صحابہ کرام میں حاصل تھے۔

پس ہم **خلافت** اور **انجمن** دونوں کے قائل ہیں اور جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں کام ہوتا تھا یعنی انجمن بھی کام کرتی تھی اور خود حضرت اقدس بھی جماعت کا انتظام فرماتے تھے۔ اسی طرح اب بھی ہوگا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں اس انجمن کے تجویز کئے جانے سے قبل ایک اَن رجسٹرڈ انجمن کام کر رہی تھی جس کے سپردِ تعلیم الاسلام ہائی سکول و کالج اور رسالہ ریویو آف ریلیجنز کا کام تھا۔ اب جب بہشتی مقبرہ کے انتظام کے لئے یہ انجمن تجویز ہوئی اور اس کا نام رکھا گیا۔ **انجمن کارپردازان مصالح قبرستان** تو اس خیال سے کہ مذکورہ دونوں انجمنوں میں ہم آہنگی پیدا ہو ایک **صدر انجمن احمدیہ** کا قیام عمل میں لایا گیا اور اسے رجسٹرڈ کرا دیا گیا۔ اور سلسلہ کے جو کام اس سے پہلے کسی انجمن کے ماتحت نہیں تھے بلکہ براہ راست حضرت اقدس کی نگرانی میں ہو رہے تھے۔ جیسے لنگر خانہ و مہمان خانہ کا انتظام حضور کی ڈاک کا انتظام وغیرہ وغیرہ، وہ حضرت اقدس کی زندگی تک بدستور حضور کے پاس رہے۔ مولوی محمد علی صاحب اور اُن کی پارٹی کے ممبران نے پوری کوشش کی کہ کسی طرح یہ کام بھی صدر انجمن کے سپرد کر دیئے جائیں مگر حضرت اقدس نے ان کی ایک نہ مانی۔ حضور کے وصال کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے لنگر خانہ اور مہمانخانہ کا کام تو صدر انجمن کے سپرد کر دیا لیکن اور کوئی کام انجمن کے سپرد نہ کیا۔ مگر افسوس کہ ان لوگوں نے جماعت کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد یہ مشہور کرنا شروع کر دیا کہ حضور نے صدر انجمن کو اپنا جانشین مقرر کر کے سلسلہ کے سارے کام اس کے سپرد کر دیئے تھے۔ چنانچہ حضور کے وصال کے بعد جو پہلی سالانہ رپورٹ صدر انجمن کی طرف سے

شائع ہوئی اور جس کے مرتب کرنے والے جناب مولوی محمد علی صاحب تھے۔ انہوں نے اسے شروع ہی ان الفاظ سے کیا کہ

"اگرچہ اس سلسلہ کو قائم ہوئے قریب بیس سال کا عرصہ گذر چکا ہے مگر اس لحاظ سے کہ اس انجمن کی بنیاد ہمارے مولیٰ و مقتدا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عین اس وقت رکھی تھی جب آپ کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے یہ خبر ملی کہ آپ کی وفات کا وقت بہت قریب آگیا ہے یعنی آخر دسمبر ۱۹۰۵ء اور ابتدائے ۱۹۰۶ء میں۔ صدر انجمن احمدیہ کی یہ تیسری سالانہ رپورٹ ہے اور اس لحاظ سے کہ اس انجمن کی پوری ذمہ داری ہر قسم کے کاروبار سلسلہ عالیہ کے متعلق اسی سال میں حضرت اقدس کی وفات کے بعد شروع ہوتی ہے اسے صدر انجمن احمدیہ کی پہلی سالانہ رپورٹ کہا جا سکتا ہے . . . . . اس مجلس کے سپرد حضرت اقدس نے اس سلسلہ کے کُل **انتظامی** کاروبار کو کیا اور اپنی زندگی میں ہی یہ کام اس مجلس سے کرایا اور اس کے تمام فیصلوں کو قطعی قرار دیا۔" [1]

اور اسی سالانہ جلسہ پر جیسا کہ گذشتہ صفحات میں ذکر کیا جا چکا ہے جناب خواجہ کمال الدین صاحب نے جو تقریر کی اسے شروع ہی ان الفاظ سے کیا کہ

"۲۰ دسمبر ۱۹۰۵ء کے قریب حضرت مسیح موعودؑ کو وحی ہوئی کہ بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں۔ اس پر آپ نے فوراً ایک وصیت شائع فرمائی اور آپ نے قریباً ہر طرح سے اپنے تئیں الگ کر لیا۔ اور سب کام صدر انجمن احمدیہ کے سپرد کر دیا۔ گویا آپ ہر وقت داعیٔ اجل کو لبیک کہنے کے لئے تیار تھے اور پھر خدا نے بعض جھوٹے ملہموں کو کذاب ثابت کرنے کے لئے آپ کو دو اڑھائی سال زندہ رکھا اور اس طرح پر انہوں نے وہ کام جو زندگی کے بعد ہونا تھا اپنی زندگی میں دیکھ لیا۔ . . . . خیر اب یہ امام اس انجمن کو اپنا جانشین کر گیا ہے۔" [2]

آئندہ صفحات میں احباب کسی جگہ جناب خواجہ صاحب کے اس بیان کا مفصل جواب ملاحظہ فرمائیں گے کہ حضرت اقدس وصیت شائع فرمانے کے بعد ایک تماشائی کی طرح خاموش ہو کر ایک طرف

---

[1] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان ۰۸-۱۹۰۷ء صفحہ ۱-۲۔ [2] بدر پرچہ ۲۴/۳۰ دسمبر ۱۹۰۸ء۔

نہیں بیٹھ گئے تھے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جتنا کام ان آخری سالوں میں ہوا۔ پہلے سالوں میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

باقی رہا یہ سوال کہ صدر انجمن بنا کر اسے سارے کام سونپ دیئے یہ بالکل غلط ہے۔ ہاں جو کام اس سے متعلق تھے وہ اس کے سپرد فرمائے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں لیا جاسکتا کہ پھر وہ انجمن حضور کی نگرانی سے بکلی آزاد ہو گئی یا یہ کہ حضور کو اس میں دخل دینے کا حق بالکل نہ رہا۔ دنیا میں جب کوئی افسر کوئی کام اپنے کسی ماتحت کے سپرد کرتا ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ اب وہ ماتحت خود مختار ہو گیا ہے بلکہ اس کا مقصد صرف اتنا ہوتا ہے کہ افسر تمام چھوٹے کام خود نہیں کرسکتا بلکہ اسے ان کاموں کے لئے معاونین کی ضرورت ہوتی ہے۔ پس صدر انجمن کی حیثیت بھی ایک معاون ہی کی تھی اس سے زیادہ اسے اور کوئی پوزیشن حاصل نہ تھی۔ اور جس کے سپرد کوئی کام کیا جائے وہ اپنے افسر کا قائمقام یا جانشین ہی ہوتا ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ اس افسر کی وفات کے بعد وہ شخص اس کے منصب یا کام کو سنبھالنے والا ہوگا۔

پھر یہ بھی یاد رکھنے والی بات ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ نہیں فرمایا کہ صدر انجمن میری وفات کے بعد . . . . میری جانشین ہوگی بلکہ یہ فرمایا ہے کہ اس وقت جانشین ہے۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حضور کے بعد جو شخص بھی سلسلہ کا نگران یا پیشرو ہوگا پھر یہ اس کی جانشین ہوگی۔ یعنی جو کام حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کے سپرد کئے ہیں جو شخص حضور کا خلیفہ مقرر ہوگا اس کے زمانے میں بھی انجمن بدستور وہ کام کرتی رہے گی۔ اس سے زیادہ حضور کی اس تحریر کا اور کوئی مقصد نہیں ہوسکتا۔ ورنہ صرف اس ایک فقرہ کی وجہ سے حضور کی دوسری ساری تحریرات اور ملفوظات کو جن میں خلافت کا وضاحت کے ساتھ ذکر ہے منسوخ قرار دینا پڑے گا جو کسی طرح بھی جائز نہیں ہوسکتا۔ پھر لطف یہ ہے کہ کئی تحریریں اور ملفوظات اس فقرہ کے بعد بھی موجود ہیں جن میں صراحت کے ساتھ خلافت کا ذکر ہے جیسے بدر اور الحکم کی ڈائریاں۔ نیز حضور کی آخری تحریر رسالہ "پیغام صلح" جس میں حضور کے بعد جماعت کے لیڈر اور پیشرو کا ذکر ہے۔ وغیرہ۔ وغیرہ۔

ایک سوال اور اس کا جواب

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد سلسلہ خلافت جاری ہونا تھا تو حضور خود کسی شخص کو اپنا

جانشین مقرر کر جاتے یا کم از کم جماعت کو یہ حکم دے جاتے کہ میرے بعد وہ کسی شخص کو منتخب کر لیں مگر الوصیت میں اس کا ذکر نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پوزیشن اس معاملہ میں بعینہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جیسی ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نہ تو کسی کو اپنا خلیفہ تجویز کیا۔ نہ اپنی جماعت کو حکم دے گئے کہ میرے بعد کسی شخص کو منتخب کر لینا۔ تبھی حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا کہ اگر میں اپنا خلیفہ کسی کو مقرر نہ کروں تو یہ بھی صحیح طریق ہوگا کیونکہ لم یستخلف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔ لیکن باوجود اس کے چونکہ استخلاف کی آیت میں خلافت کا وعدہ تھا اور حضور کے وصال کے بعد سب نے حضرت ابوبکر صدیق کو خلیفہ منتخب کر لیا۔ اس لئے ہم لوگ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے قائل ہیں۔ بعینہٖ یہی ہمارے سلسلہ میں ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰة والسلام نے وعدہ فرمایا کہ

"جو اخیر تک صبر کرتا ہے۔ خدا تعالےٰ کے اس معجزے کو دیکھتا ہے جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق کے وقت ہوا۔"

اور ادھر واقعات یہ ہیں کہ سب جماعت نے بالاتفاق حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحبؓ کو خلیفہ منتخب کیا۔ اس لئے ہم سلسلہ عالیہ احمدیہ میں خلافت کے قائل ہیں۔ پس اگر الوصیت میں حضرت اقدس نے انتخاب کا حکم نہ دیا ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن انجمن کا ذکر اگر حضور علیہ الصلوٰة والسلام رسالہ الوصیۃ میں نہ فرماتے تو انجمن کا قیام نہ ہو سکتا کیونکہ انجمن منصوص شرعی نہیں اور چونکہ زمانہ حال کے مطابق اس کا وجود نہایت ضروری تھا۔ اس لئے حضور نے خود ایک انجمن قائم کی اور رسالہ الوصیت میں اس کے قواعد شائع فرمائے کیونکہ بغیر حضور کے رسالہ الوصیت میں لکھنے کے اس کا قیام ہی نہ ہو سکتا لیکن خلافت چونکہ منصوص شرعی ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰة والسلام امتی نبی ہیں۔ اس لئے اگر حضور اس کا ذکر الوصیت میں نہ کریں تو اس سے خلافت کا وجود باطل نہیں ہو جاتا۔ اگر الوصیت میں نماز پڑھنے اور حج کرنے کا ذکر نہ ہو تو کیا عدم ذکر سے یہ مسائل ساقط ہو جائیں گے۔ ہرگز نہیں۔ اسی طرح اگر بقول غیر مبائعین ہم یہ تسلیم بھی کر لیں کہ رسالہ الوصیت میں خلافت کا ذکر نہیں تو بھی خلافت کا وجود ساقط نہیں ہو سکتا۔ لیکن ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ رسالہ الوصیۃ میں خلافت کا صراحتاً ذکر ہے۔ کما مرّ

انجمن کا اپنا فیصلہ | غیر مبائعین حضرات سب سے زیادہ زور اس امر پر دیا کرتے ہیں کہ حضرت

مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمام اختیارات انجمن کے سپرد کر دیئے اس لئے کسی خلیفہ کے وجود کی گنجائش نہیں۔ ہم کہتے ہیں، جس انجمن کو آپ مطاع کل کہتے ہیں نہ صرف اس انجمن نے بلکہ کل جماعت نے بالاتفاق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب کی خلافت کو تسلیم کیا اور اس وقت کے سکرٹری جناب خواجہ کمال الدین صاحب نے ۲۸ مئی ۱۹۰۸ء کو ایک اعلان شائع کیا کہ صدر انجمن احمدیہ قادیان نے اتفاق رائے سے مطابق رسالہ الوصیت حضرت مولانا نورالدین صاحب کو خلیفہ تسلیم کیا ہے اور فیصلہ کیا ہے کہ نئے اور پرانے سب احمدی آپ کے ہاتھ پر خود حاضر ہو کر یا بذریعہ تحریر بیعت کریں۔ آپ حضرت مسیح موعودؑ کی جگہ انجمن کی نگرانی کریں گے اور آپ کا فیصلہ ناطق ہوگا۔ پس جس انجمن کے مطاع ہونے کو غیر مبائعین پیش کرتے ہیں وہ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعد خلافت کے حق میں فیصلہ دے چکی ہے اور مولوی محمد علی صاحب (مرحوم) کے اس خیال کو بھی جھٹلا چکی ہے کہ پرانے لوگوں کو کسی نئے خلیفہ کی بیعت کرنے کی ضرورت نہیں۔[1] اب یا تو انجمن کا یہ فیصلہ قبول کیا جائے گا تو ثبت المدعا یعنی خلافت ثابت ہو گئی اور یا قبول نہ کیا جائے گا تو بھی ثبت المدعا۔ یعنی ثابت ہو جائے گا کہ انجمن مطاع کل نہیں۔

چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے اسی دلیل سے کام لیتے ہوئے ایک موقعہ پر فرمایا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تم چودہ آدمیوں (ممبران صدر انجمن احمدیہ۔ ناقل) کو اپنا جانشین مقرر فرمایا اور پھر خدا تعالیٰ نے تم سب کو پکڑ کر میرے آگے جھکا دیا۔ پس غیر مبائعین کی مثال تو مدعی سست اور گواہ چست کی ہے کیونکہ جس انجمن کو وہ مطاع بنانا چاہتے ہیں وہی اپنے آپ کو خلافت کی مطیع قرار دیتی ہے۔

غیر مبائعین کے سامنے جب یہ بات پیش کی جاتی ہے کہ اگر تمہارے نزدیک الوصیت سے خلافت کا ثبوت نہیں ملتا تو پھر تم نے حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی بیعت کیوں کی تھی اور کیوں چھ سال تک متواتر آپ لوگ حضرت مولوی صاحبؓ کو خلیفۃ المسیح مانتے رہے تو اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ہم نے حضرت مولوی صاحبؓ کی بیعت بطور خلیفۃ المسیح نہیں کی تھی بلکہ آپ کی بیعت مستقل طور پر اسی طرح کی تھی جس طرح ہم نے مسیح موعود کی کی تھی یعنی بیعت توبہ۔ چنانچہ مولوی محمد علی صاحب فرماتے ہیں

"ہاں ایک اور سلسلہ بیعت کا صوفیا میں مروج ہے جسے بیعت توبہ کہتے ہیں۔ اس بیعت میں داخل ہو کر بھی انسان اپنے مرشد کے احکام کا اسی طرح مطیع ہو جاتا ہے

---

[1] بحوالہ مجاہد کبیر صفحہ ۹۱

جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور مسیح موعود کی بیعت کا مفہوم ہے مگر اس بیعت کو خلافت راشدہ سے کوئی تعلق نہیں ہے اور اسی کے ماتحت حضرت خلیفۃ المسیح کی بیعت ہم لوگوں نے جو سلسلہ احمدیہ میں داخل ہیں، کی۔ اور اسی لئے حضرت خلیفۃ المسیحؓ کے جملہ احکام خواہ وہ مسائل کے بارہ میں ہوں ان سب لوگوں کے لئے ماننا ضروری قرار دیا گیا۔ . .

. . . یہ بیعت خدا تعالیٰ کے ساتھ رُوحانی تعلق کو بڑھانے کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح جیسے پاک وجودوں سے فائدہ اٹھانے کے لئے اور آپ کے علم وفضل کے آگے سر نیچا کرنے کے لئے تھی اور اس کے لئے یہ ضروری تھا کہ مُرید اپنے آپ کو مرشد کے سامنے ایک بے جان کی طرح ڈال دے اور اپنی جملہ خواہشات کو اس کے سپرد کر دے نہ یہ کہ مرشد کہتا ہے فلاں بات درست ہے تو مرید کہتا ہے کہ مرشد نے سمجھا ہی نہیں۔ میں اس سے بہتر سمجھتا ہوں۔ یہ بیعت کر لینے کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح کی گستاخی ہے اور بیعت کے مفہوم کے ساتھ ہنسی۔" [1]

ہمارے نزدیک غیر مبائعین کی یہ بات واقعات کے بالکل خلاف ہے۔ واقعات یہ ہیں کہ ۲۷ مئی ۱۹۰۸ء کو جبکہ ابھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دفن نہیں کیا گیا تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح نے باغ میں سب احمدیوں کو جو اس وقت موجود تھے، مخاطب کر کے تقریر فرمائی کہ میں چاہتا ہوں کہ حضرت مسیح موعودؑ کے دفن ہونے سے پیشتر تم سب ایک شخص کے ہاتھ پر جمع ہو جاؤ۔ اور میں اس کام کے لئے فلاں فلاں شخص کو پیش کرتا ہوں۔ لیکن سب حاضرین نے بالاتفاق اس امر پر زور دیا کہ آپ ہماری بیعت لیں۔ اس پر آپ نے سب کی بیعت لی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی بیعت، بیعت توبہ نہیں بلکہ بیعت خلافت تھی جو اس غرض کے لئے اختیار کی گئی تھی کہ تا جماعت کسی ایک شخص کے ہاتھ پر جمع ہو جائے۔ لیکن اگر ہم غیر مبائعین کی اس بات کو تھوڑی دیر کے لئے تسلیم بھی کر لیں تو مندرجہ بالا حوالہ سے یہ صاف ثابت ہوتا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیحؓ کی پوزیشن غیر مبائعین کے نزدیک "حکم" کی ہے۔ پس اگر آپ کا خلافت کے متعلق وہی مسلک ہو جو مبائعین کا ہے تو اصولاً غیر مبائعین کو اس کے تسلیم کرنے میں چارہ نہیں ہونا چاہیئے۔ اس لئے غیر مبائعین پر حجت پوری کرنے کے لئے ضروری ہے کہ خلافت کے متعلق وہ اقوال جو مختلف اوقات میں حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے بیان فرمائے، غیر مبائعین کے سامنے پیش کئے جائیں۔ اس لئے ذیل میں چند حوالے درج کئے جاتے ہیں

---

[1] رسالہ "ایک نہایت ضروری اعلان" مصنفہ مولوی محمد علی صاحب مرحوم صفحہ ۱۰-۱۱۔

۱۔ "میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے خدا ہی نے خلیفہ بنایا"۔

۲۔ "اب کس میں طاقت ہے کہ وہ خلافت کی رِدا کو مجھ سے چھین لے"

۳۔ "اللہ تعالیٰ کی مشیت نے چاہا اور اپنے مصالح سے چاہا کہ مجھے تمہارا خلیفہ بنایا۔"

۴۔ "ہزار نالائقیاں مجھ پر تھوپو۔ مجھ پر نہیں خدا پر لگیں گی جس نے مجھے خلیفہ بنایا۔"

۵۔ "جس طرح ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما خلیفہ ہوئے اسی طرح پر خدا تعالیٰ نے مجھے مرزا صاحب کے بعد خلیفہ بنایا۔" [1]

مولوی محمد علی صاحب کہا کرتے ہیں کہ

"یہ پاک وجود مولوی نورالدین کا جو خلیفۃ المسیح کہلایا اور جو ایک ہی خلیفۃ المسیح اپنے اصلی معنوں میں کہلانے کا مستحق ہے" [2]

مولوی صاحب کا مطلب اس عبارت سے یہ ہے کہ اگر خلیفۃ المسیح کی بیعت کو بیعت خلافت بھی کہہ لیا جائے تو یہ ضروری نہیں کہ آپ کے بعد بھی خلافت کا سلسلہ جاری مانا جائے۔ مگر مولوی صاحب کی یہ بات بھی غلط ہے۔ کیونکہ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ اسی تقریر میں فرماتے ہیں۔

"خلافت کیسری کی دکان کا سوڈا واٹر نہیں (جو سہل الحصول ہو۔ ناقل) تم اس بکھیڑے سے کچھ فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ نہ تم کو کسی نے خلیفہ بنانا ہے اور نہ میری زندگی میں کوئی اَور بن سکتا ہے۔ میں جب مر جاؤں گا تو پھر وہی کھڑا ہوگا جس کو خدا چاہے گا۔ اور خدا اُس کو آپ کھڑا کر دے گا۔"

آگے چل کر حضور فرماتے ہیں۔

"پس جب تک خلیفہ نہیں بولتا یا خلیفہ کا خلیفہ دنیا میں نہیں آتا۔ ان پر رائے زنی مت کرو۔"

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کے مذکورہ بالا الفاظ سے صریحاً معلوم ہو گیا کہ آپ اپنی بیعت کو بیعت خلافت سمجھتے تھے۔ نیز حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی مثال سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنی بیعت کو خلافت راشدہ کے ماتحت ہی قرار دیتے تھے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنی وفات کے بعد بھی خلافت کے سلسلہ کا اجرا ضروری سمجھتے تھے۔ اب چونکہ غیر مبائعین کے نزدیک حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کے تمام احکام خواہ وہ

---

[1] بدر ۴ جولائی ۱۹۱۲ء [2] رسالہ "ایک نہایت ضروری اعلان" صفحہ ۱۰-۱۱

مسائل کے بارہ میں ہوں، غیر مبائعین کے نزدیک ان پر حجت ہیں اور ان سے اختلاف رکھنا مفہوم بیعت کے ساتھ ہنسی کرنا ہے۔ اس لئے خلافت کے متعلق بھی تمام اقوال ان پر حجت ہوں گے۔ وھٰذا ھو المراد۔

کیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعد خلافت ضروری تھی؟

آیت استخلاف کے پیش کرنے اور حضرت ابوبکر صدیق کی مثال دینے پر بعض غیر مبائعین بڑی سادگی سے یہ کہدیا کرتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تو نبی تھے اور نبی کے بعد خلفاء کے وجود کے ہم بھی قائل ہیں۔ مگر یہاں تو سوال حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خلافت کا ہے جو ہمارے نزدیک غیر نبی تھے۔ چنانچہ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب مرحوم تحریر فرماتے ہیں۔

"ہم نے صاف کہدیا تھا کہ جناب مرزا صاحب نبی نہ تھے بلکہ آنحضرت صلعم کے خلیفہ تھے اور خلافت نبوت کی ہوتی ہے۔ خلافت کی خلافت بے معنی بات ہے۔" [1]

اس سوال کے جواب میں عرض ہے کہ اول تو یہ بات سرے ہی سے غلط ہے کہ حضور نبی نہ تھے لیکن اگر آپ لوگوں کو انکار پر اصرار ہو تو پہلے اپنے امیر مرحوم جناب مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے اور اُن کے رفقاء خاص کی تحریریں نکال کر پڑھ لیجئے۔ ان سے آپ پر واضح ہو جائے گا کہ حضور نبی تھے غیر نبی ہرگز نہ تھے۔ ملاحظہ ہوں چند حوالجات :-

۱۔ ۱۹۰۳ء میں مولوی کرم الدین صاحب سکنہ بھیں ضلع جہلم کے مقدمہ ازالہ حیثیت عرفی میں جو حضرت مسیح موعودؑ کے خلاف دائر ہوا تھا، شہادت دیتے ہوئے مولوی محمد علی صاحب نے حلفاً بیان دیا تھا۔

"مرزا صاحب ملزم مدعی نبوت ہے۔ مرزا صاحب دعویٰ نبوت کا اپنی تصانیف میں کرتے ہیں۔ یہ دعویٰ نبوت اسی قسم کا ہے کہ میں نبی ہوں۔ لیکن کوئی شریعت نہیں لایا۔"

۲۔ پھر آپ فرماتے ہیں :-

"مخالف خواہ کوئی ہی معنی کرے مگر ہم تو اسی پر قائم ہیں کہ خدا نبی پیدا کر سکتا ہے صدیق بنا سکتا ہے اور شہید اور صالح کا مرتبہ عطا کر سکتا ہے مگر چاہیئے مانگنے والا . . . . . . ہم نے جس کے ہاتھ میں ہاتھ دیا۔ وہ صادق تھا۔ خدا کا برگزیدہ اور مقدس رسول تھا۔ پاکیزگی کی روح اس میں کمال تک پہنچی ہوئی تھی" [2]

---

[1] رسالہ "مرأۃ الاختلاف" ص۳۸ [2] تقریر مولوی محمد علی صاحب در احمدیہ بلڈنگس لاہور مندرجہ الحکم ۱۸ جولائی ۱۹۰۸ء

۳۔ جناب خواجہ کمال الدین صاحب نے اہل بٹالہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

"تمہارے ہمسایہ میں ایک نبی اور رسُول آیا۔ تم خواہ مانو یا نہ مانو" [۱]

۴۔ مولوی محمد احسن صاحب فرماتے ہیں:۔

"حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سے مسیح موعود بنی اسحاق سے ہوا۔ تا یہ پیشگوئی کذالک نجزی المحسنین کی بھی دونوں طور سے پوری ہو۔ اور اس طرح سے کہ بنی اسمٰعیل میں سے تو ایک ایسے کامل اور مکمل سید المرسلین صلعم پیدا ہوں جن کی امت کنتم خیر امۃ کی مصداق ہو۔ اور بنی اسحاق میں سے ایک ایسا نبی مسیح موعود پیدا ہو جو ہو تو احمد کا غلام اور معہذا وہ نبی بھی ہو۔ تاکہ وعدہ وجعلنا فی ذریتہ النبوۃ کا بھی پورا ہو جائے۔" [۲]

۵۔ ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کا بیان ہے کہ

"اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ وہ خدا کی بات (حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئی غلبت الروم۔ ناقل) آج پوری ہوتی ہے، دنیا پر ثابت کرتی ہے کہ وہ کلام خدا کا کلام ہے۔ جو کہ اس کا لانے والا تھا وہ اللہ کا سچا مرسل ہے۔ اللہ نے اپنی حجت تمام کر دی۔" [۳]

۶۔ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب لکھتے ہیں:۔

"حاصل کلام یہ کہ نبی اور رسُول ہوں گے مگر ساتھ ہی امتی بھی ہوں گے۔ کیونکہ اس طرح بسبب امتی ہونے کے ان کی رسالت و نبوت ختم نبوت کے منافی نہ ہوگی۔" [۴]

۷۔ مولوی عمر الدین صاحب شملوی کا بیان ہے

"لانبی بعدی کے معنی کرنے میں ہمارے مخالفوں نے ایک طوفان برپا کر رکھا ہے۔ ہر وعظ میں بار بار لانبی بعدی کہہ کر حضرت مسیح موعودؑ کے دعویٰ نبوت کو کفر اور دجالیت قرار دیتے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ ان لوگوں کی حالت بالکل

---

[۱] الحکم ۱۴ر مئی ۱۹۱۱ء۔ [۲] ضمیمہ اخبار بدر پرچہ ۲۶ر جنوری ۱۹۱۱ء۔ [۳] ضمیمہ پیغام صلح پرچہ ۲۷ر جولائی ۱۹۱۳ء۔ [۴] پیغام صلح پرچہ ۲۴ر فروری ۱۹۱۴ء۔

علماءِ یہود کی طرح ہو گئی ہے . . . ۔ آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہونے کے یہ معنی ہوئے کہ کوئی ایسا رسُول نہیں ہے جو صاحب شریعت جدیدہ ہو یا نبوت تشریعی کا مدعی ہو اور ایسا نبی ہو سکتا ہے جو آنحضرت صلعم ہی کا غلام ہو۔" [۱]

۸۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب فرماتے ہیں:۔

"یہ اس (اللہ) کا فضل ہے کہ ہم موٹی سمجھ کے انسانوں کے لئے اس نے ہر زمانہ میں انبیاء، اولیاء، صلحاء کے وجود کو پیدا کیا" [۲]

۹۔ اخبار "پیغام صلح" کے ساتھ تعلق رکھنے والے جملہ احباب کا بیان ہے کہ "معلوم ہوا ہے کہ بعض احباب کو کسی نے غلط فہمی میں ڈال دیا ہے کہ اخبار ہذا کے ساتھ تعلق رکھنے والے احباب یا ان میں سے کوئی ایک سیدنا وہادینا حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مدارج عالیہ کو اصلیت سے کم یا استخفاف کی نظر سے دیکھتا ہے۔ ہم تمام احمدی جن کا کسی نہ کسی صورت سے اخبار پیغام صلح کے ساتھ تعلق ہے۔ خدا تعالیٰ کو جو دلوں کے بھید جاننے والا ہے۔ حاضر و ناظر جان کر علی الاعلان کہتے ہیں کہ ہماری نسبت اس قسم کی غلط فہمی پھیلانا محض بہتان ہے۔ ہم حضرت مسیح موعود و مہدی موعودؑ کو اس زمانہ کا نبی، رسُول اور نجات دہندہ مانتے ہیں" [۳]

ان حوالجات سے ظاہر ہے کہ جناب مولوی محمد علی صاحب اور ان کے رفقا حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں حضور کو انبیاء ہی کے زمرہ میں شمار کرتے تھے۔ غیر انبیاء کے زمرہ میں حضور کو کبھی شمار نہیں کیا۔ البتہ خلافت سے علیحدہ ہو کر بیشک حضور کی نبوت کا انکار کیا جو ایک لازمی نتیجہ تھا حق کو چھوڑنے کا۔

پھر ہم کہتے ہیں کہ آئیے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی سے ہم اس امر کا فیصلہ کروا لیتے ہیں کہ حضور کے بعد سلسلہ احمدیہ میں خلافت قائم ہوگی یا نہیں۔ سُنئے۔

اوّل۔ گذشتہ صفحات میں رسالہ الوصیتہ کی عبارت سے ہم روز روشن کی طرح ثابت کر چکے ہیں کہ اپنے وصال کے بعد جس قدرت ثانیہ کی حضور نے جماعت کو خبر دی ہے اس سے مراد خلافت ہے جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ کی مثال سے ظاہر ہے۔

---

[۱] پیغام صلح ۱۶ ستمبر ۱۹۱۳ء ۔ [۲] ضمیمہ پیغام صلح ۵ مارچ ۱۹۱۴ء ۔
[۳] پیغام صلح ۱۶ اکتوبر ۱۹۱۳ء ۔

دوم۔ حضور اپنی کتاب "حمامۃ البشریٰ" میں فرماتے ہیں۔

"ثم یسافر المسیح الموعود او خلیفۃ من خلفائہ الیٰ ارض دمشق۔" یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے مستنبط ہوتا ہے کہ یا تو مسیح موعود خود یا اس کے خلفاء میں سے کوئی خلیفہ سرزمین دمشق کی طرف سفر کرے گا۔ حضور کے اس حوالہ پر غور کیا جائے تو متعدد باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

(الف) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد خلافت کا سلسلہ جاری ہوگا کیونکہ اگر خلافت نہ ہو تو دمشق میں سفر کرنے والے پر لفظ خلیفہ کا کس طرح اطلاق ہو سکتا ہے۔

(ب) "خلیفۃ من خلفائہ" کے الفاظ بتاتے ہیں کہ کم از کم تین خلفاء تو ضرور ہونگے۔ کیونکہ خلفاء جمع ہے جس کے لئے اقل شرط تین کی ہے۔

(ج) واقعات بتاتے ہیں کہ یہ پیشگوئی نہ تو خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ پوری ہوئی اور نہ حضرت خلیفہ اول رضؓ کے ذریعہ۔ پس ضروری ہوا کہ خلیفہ اولؓ کے بعد بھی خلافت جاری رہے تا پیشگوئی پوری ہو سکے۔

سوم۔ حدیث شریف میں مسیح موعود کے متعلق پیشگوئی ہے۔ "یَتَزَوَّجُ وَ یُوْلَدُ لَہٗ" اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے حضور فرماتے ہیں:۔

"اور یہ پیشگوئی کہ مسیح موعود کی اولاد ہوگی اس بات کی اشارہ ہے کہ خدا اس کی نسل سے ایک ایسے شخص کو پیدا کرے گا جو اس کا جانشین ہوگا" [1]

اس عبارت میں بے شک لفظ خلیفہ نہیں لیکن جانشین خلیفہ کا لفظی ترجمہ ہے جیسا کہ حضور فرماتے ہیں:۔

"افسوس ہے کہ ایسے خیال پر جمنے والے خلیفہ کے لفظ کو بھی جو استخلاف سے مفہوم ہوتا ہے۔ تدبر سے نہیں سوچتے کیونکہ خلیفہ جانشین کو کہتے ہیں۔" [2]

مذکورہ بالا عبارت سے ظاہر ہے کہ حضرت اقدس کے بعد خلافت ہے۔ اگر خلافت نہ ہوتی۔ تو حضور کی اولاد میں سے کوئی شخص کس طرح اپنے وقت پر خلیفہ ہو سکتا ہے۔

---

[1] حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۱۲ ٭ [2] شہادۃ القرآن صفحہ ۵۷ ٭

چہارم۔ حضور فرماتے ہیں:۔

"جب کوئی رسول یا مشائخ وفات پاتے ہیں تو دنیا میں ایک زلزلہ آجاتا ہے اور وہ ایک بہت ہی خطرناک وقت ہوتا ہے مگر خدا کسی خلیفہ کے ذریعے اس کو مٹاتا ہے اور پھر گویا اس امر کا از سرِ نو اس خلیفہ کے ذریعہ اصلاح و استحکام ہوتا ہے۔"[1]

عجیب لطیفہ اس حوالہ میں ایک عجیب لطیفہ ہے اور وہ یہ کہ باوجود اس کے کہ حضور رسُول بھی تھے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ حضور کی جماعت کا ایک گروہ حضور کی رسالت کا منکر ہو جائیگا اس لئے حضور کے ذریعہ سے اس امر کا اعلان کروا دیا کہ مشائخ کی وفات کے بعد بھی خلافت کا سلسلہ جاری ہوا کرتا ہے۔ یاد رہے کہ یہ حوالہ اپریل ۱۹۰۸ء کا ہے یعنی الوصیت سے تین سال بعد کا۔ اور حضور کے وصال سے اندازاً ڈیڑھ ماہ قبل کا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ رسالہ الوصیۃ میں جس انجمن کو حضور نے قائم کیا ہے اس کا قیام خلیفہ کے وجود سے ہمیں مستغنی نہیں کر دیتا۔ پس اس حوالہ سے رد ہو جاتا ہے ان لوگوں کا جو سمجھتے ہیں کہ انجمن کے قیام کے بعد خلافت کی ضرورت نہیں رہے گی۔

پنجم۔ اوپر کا حوالہ جس تقریر سے لیا گیا ہے وہ حضور نے اپنے وصال سے ڈیڑھ ماہ پیشتر لاہور میں فرمائی تھی جس میں فرمایا کہ

"لوگوں کو چاہیئے کہ صدیق المشرب ہوں۔ بغیر کسی طلب نشان کے ایمان لائیں پھر انہیں اس قدر نشان دیئے جائیں گے کہ وہ حیران رہ جائیں گے۔ صوفیا نے لکھا ہے جو شخص کسی شیخ یا رسول اور نبی کے بعد خلیفہ ہونے والا ہوتا ہے تو سب سے پہلے خدا کی طرف سے حق اس کے دل میں ڈالا جاتا ہے۔ جب کوئی رسول یا مشائخ وفات پاتے ہیں تو دنیا پر ایک زلزلہ آجاتا ہے اور وہ ایک بہت ہی خطرناک وقت ہوتا ہے۔ مگر خدا کسی خلیفہ کے ذریعہ اس کو مٹاتا ہے اور پھر گویا اس امر کا از سرِ نو اس خلیفہ کے ذریعہ اصلاح و استحکام ہوتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کیوں اپنے بعد خلیفہ مقرر نہ کیا۔ اس میں بھی یہی بھید تھا کہ آپ کو بھی خوب علم تھا کہ اللہ تعالےٰ خود ایک خلیفہ مقرر فرما دے گا کیونکہ یہ خدا ہی کا کام ہے اور خدا کے انتخاب میں نقص نہیں چنانچہ انہوں نے حضرت ابوبکر کو اس کام کے واسطے خلیفہ بنایا اور سب سے

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۷ مورخہ ۱۴ اپریل ۱۹۰۸ء

پہلے حق انہی کے دل میں ڈالا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ایک الہام میں اللہ تعالیٰ نے
ہمارا نام بھی شیخ رکھا ہے۔ انت الشیخ المسیح الذی لایضاع وقتہٗ" [1]

اس حوالہ سے بھی ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی وفات کے قریب ہونے کی وجہ سے جماعت کو سمجھا رہے تھے کہ قدیم سنت کے مطابق میرے بعد بھی خلیفہ حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب ہی ہوں گے۔ کیونکہ آپ صدیق المشرب ہیں اور بغیر نشان طلب کرنے کے سب سے پہلے ایمان لائے ہیں۔ نیز یہ بھی بتادیا کہ میرے بعد جماعت میں جو افتراق اور انتشار کی کیفیت پیدا ہوگی۔ اس کی اصلاح بھی اللہ تعالےٰ آپ ہی کے ذریعہ سے کرے گا چنانچہ یہ خلافت اور انجمن کا جھگڑا اور ایسے ہی بعض دوسرے جھگڑوں کا فیصلہ جس جرأت اور دلیری کے ساتھ آپ نے کیا یہ آپ ہی کا حصہ تھا۔

(ب) ایسا ہی دوسری جگہ حضرت مولوی صاحبؓ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت اقدس فرماتے ہیں:۔

"انہوں نے ایسے وقت میں بلا تردد مجھے قبول کیا کہ جب ہر طرف سے تکفیر کی صدائیں بلند ہونے کو تھیں اور بہتیروں نے باوجود بیعت کے عہد بیعت فسخ کر دیا تھا اور بہتیرے سُست اور متذبذب ہو گئے تھے۔ تب سب سے پہلے مولوی صاحب ممدوح کا ہی خط اس عاجز کے اس دعویٰ کی تصدیق میں کہ میں ہی مسیح موعود ہوں، قادیان میں میرے پاس پہنچا۔ جس میں یہ فقرات درج تھے۔ اٰمنّا و صدقنا فاکتبنا مع الشاھدین" [2]

(ج) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ کے متعلق یہی فرمایا ہے کہ

"ما دعوتُ احداً الی الاسلام الّا کانت لہٗ عنہ کبوۃ و تردد و نظر الّا ابابکر ما عتم عنہ حین ذکرتہٗ وما تردد فیہ" [3]

یعنی میں نے جب کبھی کسی کو اسلام کی طرف بُلایا تو اس نے تردد کیا اور اس کے قبول کرنے میں پس و پیش کیا لیکن ابوبکر کے پاس جب میں نے ذکر کیا تو آپ نے بغیر کسی تردد اور تاخیر کے اسے قبول کر لیا۔"

نیز فرمایا:۔

(د) "انی قلتُ ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعًا فقلتم کذبتَ

---

[1] الحکم ۱۴ اپریل ۱۹۰۸ء صفحہ ۲ و بدر ۲۳ اپریل ۱۹۰۸ء۔ [2] ازالہ اوہام۔ [3] سیرۃ ابن ہشام جلد اول۔

وقال ابوبکر صَدَقْتَ " [1]

یعنی جب میں نے کہا کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف رسُول ہو کر آیا ہوں تو تم نے کہا کہ تو جھُوٹا ہے لیکن ابو بکر نے کہا کہ ہاں تو صادق ہے۔

(۵) " التبلیغ " میں حضرت اقدس آپ کی نسبت فرماتے ہیں

" میں نے دعا کی۔ اے میرے رب۔ اے میرے رب۔ میرا کون مددگار ہو۔ کون مددگار ہو۔ میں اکیلا ہوں۔ سو جب بار بار میں دعا کرتا رہا۔ اس نے مجھے ایک صدیق دیا جو نہایت سچا تھا۔ اس کا نام نورالدین ہے اور جب سے وہ میرے پاس آیا ہے میں اپنے تمام غم بھول گیا ہوں۔ اس کے مال نے باقی تمام لوگوں کے اموال سے مجھے زیادہ فائدہ دیا ہے۔ میں نے اس جیسا دنیا میں کوئی نہیں دیکھا ہے میں نے اسے دیکھتے ہی سمجھ لیا کہ یہ خدا کے نشانوں میں سے ایک نشان ہے۔ اور مجھے یقین ہو گیا کہ یہ وہی دعا ہے جو میں ہمیشہ کیا کرتا تھا۔ اس کا دل تکبر اور خود پسندی سے مبرا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ آسمان سے اس پر نُور نازل ہوتا ہے گویا کہ وہ انوار کا مہمان خانہ ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ قرآن شریف اس جیسا کوئی نہیں سمجھتا " [2]

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کے حق میں حضرت اقدس کی یہ تحریرات بتاتی ہیں کہ حضرت مولوی صاحب سب سے پہلے ایمان لانے کی وجہ سے صدیق بن گئے اور حضرت ابوبکرؓ کی مثال سے ظاہر ہے کہ صدیق خلیفہ ہوا کرتا ہے۔ ادھر واقعات بھی بتاتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال کے بعد تمام جماعت نے بالاتفاق حضرت مولوی صاحب کو خلیفہ تسلیم کیا اور جب آپ حضور کے خلیفہ ہوئے تو معلوم ہوا کہ حضور کے بعد خلافت جاری ہے۔

ششم ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی آخری تصنیف رسالہ " پیغام صلح " میں جو حضور نے اپنی وفات سے ایک دن پیشتر ختم کی تھی۔ ہندوؤں کے ساتھ شرائط صلح تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

" ہم سب سے پہلے اس اقرار نامہ پر دستخط کرنے کے تیار ہوں کہ ہم احمدی لوگ ہمیشہ وید کے مصدق ہوں گے اور وید اور اس کے رشیوں کا تعظیم اور محبت سے

---

[1] بخاری کتاب التفسیر ۔ [2] ملخص صفحہ ۵۸۱ تا ۵۸۸ ۔

نام لیں گے اور اگر ایسا نہ کریں گے تو ایک بڑی بھاری رقم تاوان کی جو تین لاکھ روپیہ
سے کم نہیں ہوگی ہندو صاحبوں کی خدمت میں ادا کریں گے اور اگر ہندو صاحبان دل
سے ہمارے ساتھ صفائی کرنا چاہتے ہیں تو وہ بھی ایسا ہی اقرار لکھ کر اس پر دستخط کریں
اور اس کا مضمون بھی یہ ہوگا کہ ہم حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور
نبوت پر ایمان لاتے ہیں اور آپ کو سچا نبی اور رسول سمجھتے ہیں۔ اور آئندہ آپ کو ادب
اور تعظیم کے ساتھ یاد کریں گے جیسا کہ ایک ماننے والے کے مناسب حال ہے اور
اگر ہم ایسا نہ کریں تو ایک بڑی رقم تاوان کی جو تین لاکھ روپیہ سے کم نہیں ہوگی احمدی
جماعت کے **پیشرو** کی خدمت میں پیش کریں گے۔ یاد رہے کہ ہماری احمدی جماعت
اب چار لاکھ سے کچھ کم نہیں اس لئے ایسے بڑے کام کے لئے تین لاکھ روپیہ چندہ
کوئی بڑی بات نہیں اور جو لوگ ہماری جماعت سے ابھی باہر ہیں دراصل وہ سب
پراگندہ طبع اور پراگندہ خیال ہیں۔ کسی ایسے لیڈر کے ماتحت وہ لوگ نہیں ہیں جو اُن
کے نزدیک واجب الاطاعت ہے۔" [1]

اس حوالہ سے صریحاً ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک جس قوم کا
کوئی واجب الاطاعت لیڈر نہ ہو وہ پراگندہ طبع اور پراگندہ خیال ہوتی ہے اس لئے آپ غیر احمدیوں
کو معاہدہ کرنے کے قابل قرار نہیں دیتے۔ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہی مذہب ہوتا کہ آپ کی وفات
کے بعد آپ کی جماعت کے لئے کسی واجب الاطاعت لیڈر کی ضرورت نہیں تو دوسرے لفظوں میں
اس کے یہ معنی ہیں کہ آپ چاہتے تھے کہ آپ کی وفات کے بعد نعوذ باللہ آپ کی جماعت پراگندہ طبع اور
پراگندہ خیال ہو جائے۔ وھٰذا خلف۔

پھر اس تحریر میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہندوؤں کے ساتھ یہ معاہدہ بھی کرتے
ہیں کہ اگر پیغام صلح والے معاہدے کی احمدیوں کی طرف سے خلاف ورزی ہو تو احمدی لوگ تاوان کی رقم
ہندو صاحبوں کو دیں گے لیکن اگر ہندو اس معاہدے کو توڑیں تو وہ تاوان کی رقم سلسلہ احمدیہ کے
پیشرو کی خدمت میں پیش کریں گے اور چونکہ معاہدہ ہمیشہ کے لئے ہندوؤں کے ساتھ کیا جانے والا
تھا اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہی مذہب تھا کہ آپ کی جماعت میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی

---

[1] پیغام صلح طبع اول صفحہ ۲۶۔

پیشرو ہونا چاہئیے۔ اور پیشرو فارسی لفظ ہے جس کے معنے امام کے ہیں۔ انجمنیں یا جماعتیں پیشرو یا امام نہیں کہلا سکتیں۔ امیر یا خلیفہ یا پیشرو ہمیشہ افراد ہوتے ہیں، جماعت نہیں ہوا کرتی۔ اور یہ بات شائع و متعارف ہے کہ جس قدر زور امامت اور امارت پر اسلام نے دیا ہے اور کسی مذہب نے نہیں دیا۔ نماز نہیں ہو سکتی جب تک کسی کو امام بنا کر آگے کھڑا نہ کیا جائے۔ دو تین مسلمان اکٹھے ہو کر سفر نہیں کر سکتے جب تک اپنے میں سے کسی کو امیر مقرر نہ کر لیں۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تو اطاعتِ امیر کی اس قدر تاکید فرمائی ہے کہ جو شخص امیر کی اطاعت نہیں کرتا اسے اپنا نافرمان قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ من اطاع امیری فقد اطاعنی ومن عصٰی امیری فقد عصانی۔ یعنی جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی اطاعت کی اس نے گویا میری اطاعت کی اور جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی نافرمانی کی۔ اس نے گویا میری نافرمانی کی۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ بغیر امیر کے کوئی جماعت تھوڑا عرصہ بھی نہیں چل سکتی۔

چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی وفات کے بعد لاہوری فریق نے مرکز احمدیت سے الگ ہو کر جب اپنا مرکز لاہور میں بنا لیا تو چند دنوں کے بعد ہی وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ جب تک جماعت کا کوئی امیر مقرر نہ کیا جائے۔ اکیلی انجمن کام نہیں چلا سکتی۔ چنانچہ انہوں نے مولوی محمد علی صاحب کو اپنا امیر مقرر کیا۔ اب عجیب بات ہے کہ وہ شخص جو کل تک اپنا سارا زور اس امر پر صرف کرتا تھا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنا جانشین انجمن کو قرار دیا ہے اور کسی فرد واحد کو قرار نہیں دیا، اسے پے در پے اس امر پر خطبات پڑھنے پڑے کہ جب تک تم لوگ میری اسی طرح اطاعت نہیں کرو گے جس طرح صحابہ کرام نے حضرت ابوبکرؓ۔ عمرؓ اور عثمانؓ کی اطاعت کی تھی، ترقی نہیں کر سکو گے۔ چنانچہ آپ اسی مضمون پر ایک خطبہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:-

> "ایک اور حدیث میں ہے۔ آپؐ نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ اور جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی۔ اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی" یہ وہ بلند اصول ہے جو آپؐ نے اتحادِ ملّی کے لئے قائم کیا اور جو نظام کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ غور کر کے دیکھ لیجئے اس کے بغیر کوئی نظام رہ سکتا ہی نہیں۔ یہی اصول تھا جس نے حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کے زمانہ میں مسلمانوں پر فتوحات کے دروازوں کو کھول دیا تھا

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ لوگ جس بات کو مُنہ سے نکالتے تھے اس پر پکے تھے۔ یہ نہ تھا کہ بیعت تو کرلی کہ ہم آپ کی بات سنیں گے اور مانیں گے مگر جب حکم ہوا تو بھاگ گئے۔ یہ نامردی ہے۔ اس سے بہتر ہے کہ پہلے ہی علیحدہ رہے تاکہ نظام میں رخنہ اندازی نہ ہو۔ وہ شخص جو بیعت کرتا ہے اور پھر بیعت کے اقرار کو پورا نہیں کرتا وہ دراصل دوست نہیں دشمن ہے۔ جو جماعت کے نظام کو کمزور کرتا ہے اور کام کو نقصان پہنچاتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یاد رکھو کہ کوئی جہاد نظام کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ یہ ہے ہی ناممکن۔ اس لئے ہمارا سب سے پہلا فرض ہے کہ نظام قائم کریں اور یہ وہی اصول ہے جس پر نبی کریم صلعم نے نظام کو قائم کیا۔

مگر پھر کہتا ہوں کہ نظام کی بنیاد ایک ہی بات پر ہے کہ اسمعوا واطیعوا۔ سُنو اور اطاعت کرو۔ جب تک یہ رُوح نہ پیدا ہو جائے۔ جب تک تمام افراد جماعت ایک آواز پر حرکت میں نہ آجائیں۔ جب تک تمام اطاعت کی سطح پر نہ آجائیں۔ ترقی محال ہے۔" [1]

اس خطبہ کو پڑھ کر قارئین کرام خود فیصلہ کرلیں کہ جناب مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے اور اُن کی پارٹی جب حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ کو خلیفۃ المسیح مان کر اور یہ اقرار کرکے کہ ہم آپ کا حکم اسی طرح مانیں گے جس طرح وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مانا کرتے تھے۔ آپ کے خلاف منصوبے سوچا کرتے تھے اور آپ کی پوزیشن کو گرانے کی مذموم کوشش کیا کرتے تھے۔ اس وقت صحیح مسلک پر گامزن تھے۔ یا اس خطبہ کے پڑھتے وقت؟

خلافت کو مٹانے کی کوشش

گذشتہ صفحات میں تو اصولی طور پر اس امر پر بحث کی گئی ہے کہ آیا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریرات اور ارشادات کی روشنی میں حضور کے بعد خلافت کی ضرورت ثابت ہوتی ہے یا صرف انجمن ہی ساری دنیا میں اسلام کو پھیلانے اور دینی مسائل میں رہنمائی کرنے اور مشکلات میں گھرے ہوؤں کے لئے دعائیں کرنے اور جماعت کی ترقی کے لئے مناسب تدابیر اختیار کرنے کے لئے کافی ہوگی۔ اس بحث میں ہم بفضلہ تعالیٰ ثابت کر چکے ہیں کہ حضور کے بعد خلافت اور انجمن دونوں کی ضرورت ہے۔ البتہ دونوں کا دائرہ عمل الگ الگ ہے

---

[1] "پیغام صلح" پرچہ ۲۷ر فروری ۱۹۳۷ء

انجمن کا کام چندے جمع کرنا اور ان کا مناسب رنگ میں خرچ کرنا ہے اور خلیفہ کا کام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مقاصد کی تکمیل ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔

”(انبیاء) جس راستبازی کو دنیا میں پھیلانا چاہتے ہیں اس کی تخم ریزی انہی کے ہاتھ سے کر دیتا ہے۔ لیکن اس کی پوری تکمیل ان کے ہاتھ سے نہیں کرتا۔ بلکہ ایک ایسے وقت میں ان کو وفات دے کر جو بظاہر ایک ناکامی کا خوف اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ مخالفوں کو ہنسی اور ٹھٹھے اور طعن اور تشنیع کا موقعہ دیتا ہے اور جب وہ ہنسی ٹھٹھا کر چکتے ہیں تو پھر ایک دوسرا ہاتھ اپنی قدرت کا دکھاتا ہے اور ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے جن کے ذریعہ سے وہ مقاصد جو کسی قدر ناتمام رہ گئے تھے اپنے کمال کو پہنچتے ہیں۔“ [1]

یہاں اس امر پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں کہ ”دوسرا ہاتھ اپنی قدرت کا“ یا بالفاظ دیگر ”قدرت ثانیہ“ سے کیا مراد ہے کیونکہ پہلے اس پر مفصل بحث گذر چکی ہے اور یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ قدرت ثانیہ سے مراد خلافت ہے۔

اب ہم ان کوششوں کا ذکر کرتے ہیں جو منکرین خلافت نے خلافت کو مٹانے کے لئے کیں۔ جناب مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے جو بعد میں منکرین خلافت کے امیر مقرر ہوئے۔ انہیں دراصل حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ سے بعض ذاتی رنجشیں تھیں جو صدر انجمن کے اجلاسات کے دوران میں بعض چھوٹی چھوٹی باتوں کی بنا پر پیدا ہو گئی تھیں اس لئے وہ نہیں چاہتے تھے کہ آپ کو بطور خلیفۃ المسیح تسلیم کریں۔ لیکن اس وقت چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کا صدمہ ابھی تازہ تازہ تھا اور ساری کی ساری جماعت کے دل آپ کی طرف جھکے ہوئے تھے اس لئے اس وقت تو جناب مولوی محمد علی صاحب اپنی بے سروسامانی کو دیکھ کر دب گئے اور بیعت کر لی ورنہ دراصل وہ بیعت نہیں کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ مولوی صاحب موصوف خود فرماتے ہیں۔

”حضرت مسیح موعود کی وفات لاہور میں ہوئی . . . . آپ کی نعش مبارک جب قادیان میں پہنچی تو باغ میں خواجہ کمال الدین صاحب نے مجھ سے ذکر کیا کہ یہ تجویز ہوئی ہے کہ حضرت مسیح موعود کے جانشین حضرت مولوی نورالدین صاحب ہوں . . .

---

[1] الوصیت

اس کے بعد انہوں نے کہا کہ یہ بھی تجویز ہوئی ہے کہ سب احمدی اُن کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ میں نے کہا کہ اس کی کیا ضرورت ہے۔ جو لوگ نئے سلسلہ میں داخل ہوں گے انہیں بیعت کی ضرورت ہے اور یہی الوصیت کا منشا ہے۔ . . . . اور اس پر اب تک قائم ہوں کہ حضرت مسیح موعود کی جن لوگوں نے بیعت کی ہے انہیں آپ کی وفات کے بعد کسی دوسرے شخص کی بیعت کی ضرورت نہیں اور نہ بیعت لازمی ہے لیکن بایں میں نے بیعت کر بھی لی اس لئے کہ اس میں جماعت کا اتحاد تھا۔" [۱]

پس بظاہر بیعت کر لینے کے باوجود مولوی صاحب کے دل میں یہی خیال سمایا ہوا تھا کہ آہستہ آہستہ اپنے دوستوں اور ہمخیالوں کو ساتھ ملا کر رائے عامہ کو اپنے حق میں ہموار کر لیں اور پھر خلیفۃ المسیح کو معزول کر دیں یا خلافت ہی کو سرے سے مٹا دیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے دوستوں کی مجالس میں اس قسم کے تذکرے شروع کر دیئے جن میں خلافت کا انکار ہوتا تھا اور اس کام کے لئے سب سے پہلے انہوں نے جناب خواجہ کمال الدین صاحب پلیڈر کو چُنا۔ خواجہ صاحب کا دل پہلے ہی اس طرف مائل تھا اور وہ کسی نہ کسی طرح خود مولوی صاحب موصوف کو اپنے ساتھ ملانا چاہتے تھے۔ صدر انجمن کے بھی چودہ ممبروں میں سے قریباً آٹھ ممبر مولوی صاحب کے دوست یا زیر اثر تھے۔ اس لئے انہوں نے یہ سمجھا کہ وہ یہ کام کر گذریں گے مگر وہ یہ بھُول گئے کہ یہ سلسلہ خدا تعالیٰ کا قائم کردہ ہے کسی شخص کی ظاہری تدبیروں سے خواہ وہ کتنا ہی با اثر ہو۔ مٹایا نہیں جا سکے گا۔ لیکن بہرحال جب انہوں نے سمجھا کہ اب قوم کے دلوں میں سکون پیدا ہو چکا ہے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کی وجہ سے جو زبردست دھکا جماعت کو لگا تھا اسے برداشت کر چکی ہے تو آہستہ آہستہ اپنی تحریک کو وسیع کرنا شروع کیا اور اس کام کے لئے سب سے پہلے حضرت صاحبزادہ میرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی طرف رُخ کیا۔ خواجہ کمال الدین صاحب جیسا ہوشیار آدمی تو مولوی صاحب کو مل ہی چکا تھا۔ اس لئے آپ اپنا مقصد حل کرنے کے لئے عموماً خواجہ صاحب ہی کو اپنا آلہ کار بنایا کرتے تھے چنانچہ اس موقعہ پر بھی خواجہ صاحب ہی کو آگے کیا۔

حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی ؓ لکھتے ہیں:۔

"واقعہ یوں ہے کہ قدرت ثانیہ کے چھٹے روز ہمارے کرتے دھرتے اور اصحاب حل وعقد پھر قادیان تشریف لائے۔ حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب بیان

---

[۱] "حقیقت اختلاف" صفحہ ۲۹ - ۳۰۔ مصنفہ جناب مولوی محمد علی صاحب مرحوم۔

کرتے ہیں کہ شہر سے سیدنا حضرت محمود ایدہ اللہ تعالیٰ کو اور مولوی محمد علی صاحب اور بعض اور اپنے ہم خیالوں کو انہوں نے ساتھ لیا اور مزار سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جاکر دعا کی۔ کچھ دیر ادھر ادھر کی باتوں کے بعد شہر کو لوٹے۔ مگر باغ کے شمال مشرقی کونہ پر پہنچ کر خواجہ صاحب نے مغربی جانب باغ کی طرف رخ کر لیا اور ادھر ادھر ٹہلنے لگے۔ ٹہلتے ٹہلتے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کو خطاب کر کے بولے:۔

"میاں ہم سے ایک غلطی ہو گئی ہے جس کا تدارک اب سوائے اس کے کچھ نظر نہیں آتا کہ ہم کسی ڈھنگ سے خلیفہ کے اختیارات کو محدود کر دیں۔ وہ بیعت لے لیا کریں۔ نماز پڑھا دیا کریں۔ خطبہ نکاح پڑھ کر ایجاب و قبول اور اعلان نکاح فرما دیا کریں یا جنازہ پڑھا دیا کریں۔ بس" [1]

خواجہ صاحب کی بات سن کر جو جواب حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز نے دیا اُسے ہم حضور ہی کے الفاظ میں درج کرتے ہیں۔ حضور فرماتے ہیں۔

"میں نے کہا کہ اختیارات کے فیصلہ کا وہ وقت تھا جبکہ ابھی بیعت نہ ہوئی تھی جبکہ حضرت خلیفہ اول رضؓ نے صاف صاف کہہ دیا (تھا) کہ بیعت کے بعد تم کو پوری پوری اطاعت کرنی ہو گی اور اس تقریر کو سُنکر ہم نے بیعت کی۔ تو اب آقا کے اختیار مقرر کرنے کا حق غلاموں کو کب حاصل ہے؟ میرے اس جواب کو سُنکر خواجہ صاحب بات کا رُخ بدل گئے اور گفتگو اسی پر ختم ہو گئی" [2]

ان لوگوں کا خیال تھا کہ اگر حضرت صاحبزادہ صاحب ایدہ اللہ کو اپنا ہم خیال بنا لیا جائے تو اپنے منصوبہ میں کامیاب ہونا بہت حد تک آسان ہو جائے گا۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ حضرت صاحبزادہ صاحب ایدہ اللہ تو خلافت کے زبردست مویدین میں سے ہیں تو یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ یہ "خود خلیفہ بننا چاہتا ہے" اور نہ صرف حضور ہی کی بلکہ حضور کے ساتھ ساتھ اس ذاتی عناد کی وجہ سے سارے خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مخالفت شروع کر دی۔ اس عرصہ میں جلسہ سالانہ ۱۹۰۸ء کے دن آگئے۔ اس جلسہ

---

[1] "خلافت ثانیہ کا قیام" مصنفہ حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی رضؓ صفحہ ۶۔

[2] ایضاً صفحہ ۱۳ نیز دیکھئے "خلافت احمدیہ کے مخالفین کی تحریک" از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد ایدہ اللہ ۔

میں مولوی محمد علی صاحب کے خاص دوستوں نے خلافت پر انجمن کی فوقیت ظاہر کرنے کے لئے یا یوں کہہ لیجئے کہ انجمن ہی کو حضرت اقدس کا جانشین قرار دینے پر بار بار مختلف پیرایوں میں زور دیا۔ چنانچہ اخبار بدر میں جو مختصر رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۹۰۸ء کے کوائف پر مشتمل چھپی ہے اس کی چند جھلکیاں ملاحظہ ہوں:۔

۱۔ جناب ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اسسٹنٹ سرجن لاہور نے "ہم کس طرح ترقی کر سکتے ہیں" کے عنوان پر جو چند باتیں کہیں۔ ان میں چوتھی بات یہ بیان کی کہ

"چوتھی بات یہ ہے کہ کمیٹی خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین ہے۔ اس کے قوانین ضوابط کی پابندی ضروری ہے۔ حضرت کا بڑا مقصد اشاعت اسلام تھا۔ چاہیئے کہ ہم میں سے ہر ایک سلسلہ کی اشاعت کے لئے وقف کرے۔" [۱]

۲۔ حضرت میر حامد شاہ صاحب سیالکوٹی جو ان ایام میں مولوی محمد علی صاحب کی قربانیوں کے خاص مداح تھے۔ اور خلافت ثانیہ کے ابتدائی ایام ہی میں غیر مبائعین کے گروہ میں شامل ہو گئے تھے لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت دی اور خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے مخلص ترین مبائعین کے ایک ممتاز فرد ثابت ہوئے۔ انہوں نے فرمایا۔

"وہ زمانہ گذر گیا کہ مسیح موعود کے سایہ میں بے فکری سے گذارتے تھے۔ اب تو ہر ایک کا جوا اس کے سر پر ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ صدر اعلیٰ کی کارروائیوں کو عملی رنگ میں امداد دیں اور ان کی ہدایات کی پیروی کریں۔ میرا یقین ہے کہ قدرت ثانیہ کا نزول ان اعمال پر موقوف ہے جو ہم صدر اعلیٰ کے ماتحت بجا لائیں گے" [۲]

دیکھ لیجئے۔ یہاں "خلیفۃ المسیح" کو "صدر اعلیٰ" کا نام دے دیا گیا ہے۔ اور "قدرت ثانیہ" کے متعلق اس عقیدہ کا اظہار کیا گیا ہے کہ ابھی وہ ظاہر نہیں ہوئی۔

۳۔ جناب ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب نے فرمایا کہ

"مفصلہ ذیل تجاویز پیش کرتا ہوں جو صدر انجمن نے پاس کی ہیں۔ ہم سب کا فرض ہونا چاہیئے کہ اپنے افعال و اقوال میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ارشادات کا پورا خیال رکھیں اور لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک رکھیں جیسا کہ کسی خاص دوست سے کرتے ہیں۔ دعائیں کرتے رہیں۔ سب کی سچی خیر خواہی کریں۔" [۳]

---

[۱] اخبار بدر ۲۴-۳۱ دسمبر ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۱ + [۲] ایضاً صفحہ ۱۲ + [۳] ایضاً صفحہ ۱۲ +

اس تقریر سے بھی یہ مترشح ہوتا ہے کہ وعظ و نصیحت کے معاملہ میں بھی انجمن ہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جانشین ہے۔

۴۔ اب آتے ہیں جناب خواجہ کمال الدین صاحب۔ آپ نے تو غضب ہی کر دیا۔ ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں:۔

"۲۲ر دسمبر ۱۹۰۵ء کے قریب حضرت مسیح موعود کو وحی ہوئی کہ بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں۔ اس پر آپ نے فوراً ایک وصیت شائع فرمائی اور پھر آپ نے قریباً ہر طرح کام سے اپنے تئیں الگ کر لیا اور سب کام صدر انجمن احمدیہ کے سپرد کر دیا۔ گویا آپ ہر وقت داعیٔ اجل کو لبیک کہنے کے لئے تیار تھے۔ اور پھر خدا نے بعض جھوٹے ملہموں کو کذاب ثابت کرنے کے لئے آپ کو دو اڑھائی سال زندہ رکھا اور اس طرح پر انہوں نے وہ کام جو زندگی کے بعد ہونا تھا اپنی زندگی میں دیکھ لیا" [1]

غور فرمائیے کس قدر جسارت ہے اس گروہ کی کہ فرماتے ہیں وصیت کے شائع کرنے کے بعد حضور نے سارا کام انجمن کے سپرد کر دیا اور آپ الگ ہو کر بیٹھ گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اس کے تو یہ معنے ہیں کہ مشہور و معروف کتاب "حقیقۃ الوحی" بھی جو گویا ایک رنگ میں احمدیت کی انسائیکلوپیڈیا ہے انجمن نے تصنیف کی اور وہ مضمون بھی جو آریوں کے جلسہ وچھووالی لاہور میں پڑھا گیا تھا۔ خواجہ کمال الدین صاحب اور ان کے اصحاب نے لکھا تھا۔ اور پھر آریوں کے اعتراضات کے جوابات اور الٰہی نشانوں پر مشتمل عظیم الشان کتاب "چشمہ معرفت" بھی گویا انجمن ہی کی تصنیف تھی۔ ایسا ہی لاہور میں رؤسار کو دعوت دے کر جو تقریر کی گئی تھی وہ بھی انجمن ہی کے کسی سرکردہ ممبر نے کی تھی۔ اور مشہور و معروف لیکچر بنام "پیغام صلح" جو ۲۵ر مئی ۱۹۰۸ء کو حضرت اقدس نے ختم کیا وہ بھی انجمن ہی نے لکھا ہوگا حضرت اقدس کی طرف تو یونہی منسوب کر دیا گیا کیونکہ بقول خواجہ صاحب موصوف حضور تو سب کام انجمن کے سپرد کر کے خود الگ ہو کر ایک طرف بیٹھے ہوئے تھے۔

پھر وہ الٰہی نشانات کی بارش جو اس آخری اڑھائی سال کے عرصہ میں ہوئی اور قدرت کاملہ کی وہ عظیم الشان تجلیاں جن کی وجہ سے کثرت کے ساتھ سلسلہ حقہ کے مخالف موت اور ذلّت کا شکار ہوئے۔

---

[1] اخبار بدر ۲۴/۳۱ دسمبر ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۳؎

یہ سب گویا مولوی محمد علی صاحب، خواجہ کمال الدین صاحب اور ان کے ہمنوا انجمن کے ممبروں کی قوت قدسیہ اور اللہ تعالیٰ کے حضور شبانہ روز گریہ و زاری کی وجہ سے دیکھنے میں آئیں۔ چراغ الدین جمونی، بابو الٰہی بخش لاہوری، فقیر مرزا دوالمیال، حکیم عبدالقادر طالب پوری، مولوی محمد جان عرف ابوالحسن پسروری، سعد اللہ لودھیانوی، قادیان کے اخبار شبھ چنتک کے تین جوشیلے آریہ کارکن اچھر چند، سومراج اور بھگت رام وغیرہ وغیرہ یہ سب دشمن جناب خواجہ کمال الدین صاحب اور جناب مولوی محمد علی صاحب کی انجمن کی مخالفت کی وجہ سے طاعون کا شکار ہوئے۔ اور سُنئیے، امریکہ کے مشہور و معروف جان الیگزنڈر ڈوئی کے ساتھ جو مباہلہ ہوا۔ وہ بھی غالباً انجمن کے ممبروں ہی نے کیا ہوگا۔ کیونکہ حضرت اقدس تو بقول جناب خواجہ صاحب سلسلہ کے کاموں سے الگ ہو کر ایک طرف بیٹھ گئے تھے۔ اور سب کام صدر انجمن ہی کر رہی تھی۔ دیکھا جناب! خواجہ صاحب کے خیالات کی جولانگی انہیں کہاں سے کہاں اٹھا کر لے گئی۔ سچ ہے ؎

خشت اول چوں نہد معمار کج تا ثریا مے رود دیوار کج

جب بنیاد ہی ٹیڑھی رکھی گئی تو عمارت سیدھی کیسے تعمیر ہو سکتی ہے۔ جب یہ فیصلہ کر لیا کہ انجمن ہی خدا تعالیٰ کے مسیح موعودؑ کے تمام کاموں کی جانشین ہے تو لازماً یہ لکھنا پڑا کہ حضور کی زندگی میں بھی سارے کام انجمن ہی کرتی رہی اور حضور الگ ہو کر ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر بیٹھ رہے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

کیا یہ سارا پراپیگنڈا ایک سوچی سمجھی سکیم کے ماتحت نہیں شروع کیا گیا؟ یقیناً ایک خاص منصوبہ کے ماتحت یہ تقاریر کی گئیں اور وہ منصوبہ یہی تھا کہ خلافت کے وقار کو گرا کر انجمن کی خلافت پر فوقیت کو ظاہر کیا جائے ورنہ وہ لوگ جو سلسلہ کے لٹریچر سے واقف ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ "الوصیۃ" کے لکھنے کے بعد تو حضرت اقدس نے دینی کاموں کی رفتار کو اس قدر تیز کر دیا تھا کہ حضور فرمایا کرتے تھے

"جو وقت لوازمات بشری کے ماتحت کھانے پینے یا سونے یا رفع حاجت کے لئے پاخانہ وغیرہ جانے میں خرچ ہوتا ہے اس کا بھی ہمیں سخت قلق ہوتا ہے کہ کاش! یہ وقت بھی خدمت دین میں لگ جائے۔" [۱]

ایسی مصروفیت اور انہماک کے زمانہ کے متعلق یہ کہنا کہ حضور ان ایام میں گویا بیکار ہی بیٹھے رہتے تھے جناب خواجہ صاحب کا ہی کام ہو سکتا ہے ورنہ اور تو کوئی شخص غالباً ایسا کہنے کی جرأت نہ کر سکتا۔

---

[۱] "سلسلہ احمدیہ" صفحہ ۱۵۸ مصنفہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے رضی اللہ عنہ

خلافت کے وقار کو صدمہ پہنچانے کے لئے ایک حرکت ان لوگوں نے یہ کی کہ ۱۹۰۸ء کے جلسہ سالانہ میں جہاں دوسرے لیکچراروں کے لئے ایک ایک گھنٹہ وقت مقرر کیا وہاں حضرت خلیفۃ المسیح کی تقریر کے لئے بھی دو گھنٹے مقرر کر دیئے۔ لیکن حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ جب ظہر و عصر کی نمازیں جمع کروا کر تقریر کے لئے کھڑے ہوئے تو حضور نے ان لوگوں کی ذرہ پروانہ کی بلکہ سورج غروب ہونے سے دس پندرہ منٹ پہلے تک برابر تقریر فرماتے رہے اور دس پندرہ منٹ بھی اس لئے چھوڑے کہ حضور کی اجازت سے حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب امروہی کچھ بیان فرمانا چاہتے تھے۔ چنانچہ جب مولوی صاحب موصوف کھڑے ہوئے تو انہوں نے کہا کہ

"یہ خلیفہ کی ہتک ہے کہ ان کا وقت مقرر کیا گیا اور عام لوگوں کی طرح اُن کے لئے وقت کی تعیین کی گئی ہے۔" [1]

اس پر خواجہ صاحب نے ذرا کھسیانے ہو کر کہا کہ حکیم الامت صاحب کے مشورہ سے پروگرام بنایا گیا تھا۔ مگر بات ظاہر ہوگئی اور لوگوں میں چرچا ہونے لگا کہ یہ لوگ خلیفہ کی اس طرح اطاعت نہیں کرتے جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کرتے تھے۔ [2]

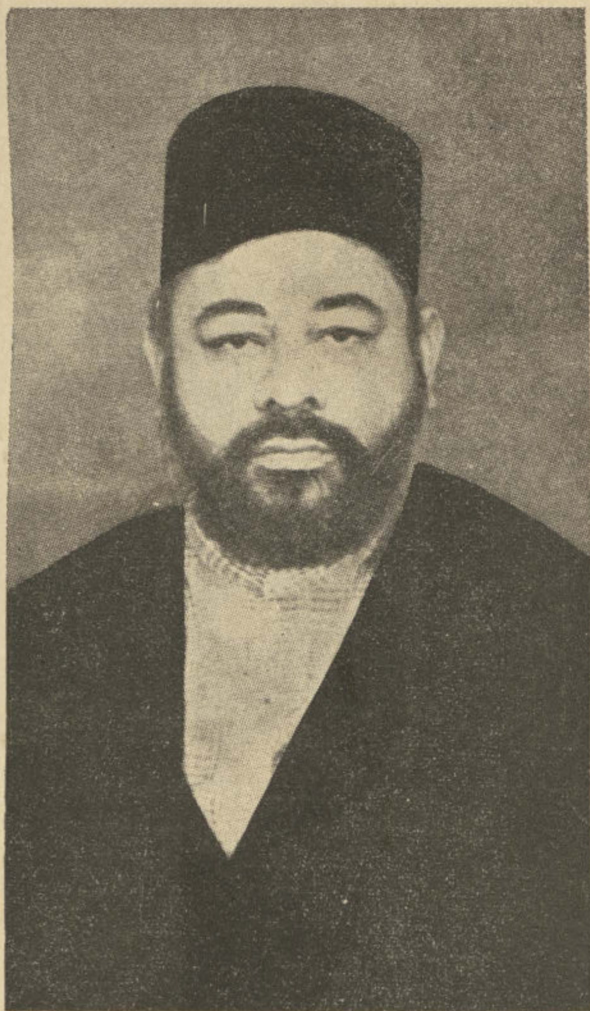
بہرحال جلسہ سالانہ ۱۹۰۸ء پر ان لوگوں نے محسوس کر لیا کہ ہماری تقریروں اور دوسرے افعال کی وجہ سے خلافت کے مویدین ہوشیار ہو رہے ہیں۔ اور اگر ہم نے جلد قدم نہ اٹھایا تو خطرہ ہے کہ ہم کہیں اپنے منصوبے میں فیل نہ ہو جائیں۔ اس لئے انہوں نے اپنی مساعی کو تیز سے تیز تر کر دیا اور وہ اس طرح کہ ایک پروگرام کے ماتحت خواجہ صاحب نے تو بیرونی جماعتوں میں دورہ کر کے اپنا اثر و رسوخ پیدا کر کے لوگوں کو اپنا ہم خیال بنانا شروع کر دیا۔ اور مولوی صدرالدین صاحب نے قادیان کے مقامی آدمیوں میں اپنے خیالات کی اشاعت شروع کر دی۔ قادیان میں تو انہیں اتنی کامیابی حاصل نہ ہو سکی کیونکہ یہاں لوگوں کے پاس اس زہر کا تریاق بھی موجود تھا۔ جب بھی اس قسم کی بحث چلتی۔ خلافت کے مویدین ایسے لوگوں کو آڑے ہاتھوں لیتے مگر باہر کے لوگ خواجہ صاحب کی ان کے صدر انجمن کے ممبر ہونے کی وجہ سے بہت عزت کرتے تھے اس لئے کافی لوگ ان میں سے وساوس کا شکار ہونے لگے۔ مگر اکثر لوگ یہی کہتے تھے کہ اس بارہ میں ہم خلیفۃ المسیح کی رائے معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ اس پر ان لوگوں نے سوچا کہ جب تک مرکز کی اکثریت کو ہم اپنا ہمخیال بنانے میں کامیاب نہیں ہو جاتے اس وقت تک ہماری کامیابی مشکل ہے۔ چنانچہ اس

---

[1] و [2] حیات بقاپوری جلد چہارم صفحہ ۱۰



شبیہ مبارک حضرت صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب
خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز



شبیہ مبارک حضرت علامہ میر محمد اسحاق صاحب رضی اللہ عنہ

تجویز کے ماتحت انہوں نے شروع سال میں ہی اپنے ہم نواؤں کو لیکر مرکز پر دھاوا بول دیا جب اس قسم کی بحثوں نے زور پکڑا تو حضرت خلیفۃ المسیحؓ کے پاس استاذی المکرم حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ نے چند سوالات لکھ کر پیش کئے۔ جن میں خلافت اور انجمن کے تعلقات کے متعلق روشنی ڈالنے کی درخواست کی گئی تھی۔ حضرت خلیفۃ المسیحؓ نے وہ سوالات مولوی محمد علی صاحب کو بھیج دیئے اور لکھا کہ آپ ان کا جواب دیں۔ مولوی صاحب نے جو جواب دیا۔ اس نے حضور کو حیرت میں ڈال دیا کیونکہ اس میں انہی خیالات کا اظہار کیا گیا تھا جن کا اظہار یہ لوگ آئے دن اپنی مجالس میں کیا کرتے تھے مثلاً

"حضرت صاحب کی وصیت سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ خلیفہ کوئی فرد واحد ہونا ضروری ہے گو خاص صورتوں میں ایسا ہو سکتا ہے جیسا کہ اب ہے بلکہ حضرت صاحب نے انجمن کو اپنا خلیفہ بنایا ہے اور یہ ضروری نہیں کہ خلیفہ ایک ہی شخص ہو۔" [۱]

مولوی محمد علی صاحب کے اس جواب سے حضرت خلیفۃ المسیح اس گروہ کے عزائم کو بھانپ گئے اور سمجھ لیا کہ یہ لوگ تو سلسلہ احمدیہ میں سے نظام خلافت ہی کو مٹانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ حضور نے حکم دیا کہ مذکورہ بالا سوالات کی بہت سی نقلیں کر کے جماعت میں تقسیم کی جائیں اور لوگوں سے ان کے جوابات طلب کئے جائیں اور یہ بھی حکم دیا کہ ۳۱ جنوری ۱۹۰۹ء کو تمام جماعتوں کے قائمقام یہاں قادیان آجائیں تا اس معاملہ میں سب سے مشورہ کر لیا جائے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز جو اس زمانہ میں بالعموم حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد کہلاتے تھے، فرماتے ہیں کہ

"اس وقت تک بھی مجھے اس فتنہ کا علم نہیں تھا حتیٰ کہ مجھے ایک رؤیا ہوئی جس کا مضمون حسب ذیل ہے: میں نے دیکھا کہ ایک مکان ہے۔ اس کے دو حصے ہیں، ایک حصہ تو مکمل ہے اور دوسرا نامکمل۔ نامکمل حصہ پر چھت پڑ رہی ہے۔ کڑیاں رکھی جا چکی ہیں مگر اوپر تختیاں نہیں رکھی گئیں اور نہ مٹی ڈالی گئی ہے۔ ان کڑیوں پر کچھ بھوسا پڑا ہے اور اس کے پاس میر محمد اسحاق صاحب، میرے چھوٹے بھائی مرزا بشیر احمد صاحب اور ایک لڑکا جو حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کا رشتہ دار تھا۔ اور جس کا نام نثار احمد تھا اور جو اب فوت ہو چکا ہے۔ (اللہ تعالیٰ اسے غریق

---

[۱] حقیقت اختلاف صفحہ ۳۹ مصنفہ مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے۔

رحمت کرے) کھڑے ہیں۔ میر محمد اسحاق کے ہاتھ میں دیا سلائی کی ایک ڈبیہ ہے اور وہ اس میں سے دیا سلائی نکال کر اس بھوسے کو جلانا چاہتے ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ آخر یہ بھوسہ جلایا تو جائے گا ہی۔ مگر ابھی وقت نہیں۔ ابھی جلائیں ایسا نہ ہو بعض کڑیاں بھی ساتھ ہی جل جاویں۔ اس پر وہ اس ارادے سے باز رہے۔ اور میں اس جگہ سے دوسری طرف چل پڑا۔ تھوڑی دُور ہی گیا تھا کہ مجھے کچھ شور معلوم ہوا۔ مُڑ کر کیا دیکھتا ہوں کہ میر صاحب بے تحاشا دیا سلائیاں نکال کر جلاتے ہیں اور اس بھوسے کو جلانا چاہتے ہیں مگر اس خیال سے کہ کہیں میں واپس نہ آجاؤں۔ جلدی کرتے ہیں اور جلدی کی وجہ سے دیا سلائی بُجھ جاتی ہے۔ میں اس بات کو دیکھ کر واپس دوڑا کہ ان کو روکوں مگر پیشتر اس کے کہ میں وہاں تک پہنچتا۔ ایک دیا سلائی جل گئی اور اس سے انہوں نے اس بھوسے کو آگ لگا دی۔ میں دوڑ کر آگ میں کود پڑا اور آگ کو بجھا دیا۔ مگر اس عرصہ میں کہ میں اس کے بجھانے میں کامیاب ہوتا۔ چند کڑیوں کے سرے جل گئے۔"

حضور فرماتے ہیں۔

"میں نے یہ رؤیا مکرم مولوی سید سرور شاہ صاحب سے بیان کی۔ انہوں نے مسکرا کر کہا کہ مبارک ہو کہ یہ خواب پوری ہو چکی ہے۔ کچھ واقعہ انہوں نے بتایا مگر یا تو پوری طرح ان کو معلوم نہ تھا یا وہ اُس وقت بتا نہ سکے۔ میں نے پھر یہ رؤیا لکھ کر حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کی۔ آپ نے اُسے پڑھ کر ایک رقعہ پہ لکھ کر مجھے جواب دیا کہ خواب پوری ہو گئی۔ میر محمد اسحاق صاحب نے چند سوال لکھ کر دیئے ہیں جن سے خطرہ ہے کہ شور نہ پڑے اور بعض لوگ فتنہ میں پڑ جائیں۔"

حضور فرماتے ہیں۔

"یہ پہلا موقع ہے کہ مجھے اس فتنہ کا علم ہوا۔ اور وہ بھی ایک خواب کے ذریعے اس کے بعد وہ سوالات جو حضرت خلیفۃ المسیح اول نے جواب کے لئے لوگوں کو

بھیجنے کا حکم دیا تھا۔ مجھے بھی ملے اور میں نے ان کے متعلق خاص طور پر دعا کرنی شروع کی اور اللہ تعالیٰ سے ان کے جواب کے متعلق ہدایت چاہی۔ اس میں شک نہیں کہ میں خلافت کی ضرورت کا عقلاً قائل تھا مگر باوجود اس کے میں نے اس امر میں بالکل خلی بالطبع ہو کر غور شروع کیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا میں لگ گیا کہ وہ مجھے حق کی ہدایت دے۔ اس عرصہ میں وہ تاریخ نزدیک آگئی جس دن کہ جوابات حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کو دینے تھے۔ میں نے جو کچھ میری سمجھ میں آیا لکھا اور حضرت خلیفۃ المسیح اول کو دے دیا۔ مگر میری طبیعت سخت بیقرار تھی کہ اللہ تعالےٰ خود کوئی ہدایت کرے۔ یہ دن اللہ تعالےٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ میرے لئے سخت ابتلا کے دن تھے دن اور رات غم اور رنج میں گذرتے تھے کہ کہیں میں غلطی کر کے اپنے مولےٰ کو ناراض نہ کروں مگر باوجود سخت کرب اور تڑاپ کے مجھے اللہ تعالےٰ کی طرف سے کچھ نہ معلوم ہوا۔" [1]

(ادھر) "لاہور میں جماعت احمدیہ کا ایک خاص جلسہ[2] خواجہ کمال الدین صاحب نے اپنے مکان پر کیا اور لوگوں کو سمجھایا گیا کہ سلسلہ کی تباہی کا خطرہ ہے۔ اصل جانشین حضرت مسیح موعودؑ کی انجمن ہی ہے اور اگر یہ بات نہ رہی تو جماعت خطرہ میں پڑ جائے گی اور سلسلہ تباہ ہو جائے گا اور سب لوگوں سے دستخط لئے گئے کہ حسب فرمان حضرت مسیح موعودؑ جانشین حضرت مسیح موعودؑ کی انجمن ہی ہے۔ صرف دو شخص یعنی حکیم محمد حسین صاحب قریشی سکرٹری انجمن احمدیہ لاہور اور بابو غلام محمد صاحب فورمین ریلوے دفتر لاہور نے دستخط کرنے سے انکار کر دیا اور جواب دیا کہ ہم تو ایک شخص کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں۔ وہ ہم سے زیادہ عالم اور زیادہ خشیت اللہ رکھتا ہے اور حضرت مسیح موعودؑ کا ادب ہم سے زیادہ اس کے دل میں ہے۔ جو کچھ وہ

---

[1] "اختلافات سلسلہ کی تاریخ کے صحیح حالات" صفحہ ۴۶ تا ۴۹۔

[2] حاشیہ۔ مولوی محمد علی صاحب مرحوم اس جلسہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "ان سوالات کے لاہور پہنچنے پر خواجہ صاحب سے بلاشبہ یہ غلطی ہوئی کہ انہوں نے بجائے علیحدہ جواب لکھنے کے جو حضرت مولوی صاحب کا منشا تھا احباب لاہور کا جلسہ کر کے سب کی متفقہ رائے ان سے لے کر لکھ بھیجا" "حقیقت اختلاف" صفحہ ۶۱۔

کہیگا ہم اس کے مطابق عمل کریں گے۔" [1]

غرض لوگوں کو یہ یقین دلایا گیا کہ حضرت خلیفۃ المسیح بھی یہی تسلیم کرتے ہیں کہ دراصل حضرت مسیح موعود کی جانشین انجمن ہی ہے۔ لیکن اگر حضور نے اپنے وقار اور عزت کی خاطر اس امر کو تسلیم نہ کیا تو ہم نے تو آپ کی بیعت ہی اس لئے کی ہے کہ آپ ہمیں سلسلہ کی صحیح تعلیم پر چلائیں گے۔ اس صورت میں ہم ان کو خلافت سے الگ کر دیں گے وغیرہ وغیرہ۔

لاہور کے اس جلسہ کی روئداد جب مرکز سلسلہ میں پہنچی تو وہاں کے لوگوں نے بھی ایک جلسہ کرکے خلافت سے وابستگی اور مقام خلافت کی عظمت کے متعلق تقاریر کرکے ریزولیوشن پاس کیا کہ ہم لوگ ہمیشہ خلافت کے ساتھ وابستہ رہیں گے۔ یہ جلسہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کی تحریک پر انہی کے بالاخانہ پر ہوا۔ بیالیس آدمیوں میں سے صرف دو نے اختلاف کیا۔ عجیب بات ہے کہ لاہور میں جو جلسہ ہوا۔ اس میں بھی صرف دو آدمیوں نے ہی اختلاف کیا۔ فرق صرف یہ تھا کہ قادیان میں دو اختلاف کرنے والے انجمن کی تائید میں تھے۔* اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خلافت کے مخالفین نے بھی پراپیگنڈا کرکے اپنے حق میں کافی فضا پیدا کر رکھی تھی۔ زیادہ زور وہ اس بات پر دیتے تھے کہ اب زمانہ جمہوریت کا ہے اور یہی وجہ ہے کہ حضرت اقدس نے انجمن کو اپنا جانشین قرار دیا ہے ورنہ اگر حضور کے بعد بھی فرد واحد کی خلافت کا قیام ضروری ہوتا تو حضور صاف طور پر فرما دیتے کہ انبیاء سابقین کی مانند میرے بعد بھی خلافت ہی کا نظام قائم ہوگا۔ وغیرہ۔ وغیرہ۔ وہ بھول جاتے تھے اس امر کو کہ حضرت اقدس نے الوصیت ہی میں واضح طور پر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ دو قدرتیں دکھاتا ہے۔ اول خود انبیاء کے ذریعہ سے، دوسرے ان کی وفات کے بعد خلفاء کے ذریعہ سے جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی مثال دے کر واضح فرمایا۔ نیز وہ ان حوالوں کا بھی کبھی ذکر نہیں کرتے تھے۔ جن میں وضاحت کے ساتھ حضور نے اپنے بعد خلافت کا ذکر فرمایا ہے۔ بس یک طرفہ دلائل دے کر لوگوں کو اس امر کی تلقین کرتے تھے کہ اگر تم اس دفعہ پھسل گئے تو پھر انجمن کبھی بھی برسر اقتدار نہیں آئے گی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ حضرت مسیح موعود کا مشن ہمیشہ ہمیش کے لئے تباہ ہو جائے گا۔ وغیرہ وغیرہ۔

نہایت خطرناک رات

۳۱ جنوری ۱۹۰۹ء کا دن اس اختلاف کے فیصلہ کا دن تھا۔ جماعتوں کے نمائندے ۳۰ جنوری تک مرکز میں پہنچ چکے تھے اور ہر طرف اسی امر کا چرچا تھا کہ دیکھئے کل کیا فیصلہ ہوتا ہے۔ اس نظارہ کو دیکھنے والے بیان کرتے ہیں کہ مخلصین تڑپ تڑپ

* اور لاہور میں دو اختلاف کرنے والے خلافت کی تائید میں تھے۔

---

[1] "اختلافات سلسلہ کی تاریخ کے صحیح حالات" صفحہ ۱۹-۲۰ء

اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں کر رہے تھے اور ۳۰ اور ۳۱ جنوری کی درمیانی رات میں تو اس قدر دردمندانہ دعائیں کی گئیں اور اس قدر آہ وزاری سے عرش الٰہی کو ہلایا گیا کہ یوں معلوم ہوتا تھا گویا صبح ہوتے ہی حشر کا میدان برپا ہوگا جس میں تمام قوم کی قسمتوں کا فیصلہ ہوگا۔ خدا خدا کر کے فجر کی اذان ہوئی۔ بیرونی جماعتوں کے اکثر نمائندے تو پہلے ہی مسجد میں موجود تھے کیونکہ بعض نے تو ساری رات ہی دعاؤں میں گذار دی اور بعض تہجد کے وقت مسجد میں پہنچ گئے تھے۔ مقامی لوگوں نے بھی جوق در جوق مسجد میں پہنچنا شروع کر دیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضؓ کے مسجد میں آنے میں ابھی کچھ دیر تھی۔ اس موقعہ کو غنیمت سمجھ کر خواجہ صاحب کے ہمنواؤں نے پھر انجمن کی جانشینی کا سبق دوہرانا شروع کر دیا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں۔

"میں نماز کی انتظار میں گھر میں ٹہل رہا تھا۔ . . . . اس وقت میرے کان میں شیخ رحمت اللہ صاحب کی آواز آئی کہ غضب خدا کا ایک بچہ کو خلیفہ بنا کر چند شریر لوگ جماعت کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ میں چونکہ بالکل خالی الذہن تھا۔ مجھے بالکل خیال نہ گذرا کہ اس بچہ سے مراد میں ہوں لیکن میں حیرت سے اُن کے اس فقرہ پر سوچتا رہا" [1]

"اس کے متعلق بھی مجھے بعد میں حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ سے معلوم ہوا کہ بچہ سے ان کی مراد کیا ہے اور وہ اس طرح کہ اس روز صبح کی نماز کے بعد میں بھی بعض باتیں لکھ کر حضرت خلیفہ اول کے پاس لے گیا اور گفتگو کے دوران میں مَیں نے ذکر کیا کہ خبر نہیں۔ آج مسجد میں کیا باتیں ہو رہی تھیں کہ شیخ رحمت اللہ صاحب بلند آواز سے کہہ رہے تھے کہ ایک بچہ کی بیعت ہم کس طرح کر لیں۔ ایک بچہ کی وجہ سے جماعت میں یہ تمام فتنہ ڈالا جا رہا ہے۔ نہ معلوم یہ بچہ کون ہے۔ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ میری اس بات کو سُن کر مسکرائے اور کہنے لگے تمہیں معلوم نہیں وہ بچہ کون ہے وہ تمہی تو ہو۔" [1]

خیر یہ تو ایک ضمنی بات تھی جس کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ ورنہ یہ ذکر ہو رہا تھا کہ فجر کی نماز کے لئے لوگ مسجد مبارک میں حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضؓ کی انتظار کر رہے تھے۔ آخر حضور تشریف لے آئے۔ اور حضور کا تشریف لانا تھا کہ مسجد میں ایک سناٹا چھا گیا۔ نماز شروع ہوئی۔ حضور نے نماز میں سورۂ بروج

[1] خلافت احمدیہ کے مخالفین کی تحریک" مصنفہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ صفحہ ۱۵

کی تلاوت فرمائی۔ گو وہ نماز ساری کی ساری سوز و گداز اور خشوع و خضوع کا مجموعہ تھی مگر جب حضور نے آیت اِنَّ الَّذِیْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَتُوْبُوْا فَلَھُمْ عَذَابُ جَھَنَّمَ وَلَھُمْ عَذَابُ الْحَرِیْقِ۔[1] پڑھی تو اس کے بعد کی کیفیت حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ میں یوں ہے کہ

"اس وقت تمام جماعت کا عجیب حال ہوگیا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا یہ آیت اسی وقت نازل ہوئی ہے اور ہر ایک شخص کا دل خشیۃ اللہ سے بھر گیا اور اس وقت مسجد یوں معلوم ہوتی تھی جیسے ماتم کدہ ہے۔ باوجود سخت ضبط کے بعض لوگوں کی چیخیں اس زور سے نکل جاتی تھیں کہ شاید کسی ماں نے اپنے اکلوتے بیٹے کی وفات پر بھی اس کرب کا اظہار نہ کیا ہوگا اور رونے سے تو کوئی شخص بھی خالی نہیں تھا۔ خود حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کی آواز بھی شدت گریہ سے رُک گئی۔ اور کچھ اس قسم کا جوش پیدا ہوا کہ آپ نے پھر ایک دفعہ اس آیت کو دوہرایا۔ اور تمام جماعت نیم بسمل ہوگئی اور شاید ان لوگوں کے سوا جن کے لئے ازل سے شقاوت کا حصہ مقدر ہوگیا تھا۔ سب کے دل دُھل گئے اور ایمان دلوں میں گڑ گیا اور نفسانیت بالکل نکل گئی وہ ایک آسمانی نشان تھا جو ہم نے دیکھا اور تائید غیبی تھی جو مشاہدہ کی۔ نماز ختم ہونے پر حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ گھر تشریف لے گئے۔"[2]

مگر حیف صد حیف کہ منکرین خلافت پر اس نماز کا ذرا بھی اثر نہ ہوا۔ اور انہوں نے نماز کے معاً بعد پھر اپنی کارروائی کو شروع کر دیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ فرماتے ہیں:۔

(انہوں نے) "پھر لوگوں کو حضرت مسیح موعود کی ایک تحریر دکھا کر سمجھانا چاہا۔ کہ انجمن ہی آپ کی جانشین ہے۔ لوگوں کے دل چونکہ خشیۃ اللہ سے معمور ہو رہے تھے۔ اور اس تحریر کی حقیقت سے ناواقف تھے۔ وہ اس امر کو دیکھ کر کہ حضرت

---

[1] ترجمہ:۔ یعنی وہ جو مومن مردوں اور مومن عورتوں کو فتنہ میں ڈالتے ہیں اور پھر اس کام سے توبہ نہیں کرتے ان کے لئے اس فعل کے نتیجہ میں عذاب جہنم ہوگا اور جلا دینے والے عذاب میں وہ مبتلا کئے جائیں گے۔

[2] "اختلاف سلسلہ کی تاریخ" صفحہ ۲۳-۲۴

مسیح موعود نے فیصلہ کر دیا ہے کہ میرے بعد انجمن جانشین ہوگی اور بھی زیادہ جوش سے بھر گئے۔ مگر کوئی نہیں جانتا تھا کہ خشیۃ اللہ کا نزول دلوں پر کیوں ہو رہا ہے اور غیب سے کیا ظاہر ہونے والا ہے۔" [1]

حضرت میاں عبد العزیز صاحب مغل فرمایا کرتے تھے کہ مسجد میں پراپیگنڈا کرنے کے بعد خواجہ صاحب حضرت مرزا سلطان احمد صاحب کی بیٹھک میں تشریف لے گئے۔ اور لوگوں کے ہمراہ میں بھی تھا جناب خواجہ صاحب آرام کرسی پر بیٹھ گئے۔ اور فرمانے لگے۔ دیکھا جناب مولوی صاحب (مراد خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ۔ ناقل) نے اِنَّ الَّذِیْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ الخ والی آیت کو بار بار دہرا کر کس قدر کرب اور گریہ و زاری کے ساتھ یہ امر ظاہر فرما دیا ہے کہ جو لوگ انجمن کو جسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنا جانشین قرار دیا ہے، کچھ چیز نہیں سمجھتے اور خلافت ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں، وہ جماعت میں فتنہ ڈال رہے ہیں اور انہیں اس فتنہ پردازی کی سخت سزا ملے گی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کا بیان ہے کہ

"خیر اس کے بعد میٹنگ (جس کا آگے ذکر آتا ہے۔ ناقل) ہوئی۔ اس میٹنگ کے متعلق بھی میں نے ایک رؤیا دیکھا تھا جو حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کو میں نے سُنا دیا تھا اور دراصل یہی رویا بیان کرنے کے لئے میں صبح کے وقت حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تھا۔

میں نے رویا میں دیکھا کہ مسجد میں جلسہ ہو رہا ہے اور حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ تقریر فرما رہے ہیں مگر آپ اس حصہ مسجد میں کھڑے ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنوایا تھا۔ اس حصہ مسجد میں کھڑے نہیں ہوئے جو بعد میں جماعت کے چندہ سے بنوایا گیا تھا۔ آپ مسئلہ خلافت پر تقریر فرما رہے تھے اور میں آپ کے دائیں طرف بیٹھا ہوں اور بعد میں کھڑے ہو کر میں نے بھی تقریر کی جس کا خلاصہ قریباً اس رنگ کا ہے کہ آپ پر لوگوں نے اعتراض کر کے آپ کو سخت دُکھ دیا ہے۔ مگر آپ یقین رکھیں کہ ہم نے آپ کی سچے دل سے بیعت کی ہوئی ہے۔ اور ہم آپ کے ہمیشہ وفادار رہیں گے پھر خواب میں ہی مجھے انصار کا واقعہ یاد آ گیا۔

---

[1] "اختلافات سلسلہ کی تاریخ" صفحہ ۲۴

جب ان میں سے ایک انصاری نے کھڑے ہو کر کہا تھا کہ یا رسول اللہ! ہم آپ کے دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی لڑیں گے۔ آگے بھی لڑیں گے اور پیچھے بھی لڑیں گے اور دشمن آپ تک نہیں پہنچ سکے گا جب تک وہ ہماری لاشوں کو روندتا ہوا نہ آوے۔ اسی رنگ میں مَیں بھی کہتا ہوں کہ ہم آپ کے وفادار ہیں۔ . . . . . مگر عجیب بات یہ ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ تقریر کرنے کے لئے مسجد میں تشریف لائے تو اس وقت میرے ذہن سے یہ رویا بالکل نکل گئی اور بجائے دائیں طرف بیٹھنے کے میں بائیں طرف بیٹھ گیا۔ حضرت خلیفہ اولؓ نے جب مجھے بائیں طرف بیٹھے دیکھا تو فرمایا دائیں طرف آ بیٹھو۔ پھر خود ہی فرمانے لگے تمہیں معلوم ہے کہ میں نے تمہیں دائیں طرف کیوں بٹھایا ہے۔ میں نے کہا۔ مجھے تو معلوم نہیں۔ آپ نے فرمایا تمہیں اپنی خواب یاد نہیں رہی۔ تم نے تو خود ہی خواب میں اپنے آپ کو میرے دائیں طرف دیکھا تھا۔"[1]

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:-

"آخر جلسہ کا وقت قریب آیا اور لوگوں کو مسجد مبارک (یعنی وہ مسجد جو حضرت مسیح موعودؑ کے گھر کے ساتھ ہے اور جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام پنجوقتہ نمازیں ادا فرماتے تھے) کی چھت پر جمع ہونے کا حکم دیا گیا۔ اس وقت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب میرے پاس آئے اور مجھے کہا کہ آپ مولوی صاحب (حضرت خلیفہ اولؓ) سے جا کر کہیں کہ اب فتنہ کا کوئی خطرہ نہیں رہا۔ کیونکہ سب لوگوں کو بتا دیا گیا ہے کہ انجمن ہی حضرت مسیح موعودؑ کی جانشین ہے۔ میں نے تو ان کے اس کلام کی وقعت کو سمجھ کر خاموشی ہی مناسب سمجھی مگر وہ خود حضرت خلیفہ اولؓ کی خدمت میں چلے گئے۔ میں بھی وہاں پہنچ چکا تھا۔ جاتے ہی ڈاکٹر صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ سے عرض کی کہ مبارک ہو سب لوگوں کو سمجھا دیا گیا ہے کہ انجمن ہی جانشین ہے۔ اس بات کو سُنکر آپ نے فرمایا۔ کونسی انجمن۔ جس انجمن کو تم جانشین قرار دیتے ہو وہ تو خود بموجب قواعد کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اس فقرہ کو سُن کر شاید پہلی دفعہ خواجہ صاحب کی جماعت کو معلوم ہوا کہ معاملہ ویسا آسان نہیں جیسا کہ ہم سمجھتے تھے۔"[2]

---

[1] "جماعت احمدیہ کے مخالفین کی تحریک" صفحہ ۱۶، ۱۷ ؛ [2] "اختلافات سلسلہ کی تاریخ" صفحہ ۲۵ ؛

ان لوگوں کا یہ خیال تھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ جب لوگوں سے ووٹ لیں گے تو لازماً انجمن کی جانشینی کے حق میں ووٹوں کی کثرت ہوگی۔ لہٰذا آپ کی اپنی رائے اگر اس کے خلاف بھی ہوئی تو بھی جماعت میں فتنہ کے ڈر سے آپ انجمن کے حق میں فیصلہ دے دیں گے۔ لیکن ان کے خیالات کی پرواز آیت استخلاف کے اس حصہ تک نہیں پہنچی تھی جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ کہ اللہ تعالیٰ خلفاء کے ذریعہ سے اس دین کو مضبوط اور مستحکم بنا دے گا۔ جو اس نے ان کے لئے پسند فرمایا ہوگا۔ اس لئے انہیں کیا پتہ تھا کہ جس دین پر خلیفۃ المسیح قائم ہیں وہی صحیح ہے اور اسی کو اللہ تعالیٰ مضبوط و مستحکم بنائے گا

لیکن ان لوگوں نے بہرحال ہر امکانی کوشش کی جس کے ذریعہ یہ رائے عامہ کو اپنے حق میں استوار کر سکتے تھے۔ ان میں سے بعض لوگوں نے یہ بھی کہنا شروع کر دیا کہ خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ ایسے بے نفس آدمی کے وقت میں یہ سوال پیدا ہوا ہے ورنہ اگر ان کے بعد ہوتا تو نہ معلوم کیا فساد کھڑا ہو جاتا۔

سلسلہ احمدیہ کی تاریخ میں ایک نہایت اہم اور قابل یادگار مجمع

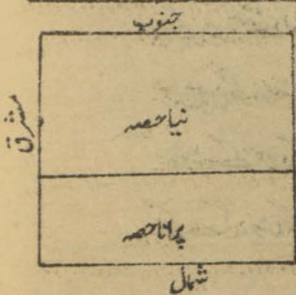
حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز اس جلسہ کا نظارہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"جب لوگ جمع ہو گئے تو حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ مسجد کی طرف تشریف لے گئے۔ قریباً اڑھائی سو آدمی کا مجمع تھا جس میں اکثر احمدیہ جماعتوں کے قائمقام تھے۔ بیشک ایک ناواقف کی نظر میں وہ دو اڑھائی سو آدمی کا مجمع جو بلا فرش زمین پر بیٹھا تھا ایک معمولی بلکہ شاید حقیر نظارہ ہو مگر ان لوگوں کے دل ایمان سے پُر تھے اور خدا کے وعدہ پر ان کو یقین تھا۔ وہ اس مجلس کو احمدیت کی ترقی کا فیصلہ کرنیوالی مجلس خیال کرتے تھے اور اس وجہ سے دنیا کی ترقی اور اس کے امن کا فیصلہ اس کے فیصلہ پر منحصر خیال کرتے تھے۔ ظاہر بین نگاہیں ان دنوں پیرس میں بیٹھنے والی (PEACE) پیس کانفرنس کی اہمیت اور شان سے حیرت میں ہیں مگر درحقیقت اپنی شان میں بہت بڑھی ہوئی وہ مجلس تھی جس کے فیصلہ پر دنیا کے امن کی بنا پڑنی تھی۔ اس دن یہ فیصلہ ہونا تھا کہ احمدیت کیا رنگ اختیار کرے گی۔ دنیا کی عام سوسائٹیوں کا رنگ یا رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی جماعت کا

رنگ، اس دن اہلِ دنیا کی زندگی اور موت کے سوال کا فیصلہ ہونا تھا۔ بیشک آج لوگ اس امر کو نہ سمجھیں لیکن ابھی زیادہ عرصہ نہ گذرے گا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائیگا کہ یہ مخفی مذہبی لہر ہیبت ناک سیاسی لہروں سے زیادہ پاک اثر کرنے والی اور دنیا میں نیک اور پُرامن تغیر پیدا کرنے والی ہے۔ غرض لوگ جمع ہوئے اور حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ بھی تشریف لائے۔ آپ کے لئے درمیان مسجد میں ایک جگہ تیار کی گئی تھی مگر آپ نے وہاں کھڑے ہونے سے انکار کر دیا اور ایک طرف جانب شمال اس حصہ مسجد میں کھڑے ہو گئے جسے حضرت مسیح موعود نے خود تعمیر کروایا تھا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی تقریر

پھر آپ نے کھڑے ہو کر تقریر شروع کی اور بتایا کہ خلافت ایک شرعی مسئلہ ہے۔ خلافت کے بغیر جماعت ترقی نہیں کر سکتی۔ اور بتایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ اگر ان لوگوں میں سے کوئی شخص مرتد ہو جاوے گا تو مَیں اس کی جگہ ایک جماعت تجھے دُوں گا۔ پس مجھے تمہاری پروا نہیں۔ خدا کے فضل سے میں یقین رکھتا ہوں کہ وہ میری مدد کرے گا۔ پھر خواجہ صاحب اور مولوی محمد علی صاحب کے جوابوں کا ذکر کر کے کہا کہ مجھے کہا جاتا ہے کہ خلیفہ کا کام نماز پڑھا دینا یا جنازہ یا نکاح پڑھ دینا یا بیعت لے لینا ہے۔ یہ جواب دینے والے کی نادانی ہے اور اس نے گستاخی سے کام لیا ہے۔ اس کو توبہ کرنی چاہیئے ورنہ نقصان اُٹھائیں گے۔ دوران تقریر میں آپ نے فرمایا کہ تم نے اپنے عمل سے مجھے بہت دکھ دیا ہے اور منصب خلافت کی ہتک کی ہے۔ اسی لئے مَیں اس حصہ مسجد میں کھڑا ہوا ہوں جو مسیح موعود علیہ السلام کا بنایا ہوا ہے۔



حاشیہ۔ اس بات کو یاد رکھنا چاہیئے کہ مسجد مبارک ابتداءً بہت چھوٹی تھی۔ دعویٰ سے پہلے حضرت مسیح موعودؑ نے صرف علیحدہ بیٹھ کر عبادت کرنے کی نیت سے اپنے گھر سے ملحق ایک گلی پر چھت ڈال کر اسے تعمیر کیا تھا۔ کوئی تیس آدمی اس میں نماز پڑھ سکتے تھے۔ جب دعویٰ کے بعد لوگ ہجرت کر کے یہاں آنے لگے اور جماعت میں ترقی ہوئی تو جماعت کے چندہ سے اس مسجد کو بڑھایا گیا۔ پرانے حصہ مسجد کا نقشہ حسب ذیل ہے[۵] ←

۵ "اختلافات سلسلہ کی تاریخ" صفحہ ۲۷۔

تقریر کا اثر

جوں جوں آپ تقریر کرتے جاتے تھے سوائے چند سرغنوں کے باقیوں کے سینے کھلتے جاتے تھے اور تھوڑی ہی دیر میں جو لوگ نورالدین رضی اللہ عنہ کو اس منصب سے علیحدہ کرنا چاہتے تھے وہ اپنی غلطی کو تسلیم کرنے لگے اور یا خلافت کے مخالف تھے یا اس کے دامن سے وابستہ ہو گئے۔ آپ نے دوران لیکچر میں ان لوگوں پر بھی اظہار ناراضگی فرمایا جو خلافت کے قیام کی تائید میں جلسہ کرتے رہے تھے اور فرمایا کہ جب ہم نے لوگوں کو جمع کیا تھا تو ان کا کیا حق تھا کہ وہ الگ جلسہ کرتے۔ ان کو اس کام پر ہم نے کب مامور کیا تھا۔ آخر تقریر کے خاتمہ پر بعض اشخاص سے اپنے خیالات کے اظہار کے لئے کہا۔ خیالات کا اظہار کسی نے کیا کرنا تھا۔ تمام مجلس سوائے چند لوگوں کے حق کو قبول کر چکی تھی۔ مجھ سے اور نواب محمد علی خاں صاحب سے جو میرے بہنوئی ہیں، رائے دریافت کی۔ ہم نے بتایا کہ ہم تو پہلے ہی ان خیالات کے مؤید ہیں۔ خواجہ صاحب کو کھڑا کیا۔ انہوں نے بھی مصلحت وقت کے ماتحت گول مول الفاظ کہہ کر وقت کو گذارنا ہی مناسب سمجھا۔ پھر فرمایا کہ آپ لوگ دوبارہ بیعت کریں اور خواجہ صاحب اور مولوی محمد علی صاحب سے کہا کہ الگ ہو کر آپ مشورہ کر لیں اور اگر تیار ہوں تب بیعت کریں۔ اس کے بعد شیخ یعقوب علی صاحب ایڈیٹر الحکم سے جو اس جلسہ کے بانی تھے جس میں خلافت کی تائید کے لئے دستخط لئے گئے تھے کہا کہ ان سے بھی غلطی ہوئی ہے۔ وہ بھی بیعت کریں۔

غرض ان تینوں کی بیعت لی گئی اور جلسہ برخاست ہوا۔ اس وقت ہر ایک شخص مطمئن تھا اور محسوس کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جماعت کو بڑے ابتلاء سے بچایا۔ لیکن مولوی محمد علی صاحب اور خواجہ صاحب جو ابھی بیعت کر چکے تھے اپنے دل میں سخت ناراض تھے اور ان کی وہ بیعت جیسا کہ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا دکھاوے کی بیعت تھی۔ انہوں نے ہرگز خلیفہ کو واجب الاطاعت تسلیم نہ کیا تھا"[1]

حضرت ماسٹر عبدالرحیم صاحب نیرؓ کا بیان ہے کہ

"مسجد کی چھت سے نیچے اترتے ہی مولوی محمد علی صاحب نے خواجہ صاحب کو کہا کہ

---

[1] "اختلافات سلسلہ کی تاریخ" صفحہ ٢٦ تا ٢٩۔

آج ہماری سخت ہتک کی گئی ہے۔ میں اس کی برداشت نہیں کر سکتا۔ ہمیں مجلس میں جوتیاں ماری گئی ہیں۔ یہ ہے صدق اس شخص کا جو آج جماعت کی اصلاح کا مدعی ہے"[1]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ فرماتے ہیں۔

"علاوہ ازیں ابھی چند دن نہ گذرے تھے کہ میری موجودگی میں مولوی محمد علی صاحب کا ایک پیغام حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ کے پاس آیا کہ وہ قادیان سے جانے کا ارادہ کر چکے ہیں۔"[2]

" ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب مرحوم اس وقت ان لوگوں سے خاص تعلق رکھتے تھے اور مولوی محمد علی صاحب کو جماعت کا ایک بہت بڑا ستون سمجھتے تھے۔ ایک دفعہ میں حضرت خلیفہ اول رضؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ڈاکٹر صاحب اس قدر گھبرائے ہوئے آئے کہ گویا آسمان ٹوٹ پڑا ہے اور آتے ہی سخت گھبراہٹ کی حالت میں حضرت خلیفہ اول رضؓ سے کہا کہ بڑی خطرناک بات ہو گئی ہے آپ جلدی کوئی فکر کریں۔ حضرت خلیفہ اول نے فرمایا۔ کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا۔ مولوی محمد علی صاحب کہہ رہے ہیں کہ میری یہاں سخت ہتک ہوئی ہے میں اب قادیان میں نہیں رہ سکتا۔ آپ جلدی سے کسی طرح ان کو منوالیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ قادیان سے چلے جائیں۔ حضرت خلیفہ اول رضؓ نے فرمایا۔ میری طرف سے مولوی محمد علی صاحب کو جا کر کہہ دیں کہ اگر انہوں نے کل جانا ہے تو آج ہی قادیان سے تشریف لے جائیں۔ ڈاکٹر صاحب جو سمجھتے تھے کہ مولوی محمد علی صاحب کے جانے سے نہ معلوم کیا ہو جائے گا، آسمان ہل جائے گا یا زمین لرز جائے گی۔ انہوں نے جب یہ جواب سُنا تو اُن کے ہوش اُڑ گئے اور انہوں نے کہا۔ میرے نزدیک تو پھر بہت بڑا فتنہ ہوگا۔ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب میں نے جو کچھ کہنا تھا کہہ دیا۔ اگر فتنہ ہوگا تو میرے لئے ہوگا۔ آپ کیوں گھبراتے ہیں آپ انہیں کہہ دیں کہ وہ قادیان سے جانا چاہتے ہیں تو کل کی بجائے آج ہی چلے جاویں۔ غرض اسی طرح یہ فتنہ بڑھتا چلا گیا۔"[3]

اس کے بعد ان لوگوں نے عزت اور شہرت حاصل کرنے کے لئے احمدیت کے خصوصی مسائل کو بگاڑنا شروع کر دیا۔ ان کا یہ خیال تھا کہ علم کلام تو ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا پیش کریں گے مگر ایسی

---

[1] "اختلافات سلسلہ کی تاریخ" صفحہ ۲۹-۳۰؛ [2] ایضاً صفحہ ۳۰؛ [3] ایضاً صفحہ ۲۱-۲۲؛

باتیں جن سے غیر احمدی ناراض ہوتے ہیں انہیں ایسے رنگ میں پیش کریں گے جن سے وہ ناراض نہ ہوں حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ جس طرز پر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب سے ملا کرتے تھے اور ان کا احترام کیا کرتے تھے بلکہ اپنی بیماری کے ایام میں امام الصلوٰۃ بھی انہیں ہی مقرر فرمایا کرتے تھے۔ اس سے ان کا اس امر کا یقین لحظہ بلحظہ بڑھتا جاتا تھا۔ کہ آئندہ خلافت ہم میں سے کسی کو نہیں ملے گی بلکہ میاں صاحب (یعنی حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد ایدہ اللہ تعالیٰ) ہی کو قوم بطور خلیفہ چُنے گی۔ اس لئے اُن کا بغض خاندان مسیح موعودؑ سے عموماً اور حضرت صاحبزادہ صاحب موصوف سے خصوصاً بڑھتا جاتا تھا۔ اور وہ یہ مصمم ارادہ کئے ہوئے تھے کہ اگر حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی وفات کے بعد حضرت صاحبزادہ صاحب خلیفہ منتخب ہو گئے تو ہم قادیان کو چھوڑ کر لاہور چلے جائیں گے اور اپنا مشن الگ کھول دیں گے۔ اور چونکہ غیر احمدیوں کو ناراض کرنے والے مسائل ہم چھوڑ دیں گے۔ اس لئے غیر احمدی خوش ہو کر اشاعت اسلام کے کام میں شرکت کرنے کے لئے لاکھوں کی تعداد میں ہمارے ساتھ شامل ہو جائیں گے[1]۔ اور خلافت سے تعلق رکھنے والا گروہ ہمارے مقابل میں کوئی حیثیت ہی نہیں رکھے گا۔ مگر اللہ تعالیٰ کے کام بھی نرالے ہوتے ہیں جس قسم کے خواب یہ لوگ دیکھ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ وہ کبھی بھی شرمندہ تعبیر نہ ہوں گے۔ چنانچہ خلافت ثانیہ کے آغاز میں یہ لوگ ناراض ہو کر لاہور آ گئے اور غیر احمدیوں کو خوش کرنے کے لئے اکثر احمدیت کے خصوصی مسائل کو خیرباد کہدیا۔ مگر انہوں نے نہ خوش ہونا تھا نہ ہوئے نتیجہ یہ ہوا کہ آج جبکہ ان کو مرکز سلسلہ سے الگ ہوئے قریباً پچاس سال گذر چکے ہیں اور اپنا مرکز بھی لاہور ایسے مرکزی شہر میں مقرر کیا ہوا ہے جہاں ہر قسم کی سہولتیں میسر ہیں ان کی تعداد جماعت قادیان کے مقابلہ میں پچاسواں حصہ بھی نہیں۔ پس اگر یہ چاہیں تو اب بھی حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی اس زریں نصیحت سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں کہ جماعت خلافت کے بغیر ترقی نہیں کر سکتی۔

اب ہم پھر اصل موضوع کی طرف رجوع کر کے کہتے ہیں کہ ان لوگوں نے خلافت اور انجمن کا جھگڑا تو ۱۹۰۸ء یا ۱۹۰۹ء میں کھڑا کیا تھا لیکن نبوت اور کفر و اسلام وغیرہ مسائل ۱۹۱۰ء کی ابتدا میں شروع کئے اور ۱۹۱۱ء میں انہوں نے زور پکڑا۔ اس موقعہ پر یہ بات کبھی نہیں بھولنی چاہیئے کہ اصل جھگڑا صرف خلافت

---

[1] چنانچہ مصنفین "مجاہد کبیر" لکھتے ہیں "اس میں شک نہیں کہ اگر میاں محمود احمد صاحب اور ان کی جماعت حضرت مرزا غلام احمد صاحب کو ان کے اصل اور صحیح مقام پر رہنے دیتی اور ان کے متعلق غالیانہ عقائد کا اظہار نہ کرتی تو یہ مخالفت کبھی نہ پنپنے پاتی اور احمدیت کو دن دگنی اور رات چوگنی ترقی ہوتی۔" صفحہ ۱۹۲ ہ

کا تھا گھبراہٹ ان لوگوں کو محض اس لئے پیدا ہوئی کہ ہمیں کسی نئے خلیفہ بنانا نہیں اور انجمن میں ہماری اکثریت ہے لہذا ہمیں انجمن کے اختیارات بڑھانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ حالانکہ حضرت مسیح موعود کے وصال پر جب انہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الاول کی بیعت کی تو سب سے پہلا اعلان جو ان لوگوں نے کیا وہ یہ تھا کہ

"مطابق فرمان حضرت مسیح موعود علیہ السلام مندرجہ رسالہ الوصیت ہم احمدیان جن کے دستخط ذیل میں ثبت ہیں اس امر پر صدق دل سے متفق ہیں کہ اول المہاجرین حضرت حاجی مولوی حکیم نورالدین صاحب ہم سب میں سے اعلیٰ اور اتقیٰ ہیں اور حضرت امام کے سب سے زیادہ مخلص اور قدیمی ہیں اور جن کے وجود کو حضرت امام علیہ السلام اُسوۂ حسنہ قرار دے چکے ہیں جیسا کہ آپ کے شعر

چہ خوش بودے اگر ہر یک ز امت نور دیں بودے
ہمیں بودے اگر ہر دل پُر از نور یقیں بودے

سے ظاہر ہے کے ہاتھ پر احمد کے نام پر تمام احمدی جماعت موجودہ اور نئے ممبر بیعت کریں اور حضرت مولوی صاحب موصوف کا فرمان ہمارے واسطے آئندہ ایسا ہی ہو۔ جیسا کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تھا۔"[1]

پس اب کس مُنہ سے یہ لوگ کہتے ہیں کہ الوصیت میں خلافت کا ذکر نہیں۔

ایک خطرناک، روحانی اور اخلاقی کمزوری خواجہ صاحب سے یہ سرزد ہوئی کہ ان سے بیعت تو سلسلہ عالیہ کے خلاف باغیانہ خیالات رکھنے کی بنا پر لی گئی تھی اور دوبارہ بیعت لینے کا مقصد محض یہ تھا کہ تم نے جو حرکات کی ہیں۔ نظام سلسلہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے تمہاری پہلی بیعت ٹوٹ چکی ہے۔ اب اگر تم سابقہ خیالات سے توبہ کرتے ہو تو دوبارہ بیعت کرو۔ مگر قربان جائیے خواجہ صاحب پر کہ انہوں نے اس بیعت کا نام "بیعت ارشاد" رکھا اور لوگوں کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کے لئے یہ مشہور کرنا شروع کر دیا کہ ہماری رُوحانی صفائی کو دیکھ کر گویا بیعت ارشاد لی گئی۔ چنانچہ خواجہ صاحب فرماتے ہیں:۔

"کہا جاتا ہے کہ انہوں نے (مراد حضرت خلیفہ اولؓ) مجھ سے بیعت دوبارہ لی۔ بیر بالکل سچ ہے۔ بیعت کس امر کی **بیعت ارشاد**! کیا تم ایمان سے کہہ سکتے ہو کہ انہوں

---

[1] بدر ۲ جون ۱۹۰۸ء

نے مجھ سے تجدید بیعت کرائی۔ وہ بیعت ارشاد تھی، نہ بیعت توبہ کی تجدید۔ اس کے بعد ایک اور بیعت رہ جاتی ہے، وہ ہے بیعت دم۔ اب جاؤ صوفیائے کرام کے حالات پڑھو اور دیکھو کہ بیعت ارشاد وہ کس مرید سے لیتے ہیں۔ وہ سلسلہ میں داخل کرتے وقت مرید سے بیعت توبہ لیتے ہیں اور جب اس میں اطاعت کی استعداد دیکھتے ہیں تو اس سے بیعت ارشاد لیتے ہیں اور پھر جب اس پر اعتماد کلی ہو جاتا ہے تو بیعت دم۔"[1]

ہم اس امر کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ جناب خواجہ صاحب بڑے موقعہ شناس آدمی تھے۔ چنانچہ جب جناب مولوی محمد علی صاحب نے قادیان چھوڑ کر جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو خواجہ صاحب نے انہیں علاوہ اور باتوں کے ایک یہ بات کہہ کر اس ارادہ سے باز رہنے کی تلقین کی کہ مولوی صاحب! چُپ رہو۔ کام تو ہم نے ہی کرنا ہے وغیرہ۔[2]

اب انہوں نے یہ سوچکر کہ اگر اب ہم نے خلافت کے خلاف کھلم کھلا پراپیگنڈا شروع کیا تو معاملہ ایسا صاف ہو جائے گا کہ آئندہ ہمارے لئے اس مسئلہ میں تاویلات کی گنجائش نہ رہے گی۔ اس لئے اب اس معاملہ میں بالکل خاموشی اختیار کرنی چاہیئے چنانچہ انہوں نے عام مجالس میں خلافت کا تذکرہ ہی چھوڑ دیا بلکہ بظاہر اپنے آپ کو خلافت کا مطیع اور فرماں بردار ظاہر کرتے رہے لیکن در پردہ خلافت کو مٹانے کی تدابیر جاری رکھیں چنانچہ ایک تدبیر انہوں نے یہ اختیار کی کہ صدر انجمن کے معاملات میں جہاں کہیں حضرت خلیفۃ المسیحؓ کے کسی حکم کی تعمیل کرنی پڑتی وہاں "خلیفۃ المسیح" کی بجائے "پریذیڈنٹ" لکھنا شروع کر دیا بلکہ یہ لکھا جاتا کہ پریذیڈنٹ صاحب نے اس معاملہ میں یوں سفارش کی ہے۔ اس کارروائی سے مقصد اُن کا یہ تھا کہ صدر انجمن کے ریکارڈ سے یہ ثابت نہ ہو کہ خلیفہ کبھی انجمن کا حاکم رہا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ بھی ان لوگوں کی حرکات کو خوب جانتے تھے۔ آپ نے ان لوگوں کے اس حربہ کو یُوں توڑا کہ سنہ ۱۹۱۰ء میں صدر انجمن کو لکھ دیا کہ میں چونکہ خلیفہ ہوں۔ ممبر انجمن اور صدر انجمن نہیں رہ سکتا۔ میری جگہ میرزا محمود احمد کو پریذیڈنٹ مقرر کیا جاوے اور یوں ان کی اس تدبیر کو خاک میں ملا دیا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ چونکہ خلیفہ وقت کے لئے پریذیڈنٹ کا لفظ کثرت کے ساتھ استعمال کرتے تھے اس لئے بعض اوقات بیخبری میں دوسرے مصنفین بھی ایسا لکھ دیا کرتے تھے۔ چنانچہ محترم

---

[1] "اندرونی اختلافات سلسلہ احمدیہ کے اسباب" صفحہ ۸۵ ۔ [2] حیات بقاپوری جلد چہارم صفحہ ۱۰ ۔ [3] "اختلافات سلسلہ کی تاریخ" صفحہ ۳۳ ۔

قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل سے بھی جب ایسی غلطی ہوئی تو انہیں "ایک غلطی کی تردید" کے عنوان سے لکھنا پڑا۔ کہ

"۳۰ دسمبر ۱۹۰۹ء کے بدر میں میرا ایک مضمون بعنوان "نکتہ چینی" چھپا ہے۔ اس میں یہ بات کہ صدر انجمن احمدیہ میں امیر المومنین بحیثیت پریذیڈنٹ شامل ہیں میں نے بے خبری سے غلطی ہیں لکھدی ہے۔ آپ امامؑ کی زندگی میں تو پریذیڈنٹ تھے مگر جب سے خلیفۃ المسیح ہوئے۔ پھر پریذیڈنٹ نہیں۔ ہاں آپ جیسا کہ میں نے اس مضمون میں بھی لکھا ہے تمام قوم کے مسلم امیر ہیں اور صدر انجمن ہو یا کوئی اور انجمن یا گروہ احمدیہ ان کی کثرت رائے کے فیصلہ پر آپ ایسے ہی حاکم و مختار ہیں اور ہمارے مطاع جیسے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تھے۔ اس لئے میں نے لکھا تھا کہ صدر انجمن کے خلاف کوئی امر ہو تو اسے حضرت امیر المومنین (کی خدمت) میں پیش کر دیا جائے۔ ان کا فیصلہ آخری فیصلہ سمجھا جاوے۔ نظام وحدت کے قیام کے۔ لئے یہ امر ضروری ہے کہ ہماری رائیں اور ہمارے ارادے اور ہماری تجاویز ہمارے فیصلے ایک امیر و امام کے ماتحت ہوں۔ یہی میرا اور ہر احمدی کا ایمان ہے کہ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول واولی الامر منکم۔ خاکسار اکمل عفا اللہ عنہ" [1]

ایک اور فتنہ کھڑا کرنے کی کوشش ۔۔۔ ۱۹۰۹ء

یہ لوگ تو ہمیشہ اس قسم کے مواقع کی تاڑ میں رہتے تھے کہ اگر حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کے خلاف فتنہ کھڑا کرنے کا کوئی موقعہ ملے تو اسے ہرگز ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہیئے۔ . . . .

. . . چنانچہ ابھی کوئی زیادہ وقت نہیں گذرا تھا کہ سلسلہ کے ایک نہایت ہی مخلص خادم حضرت حکیم مولوی فضل الدین صاحب بھیرویؓ نے اپنی جائداد کی وصیت بحق اشاعتِ اسلام کی تھی۔ اس جائداد میں ایک حویلی بھی تھی۔ جسے انجمن فروخت کرنا چاہتی تھی۔ حضرت حکیم صاحب نے وہ حویلی ایک شیعہ سے خریدی تھی جس نے اپنی کسی سخت مجبوری کی بنا پر بہت ہی سستی فروخت کر دی تھی۔ اسے جب علم ہوا کہ انجمن اس حویلی کو فروخت کرنا چاہتی ہے تو اس نے حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کی خدمت میں سارے حالات لکھ کر درخواست کی کہ اب یہ حویلی مجھے ہی کسی قدر رعایت کے ساتھ دیدی جائے۔ حضور نے

---

[1] بدر پرچہ ۱۳ جنوری ۱۹۱۰ء

از راہ ترحم اس کی درخواست کو قبول فرمالیا اور انجمن کو لکھا کہ یہ حویلی کچھ رعایت سے اسی کے پاس فروخت کر دی جائے۔ انجمن پر یہی لوگ قابض تھے۔ انہوں نے سمجھا کہ اب جماعت کو حضرت خلیفۃ المسیحؓ سے بدظن کر دینے کا ایک سنہری موقعہ ہمارے ہاتھ آگیا ہے۔ اسے ہرگز ضائع نہیں جانے دینا چاہیئے۔ چنانچہ انہوں نے جماعت میں یہ پراپیگنڈا شروع کر دیا کہ حضرت خلیفۃ المسیحؓ انجمن کی ایک قیمتی جائداد کو سستے داموں فروخت کر کے انجمن کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں اور حضرت خلیفۃ المسیحؓ کو بھی کہا کہ ہم تو یہ حویلی نیلام کریں گے۔ اگر وہ شیعہ خریدنا چاہتا ہے تو نیلام میں خرید لے ہم خاص رعایت کر کے انجمن کو نقصان نہیں پہنچانا چاہتے۔ حضرت خلیفۃ المسیح نے جب دیکھا کہ یہ تو کسی طرح مانتے ہی نہیں تو ناراض ہو کر لکھدیا کہ میری طرف سے اجازت ہے۔ آپ جس طرح چاہیں کریں میں دخل نہیں دیتا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ کا بیان ہے۔

"جب انجمن کا اجلاس ہوا۔ میں بھی موجود تھا۔ ڈاکٹر محمد حسین شاہ صاحب حال سکرٹری انجمن اشاعت اسلام لاہور نے میرے سامنے اس معاملہ کو اس طرح پیش کیا کہ ہم لوگ خدا تعالیٰ کے حضور جوابدہ ہیں اور ٹرسٹی ہیں۔ اس معاملہ میں کیا کرنا چاہیئے میں نے کہا کہ جب حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ فرماتے ہیں کہ اس شخص سے کچھ رعایت کی جائے تو ہمیں چاہیئے کہ کچھ رعایت کریں۔ ڈاکٹر صاحب نے اس پر کہا کہ حضرت نے اجازت دیدی ہے جب خط سنایا گیا تو مجھے اس سے صاف ناراضگی کے آثار معلوم ہوئے۔ اور میں نے کہا کہ یہ خط تو ناراضگی پر دلالت کرتا ہے نہ کہ اجازت پر۔ اس لئے میری رائے تو وہی ہے اس پر ڈاکٹر صاحب موصوف نے ایک لمبی تقریر کی۔ جس میں خشیۃ اللہ اور تقوی اللہ کی مجھے تاکید کرتے رہے۔ میں نے ان کو بار بار یہی جواب دیا کہ آپ جو چاہیں کریں۔ میرے نزدیک یہی رائے درست ہے چونکہ ان لوگوں کی کثرت رائے تھی بلکہ اس وقت میں اکیلا تھا۔ انہوں نے اپنے منشا کے مطابق ریزولیوشن پاس کر دیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح اول کو اطلاع ہوئی۔ آپ نے اُن کو بلوایا اور دریافت کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ سب کے مشورہ سے یہ کام ہوا ہے اور میرا نام لیا کہ وہ بھی وہاں موجود تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ نے مجھے طلب فرمایا۔ میں گیا تو یہ سب لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ میرے پہنچتے ہی آپ نے فرمایا کہ کیوں میاں ہمارے صریح حکموں کی اس طرح خلاف ورزی کی جاتی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ

میں نے تو کوئی خلاف ورزی نہیں کی۔ آپ نے فرمایا کہ فلاں معاملہ میں مَیں نے یُوں حکم دیا تھا۔ پھر اس کے خلاف آپ نے کیوں کیا۔ میں نے بتایا کہ یہ لوگ سامنے بیٹھے ہیں۔ میں نے ان کو صاف طور پر کہدیا تھا کہ اس امر میں حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کی مرضی نہیں۔ اس لئے اس طرح نہیں کرنا چاہیئے اور آپ کی تحریر سے اجازت نہیں بلکہ ناراضگی ظاہر ہوتی ہے۔ آپ نے اس پر ان لوگوں سے کہا کہ دیکھو۔ تم اس کو بچہ کہا کرتے ہو۔ یہ بچہ میرے خط کو سمجھ گیا اور تم لوگ اس کو نہ سمجھ سکے اور بہت کچھ تنبیہ کی کہ اطاعت میں ہی برکت ہے۔ اپنے رویہ کو بدلو۔ ورنہ خدا تعالیٰ کے فضلوں سے محروم ہو جاؤ گے۔" [1]

اب اس مکان یا حویلی کی فروختگی کا حال سنیئے۔ حضرت مولوی حکیم فضل الدین صاحبؓ کا چھوٹا بھائی اس کی معقول قیمت دینے کے لئے تیار تھا مگر جب اسے پتہ لگا کہ حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحبؓ اس شیعہ کو مکان دینا چاہتے ہیں اور انجمن زیادہ قیمت حاصل کرنے کی وجہ سے مجھے مکان دینا چاہتی ہے تو اس نے کہا کہ میں حضرت مولوی صاحبؓ کی ناراضگی مول لے کر ایک کوڑی کو بھی اس مکان کو نہیں خریدنا چاہتا۔ اس پر یہ لوگ کھسیانے ہو کر رہ گئے۔ آہ! ایک طرف یہ دعویٰ کہ ہم آپ کو خلیفۃ المسیح تسلیم کرتے ہیں اور آپ کا حکم اسی طرح مانیں گے جس طرح ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مانا کرتے تھے اور دوسری طرف یہ حرکات۔ افسوس صد افسوس! کیا لوگ اپنے پیروں کے ساتھ یہ سلوک کیا کرتے ہیں؟ پیر کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ

"مرید اپنے آپ کو مرشد کے سامنے ایک بیجان کی طرح ڈال دے اور اپنی جملہ خواہشات کو اس کے سپرد کر دے۔ نہ یہ کہ مرشد کہتا ہے فلاں بات درست ہے تو مرید کہتا ہے کہ مرشد نے سمجھا ہی نہیں میں اس سے بہتر سمجھتا ہوں۔ یہ بیعت کر لینے کے بعد حضرت خلیفۃ المسیحؓ کی گستاخی ہے اور بیعت کے مفہوم کے ساتھ ہنسی" [2]

کاش! جناب مولوی محمد علی صاحب زندہ ہوتے تو میں ان سے پوچھتا کہ مولانا! کیا آپ نے یہ الفاظ محض نمائش کے طور پر لکھے ہیں یا واقعی مرید کو اپنے مرشد کی ایسی ہی اطاعت کرنی چاہیئے؟

قصہ مکان یا حویلی کا بیان ہو رہا تھا اور یہ ذکر ہو رہا تھا کہ جس شخص کے ہاتھ یہ لوگ مکان فروخت کرنا چاہتے تھے جب اس نے بھی مکان خریدنے سے انکار کر دیا تو ان لوگوں نے حضرت خلیفۃ المسیحؓ کے

---

[1] "اختلافات سلسلہ کی تاریخ صفحہ ۳۵-۳۶۔ [2] رسالہ "ایک نہایت ضروری اعلان" مصنفہ مولوی محمد علی صاحب ایم اے۔

حضور بہت کچھ معذرت کی۔ مگر یہ بھی ایک نمائش ہی تھی ورنہ دل سے یہ لوگ آپ کے مخالف تھے اور مخالفانہ پروپیگنڈہ میں کمی کی بجائے دن بدن ترقی کرتے جا رہے تھے اور لاہور میں تو ان کی مجالس میں علی الاعلان یہ تذکرے ہوتے کہ جس طرح بھی ممکن ہو آپ کو خلافت سے علیحدہ کر دینا چاہیئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح کو جب ان حالات کا علم ہوا تو اس رحیم و کریم انسان نے بادلِ ناخواستہ یہ اعلان فرمایا کہ میں عید الفطر تک ان لوگوں کو موقعہ دیتا ہوں اگر انہوں نے اپنی اصلاح کر لی تو بہتر ورنہ انہیں جماعت سے خارج کر دیا جائے گا اب بجائے اس کے کہ یہ لوگ اپنی اصلاح کرتے انہوں نے آپس میں خط و کتابت کر کے اپنے اندرونہ کا اور بھی گھناؤنے الفاظ میں اظہار کیا چنانچہ حضرت میر حامد شاہ صاحب سیالکوٹی کو جو اُن ایام میں ان لوگوں کو سلسلہ کا خیر خواہ سمجھ کر ان کی قدر کیا کرتے تھے۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اور ڈاکٹر محمد حسین شاہ صاحب نے خطوط لکھے جو درج ذیل ہیں۔

۱۔ "حضرت اخی المکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ . . . . قادیان کے مشکلات کا سخت فکر ہے۔ خلیفہ صاحب کا تلون طبع بہت بڑھ گیا ہے اور عنقریب ایک نوٹس شائع کرنے والے ہیں جس سے اندیشہ بہت بڑے ابتلا کا ہے . . . . اگر اس میں ذرہ بھی تخالف خلیفہ صاحب کی رائے سے ہو تو برافروختہ ہو جاتے ہیں . . سب حالات عرض کیے گئے مگر ان کا جوش فرو نہ ہوا۔ اور ایک اشتہار جاری کرنے کا مصمم ارادہ رکھتے ہیں . . . آپ فرماویں ہم اب کیا کر سکتے ہیں۔ ان کا منشا یہ ہے کہ انجمن کالعدم ہو جاتے اور ان کی رائے سے ادنیٰ تخلف نہ ہو۔ مگر یہ وصیت کا منشا نہیں۔ اس میں یہی حکم ہے کہ تم سب میرے بعد مل جُل کر کام کرو۔ شیخ (رحمت اللہ) صاحب اور شاہ (ڈاکٹر سید محمد حسین) صاحب۔ بعد سلام مسنون مضمون واحد ہے۔

خاکسار مرزا یعقوب بیگ ۲۹ ۹/۹"

۲۔ "اخی المکرم جناب شاہ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ جناب کا نوازش نامہ پہنچا حال معلوم ہوا . . . . قادیان کی نسبت دل کو بٹھا دینے والے واقعات جناب کو شیخ (رحمت اللہ) صاحب نے لکھے ہوں گے۔ وہ باغ جو حضرت صاحب نے اپنے خون کا پانی دے کر کھڑا کیا تھا۔ ابھی سنبھلنے ہی نہ

پایا تھا کہ بادِ خزاں اس کو گرایا چاہتی ہے۔ حضرت مولوی صاحب (خلیفۃ المسیح اولؓ) کی طبیعت میں ضد اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ دوسرے کی سن ہی نہیں سکتے۔ وصیت کو پسِ پشت ڈال کر خدا کے فرستادہ کے کلام کی بے پرواہی کرتے ہوئے شخصی وجاہت اور حکومت ہی پیش نظر ہے۔ سلسلہ تباہ ہو تو ہو۔ مگر اپنے منہ سے نکلی ہوئی بات نہ ٹلے پر نہ ٹلے . . . . کوئی نہیں پوچھتا کہ بھائی یہ وصیت بھی کوئی چیز ہے یا نہیں۔ یہ تو اللہ کی وحی کے ماتحت لکھی گئی تھی۔ کیا یہ پھینک دینے کے لئے تھی۔ اگر پوچھا جاتا ہے تو ارتداد کی دھمکی ملتی ہے۔ اللہ رحم کرے۔ دل سخت بیکلی کی حالت میں ہے۔ حالات آمدہ از قادیان سے معلوم ہوا کہ مولوی صاحب فرماتا ہے کہ بمب کا گولہ دس دن تک چھوٹنے کو ہے جو کہ سلسلہ کو تباہ و چکنا چور کر دے گا۔ اللہ رحم کرے۔ تکبر اور نخوت کی کوئی حد ہوتی ہے۔ نیک ظنی نیک ظنی کی تعلیم دیتے دیتے بدظنی کی کوئی انتہا نظر نہیں آتی۔ ایک شیعہ کی وجہ سے سلسلہ کی تباہی اللہ رحم کرے۔ یا الٰہی ہم گنہگار ہیں تو اپنے فضل و کرم سے ہی ہمیں بچا سکتا ہے اپنی خاص رحمت میں لے لے۔ اور ہم کو ان ابتلاؤں سے بچا لے۔ آمین۔ اور کیا لکھوں۔ بس حد ہو رہی ہے۔ وقت ہے کہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے کوئی خاص تائید الٰہی ہو۔ تاکہ اس کا سلسلہ اس صدمہ سے بچ جائے۔ آمین۔ سب برادران کی خدمت میں السلام علیکم اور دعا کی درخواست۔ خاکسار سید محمد حسین "[1]

یہ خطوط جو بطور نمونہ درج کئے گئے ہیں۔ ان لوگوں کے عزائم کی خاص طور پر انعکاسی کر رہے ہیں۔ اور بتا رہے ہیں کہ جن کو یہ پیر و مرشد کہتے تھے ان کا کس قدر ادب و احترام ان کے دلوں میں تھا۔ حضرت میر حامد شاہ صاحبؓ فرماتے ہیں کہ جب ان لوگوں کے خطوط میرے پاس آئے تو

"میں نے ان کو خط لکھا اور سمجھایا جو سمجھایا۔ شاید میرا وہ خط ان کے پاس ہوگا جس کے جواب میں انہوں نے اعتراف کیا اور عذر خواہی کی۔ ان کا یہ خط میرے پاس محفوظ ہے۔ باہمی رد و کد ہوتے ہوتے حضرت نورالدین اعظم کی ناراضگی فرو ہوئی اور عید کے دن احباب کے سر سے خدا خدا کر کے یہ بلا ٹلی اور ان کی طرف سے معافی نامہ

---

[1] آئینہ صداقت صفحہ ۱۶۴ - ۱۶۶ ؏

حضرت خلیفہ اوّل کی خدمت میں پیش ہوا۔ چنانچہ اس کے متعلق بھی خوشی مناتے ہوئے مبارکبادی کے خطوط احباب کی طرف سے آئے"۔ [1]

خطبہ عید الفطر اور اعلان معافی۔ اکتوبر ۱۹۰۹ء

خطبہ عید الفطر جس میں آپ نے ان لوگوں کے اخراج از جماعت کا اعلان کرنا تھا۔ اس میں آپ نے ان لوگوں کو سمجھایا کہ

"کوئی قوم سوائے وحدت کے نہیں بن سکتی بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ کوئی انسان سوائے وحدت کے انسان نہیں بن سکتا۔ کوئی محلہ سوائے وحدت کے محلہ نہیں بن سکتا۔ اور کوئی گاؤں سوائے وحدت کے گاؤں نہیں بن سکتا۔ اور کوئی ملک سوائے وحدت کے ملک نہیں بن سکتا۔ اور کوئی سلطنت سوائے وحدت کے سلطنت نہیں بن سکتی۔ . . . پھر میں کہتا ہوں کہ جب تک وحدت نہ ہوگی تم کوئی ترقی نہیں کر سکتے"۔

اس کے بعد آپ نے حضرت آدمؑ، حضرت داؤد علیہما السلام اور دیگر خلفاء جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مثالیں دے کر سمجھایا کہ جن لوگوں نے ان کا مقابلہ کیا تم دیکھ لو اُن کا کیا حشر ہوا۔ پھر فرمایا:۔

"اب میں تمہارا خلیفہ ہوں۔ اگر کوئی کہے کہ الوصیت میں حضرت صاحب نے نورالدین کا ذکر نہیں کیا تو ہم کہتے ہیں کہ ایسا ہی آدمؑ اور ابوبکرؓ کا ذکر بھی پہلی پیشگوئی میں نہیں"۔

چونکہ ان لوگوں کا زیادہ زور اس امر پر تھا کہ انجمن کو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے اپنا جانشین مقرر فرمایا ہے لہٰذا جو فیصلہ انجمن کرے وہ ساری جماعت کے لئے قابلِ تسلیم ہونا چاہیئے اس لئے ان کے مفروضہ کی بنا پر فرمایا کہ

الوصیت کی تفہیم

"حضرت صاحب کی الوصیت میں معرفت کا ایک نکتہ ہے وہ میں تمہیں کھول کر سُناتا ہوں جس کو خلیفہ بنانا تھا اس کا معاملہ تو خدا کے سپرد کر دیا اور ادھر چودہ اشخاص (جو صدر انجمن کے ممبر اور ٹرسٹی تھے۔ ناقل) کو فرمایا کہ تم بحیثیت مجموعی خلیفۃ المسیحؑ ہو۔ تمہارا فیصلہ قطعی فیصلہ ہے اور گورنمنٹ کے نزدیک بھی وہی قطعی ہے۔ پھر ان چودہ کے چودہ کو باندھ کر ایک شخص کے

---

[1] الفضل پرچہ یکم اگست ۱۹۱۵ء صفحہ ۴-۵

ہاتھ پر بیعت کرادی کہ اسے اپنا خلیفہ مانو۔ اور اس طرح تمہیں اکٹھا کردیا۔ پھر نہ صرف چودہ کا بلکہ تمام قوم کا میری خلافت پر اجماع ہو گیا۔ اب جو اجماع کا خلاف کرنے والا ہے وہ خدا کا مخالف ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ ومن یبتغ غیر سبیل المومنین نولہ ما تولی ونصلہ جہنم وساءت مصیرا . . . . .

پس تم کان کھول کر سن لو۔ اگر اب اس معاہدہ کے خلاف کرو گے۔ تو اعقبھم نفاقاً فی قلوبھم کے مصداق بنو گے۔ میں نے تمہیں یہ کیوں سنایا اس لئے کہ تم میں بعض نافہم ہیں جو بار بار کمزوریاں دکھاتے ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ وہ مجھ سے بڑھ کر جانتے ہیں۔

خدا پر بھروسہ خدا نے جس کام پر مجھے مقرر کیا ہے۔ میں بڑے زور سے خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اب میں اس کرتے کو ہرگز نہیں اتار سکتا۔ اگر سارا جہان اور تم بھی میرے مخالف ہو جاؤ تو میں تمہاری بالکل پروا نہیں کرتا اور نہ کروں گا۔ . . . تم معاہدہ کا حق پورا کرو۔ پھر دیکھو کہ کس قدر ترقی کرتے ہو اور کیسے کامیاب ہوتے ہو . . . . مجھے ضرورتاً کچھ کہنا پڑتا ہے۔ اس کا میرے ساتھ وعدہ ہے کہ میں تمہارا ساتھ دوں گا۔ مجھے دوبارہ بیعت لینے کی ضرورت نہیں۔ تم اپنے پہلے معاہدے پر قائم رہو۔ ایسا نہ ہو کہ نفاق میں مبتلا ہو جاؤ۔ اگر تم مجھ میں کوئی اعوجاج دیکھو تو اس کی استقامت کی دعا سے کوشش کرو۔ مگر یہ گمان نہ کرو کہ تم مجھ بڈھے کو آیت یا حدیث یا مرزا صاحب کے کسی قول کے معنے سمجھا لو گے۔ اگر میں گندہ ہوں۔ تو یوں دعا مانگو کہ خدا مجھے دنیا سے اٹھا لے۔ پھر دیکھو کہ دعا کس پر الٹی پڑتی ہے۔"

طاعت در معروف "ایک اور غلطی ہے۔ وہ طاعت در معروف کے سمجھنے میں ہے کہ جن کاموں کو ہم معروف نہیں سمجھتے اس میں اطاعت نہ کرینگے یہ لفظ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی آیا ہے ولا یعصینک فی

معروف۔ اب کیا ایسے لوگوں نے حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عیوب کی بھی کوئی فہرست بنالی ہے۔ اسی طرح حضرت صاحب نے بھی شرائط بیعت میں طاعت در معروف لکھا ہے۔ اس میں ایک سر ہے۔ میں تم میں سے کسی پر ہرگز بدظن نہیں۔ میں نے اس لئے ان باتوں کو کھولا تا تم میں سے کسی کو اندر ہی اندر دھوکہ نہ لگ جائے۔

وجہ اختلاط پھر کہتے ہیں کہ لوگوں سے اختلاط کرتا ہے اس کا جواب تمہارے لئے جو میرے مرید ہیں یہی کافی ہے کہ تم میرے آمر نہیں ہو بلکہ مامور ہو۔ . . . میں تمہارے ابتلا سے بہت ڈرتا ہوں۔ اس لئے مجھے کمانے کا زیادہ فکر ہوتا ہے۔ بمب کے گولے اور زلزلے سے بھی زیادہ خوفناک بات یہ ہے کہ تم میں وحدت نہ ہو۔

جلدبازی سے کوئی فقرہ منہ سے نکالنا آسان ہے مگر اس کا نگلنا بہت مشکل ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں ہم تمہاری نسبت نہیں بلکہ اگلے خلیفے کے اختیارات کی نسبت بحث کرتے ہیں مگر تمہیں کیا معلوم کہ وہ ابوبکر اور مرزا صاحب سے بھی بڑھ کر آئے۔ . . . . میں آج کے دن ایک اور کام کرنیوالا تھا مگر خدا تعالیٰ نے مجھے روک دیا اور میں اس کی مصلحتوں پر قربان ہوں۔ تم میں جو نقص ہیں ان کی اصلاح کرو۔ . . . میں ایسے لوگوں لوگوں کو جماعت سے الگ نہیں کرتا کہ شاید وہ سمجھیں۔ پھر سمجھ جائیں۔ پھر سمجھ جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ میں اُن کی ٹھوکر کا باعث بنوں۔ میں اخیر میں پھر کہتا ہوں کہ آپس میں تباغض وتحاسد کا رنگ چھوڑ دو۔ کوئی امر امن یا خوف کا پیش آ جاوے، عوام کو نہ سُناؤ۔ ہاں جب کوئی امر طے ہو جاوے تو پھر بے شک اشاعت کرو۔

اب میں تمہیں کہتا ہوں کہ یہ باتیں تمہیں ماننی پڑیں گی۔ طوعاً و کرہاً۔ اور آخر کہنا پڑے گا۔ اَتَیۡنَا طَآئِعِیۡنَ۔ جو کچھ میں کہتا ہوں تمہارے بھلے

کی کہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور تمہیں راہِ ہدایت پر قائم رکھے۔ اور خاتمہ بالخیر کرے۔ آمین "[1]

اس خطبہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے ان تمام موٹے موٹے سوالات کا جواب دیا ہے جنہیں یہ لوگ اپنی کارروائیوں کے جواز کی دلیل کے طور پر پیش کیا کرتے تھے۔ اب بھی اگر یہ باز آجاتے تو اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے، اس سے بڑے بڑے انعامات پاتے۔ مگر قسامِ ازل سے ان کے لئے کچھ اور ہی مقدر تھا

غالباً یہ ذکر کرنا بھی خالی از فائدہ نہ ہوگا کہ جس پرچہ میں حضرت خلیفۃ المسیح کا یہ خطبہ چھپا ہے اسی پرچہ میں ان لوگوں کی طرف سے ایک ایسا اعلان شائع کیا گیا جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ گویا جن لوگوں کے اخراج از سلسلہ کے متعلق حضرت خلیفۃ المسیحؓ نے عید کے موقعہ پر جو اعلان کرنا تھا وہ اِن لوگوں کے متعلق نہیں بلکہ ایسے لوگوں کے متعلق ہونے والا تھا جن کا اِنہیں کچھ علم ہی نہیں تھا اور انہیں تو گویا اس وقت پتہ لگا جب یہ عید کے موقعہ پر قادیان آئے۔ یہ تجاہلِ عارفانہ کی ایک حیرت انگیز مثال ہے۔

جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں، جناب خواجہ کمال الدین صاحب نے بظاہر حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی مخالفت ترک کر دی تھی اور جناب مولوی محمد علی صاحب کو بھی ہمیشہ یہی سمجھاتے رہتے تھے کہ حضرت خلیفۃ المسیح تو بہت بوڑھے ہو چکے ہیں اور تھوڑا عرصہ ہی دنیا میں رہیں گے نیز جماعت بھی ان سے الگ ہونے کے لئے تیار نظر نہیں آتی۔ اس لئے ہمیں آئندہ کی فکر کرنی چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ جماعت کی نظر میں ہم ایسے گِر جائیں کہ آپ کے بعد بھی ہم برسر اقتدار نہ آسکیں اور جماعت کسی اور کو خلیفہ منتخب کر لے۔ ان کی خواہش یہ تھی کہ اگر ان میں سے کوئی خلیفہ ہو جائے تب تو خیر ہے ورنہ صدر انجمن کی بالادستی کے لئے بہر حال زور لگانا چاہیئے۔ مگر اس کے لئے موقعہ کے منتظر تھے۔

مکان یا حویلی والا معاملہ خواجہ صاحب کی غیر حاضری میں اُٹھایا گیا تھا۔ جبکہ وہ کشمیر گئے ہوئے تھے۔ اگر وہ یہاں ہوتے تو غالباً وہ اس معاملہ کو اتنا طول نہ دیتے اور اپنے ساتھیوں کو موقعہ شناسی کی ترغیب سے سمجھا بجھا کر خاموش کرا دیتے کیونکہ خواجہ صاحب کو دراصل جو فکر تھی وہ یہ تھی کہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب اپنی نیکی، تقویٰ اور اثر و رسوخ کی وجہ سے دن بدن جماعت میں مشہور ہوتے جا رہے تھے۔ اور مزید یہ کہ خود حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ بھی ان کا خاص احترام کرتے تھے اور حضور نے اب صدر انجمن احمدیہ کا پریذیڈنٹ بھی انہی کو مقرر فرمایا تھا اور آپ کی غیر حاضری میں حضرت

---

[1] بدر ۲۱ اکتوبر ۱۹۰۹ء

صاحبزادہ صاحب ہی امام الصلوٰۃ اور خطیب ہوا کرتے تھے۔ اور یہ ایسی باتیں تھیں جن کی بنا پر جناب خواجہ صاحب اور ان کی پارٹی کا یقین بڑھتا جاتا تھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ چاہتے ہیں کہ اپنے بعد خلافت کے لئے حضرت صاحبزادہ صاحب کو نامزد کر دیں۔

حضرت خلیفۃ المسیحؓ کے عزائم کے رستہ میں تو خواجہ صاحب حائل ہو نہیں سکتے تھے البتہ حضرت صاحبزادہ صاحب کو جو باہر جماعتوں میں جانے کی وجہ سے عزت اور شہرت حاصل ہو رہی تھی اور جماعت کے قلوب آپ کی طرف جُھکے جا رہے تھے اس کی روک تھام کے لئے جناب خواجہ صاحب نے ایک تدبیر سوچی اور وہ یہ تھی کہ آپ نے ایک طرف تو حضرت خلیفۃ المسیحؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر بڑی تڑپ کے ساتھ عرض کی کہ حضور! آپ کو علم ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جب باہر تشریف لے جاتے تھے تو کس قدر مخلوق حضور کے گرد جمع ہو جاتی تھی اب یہ حضور کے صاحبزادے ہیں۔ اتنا حفاظت کا انتظام تو ہم ان کے لئے کر نہیں سکتے جتنا حضرت اقدس علیہ السلام کے لئے ہوا کرتا تھا مگر آپ کا یہ حال ہے کہ کسی معمولی سے معمولی انسان کی بھی اُن کے لئے درخواست آجائے تو آپ انہیں فوراً بھیج دیتے ہیں۔ ادھر ہمارا یہ حال ہے کہ جب تک یہ واپس نہ آجائیں۔ ہم فکر کی وجہ سے پریشان رہتے ہیں اور دوسری طرف حضرت ام المومنینؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ کہا کہ حضرت مولوی صاحبؓ بے پروائی سے حضرت میاں صاحب کو معمولی معمولی آدمیوں کی درخواست پر باہر بھیجدیتے ہیں۔ ساری دنیا ہماری دشمن ہے۔ اور ہمارے متعلق بُرے سے بُرے ارادے رکھتی ہے لہٰذا اس طرح حضرت میاں صاحب کو باہر بھیجدینا ہمارے خیال میں تو مناسب نہیں ہمیں بہت فکر رہتی ہے۔ اس کا کوئی انتظام کرنا چاہیئے۔[1]

ظاہر ہے کہ خواجہ صاحب کی نیت خواہ کچھ ہو مگر یہ بات اپنے اندر ضرور وزن رکھتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے بھی آپ کو باہر بھیجنے میں زیادہ احتیاط برتنی شروع کر دی۔ بہرحال خواجہ صاحب کا مقصد حل ہو گیا اور انہوں نے بغیر کسی رکاوٹ کے جماعتوں میں جا کر لیکچر دینے شروع کئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی نیکی اور تقویٰ کی تعریف بھی کرتے مگر ساتھ ہی ساتھ کوئی نہ کوئی نقص بھی ان کی طرف منسوب کر دیتے۔ پھر جو لوگ ہاں میں ہاں ملاتے ان کے سامنے خوب دل کی بھڑاس نکالتے۔

انجمن اور خلافت کا جھگڑا تو چل ہی رہا تھا۔ اب انہوں نے نبوت اور کفر و اسلام کے مسائل کو بھی ہوا

---

[1] کشف الاختلاف

دینی شروع کی۔ ادھر غیر احمدیوں میں مقبول ہونے کے لئے یہ ضروری تھا کہ ان کے پیچھے نماز بھی پڑھتے کیونکہ جب انسان ایک قدم غلط اٹھائے تو دوسرا خود بخود اٹھتا ہے مگر یکدم تبدیلی مشکل بھی ہوتی ہے اس لئے شروع شروع میں تو جب لیکچر کے دوران یا معاً بعد نماز کا وقت آجاتا تو بعض اوقات خواجہ صاحب غیر احمدیوں کے اس سوال پر کہ آپ ہمارے ساتھ نماز کیوں نہیں پڑھتے یہ جواب دیتے کہ بھئی! ہم تو ایک امام کے تابع ہیں۔ آپ یہ سوال ان سے کریں۔ کبھی کہدیتے کہ اگر آپ لوگ کفر کا فتوے واپس لے لیں تو ہم آپ کے پیچھے نماز پڑھنے کے لئے تیار ہیں۔ آہستہ آہستہ جب دیکھا کہ اس طرح تو غیر احمدیوں میں ہر دلعزیزی قائم نہ رہ سکے گی تو یہ کہنا شروع کر دیا کہ غیر احمدی امام کے پیچھے ممانعت تو عام احمدیوں کے لئے ہے تا وہ دوسروں سے مل کر متاثر نہ ہوں۔ میرے جیسے پختہ ایمان آدمی کے لئے تو نہیں۔ میں آپ لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے تیار ہوں۔ ان کی اس قسم کی حرکات کا نتیجہ یہ ہوا کہ غیر احمدیوں نے احمدیوں کو الگ نماز پڑھنے کی وجہ سے تنگ ظرف اور متعصب کہنا شروع کر دیا اور خواجہ صاحب اور ان کے ساتھیوں کو وسیع الحوصلہ اور فراخدل!

ایک اور کمزوری خواجہ صاحب نے یہ دکھانا شروع کی کہ مضامین تو حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی کتابوں میں سے اخذ کر کے بیان کرتے لیکن حضور کا نام نہ لیتے۔ ظاہر ہے کہ حضرت اقدس کے علم کلام کو پیش کرنے کے نتیجہ میں داد و تحسین کے نعرے بلند ہونے لازمی تھے لیکن وہ لیکچر خدا تعالیٰ کے ہاں کیسے مقبول ہو سکتے تھے جن میں مامور من اللہ کا نام نہ آئے۔ ساری برکات تو حضور کے نام کے ساتھ وابستہ ہیں۔ حضور نے ایک موقعہ پر کیا خوب فرمایا کہ کیا مجھے چھوڑ کر مردہ اسلام کو پیش کرو گے۔

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے خواجہ صاحب کے لیکچر سن کر جب غیر احمدیوں نے واہ واہ کرنا شروع کر دی تو بعض دوسرے احمدی لیکچراروں نے بھی اس طریق کو اپنانا شروع کر دیا اور غلط فہمی سے یہ خیال کیا جانے لگا کہ اس طرح غیر احمدیوں کو سلسلہ سے مانوس کرنے میں آسانیاں پیدا ہو جائیں گی۔

ان واقعات کو دیکھ کر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے ۲۷ مارچ ۱۹۱۰ء کو ایک لیکچر دیا جس میں اس طریق کی غلطی سے جماعت کو آگاہ کیا۔ جونہی آپ کے اس لیکچر کی جماعت میں اشاعت ہوئی۔ جماعت کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اور اس میں خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے بیداری پیدا ہونی شروع ہوئی۔

حضرت خلیفۃ المسیحؓ کی بیماری میں ان لوگوں کا رویہ۔ نومبر ۱۹۱۰ء

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کا بیان ہے کہ

"۱۹۱۰ء کے آخری مہینوں میں جب حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ گھوڑے سے گر پڑے اور کچھ دن آپ کی حالت بہت نازک ہو گئی حتیٰ کہ آپ نے (ڈاکٹر) مرزا یعقوب بیگ صاحب سے جو اس وقت آپ کے معالج تھے، دریافت کیا۔ کہ میں موت سے نہیں گھبراتا۔ آپ بے دھڑک طبی طور پر بتا دیں کہ اگر میری حالت نازک ہے تو میں کچھ ہدایات وغیرہ لکھوا دوں۔ مگر چونکہ یہ لوگ حضرت مولوی صاحب کا ہدایات لکھوانا اپنے لئے مضر سمجھتے تھے۔ آپ کو کہا گیا کہ حالت خراب نہیں ہے اور اگر ایسا وقت ہوا تو وہ خود بتا دیں گے۔ مگر وہاں سے نکلتے ہی ایک مشورہ کیا گیا اور دوپہر کے وقت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب میرے پاس آئے کہ ایک مشورہ کرنا ہے آپ ذرا مولوی محمد علی صاحب کے مکان پر تشریف لے چلیں۔ میرے نانا صاحب جناب میر ناصر نواب صاحب کو بھی وہاں بلوایا گیا۔ جب میں وہاں پہنچا تو مولوی محمد علی صاحب، خواجہ صاحب، مولوی صدرالدین صاحب اور ایک یا دو آدمی وہاں پہلے سے موجود تھے۔ خواجہ صاحب نے ذکر شروع کر دیا۔ کہ آپ کو اس لئے بلوایا ہے کہ حضرت مولوی صاحب کی طبیعت بہت بیمار اور کمزور ہے ہم لوگ یہاں ٹھہر تو سکتے نہیں۔ لاہور واپس جانا ہمارے لئے ضروری ہے۔ پس اس وقت دوپہر کو جو آپ کو تکلیف دی ہے تو اس سے ہماری غرض یہ ہے کہ کوئی ایسی بات طے ہو جاوے کہ فتنہ نہ ہو۔ اور ہم لوگ آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم میں سے کسی کو خلافت کی خواہش نہیں ہے اور مولوی محمد علی صاحب بھی آپ کو یہی یقین دلاتے ہیں۔ اس پر مولوی محمد علی صاحب بولے کہ مجھے بھی ہرگز خواہش نہیں۔ اس کے بعد خواجہ صاحب نے کہا کہ ہم بھی آپ کے سوا خلافت کے قابل کسی کو نہیں دیکھتے اور ہم نے اس امر کا فیصلہ کر لیا ہے۔ لیکن آپ ایک بات کریں کہ خلافت کا فیصلہ اس وقت تک نہ ہونے دیں جب تک کہ ہم لاہور سے نہ آجاویں۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص

جلد بازی کرے اور پیچھے فساد ہو۔ ہمارا انتظار ضرور کر لیا جاوے۔ میر صاحب نے تو ان کو یہ جواب دیا کہ ہاں جماعت میں فساد کو مٹانے کے لئے کوئی تجویز ضرور کرنی چاہیئے۔ مگر میں نے اس وقت کی ذمہ داری کو محسوس کر لیا اور صحابہ کا طریق میری نظروں کے سامنے آ گیا کہ ایک خلیفہ کی موجودگی میں دوسرے کے متعلق تجویز خواہ وہ اس کی وفات کے بعد کے لئے ہی کیوں نہ ہو، ناجائز ہے۔ پس میں نے اُن کو یہ جواب دیا کہ ایک خلیفہ کی زندگی میں اس کے جانشین کے متعلق تعیین کر دینا اور فیصلہ کر دینا کہ اس کے بعد فلاں شخص خلیفہ ہوگا، گناہ ہے۔ میں تو اس امر میں کلام کرنے کو ہی گناہ سمجھتا ہوں"۔

حضرت صاحبزادہ صاحب فرماتے ہیں۔

" جیسا کہ ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے۔ خواجہ صاحب کی اس تقریر میں بعض باتیں خاص توجہ کے قابل تھیں۔ اول تو یہ کہ اس سے ایک گھنٹہ پہلے تو انہی لوگوں نے حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ سے کہا تھا کہ کوئی خطرہ کی بات نہیں۔ وصیت کی ضرورت نہیں اور وہاں سے اُٹھتے ہی آئندہ کا انتظام سوچنا شروع کر دیا۔ دوسری بات یہ کہ ان کی تقریر سے صاف طور پر اس طرف اشارہ نکلتا تھا کہ ان کو تو خلافت کی خواہش نہیں۔ لیکن مجھے ہے مگر میں نے اس وقت ان بحثوں میں پڑنے کی ضرورت نہ سمجھی کیونکہ ایک دینی سوال درپیش تھا اور اس کی نگہداشت سب سے زیادہ ضروری تھی" [1]

آئیے! اب ہم اس گفتگو کا تجزیہ کریں۔ جناب مولوی محمد علی صاحب اور جناب خواجہ کمال الدین صاحب اگر خلافت کے خواہشمند نہ ہوتے تو اُن کو یہ کہنے کی ہرگز ضرورت نہ تھی کہ ہمارا انتظار کر لیا جاوے ورنہ کہیں فتنہ نہ کھڑا ہو جائے۔ اگر ان کے نزدیک بھی حضرت صاحبزادہ صاحب ہی خلافت کے اہل تھے تو پھر تو انہیں اس سوال کے اُٹھانے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ رہا یہ امر کہ ان میں سے کسی کو خلافت کی خواہش نہیں یہ بالبداہت غلط ہے کیونکہ انہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی وفات پر ۱۹۱۴ء میں لاہور جا کر جناب مولوی محمد علی صاحب ایم اے کو اپنے گروہ کا امیر مقرر کیا۔ اور مولوی صاحب نے خلافت سے اپنے مقام امارت کو بلند ثابت کرنے کے لئے اپنے ماتحت چار خلیفے مقرر کئے جن میں سے ایک خواجہ کمال الدین صاحب تھے اور خواجہ صاحب اپنے آپ کو خلیفۃ المسیح لکھتے بھی تھے۔ مگر یہ صرف ایک برائے نام خطاب ہی خطاب تھا جس کے اندر حقیقت

---

[1] "اختلافات سلسلہ کی تاریخ" صفحہ ۴۶ تا ۴۸

تو ایک رائی کے دانہ برابر بھی نہ تھی۔ بہر حال ان کے عزائم اور افعال سے یہ ضرور ظاہر ہو گیا کہ جس وقت یہ لوگ زبان سے یہ کہہ رہے تھے کہ ہمیں خلافت کی خواہش نہیں۔ دل ہرگز اُن کے ساتھ نہیں تھے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی وصیت جنوری ۱۹۱۱ء

جناب چوہدری محمد اسد اللہ خاں صاحب بار۔ایٹ لا امیر جماعت احمدیہ لاہور کا بیان ہے کہ

" حضرت میاں عبد العزیز صاحب مغل نے مسجد احمدیہ بیرون دہلی دروازہ میں حلفاً یہ بیان کیا کہ جب حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ گھوڑے سے گرنے کی وجہ سے زیادہ بیمار ہو گئے تو آپ نے اپنی وصیت میں لکھا کہ میرے بعد **خلیفہ محمود** ہو گا۔ اور یہ وصیت اپنے ایک شاگرد شیخ تیمور صاحب کے سپرد کی۔

مغل صاحب نے فرمایا کہ جس کمرے میں شیخ تیمور صاحب رہتے تھے۔ میں بھی اسی کمرہ میں لیٹا ہوا تھا۔ یہ سمجھتے تھے کہ سو رہا ہے مگر میں ان کی حرکات کو دیکھ رہا تھا انہوں نے لیمپ کی گرمی دے کر اس وصیت والے لفافے کو کھولا۔ وصیت پڑھ کر پھر بند کر دیا۔ بعد میں جب حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کی صحت اچھی ہو گئی تو آپ نے وہ وصیت واپس لے لی۔

مغل صاحب فرماتے تھے کہ پہلے حضور کا خیال تھا کہ ابھی جماعت حضرت میاں صاحب (یعنی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ۔ ناقل) کو اچھی طرح سے نہیں سمجھی اس لئے وصیت لکھ دی۔ وفات سے قبل اس لئے دوبارہ آپ کا نام نہ لکھا کہ اب جماعت آپ کو اچھی طرح سمجھ چکی ہے۔"

اس امر کی تصدیق کہ واقعی حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے وصیت میں "سیدنا محمود" ایدہ اللہ تعالیٰ کا نام لکھا تھا۔ مولوی محمد علی صاحب کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ مولوی صاحب لکھتے ہیں۔

"۱۹۱۱ء میں جو وصیت آپ (حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ) نے لکھوائی تھی اور جو بند کر کے ایک خاص معتبر کے سپرد کی تھی۔ اس کے متعلق مجھے معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ اس میں آپ نے اپنے بعد خلیفہ ہونے کے لئے میاں صاحب کا نام لکھا تھا۔" [1]

---

[1] رسالہ "حقیقت اختلاف" صفحہ ۶۹

ایک نکتہ قابل یاد

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتا دیا تھا کہ آپ کے بعد خلیفہ "سیدنا محمود" ہی ہوں گے چنانچہ آپ نے انہی دنوں ایک خطبہ جمعہ میں فرمایا کہ

"ایک نکتہ قابل یاد سُنائے دیتا ہوں کہ جس کے اظہار سے میں باوجود کوشش کے رُک نہیں سکا۔ وہ یہ کہ میں نے حضرت خواجہ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا۔ ان کو قرآن شریف سے بڑا تعلق تھا۔ ان کے ساتھ مجھے بہت محبت ہے۔ ۷۸ برس تک انہوں نے خلافت کی۔ بائیس برس کی عمر میں وہ خلیفہ ہوئے تھے۔ یہ بات یاد رکھو کہ میں نے کسی خاص مصلحت اور خالص بھلائی کے لئے کہی ہے" [۱]

حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں۔

"اس واقعہ کے سُنانے سے جس طرف آپ کا اشارہ ہے وہ بھی آپ کی اس وصیت سے معلوم ہوتا ہے جبکہ آپ گھوڑے سے گر کر بیمار ہو گئے اور ایک شب آپ کو خیال آیا کہ سوجن دل کی طرف جا رہی ہے۔ تب آپ نے رات کے وقت قلم دوات طلب کی اور ایک کاغذ پر صرف دو لفظ لکھے **"خلیفہ محمود"** اور اپنے ایک شاگرد کو وہ کاغذ دیدیا۔" [۲]

"الفضل" میں یہ واقعہ اس طرح لکھا ہے کہ

"حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ اپنے عہد خلافت میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعض پیشگوئیوں کے مطابق جب گھوڑے سے گرے اور آپ کے سر میں سخت چوٹ آئی تو ایک رات آپ کو خیال پیدا ہوا کہ ورم دل کی طرف جا رہا ہے۔ اس وقت آپ نے قلم دوات طلب فرمائی اور ایک کاغذ پر کچھ لکھ کر اسے لفافہ میں بند کر دیا۔ پھر کچھ لفافہ پر بھی ارقام فرمایا اور شیخ تیمور صاحب کو جو آپ کی خدمت میں رہتے تھے یہ کہتے ہوئے دیا کہ اگر میری وفات ہو جائے تو اس پر جو کچھ لکھا ہے اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ ان کی روایت ہے کہ اس لفافہ پر لکھا تھا۔ علی اسوۃ ابی بکر جس کا نام اس لفافہ میں ہے۔ اس کی بیعت کرو۔ اور جب اسے کھول کر دیکھا گیا تو اس کے اندر نام لکھا تھا۔ " محمود احمد " [۳]

---

[۱] خطبہ جمعہ مندرجہ اخبار بدر پرچہ ۲۷ جولائی ۱۹۱۰ء [۲] ضمیمہ حیات نورالدین صفحہ ۱۵۹ مصنفہ حضرت مفتی صاحب رضی اللہ عنہ
[۳] "الفضل" جلد ۲ نمبر ۳۵ صفحہ ۶ پرچہ ۱۶ ستمبر ۱۹۱۴ء

گو حضرت مفتی صاحب کی روایت کے مطابق "محمود احمد" کی بجائے "خلیفہ محمود" اندر لکھا ہوا تھا۔ لیکن اس بات سے نفس مضمون میں کچھ فرق نہیں پڑتا۔ یہ ایسی یقینی بات ہے کہ جناب مولوی محمد علی صاحب ایم اے کو بھی مسلم ہے جیسا کہ اوپر حوالہ درج کیا جا چکا ہے۔

بعد میں چونکہ حضور کی طبیعت اللہ تعالیٰ کے فضل سے سنبھل گئی اس لئے آپ نے یہ وصیت واپس لیکر پھاڑ دی۔[1]

چونکہ مضمون یہ چل پڑا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کو اللہ تعالیٰ نے بتا دیا تھا کہ آپ کے بعد خلافت کا بلند منصب اللہ تعالیٰ کی طرف سے سیدنا حضرت محمود ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کو عطا ہو گا۔ اس لئے آپ مختلف رنگوں میں جماعت کو یہ امر سمجھاتے رہتے تھے کہ میرے بعد خلیفہ ہونے کے اہل صرف "میاں محمود احمد صاحب" ہی ہیں جیسا کہ گھوڑے سے گرنے کے کچھ دن بعد "آپ کی وصیت" اور ایک قابل یاد نکتہ "سے یہ امر عیاں ہے۔ اب ذیل میں بعض اور ایسی باتیں بیان کی جاتی ہیں جن سے اس امر کی مزید تائید ہوتی ہے۔

سیدنا حضرت محمود ایدہ اللہ ہی مصلح موعود ہیں

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی وفات سے چھ ماہ قبل حضرت پیر منظور محمد مصنف قاعدہ یسرنا القرآن نے آپ کی خدمت میں عرض کی کہ

"مجھے آج حضرت اقدس کے اشتہارات کو پڑھ کر پتہ مل گیا ہے کہ پسر موعود میاں صاحب ہی ہیں۔ اس پر حضرت خلیفہ اولؓ نے فرمایا۔ ہمیں تو پہلے ہی سے معلوم ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہم میاں صاحب کے ساتھ کس خاص طرز سے ملا کرتے ہیں۔ اور ان کا ادب کرتے ہیں۔"

پیر صاحب موصوف نے یہی الفاظ لکھ کر تصدیق کے لئے پیش کئے تو حضرت خلیفہ اولؓ نے ان پر تحریر فرمایا۔

"یہ لفظ میں نے برادرم پیر منظور محمد سے کہے ہیں۔ نور الدین ۱۰ ستمبر ۱۳ء"[2]

مسند احمد بن حنبل کی تدوین کا کام

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں۔

"جلسہ سالانہ ۱۹۱۳ء کے چند ہی دن بعد حضرت خلیفۃ المسیح بیمار ہو گئے اور آپ کی علالت روز بروز بڑھنے لگی۔ مگر ان بیماری کے دنوں میں بھی آپ تعلیم کا کام کرتے رہے۔ مولوی محمد علی صاحب قرآن شریف کے بعض مقامات کے متعلق آپ سے سوال کرتے اور آپ جواب لکھواتے کچھ اور لوگوں کو بھی پڑھاتے۔ ایک دن اسی طرح پڑھا رہے تھے مسند احمد کا سبق تھا۔ آپ نے پڑھاتے پڑھاتے فرمایا کہ

---

[1] "الفضل" پرچہ یکم فروری ۱۹۳۶ء [2] رسالہ "پسر موعود" صفحہ ۲۸

مسند احمد حدیث کی نہایت معتبر کتاب ہے۔ بخاری کا درجہ رکھتی ہے مگر افسوس ہے کہ اس میں بعض غیر معتبر روایات امام احمد بن حنبل کے ایک شاگرد اور ان کے بیٹے کی طرف سے شامل ہو گئی ہیں جو اس پایہ کی نہیں ہیں۔ میرا دل چاہتا تھا کہ اصل کتاب کو الگ کر لیتا مگر افسوس کہ یہ کام میرے وقت میں نہیں ہوا اب شاید میاں کے وقت میں ہو جائے۔ اتنے میں مولوی سید سرور شاہ صاحب آ گئے۔ آپ نے ان کے سامنے یہ بات پھر دوہرائی کہ ہمارے وقت میں تو یہ کام نہ ہو سکا۔ آپ میاں کے وقت میں اس کو پورا کریں۔ یہ بات وفات سے دو ماہ پہلے فرمائی۔" [۱]

اس واقعہ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کے نزدیک آپ کے بعد خلافت جاری رہنی تھی اور آپ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے علم کی بنا پر جانتے تھے کہ آپ کے خلیفہ حضرت سیدنا محمود احمد ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ہی ہوں گے چنانچہ یہ امر جماعت کے ازدیاد ایمان کا موجب ہوگا کہ مسند احمد بن حنبل کی تدوین کا کچھ کام خلافت ثانیہ میں ہوا بھی ہے اور پھر ہوا بھی اس شخص کی نگرانی میں جو حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحب کی طرح مفتی سلسلہ کے عہدہ جلیلہ پر فائز ہے یعنی محترم ملک سیف الرحمٰن صاحب فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

اسلام اور احمدیت کی اشاعت میاں صاحب کے زمانہ میں ہو گی

۱۹۶۲ء کے آخر میں تحریک جدید کے نئے سال کا پیغام دیتے ہوئے حضرت سیدنا خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا کہ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا۔ کہ اسلام اور احمدیت کی اشاعت اکناف عالم میں میاں صاحب کے زمانہ میں ہو گی۔ [۲]

شیخ عبد الرحمٰن صاحب مصری کو نصیحت کہ قرآن مجھ سے یا میرے بعد میاں محمود سے پڑھ لینا

آپ نے ایک مرتبہ شیخ عبد الرحمٰن صاحب مصری لاہوری کو جو اس وقت مصر میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ تحریر فرمایا

"تمہیں وہاں سے کسی شخص سے قرآن پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ جب تم واپس قادیان آؤ گے تو ہمارا علم قرآن پہلے سے بھی انشاء اللہ بڑھا ہوا ہوگا۔ اور اگر ہم نہ ہوئے تو میاں محمود سے قرآن پڑھ لینا" [۳]

---

[۱] اختلاف سلسلہ کی تاریخ صفحہ ۸۸ و آئینہ صداقت صفحہ ۱۱۷ [۲] ملخص از الفضل ۲۳ جنوری ۱۹۶۳ء [۳] الفضل یکم اپریل ۱۹۱۴ء

حضرت میاں بشیر احمد صاحب کو نصیحت کہ قرآن میاں صاحب سے پڑھ لینا

اسی طرح حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے فرمایا کہ

"اگر میری زندگی میں قرآن ختم نہ ہوا تو بعد ازاں میاں صاحب سے پڑھ لینا" [۱]

پیر منظور محمد صاحب کو نصیحت

حضرت پیر منظور محمد صاحب کا ذکر اوپر ہو چکا ہے آپ فرماتے ہیں کہ

"۱۱ ستمبر ۱۳ء کی شام کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح گھر میں چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ میں پاؤں سہلانے لگ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد بغیر کسی گفتگو اور تذکرہ کے خود بخود فرمایا:- "ابھی یہ مضمون شائع نہ کرنا جب مخالفت ہو اسوقت شائع کرنا" [۲]

ایک مخلص صحابی کا حلفیہ بیان

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک مخلص صحابی غلام حسین صاحب عارف والہ ضلع منٹگمری کا حلفیہ بیان ہے کہ

"خاکسار کو رویا میں دکھایا گیا کہ چاند آسمان سے ٹوٹ کر حضرت ام المومنین رض کی جھولی میں آ پڑا ہے۔ پھر دوسری رویا میں دکھایا گیا کہ حضرت خلیفۃ المسیح اول کے بعد میاں محمود احمد صاحب خلیفہ ہوں گے۔ ان کی نصرت ہوگی اور ان پر وحی بھی نازل ہوگی۔ یہ دونوں خوابیں میں نے لکھ کر حضرت خلیفہ اول رض کے حضور بھیجدیں۔ آپ نے جواب میں لکھا کہ "آپ کی خوابیں مبارک ہیں"۔ پھر جب میں قادیان جلسہ سالانہ پر گیا تو علیحدگی میں بندہ نے روبرو میاں عبدالحی صاحب مرحوم حضرت خلیفہ اول رض سے عرض کیا کہ یا حضرت! جو خوابیں میں نے آپ کو تحریر کی تھیں ان سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضور کے بعد میاں محمود احمد صاحب خلیفہ ہونگے حضرت خلیفہ اول اور میاں عبدالحی صاحب مرحوم چارپائی پر بیٹھے تھے اور میں نیچے پیڑھی پر بیٹھا تھا۔ حضور نے جھک کر مجھ کو فرمایا

"اسی لئے تو اس کی ابھی سے مخالفت شروع ہو گئی ہے"

پھر میں نے عرض کیا۔ یا حضرت! سچے کا نشان بھی یہی ہوتا ہے کہ اس کی مخالفت ہو۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ سچے کا یہی نشان ہوتا ہے۔" [۳]

---

[۱] "الفضل" جلد ۱۸ نمبر ۱۰۶ ۔ [۲] "پسر موعود" صفحہ ۲۷ ۔
[۳] "الفضل" یکم فروری ۱۹۳۸ء ۔

حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ کی آخری وصیت

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں۔

"حضرت خلیفہ اولؓ کی وفات کے بعد میرا منشا نہیں تھا کہ میں عورتوں میں درس دیا کروں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ بہت ہی بڑی ہمت کا کام ہے کہ ایسے عظیم الشان والد کی وفات کے تیسرے روز ہی امۃ الحی نے مجھ کو رقعہ لکھا۔ اس وقت میری ان سے شادی نہیں ہوئی تھی کہ مولوی صاحب مرحوم ہمیشہ عورتوں میں قرآن کریم کا درس دیا کرتے تھے۔ اب آپ کو خدا نے خلیفہ بنایا ہے۔ مولوی صاحب نے اپنی آخری ساعت میں مجھے وصیت فرمائی تھی کہ میرے مرنے کے بعد میاں سے کہدینا کہ وہ عورتوں میں درس دیا کریں۔ اس لئے میں اپنے والد کی وصیت آپ تک پہنچاتی ہوں۔ وہ کام جو میرے والد صاحب کیا کرتے تھے۔ اب آپ اس کو جاری رکھیں۔" [1]

حضرت خلیفہ اولؓ کی پیشگوئی کہ موعود قدرت ثانیہ کا ظہور آج سے تیس ۳۰ سال بعد ہوگا فرمودہ یکم دسمبر ۱۹۱۲ء

محترم جناب ملک غلام فرید صاحب ایم۔ اے کے برادر اکبر مکرم ماسٹر نواب الدین صاحب مرحوم حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کے قرآن کریم کا درس باقاعدگی کے ساتھ نوٹ کیا کرتے تھے۔ ذیل کے بعض حصص حضرت کے درس فرمودہ یکم دسمبر ۱۹۱۲ء سے لئے گئے ہیں۔ مکرم ماسٹر صاحب مرحوم لکھتے ہیں۔

"حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے یکم دسمبر ۱۹۱۲ء کو بعد نماز عصر سورہ اعراف کی آیت ولقد اخذنا اٰل فرعون بالسنین۔ . . . الخ کا درس دیتے ہوئے فرمایا۔

"جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے فتوحات کے وعدے کئے تھے۔ لیکن قوم کی نافرمانی کی وجہ سے وہ چالیس برس پیچھے ڈال دئے گئے۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی اللہ تعالیٰ نے وعدے کئے ہیں اور ضرور ہے کہ وہ پورے ہوں لیکن افسوس ہے کہ تم لوگوں کی گستاخیوں کی وجہ سے ان میں التوا ہو رہا ہے اور جس طرح حضرت موسیٰؑ کے وقت ان وعدوں کے پورا ہونے کا زمانہ چالیس برس پیچھے ڈال دیا گیا۔ اسی طرح تمہاری گستاخیوں کی وجہ سے احمدیت

---

[1] الفضل جلد ۱۲ نمبر ۶۸ منقولہ از الفضل یکم فروری ۱۹۳۸ء

کی فتوحات کا زمانہ بھی پیچھے ڈال دیا گیا ہے لیکن آج سے تیس سال بعد مظہر قدرت ثانیہ ظاہر ہوگا اور اس طرح اللہ تعالیٰ اس بندہ کے ذریعہ اس بند کئے ہوئے دروازہ کو کھولنے کے سامان کر دے گا۔ اس موقعہ پر حضور کے جو الفاظ قلمبند کئے گئے وہ میں ذیل میں درج کرتا ہوں۔

ہم اور دوسروں میں فرق	کسی مجدد نے ۱۳ سو برس سے یہ نہیں کہا کہ مجھے الہام ہوتا ہے مجھے وحی ہوتی ہے۔ ہمارے مرزا صاحب کو وحی اور الہام دونوں ہوتے تھے۔ پھر نبی کا لفظ کسی پر نہیں آیا۔ پھر ایسی کامیابی باوجود اتنی مخالفت کے کسی کو نہیں ہوئی۔
خطرہ عظیم الشان	حضرت موسیٰؑ سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا کہ تیری قوم نے مقدس زمین کو فتح کرلینا ہے۔ تم بے شک جاؤ۔ لیکن قوم نے نافرمانی کی کیا نتیجہ ہوا۔ ۴۰ برس ڈھیل دی گئی اور ان میں حضرت موسیٰؑ بھی فوت ہو گئے۔ مجھے یہ ڈر ہے کہ حضرت صاحب سے بھی اللہ تعالیٰ نے وعدے کئے ہیں۔ تمہارے عملوں نے اس کو پیچھے رکھا ہوا ہے۔
نوٹ	تیس برس کے بعد انشاء اللہ مجھے امید ہے کہ مجدد یعنی موعود (قدرت ثانیہ) ظاہر ہوگا۔
نوٹ	انصار کی ذراسی گستاخی سے حضور نبی کریمؐ نے فرمایا کہ قیامت تک تم پر سلطنت حرام ہے۔ تم بھی گستاخ ہو رہے ہو۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی پیشگوئی کے الفاظ بالکل واضح ہیں کہ "تیس ۳۰ برس کے بعد انشاء اللہ مجھے امید ہے کہ مجدد یعنی موعود (قدرت ثانیہ) ظاہر ہوگا" اور یہ عجیب بات ہے کہ دسمبر ۱۹۱۲ء میں یہ الفاظ بیان فرمائے۔ گویا ۱۹۱۲ء تو گذر گیا اور ۱۹۴۳ء تک تیس برس پورے ہو گئے۔ اس کے بعد ۱۹۴۴ء کے شروع میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے موعود خلیفہ، مصلح موعود اور پسر موعود ہونے کا اعلان فرمایا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں سمجھنا چاہیئے کہ ۱۹۴۴ء سے قبل حضور مصلح موعود نہیں تھے۔

مصلح موعود تو آپ شروع ہی سے تھے اور تحریک جدید کی جو آپ نے بنیاد ڈالی تو یہ بھی مصلح موعود ہونے کی حیثیت میں ہی ڈالی چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ اور جماعت کے دیگر کئی ایک بزرگوں پر اس امر کا انکشاف بھی ہو گیا تھا کہ آپ ہی مصلح موعود ہیں لیکن آپ کو جب تک اللہ تعالیٰ نے وضاحت کے ساتھ اطلاع نہیں دی آپ نے خود اعلان نہیں فرمایا۔ اس امر کا ذکر کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی ہے کہ بعض کوتاہ اندیش لوگوں کی جانب سے یہ اعتراض ہوا ہے کہ ۱۹۴۴ء کے بعد آپ کے کارنامے اتنے اہم نہیں جتنے پہلے کے ہیں حالانکہ خدا تعالیٰ کے فضل سے آپ کی ساری زندگی ہی عظیم الشان کارناموں سے بھری پڑی ہے۔ بچپن سے ہی آپ نے دینی کاموں میں حصہ لینا شروع فرمایا اور اب تک آپ کی زندگی کا لمحہ لمحہ دینی کاموں میں صرف ہو رہا ہے۔ دعویٰ مصلح موعود کے بعد تحریک جدید کا کام بھی پہلے کی نسبت بہت بڑھ گیا۔ گویا یوں معلوم ہوتا ہے کہ پہلے آپ تیز چل رہے تھے مگر بعد میں دوڑنا شروع کر دیا۔ پھر قرآن مجید کے کئی زبانوں میں ترجمے ہوئے متعدد نئی عظیم الشان مساجد یورپ اور دیگر براعظموں میں تیار ہوئیں۔ تقسیم برصغیر کے ہولناک خطرات و فسادات میں قادیان سے جماعت کو صحیح و سالم نکال کر پاکستان میں لانا اور ربوہ ایسے عظیم الشان قصبہ کی تعمیر و آبادی آپ ہی کا عدیم النظیر کارنامہ ہے۔ پھر تفسیر کبیر کی کئی جلدیں شائع ہوئیں۔ تفسیر صغیر تیار ہوئی وغیرہ وغیرہ۔ کیا یہ کام اس امر کی ضمانت نہیں کہ آپ ہی **موعود قدرت ثانیہ ہیں؟**

حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کے بعض اشارات اور بشارات درج کرنے کے بعد ایک بات کی ذرا وضاحت کر دینا ضروری ہے اور وہ ہے "قابل یاد نکتہ"۔ جس میں آپ نے حضرت خواجہ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔ اس کے متعلق محترم مولوی محمد یعقوب صاحب فاضل انچارج صیغہ زود نویسی ربوہ نے بیان فرمایا کہ انہوں نے خود حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی زبان فیض ترجمان سے ایک مرتبہ سُنا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کے اس ارشاد کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب ٹھیک بائیس سال کی عمر میں خلیفہ ہوں گے اور اٹھتر برس کی عمر تک خلافت کریں گے بلکہ حضرت خلیفہ اولؓ یہ بتانا چاہتے تھے کہ آپ حضرت خواجہ سلیمان تونسویؒ کی طرح چھوٹی عمر میں خلیفہ ہوں گے اور ان کی مانند خدا تعالیٰ کے فضل سے ایک لمبا عرصہ خلافت کریں گے۔

دوبارہ زندگی۔ منسوخ شدہ زندگی۔ اپریل ۱۹۰۸ء

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کے گھوڑے سے گرنے کے بعد صحت یاب ہو جانے پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک الہام بھی پورا ہوا۔ جو اس واقعہ سے قریباً اڑہائی سال پہلے شائع ہو چکا تھا۔ اور وہ تھا " دوبارہ زندگی۔ منسوخ شدہ زندگی "

ظاہر ہے کہ بڑھاپے میں سر پر ایسی شدید چوٹ لگنے کے بعد صحت یاب ہو جانا بظاہر حالات ناممکن نظر آتا تھا مگر چونکہ اللہ تعالیٰ کو تو ابھی کچھ عرصہ آپ کی زندگی منظور تھی اس لئے آپ کو خارق عادت طور پر شفا عطا کی گئی اور اس سے ایک تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام مذکورۃ الصدر پورا ہوا۔ دوسرے ڈاکٹر عبد الحکیم پٹیالوی وغیرہ کی قسم کے لوگوں کی پیشگوئیاں جھوٹی ثابت ہو گئیں۔ تیسرے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالٰے بنصرہ العزیز کو آپ کی سرپرستی میں کام کا اور بھی تجربہ حاصل ہو گیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

چھٹا باب

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضؓ کے عہد باسعادت کے عظیم الشّان کارنامے

اسلام میں نظام خلافت

اسلام میں خلافت کا نظام ایک نہایت ہی مبارک نظام ہے خلافت کے بغیر نہ تو کسی قوم کے عقائد درست رہ سکتے ہیں اور نہ ہی کوئی قوم اتفاق اور اتحاد کے رشتہ میں منسلک ہو سکتی ہے۔ آیت استخلاف میں جو خلافت کی برکات درج ہیں ان میں سے ایک اہم برکت کا ان الفاظ میں ذکر ہے کہ ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضٰی لھم کہ "خلفاء کے ذریعہ سے اللہ تعالٰے مومنوں کے اس دین کو تمکنت بخشتا ہے جسے وہ ان کے لئے پسند کرتا ہے" اب دیکھ لیجئے اگر احمدیت میں خلافت نہ ہوتی تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد جماعت اول تو پراگندہ طبع اور پراگندہ خیال ہو جاتی۔ دوسرے جن عقائد پر حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں جماعت قائم تھی، رخنہ انداز لوگ ان میں رخنہ اندازی کر کے نہ معلوم جماعت کو کس راستہ پر ڈال دیتے مگر اللہ تعالٰے ہزار ہزار رحمتیں اور برکتیں نازل کرے حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضؓ کے وجود باجود پر کہ آپ نے روح القدس سے مؤید ہو کر ایسے نظم وضبط کے ساتھ جماعت کی رہنمائی فرمائی کہ رخنہ اندازوں کو بُری طرح شکست ہوئی۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں جو عظیم الشان کارنامے سرانجام دیئے ہیں۔ ان میں سے یہ اتنا بڑا کارنامہ ہے کہ اگر جماعت کے لوگ اسے یاد رکھیں اور آئندہ آنے والی نسلوں کو بھی ہدایت کرتے جائیں تو خدا تعالٰی کے فضل سے جماعت کا قدم کیا بلحاظ عقائد کے

اور کیا بلحاظ اعمال کے ایک ایسی مضبوط چٹان پر قائم ہو جاتا ہے کہ پھر دشمن کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی اسے اپنی جگہ سے متزلزل نہیں کر سکتی چنانچہ خلافت ثانیہ میں ہم نے دیکھ لیا ہے کہ جماعت پر جو خطرناک سے خطرناک زلزلے آئے ہیں اگر جماعت میں خدانخواستہ خلافت کا نظام نہ ہوتا تو آج جماعت کا وجود ایک قصۂ پارینہ بن کر رہ جاتا۔ نہ عقائد صحیح رہتے اور نہ عمل کی قوت باقی رہتی۔ پس جماعت کی آئندہ آنے والی نسلوں کو چاہیئے کہ وہ اس قیمتی سبق کو ہمیشہ یاد رکھیں اور نظام خلافت کو قائم رکھنے کے سلسلہ میں اگر انہیں بڑی سے بڑی قربانیاں بھی دینا پڑیں تو ان سے قطعاً دریغ نہ کریں۔ اس اہم امر کی طرف توجہ دلانے کے بعد اب ہم حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کے ان کاموں کا ذکر کرتے ہیں جو سلسلہ کی ترقی کے لئے آپ کے عہد خلافت میں سرانجام پائے۔

حضرت مسیح موعودؑ کی یادگار مدرسہ دینیات جون ۱۹۰۸ء

حضرت اقدس علیہ السلام کی وفات کے بعد جب قادیان میں موجود ساری جماعت نے حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحبؓ کو خلیفۃ المسیح مان کر بیعت کرنا چاہی تو آپ نے جو تقریر سب سے پہلے کی ناظرین اسے پیچھے پڑھ چکے ہیں۔ اس کا آخری حصہ یہ تھا۔

> "وہ بیعت کے دس شرائط بدستور قائم ہیں۔ اُن میں خصوصیت سے میں قرآن کو سیکھنے اور زکوٰۃ کا انتظام کرنے، واعظین کے بہم پہنچانے اور اُن امور کو جو وقتاً فوقتاً اللہ میرے دل میں ڈالے کو شامل کرتا ہوں۔ پھر تعلیم دینیات، دینی مدرسہ کی تعلیم میری مرضی اور منشار کے مطابق کرنا ہوگی اور میں اس بوجھ کو صرف اللہ کے لئے اُٹھاتا ہوں۔ جس نے فرمایا ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر۔
>
> یاد رکھو کہ ساری خوبیاں وحدت میں ہیں جس کا کوئی رئیس نہیں وہ مر چکی"

اس حصہ تقریر سے ظاہر ہے کہ آپ کے دل میں دینی تعلیم کے عام کرنے اور دینی درسگاہ کے قیام سے متعلق کس قدر جوش تھا۔ چنانچہ اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ آپ نے جماعت میں سب سے پہلی اہم تحریک یہ فرمائی کہ مدرسہ احمدیہ جس کی بنیاد حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹیؓ اور حضرت مولوی برہان الدین صاحب جہلمیؓ کی وفات پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں رکھ دی گئی تھی مگر سرمایہ کی کمی کی وجہ سے اُسے اعلیٰ پیمانہ پر نہیں چلایا جا سکا تھا اس کے شایانِ شان طریق پر چلایا جائے۔ چنانچہ آپ کی خواہش کے مطابق "حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یادگار" کے عنوان کے ماتحت حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین

محمود احمد صاحب، جناب مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے، حضرت نواب محمد علی خاں صاحب اور حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب کی طرف سے ایک متفقہ تحریر شائع کی گئی جس میں حضرت اقدس علیہ السلام اور حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کے ارشادات کی روشنی میں واعظین اور مبلغین تیار کرنے کے لئے ایک دینی مدرسہ کے قیام کی پُرزور تحریک کی گئی۔ ان اصحاب کی طرف سے شائع کردہ تحریر کا خلاصہ یہ تھا کہ

حضرت خلیفۃ المسیحؓ کی خواہش ہے کہ دینی مدرسہ کو اعلیٰ پیمانہ پر چلایا جائے۔ اس کے لئے ضرورت ہے ایک عمدہ مکان کی، پھر ایک بڑی لائبریری کی، پھر اعلیٰ درجہ کے سٹاف کی، پھر کافی تعداد وظائف کی، جس سے ایک خاصی تعداد طلبا کی تعلیم پاسکے۔

لائبریری کے لئے حضرت خلیفۃ المسیحؓ نے فرمایا ہے کہ آپ اپنی کتابوں کا ایک ذخیرہ کل ہی دیدیں گے۔ ممبران انجمن تشحیذ الاذہان بھی اپنی لائبریری دینے کا وعدہ کرتے ہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیحؓ چاہتے ہیں کہ جماعت کے قابل ترین آدمیوں کو اس سب سے اہم کام پر لگایا جائے لیکن اس مدرسہ کے اخراجات اور طلباء کے وظائف کے لئے ایک مستقل ماہوار خرچ کی ضرورت ہے جو آہستہ آہستہ موجودہ ہائی سکول کے برابر پہنچ جائے گا بلکہ اگر اس مدرسہ کو کالج کے درجہ تک پہنچایا جائے اور مختلف زبانوں کے سکھانے کا انتظام کیا جائے تو اس کا خرچ کسی صورت میں بھی کالج کے خرچ سے کم نہ ہوگا مگر سرِدست کام شروع کرنے کے لئے قریباً دوصد روپے ماہوار تک خرچ ہوگا جو چار پانچ سال میں سات آٹھ سو روپے ماہوار تک پہنچ جائے گا اور دوسری طرف اس کی عمارت کیلئے روپیہ درکار ہوگا۔

یہ بھی تجویز زیرِ غور ہے کہ اگر کافی سرمایہ جمع کر کے اس کام کو شروع کیا جائے تو ممکن ہے۔ کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے جس سے مدرسہ کے اخراجات خود بخود نکلتے رہیں مثلاً کسی نفع بخش تجارت میں روپیہ لگا دیا جائے۔ جس کے منافع سے یہ مدرسہ چلتا جائے۔

یہ مدرسہ اگر خدا نے چاہا تو دنیا میں اسلام کی اشاعت کا ایک بڑا بھاری ذریعہ ہوگا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک یادگار ہوگی۔ پس احباب کو چاہیئے کہ اس مقدس اور اہم کام کے لئے یکمشت اور مستقل چندے حسب استطاعت دیں اور احمدیہ انجمنیں اپنی متفقہ کوششوں سے اس تجویز کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں۔[1]

---

[1] بدر ۱۸ر جون ۱۹۰۸ء

گرمی کی رخصتوں پر جانیوالے طلبا کو نصائح

تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان میں جب گرمی کی رخصتیں ہوئیں اور طالب علم اپنے اپنے گھروں کو جانے لگے تو اس موقعہ پر ایک جلسہ کیا گیا جس میں حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے انہیں نصائح کرتے ہوئے فرمایا۔

"اب ہماری محنتوں اور کوششوں کے پھلوں کے دیکھنے کا وقت ہے۔ تم پر نماز کے لئے، اپنی پڑھائی کے لئے کوئی نگران نہ ہوگا۔ پر تمہیں چاہیئے کہ نیک نمونہ دکھائیں اور مخالفوں کے اعتراضوں کا بڑی جوانمردی سے تحمل اور حوصلہ کے ساتھ جواب دیں اور دعا، استغفار اور لاحول کے ہتھیاروں سے کام لیں۔" [1]

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی یہ نصائح تمام سکولوں کے احمدی بچوں کے لئے آج بھی اسی طرح مشعل راہ ہیں جس طرح کہ اس زمانہ میں تھیں لہٰذا احمدی بچوں کو چاہیئے کہ انہیں ہمیشہ یاد رکھیں۔

لیکچر پیغام صلح ۲۱ جون ۱۹۰۸ء

قارئین کرام کو یاد ہوگا کہ ہندوستان کی دو بڑی قوموں یعنی ہندوؤں اور مسلمانوں میں صلح کروانے کے لئے حضرت مسیح موعودؑ نے ۲۵ مئی ۱۹۰۸ء کو یعنی اپنی وفات سے ایک دن پہلے "پیغام صلح" نام سے ایک نہایت ہی قیمتی رسالہ تصنیف فرمایا تھا۔ چونکہ حضور کی زندگی میں وہ سُنایا نہ جاسکا اس لئے ۲۱ جون ۱۹۰۸ء کو ۷ بجے صبح محترم جناب خواجہ کمال الدین صاحب وکیل چیف کورٹ پنجاب نے حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی اجازت سے بصدارت جسٹس پرتول چندر چیٹرجی صاحب جج چیفکورٹ کئی ہزار کے مجمع میں پنجاب یونیورسٹی ہال میں سُنایا۔ اس مضمون سے سامعین اس قدر متاثر ہوئے کہ قریب تھا کہ فریقین کے ذمہ دار اصحاب حضور کی بیان فرمودہ شرائط مندرجہ رسالہ "پیغام صلح" پر دستخط کر دیتے مگر آریہ صاحبان نے اس تجویز کو اپنے مقصد کے خلاف سمجھ کر دستخطوں کو کسی اور وقت پر ملتوی کرا دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ منصوبہ نامکمل رہ گیا۔

تیاری واعظین سے متعلق حضرت اقدسؑ کی ایک خواہش کی تکمیل۔ ۲۳ جولائی ۱۹۰۸ء

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ زبردست خواہش تھی کہ ہماری جماعت میں کم از کم ایک سو آدمی اہل فضل اور اہل کمال ہونا چاہیئے کہ اس سلسلہ اور اس دعویٰ کے متعلق جو نشان اور دلائل اور براہین قویہ قطعیہ خدا تعالیٰ نے ظاہر فرمائے ہیں ان سب کا اس کو علم ہو اور مخالفین پر ہر ایک مجلس میں بوجہ احسن اتمام حجت کر سکے اور ان کے مفتریانہ اعتراضات کا جواب دے سکے اور نیز عیسائیوں

---

[1] بدر ۱۸ جون ۱۹۰۸ء

اور آریوں کے وساوس شائع کردہ سے ہر ایک طالب حق کو نجات دے سکے اور دین اسلام کی حقیقت کمال اور اتم طور پر ذہن نشین کر سکے۔[1]

ان تمام امور کی سرانجام دہی کے لئے یہ فیصلہ فرمایا تھا کہ جماعت کے اہل علم۔ زیرک اور دانشمند لوگوں کو چاہیئے کہ ۲۴ دسمبر ۱۹۰۱ء تک حضور کی کتابوں کو دیکھ کر اس امتحان کے لئے تیار ہو جاویں۔ اور دسمبر کی تعطیلات میں قادیان پہنچکر تحریری امتحان دیں اور ایسے واعظین ہر سال تیار ہوتے رہیں تا ایک کثیر جماعت تیار ہو جائے۔ اس خواہش پر مشتمل اشتہار حضور نے ۹ ستمبر ۱۹۰۱ء کو شائع فرمایا تھا مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضور کی زندگی میں کسی وجہ سے اس پر عمل نہیں ہو سکا اور اگر ہوا ہو تو کم از کم تحریری طور پر اس کا کوئی ثبوت نہیں مل سکا۔ البتہ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کے دل میں شدت سے اس امر کا احساس پیدا ہوا کہ جماعت میں ایسے واعظین پیدا ہونے چاہئیں جو علوم دینیہ سے اچھی طرح واقف ہوں اور اکناف عالم میں پھیل کر مخلوق الٰہی کو راہ ہدایت پر لاویں۔ ابھی آپ اس بارہ میں کچھ سوچ ہی رہے تھے کہ آپ کو اتفاق حسنہ سے ۱۶ جولائی ۱۹۰۸ء کو حضرت اقدسؑ کا وہ پرانا اشتہار ۱۹۰۱ء والا مل گیا۔ جس پر آپ کی طبیعت بےچین ہو گئی۔ اس روز درس قرآن شریف میں سورۂ شوریٰ پہلا رکوع تھا کہ آپ نے ابتدائے درس میں لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

> "اس سورۃ شریف کا ابتدا نہایت ہی عجیب رنگ میں ہوا ہے اور اس میں بڑے بڑے باریک اسرار اور پُر معارف نکات بھرے ہوئے ہیں مگر آج میری طبیعت پر ایسا غیر معمولی صدمہ ہے کہ طبیعت میں ان معارف اور باریک علوم کے بیان کرنے کی برداشت نہیں۔ خدا کا فضل اور توفیق شامل حال رہی اور زندگی ہوئی تو انشاء اللہ کسی دوسرے وقت بیان کروں گا۔"

آپ کے اس رنج اور صدمہ کا باعث جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے یہ ہوا کہ حضرت اقدس کا ۱۹۰۱ء والا پرانا اشتہار پڑھ کر آپ اس خیال سے نہایت بےچین اور مضطرب ہو گئے کہ ابھی تک حضور کی اس پاک خواہش کو عملی جامہ نہیں پہنایا جا سکا۔

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"یہ خیال ایک ایسے انسان کے واسطے جس نے حضرت اقدس کے ایک اشارہ پر

---

[1] از اشتہار ۹ ستمبر ۱۹۰۱ء

ترکِ دنیا، ترکِ وطن، ترکِ جاہ وحشم کر دیا ہو اور اپنے تمام ارادوں اور خواہشات کو اس امام برحق کے ارادوں پر قربان کر دیا ہو اور وہ اس کی محبت میں ایسا گداز ہو کہ ایک رات کے واسطے اس کی جدائی اس کو موت نظر آتی ہو، کیسا دکھ دہ اور کیسا رنج رساں اور کیسا درد پیدا کرنے والا ہو سکتا ہے۔ اس کا صحیح اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کو کسی سے ایسا ہی اخلاص وارادت ہو۔

بہرحال حضرت خلیفۃ المسیح نے یہ خواہش کی کہ حضرت اقدس کے اس اشتہار کی اشاعت کی جائے۔ اور جن احباب کو اخبار نہیں پہنچتے یا وہ اخباروں سے مذاق نہیں رکھتے اخبار پڑھنے والے احباب ان کو یہ اشتہار سُنا دیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت اقدس نے اگر ۹ستمبر سے ۲۴دسمبر تک اس کام کے واسطے مہلت دی تھی تو اب ۲۰جولائی سے ۲۴دسمبر تک مہلت ہے۔"

چنانچہ ہر سال امتحان کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دو تین کتابیں بطور نصاب مقرر کر دی جاتی رہیں اور احباب امتحان میں شامل ہوتے رہے۔ حضور کے بعد ابتک کسی نہ کسی شکل میں امتحان کتب مسیح موعودؑ کا سلسلہ جاری ہے۔ خلافت ثانیہ کے عہد مبارک میں جماعت کی مختلف تربیتی تنظیمیں یعنی انصار اللہ، خدام الاحمدیہ، اطفال الاحمدیہ، لجنہ اماء اللہ، ناصرات الاحمدیہ اپنے اپنے رنگ میں کورس مقرر کر کے امتحانات میں شامل ہو رہی ہیں اور اس طرح سے جماعت کا کثیر حصہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابوں سے واقفیت حاصل کرتا رہتا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

مدرسہ دینیہ کے متعلق بعض ضروری تجاویز۔ ۱۲جولائی ۱۹۰۸ء

مدرسہ دینیات جس کے قائم کرنے کی ایک تجویز کا ذکر ہو چکا ہے اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے ایک سب کمیٹی قائم کی جس کے سکرٹری جناب مولوی محمد علی صاحب ایم اے مقرر ہوئے۔ مولوی صاحب موصوف نے جماعت کو یاد دہانی کراتے ہوئے لکھا کہ اس وقت تین باتیں ہیں جن کے متعلق سب کمیٹی نے غور کر کے رپورٹ کرنی ہے۔

اوّل۔ فراہمی سرمایہ، دوم دینی مدرسہ کی سکیم، سوم مدرسہ کے لئے قابل ترین اساتذہ کا

مہیا کرنا۔

مولوی صاحب موصوف نے ان تینوں امور کے لئے احباب جماعت سے رائے طلب کی۔ اور تعاون کی درخواست کی۔[۱]

اعتراضات کے جوابات

جیسا کہ عام طور پر دستور ہے جب کوئی نبی فوت ہو جاتا ہے تو معترضین اعتراضات شروع کر دیتے ہیں کہ فلاں پیشگوئی پوری نہیں ہوئی۔ فلاں کام ناتمام رہ گیا۔ فلاں مقصد پورا نہیں ہوا۔ اس سنت مستمرہ کے ماتحت ضروری تھا کہ حضرت مسیح موعودؑ کے وصال کے بعد اس قسم کے اعتراضات کئے جاتے۔ چنانچہ معترضین نے ایسے اعتراضات کئے۔ جیسے مثلاً پیشگوئی متعلق مرزا احمد بیگ وغیرہ۔ مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ۔ ڈاکٹر عبدالحکیم کے متعلق پیشگوئی۔ اور جوابات دینے والوں نے روح القدس سے قوت پاکر خوب جوابات دیئے۔ خود حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے بھی "وفات مسیح موعود" کے زیر عنوان ایک رسالہ شائع فرمایا جس میں مخالفین کے تمام اعتراضات کے بصیرت افروز جوابات دیئے۔

یہ ایک عجیب بات ہے کہ جس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات پر آیت وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل تلاوت فرمائی تھی اسی طرح تصرف الٰہیہ کے ماتحت حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے بھی اس مضمون کی ابتداء جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے معاً بعد آپ نے تحریر فرمایا اور جس کا عنوان آپ نے "وفات مسیح موعود" رکھا ان دو آیات سے فرمائی۔ کہ

۱۔ ما المسیح ابن مریم الا رسول قد خلت من قبله الرسل

۲۔ ما محمدٌ الا رسول قد خلت من قبله الرسل افائن مات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم۔

آپ نے اس مضمون میں جو عجیب وغریب نکات بیان فرمائے ان میں سے صرف چند احباب کی دلچسپی کے لئے پیش کئے جاتے ہیں۔ آپ نے لکھا۔

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے زندگی میں سر الخلافۃ لکھ کر اور وفات میں قسم کی روحانی ترقی کا معجزہ دکھا کر ثابت کر دیا کہ حضرت نبی کریمؐ کی وفات پر خلافت کا کوئی

---

[۱] بدر ۳۰ جولائی ۱۹۰۸ء

جھگڑا نہیں ہوُا۔ دیکھتے نہیں کہ نبی کریم کے ایک غلام اور اس کے جانشین کے روبرو آپ کے چار بیٹے و پوتا اور ایک لائق داماد اور ایک سیدؐ خُسر موجود ہے اور وہ ہمہ تن اس آدمی کے ماتحت جو نہ مغل اور نہ ترک اور نہ اتنا رشتہ دار جتنا قرشیت کے لحاظ سے صدیق اکبر کو حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے تعلق حاصل تھا۔ اس موجودہ اتفاق و وحدت سے ہمارے احباب فائدہ اُٹھائیں"۔

قدرت ثانیہ کے ظہور کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا۔

"بہرحال اب دشمن جلسہ کریں اور خوشیاں منائیں پہلی زبردست قدرت الٰہیہ اور نصرت الٰہیہ کو تو دیکھ چکے ہیں۔ اور **دوسری قدرت کا تماشا دیکھیں۔** اب یہ درخت محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے جیسے پہلے محفوظ رہا ہے ویسا ہی اب پھولے گا اور پھلے گا۔ اگر ہم میں ان کو کارکن لوگ تھوڑے نظر آتے ہیں تو امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مذہب کے رُو سے صحابۂ کرام میں فقہا کتنے تھے۔ ان کی تعداد دکھائیں اور خالد بن ولید جیسے سپاہی کتنے تھے۔ ان کی تعداد پیش کریں اور قدرت کا نمونہ دیکھیں"

پھر مخالفین کو مخاطب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا۔

"ہمارے مخالف جلد بازو! کچھ تو صبر سے بھی تم کام لیتے۔ تم نے پہلی قدرت کا نمونہ دیکھا تھا۔ دوسری کے لئے صبر کرتے مگر اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے ہی صبر کے اجر انشاء اللہ تعالیٰ رکھے ہیں۔ والحمد للہ ربّ العٰلمین۔

کیا تمہیں خبر نہیں کہ ہمارے امام نے انتقال کیا . . . . مگر ہم نے اس پر صبر سے کام لیا . . . . مگر تم نے ہماری تعزیت پر سوانگ بھرے۔ تمہارے پروفیسر اور صُوفی نے سوانگ بھرنے والوں کو اعزازی خطاب خادم دین کا دیا۔ تمام دنیا میں بُرے یا بھلے مرے ہیں۔ اہل اسلام کی تعلیمات میں کیا تم نے یہ تعلیم کہیں پڑھی ہے کہ یہ طریق تعزیت کب سے معمولِ اہل اسلام ہوا۔ اور کس نے اس کی ابتداء سے مَنْ سَنَّ سنۃً سیئۃً کا تمغہ لیا۔"

فرمایا۔ حضرت صاحب کی وفات پر

" لاہور کے عوام کا وہ شور وغل تھا جس کا مجھے وہم وگمان بھی نہ تھا۔ قریب تھا کہ وہ لوگ ہمیں گاڑی تک بھی نہ پہنچنے دیتے کہ معاً اللہ تعالےٰ نے ابر رحمت کی طرح پولیس ہمارے لئے بھیجدی اور گورنمنٹ کا دل سے شکریہ ادا کرتے ہوئے ہم پلیٹ فارم پر آرام سے سوار ہو گئے۔"

مصلح موعود کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

" مرزا صاحب کی اولاد میں چھ موجود ہیں۔ والحمد للہ رب العالمین۔ پس ان میں سے ایک بھی اولوالعزم ہوا یا ان کی اولاد سے وہ عمانوایل عظیم الشان ولد ظہور پذیر ہوا تو اس وقت آپ خود یا آپ کی اولاد دنیا کو کیا مُنہ دکھائے گی۔"

محمدی بیگم کی پیشگوئی کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا۔

" جب مخاطبت میں مخاطب کی اولاد۔ مخاطب کے جانشین اور اس کے مماثل داخل ہو سکتے ہیں تو احمد بیگ کی لڑکی یا اس لڑکی کی لڑکی کیا داخل نہیں ہو سکتی اور کیا آپ کے علم فرائض میں بنات البنات کو حکم بنات نہیں مل سکتا اور کیا مرزا کی اولاد مرزا کی عصبہ نہیں۔ میں نے بارہا عزیز میاں محمود کو کہا کہ اگر حضرت صاحب کی وفات ہو جائے اور یہ لڑکی نکاح میں نہ آئے تو میری عقیدت میں تزلزل نہیں آسکتا۔ پھر یہی وجہ بیان کی والحمد للہ رب العالمین۔"

آپ نے اس مضمون میں پھر اس وحدت کے پیدا ہونے پر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا جو حضرت مسیح موعودؑ کی وفات پر جماعت میں پیدا ہوئی اور قوم تفرقہ سے محفوظ رہی۔ آپ نے فرمایا۔

" عزیزان غور کرو۔ آپ کے معاً بعد، دفن سے پہلے جماعت میں بلا اختلاف شمال سے جنوب اور مغرب سے مشرق تک وحدت کی رُوح اللہ قادر و مقتدر نے کس طرح پھونکدی

اے خدا قربان احسانت شوم

. . . حضرت میرزا کا ایک کیا چار بیٹے اور پوتا موجود، میرزا کا داماد محمد وعلی نام کا مجموعہ قابلِ قدر اور لائق موجود۔ میرزا کا خسر بجائے باپ موجود ہے اور تمام قوم نے

ایک اجنبی کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔"

یہ اس نہایت ہی قیمتی مضمون کے صرف جستہ جستہ اقتباسات ہیں ورنہ یہ تمام مضمون ہی پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ آپ کے علاوہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب، حضرت مفتی محمد صادق صاحب، جناب مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے، حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکی، حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب، محترم سید صادق حسین صاحب اٹاوی اور محترم جناب قاضی محمد ظہورالدین صاحب اکمل نے بھی مخالفین کے اعتراضات کے جواب دیئے اور اس دینی جہاد میں نمایاں حصہ لیا۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب نے جو جوابات لکھے حضرت خلیفہ اولؓ نے ان کے متعلق جو اظہار پسندیدگی فرمایا۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے حضرت صاحبزادہ صاحب موصوف فرماتے ہیں۔

"جب حضرت مسیح موعود کی وفات کے بعد میں نے "صادقوں کی روشنی کو کون دور کر سکتا ہے" کے نام سے ایک کتاب لکھی تو حضرت خلیفۂ اول رضی اللہ عنہ نے مولوی محمد علی صاحب کو کہا کہ مولوی صاحب! مسیح موعودؑ کی وفات پر مخالفین نے جو اعتراض کئے ہیں ان کے جواب میں تم نے بھی لکھا ہے اور میں نے بھی مگر میاں ہم دونوں سے بڑھ گیا ہے۔ پھر یہی کتاب حضرت مولوی صاحب نے بذریعہ رجسٹری مولوی محمد حسین بٹالوی کو بھیجی۔ وہ کیوں؟ محمد حسین نے کہا تھا کہ مرزا صاحب کی اولاد اچھی نہیں ہے۔ اس لئے یہ کتاب بھیج کر حضرت مولوی صاحب نے ان کو لکھوایا کہ حضرت مرزا صاحب کی اولاد میں سے ایک نے تو یہ کتاب لکھی ہے جو میں تمہاری طرف بھیجتا ہوں۔ تمہاری اولاد میں سے کسی نے کوئی کتاب لکھی ہو تو مجھے بھیج دو۔" [1]

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی ایک امتیازی خصوصیت

محترم جناب قاضی محمد اکمل صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے فرمایا۔

"میں نے خانہ کعبہ کا طواف ایک دفعہ ایسے وقت میں کیا جبکہ کوئی اور طواف نہیں کر رہا تھا۔ گویا مولوی صاحب کہہ سکتے ہیں کہ میں نے اپنے رب کی عبادت ایسے وقت میں کی جبکہ اس میں کوئی شریک نہ تھا۔ وذٰلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء۔ اور کسی عبادت کے متعلق کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کیونکہ

---

[1] عرفان الٰہی صفحہ ۹۵۔

ممکن بلکہ ضرور ہے کہ اس وقت کوئی اَور بھی صدقہ، صلوٰۃ، صوم وغیرہ ذٰلک نیکیوں میں شامل ہو"[1]

یقیناً یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جو شاذ طور پر ہی کسی خوش نصیب کو حاصل ہو سکتی ہے

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی چالیس حدیثیں

چونکہ اس مقام پر حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی ایک امتیازی خصوصیت کا ذکر آ گیا اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضور کی ایک اور امتیازی خصوصیت کا بھی یہاں ذکر کر دیا جائے جس کی تفصیل حضرت میر محمد اسحاق صاحب نے اپنے ایک مضمون میں بیان فرمائی ہے۔ اس دلچسپ اور ایمان افروز خصوصیت کا بیان خود حضرت میر صاحب ہی کے الفاظ میں ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے حضرت میر محمد اسحاق صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:-

"ایک دفعہ مجھے حضرت خلیفۃ المسیح اول حضرت مولوی حکیم نورالدین رضی اللہ عنہ نے اپنے شفاخانہ میں فرمایا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی چالیس حدیثیں ایسی ہیں جو زبانی مجھ تک پہنچی ہیں۔ آؤ میں وہ تمہیں سناؤں تاکہ تمہیں بھی یہ فخر حاصل ہو کہ تم تک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ چالیس حدیثیں بغیر کسی جگہ اتصال کے ٹوٹنے کے اور بغیر کسی کتاب میں پڑھنے کے زبانی پہنچی ہیں چنانچہ آپ نے پہلے اپنے سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تک کے راوی بیان فرمائے۔ پھر وہ چالیس حدیثیں مجھے ایک ایک کر کے سُنائیں اور اُن کے معنی بتائے اور ان کی مختصر تفسیر فرمائی۔ پھر مجھے ان حدیثوں کے حفظ کرنے کی ہدایت کی جس پر میں نے وہ حدیثیں اسی زمانہ میں یاد کر لیں۔ اور اب میں بجا طور پر فخر کر کے کہہ سکتا ہوں کہ یہ وہ چالیس حدیثیں ہیں کہ دنیا کی کوئی کتاب بھی نہ ہو تو میں یہ حدیثیں آنحضرتؐ تک راویوں کا نام لے کر روایت کر سکتا ہوں۔ یہ واقعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں پیش آیا۔ اور حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحب نے اپنے مطب کے مشرقی دروازہ میں بیٹھ کر ظہر کی نماز کے بعد جبکہ حافظ روشن علی صاحبؓ بھی موجود تھے۔ مجھے ان حدیثوں کا راوی بنایا اور اس وقت کی باتوں سے مترشح ہوتا تھا کہ حافظ صاحب کو بھی حضرت مولوی صاحب اس سے قبل ان حدیثوں کا راوی بنا چکے تھے۔ . . . . پس میں عرض کرتا ہوں کہ

---

[1] بدر ۱۷ ؍ ستمبر ۱۹۰۸ء

(۱) بیان کیا مجھ سے میرے شیخ نورالدین اعظم بھیروی نے (۲) انہوں نے سُنا اپنے شیخ عبدالغنی مجددی مدنی سے (۳) انہوں نے سُنا شاہ اسحاق صاحب دہلوی سے (۴) انہوں نے سُنا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی سے (۵) انہوں نے سُنا شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی سے (۶) ان سے بیان کیا ابوطاہر مدنی نے (۷) انہوں نے سُنا اپنے باپ ابراہیم کردی سے (۸) انہوں نے زین العابدین سے (۹) انہوں نے اپنے باپ عبدالقادر سے (۱۰) انہوں نے اپنے دادا یحییٰ سے (۱۱) انہوں نے اپنے دادا مُحب تاہم سے (۱۲) انہوں نے اپنے باپ کے چچا ابوالیمن سے (۱۳) انہوں نے اپنے باپ شہاب احمد سے (۱۴) انہوں نے اپنے باپ رضی الدین سے (۱۵) انہوں نے ابوالقاسم سے (۱۶) انہوں نے سعید ابومحمد سے (۱۷) انہوں نے اپنے دادا ابوالحسن سے (۱۸) انہوں نے اپنے والد ابوطالب سے (۱۹) انہوں نے ابوعلی سے (۲۰) انہوں نے اپنے والد محمد بن ناہد سے (۲۱) انہوں نے اپنے والد ابوعلی سے (۲۲) انہوں نے ابوالقاسم سے (۲۳) انہوں نے اپنے والد ابومحمد سے (۲۴) انہوں نے اپنے والد حسین سے (۲۵) انہوں نے اپنے والد امام جعفر صادق سے (۲۶) انہوں نے اپنے والد امام محمد باقر سے (۲۷) انہوں نے اپنے والد زین العابدین سے (۲۸) انہوں نے اپنے والد امام حسین سے (۲۹) انہوں نے اپنے والد حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے انہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یعنی حضرت علیؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اور آگے چالیس حدیثیں بیان کی ہیں۔" [1]

تین دوستوں کی بیعت اور حضرت خلیفۃ المسیحؑ کی اُن کو نصائح،

تین دوست حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی خدمت میں بیعت کے لئے حاضر ہوئے۔ بیعت کرنے کے بعد ان میں سے ایک صاحب جو "عربی صاحب" کے نام سے مشہور تھے اپنی بیعت کی کیفیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"آج میں نے اور سید طفیل حسین و بابو غلام محمد اسسٹنٹ سرجن کلاس میڈیکل کالج

---

[1] الفضل جلد ۲۸ نمبر ۲۹۰ صفحہ ۳-۴ پرچہ ۲۱ر دسمبر ۱۹۴۰ء

لاہور نے حضرت خلیفۃ المسیحؓ کے ہاتھ پر بیعت کی بیعت سے پہلے آپ نے یوں خطاب کیا۔

"بیعت کے معنی ہیں غلام ہو جانے کے۔ اور یورپ والے کہتے ہیں کہ غلامی بُری چیز ہے اور انسان آزاد پیدا ہوا ہے۔ میرے ایک پیر عبد الغنی صاحب مدینہ طیبہ میں رہتے تھے۔ دُور دُور کے لوگ آپ کے مُرید ہوتے۔ مصر کے، شام کے، مغرب کے، روس کے، میں بھی اُن کے ہاں جایا کرتا تھا۔ مگر میں خیال کرتا تھا کہ بیعت سے کیا فائدہ۔ نیکی بدی سب کتابوں میں لکھی ہوئی ہے اور میں فارغ التحصیل ہو چکا تھا۔ اس لئے مبائعین کی کثرت دیکھ کر تعجب کیا کرتا تھا۔ آخر یک دفعہ میرے دل میں خیال آیا کہ چلو بیعت کر لو۔ اگر فائدہ نہ دیکھا تو انکار کر دیں گے۔ میں ان کے مکان پر گیا مگر میری شرافت نے اجازت نہ دی کہ میں اقرار کر کے پھر جاؤں۔ آخر میں ایسا ہی واپس آگیا۔ کچھ عرصہ کے بعد میرے دل نے فتویٰ دیا کہ بیعت کر لو۔ جب میں شاہ صاحب کے مکان پر گیا تو میں نے کہا کہ اگر میں نے آپ کی بیعت کر لی تو مجھے کیا فائدہ ہوگا۔ آپ نے فرمایا۔ شنید بہ دید مبدل شود و سمعی کشفی گردد۔ اور فرمایا کہ بیعت کے وقت کوئی شرط بھی کرنی جائز ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں اسئلك موافقتك فی الجنة واعینونی بکثرۃ السجود بھی آیا ہے۔ اور آپ نے فرمایا کہ اگر اصول اسلام سیکھنے ہوں تو چھ مہینہ رہنا ہوگا اور اگر فروعات سیکھنے ہوں تو ایک سال۔ خدا تعالیٰ نے مجھ پر بڑے احسانات کئے۔ میں نے چار وظیفے تجربہ کئے ہیں۔ استغفار۔ لاحول۔ الحمد شریف پڑھنا اور درود شریف کا ورد کرنا۔"[1]

آگے ان وظائف کی لطیف تشریح بھی درج ہے مگر گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے یہاں درج نہیں کی جاسکتی۔

کلام الٰہی سے محبت کی ایک نادر مثال

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کو کلام الٰہی سے جو شدید اور والہانہ محبت تھی اس کی ایک مثال جناب ایڈیٹر صاحب "بدر" کے اس نوٹ سے ظاہر ہے جو انہوں نے "مدینۃ المسیح" کے نیچے اخبار "بدر" میں لکھا۔ آپ فرماتے ہیں:-

---

[1] بدر ۱۵ اکتوبر ۱۹۰۸ء۔

"حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسلمین ایدہ اللہ رب العالمین بیسویں تاریخ ماہ رمضان سے مسجد مبارک میں اعتکاف بیٹھ گئے ہیں۔ آپ کے ساتھ کان رسالت کا چمکتا ہوا ہیرا سید محمود بھی معتکف ہے۔ مولانا کی فیض رساں طبیعت اس خلوت میں بھی جلوت کا رنگ دکھا رہی ہے۔ قرآن مجید سنانا شروع کیا ہے۔ صبح سے ظہر کی اذان تک اور پھر بعد از ظہر عصر تک اور عصر سے شام تک اور پھر عشا کی نماز کے بعد تک تین پارے ختم کرتے ہیں۔ مشکل مقامات کی تفسیر فرما دیتے ہیں۔ سوالوں کے جواب بھی دیتے جاتے ہیں۔ یہ نہ تھکنے والا دماغ خاص موہبت الٰہی ہے۔" [1]

اس واقعہ پر غور کرو اور سوچو کہ یہ مقدس انسان قرآن کریم سے کس درجہ عشق رکھتا تھا نیز تلاوت آیات اور تعلیم الکتاب کا اُسے کتنا زبردست احساس تھا۔ ستر سال کے قریب عمر، قویٰ رو بانحطاط اور اعتکاف بیٹھتا ہے۔ دل میں تڑپ اور جوش ہے کہ ان دس دنوں کے اندر اندر لوگوں کو قرآن حکیم کے نور سے منور اور اس کے مخفی اور پوشیدہ رُوحانی خزائن کی تقسیم سے مالامال کر دے۔ اور اپنے مرشد و آقا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس پاک خواہش و تمنا کو پُورا کرنے والوں میں شمار کیا جائے کہ

صد بار رقص ہا کنم ز خرمی اگر | بینم کہ حُسن دلکش فرقاں نہاں نماند

سارا دن صبح سے لیکر عشاء تک درس دیتا ہے اور تھکتا نہیں۔ تین تین پاروں کی روزانہ نہ صرف تلاوت اور ترجمہ بلکہ ساتھ تفسیر بھی کرتا ہے۔ مشکل مقامات کا حل سکھاتا ہے۔ درس کے سننے والے عوام ہی نہیں بلکہ بڑے بڑے صاحب علم و فضل بھی ہیں ان کے سوالات کے جوابات بھی دیتا جاتا ہے۔ اور اس طرح دس دنوں میں قرآن مجید کا ایک دَور پُورا کر دیتا ہے، اور بعد میں آنے والے لوگوں کے لئے عشقِ قرآن کا ایک پاک عملی نمونہ چھوڑ جاتا ہے۔ اللّٰھم صل علی محمد و علی آل محمد۔

حیدر آباد دکن میں طُوفان آنے پر جماعت کی خبر گیری کے لئے ابُو سعید صاحب عرب کو بھیجنا

حیدر آباد دکن میں ایک شدید طوفان آیا جس کی وجہ سے متعدد محلوں کے تمام مکانات بیخ و بن سے اُکھڑ گئے اور ہزاروں نعشیں برآمد ہوئیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے اپنی جماعت کے حالات دریافت کرنے کے لئے کئی رجسٹرڈ خطوط اور تار روانہ فرمائے جو اس افراتفری کے عالم میں جماعت کو نہ مل سکے۔ اس پہ آپ نے گھبرا کر جناب مولوی ابوسعید

[1] بدر پرچہ ۲۲ اکتوبر ۱۹۰۸ء

صاحب عرب کو جماعت کی خبر گیری کے لئے روانہ فرمایا۔ آپ کی اس کرمفرمائی کا شکریہ ادا کرنے کیلئے حیدرآباد کی جماعت نے جو عریضہ آپ کی خدمت میں لکھا اس کی ایک نقل ایڈیٹر صاحب "بدر" کی خدمت میں بھی بھیجی۔ اس عریضہ سے چونکہ اس امر پر روشنی پڑتی ہے کہ آپ کو اپنی جماعت سے کس قدر محبت تھی اور اس کی صحت و سلامتی کی آپ کو کس قدر فکر دامنگیر رہتی تھی۔ اس لئے اس کا اہم حصہ درج ذیل کیا جاتا ہے

"بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

بعالیخدمت خلافت مآب خلیفۃ المسیح والمہدی امیر المومنین حضرت اعلیٰ نور الدین ادام اللہ فیوضہٗ و برکاتہٗ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

جماعت احمدیہ حیدرآباد حضرت خلافت پناہی کا کس زبان سے شکریہ ادا کرے۔ کہ ان ایام نمونہ حشر میں جبکہ آیت شریف یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ وَ اُمِّهٖ وَ اَبِیْهِ وَ صَاحِبَتِهٖ وَ بَنِیْهِ (سورہ عبس ع۱) کا مضمون الیاں دکن پر پورے طور سے صادق آرہا تھا بکمال شفقت و مرحمت کئی رجسٹرڈ خطوط و تار روانہ فرمائے۔ مگر افسوس کہ بسبب بدامنی کے وہ ہم تک پہنچ نہ سکے اور نہ ان کا جواب دیا گیا مگر پھر امیر المومنین کی خاص شفقت قلبی و ہمدردی آخر کار یہ کئے بغیر نہ رہ سکی کہ اپنا ایک مخلص محب جناب حافظ ابو سعید صاحب کو اس قدر دُور دراز مسافت سے اور خاص اپنے ذاتی مصارف سے ہم دورافتادوں اور مصیبت زدوں کی خبرگیری کے لئے روانہ فرمایا۔ جناب عرب صاحب ممدوح نے یہاں تشریف لاکر باوجود اپنی علالت کے فرائض مفوضہ کو بخوبی ادا کیا اور ہر ایک احمدی بھائی کو تسلی و تشفی دینے سے احمدی اخلاق کے اعلیٰ نمونہ کا کامل ثبوت دیا۔ اور حضرت خلافت مآب کا یہ پیغام بھی پہنچایا کہ اگر کسی احمدی کے اہل و عیال اس ناگہانی طوفان سے لاوارث ہوگئے ہوں یا کوئی خانماں برباد ہوگیا ہو تو ان کو اگر وہ چاہیں فوراً روانہ قادیان کردو۔ ہر طرح سے ہم ان کی باربرداری کے ذمہ دار و کفیل ہو جائیں گے۔ حضرت عالی کی ذات بابرکات سے ہم کو ایسی ہی امید تھی اور رہے گی مگر یہ خبر یقیناً امیر المومنین

اور دیگر عمائدین سلسلہ عالیہ کی خوشی کا باعث ہوگی کہ باوجودیکہ اکثر احمدیوں کے مکانات ایسے ایسے خطرناک مقامات پر واقع تھے جو فی الحال کامل تباہی کا نمونہ ہیں اور جہاں سے ہزاروں نعشیں برآمد ہوئیں اور ان محلوں کے تمام مکانات بیخ و بن سے اُکھڑ گئے اور نیست و نابود ہو گئے۔ مگر ایک احمدی بھی بلکہ ان کے متعلقین میں سے ایک بھی اس طوفانِ عظیم سے ضائع نہیں ہوا۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک

اب تمام جماعت احمدیہ حیدر آباد بکمال ادب بارگاہ خلافت میں گذارش پرداز ہے کہ عالیجناب ہم بیکسوں اور دور افتادوں کے حق میں دعا فرماویں کہ خداوند کریم ہمارے ایمانوں کو کامل کرے۔ ہماری عملی حالتیں درست ہو جاویں اور ابتلاؤں میں استقامت عطا کرے۔ ہم میں پاک تبدیلی ہو جائے اور دوسروں کے لئے پاک نمونہ ہوں جبکہ ہم دارِ فانی سے کوچ کریں تو سلسلہ عالیہ احمدیہ کے سچے وفادار، اطاعت گذار اور مخلص تابعدار ہوں۔ آمین" [1]

حضرت خلیفۃ المسیحؓ کا انضباط اوقات

—— اکتوبر ۱۹۰۸ء ——

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی لکھتے ہیں :-

"حضرت خلیفۃ المسیح کے انضباطِ اوقات کو اجمالی رنگ میں مَیں ایک ہی فقرہ میں ادا کر سکتا ہوں کہ تعظیم لامر اللہ اور شفقت علیٰ خلق اللہ میں آپ کا وقت گذرتا ہے مگر اس کی کسی قدر تفصیل یہ ہے کہ حضرت حجۃ الاسلام حضرت امام ہمام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عنصری زندگی میں بھی اگرچہ آپ ہی امامت کراتے تھے مگر جب مولوی عبدالکریم صاحب آئے تو وہ صرف چھوٹی مسجد میں امام ہو جاتے تھے۔ پھر مولوی عبدالکریم صاحب کی وفات کے بعد چھوٹی مسجد میں نمازوں کے امام آپ ہی تھے۔ یہ امر میں یہاں ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ حضرت حکیم الامۃ طبعاً ناپسند کرتے تھے ایسے امور کو جو کسی قسم کے لیڈر شپ پر دال ہوں اس لئے آپ نے حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کو اپنی جگہ امام مقرر کیا ہوا تھا اور خوش رہتے تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ کو چونکہ آپ کو امام بنانا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایک اور راہ

---

[1] بدر ۱۰ دسمبر ۱۹۰۸ء

نکالی۔ بس حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کے بعد مجبوراً آپ کو امام ہونا پڑا۔ اور اب دوسرے رنگ میں امام ہو کر باوجود ضعف اور آئے دن ہدفِ امراض کے آپ اپنے سید و مولیٰ و مقتدا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چل کر نمازوں کے امام خود ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ گھر پر بعد نماز صبح آپ کے قرآن مجید کے کئی درس عورتوں میں ہوتے ہیں جو سبقاً پڑھتی ہیں۔ پھر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب سلمہ اللہ تعالےٰ و محمد اسحاق کی تعلیم کی طرف خصوصیت سے توجہ ہے۔ ان کے کئی سبق آپ نے اپنے ذمہ رکھے ہیں۔ ایک گھنٹہ سبق سے پہلے چند مریضوں کو ضرور دیکھتے ہیں جو باہر سے آئے ہوئے ہوتے ہیں۔

باہر حدیث اور قرآن مجید اور اصول فقہ کا درس جاری ہے۔ دعاؤں میں آپ کا بہت بڑا حصہ گذرتا ہے۔ میں نے غور سے دیکھا ہے۔ ہاں اپنی آنکھ سے دیکھا ہے کہ جب آپ کے پاس ڈاک آتی ہے تو ایک ایک خط کو آپ اپنے ہاتھ میں لے کر دعا کرتے ہیں۔

پھر یہ سلسلہ ایسا وسیع ہے کہ نمازوں میں اور درس قرآن مجید کے بعد بیسیوں عرضیاں دعا کی آپ کے ہاتھ میں ہوتی ہیں۔ ایک ایک کو پڑھ کر ان کے مطالب کو مدنظر رکھ کر دعائیں کرتے ہیں۔ پہلے آپ کو جماعت کے ساتھ رشتہ اخوت تھا اور اس حیثیت سے آپ جماعت کے لئے دعائیں کرتے ہوں گے۔ مگر اب خدا نے اس رشتہ کو رشتہ ابوّت سے بدل دیا ہے۔ اور یہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ باپ کو اولاد کے لئے کیسی تڑپ اور اضطراب ہوتا ہے۔ چار لاکھ کی جماعت میں کتنے بیمار، کتنے تنگدست، کتنے مشکلات میں مبتلا، کتنے فوت ہوتے ہیں۔ اس کا اثر جو اس قلب پر ہو سکتا ہے اور ہر روز ہوتا ہے۔ اس کا اندازہ کون کر سکتا ہے بجز رب العالمین کے۔

آپ کی طبیعت میں اس انعام امامت کے بعد ایک ایسی مستعدی اللہ تعالیٰ نے رکھ دی ہے کہ عقل حیران ہے۔ آپ ایک ایک متنفس کے متعلق جو قادیان میں ہے ذاتی واقفیت اور خبر رکھتے ہیں کہ وہ کن حالات میں ہے اور اس کے دُکھ درد میں

مہربان باپ کی طرح بیقرار ہوتے ہیں۔

ایڈیٹر الحکم خصوصیت سے ان ہمدردیوں کا زیر بار ہے جو اس سے کی گئی ہیں۔ اس کی بیماری میں بلادرخواست رحمانیت کی صفت سے متخلق ہو کر اس کی تیمارداری فرمائی۔ اب اس کی اہلیہ کی بیماری میں متواتر ایک نہیں دو دو تین تین آدمی متعین فرمائے جو خبر لیں دوا دیں اور آپ کو حالات بتائیں۔ اس لئے کہ آپ اعتکاف میں تھے۔ میں یقیناً کہہ سکتا ہوں کہ ہر شخص یہی سمجھتا ہے کہ اس کے ساتھ خاص لطف اور مہربانی ہے اور یہی حضرت امام علیہ السلام کا معمول تھا۔

پھر باوجودیکہ غم قوم اور فکر اسلام نے آپ کو گداز کر دیا ہے اور طبی مشوروں کے لئے اوقات خالی نہیں رہے۔ مگر جو مریض آپ تک پہنچ جاتا ہے اس کو دیکھنا اور دوا دینا بھی آپ کا کام ہے۔ احباب کے بعض ضروری خطوط کے جواب لکھنا۔ صدر انجمن احمدیہ کے انتظامی امور کو سرانجام دینا جہاں تک آپ کی ذات سے ان کا تعلق ہے۔ احباب آمدہ بیرونجات سے ملنا اور ان کی درخواستوں اور حالات کو سننا اور مفید اور ضروری مشورے دینا۔

اشاعت اسلام اور تبلیغ سلسلہ کے لئے تجاویز پر غور کرنا اور احباب کو توجہ دلانا غرضکہ کوئی ایک کام ہو تو میں بتاؤں اور اس کے لئے وقت مقرر ہو تو تصریح کروں۔ نمازوں کے اوقات تو مقرر ہیں۔ باقی امور کے لئے جو جس وقت پیش آئے۔ قومی درد ایسا بڑھ گیا ہے کہ کہاں حیدر آباد دکن۔ وہاں سیلاب آیا جماعت کے لئے ایسے مضطرب ہوئے کہ متواتر تاریں خیریت احباب کے لئے دیں۔ آخر ایک آدمی خاص اسی غرض کے لئے بھیجا۔ ان حالات کو معلوم کر کے عام افراد کو کیسی خوشی اور کیسا اطمینان ہوگا کہ خدا تعالیٰ نے فی الحقیقت انہیں بہترین انسان بعد امام عطا فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی عمر میں برکت دے۔ اور بہت مدت تک ہم اس کے زیر سایہ رہ کر اُس کے فضل اور فیض کو حاصل کریں جو نور الدین میں ہو کر ہم پر اُتر رہا ہے۔ آمین۔ یہ مختصر حالات آپ کے مشاغل کے ہیں۔ اندرونی زندگی کا پہلو پھر کسی وقت دکھایا جائے گا۔

نماز میں خصوصیت سے دعا کرتے ہیں۔ عید کے دن عید کے خطبہ میں اتفاقاً ہم نے سُنا ہے کہ کہا۔

"قوم کیلئے ترقی ہو، ان میں استقامت ہو۔ باہمی الفت ہو۔ قوم خادم دین ہو۔ روح القدس سے مؤیّد ہو۔ آفات ارضیہ وسماویہ سے محفوظ رہیں۔ بلیات رُوحانیہ وجسمانیہ سے الٰہی تیری حفظ میں ہوں۔ مظفر ومنصور رہیں۔ ان میں مخلص اور داعی الی اللہ علیٰ بصیرۃ خطیب و وعاظ پیدا ہوں۔ اُن کے قائد دینِ اسلام کے واقف، دین اسلام کے عامل، منشرح الصدر ہوں۔ ان کے وزراء مخلص عاقبت اندیش ہوں۔"

جمعہ میں بعد الجمعہ تا مغرب خصوصیت سے ایسی دعاؤں میں وقت گذرتا ہے یہ ان دعاؤں کا ایک مختصر حصہ ہے جو جماعت کے لئے مانگتے ہیں اور خدا جانے کس کس رنگ میں یہ چوپان قوم رات کی اندھیری اور تنہا گھڑیوں میں جبکہ ہم میں سے ہر ایک آرام سے سوتا ہے اپنے مولا کے حضور ہمارے لئے چلاتا ہے۔ خدا اس کی دعاؤں میں قبولیت کا اثر پیدا کرے اور ہم ان سے متمتع ہوں۔ آمین۔" [1]

جلسہ سالانہ ۱۹۰۸ء میں آپ کی تقریر

۲۶ دسمبر ۱۹۰۸ء کو یعنی جلسہ سالانہ کے دوسرے اجلاس میں صدر انجمن احمدیہ نے آپ کی تقریر کے لئے اڑھائی بجے بعد دوپہر سے لے کر ساڑھے تین بجے تک کا وقت مقرر کیا تھا اور اس سے غالباً ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ خلیفہ وقت کی تقریر انجمن کے انتظام کے ماتحت کروانا چاہتے تھے لیکن حضرت خلیفۃ المسیح رضؓ نے اُن کے پروگرام کی پروانہ کرتے ہوئے پونے دو بجے تقریر شروع فرمائی اور ۴½ بجے تک تقریر فرماتے رہے۔

اس تقریر میں حضور نے اپنی زندگی کی ایک تاریخ بیان فرمائی اور بتایا کہ کس طرح لا الٰہ الا اللہ سے میری تعلیم شروع ہوئی اور پھر کیونکر میں نے اس میں ترقی کی۔ آپ نے دُعا۔ عقد ہمت، قرآن، اجتماع اور اس کے برکات کی طرف خصوصیت سے توجہ دلائی۔ اور آخر میں قرآن کریم کی آیت ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین انفسھم واموالھم کی تفسیر فرماتے ہوئے ایمان اور اس کے ستر شعبوں کو قرآن وحدیث سے بالتفصیل بیان کیا۔

---

[1] الحکم ۳۰ اکتوبر ۱۹۰۸ء صفحہ ۳ و ۴۔

اس تقریر میں حضور نے یہ بھی فرمایا کہ

"کرزن گزٹ ایک اخبار ہے جو دہلی سے نکلتا ہے۔ اس نے جہاں حضرت صاحب کی وفات کا ذکر کیا وہاں ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ اب مرزائیوں میں کیا رہ گیا ہے۔ اُن کا سر کٹ چکا ہے۔ ایک شخص جو اُن کا امام بنا ہے اس سے اَور تو کچھ ہوگا نہیں۔ ہاں یہ ہے کہ وہ تمہیں کسی مسجد میں قرآن سُنایا کرے۔ سو خدا کرے یہی ہو کہ میں تمہیں قرآن ہی سُنایا کروں۔" [1]

سبحان اللہ! اعتراض کا جواب بھی دیا تو کس شان سے کہ خدا کرے ——— میں تمہیں قرآن ہی سُنایا کروں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ قرآن کے سوا اَور ہے کیا جس کی تعلیم کی ضرورت ہو۔

دوسری تقریر آپ کی ۲۸ دسمبر کو ظہر و عصر کی نمازوں کے بعد شروع ہوئی۔ حضور نے یہ تقریر محبت الٰہی کے موضوع پر فرمائی۔ آپ نے پہلے یہ بتایا کہ محبت کیا چیز ہے اور پھر اس کے مختلف مدارج کی تفصیل بیان کی اور فرمایا۔ اصل محبت کا مستحق وہ ہے جو حسن و احسان میں سب سے بڑھ کر ہے اور جس کا حسن کمال اور جس کا احسان بقا رکھتا ہے۔ حضور کی یہ تقریر حُبّ کے زیرِ عنوان بدر مورخہ ۱۴ جنوری ۱۹۰۹ء میں درج ہے اور حقائق و معارف کا ایک لاجواب گنجینہ ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک رؤیا میں آپ کی خلافت کی خبر

الحکم لکھتا ہے کہ اسی جلسہ سالانہ میں مغرب و عشاء کی نماز کے بعد حضرت صاحبزادہ صاحب (یعنی سیدنا امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ) نے حجۃ اللہ مسیح موعود علیہ السلام کی ایک رُویا سُنائی جس سے ثابت ہوا کہ حضرت اقدس کی وفات کے بعد حضرت مولوی نورالدین صاحب ہی خلیفۃ المسیح ہونیوالے تھے۔ [2]

یتامیٰ، مساکین اور طالبعلموں کے لئے ایک تحریک ۲۱ جنوری ۱۹۰۹ء

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی زندگی کے حالات کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ جہاں کہیں رہے یتامیٰ مساکین اور طالب علموں کے لئے ملجا و ماویٰ بنکر رہے اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک عظیم الشان قوم کا امام بنایا آپ اس اہم کام سے کیونکر غفلت برت سکتے تھے۔ آپ نے اس امر کو مدِنظر رکھ کر مولوی محمد علی صاحب سکرٹری صدر انجمن احمدیہ کو ارشاد فرمایا۔ کہ

---

[1] بدر پرچہ ۷ جنوری ۱۹۰۹ء۔ [2] الحکم جلد ۱۳ ۱۹۰۹ء نمبر ۱ صفحہ ۱۱۔

یتامیٰ، مساکین اور طالب علموں کے لئے جماعت میں چندہ کی تحریک کی جائے۔ اس پر جناب مولوی صاحب نے جو تحریک کی اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قریب چار ہزار روپے کی رقم تو ان یتامیٰ، مساکین اور طالب علموں وغیرہ کے گذارہ کے لئے چاہیئے جو اس وقت انجمن کے انتظام کے نیچے اس امداد کے مستحق ہیں۔ اور اکیس سو (۲۱۰۰) روپے کی رقم ان یتامیٰ، مساکین وغیرہ کے ایک سال کے گذارہ کے لئے چاہیئے جن کی درخواستیں آئی ہوئی ہیں اور گو اس روپے کا بالفعل کوئی اندازہ پیش نہیں کیا جا سکتا جو آئندہ درخواست کنندگان کیلئے درکار ہوگا مگر یہ ظاہر ہے کہ کچھ نہ کچھ گنجائش اور بھی ہونی چاہیئے۔ پس مجھے ارشاد ہوا ہے کہ میں ان سب کے لئے تمام احمدی احباب کی خدمت میں اپیل کروں۔

یاد رہے کہ اکیس سو روپے کی رقم میں سے ایک سو روپیہ خود حضرت خلیفۃ المسیحؓ نے اپنی طرف سے دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔[1]

مدرسہ کے چھوٹے بچوں کو بعض نہایت ہی مفید اور اہم نصائح۔ ۲۳ جنوری ۱۹۰۹ء

سچ پوچھو تو حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کا زمانہ جماعت کے مردوں، عورتوں اور بچوں کی تربیت کیلئے ایک نہایت ہی اہم زمانہ تھا۔ آپ کو ہر وقت اس امر کی فکر رہتی تھی کہ حضرت احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت صحیح معنوں میں ایک نبی کی جماعت کہلا سکے۔ چنانچہ آپ کے دربار میں ہر وقت ہی وعظ و نصیحت اور دعاؤں کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ ایسی ہی ایک مجلس ۲۳ جنوری ۱۹۰۹ء کو بعد از نماز مغرب مسجد مبارک میں منعقد ہوئی۔ اس میں آپ نے مدرسہ کے چھوٹے بچوں کو مخاطب کر کے فرمایا

"تم جانتے ہو۔ برسات میں جب آم کی گٹھلیاں زمین میں اُگ آتی ہیں تو بچے اکھیڑ کر اُن کی پیپیاں بناتے ہیں لیکن اگر اس آم کی گٹھلی پر پانچ چھ برس گذر جاویں تو باوجودیکہ یہ لڑکا بھی پانچ چھ برس گذرنے پر جوان اور مضبوط ہو جاویگا لیکن پھر اس کا اکھیڑنا دشوار ہوگا پس معلوم ہوا کہ جبتک جڑ زمین میں مضبوطی کے ساتھ نہ گڑ جائے اس وقت تک اکھیڑنا آسان ہے اور جڑ مضبوط ہونے کے بعد دشوار۔ عادات و عقائد بھی درخت کی طرح ہوتے ہیں۔ بُری عادات کا اب اکھیڑنا آسان ہے لیکن جڑ پکڑ جانے کے بعد اُن کا ترک کرنا یعنی اکھیڑنا ناممکن ہوگا۔ بعض بچوں کو جھوٹ بولنے کی عادت ہو جاتی

---

[1] بدر پرچہ ۳۱ جنوری ۱۹۰۹ء

ہے۔ اگر شروع سے ہی اس کو دور نہ کرو گے تو پھر اس کا دُور کرنا مشکل ہوگا۔ ہم نے
دیکھا ہے کہ جن کو بچپنے میں جھوٹ کی عادت پڑ گئی ہے پھر عالم فاضل ہو کر بھی ان
سے جھوٹ کی عادت نہیں چھُوٹی ہے۔"

"دوسری نصیحت میں تم کو یہ کرتا ہوں کہ آج اگر تم نماز نہ پڑھو گے تو بڑے
ہو کر تو بالکل ہی تم کو نماز کی عادت نہ رہے گی۔" [۱]

حضور نے ان دونوں نصائح کی مختلف مثالوں سے تشریح فرمائی۔

ایک دریدہ دہن معترض

جنوری ۱۹۰۹ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے حضرت میر ناصر نواب صاحب کی چندہ جمع کرنے کی مساعی کو پیش کر کے ایک شخص سے کہیں کہدیا کہ اگر آپ لوگ اسی جوش سے دینیات کی تعلیم کے لئے کوشش کرتے تو آپ بھی یقیناً کامیاب ہو جاتے۔ اس پر اس نے جواب میں یہ نہایت ہی گندہ فقرہ کہدیا کہ

"جس قدر یہاں چندے وصول کئے گئے اور بیان کیا گیا وہ سب کچھ ایک بے ایمانی
اور دھوکا اور فریب اور دغابازی کا کام تھا۔ جو شریر النفس لوگوں نے عربی تعلیم کے
بہانے سے وصول کیا اور لوگوں کو دھوکا دیا اور وہ روپیہ اپنی اغراض میں صرف
کیا کرتے ہیں۔"

یاد رہے کہ اس معترض نے خود کبھی بھی مالی جہاد میں حصہ نہیں لیا تھا۔ اس لئے بظاہر اس کا اعتراض کوئی وقعت نہیں رکھتا تھا۔ تاہم حضرت خلیفۃ المسیحؓ کو اس سے سخت تکلیف ہوئی اور آپ نے اس کے اعتراض کی تمام شقوں کا بالتفصیل جواب دینے کے بعد اسے نصیحتاً فرمایا کہ

"نکتہ چین اور نرے اعتراض کرنے والے نے کبھی فائدہ نہیں اٹھایا۔ اوّل
عیسائیوں کی قوم ہے جس نے آدم سے لیکر نبی کریمؐ تک کو بُرا بنایا۔ یہودی پہلے
سے اور مسلمان تیرہ سو برس سے جواب دیتے آئے مگر بتاؤ عیسائیوں کو کچھ فائدہ ہوا۔
پھر شیعہ صحابہ کرام پر، تابعین، تبع تابعین اور آئمہ دین پر اعتراض کرتے
رہے اور خاموش نہیں ہوئے حتیٰ کہ بخاری میں ہے کہ ابن عمرؓ کے سامنے حضرت
عثمانؓ پر اعتراض کئے۔ ان دو کے بعد آریہ نے اسی عیب چینی کے لئے کمر

---

[۱] بدر پرچہ ۲۸ جنوری ۱۹۰۹ء

باندھی۔ مگر کسی مسلمان نے ان کو بند کر دیا کہ ان کو سخن چینی سے روک دیا ہو ؟
پس ایسے معترض عیسائیوں، آریوں اور شیعوں کی اتباع نہ کریں۔ یہ راہ بہت
خطرناک ہے اور نہایت کٹھن اور غالباً غیر مفید ہے۔ تعلیم اسلام جس طرح
نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کی۔ ہم اسی طرح کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ موفق ہے۔" [1]

مدرسہ احمدیہ۔ ۱۳ر فروری ۱۹۰۹ء

مدرسہ دینیات جس کے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضؓ کی شدید خواہش تھی کہ اسے ترقی دے کر اعلیٰ درجہ کا دینی کالج بنایا جائے اور اگر ممکن ہو تو اس کے لئے اتنے ہی اخراجات برداشت کئے جائیں جتنے کسی دوسرے کالج کے لئے برداشت کئے جاتے ہیں۔ اس کے متعلق جب باہر سے آراء آگئیں تو گو احباب نے اس کے لئے بھاری اخراجات برداشت کر کے ایک اعلیٰ درجہ کا دینی کالج بنانے کی سفارش کی تھی مگر مجلس معتمدین نے اپنے اجلاس مورخہ ۱۳ر فروری ۱۹۰۹ء میں یہ فیصلہ کیا کہ

۱۔ مختلف آراء پر غور کرنے کے بعد سب کمیٹی اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ سردست ایک ایسا دینی مدرسہ قائم کیا جاوے جس سے اس ملک کے لئے مبلغین اور علمائے احمدی کا گروہ پیدا کیا جاوے۔ اس لئے اس مدرسہ کی غرض کوئی یونیورسٹی کا امتحان پاس کرانا یا غیر ممالک کے لئے مبلغین پیدا کرنے کی نہ ہوگی۔ اور اسی لئے اس کے نصاب میں انگریزی تعلیم بھی نہ ہوگی۔

۲۔ بعض احباب نے جو ایک تجویز انگریزی، عربی کالج بنانے کی پیش کی ہے۔ اس سے یہ کمیٹی بوجوہات ذیل موجودہ حالات میں متفق نہیں۔

(ا) سردست اس قدر سرمایہ صدر انجمن کے پاس نہیں جس سے ایسا کالج قائم ہو سکے۔

(ب) جو اعلیٰ درجہ کے تعلیمیافتہ دین کے خادم بننے کا یا غیر ممالک میں تبلیغ کا شوق رکھتے ہوں۔ وہ بعد تکمیل تعلیم انگریزی اسی مدرسہ دینیہ میں اعلیٰ درجہ کی عربی اور دینیات کی تعلیم حاصل کر سکتے ہیں۔

(ج) انجمن کے لئے مقدم یہ امر ہے کہ پہلے ہندوستان جیسے وسیع ملک میں احمدی اسلامی واعظین کا انتظام کرے اور اپنی جماعت میں ایسے علماء پیدا کرے جو آئندہ نسلوں کے لئے موجب ہدایت ہوں۔

(د) جو اعلیٰ درجہ کے تعلیمیافتہ غیر ممالک میں تبلیغ کے لئے نکلیں گے۔ ان کے لئے انجمن کو بعد میں اخراجات بھی زیادہ کرنے پڑیں گے اور جو گروہ مبلغین یا علماء کا اس ملک کے لئے ہوگا ان کے لئے بعد میں انجمن کو خرچ بھی تھوڑا

---

[1] الحکم ۱۴ جنوری ۱۹۰۹ء۔

کرنا پڑے گا۔ اور بہت سے کام بھی ان سے لئے جا سکتے ہیں۔

(۸) حالات موجودہ کے نیچے خالص دینی مدرسہ کے لئے بھی . . . . قابل سٹاف کا ملنا مشکلات سے ہے اور انگریزی عربی کالج کے لئے پروفیسروں کا ملنا تو اور بھی مشکل امر ہے۔

(۹) مجوزہ مدرسہ کے لئے طلبار کا ملنا کالج کے لئے طلبا کے ملنے سے آسان ہے۔

نوٹ۔ سب کمیٹی کا یہ منشا نہیں ہے کہ ایسا کالج نہ بنایا جائے بلکہ اس کی رائے میں سردست ایسے مدرسہ دینیات کا بنانا مقدم ہے جس کی تجویز سب کمیٹی نے کی ہے اور بعد میں جس وقت اللہ تعالیٰ اور کشائش کی راہیں کھول دے اور دوسرے مشکلات کا بھی کوئی انتظام ہو سکے تو اس مدرسہ کو ترقی دے کر کالج بنایا جا سکتا ہے۔

۳۔ مولوی شیر علی صاحب نے تجویز کیا کہ اس مدرسہ کا نام "مدرسہ احمدیہ" ہو۔[1]

بورڈنگ مدرسہ تعلیم الاسلام کی تعمیر کے لئے تیس ہزار روپیہ کی اپیل

اس کتاب میں کسی جگہ ہم ذکر کر آئے ہیں کہ مدرسہ تعلیم الاسلام کو جاری کرنے کے لئے اکتوبر ۱۸۹۷ء میں اشتہار دیا گیا تھا اور جنوری ۱۸۹۸ء میں اس کا افتتاح ہوا تھا۔ اور اس مدرسہ نے اس قدر ترقی حاصل کی تھی کہ کالج بن گیا اور اس میں حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب جیسے جلیل القدر انسان بھی کچھ وقت دیتے رہے مگر بعد ازاں یونیورسٹی کمیشن کی ہدایات کے ماتحت کالج مذکور کو بند کرنا پڑا۔ ورنہ کالج بڑی کامیابی کے ساتھ چل رہا تھا۔ بہرحال اس امر کی شدت سے ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ مدرسہ تعلیم الاسلام اور بورڈنگ تعلیم الاسلام جو اندرون قصبہ کچی عمارتوں میں تھے ان کے لئے باہر کھلی فضا میں بڑی عمدہ عمارتیں تعمیر کروائی جائیں۔ اس لئے خلافت اولیٰ کی ابتدا ہی میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ حضرت نواب صاحب کی کوٹھی کے سامنے قصبہ کی جانب مدرسہ اور بورڈنگ ہاؤس کیلئے شاندار عمارتیں تعمیر کی جائیں۔ چنانچہ اس کام کے لئے چندہ کی تحریک کی گئی اور جب کچھ روپیہ جمع ہو گیا تو اینٹیں تیار کرنے کے لئے اپنا بھٹہ بنوایا گیا اور چونکہ بورڈنگ ہاؤس کی زیادہ ضرورت محسوس کی گئی۔ اس لئے مجلس معتمدین نے فیصلہ کیا کہ پہلے بورڈنگ ہاؤس کی عمارت تعمیر کی جائے جس کے خرچ کا اندازہ چالیس ہزار یا اس سے کچھ زیادہ رقم کا تھا مگر چونکہ دس ہزار روپیہ چندہ گذشتہ سال ہو چکا تھا اس لئے حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کے حکم سے بقیہ تیس ہزار روپیہ کی فراہمی کے لئے جناب مولوی محمد علی صاحب ایم اے نے قوم سے اپیل کی جھنرت

---

[1] بدر پرچہ ۱۸ مارچ ۱۹۰۹ء

خلیفۃ المسیح الاولؓ نے اس رقم کی فراہمی کے لئے ایک وفد بھی مقرر فرمایا جس کے ممبر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب، جناب ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب، حضرت مفتی محمد صادق صاحب، جناب خواجہ کمال الدین صاحب، جناب ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب، حضرت شیخ یعقوب علی صاحب اور جناب مولوی محمد علی صاحب تھے۔

اس وفد نے سب سے پہلے قادیان میں اپنا کام شروع کیا۔ سو الحمد للہ کہ احباب قادیان نے اس مبارک کام کے لئے سولہ سو (۱۶۰۰) روپیہ دینے کا وعدہ کیا اور حضرت خلیفۃ المسیحؓ کے چھ سو روپیہ کے چندہ سے جو کل رقم کا پچاسواں حصہ تھا، اس مبارک کام کی ابتدا کی۔[۱]

انعاماتِ الٰہیہ کا ذکر

۱۷ اپریل ۱۹۰۹ء کا ذکر ہے کہ حضور درس القرآن کے لئے مسجد اقصٰی میں تشریف لائے اور حضور نے سورۂ آل عمران کے پانچویں رکوع کا درس دیا۔ اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے اُن انعامات کا ذکر فرمایا ہے جو اس نے حضرت مریم علیہا السلام پر نازل کئے اور بتایا ہے کہ کس طرح اُن کے پیدا ہوتے ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ایسے سامان مہیا کئے کہ جن کے نتیجہ میں ان کی نہایت اعلیٰ درجہ کی تربیت ہوئی اور وہ ایک خدانما وجود اور صدیقہ بن گئیں۔

ان مریمی صفات کے ذکر پر حضور کا ذہن قدرتی طور پر اللہ تعالیٰ کے ان انعامات کی طرف منتقل ہو گیا جو اس نے خود حضور کی ذات والاصفات پر کئے تھے اور حضور نے محبت الٰہیہ کے جذبات سے سرشار ہو کر فرمایا۔

> "میں تمہیں کہاں تک سناؤں۔ سناتے سناتے تھک گیا۔ مگر خدا کی نعمتوں کے بیان کرنے سے میں نہیں تھکتا اور نہ مجھے تھکنا چاہیئے۔ اس نے مجھ پر بڑے بڑے فضل کئے ہیں۔ یہاں ایک اخبار کے ایڈیٹر نے اپنی نظم چھاپی ہے "مجھے معلوم نہ تھا" میں اسے پڑھتا اور سجدہ میں گر گر جاتا۔ چونکہ وہ بہت درد سے لکھی ہوئی تھی اس لئے اس نے میرے دردمند دل پر بہت اثر کیا۔ وہ صوفیانہ رنگ میں ڈوبی ہوئی نظم تھی۔ میں جس بات پر شکر کرتا ہوں وہ یہ تھی کہ خدا مجھ پر وہ وقت لایا ہی نہیں کہ (میں یہ کہوں کہ) "مجھے معلوم نہ تھا" میں نے ہوش سنبھالتے ہی مولوی محرم علی مولوی اسمٰعیل۔ مولوی اسحاق کی کتابوں نصیحۃ المسلمین، تقویۃ الایمان، رویا المسلمین

---

[۱] بدر پرچہ ۱۳ مئی ۱۹۰۹ء۔

وغیرہ کو پڑھا اور اُن سے توحید کا وہ سبق پڑھا کہ ہر غلطی سے بحمد اللہ محفوظ رہا۔ غرض خدا تعالیٰ جن کو نوازتا ہے عالمِ اسباب کو بھی ان کا خادم کر دیتا ہے۔" ؎۱

یہ نظم جس کے متعلق حضور نے فرمایا کہ اس نے میرے دردمند دل پر بہت اثر کیا۔ مکرم قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل کی تھی جو اُن دنوں اخبار بدر کے اسسٹنٹ ایڈیٹر تھے۔ اس نظم کا پہلا شعر یہ تھا کہ

عارضی رنگِ بقا تھا مجھے معلوم نہ تھا ۔۔۔ سُرمۂ چشم فنا تھا مجھے معلوم نہ تھا

مکرم قاضی صاحب اسی سلسلہ میں حضور کی قبولیتِ دعا کا ایک عجیب واقعہ بیان فرماتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں۔

"میں دفتر "بدر" میں حسب معمول ایک دن چارپائی پر لیٹے ہوئے بستر کو تکیہ بنائے اور آگے میز رکھے دفتر ایڈیٹر و مینجر کا فرض بجا لا رہا تھا جو مجھے حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کی ایک چٹ ملی جس پر مرقوم تھا۔

میں نے آپ کیلئے بہت دعا کی ہے اللہ تعالیٰ نعم البدل دے گا۔ ولم اکن بدعائك رب شقیا۔

میں کچھ حیرت زدہ ہوا کیونکہ یہ تو درست بات تھی کہ میرے دو لڑکے یکے بعد دیگرے چالیس دن کے اندر گولیکی (ضلع گجرات) میں فوت ہو چکے تھے جمشید سات اکتوبر ۱۹۰۸ء کو بعمر ۹½ ماہ اور خورشید پلوٹھا ۱۱ نومبر ۱۹۰۸ء کو بعمر ۵ سال ۸ ماہ۔ مگر میں نے حضور کی خدمت میں دعا کی کوئی تحریک نہیں کی تھی۔ آخر معلوم ہوا کہ میری یہ نظم والدہ عبدالسلام مرحوم حضرت اماں جی نے گھر میں ترنم سے پڑھی۔ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ آنکھیں بند کئے لیٹے ہوئے تھے جو ناگاہ اُٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا۔

الحمد للہ۔ مجھے تو معلوم تھا

اماں جی نے بتایا کہ یہ نظم اکمل صاحب کی ہے جو آپ کی شاگرد سکینۃ النساء کے شوہر ہیں۔ بیچاروں کے دو بیٹے یکے بعد دیگرے فوت ہو گئے ہیں حضرت خلیفہ اول رضؓ پر اس کا ایسا اثر ہوا۔ کہ حضور کی توجہ فوراً دعا کی طرف پھر گئی۔ اور اس کے بعد حضور نے مجھے وہ رقعہ لکھا۔ جس کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔

اس کے بعد ۱۹۱۰ء میں میرے ہاں خدا تعالیٰ کے فضل سے لڑکا تولد ہوا۔

؎۱ درس القرآن صفحہ ۵۹۔

جس کا نام آپ نے عبدالرحمٰن رکھا (جنید ہاشمی بی-اے) اور پونے تین سال بعد ۱۳ٔ؁
میں دوسرا لڑکا تولد ہوا جس کا نام آپ نے عبدالرحیم رکھا (شبلی۔ ایم کام) اور اس طرح
آپ کی دعا کی قبولیت کا ہم نے نظارہ دیکھا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

قبولیتِ دُعا کا ایک اَور واقعہ

مکرم قاضی صاحب نے حضرت خلیفۃ اول رضی اللہ عنہ کی قبولیتِ دُعا کے واقعات کے سلسلہ میں ایک اور واقعہ بھی بیان کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

"لکھنؤ کے شیخ محمد عمر صاحب لاہور میڈیکل میں پڑھتے تھے (جو بعد میں ڈاکٹر محمد عمر صاحب کے نام سے سلسلہ احمدیہ کے ایک مخلص نامور ممبر جناب بابو عبدالحمید صاحب ریلوے آڈیٹر لاہور کے داماد ہوئے) طبیعت ابتدا ہی سے آزاد پائی تھی۔ کسی کے سامنے جھکتے نہ تھے۔ بلحاظ وضع قطع اور انداز گفتگو وہ کچھ نہ تھے جو باطن میں تھے۔ صوم وصلوٰۃ کے پابند، تہجد خوان، مہماں نواز، غربا، مریضوں کے ہمدرد، وہ حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کی خدمت میں دُعا کے لئے حاضر ہوتے تھے۔ ان کی میڈیکل استادوں اور سربراہ سے نہیں بنتی تھی اور وہ سمجھتے تھے کہ مجھے کوئی نہ کوئی نقص نکال کر فیل کر دیا جاتا ہے۔ جب دو سال متواتر فیل قرار دئے گئے۔ تو دیدہ ودانستہ حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کے جذبات کو برانگیخت کرنے کے لئے اُن کی محفل میں مجھے مخاطب کرتے ہوئے واشگاف غیر مومنانہ الفاظ میں کہنے لگے "خدایا تو ہے ہی نہیں یا ہے تو میڈیکل ممتحنین کے سامنے اس کی پیش نہیں جاتی"۔ حضرت مولوی صاحب رضی اللہ عنہ نے سُن لیا اور آنکھیں اُوپر اُٹھا کر فرمایا

"بَلا جی!"

(یعنی اچھا جی!) اور پھر اپنے مطب کے کام میں مشغول ہو گئے۔

اسی سال محمد عمر صاحب ڈاکٹر بن گئے اور کامیاب قرار پائے۔ میرے پاس آئے کہ اب یہ خبر کس طرح پہنچاؤں اور کس منہ سے حاضر خدمت ہوں۔ میں نے کہا۔ چلو چلتے ہیں۔ میں نے بیٹھتے ہی عرض کر دیا کہ محمد عمر پاس ہو گئے۔ آپ نے

اُن کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

دیکھا میرے قادر خدا کی قدرت نمائی!

انعام خلافت کے لئے کونسا عمل ضروری ہے؟

"انعامات الٰہیہ" کا ذکر ہو رہا تھا۔ اس کے ساتھ ایک ملتا جلتا اَور واقعہ بھی عرض کئے دیتا ہوں

حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ عنہ "ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد" کے عنوان کے ماتحت لکھتے ہیں:۔

"ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ فرما رہے تھے کہ نجات خدا کے فضل پر موقوف ہے مگر اس کے فضل کے جاذب اعمال صالحہ ہیں پس نجات کے لئے ایمان کے ساتھ عمل صالحہ بھی ضروری چیز ہے۔ عیسائی اس نکتہ کو نہیں سمجھتے۔ اسی سلسلہ میں مَیں نے ایک سوال دریافت کیا کہ خلافت کے لئے کونسا عمل ہے؟ فرمایا۔ خلافت تو نبوت کی نیابت کا نام ہے اور یہ دونوں وہبی ہیں۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ اس فضل الٰہی کی جاذب خدمتِ بنی نوعِ انسان ہے اور یہ جذبہ بدءِ شباب سے میرے اندر موجود ہے کہ بلا لحاظ فرق و ملل، مُلک و قوم بنی نوع انسان کی خدمت کروں اور عام فیض پہنچاؤں جو علمی رنگ میں بھی ہو اور عملی رنگ میں بھی"

حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں۔

"یہ میرے الفاظ ہیں۔ اس وقت غالباً میں نے کسی مضمون میں لکھ بھی دیا تھا غرض "ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد" کا قول درست ہے اور ہر ایک بنی نوع انسان کا خادم مومن مسلم اپنے اپنے دائرہ عمل و قابلیت و ضرورتِ حقہ کے مطابق اس کا اجر پاتا ہے اور کسی نہ کسی رنگ میں لوگوں کا مخدوم بن جاتا ہے۔" [1]

خدمتِ خلق کے واقعات

اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ خدمتِ خلق کا جو جذبہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ میں پایا جاتا تھا، دُنیا میں بہت کم ایسی مثالیں پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ اس ضمن میں دو واقعات جو ہیں تو ریاست جموں و کشمیر کے زمانہ کے، لیکن چونکہ مجھے اس وقت موصول ہوئے ہیں جبکہ اس حصہ کی کتابت ہو چکی ہے اس لئے انہیں یہاں ہی درج کیا جاتا ہے۔

۱۔ حکیم خادم علی صاحب (سیالکوٹ کے ایک مشہور طبیب ہیں۔ حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب

---

[1] الفضل ۲۰ جون ۱۹۳۹ء صفحہ ۶

اُن کے استاد کے استاد تھے) نے مکرم شیخ رحمت اللہ صاحب شاکر سے بیان کیا کہ

"ایک دفعہ (آدھی رات کے بعد) مہاراجہ کشمیر کی طبیعت علیل ہو گئی اور مہاراجہ نے حضرت مولوی صاحب کے پاس اپنا ملازم بھیجا۔ جس نے آپ سے کہا کہ مہاراج کی طبیعت خراب ہے، آپ کو یاد کیا ہے۔ اسی وقت ایک مہترانی بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا کہ میرا خاوند بہت بیمار ہے۔ پیٹ میں درد ہے اور پاخانہ بھی نہیں آتا خدا کے لئے چلیں اور اسے دیکھ لیں یہ کہہ کر وہ زار و قطار رونے لگی۔ آپ نے مہاراج کے ملازم سے کہا۔ تم چلو۔ میں اس کو دیکھ کر مہاراج کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں۔ ملازم نے کہا

"چوڑھا پہلے، مہاراج پیچھے۔ اور جو ہاتھ چوڑھے کو لگائیں گے وہی مہاراج کو بھی لگائیں گے"

آپ نے فرمایا۔ اس کی تکلیف زیادہ ہے۔ میں اس کو دیکھ کر مہاراج کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں۔ ملازم چلا گیا۔ شاید مہاراج سے شکایت بھی کی ہو گی۔ حضرت مولوی صاحب چوڑھے کے گھر گئے۔ اسے درد قولنج تھا۔ آپ نے اس کو انیمہ کیا۔ اسے پاخانہ آگیا اور درد جاتا رہا۔ ہوش آئی اور آنکھیں کھولیں۔ اس کے دل سے دعا نکلی۔

"پرمیشور تینوں سکھی رکھے تے اوہنوں وی جو تینوں ایتھے لیایا اے"

یعنی خدا تجھے خوش رکھے اور اسے بھی جو تجھے یہاں لایا ہے۔

آپ فرمانے لگے۔ مجھے یقین ہو گیا کہ اس کے دل سے یہ دعا نکلی ہے اور وہ قبول ہو گئی ہے اور مہاراج ضرور اچھے ہو گئے ہوں گے۔ اس سے فارغ ہو کر آپ مہاراج کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مہاراج انتظار کر رہے تھے۔ کہنے لگے۔ بہت دیر لگائی آپ نے مہاراج کو ساری بات سنائی اور کہا کہ چوڑھے کے دل سے دعا نکلی تھی تو مجھے یقین ہو گیا تھا کہ مہاراج اچھے ہو گئے ہیں۔ مہاراج نے کہا۔ اب میری طبیعت بہتر ہے۔ پھر کہا طبیب کو ایسا ہی ہونا چاہیئے اور دو سونے کی چوڑیاں تحفۃً دیں۔ آپ نے اس ملازم کو بلایا جو آپکو بلانے گیا تھا۔ وہ بھی پاس بیٹھا ہوا تھا۔ آپ نے ایک چوڑی اس کو دی۔ وہ کہنے لگا۔ آپ مجھے کیوں دے رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس میں تمہارا بھی حصہ ہے۔ اگر تم مہاراج

کے پاس میری شکایت نہ کرتے تو یہ انعام مجھے نہ ملتا۔"[۵]

۲۔ مکرم عبدالغفور صاحب سکرٹری انجمن احمدیہ درگانوالی ضلع سیالکوٹ نے اپنے ایک معمّر غیر احمدی رشتہ دار کی جو دو سال حضرت خلیفہ اولؓ کی خدمت میں جموں رہے تھے، مندرجہ ذیل روایت الفضل میں شائع کروائی تھی۔ اس روایت سے بھی حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کے جذبہ غربا پروری اور خدمت خلق پر عجیب روشنی پڑتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"کشمیر میں مہاراجہ امر سنگھ صاحب حکومت کرتے تھے۔ اور آپ اُن کے یہاں شاہی طبیب تھے۔ درباری مصروفیات کے علاوہ آپ کو جب کبھی موقع ملتا۔ غریب مریضوں کا اپنی خداداد حکمت و قابلیت سے علاج کرتے اور مفت کرتے۔ آپ کی غریب نوازی کا دائرہ یہاں تک ہی محدود نہ تھا اور بیسیوں طریقے آپ نے اختیار کر رکھے تھے جن سے محتاجوں کی حاجت براری ہوا کرتی تھی۔ چنانچہ ایسا ہوتا کہ روز کئی امیدوار اپنی عرضیاں سفارش کے لئے لاتے۔ آپ نہ صرف سفارش کرتے بلکہ مہاراجہ صاحب سے منظور کروا دیتے۔

ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ یکے بعد دیگرے آٹھ امیدوار اپنی عرائض سفارش کی غرض سے لائے۔ آپ نے اُن کی دلشکنی نہ کی بلکہ ہر ایک سے یہی فرمایا کہ میں تمہاری عرضی رکھ لیتا ہوں۔ صبح مہاراجہ صاحب کے پیش کر کے تمہیں اطلاع دوں گا۔ دوسرے روز حسب معمول آپ دربار میں گئے اور اچھا موقعہ پا کر ایک عرضی مہاراجہ صاحب کے پیش کر دی۔ مگر مہاراجہ صاحب نے عرضی نامنظور کر دی۔ آپ نے دوسری پیش کر دی۔ وہ بھی قبولیت کا درجہ حاصل نہ کر سکی۔ حتیٰ کہ آپ نے سات عرضیاں پیش کیں اور ساتوں کا یہی حشر ہوا۔ لیکن آپ بالکل مایوس نہ ہوئے۔ بالآخر آٹھویں بھی پیش کر دی۔ مہاراجہ صاحب آپ کی مستقل مزاجی سے حیران رہ گئے۔ اور آپ سے اس طرح مخاطب ہوئے کہ مولوی صاحب! کوئی ایسا شخص میری نظر سے آجتک نہیں گذرا جسے سات بار ناکامی ہوئی ہو اور اس نے اپنا قدم ذرہ بھر بھی پیچھے نہ کیا ہو۔ مگر آپ نے اپنی تعریف کا سننا گوارا نہ کیا اور مہاراجہ صاحب کو یہ کہہ کر ٹال دیا کہ چونکہ میں عرائض کنندگان سے وعدہ کر چکا تھا کہ تمہاری عرضیوں کو ضرور

---

[۵] "الفضل" پرچہ ۱۱ اپریل ۱۹۵۴ء صفحہ ۲

مہاراجہ صاحب کے پیش کر دوں گا۔ اس لئے اس فریضہ کو ادا کیا ہے۔ مہاراجہ صاحب اس جواب سے اور زیادہ محظوظ ہوئے۔ اور آٹھوں عرضیوں کو منظور کر لیا" [1]

حضرت میر ناصر نواب صاحب کے مبارک کام۔ ۲۴ر جون ۱۹۰۹ء

حضرت میر ناصر نواب نے "بدر" مورخہ ۲۴ر جون ۱۹۰۹ء میں اس امر کا اعلان کیا کہ قادیان کی بڑھتی ہوئی ضروریات کے پیش نظر چار قسم کی عمارات کی اشد ضرورت ہے اور اس ضرورت کو حضرت خلیفۃ المسیح نے بھی تسلیم فرما کر اپنی جیب خاص سے دوصد ساٹھ (۲۶۰) روپیہ چندہ بھی عطا فرمایا۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔ بہرحال وہ تعمیرات یہ ہیں:۔

۱۔ مسجد جو بورڈنگ ہاؤس کے قریب تعمیر ہوگی جس پر کم و بیش پانچہزار روپیہ خرچ آئے گا۔ یہ وہی مسجد ہے جو بعد میں "مسجد نور" کے نام سے مشہور ہوئی۔

۲۔ مردانہ ہسپتال جو بعد میں "نور ہسپتال" کے نام سے مشہور ہوا۔ اس پر بھی پانچہزار سے زائد خرچ کا اندازہ کیا گیا۔

۳۔ ایک زنانہ ہسپتال جس کا نام "ام المومنین وارڈ" تجویز کیا گیا اور اس کے خرچ کا اندازہ بھی کم و بیش پانچہزار روپیہ لگایا گیا۔

۴۔ دار الضعفا۔ یعنی غریبوں کی چند جھونپڑیاں جو غریب مہاجرین کے آرام کیلئے بنائی جائیں گی۔

یہ چار کام تھے جن پر بیس ہزار روپیہ خرچ کا اندازہ تھا۔ اس چندہ کی رقم کو فراہم کرنے کے لئے حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ کو ملک کے طول و عرض میں دورہ کرنا پڑا۔ اور جس کوشش، تندہی اور مستعدی سے میر صاحب موصوف نے یہ چندہ جمع کیا اور مذکورۃ الصدر عمارات کو مکمل کیا، یہ آپ ہی کا حصہ تھا۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ ام المومنین وارڈ کوئی الگ عمارت نہیں بنائی گئی بلکہ نور ہسپتال کے ایک حصہ ہی میں عورتوں کے علاج کی بھی سہولتیں فراہم کی گئیں۔

حضرت میر صاحب کے چندہ فراہم کرنے کے واقعات کا اندازہ کسی قدر "حیات ناصر" سے لگ سکتا ہے اور یا پھر شیخ عبداللطیف صاحب بٹالوی کی اس روائت سے لگ سکتا ہے جو پیچھے درج ہو چکی ہے۔

دربار خلافت کا ایک منظر۔ جولائی ۱۹۰۹ء

۱۹۰۹ء کے واقعات کے تسلسل میں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ "دربار خلافت کا ایک منظر" حضرت شیخ

[1] "الفضل" پرچہ ۳۰ نومبر ۱۹۲۳ء صفحہ ۹

یعقوب علی صاحب عرفانی کے قلم سے احباب کی خدمت میں پیش کر دیا جائے۔ اس منظر کے مطالعہ سے حضور کے اخلاق عالیہ اور شمائل و اوصاف پر نہایت دلچسپ روشنی پڑتی ہے۔ محترم عرفانی کبیر لکھتے ہیں:۔

"قادیان میں باہر سے جب کوئی شخص آتا ہے اور حضرت خلیفۃ المسیحؓ کو اس کی آنکھیں تلاش کرتی ہیں تو وہ اس کے دربار میں پہنچ کر سخت حیران ہوتا ہے۔ جب دیکھتا ہے کہ معمولی چٹائیوں کے فرش پر بہت سے لوگ بیٹھے ہیں وہ سب کے سب نہایت بے تکلفی اور سادگی سے بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان میں بظاہر کسی قسم کا امتیاز مسند و پائیں کا نظر نہیں آتا۔ وہ اتنا تو دیکھتا ہے کہ ایک وجیہہ، پُرہیبت اور پُرنور بُوڑھا اُن میں موجود ہے مگر اس کا لباس، نشست و برخاست، اس کا اپنے خدام سے انداز گفتگو ایسا نہیں جس سے وہ سمجھ سکے کہ یہ نورانی وجود مسند خلافت پر بیٹھا ہوا ہے۔ وہ نہایت سادگی اور بے تکلفی کے ساتھ مریضوں کے ہجوم کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور ہر قسم کے مَیلے کچیلے اور بدبودار کپڑے پہنے ہوئے مریضوں کی تشخیص کرتا اور انہیں علاج بتاتا ہے۔ انہی میں سے بعض ایسے ہوتے ہیں جو کوئی قسم کے مذہبی سوال کرتے ہیں اور ان کا جواب بھی وہ اسی مونہہ سے سنتے ہیں۔ تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ جس وجود کو آنکھیں ڈھونڈ رہی تھیں وہ یہی ہے۔ اس وقت دیکھنے والے کا تعجب اَور بھی بڑھ جاتا ہے اور اسے دربار خلافت کا نقشہ نظر آجاتا ہے۔

ہمارا خلیفہ اور موجودہ امام نہایت سادہ مزاج اور نہایت ہی بے تکلف امام ہے۔ وہ ادنیٰ سے اعلیٰ کے ساتھ ایسے طور پر کلام کرتا ہے کہ ہر شخص یقین کرتا ہے کہ جو محبت اور بے تکلفی اس کے ساتھ ہے شائد کسی اَور کے ساتھ نہ ہو مگر یہ غلطی ہے وہ سب کے ساتھ وہی ہمدردی اور محبت رکھتا ہے۔ اس کی اندرونی اور بیرونی نشست میں سادگی ہی سادگی ہے۔ اس کے کھانے میں، اس کے پہننے میں بھی سادگی ہے غرض اس کو عام لوگوں میں سے جو چیز ممتاز کرتی ہے وہ اس کا پُرشوکت نُورانی چہرہ اور اس کی عام ہمدردی اور خدمتِ دین ہے جس میں تمام وقت مصروف رہتا ہے۔"[1]

---

[1] الحکم پرچہ ۷ جولائی ۱۹۰۹ء صفحہ ۱۰

مسجد احمدیہ بھیرہ

حضرت حاجی الحرمین سیدنا حکیم نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاول رضؓ کا جو مکان بھیرہ میں تھا جب اسے آپ نے مسجد بنانے کے لئے ہبہ کر دیا تو بعض پڑوسی شرکاء نے اسے شرارت سے تعبیر کیا۔ اس کا جو جواب آپ نے ایک مولوی صاحب کو دیا وہ درج ذیل کیا جاتا ہے

"حضرت مولوی صاحب! یہ خاکسار ہمیشہ بدل شرارت سے بہت متنفر ہے کہ شرارت کا خیال دل میں نہیں لاتا۔ میرا باپ اور دادا بھی شرارت کو بُرا جانتے تھے۔ یہ میرا علم ہے جس کو عرض کیا ہے۔ اللہ تعالٰے رحیم، کریم اصل حال سے واقف ہے اور کون جانے آپ کو میری صحبت، میرے بھائیوں کی صحبت نہیں رہی۔ وہ لوگ شرارت پسند نہ تھے میری ماں، میری دادی، میری بہنیں، بس جہاں تک مجھے علم ہے سب شرارت سے متنفر تھے۔ والحمد للہ میں بدل لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا قائل ہوں۔ نماز پڑھتا ہوں۔ روزہ رکھتا ہوں۔ زکوٰۃ دیتا ہوں۔ حج دو بار کیا ہے۔ ہزاروں کو قرآن شریف سنایا اور قرآن کریم کی طرف بلایا۔ الحمد للہ رب العالمین۔ اس وقت میرے لاکھوں مرید ہیں۔ سب قریشی۔ مغل۔ پٹھان۔ شیخ۔ کسی کو شرارت کی تعلیم نہیں کرتا۔ ہماری جماعت نسبتاً شر سے بچتی ہے۔ اپنا نقصان کر لیتے ہیں مگر شر سے پرہیز رکھتے ہیں۔ ہاں سب ایک جیسے نہیں مگر نسبتاً پابند صلوٰۃ۔ زکوٰۃ وصوم وغیرہ ہیں۔ میرے ساتھ جب بھیرہ والوں نے شرارت کی۔ اکثر نمازیں مکان پر پڑھتا تھا اور مسجد کو شرارت گاہ نہ بنایا۔ من اظلم ممن منع مساجد اللّٰہ ان یذکر فیھا اسمہٗ۔ ہر وقت سامنے رہتا ہے۔ ہماری جماعت کے لوگ نماز کرنے مسجد میں نہیں جاتے تھے۔ لڑنے کو نہ جاتے تھے۔ بار بار ان کو لوگوں نے مارا۔ چوری کے الزام لگائے۔ ہم ہمیشہ صبر سکھاتے رہے۔ جب شرارت حد سے بڑھنے لگی تو شرارت کے خوف سے اپنی مسجد بنالی اور لکھ دیا کہ کسی کو مت روکو۔ آپنے اس کا نام شرارت رکھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کی لڑکیاں ہماری لڑکیاں ہیں۔ ہمیں پردہ کا خود خیال ہے۔ آپ ہرگز فکر نہ فرماویں۔ یہ مسجد ضرار وتفریق کیلئے نہیں بلکہ ضرر سے بچنے، صلح کے رکھنے کے واسطے آخر الحیل تجویز کی ہے۔ آپنے ہمارا ایک مشترکہ مکان بدوں ہماری اطلاع کے باوجودیکہ ہم بحمد اللہ مفلس نہیں تھے، خرید فرمایا۔ کیا یہ صلح ہے اور شرارت سے پرُ نہیں۔ لاالٰہ الا اللّٰہ

محمد رسول اللہ۔ آپ خوب غور کریں۔ ہم نے مسجد کا راستہ ایسا نہیں کھا کہ۔۔ بے پردگی ہو۔ ہاں آپ ہمیں بتادیں کہ ہم کیا کریں مسجد تو آپ لوگوں اور آپ کے فتووں نے ہم سے لی۔ اب ہم اپنا مکان مسجد بنادیں تو ہم شریر! آہ! یہ اسلام ہے۔ سوچو اور کسی بھلے مانس مسلمان سے مشورہ فرما کر جواب دو۔ باقی رہی برادری۔ سو آپ خود اس کا انصاف فرمادیں۔ اتنا کہوں گا کہ آپ قریشی ماننے ہوئے ہیں۔ اور ہم جو ہیں سو ہیں۔ اس پر بھی انصاف آپ پر ہے۔

مولوی صاحب! اتنا بڑا سہ منزلہ عظیم الشان باپ دادا کا مکان کوئی ضائع کرتا ہے۔ . . . شرارت سے بچنے کے لئے جب کوئی راہ امن اور ضرر اور تفریق سے بچنے کے لئے نظر نہیں آتی تو یہ تجویز سمجھ میں آئی۔ آپ چاہتے ہیں کہ ہماری جماعت متفرق ہو جائے۔ گویا اس محلہ میں ہم لوگ اللہ کا نام بھی نہ لیں۔ اللہ۔ اللہ! ثم اللہ اللہ! کچھ خوف بھی ہے اور پھر ہم شریر۔ فاللہ خیر حافظاً وھو ارحم الراحمین۔ میں کیا عرض کروں آپ کی عمر میرے سے زیادہ ہے۔ آپ کے بھائی آپ سے چھوٹے تھے۔ وہ فوت ہو گئے میں نے مرنا ہے۔ یہ مکان اور مکانات ہمارے ساتھ کوئی نہ جاویگا۔" [1]

اس چٹھی سے علاوہ مسجد کے اَور بھی بہت سی باتوں کا علم ہوتا ہے مگر بخوفِ طوالت ان کے ذکر سے اجتناب کرتے ہوئے ہم انہیں احباب کے غور و فکر پر چھوڑتے ہیں۔

واقفینِ زندگی، مخلص واعظین اور باخدا علماء کے حصول کی تڑپ (اگست ۱۹۰۹ء)

اسی سال کا واقعہ ہے کہ مدیر الحکم ایک سفر پر جا رہے تھے وہ اجازت کے لئے حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مقامی جماعت کے نام کوئی پیغام مرحمت فرمائیں حضور نے فرمایا:۔

"میرا پیغام تو ایک ہی ہے خدا سے ڈر اور پھر کچھ کر"

اسی سلسلہ میں فرمایا:۔

"مجھے تو عملی حالت کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ بس یہی پیغام ہے جس کو چاہو دے دو"

بالآخر آپ نے مندرجہ ذیل الفاظ لکھ کر عنایت فرمائے جو جماعت کے لئے ایک مستقل لائحہ عمل کی حیثیت رکھتے ہیں فرمایا۔

قوم میں دین کو دنیا پر مقدم کرنیوالے مطلوب ہیں جن کو دنیا کی پروا بھی نہ ہو۔

---

[1] بدر پرچہ ۵ اگست ۱۹۰۹ء

جب مقابلہ دین و دنیا کا آکر پڑے۔ باہمت واعظ مطلوب ہیں جو اخلاص و صواب سے وعظ کریں، عاقبت اندیش صرف اللہ پر بھروسہ کرنیوالے۔ دعاؤں کے قائل اور علم پر نہ گھمنڈ کرنیوالے علماء مطلوب ہیں جن کو فکر لگی ہو کہ کیا کیا جائے کہ اللہ راضی ہو جائے اور ایسے اکسیر لوگ کم نظر آتے ہیں۔ فما اشکوا الا الی اللہ۔"[1]

بارش بند ہونے کی دُعا

محترم چوہدری غلام محمد صاحب بی اے کا بیان ہے کہ

"۱۹۰۹ء کے موسم برسات میں ایک دفعہ لگاتار آٹھ روز بارش ہوتی رہی۔ جس سے قادیان کے بہت سے مکانات گر گئے حضرت نواب محمد علیخاں صاحب مرحوم نے قادیان سے باہر نئی کوٹھی تعمیر کی تھی وہ بھی گر گئی۔ آٹھویں یا نویں دن حضرت خلیفۃ المسیح اول نے ظہر کی نماز کے بعد فرمایا کہ میں دُعا کرتا ہوں آپ سب لوگ آمین کہیں۔ دعا کرنے کے بعد آپ نے فرمایا کہ میں نے آج وہ دعا کی ہے جو حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ساری عمر میں صرف ایک دفعہ کی تھی۔ دعا کے وقت بارش بہت زور سے ہو رہی تھی اس کے بعد بارش بند ہو گئی اور عصر کی نماز کے وقت آسمان بالکل صاف تھا اور دھوپ نکلی ہوئی تھی۔"[2]

خانصاحب حضرت منشی فرزند علی خاں کی جماعت میں شمولیت۔ ۳۱ جولائی ۱۹۰۹ء

انجمن احمدیہ فیروزپور نے ۳۱ جولائی اور یکم اگست ۱۹۰۹ء کو دو روز کے لئے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جلسہ کیا جس میں صدارت کے فرائض خاں صاحب منشی فرزند علی صاحب[4] نے سرانجام دیئے۔ اس جلسہ میں آپ نے اعلان کیا کہ

"میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب کو مسیح موعود و مہدی معہود جان کر جماعت احمدیہ میں داخل ہوتا ہوں۔"[3]

اس کے بعد آپ نے صداقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے موضوع پر ایک لطیف تقریر کی۔ جس کے

---

[4] **حاشیہ** حضرت خانصاحب مرحوم کا نام آنے پر ایک واقعہ یاد آگیا۔ چونکہ اس واقعہ کا بھی سلسلہ کی تاریخ سے تعلق ہے اس لئے اس کا یہاں ذکر کر دینا نہایت مناسب اور ضروری ہے۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ ۲۹ جولائی ۱۹۶۲ء کو اخویم محترم ملک عبداللطیف صاحب سٹنگوہی سکرٹری اصلاح وارشاد جماعت احمدیہ لاہور اور خاکسار تربیتی و اصلاحی دورہ پر قصور گئے۔ وہاں ایک احمدی بزرگ بابا امیر الدین صاحب سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے ہمارے دریافت کرنے پر فرمایا کہ "میں فیروزپور کا باشندہ ہوں ۱۸۸۲ء میں میری پیدائش ہوئی جب حضرت

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

[1] الحکم ۲۸ اگست ۱۹۰۹ء صفحہ ۱۰ [2] "اصحاب احمد" جلد ہشتم صفحہ ۱۰۴ [3] بدر ۱۲ اگست ۱۹۰۹ء

دوران میں فرمایا کہ

"میں نے ایک دفعہ شیخ نجم الدین صاحب افسر مال فیروزپور سے دریافت کیا کہ مرزا صاحب کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔ تو شیخ صاحب نے فرمایا کہ ہمارے خاندانی پرانے تعلقات مرزا صاحب سے ہیں اور ہمیں ان کے حالات سے بخوبی آگاہی ہے اگرچہ مرزا صاحب کا دعویٰ میری سمجھ میں نہیں آیا تاہم میں جانتا ہوں کہ وہ راستباز ہیں اور کبھی جھوٹ بولنے والے یا افترا کرنیوالے نہیں ہیں۔ اس شہادت نے میرے دل پر بہت اثر کیا کیونکہ یہ (شہادت) ایک غیر احمدی کی طرف سے ہے۔"

آگے "بدر" لکھتا ہے کہ

"شیخ صاحب موصوف (یعنی شیخ نجم الدین صاحب افسر مال۔ مؤلف) اس جلسہ میں اس تقریر کو سُن رہے تھے۔ بعد اختتام جلسہ انہوں نے اقرار کیا کہ جو کچھ منشی فرزند علی صاحب نے میرے متعلق کہا ہے۔ یہ بالکل درست ہے۔ بیشک میری یہی رائے اور علم ہے۔" [1]

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئی سے خائف ہو کر ڈپٹی عبداللہ آتھم مارا مارا پھر رہا تھا آخر میں اپنے داماد میاداس (عیسائی) جہتم انہار کے پاس فیروزپور آیا۔ میرا بڑا بھائی امام دین میاداس کی کوٹھی میں مالی کے طور پر کام کرتا تھا۔ اور میں اس کی روٹی لے کر جایا کرتا تھا اور اس سے چوری چھپے کوٹھی کے ملازموں کے پاس جا کر حقہ پیا کرتا تھا۔ ان ایام میں روزانہ اندر سے رونے اور چیخنے کی آوازیں آیا کرتی تھیں کہ ہائے مر گیا۔ مرزے نے مجھے ہلاک کرنے کے لئے میرے پیچھے سانپ اور بچھو چھوڑ رکھے ہیں تلواروں والے میرے سر پر کھڑے رہتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ باہر پولیس کا پہرہ رہتا تھا میں نے کوٹھی کے پہریداروں سے پوچھا کہ اندر کون چلاتا ہے۔ انہوں نے کہا۔ اندر میاداس کا خسر ڈپٹی عبداللہ آتھم ہے۔ اس کا پٹی کے مرزوں کے ساتھ مقابلہ ہوا ہے اور یہ پھٹڑ (زخمی) ہو کر آیا ہے (نوٹ از مؤلف پٹی کے مرزوں کا ذکر ان ملازموں نے اس لئے کیا کہ پٹی چونکہ مغلوں کا مشہور قصبہ تھا اور وہ لوگ اَن پڑھ تھے۔ اس لئے وہ یہی سمجھتے تھے کہ مرزے صرف پٹی ہی میں رہتے ہیں)

بابا امیر الدین صاحب نے بیان کیا کہ اس واقعہ کے کئی سال بعد جب حضرت مولوی فرزند علی خاں صاحب حج کیلئے جانے لگے تو مجھے حضرت اقدس کی کتاب "انجام آتھم" مطالعہ کے لئے دی اور یہ بھی کہا کہ میں خانہ کعبہ میں آپ کے لئے دعا بھی کروں گا۔ جب میں نے ڈپٹی عبداللہ آتھم والا واقعہ کتاب مذکور میں پڑھا تو مجھ پر بہت اثر ہوا۔ کیونکہ میں اس واقعہ کا عینی شاہد تھا۔ گو اس وقت مجھے اس کی حقیقت کا پورا علم نہ تھا۔ مگر جب جوانی کی عمر میں یہ واقعہ کتاب میں پڑھا تو حضرت اقدس کی صداقت گھر کر گئی اور حضرت مولوی قدرت اللہ صاحب سنوری کے ذریعہ ۱۹۱۹ء میں سفیدوں ریاست جیند کے مقام پر بیعت کا خط لکھ دیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

بابا امیر الدین صاحب نے یہ بھی بیان کیا کہ فیروزپور میں جماعت احمدیہ کے پاس جو مسجد تھی وہ بھی میرے تایا فیض بخش کے لڑکے منشی کریم الٰہی میونسپل کمشنر نے دی تھی۔ اس کا بھائی فضل الٰہی عیسائی ہو گیا تھا اور احمدی چونکہ عیسائیوں کا خوب مقابلہ کرتے تھے۔ اس لئے حضرت خانصاحب منشی فرزند علی صاحب کو اس نے اپنی مسجد دے دی تھی اور سرکاری طور پر بھی جماعت احمدیہ کے نام منتقل کروا دی تھی۔ فیروزپور کے مولویوں نے اُسے بہت ورغلایا تھا۔ مگر اس نے اُن کی ایک نہ سُنی۔ (نوٹ۔ بابا امیر الدین صاحب کے اس بیان کی تصدیق اخبار بدر پرچہ ۱۱؍۱۸ صفحہ ۲ سے بھی ہوتی ہے۔ مؤلف)

---

[1] "بدر" پرچہ ۱۲؍اگست ۱۹۰۹ء

حضرت شیخ عبد الرب صاحب کا قبول اسلام ۔ ۲۹ر اگست ۱۹۰۹ء

حضرت شیخ عبد الرب صاحب جن کا پہلا نام شورام داس تھا، حویلی بہادر شاہ ضلع جھنگ کے باشندہ تھے مگر اپنے والد محترم لالہ چانن داس صاحب سب انسپکٹر پولیس کے ہمراہ لائل پور میں مقیم تھے۔ آپ کے والد صاحب نے آپ کو تجارت کا کام سکھانے کے لئے محترم شیخ محمد حسین صاحبؓ مرحوم و مغفور کی فرم میں ملازم کروا دیا۔ اُس زمانہ میں چونکہ لائل پور میں کوئی مسجد احمدیہ نہیں تھی۔ اس لئے احمدی احباب محترم شیخ صاحب موصوف کے پاس ہی نمازوں کی ادائیگی کے لئے جمع ہوا کرتے تھے۔ ان لوگوں کی روحانی مجلس اور سوز و گداز سے لبریز دعاؤں اور کاروبار میں صادقانہ رنگ کو دیکھ کر محترم شیخ عبد الرب صاحب مرحوم پر خاص اثر ہوا۔ اور انہوں نے چھپ چھپ کر نمازیں بھی پڑھنا شروع کر دیں۔ اتفاق سے ایک ہندو نے آپ کو نماز پڑھتے دیکھ لیا۔ بس پھر کیا تھا۔ والد محترم کی پوزیشن کی وجہ سے شہر میں شور پڑ گیا۔ فرم کے پروپرائٹر محترم شیخ محمد حسین صاحب اس روز امرتسر تشریف لے گئے تھے پیچھے دکان کے ایک کارندہ نے آپ کو آپ کے ایک نزدیکی چچا کے حوالے کر دیا۔ آپ کے والد ماجد ان ایام میں لائل پور سے باہر کسی جگہ ڈیوٹی پر تھے۔ آپ کا چچا انہیں تار دینے کے لئے تار گھر گیا۔ پیچھے شیخ عبد الرب صاحب نے خیال کیا کہ ان لوگوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کا اب یہی ذریعہ ہے کہ قادیان چلے جائیں۔ چنانچہ آپ بیان فرمایا کرتے تھے کہ میں جب اسٹیشن کی طرف جا رہا تھا تو چچا صاحب تار دے کر واپس آ رہے تھے۔ میں ڈرا کہ اب پکڑا جاؤں گا۔ مگر خدا کی قدرت کہ میں انہیں نظر ہی نہ آیا۔ اسٹیشن پر پہنچکر بٹالہ کا ٹکٹ لیا۔ اور قادیان پہنچکر حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کر لی۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ [1]

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کے عہد میں اہل قادیان کی عملی زندگی کے چند واقعات

اب ہم اس زمانہ کے اہل قادیان کی عملی زندگی کے چند واقعات درج کرتے ہیں تا آنیوالی نسلیں یہ اندازہ لگا سکیں کہ مسیح پاک اور حضور کے خلیفہ اول کی تربیت کے نتیجہ میں جماعت اور خصوصاً

---

* حاشیہ ۔ یہ امر خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ لائل پور کے مشہور مالکان کارخانہ جات شیخ محمد اسمٰعیل، شیخ مولا بخش اور شیخ میاں محمد صاحبان بھی چونکہ احمدی تھے اور اکثر نمازیں با جماعت ادا کرنے کے لئے محترم شیخ میاں محمد حسین صاحب کے پاس آیا کرتے تھے اس لئے آپ کے اسلام قبول کرنے کا ان کی تجارت پر یہ اثر پڑا کہ ہندوؤں نے جو غلہ منڈی پر چھائے ہوئے تھے ان لوگوں کے ہاتھ غلہ فروخت کرنا بند کر دیا اور اس کام میں انہوں نے اس قدر شدت اختیار کی کہ تین دن تک شہر میں اور دس دن تک غلہ منڈی میں مکمل ہڑتال رہی۔ آخر اس شرط پر صلح ہوئی کہ شیخ صاحبان ہمیشہ ہمیش کے لئے گوشالہ فنڈ ادا کیا کریں گے چنانچہ آفرین ہے ان لوگوں پر کہ انہوں نے ایک سعید روح کو کفر کے گڑھے سے نکالنے کے لئے یہ شرط منظور کر لی اور تقسیم ملک تک بھی یعنی ۱۹۴۷ء تک برابر گوشالہ فنڈ ادا کرتے رہے۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔

---

[1] مفصل حالات کے لئے دیکھئے بدر پرچہ ۲ر ستمبر و ۲۳ر ستمبر ۱۹۰۹ء

ساکنین قادیان کس حد تک اخلاقی لحاظ سے ترقی کر چکے تھے۔ایک عینی شاہد کا بیان ہے کہ

۱۔ "پچھلے جلسہ سالانہ کے موقع پر چند باتیں میں نے وہاں ایسی دیکھیں جن کا نقش آج تک اپنے دل میں ایسا ہی گہرا پاتا ہوں۔میرا چھوٹا بھائی عزیز ولی محمد خاں بھی تعلیم الاسلام میں رہ گیا ہے چلتی دفعہ اس نے کہا تھا کہ وہاں کے ایک شیر فروش کا حساب وہ اب تک نہیں کر سکا۔دو روپیہ کے قریب ہوگا۔دریافت کرکے اسے رقم دی جائے۔ہم نے احمدی شیر فروشوں کی دکانوں پر سے بہتیرا استفسار کیا۔کچھ پتہ نہ ملا۔ہمیں نہ نام معلوم نہ کچھ پتہ آخر دارالامان کے رہنے والے ایک بھائی کی مدد سے ہم تلاش میں کامیاب ہوئے۔اس قابل رشک نوجوان کا نام میاں عبداللہ احمدی شیر فروش تھا۔وہ ان دنوں بیمار تھے اور ہمیں خارجاً معلوم ہوا کہ عیالداری اور بیماری کی وجہ سے بیکاری کے باعث سخت ابتلا میں ہیں۔میرے عزیز بھائی نے انہیں تین روپے دیتے ہوئے کہا کہ ممکن ہے بچے کا تخمینہ حساب ٹھیک نہ ہو آپ اپنا بقایا بتلا دیں۔یہ سُنکر وہ نوجوان ہنسا۔اور کہنے لگا بیشک بچے کا تخمینہ غلط ہے کیونکہ مجھے صرف ۱۳ر چاہئیں اور یہی رقم اس نے بڑے اصرار سے لے لی اور ہمیں ایک نہایت قیمتی سبق دے کر علیحدہ ہوا۔

۲۔ اسی رات کو عزیز ولی محمد خاں معہ عزیز محمد صدیق احمدی دکانداروں سے کچھ دودھ اور روٹی لینے بازار گیا۔اتفاق سے اس کے پاس بھنے ہوئے پیسے (ریزگاری) نہ تھے مطلوبہ اشیاء کے ساتھ وہ روپیہ بھی واپس لائے اور ظاہر کیا کہ اتفاق سے دکانداروں کے پاس بھی اُس وقت پیسے نہ تھے اور انہوں نے باوجود اصرار یہ کہہ کر روپیہ واپس کر دیا کہ ہماری نسبت آپ بہتر یاد رکھیں گے اور صبح ہم کو آسانی سے پہنچا سکیں گے۔یہی دودھ والے نے کہا اور یہی روٹی والے نے۔یہ جلسہ سالانہ کا موقعہ تھا۔مخلوق کے اس اژدحام میں بھی اپنے بیگانے کی تفریق کا خیال ان کی حق بین نظر و دلوں میں جگہ نہیں پا سکا۔صبح کو ہم سو کر اُٹھے تو فیروزپور کے ایک بھائی نے کہا کہ یہ واسکٹ کی جیبیں بھی کچھ نہیں ہوتیں جو کچھ ان میں ہو بس غائب یہ کہہ کر وہ کچھ سوچنے لگ گیا اور پھر دفعتاً باہر نکل گیا۔تھوڑی دیر کے بعد (اب مجھے یاد نہیں کہ چونّی تھی کہ اٹھنّی تھی) ہاتھ میں لئے ہوئے ہنستا ہوا اندر داخل ہوا۔اور کہنے لگا۔کل میری جیب میں ایک پیسہ تھا اور ایک یہ چونّی یا اٹھنّی۔میں نے کل وہاں سے ایک پیسہ کے

ریوڑ (ریوڑیاں) لئے تھے۔ مجھے خیال آیا۔ شاید پیسہ کی بجائے میں اٹھنی دے بیٹھا ہوں اب جو اس بھائی کے پاس گیا اور اسے کہا کہ جیب سے پیسہ بھی غائب ہے اور اٹھنی بھی۔ اور کل فلاں وقت میں نے آپ سے پیسے کے ریوڑ لئے تھے۔ ممکن ہے مجھ سے غلطی ہوگئی ہو اور میں نے یہاں اٹھنی دی ہو اور پیسہ کہیں ویسے ہی گر گیا ہو۔ اس پر اس پاکیزہ بستی کے پاک نفس دکاندار نے یہ رقم اٹھا کر مجھے دیتے ہوئے اسی معروف اور پیارے احمدی لہجہ میں جو خلق عظیم سے ظلی طور پر ان کے حصہ میں آیا ہے کہا۔ پیارے بھائی! میرے بلاتے بلاتے اور پیسے گنتے گنتے آپ میری آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔ مجبوراً میں نے امانت کے طور پر انہیں رکھ لیا۔ اور الحمد للہ کہ آپ نے مجھے آج اس بوجھ سے سبکدوش کیا۔

میں ایسے واقعات کی کوئی طویل فہرست نہیں دینا چاہتا اور نہ یہ ممکن ہے۔ یہ احمدی قوم کی زندگی کا عملی پہلو ہے۔ ایک بیوگرافر اپنے ایک ہی ہیرو کی عملی زندگی کے ہزارہا واقعات میں سے صرف چند واقعات لے سکتا ہے تو میں ایک قوم کے حق میں کہاں تک یہ انصاف کر سکتا ہوں۔" فائز از ہمبڑاں (لودھیانہ)[1]

پیدائش صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ۱۶ر نومبر ۱۹۰۹ء

۱۶ر نومبر ۱۹۰۹ء کو حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام "ناصر احمد" رکھا گیا۔

خلافت اولیٰ میں سلسلہ کے اخبارات و رسائل

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں الحکم اور بدر دو اخبارات اردو میں اور رسالہ ریویو اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں نکلا کرتا تھا۔ علاوہ ازیں سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی مساعی جمیلہ سے نوجوانوں نے ایک رسالہ "تشحیذ الاذہان" نکالا تھا۔ اور یہ سارے اخبارات اور رسائل کامیابی کے ساتھ چل رہے تھے۔ اب حضرت میر قاسم علی صاحب نے دہلی سے اخبار "الحق" نکالنا چاہا۔ مگر ساتھ یہ شرط رکھی کہ اگر پانچ سو خریداروں کی درخواستیں آگئیں تو اخبار جاری کر دیا جائے گا چنانچہ ۱۳ر جنوری ۱۹۱۰ء کے بدر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پرچہ جاری ہو گیا ۔

مندرجہ بالا اخبارات اور رسائل چونکہ مسلمانوں اور عیسائیوں میں تبلیغ کے لئے نکلا کرتے تھے اور اس ملک میں اکثریت ہندوؤں کی تھی اور سکھ بھی کافی تعداد میں تھے ان میں تبلیغ کے لئے ہماری طرف سے کوئی اخبار یا رسالہ

[1] بدر پرچہ ۱۶ر ستمبر ۱۹۰۹ء۔

نہیں نکلتا تھا سو الحمد للہ کہ جماعت کے نوجوان محترم شیخ محمد یوسف صاحب نومسلم نے اس کام کا بیڑا اُٹھایا اور قادیان سے ان قوموں میں تبلیغ کرنے کے لئے اکتوبر ۱۹۰۹ء سے اخبار "نور" نکالنا شروع کیا۔ یہ دونوں پرچے بھی خدا کے فضل سے خوب کام کرتے رہے۔ ۱۹۱۳ء میں ایک اور پرچہ "الفضل" نام نکلا۔ جس کا ذکر انشاءاللہ آگے تفصیل سے آئے گا

علیگڈھ کے احمدی طلباء سے خطاب۔ جنوری ۱۹۱۰ء،

جنوری ۱۹۱۰ء میں حضرت خلیفہ اولؓ نے علی گڈھ کے احمدی طلبا کو ایک خط لکھا جس میں حضور نے ان کو بعض نصائح فرمائیں۔ یہ نصائح کیا ہیں رشد و ہدایت کا ایک خزانہ اور دین و دنیا کی حسنات کی کلید ہیں۔ ان کا ایک ایک لفظ حرزجان بنائے جانے کے قابل ہے۔ ہمارے احمدی طلبا جو مختلف کالجوں میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں اگر ان نصائح کو آویزۂ گوش بنالیں اور کیمبرج اور آکسفورڈ کی آوازوں کے مقابلہ میں وادیٔ غیر ذی زرع سے اُٹھنے والی آواز کو ہمیشہ مقدم سمجھیں تو یقیناً وہ فوز عظیم کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ حضور نے تحریر فرمایا۔

"نورالدین کی طرف سے بگرامی خدمت عزیزان مرزا عزیز احمد، میاں فقیر اللہ، خیر الدین، سردار خان، مولوی عبدالقدیر، شیر محمد، بدرالحسن، محمد صاحب، عمر حیات، علاؤالدین۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

میرے پیارو۔ جہاں تم ہو وہ بڑے بڑے دو امتحانوں کی جگہ ہے۔ وہاں بی۔اے، ایف۔اے کے ساتھ کیمبرج، آکسفورڈ کی ہوا بھی چلتی ہے اور ہم لوگ وادیٔ غیر ذی زرع کی ہوا کے گرویدہ ہیں۔ ذرا ہمت سے کام لو کہ دونوں طرح پاس ہو جاؤ۔ فازفوزاً عظیما کا گروہ ہو۔ آمین یا رب العٰلمین۔ نورالدین ۱۹ر جنوری ۱۹۱۰ء " [1]

مدرسہ تعلیم الاسلام کی تعمیر کیلئے ۱۰۰۰۰ دس ہزار روپیہ کی گرانٹ

مدرسہ تعلیم الاسلام خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے چونکہ بڑی کامیابی کیساتھ چل رہا تھا اس لئے جب مسٹر کراس صاحب انسپکٹر مدارس نے اپنے معائنہ کے بعد گورنمنٹ کو بہت عمدہ رپورٹ بھیجی تو گورنمنٹ پنجاب نے مدرسہ کی نئی عمارت کے لئے دس ہزار روپیہ کی گرانٹ منظور کی۔ [2]

یہ امر خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ بعد میں گورنمنٹ نے پندرہ ہزار روپیہ کی رقم اس غرض کے لئے اور منظور کی۔ اور اس طرح گورنمنٹ کی گرانٹ کل پچیس ہزار روپے ہو گئی۔ [3]

---

[1] رسالہ "خالد" ربوہ بابت ماہ نومبر ۱۹۶۲ء۔ [2] "بدر" پرچہ ۹ دسمبر ۱۹۰۹ء۔ [3] "بدر" ۱۹ مئی ۱۹۱۰ء۔

التوائے جلسہ سالانہ ۱۹۰۹ء

۱۹۰۸ء میں حکام ریلوے نے دسمبر کی تعطیلات میں ریلوے مسافروں کو نصف کرایہ کی رعایت دی تھی اس لئے کافی تعداد میں احباب جلسہ سالانہ میں شریک ہوئے تھے۔ اس سال بھی جماعت چاہتی تھی کہ حسب سابق ریل کے کرایہ میں رعایت مل جائے۔ مگر چونکہ دسمبر میں مسافروں کی زیادہ آمد و رفت کی وجہ سے رعایت نہ مل سکی۔ اس لئے صدر انجمن احمدیہ نے یہی فیصلہ کیا کہ جلسہ بجائے دسمبر کے مارچ کے ایسٹر کی تعطیلات میں کر لیا جائے۔ [1]

وظائف

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ سے جب لوگ یہ سوال کیا کرتے تھے کہ حضرت! ہمیں کوئی وظیفہ بتائیں۔ جسے ہم ترقی درجات کے لئے بجالاتے رہیں تو آپ ہمیشہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ استغفار، لاحول، درود شریف اور الحمد کثرت کے ساتھ پڑھا کرو۔ ان وظائف کا ذکر آپ کی تحریرات مندرجہ اخبارات بدر اور الحکم میں کثرت کے ساتھ آتا ہے۔

تعمیر مسجد نور و بورڈنگ ہاؤس نیز توسیع جامع مسجد اقصیٰ

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کا زمانہ عمارات سلسلہ کی تعمیر کیلئے خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس سلسلہ میں جیسا کہ بیان کیا گیا ہے۔ حضرت میر ناصر نواب صاحب کی جدوجہد اور تگ و دو کا خاص تعلق ہے۔

تعلیم الاسلام ہائی سکول کے ساتھ چونکہ مسجد کی اشد ضرورت تھی۔ اس لئے یہ فیصلہ کیا گیا کہ بورڈنگ ہاؤس سے بھی پہلے مسجد تعمیر کی جائے چنانچہ اس کار خیر کے لئے اڑھائی ہزار روپیہ چندہ کر کے حضرت میر صاحب نے صدر انجمن کو دیا اور اڑھائی ہزار جناب ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کی ہمشیرہ مرحومہ کی وصیت کا موجود تھا۔ علاوہ ازیں جامع مسجد کی توسیع کا سوال بھی درپیش تھا۔ اس کے لئے یہ فیصلہ کیا گیا کہ جلسہ سالانہ سے پہلے پہلے ایک بڑا کمرہ پرانی مسجد کے برابر چوڑائی میں اور لمبائی میں قریباً ۴۶ فٹ۔ اور اس نئے اور پرانے کمرے کے سامنے ایک برآمدہ جو ۸۰ فٹ سے زیادہ لمبا ہوگا تیار کیا جائے اور اس کے لئے تین ہزار روپیہ خرچ کا اندازہ کیا گیا۔ [1]

یاد رہے کہ مدرسہ تعلیم الاسلام اور اس کے بورڈنگ وغیرہ عمارات کے لئے پچاس گھماؤں زمین خریدی گئی تھی۔ [2]

جلسہ سالانہ ۱۹۱۰ء

پیچھے بیان کیا جا چکا ہے کہ بعض وجوہات کی بناء پر جلسہ سالانہ دسمبر ۱۹۰۹ء مارچ ۱۹۱۰ء تک ملتوی کر دیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ جلسہ ۲۵ مارچ کو بعد نماز جمعہ شروع ہوا۔ اور ۲۷ مارچ کی دوپہر بخیر و خوبی ختم ہوا جلسہ میں شامل ہونے والے دوست تین ہزار سے زائد تھے۔ توسیع شدہ مسجد اقصیٰ صحن سمیت نماز جمعہ کے وقت ساری کی ساری بھر گئی تھی بلکہ لوگوں کو کوٹھوں پر اور گلی کوچوں میں بھی کپڑے بچھا کر نماز پڑھنا پڑی۔

---

[1] بدر پرچہ ۹ دسمبر ۱۹۰۹ء

خطبہ جمعہ کے بعد جو حضرت خلیفۃ المسیحؓ نے پڑھا حضرت میر ناصر نواب صاحب نے اپنا مضمون سُنایا جس میں پیشہ ور اصحاب کو اس امر کی تلقین کی گئی تھی کہ وہ اپنی کمزوریوں کو رفع کر کے سچائی اور دیانت کو اختیار کریں۔ آپ کی تقریر کے بعد طلبا میں انعامات تقسیم کئے گئے۔ پھر بورڈنگ ہاؤس کے ایک کمرہ میں سیدنا حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی صدارت میں احمدیہ کانفرنس کا اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں مختلف جماعتوں کے صدر اور سکرٹری صاحبان بھی شامل ہوئے۔ اس کانفرنس میں ایک تو سالانہ بجٹ پاس ہوا۔ دوسرے بیرونی مشنوں کا ایک فنڈ کھولا گیا۔ نیز تعمیر فنڈ کی طرف بعض احباب کو توجہ دلائی گئی۔ تقرر واعظین اور محصلین کا مسئلہ بھی زیر بحث آیا اور مناسب فیصلے کئے گئے۔ دوسرے روز ۲۶ر مارچ کو حضرت میر حامد شاہ صاحب نے اپنی نظم پڑھی۔ پھر جناب مولوی محمد علی صاحب سکرٹری صدر انجمن احمدیہ نے جلسہ سالانہ کی رپورٹ سنائی۔ آپ کے بعد محترم خواجہ کمال الدین صاحب نے قومی ضروریات کے لئے چندہ کی اپیل کی جس پر احباب نے دل کھول کر چندہ دیا۔ نماز ظہر کے بعد حضرت خلیفۃ المسیحؓ نے تقریر فرمائی۔ جس میں علم لدنی کے فوائد پر حقائق و معارف کا ایک دریا بہا دیا۔[1]

تیسرے دن حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی تازہ نظم سُنائی گئی۔ پھر آپ نے چند آیات قرآنیہ کی ایسے لطیف پیرایہ میں تشریح فرمائی کہ حاضرین عش عش کر اُٹھے۔ تقریر کے آخر میں آپ نے انجمن تشحیذ الاذہان کا مختصر الفاظ میں ذکر کیا۔ آپ کی تقریر کے بعد حافظ عبد الرحیم صاحب نے بحیثیت سکرٹری انجمن تشحیذ سالانہ رپورٹ سُنائی۔

بیعت

اس جلسہ میں ایک کثیر جماعت حضرت خلیفۃ المسیح و المہدیؑ کے ہاتھ پر بیعت کر کے داخل سلسلہ ہوئی۔ گو یہ بیعت متفرق اوقات میں ہوئی۔ لیکن بیعت کرنیوالوں کا سب سے زیادہ ہجوم مسجد اقصیٰ میں تھا۔ چونکہ سب کے ہاتھ حضور تک نہیں پہنچ سکتے تھے اس لئے آپ نے ممبر پر کھڑے ہو کر اپنا ہاتھ پھیلایا اور سب کو کہا کہ بیعت کرنے والے اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہیں۔ اور اپنے ہاتھ آگے کر دیں اور الفاظ بیعت دوہراتے جائیں چنانچہ حضور کے حکم کی تعمیل کی گئی اور اس طرح سب کی بیعت ہو گئی۔

ولادت میاں عبد المنان صاحب۔ ۱۹ر اپریل ۱۹۱۰ء

۱۹ر اپریل ۱۹۱۰ء کی صبح کو آپ کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام عبد المنان رکھا گیا۔

جماعت کو ایک اہم نصیحت

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک جلسہ سالانہ کی اغراض میں سے ایک اہم غرض تربیت جماعت تھی اور حضرت خلیفۃ المسیحؓ بھی ہر وقت اس فکر

---

[1] بدر پرچہ ۷ر اپریل ۱۹۱۰ء

میں رہتے تھے کہ جماعت کے اندر نیکی تقویٰ اور للّٰہیت پیدا ہو مگر اس جلسہ میں جب آپ نے اس غرض کو پورا ہوتے نہ دیکھا تو آپ کو سخت صدمہ ہوا۔ اور اسی صدمہ کیوجہ سے آپ کی صحت کو بھی سخت نقصان پہنچا۔ انجمن اور خلافت کے جھگڑے میں احباب پڑھ چکے ہیں کہ کچھ سرکردہ لوگ یہ چاہتے تھے کہ خلافت کو سرے سے ہی مٹا دیا جائے اور سارے کام انجمن خود اپنے ہاتھ میں لے لے۔ ان لوگوں کے اس خطرناک منصوبے سے جماعت کو جو نقصان پہنچ سکتا تھا وہ ظاہر ہی ہے کیونکہ دنیا میں کبھی انجمنوں کے ذریعہ سے رُوحانی انقلاب پیدا نہیں ہوا۔ رُوحانی انقلاب ہمیشہ رُوحانی لیڈر ہی پیدا کیا کرتے ہیں۔ اس جلسہ میں بھی چونکہ حضرت خلیفۃ المسیحؓ کی ذات بابرکات سے پورا پورا فائدہ نہیں اُٹھایا گیا تھا اس لئے آپ نے خطبہ جمعہ میں جماعت کے سامنے اپنے دل کی کیفیت کھول کر بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

"میں اس وقت بڑی مشکل سے یہاں آیا ہوں۔ میرے سر میں ایسا درد ہے کہ جیسا کوئی سر پر کلہاڑی چلاتا ہے۔ میں نے اس مرض میں اپنی اور تمہاری حالت کا بہت مطالعہ کیا ہے۔ بعض اوقات مجھ کو اپنی آنکھوں کا بھی ڈر ہوا ہے۔ بعض اوقات العین حق کا بھی خیال آیا ہے۔ غرض عجیب عجیب خیالات گذرے ہیں۔ اُن میں سے ایک بات تمہیں سُناتا ہوں۔ میرا ارادہ تھا کہ میں صرف عربی (میں) اشہد ان لا الٰہ الا اللہ کہکر بیٹھ جاؤں۔ مگر قدرت ہے جو مجھ کو بُلاتی ہے۔ اسواسطے یُوں ہی سمجھ لو کہ یہ میرا آخری کلمہ ہے۔ یوں ہی سمجھ لو کہ یہ آخری دن ہے۔ تم لوگ بھی یہاں اکٹھے ہوئے تھے۔ گروکل، انجمن حمایت اسلام، علیگڑھ والے بھی اکٹھے ہوئے ہیں۔ وہاں بھی رپورٹیں پڑھی گئی ہیں یہاں بھی۔ ہمارے رپورٹر نے بھی رپورٹ پڑھ دی کہ اتنا روپیہ آیا۔ اتنا خرچ ہوا۔ پر میں سوچتا رہا ہوں کہ یہ لوگ یہاں کیوں آئے۔ یہ روپیہ تو بذریعہ منی آرڈر بھی بھیج سکتے تھے اور رپورٹ چھپکر اُن کے پاس پہنچ سکتی تھی۔ میرے اندازہ میں جو آدمی یہاں آئے تین ہزار سے زیادہ نہ تھے پھر جو لوگ عمائد تھے وہ اگر مجھ سے علیحدہ ملتے تو میں ان کے لئے دعائیں کرتا۔ انہیں کچھ نصیحتیں کرتا مگر افسوس کہ اکثر لوگ اسوقت آئے کہ لو جی السلام علیکم یکہ تیار ہے۔ تم یاد رکھو۔ میں ایسے میلوں سے سخت متنفر ہوں۔ میں ایسے مجمعوں کو جن میں روحانی تذکرہ نہ ہو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہوں۔ یہ روپیہ تو وہ منی آرڈر کر کے بھیج سکتے تھے بلکہ اس طرح بہت سا خرچ جو جہانداری پر ہوا وہ بھی محفوظ رہتا۔ یہاں کے دکانداروں نے بھی افسوس دنیا کی طرف توجہ کی اور کہا کہ جلسہ باہر نہ ہو۔ شہر میں ہو۔ ہماری چیزیں بک جاویں۔ میں ایسے اجتماع اور ایسے روپے کو جو دنیا کیلئے ہو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہوں۔ جو سُن رہا ہے وہ یاد رکھے اور دوسروں تک یہ بات پہنچادے۔ میں اسی غم

میں پگھل کر بیمار بھی ہو گیا۔ کیا اچھا ہوتا کہ تم میں سے جو تمہاری باہر کی جماعتوں کے سکرٹری اور عمائد تھے وہ مجھ سے علیحدہ ملتے میں ان کو بڑی نیکیاں سکھاتا اور بڑی اچھی باتیں بتاتا۔ لیکن افسوس کہ ہماری صدر انجمن نے بھی ان کو یہ بات نہ بتائی اس لئے مجھ کو ان سے بھی رنج ہے۔ کیا آیا۔ کتنے روپے ہوئے ہم کو اس سے کچھ بھی غرض نہیں۔ ہم کو تو صرف خدا چاہیئے۔ مجھ کو نہیں معلوم کہ کیا جمع ہوا۔ کیا آیا۔ مجھ کو اس کی مطلق پروا نہیں۔ پھر میں کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کو مقدم کرو۔ ہماری کوششیں اللہ کیلئے ہوں۔ اگر یہ نہ ہو تو ہائی سکول کیا حقیقت رکھتا ہے اور اس کی عمارتیں کیا حقیقت رکھتی ہیں۔ ہمیں تو ہمارا مولیٰ چاہیئے۔ اپنے احباب کو خط لکھو اور ان کو تنبیہ کرو۔ میں تو لاہور اور امرتسر کے لوگوں کا بھی منتظر رہا کہ وہ مجھ سے کیا سیکھتے ہیں لیکن ان میں سے بھی کوئی نہ آیا۔ میں چاہتا تھا کہ لوگ میری زندگی میں متقی اور پرہیزگار بنیں اور دنیا اور اس کی رسموں کی طرف کم توجہ کریں۔"[1]

حضرت حکیم فضل الدین صاحب بھیروی رضؓ کی وفات ۔ ۸ اپریل سنہ ۱۹۱۰ء

حضرت حکیم فضل دین صاحب بھیروی رضؓ جو حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضؓ کے بچپن کے دوست تھے اور اس دوستی کو انہوں نے آخر دم تک نہایت صدق، اخلاص اور یکرنگی کے ساتھ نباہا۔ آپ جب تک بھیرہ میں رہے ہمیشہ خدمت خلق میں مصروف رہے۔ قرآن کریم کا پڑھنا پڑھانا آپ کی غذا تھی۔ آخری عمر میں ہجرت کر کے قادیان آگئے اور قادیان میں بھی درس تدریس کا سلسلہ جاری رہا۔ ایک خاص خوبی ان میں یہ تھی کہ دنیوی مال و متاع سے بالکل محبت نہیں کرتے تھے۔ بھیرہ میں جس قدر آپ کی جائداد تھی، ایک بڑی وسیع اور شاندار حویلی[2]، ایک قطعہ زمین جو شہر سے باہر تھا، ایک کنواں یہ سب جائداد جو ہزارہا روپیہ کی تھی، آپ نے اپنی زندگی میں صدر انجمن کے نام اپنی وصیت میں ہبہ کر دی تھی اور باقاعدہ رجسٹری کروا دی تھی۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء

قادیان میں ایک بڑی مدت تک مطبع ضیاء الاسلام کو چلاتے رہے۔ مدرسہ کی ابتدائی حالت میں اس کے سپرنٹنڈنٹ رہے کتب خانہ حضرت مسیح موعودؑ کے مہتمم رہے۔ بالآخر لنگر خانہ کے افسر مقرر ہوئے اور بیماری کے ایام میں بھی اس کام کو نہایت محنت اور توجہ سے سرانجام دیتے رہے۔ آپ کو سوزش پیشاب اور درد مثانہ کی تکلیف تھی۔ تکلیف بڑھ جانے پر لاہور بھجوائے گئے۔ وہاں اپریشن سے پتھری نکالی گئی۔ ضعف بہت تھا اور آخر ذات الجنب سے وفات پائی۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔ وفات ۸ اپریل ۱۹۱۰ء کو ہوئی جنازہ قادیان پہنچایا گیا اور ۹ اپریل سنہ ۱۹۱۰ء کی صبح کو بہشتی مقبرہ میں دفن کئے گئے۔ اللّٰھم اغفرہ وارحمہ۔

---

[1] بدر ۷-۱۴-۲۱-اپریل سنہ ۱۹۱۰ء

[2] یہ وہی حویلی ہے جو آپ نے ایک شیعہ دوست سے خریدی تھی اور جب انجمن نے اسے فروخت کرنا چاہا تو اس شیعہ دوست نے حضرت خلیفۃ المسیح رضؓ سے التجا کی کہ میں نے حالات سے مجبور ہو کر اسے سستے داموں فروخت کیا تھا اب مجھے ہی کچھ رعایت سے دیدی جائے مگر انجمن کے بعض ممبروں نے اس معاملہ میں آپ کی مخالفت کی تھی۔ (مؤلف)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی کتاب فتح اسلام مطبوعہ ۱۸۹۰ء میں آپ کی تعریف فرماتے ہوئے لکھا ہے:۔

"حکیم صاحب ممدوح جس قدر مجھ سے محبت اور اخلاص اور حسن ارادت اور اندرونی تعلق رکھتے ہیں میں اس کے بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ وہ میرے سچے خیر خواہ اور دلی ہمدرد اور حقیقت شناس مرد ہیں۔ بعد اس کے جو اللہ تعالیٰ نے اس اشتہار کے لکھنے کے لئے مجھے توجہ دی اور اپنے الہامات خاصہ سے امیدیں دلائیں۔ میرے یہ عزیز بھائی بغیر اس کے کہ میں ان سے ذکر کرتا۔ خود مجھے اس اشتہار کے لکھنے کے محرک ہوئے۔ اور اس کے اخراجات کیواسطے اپنی طرف سے سو روپیہ دیا۔ میں ان کی فراست ایمانی سے متعجب ہوں کہ ان کے ارادہ کو خدا تعالیٰ کے ارادہ سے توارد ہوگیا۔ وہ ہمیشہ در پردہ خدمت کرتے رہتے ہیں اور کئی سو روپیہ پوشیدہ طور پر محض ابتغاء لمرضات اللہ اس راہ میں دے چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔"

مسجد نور کا افتتاح ۲۳ اپریل ۱۹۱۰ء

مسجد نور جس کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے جب اس کا ایک کمرہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے تیار ہوگیا تو حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ نے ۲۳ اپریل ۱۹۱۰ء کو بطور افتتاح اس میں عصر کی نماز پڑھائی اور وہیں قرآن مجید کا درس دیا۔

تعلیمی وفد کی علیگڈھ کو روانگی۔ ۲۸ اپریل ۱۹۱۰ء

۲۸ اپریل ۱۹۱۰ء کو حضرت مفتی محمد صادق صاحب، حضرت مولوی شیر علی صاحب سابق ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام ہائی سکول اور جناب مولوی صدر الدین صاحب جو موجودہ ہیڈ ماسٹر تھے۔ چند تعلیمی امور کے تصفیہ کے لئے آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس میں شمولیت کے لئے تشریف لے گئے۔

صاحبزادگان کی لاہور کو روانگی۔ آخر اپریل ۱۹۱۰ء

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب چند یوم کے لئے لاہور تشریف لے گئے اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا۔

نوجوانوں کی تعلیم و تربیت کا پروگرام

جن ایام کے حالات بیان کئے جا رہے ہیں ان ایام میں مرکز سلسلہ میں نوجوانوں کی تعلیم و تربیت کا کیا پروگرام تھا؟ اس کے متعلق ۱۲ مئی ۱۹۱۰ء کے پرچہ بدر میں "مدینۃ المسیح" کے عنوان کے نیچے لکھا ہے:۔

"حضرت مولانا (یعنی حضرت خلیفۃ المسیحؓ ۔ناقل) آجکل تین درس دیتے ہیں۔ بعد از نماز صبح مسجد میں پہلے صاحبزادہ شریف احمد صاحب کو۔ پھر چند گریجوایٹ ہیں مثلاً شیخ تیمور صاحب ایم اے۔ ان کو قرآن مجید پڑھایا جاتا ہے۔ یہ درس خصوصیت سے لطیف ہوتا ہے۔ بخاری کا درس بھی شروع ہے۔ مبارک وہ جو اس موقعہ سے فائدہ حاصل کرے۔

انجمن تشحیذ خوب ترقی کر رہی ہے۔ لائبریری کا انتظام اعلیٰ پایہ پر زیر غور ہے۔ ساڑھے دس ماہ سے جو فہرست کتب تیار ہو رہی ہے انشاء اللہ اب جلد مکمل ہونے والی ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ عنقریب ہم ہندوستان اور مصر کے اردو اور عربی چیدہ اخبارات اس کی میز پر دیکھیں گے اس بات کی بہت ضرورت ہے کہ ایسی کتابوں اور اخباروں اور رسالوں کا جو نہایت عمدہ و مفید و قابل مطالعہ ہیں، انتخاب کیا جاوے اور پھر وہ حسب گنجائش منگوائی جاویں . . . . .

صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب کو نوجوانوں کی سدھار کا خاص خیال رہتا ہے۔ آپ نے ان کالجیئٹوں یا طالب علموں کے لئے جو بعد الامتحان یا سمر وکیشن دارالامان میں آتے ہیں ایک تعلیمی نصاب تیار کیا ہے جس میں قرآن و حدیث کا ایک حصہ قصیدہ[1] بہشتی وغیرہ شامل ہیں۔ آپ بڑی محنت سے اُن کو پڑھاتے ہیں اور عربی سے اور دین سے عمدہ واقفیت کرا دیتے ہیں اور یہ بہت ہی مفید کام ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق بخشے۔

انجمن ارشاد کا اجلاس ہر سوموار و جمعرات کو ہوتا ہے اور قرآنی آیات کے معانی پر ایک لطیف ڈیبیٹ (مناظرہ) ہوتی ہے اور عجیب عجیب نکات ظاہر و مسائل حل ہوتے ہیں۔"

سیدہ امۃ الحی کی آمین

آپ کی صاحبزادی امۃ الحی نے جب قرآن مجید ختم کیا تو آپ کو بہت خوشی ہوئی اس تقریب پر والدہ ماجدہ امۃ الحی نے مدرسۃ البنات کی لڑکیوں کو دعوت دی اور شیرینی تقسیم کی اور استانی کو انعام و اکرام سے نوازا۔

احمدی طلبا اور سٹرائیک

یہ امر خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ جماعت احمدیہ نے سٹرائیک اور بھوک ہڑتال جیسی غیر اسلامی تحریکوں کی ہمیشہ مذمت کی ہے اور احمدی ملازم اور طلباء ہمیشہ ان مذموم تحریکوں سے مجتنب رہے ہیں چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کے زمانہ میں جب اسلامیہ کالج لاہور کے طلباء نے سٹرائیک کی تو آریہ گزٹ لاہور نے لکھا کہ

---

[1] یعنی قصیدہ بانت سعاد (مؤلف)

"کالج میں ۱۵۵ طلبا ہیں۔ ان میں سے ۱۳۰ سٹرائیک میں شامل ہیں باقی ۲۵ جن میں سے بیس احمدیہ فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں اور پانچ کہا جاتا ہے کہ کالج کے آفیسروں کے رشتہ دار ہیں۔" [1]

آگے ایڈیٹر صاحب البدر لکھتے ہیں:۔

"علی گڑھ کالج میں بھی جب سٹرائیک ہوئی تو احمدی طلبا الگ ہی رہے تھے یہ اس نیک اور اعلیٰ تعلیم کا اثر ہے جو اس سلسلہ کے امام حضرت مسیح موعودؑ نے دی اور اس تزکیہ کا نمایاں نتیجہ ہے جو اس قدسی نفس ملکی صفات انسان نے کیا۔

احمدیوں کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ وہ کبھی بھی کسی صورت میں اپنے آفیسروں کے خلاف مخالفت کا سٹپ (STEP) نہ لیں۔ تعلیم دینا تو آسان ہے مگر اس تعلیم پر عمل کرنے کی روح پیدا کرنا ان لوگوں کے سوا کسی کا کام نہیں۔ جو حضرت احدیت کی طرف سے مامور ہو کر آتے ہیں اور خدا کے ہاتھوں سے معطر کئے جاتے ہیں۔" [2]

اسی آریہ گزٹ نے اپنی ایک دوسری اشاعت میں لکھا

"احمدی طلبا کی خود ضبطی قابل تعریف ہے جو اپنے رویہ میں ایک شخص کے اشارہ پر چل سکتے ہیں۔" [3]

خاکسار عرض کرتا ہے کہ گذشتہ سال جب مغلپورہ انجنیرنگ کالج لاہور میں لگاتار ایک مہینہ ہڑتال رہی تو گو احمدی طلبا منظم سٹرائیک کی وجہ سے کالج میں نہ جاسکے مگر عموماً ہڑتال میں شامل نہ ہوئے۔ ایک دو لڑکوں نے لاعلمی کی وجہ سے ابتداء جلوس میں شمولیت اختیار کی مگر جب انہیں بھی خاکسار راقم الحروف نے اپنے لڑکے عزیز عبدالہادی سلمہ اللہ تعالیٰ کی معرفت جو آجکل انجنیرنگ کالج کے تیسرے سال میں تعلیم حاصل کر رہا ہے، سمجھایا تو بعد ازاں وہ بھی سٹرائیک سے کلیتہً مجتنب رہے۔ اس کا ذکر یہاں اس لئے کیا جا رہا ہے کہ بعض لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ انگریزوں کے زمانہ میں تو سٹرائیک کرنا جائز نہ تھی لیکن اب ہماری اپنی حکومت ہے، اب ہڑتال کرنا منع نہیں ہے۔ حالانکہ اپنی حکومت کے نظم و نسق میں بگاڑ پیدا کرنا تو اور بھی مکروہ ہونا چاہیئے۔ البتہ اگر حکام کی طرف سے ناانصافی ہو۔ تو قانونی رنگ میں ہر شخص اس کے خلاف چارہ جوئی کرسکتا ہے۔

دو حاجی حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الاولؓ نے بذریعہ بدر یہ اعلان فرمایا کہ "ہم دو احمدیوں کو اپنے خرچ پر حج کے لئے بھیجنا چاہتے ہیں جو زاد راہ سے معذور اور حج

---

[1] و [2]۔ بدر پرچہ ۲ جولائی ۱۹۱۰ء ۔ [3] بحوالہ اخبار بدر پرچہ ۱۴ جولائی ۱۹۱۰ء۔

کی تڑپ رکھنے والے صالح الاعمال اور متقی ہیں۔ وہ درخواست کریں۔ ایک ان میں ایسا ہو جو پہلے حج کر چکا ہو۔"[1]

نواب میاں محمد احمد صاحب کی پیدائش - ۱۱ جولائی ۱۹۱۰ء

۱۱ جولائی ۱۹۱۰ء کو حضرت نواب محمد علی خاں صاحبؓ کے ہاں حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کے بطن سے ایک صاحبزادے کی ولادت ہوئی جس کا نام محمد احمد رکھا گیا۔[2]

حضرت امیر المومنین کی بغرض شہادت ملتان کو روانگی - ۲۴ جولائی ۱۹۱۰ء

۲۴ جولائی ۱۹۱۰ء کو حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الاولؓ کو ایک طبّی شہادت دینے کے لئے ملتان جانا پڑا۔ جناب مولوی محمد علی صاحب، حضرت مفتی محمد صادق صاحب اور بعض دیگر احباب آپ کے ہمرکاب ہوئے۔ ۴ بجے شام آپ قادیان سے روانہ ہوئے۔ جس یکہ پر حضرت مفتی صاحب سوار تھے وہ گھوڑے کی کمزوری کی وجہ سے پیچھے رہ گیا جب بٹالہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ حضرت امیر المومنین اور آپ کے ساتھی بذریعہ ریل گاڑی لاہور تشریف لے جا چکے ہیں۔ مجبوراً حضرت مفتی صاحب کو رات بٹالہ ٹھہرنا پڑا۔ اگلے دن ۲۵ جولائی کو جب آپ لاہور پہنچے تو معلوم ہوا کہ حضرت امیر المومنین ابھی تک لاہور ہی میں ہیں اور جناب شیخ رحمت اللہ صاحب کے ہاں کھانے پر تشریف لے گئے ہوئے ہیں۔ یہ سُنکر آپ نے الحمد للہ کہا اور اپنے آقا کے حضور تشریف لے گئے۔

اسی روز بعد نماز عصر جب حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیحؓ شیخ صاحب موصوف کے مکان سے جناب خواجہ کمال الدین صاحب کے مکان پر تشریف لائے۔ تو نماز کے بعد محترم میاں فضل کریم صاحب سیالکوٹی اور حضرت میاں عبد العزیز صاحب مغل نے آپ کے حضور درثمین کی چند نظمیں خوش الحانی سے پڑھ کر سُنائیں اور چند دوست بیعت میں داخل ہوئے۔ اس وقت ایک شخص نے عرض کی کہ میری اولاد کچھ پاگل ہے اور کچھ نالائق ہے۔ فرمایا۔ کچھ خیرات کرو۔ اور دعا کرو اور استغفار کرتے رہا کرو اور ہرگز نہ تھکو۔ اللہ تعالیٰ سے ناامید نہ ہو۔ خدا اپنے فضل سے سب کام ٹھیک کر دے گا۔

بیعت کنندگان کو یہ نصیحت فرمائی کہ غفلت کی صحبت سے بچتے رہو اور اگر کوئی مجبوری پیش آوے تو استغفار بہت کرتے رہو۔[3]

---

[1] و [2] بدر ۱۸ جولائی ۱۹۱۰ء ۔ [3] بدر پرچہ ۴ اگست ۱۹۱۰ء ۔

ایک شیعہ کا خط اور اس کا جواب

لاہور میں کوئی ایرانی شیعہ واعظ آئے ہوئے تھے۔ ایک شیعہ نے جناب ملک غلام محمد صاحب کو کہا کہ ہمارے ایرانی مولوی آئے ہوئے ہیں۔ اگر آپ کے خلیفہ صاحب اُن کے ساتھ مذہبی گفتگو کرنا چاہیں تو یہ قادیان جانے کے لئے تیار ہیں۔ ملک صاحب محترم نے جب حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں یہ بات پیش کی تو حضور نے اجازت دی۔ اس پر اس شیعہ نے ایک خط لکھا۔ جس میں اولاً چند سوالات کئے اور پھر تقریری مناظرہ کی دعوت دی۔ نیز لکھا کہ حَکم مقرر ہوں جس کے جواب میں حضور نے لکھا

"ہم کو ہمیشہ تحقیق مدنظر ہے۔ الحمد للہ اب میری عمر ستر سے متجاوز ہے۔ بہرحال مرنا قریب ہے اگر ہمیں کوئی حق کی راہ مل جائے تو ہم غلطی پر ہٹ نہ کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ مگر حکم کس مذہب کا ہوگا اور اس پر کس طرح اعتماد ہوگا۔ نورالدین" [1]

یہ جواب ایسا تھا کہ جس کے نتیجہ میں اس شیعہ دوست کے لئے سوائے خاموشی کے اور کوئی چارہ نہ رہا۔

لاہور سے روانگی ۲۵ جولائی سنہ ۱۹۱۰ء

۲۵ جولائی کی شام کو حضور ملتان جانے کے لئے لاہور اسٹیشن پر پہنچے۔ اسٹیشن پر احمدی احباب کی ایک بڑی جماعت مشایعت کے لئے حاضر تھی۔ شام کا کھانا حضرت میاں چراغدین صاحب رئیس لاہور کی طرف سے اسٹیشن پر پہنچایا گیا۔ میاں صاحب موصوف کے فرزند عزیز محترم حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ حضور کے ساتھ عازم ملتان ہوئے۔ دوسری گاڑی میں حضرت میاں معراج الدین صاحب عمر اور حضرت مرزا عبدالغنی صاحب بھی حضور کی صحبت سے فیضیاب ہونے کے لئے ملتان پہنچ گئے۔

صبح ۲۶ جولائی کو پانچ بجے کے قریب گاڑی ملتان اسٹیشن پر پہنچی۔ بہت سے دوست استقبال کے لئے اسٹیشن پر موجود تھے۔ حضور کے قیام کے لئے محلہ شاہ گردیزی میں ایک مکان تجویز ہو چکا تھا جہاں حضور فروکش ہوئے عجیب اتفاق ہے کہ آپ کے آقا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی ایک شہادت ہی کی ادائیگی کے لئے ملتان تشریف لائے تھے اور پھر معززین ملتان نے جس مدرسہ اسلامیہ میں حضرت اقدس کی تقریر کروائی تھی اسی مدرسہ کے ہال میں آپ سے بھی تقریر کروائی گئی۔ اس کے علاوہ سینکڑوں افراد نے جسمانی معالجات سے بھی فائدہ اٹھایا شہادت کی ضرورت اس لئے پیش آئی تھی کہ کوئی چھ ماہ کا عرصہ گذرا تھا۔ ایک سپاہی محمد تراب خان نام اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ اپنا علاج کروانے کے لئے قادیان گیا تھا۔ بعد میں وہ الزام قتل میں گرفتار ہوا۔ اس مقدمہ میں صفائی کی شہادت میں اس کے ساتھیوں نے آپ کا نام لکھوایا۔ آپ نے ملزم کے قریب ہو کر اُسے شناخت کیا اور وکلاء کے سوالات کے جواب میں جو شہادت آپ نے ادا کی اس کے الفاظ اختصاراً یہ تھے۔

---

[1] بدر ۴ راگست سنہ ۱۹۱۰ء [2] حضرت شیخ صاحبدین صاحب ڈھینگرہ ساکنہ گوجرانوالہ (بیعت ۱۸۹۲ء) فرماتے ہیں کہ آپ ان ایام میں ملتان

الفاظ شہادت

"میں اس شخص کو پہچانتا ہوں۔ میرے پاس علاج کیواسطے گیا تھا۔ ٹھیک نہیں کہہ سکتا کہ کتنی مدت ہوئی۔ چھ ماہ سے زائد عرصہ گذرا ہے۔ ایک آدمی اور اس کے ساتھ تھا۔ میری تشخیص کے مطابق اسے مانیا تھا جسے انگریزی میں مینیا کہتے ہیں جنون کی ایک قسم ہے۔ اس کی علامات ہیں، مبہوت رہنا۔ طبیب کے سامنے اپنا حال بیان نہ کرنا۔ آنکھوں کی سفیدی میں تکدر طبیعت میں جوش کا ہونا۔ ہفتہ عشرہ یہ وہاں رہا۔ فائدہ نہیں ہوا۔ میں نے کہا کہ زیادہ عرصہ ٹھہرو مگر نہیں ٹھہر سکا۔ میں دن میں ایک وقت اسے دیکھتا تھا۔ چند منٹ لگتے تھے۔ پھر اپنے پاس نہیں بٹھاتا تھا۔

میں حضرت مرزا صاحب کا خلیفہؓ اول ہوں۔ جماعت احمدیہ کا لیڈر ہوں۔ قریباً ۴۰ سال سے حکمت کرتا ہوں۔ ریاست کشمیر میں مَیں شاہی طبیب تھا۔ وہاں قریباً ۱۵ سال رہا۔ میں نے نہیں سُنا کہ اس شخص نے کسی پر حملہ کیا ہو۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے اس کو نسخہ لکھ دیا تھا۔ میرے ہاں بیماروں کے لئے کوئی رجسٹر اندراج نہیں۔ میں بیمار کو **پُوری تحقیق** سے دیکھتا ہوں۔ سرسری طور پر کسی کو نہیں دیکھتا[1]"

ایک ضمنی شہادت

الفاظ "پُوری تحقیق سے دیکھتا ہوں" پر آج مورخہ ۶ مارچ ۱۹۶۳ء کی صبح ہی کا واقعہ عرض کرتا ہوں۔ نماز فجر کے بعد محترم جناب ڈاکٹر عبید اللہ خاں صاحب بٹالوی کی موجودگی میں محترم قاضی محمود احمد صاحب مالک راجپوت سائیکل ورکس نیلہ گنبد نے بیان کیا۔ کہ

"میں ابھی والدہ کی گود ہی میں تھا کہ سخت بیمار ہو گیا۔ بخار بڑا تیز تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ لاہور تشریف لائے ہوئے تھے اور احمدیہ بلڈنگس میں قیام فرما تھے۔ مجھے والد محترم حضرت منشی محبوب عالم صاحب حضور کی خدمت میں بغرض علاج لے گئے۔ حضور نے ایک نظر دیکھ کر نسخہ لکھ دیا اور فرمایا کہ بانس کے پتوں کے پانی میں یا والدہ کے دودھ میں تباشیر اور ٹو کونین حل کر کے پلا دو۔ والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ مجھے یہ خیال ہوا کہ حضور نے بچے کو خاص توجہ اور غور سے نہیں دیکھا۔ خیر میں نے نسخہ بنا کر ایک خوراک پلا دی لیکن اپنی جلد بازی سے پھر واپس حضور کی خدمت میں پہنچا اور عرض کیا کہ حضور بخار نہیں اُترا۔ حضور نے فرمایا کہ نورالدین نے آپ کے بچے کو بہت توجہ اور غور سے دیکھا

---

[1] بدر ۱۸ اگست ۱۹۱۰ء

ہے۔جلد بازی اچھی نہیں۔پھر جا کر وہی دوا دو۔لیکن جب میں گھر پہنچا تو دیکھا کہ بخار کا نام ونشان نہیں اور بدن بالکل معمول پر ہے۔"

اب ہم پھر اصل واقعہ کی طرف رجوع کرکے لکھتے ہیں کہ مندرجہ بالا شہادت رائے کیشوداس صاحب مجسٹریٹ کی عدالت میں ہوئی۔رائے صاحب نہایت اخلاق حمیدہ سے پیش آئے۔حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضؓ کی خدمت میں کرسی پیش کی اور اس تکلیف دہی کے لئے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ قانونی مجبوری کی وجہ سے حضور کو ملتان بلانا پڑا۔

وکیل اور کورٹ انسپکٹر نے بھی سوالات کرتے وقت ان آداب کا لحاظ رکھا جو ایک قوم کے لیڈر کے شایانِ شان ہوتے ہیں۔

ایک ضمنی روایت

یہاں مجھے ایک روایت یاد آگئی۔موقعہ کی مناسبت کے لحاظ سے اس کا ذکر کئے دیتا ہوں۔میں نے تقسیم ملک سے کافی عرصہ قبل اور ایسا یاد پڑتا ہے کہ لاہور میں بعض بزرگوں سے سُنا تھا کہ ایک مرتبہ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کسی مقدمہ میں شہادت کے لئے تشریف لے گئے مخالف وکیل نے آپ کی حکیمانہ حیثیت کو گرانے کے لئے یہ سوال کر دیا کہ کیا اس ہفتہ میں کسی مریض نے آپ کی خدمت میں بطور نذرانہ ایک ہزار روپیہ پیش کیا ہے؟ حضور نے فرمایا۔ ہاں! قادیان واپس پہنچکر حضور نے اس شخص کو جس نے ایک ہزار روپیہ آپ کی خدمت میں پیش کیا تھا، اس شکریہ میں کہ اس کی وجہ سے حضور کا وقار قائم رہا پانچ سو روپیہ کی رقم واپس کر دی۔

اس ضمنی روایت کے اندراج کے بعد پھر ہم اصل موضوع کی طرف لوٹتے ہیں۔ذکر یہ ہو رہا تھا کہ حضرت خلیفۃ المسیحؓ نے ملتان کی ایک عدالت میں ایک مقدمہ کے دوران میں شہادت دی۔شہادت کے بعد حضور مکان پر تشریف لائے۔ارادہ تو اسی روز واپس لاہور آنے کا تھا مگر معززین شہر کے اصرار پر ایک روز اور قیام کرنا منظور فرما لیا۔شام تک لگاتار بیمار آتے رہے۔دوسرے روز بھی شام تک یہی سلسلہ جاری رہا۔درمیان میں بعض لوگ کچھ مسائل بھی دریافت کر لیتے تھے۔چنانچہ ایک شخص نے عرض کی کہ حضور! مجھے خوابیں بہت آتی ہیں۔میں نہیں جانتا کہ ان میں سے کچھ شیطانی بھی ہوں۔فرمایا تم سونے سے قبل قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس ہر دو سورتیں پڑھ کر ہاتھ پر پھونک کر سارے بدن پر ہاتھ پھیر لیا کرو۔اور لاحول پڑھا کرو۔اس سے تم محفوظ رہو گے۔بُرا خواب آوے تو اعوذ پڑھو اور لاحول پڑھو اور بائیں طرف

تھوک دو۔ اللہ تعالیٰ اس کے شر سے تم کو محفوظ رکھے گا۔

تکلیف ایک خیالی امر ہے

ایک شخص نے عرض کی کہ حضور کو کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔ فرمایا۔ تکلیف بھی ایک خیالی بات ہے۔ ایک نان پز ایک روٹی کے واسطے دو دفعہ تنور میں سر ڈالتا ہے۔ مجھے اگر کوئی دو لاکھ روپیہ دے تو میں ایک دفعہ بھی تنور میں سر ڈالنا نہیں چاہتا میں تو یہی کہہ دوں کہ مجھے روپیہ کی ضرورت نہیں۔[1]

چکڑالوی فرقہ سے سوال

اس کے بعد حضور نے چکڑالوی فرقہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ

"میں نے چکڑالویوں پر دو سوال کئے تھے جن کے وہ کچھ جواب نہ دے سکے۔ ان میں سے ایک سوال یہ تھا کہ جب تم کلمہ شریف لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اس واسطے نہیں پڑھتے کہ یہ الفاظ قرآن شریف میں ایک جگہ نہیں آئے۔ تو پھر نماز جو تم نے بنائی ہے وہ کیوں پڑھتے ہو۔ اس کے الفاظ بھی تو قرآن شریف میں ایک جگہ ہو کر نہیں آتے"

بعد ازاں ہر نماز کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دعا نہ مانگنے کے سوال کا آپ نے شرح و بسط کے ساتھ جواب دیا۔

مخدوم صاحب کی ملاقات کے لئے تشریف آوری

۲۶ر جولائی ۱۹۱۰ء کی شام کو شہر ملتان کے رئیس اعظم اور آنریری مجسٹریٹ جناب مخدوم حسین بخش صاحب آپ کی ملاقات کے لئے تشریف لائے اور ۲۷ر تاریخ کی صبح کو آپ کی دعوت معہ تمام جماعت احمدیہ ملتان کی۔[2]

پبلک جلسہ

۲۷ر جولائی کی شام کو معززین ملتان کی درخواست پر آپ نے انجمن اسلامیہ کے ہال میں ۱½ گھنٹہ کے قریب ایک پُر اثر تقریر فرمائی جس میں آپ نے ضرورت زمانہ کے مطابق ہر طبقہ کے حاضرین کو جامع نصائح فرمائیں۔[3]

روانگی از ملتان۔ ۲۷ر جولائی ۱۹۱۰ء

۲۷ر جولائی کی شام کو ملتان سے روانگی ہوئی۔ تمام جماعت احمدیہ ملتان مشایعت کے لئے اسٹیشن پر موجود تھی۔ ۲۸ر کی صبح کو ۸ بجے کے قریب لاہور پہنچے۔ اسٹیشن لاہور پر بھی کافی تعداد میں خدام استقبال کے لئے موجود تھے۔[4]

۲۹ر جولائی کو لاہور میں ہی جمعہ کی نماز پڑھائی۔ ۳۱ر جولائی بروز اتوار احباب جماعت کی درخواست پر آپ نے صبح کے وقت احمدیہ بلڈنگس کے میدان میں ایک پبلک جلسہ میں "اسلام اور دیگر مذاہب" کے عنوان

---

[1]، [2] بدر پرچہ ۱۱ر اگست ۱۹۱۰ء [3] تفصیل کے لئے دیکھئے بدر ۱۱ر اگست ۱۹۱۰ء [4] ایضاً

تقریر فرمائی۔ اور شام کو واپس قادیان تشریف لے گئے۔[۲]

حکیم محمد عمر صاحب کا ذکر خیر

ناشکرگذاری ہوگی اگر محترم جناب حکیم محمد عمر صاحب کا اس موقعہ پر ذکر نہ کیا جائے۔ اس سفر میں محترم حکیم صاحب شروع سے لیکر آخر تک قافلہ کے ساتھ رہے اور جس محبت اور اخلاص کے ساتھ انہوں نے حضرت خلیفۃ المسیحؓ کی خدمت کی وہ قابل رشک ہے۔ ایڈیٹر صاحب بدر لکھتے ہیں کہ

"نہ صرف سفر میں بلکہ حضر میں بھی انہیں رات دن یہ فکر رہتی ہے کہ حضرت صاحب کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔ آمین۔"[۳]

خطبہ جمعہ فرمودہ حضرت محمود ایدہ اللہ تعالیٰ۔ ۲۹ جولائی ۱۹۱۰ء

اوپر گذر چکا ہے کہ ۲۹ جولائی کو جمعہ سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الاولؓ نے لاہور میں پڑھایا تھا۔ قادیان میں آپ کے ارشاد کے ماتحت جمعہ سیدنا حضرت محمود ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے پڑھایا اور یہ پہلا جمعہ تھا جو آپ نے پڑھایا خطبہ میں آپ نے آیت کریمہ ان اللّٰہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینھیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغی کی نہایت ہی لطیف تفسیر فرمائی[۴]

حضرت مسیح موعودؑ کے دعویٰ کی صحت پر قسم

میاں خدا بخش صاحب اور میاں غلام رسول صاحب پٹواری نے حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح کی خدمت میں لکھا کہ

"چونکہ آپ کے تقویٰ وطہارت پر ہم کو پورا یقین ہے اور آپ کا علم قرآن شریف اور احادیث بدرجہ کمال ہے اس لئے آپ اگر حلفیہ اپنی دستخطی یہ تحریر کرکے بھیجدیں کہ مرزا صاحب موصوف وہی مہدی معہود و مسیح موعود ہیں جن کی بابت ہمارے نبی آخر الزمان جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی ہے اور بے شمار احادیث میں جن کا ذکر ہے تو ہم محض اسی بنا پر سلسلہ احمدیہ میں داخل ہو جاویں گے صرف آپکے جواب کا انتظار ہے ورنہ قیامت کے دن آپ ذمہ دار ہونگے کہ سچائی آپ نے ظاہر نہیں کی۔"

آپ نے جواب میں لکھا:-

"اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ واشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ میں خدا تعالےٰ کی قسم کرکے یہ چند حروف لکھتا ہوں کہ مرزا غلام احمد پسر مرزا غلام مرتضےٰ

---

[۱] تقریر کیلئے دیکھئے بدر ۱۸ اگست ۱۹۱۰ء [۲] بدر ۴ اگست ۱۹۱۰ء [۳] بدر ۱۸ اگست ۱۹۱۰ء [۴] بدر ۲۱/۲۸ جولائی ۱۹۱۰ء

ساکن قادیان ضلع گورداسپور اپنے دعویٰ مسیح و مہدی و مجددیت میں میرے نزدیک سچا تھا۔ اس کے دعاوی کی تکذیب میں کوئی آیت قرآنیہ اور کوئی صحیح حدیث کسی کتاب میں مَیں نے نہیں دیکھی۔ نورالدین ۲۱ اپریل ۱۹۱۰ء" [1]

اخبار سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ آیا ان دونوں دوستوں نے پھر بیعت کی تھی یا نہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح کا رمضان میں سحری کے وقت قرآن سُننا

۱۳۲۸ھ میں جو رمضان کا مبارک مہینہ شروع ہوا۔ انگریزی مہینہ کی رو سے ۶ ستمبر ۱۹۱۰ء کو بروز منگل پہلا روزہ تھا۔ بدر میں "مدینۃ المسیح" کے عنوان کے تحت لکھا ہے:-

"مسجد مبارک میں حافظ صوفی تصور حسین پچھلی رات سحری کے وقت ۸ رکعت میں اور مسجد اقصٰی میں حافظ محمد ابراہیم صاحب بعد از عشا ۲۰ رکعت میں قرآن سنانے کے لئے مقرر ہوئے اللہ تعالیٰ اُن کو تقویٰ و اخلاص، صحت و عافیت کے ساتھ اس کارِ خیر کی توفیق دے حضرت امیر المومنین باوجود ناسازیٔ مزاج قرآن سننے میں شامل ہوتے ہیں آپ نے ..... ارادہ فرمایا ہے کہ ایک پارہ ہر روز سُنایا کروں۔" [2]

حضرت اقدس کی صداقت پر قسمیہ شہادت

سردار محمد عجب خاں صاحب سے کسی شخص نے حضرت مسیح موعودؑ کی نبوت کے متعلق سوال کیا۔ انہوں نے جو جواب دیا۔ وہ لکھ کر حضرت امیر المومنین کی خدمت میں اس لئے پیش کیا کہ آیا میرا جواب صحیح ہے یا نہیں۔ حضور نے ان کے جواب سے اتفاق کرتے ہوئے لکھا کہ

"بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم والہ مع التسلیم

امابعد فالسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ دل چیر کر دیکھنا یا دکھانا انسانی طاقت سے باہر ہے۔ قسم پر کوئی اعتبار کرے تو واللہ العظیم کے برابر کوئی قسم مجھے نظر نہیں آتی۔ نہ آپ میرے ساتھ میری موت کے بعد ہوں گے نہ کوئی اَور میرے ساتھ سوائے میرے ایمان و اعمال کے ہوگا۔ پس یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونیوالا ہے۔ واللہ العظیم واللہ الذی باذنہٖ تقوم السماء والارض۔

میں مرزا صاحب کو مجدد اس صدی کا یقین کرتا ہوں۔ میں ان کو راستباز مانتا ہوں حضرت

---

[1] بدر ۲۵ اگست ۱۹۱۰ء [2] بدر ۱۵ ستمبر ۱۹۱۰ء

محمد رسول اللہ النبی العربی المکی خاتم النبیین کا غلام اور اس کی شریعت کا بدل خادم مانتا ہوں اور مرزا خود اپنے آپ کو جاں نثار غلام نبی عربی محمد بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف کا مانتے تھے۔ نبی کے معنی لغوی پیش از وقت اللہ تعالیٰ سے اطلاع پا کر خبر دینے والا ہم لوگ یقین کرتے ہیں نہ شریعت لانے والا۔

مرزا صاحب اور میں خود جو شخص ایک نقطہ بھی قرآن شریف کا اور شریعت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نہ مانے، اُسے کافر اور لعنتی یقین کرتا ہوں۔ یہی میرا اعتقاد ہے اور یہی میرے نزدیک مرزا غلام احمدؐ کا تھا۔ کوئی رد کرے یا نہ مانے یا منافق کہے اس کا معاملہ حوالہ بخدا۔ نورالدین بقلم خود ۲۳ ؍ اکتوبر ۱۹۱۰ء " [1]

محلہ دار العلوم

حضرت خلیفۃ المسیحؓ کے زمانہ میں جب مدرسہ تعلیم الاسلام، مسجد نور اور بورڈنگ ہاؤس کی عمارتیں باہر کھلے میدان میں بننا شروع ہو گئیں تو کوئی اس جگہ کا کچھ نام لیتا تھا کوئی کچھ۔ اس پر اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی نے حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں یہ صورت حال پیش کر کے عرض کی کہ حضور اس محلہ کا کوئی نام تجویز فرماویں۔ اس پر حضور نے اس محلہ کا نام " دار العلوم " تجویز فرمایا۔ [2]

ایک معذرت

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کے عہد مبارک میں غیر احمدیوں، آریوں اور عیسائیوں کے ساتھ متعدد کامیاب مناظرے ہوئے کئی وفود تبلیغ احمدیت واسلام کے لئے ہندوستان کے طول وعرض میں چکر لگاتے رہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں ایسی ایسی شاندار کامیابیاں عطا فرمائیں کہ ان کا تفصیلی تذکرہ قارئین کرام و آئندہ نسلوں کے لئے یقیناً ازدیاد علم وعرفان کا موجب ہے۔ اور دل چاہتا تھا کہ انہیں اس کتاب کی زینت بنایا جائے کیونکہ تاریخ احمدیت کا یہ بھی ایک زریں باب ہے۔ لیکن چونکہ کتاب ہذا کا حقیقی موضوع حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الاولؓ کی سیرت وسوانح سے متعلق واقعات کا اختصار کے ساتھ یکجائی طور پر ذکر کرنا ہے اور باوجود اختصار کے کتاب کا حجم زیادہ ہوتا جا رہا ہے اس لئے ہم معذرت کے ساتھ ان مناظرات اور جلسوں وغیرہ کا ذکر کئے بغیر اپنے اصلی موضوع کو جاری رکھنے پر مجبور ہیں۔

اعلان از جانب حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ

ابتداء نومبر ۱۹۱۰ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی طرف سے جناب ایڈیٹر صاحب بدر نے مندرجہ ذیل اعلان شائع کیا

" حضرت سلمہ ربہ نے عاجز کو ارشاد فرمایا ہے کہ چونکہ آپ کی طبیعت اکثر علیل رہتی ہے۔ اور بعض

---

[1] بدر ۲۷ ؍ اکتوبر ۱۹۱۰ء۔ [2] بدر ۲۰ ؍ اکتوبر ۱۹۱۰ء۔

دفعہ بیماری بہت بڑھ جاتی ہے اور انسان کی زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس واسطے حضور کی طرف سے اخباری اعلان کیا جاوے کہ اگر کسی کا کچھ روپیہ حضور کے پاس بطور امانت ہو یا قرضہ ہو یا کسی اور وجہ سے دیا ہو یا کسی مریض نے آپ کو کچھ معالجہ کے واسطے دیا ہو اور اس کے خیال میں اس کا حق اسے نہ ملا ہو۔ غرض ہر ایسا شخص جو آپ سے کچھ واجب الادا یقین ادا کرنا ہے اسے چاہئیے کہ مطالبہ کرے اور اپنا حق وصول کر لے۔

فرمایا۔ ایسے مطالبات کا ادا کرنا اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمارے واسطے بہت آسان ہے۔ خدا نے ہمارے لئے سب سامان مہیا کر دیئے ہیں"[1]

یہ روپیہ کس کا ہے؟

اسی طرح کا ایک اور اعلان حضور کی طرف سے اسی پرچہ میں یوں شائع ہوا کہ "گذشتہ سالانہ جلسہ میں کسی شخص نے حضرت خلیفۃ المسیحؑ کی خدمت میں اس وقت جبکہ آپ نواب محمد علیخاں صاحب کی کوٹھی کے سامنے جنوبی جانب کھڑے تھے، ایک رقم پیش کی تھی۔ حضور کو خیال نہ رہا کہ وہ کون شخص تھا اور یہ رقم اس نے کسی مطلب کیواسطے دی تھی لہذا اب تک وہ رقم اسی طرح بندمد امانت میں پڑی ہے۔ آج تک حضرت نے اسے شمار بھی نہیں کیا کہ کتنے روپے ہیں۔ لہذا جو صاحب اخبار پڑھیں وہ دوسروں سے بھی ذکر کریں اور اس رقم کا پتہ نکال کر مطلع فرماویں۔"[2]

ہم غیر احمدی کے پیچھے نماز کیوں نہیں پڑھتے؟

اسی عنوان کے ماتحت پرچہ ۳، ۱۰ نومبر ۱۹۱۰ء میں خان صاحب منشی فرزند علی صاحبؓ کا ایک مضمون شائع ہوا جس میں یہ ثابت کیا گیا کہ موجودہ حالات میں احمدیوں کی نمازیں غیر احمدی اماموں کے پیچھے ہرگز نہیں ہو سکتیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے اس مضمون کو بغور پڑھ کر اصلاح فرمائی اور فرمایا کہ

"قرآن مجید میں ایک آیت ہے جو ہر جمعہ صبح کی نماز میں پڑھی جاتی ہے وجعلنا منھم ائمۃ یھدون بامرنا لما صبروا وکانوا بایاتنا یوقنون۔

اس سے ثابت ہے کہ امامت انہی لوگوں کا حق ہے جو صبر کریں۔ نیکیوں پر ثابت قدم اور بدی سے رُکے رہیں اور ہماری آیات پر یقین رکھیں۔ مسیح موعود بھی ایک آیت اللہ تھا اور اس کے ہاتھ پر کئی نشانات خدا تعالیٰ نے ظاہر کئے۔ مگر ان لوگوں نے یقین کرنے کی

---

[1] بدر ۳ نومبر ۱۹۱۰ء صفحہ ۲ ۔ [2] حوالہ "ایضاً"

بجائے ان کی صرف تکذیب ہی نہیں کی۔ بلکہ اکذب الکافرین اور اکفر کہا ہے یا بعض نے کم از کم پرواہ نہ کی۔ پس یہ لوگ ہمارے امام کیونکر بن سکتے ہیں۔

اس مضمون میں جن وجوہات پر علیحدگی اختیار کی گئی ہے۔ ان کے پڑھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ہم لوگ کیسے امن دوست ہیں۔ اہلحدیث کے مقدمات اب تک مساجد کے متعلق چلے آتے ہیں۔ لیکن ہم نے اس قسم کی سلسلہ جنبانی کر کے امن میں خلل نہیں ڈالنا چاہا اور خود ہی الگ ہو گئے۔ چنانچہ ہمارے امام ہمام جری اللہ فی حلل الانبیاء نے اعلام الٰہی سے یہ حکم دیا جو اربعین[۳] حاشیہ صفحہ ۲۸ میں درج ہے اور جس پر پورے استقلال سے قائم رہنا ہر احمدی کو ضروری ہے۔ یہ مسئلہ نہ تو مشروط بہ شرط ہے کہ اس کی تعمیل کسی خاص مدت تک محدود ہو۔ نہ صرف امام کا اجتہادی مسئلہ ہے بلکہ وحی الٰہی سے ہے اور نہ اس کے متعلق مکروہ کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ نہ صرف مکذّب و مکفّر کے پیچھے بلکہ متردد کے پیچھے بھی منع ہے۔ صرف ایک ہی صورت میں نماز جائز قرار دی ہے۔ وہ یہ کہ بذریعہ اعلان مکفرین و مکذبین سے علیحدگی اختیار کی جاوے۔ کیونکہ انہوں نے ایک برگزیدہ کی تکفیر کی۔ جیسا کہ حضرت علیہ السلام کا ایک شعر ہے۔ ؎

مجھ کو کافر کہتے ہیں میں بھی انہیں مومن کہوں
گر نہ ہو پرہیز کرنا جھوٹ سے دین کا شعار

پھر (کیونکر) جائز ہے کہ ان کی امامت میں ہم نماز پڑھیں" [۱]

جماعت کی اندرونی اصلاح کے متعلق بعض سوالات کے جوابات

کسی صاحب نے حضرت مفتی محمد صادق صاحب ایڈیٹر بدر کی خدمت میں چند سوالات لکھے اور خواہش ظاہر کی کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ سے جوابات حاصل کر کے بواپسی روانہ فرماویں حضرت مفتی صاحب نے وہ سوالات بھی اخبار میں درج فرمائے ہیں۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ کے جوابات بھی۔ چونکہ جماعت میں آئے دن ایسے جھگڑے اب بھی پیدا ہوتے رہتے ہیں اس لئے افادہ عام کے لئے انہیں درج کیا جاتا ہے۔

سوال[۱]۔ جماعت میں اگر دو آدمیوں کی باہم عداوت ہو۔ تو جماعت کو یا جماعت کے مُسلّم سرگروہ کو کیا کرنا چاہیئے۔

سوال[۲]۔ اگر جماعت یا جماعت کا کوئی مسلّم سرگروہ دونوں کو صلح کرنے کا حکم دے اور ایک شخص صلح سے باوجود

---

[۱] بدر پرچہ ۲۲ دسمبر ۱۹۱۰ء صفحہ ۲

بار بار کہنے کے انکار کرے تو جماعت کو یا اس مسلّم سرگروہ کو اس شخص کے متعلق کیا کرنا چاہیئے۔

سوال ۲۔ کیا اس زمانہ میں جماعت کے باہمی اندرونی سیاست کے واسطے بھی کوئی قانون قاعدہ ہے یا نہیں؟ یا یہ کہ ممبر جو چاہے کرے اور جماعت اس سے محبت اور برادری کا تعلق برابر قائم رکھے۔ جوابات میں اگر قرآن شریف کی آیت یا حدیث کا حوالہ ہو تو بہتر ہوگا۔

جوابات ۱۔ ان کو نصیحت کریں۔ الدین نصح اور نہ تھکیں۔ اور پھر دعا کریں۔ یستغفرون للذین اٰمنوا۔

۲۔ بعد نصیحت اور دعا کے پھر اس کے لئے بالا دست لوگوں کو اطلاع دی جائے اور اگر پھر نہ ملنے تو اس کو جماعت سے الگ یقین کریں۔ آیت وعلی الثلاثۃ الذین خُلّفوا کافی ہے۔

۳۔ قواعد کا نفاذ حکومت پر موقوف نہ ہے یا رُعب پر۔ فقاتلوا التی حتی تفئ الیٰ امر اللہ "[1]

کیا ہم پھر وچھووالی جا سکتے ہیں؟

قارئین کرام کو یاد ہوگا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں ۲-۳-۴ دسمبر ۱۹۰۷ء کو وچھووالی لاہور کی آریہ سماج نے جماعت احمدیہ کے معزز ممبروں اور دیگر مسلمانوں کو بلا کر باوجود اس اقرار کے کہ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے خلاف بدزبانی سے پرہیز کریں گے پھر بھی بدزبانی کی انتہا کر دی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جب اس امر کی اطلاع ہوئی تو حضور نے احمدیوں پر سخت اظہار ناراضگی کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ لوگ ایسی مجلس میں بیٹھے کیوں رہے۔ اور آپ لوگوں کی غیرت نے کس طرح برداشت کیا کہ ایک مجلس جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف زہر اُگلا جائے آپ اُسے خاموشی کے ساتھ سُنتے رہیں وغیرہ وغیرہ۔

اس واقعہ کے تین سال بعد پھر آریہ سماج وچھووالی کے پرنسپل صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک خط لکھا جس میں حضور سے استدعا کی کہ ہم ایک جلسہ کر رہے ہیں جس میں ہم چاہتے ہیں۔ کہ خواجہ کمال الدین صاحب بھی ایک لیکچر دیں۔ حضور نے اس خط کے جواب میں تحریر فرمایا۔

"مکرم معظم پرنسپل صاحب بالقابہ وآدابہ۔ خاکسار پورے طور پر بحمد اللہ مذہب اسلام سے آگاہ اور اسلام کے اصول باآواز بلند پانچوقت سُنائے جاتے ہیں۔ لا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ قرآن کریم کا حکم ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ مت گالی دو ان کو جن کو پکارتے ہیں اللہ کے سوا۔ اس حکم کے مطابق ہم کسی کے معبود کو بُرا کہنے کے مجاز نہیں۔

---

[1] بدر ۳۰ نومبر ۱۹۱۰ء صفحہ ۴

پھر صرف دنیا میں ہماری جماعت ہے جس نے "پیغام صلح" لاہور میں دیا۔ مگر میرے معزز اور شریف انسان! ہمیں وچھووالی کا ہال ایک بار پورا سبق دے چکا ہے۔ میں خود اس لیکچر میں تھا جس میں مہمانوں کا ذرا لحاظ نہ ہوا۔

پھر اس وقت ہماری جماعت ایک شخص کے ماتحت ہے اور ممبران آریہ سماج آزادی میں پوری ڈگری لے چکے ہیں۔ وہ جماعت کسی خاص مقتدا کے ماتحت نہیں۔

خاکسار نورالدین ۲۹ر اکتوبر ۱۹۱۰ء "[1]

مولوی عبداللہ صاحب چکڑالوی کے متعلق سوال اور اس کا جواب

ایک شخص نے مولوی عبداللہ صاحب چکڑالوی کے مسلک کے متعلق چند سوالات کئے جن کے جوابات میں آپ نے تحریر فرمایا۔

"چکوالہ کے مولوی سے تو ملنے کا موقعہ نہیں ملا۔ کہ اس سے دریافت کروں۔ مگر میں نے اس کے مقرب لوگوں سے پوچھا ہے کہ تم لوگ کلمہ پورا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ تو اس لئے اکٹھا نہیں پڑھتے کہ قرآن کریم میں ایک جگہ موجود نہیں۔ یہ نماز کہاں کہاں سے اکٹھی کر کے جوڑی ہے۔ پھر ان میں تین رسالے نکلے ہیں سب کی نماز الگ الگ ہے۔

دوم۔ نماز کے وقت منہ کو قبلہ کی طرف کرنے کا حکم قرآن کریم میں کہاں ہے؟ مگر ابتک تو کسی نے کچھ نہیں بتلایا۔

اسلام اور ایمان کہیں تو ایک معنے میں آتے ہیں اور کہیں اسلام وسیع معنے میں آتا ہے۔ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام دونوں صلی اللہ علیہما وبارک وسلم (آمین) عظیم الشان رسول ہیں اور حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مثیل فرمایا ہے مگر وسعت کا فرق دونوں میں ہے اس لئے وسیع معنے والا لفظ بڑے کے لئے اور دوسرے کے لئے دوسرا تجویز ہوا ہے۔ ولعل اللہ یحدث بعد ذالک۔

نورالدین ۲۲ر اکتوبر ۱۹۱۰ء "[2]

---

[1] بدر پرچہ ۳ نومبر ۱۹۱۰ء صفحہ ۴۔
[2] بدر "ایضاً"

ساتواں باب

حضرت خلیفۃ المسیح کا گھوڑے سے گرنا

بیماری سے اُٹھنے کے بعد پہلا خطبہ منکرین خلافت کی پھیلائی ہوئی خلاف واقعہ باتوں کا جواب اور احمدیہ بلڈنگس میں آپکی معرکۃ الآراء تقریر

حضرت خلیفۃ المسیح کا گھوڑے سے گرنا۔ ۱۸ر نومبر ۱۹۱۰ء

۱۸ر نومبر ۱۹۱۰ء وہ تاریخی دن ہے جس میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک پیشگوئی کے مطابق حضرت نواب محمد علی خاں صاحب کی کوٹھی سے واپس تشریف لاتے ہوئے گھوڑے پر سے گر پڑے اور آپ کی پیشانی پر شدید چوٹیں آئیں۔ یہ جمعہ کا روز تھا اور کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ آج جمعہ کے بعد کیسا دردناک حادثہ پیش آنیوالا ہے۔ مگر تصرفات الٰہیہ کے ماتحت اُس دن حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ نے جو خطبہ پڑھا ایسا معلوم ہوتا تھا گویا آپ کسی آنیوالی گھڑی کو دیکھتے ہوئے اپنی جماعت سے الوداعی خطاب فرما رہے ہیں چنانچہ آپ نے اُس روز جو کچھ فرمایا اُس کے چند فقرات ملاحظہ ہوں۔ فرمایا۔

"میری آرزو ہے کہ میں تم میں ایسی جماعت دیکھوں جو اللہ تعالیٰ کی محب ہو۔ اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی متبع ہو۔ قرآن سمجھنے والی ہو۔ میرے مولیٰ نے بلا امتحان اور بغیر مانگنے کے بھی مجھے عجیب عجیب انعامات دیئے ہیں۔ جن کو میں گن بھی نہیں سکتا۔ وہ ہمیشہ میری ضرورتوں کا آپ ہی کفیل ہوا ہے۔ وہ مجھے کھانا کھلاتا ہے اور آپ ہی کھلاتا ہے۔ وہ مجھے کپڑا پہناتا ہے اور آپ ہی پہناتا ہے۔ وہ مجھے آرام دیتا ہے اور آپ ہی آرام دیتا ہے۔ اُس نے مجھے بہت سے مکانات دیئے ہیں۔ بیوی بچے دئے۔ مخلص اور سچے دوست دئے۔ اتنی

کتابیں دیں کہ دوسرے کی عقل دیکھ کر ہی چکر کھا جائے۔ پھر مطالعہ کے لئے وقت۔ صحت۔ علم سامان دیا۔ اب میری آرزو ہے اور مَیں اپنے مولیٰ پر بڑی بڑی امید رکھتا ہوں کہ وہ یہ آرزو بھی پوری کرے گا کہ تم میں سے اللہ تعالیٰ کی محبت کرنے والے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے محبت رکھنے والے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار اور اُس کے خاتم النبیین کے سچے متبع ہوں۔ اور تم میں سے ایک جماعت ہو جو قرآن مجید اور سنتِ نبوی پر چلنے والی ہو۔ اور مَیں

دنیا سے رخصت ہوں تو میری آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور میرا دِل ٹھنڈا ہو۔ دیکھو مَیں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔ نہ تمہاری نذر و نیاز کا محتاج ہوں مَیں تو اس بات کا امیدوار بھی نہیں کہ کوئی تم میں سے مجھے سلام کرے۔ اگر چاہتا ہوں تو صرف یہی کہ تم اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بن جاؤ۔ اُس کے محمد رسول اللہ صلعم کے متبع ہو کر دنیا کے تمام گوشوں میں بقدر اپنی طاقت و فہم کے امن و آشتی کے ساتھ لا الٰہ الا اللہ پہنچاؤ۔[ل]

اِس واقعہ کی تفصیل

اب ہم اس واقعہ کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔ جناب ایڈیٹر صاحب الحکم کا بیان ہے کہ

"۱۸ نومبر ۱۹۱۰ء کو بعد نماز جمعہ حضرت خلیفۃ المسیحؓ گھوڑے پر سوار ہو کر نواب صاحب کی کوٹھی پر تشریف لے گئے۔ نواب صاحب ۱۷ نومبر کو قادیان آئے تھے۔ اس لئے حضرت ازراہِ محبت و شفقت جو آپ کو اپنے خدام سے ہے۔ ان سے ملنے کے لئے تشریف لے گئے۔ علاوہ ازیں چونکہ حضرت مسیح موعود و مغفور کی صاحبزادی نواب صاحب کے گھر میں ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیحؓ کو مَیں نے دیکھا کہ وہ بنت مسیح موعود کا جائز احترام مدّنظر رکھتے ہیں۔ اور اس سے اس محبت کا پتہ لگتا ہے۔ جو آپ کو اہلبیت حضرت خلیفۃ اللہ والمہدی سے ہے۔ واپسی پر گھوڑی نہایت بیخودی اور سرکشی سے آرہی تھی۔ ملک مولا بخش صاحب رئیس گوالی بیان کرتے ہیں۔ کہ گھوڑی ایسی تیز اور بے خود تھی۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح ایسی قوت اور اطمینان کے ساتھ اس پر بیٹھے تھے کہ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا۔ مَیں نے بڑے بڑے سوار دیکھے ہیں مگر حضرت کی شان اس وقت نرالی تھی۔ آخر گھوڑی ایک تنگ

[ل] الحکم جلد ۱۴ ۱۹۱۰ء نمبر ۴۱ صہ ۱۴۔

کوچہ میں ہوکر گذری ۔ اور حضرت زمین پر آرہے ۔ اور پیشانی میں سخت چوٹ آئی ۔

یہ پہلا موقعہ آپ کے ثبات و استقلال کے امتحان کا تھا ۔ حضرت نے گھوڑی سے گر کر کسی قسم کی گھبراہٹ و اضطراب کا اظہار نہیں کیا ۔ آپ کو اٹھایا گیا ۔ اور زخم پر پانی بہایا گیا آپ پورے استقلال کے ساتھ اُٹھے ۔ اور پیدل چلے آئے ۔ بالآخر ڈاکٹر بشارت احمد صاحب اور ڈاکٹر الٰہی بخش اور ڈاکٹر شیخ عبداللہ صاحب نے زخموں کو درست کیا ۔ اور بدوں کلورا فارم کے عمل کے زخم کو سی دیا ۔ حضرت کی عمر ۸۰ سال کے قریب ہے ۔ اور علی العموم آپ پر اسہال کی بیماری حملہ کرتی رہتی ہے ۔ لیکن دیکھنے والے دیکھتے تھے کہ زخم کے سیئے جانے کے وقت آپ کے چہرہ پر یا بدن کے کسی حصہ میں کوئی شکن تک نہیں پڑا ۔ استقلال اور ضبطِ نفس کا ایک نمونہ تھا کہ وہ کامل ایمان کے بدوں ناممکن ہے[۱] ۔ "

اِس واقعہ کو سُن کر جب مردوں اور عورتوں کا اژدحام ہوگیا تو آپ نے عورتوں کو یہ پیغام دیا ۔ کہ

" ان سے کہدو کہ مَیں اچھا ہوں ۔ مَیں گھبراتا نہیں ۔ اور نہ میرا دل ڈرتا ہے ۔ وہ سب اپنے گھروں کو چلی جائیں اور اپنا نام لکھوا دیں ۔ مَیں اُن کے لئے دُعا کروں گا ۔"

پھر اپنے خدام سے فرمایا ۔ کہ

"مَیں تمہارے لئے دعا کروں گا ۔"

جناب ایڈیٹر صاحب الحکم لکھتے ہیں ۔

"مَیں نے ایک موقعہ پر کسی ذریعہ سے عرض کیا ۔ کہ اگر پسند کریں ۔ تو حاذق الملک کو دہلی سے بلواؤں ۔ اور مجھے یقین تھا ۔ اور بحمدللہ ہے کہ وہ حضرت کی علالت کی خبر پا کر فوراً آ جائیں ۔ اور ان کے طبی مشورہ کی ضرورت ہو ۔ تو وہ خوشی سے دیں ۔ مگر اس کا جواب جو آپ نے دیا ۔ وہ آپ زر سے لکھنے میں بھی پوری قدر نہیں پاتا ۔ فرمایا ۔

"خدا پر توکل کرو ۔ میرا بھروسہ نہ ڈاکٹروں پر ہے نہ حکیموں پر مَیں تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہوں ۔ اور اُسی پر تم بھروسہ کرو[۲] ۔"

---

[۱] الحکم نومبر ۱۹۱۰ء ۔ [۲] الحکم نومبر ۱۹۱۰ء ۔

ایک عینی شاہد کا بیان

محترم جناب شیخ رحمت اللہ صاحب رضؓ مہاجر قادیان جو تقسیم ملک کے بعد لائلپور میں مقیم ہو گئے تھے اور وہیں آپ نے وفات پائی۔

اُن کا بیان ہے۔ کہ

"ایک دوست نے سُرخ رنگ کی ایک گھوڑی حضرت خلیفہ اوّلؓ[۱] کو تحفہ کے طور پر دی تھی آپ اس پر سوار ہو کر اس گلی میں سے آرہے تھے۔ جو مہرالدین آتشباز کے مکان کے قریب ہے گھوڑی بہت بدکنے والی تھی۔ چنانچہ وہ بدک گئی۔ اور حضرت خلیفہ اوّلؓ کا پاؤں رکاب میں اٹک گیا۔ اور حضور ایک طرف کو لٹک گئے۔ مَیں نے دیکھا اور فوراً بھاگ کر لگام پکڑ لی۔ میں جوان تھا۔ میں نے گھوڑی کو چھوڑا نہیں۔ وہ مجھے دھکیل کر آٹھ دس قدم تک لے گئی اتنے میں آپ کا پاؤں رکاب سے نکل گیا۔ اور آپ ایک کھنگر پر گرے۔ جس کی وجہ سے آپ کی کنپٹی پر چوٹ آئی۔ جو بعد میں ناسور بن گئی۔ اور یہ ناسور آپ کی وفات تک باقی رہا۔ حضور گرنے سے بیہوش ہو گئے۔ مَیں نے آپ کو اٹھایا۔ اور چونکہ یہ واقعہ میرے مکان کے سامنے پیش آیا تھا۔ اِسلئے اپنی اہلیہ کو آواز دی۔ وہ چارپائی اور کپڑا لے آئیں۔ اور آپ چارپائی پر لیٹ گئے حضور کے سر میں پانی ڈالا۔ مگر خون بند نہ ہوا۔ مَیں نے اپنی پگڑی سے خون صاف کیا۔ جو نصف کے قریب خون آلود ہو گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہوش آئی۔ تو فرمایا۔ خدا کے مامور کی بات پوری ہو گئی۔ اور میرے دریافت کرنے پر کہ کونسی؟ فرمایا کیا آپ نے اخبار میں نہیں پڑھا کہ حضور نے میرے گھوڑے سے گرنے کی خواب دیکھی تھی۔

میری اہلیہ نے عرض کیا۔ حضور دودھ لاؤں۔ فرمایا۔ نہیں مَیں دودھ کا عادی نہیں اِس سے مجھے اسہال کی شکایت ہو جاتی ہے۔ پھر حضور کو چارپائی پر ہی اٹھا کر آپ کے مکان پر حکیم غلام محمد صاحب امرتسری آپ کے شاگرد اور غلام محی الدین صاحب جو بچوں کے خادم تھے وغیرہما اٹھا کر لے گئے۔ مَیں بھی ساتھ تھا لیکن چارپائی اٹھانے کا مجھے موقعہ نہیں ملا۔

تیسرے روز حکیم غلام محمد صاحب موصوف آئے اور کہا کہ حضرت خلیفہ اوّلؓ خون آلود پگڑی منگواتے ہیں۔ مَیں ان کے ساتھ حاضر ہوا۔ تو فرمایا۔ وہ پگڑی ہمیں دیدو۔ میرے توقف

---

[۱] محترم شیخ رحمت اللہ صاحب کو غلطی لگی ہے۔ گھوڑی میاں عبدالحی صاحب کو ہدیۃً پیش کی گئی تھی۔

پرحضور میرا مطلب سمجھ گئے۔ اور فرمایا۔ اچھا اسے دھلالو۔ اور استعمال کرو۔ لیکن ٹکڑے کرکے لوگوں میں تقسیم نہ کرنا۔ اور مجھے ایک نئی پگڑی بھی عنایت کی۔ احباب پگڑی دیکھنے آتے۔ اور ان کی خواہش ہوتی۔ کہ پگڑی انہیں مل جائے۔ لیکن مَیں نے حسب ارشاد اسے دھلا لیا اور دونوں پگڑیاں استعمال کرلیں[1]۔"

اِس واقعہ میں نشان آسمانی

انہی ایام میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز نے "نشان آسمانی" کے عنوان کے ماتحت ایک مضمون لکھا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ اس واقعہ سے قریباً پانچ سال قبل حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا ایک خواب[2] شائع کیا تھا۔ کہ

"حضرت مولانا نورالدین صاحب گھوڑے پر سے گر پڑے ہیں۔ جس وقت یہ خواب بیان کیا گیا تھا اس وقت نہ صرف حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضؓ کے گھر میں بلکہ قادیان بھر میں کسی احمدی کے پاس کوئی گھوڑا نہ تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال کے بعد کسی شخص نے میاں عبدالحی مرحوم کو ایک گھوڑی ہدیۃً دی۔ آپ اس پر سوار ہو کر حضرت نواب محمد علی صاحب کی ملاقات کے لئے ان کی کوٹھی دارالسلام تشریف لے گئے۔ اور جب واپس آنے لگے تو چونکہ وہ گھوڑی بچوں کی سواری کے کام آتی تھی۔ اسلئے اسکی رکابیں چھوٹی تھیں۔ کسی دوست نے کہا بھی کہ حضرت! رکابیں ذرا لمبی کرلیں۔ مگر حضور نے فرمایا۔ کہ نہیں! بچوں کو بعد میں تکلیف ہوگی۔ اور عجیب قدرت الٰہی ہے۔ کہ جس گلی میں سے آپ گذرنے لگے۔ اس میں سوائے اس جگہ کے جہاں آپ گرے اور کسی جگہ بھی کوئی پتھر نہ تھا۔ اگر ذرا بھی اِدھر اُدھر گرتے تو وہ چوٹ نہ آتی۔ جو اس خاص جگہ پتھر پر گرنے سے آئی۔ اس میں خاص تقدیر الٰہی کام کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خاص ارادے کے ماتحت حضرت اقدس کی پیشگوئی کو پورا کرنے کے لئے یہ حادثہ پیش آیا[3]۔"

حضرت شیخ محمود احمد صاحب عرفانی کی روایت ہے۔ کہ

"اسی رات مغرب کی نماز میں حضرت فضل عمر نے جماعت کے لوگوں کو حضرت مسیح موعود

---

[1] اصحاب احمد جلد دہم صفحہ ۱۸۲-۱۸۳۔ [2] دیکھئے تذکرہ صفحہ ۴۷۹۔ [3] تفصیل کیلئے دیکھئے رسالہ تشحیذ الاذہان نومبر ۱۹۱۰ء

علیہ السلام کی ایک کاپی سے وہ الہامات پڑھ کر سُنائے۔ جن میں حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضؓ کے گھوڑے سے گرنے کا پیشتر سے ہی ذکر تھا۔ اگرچہ قوم اِس چوٹ کو سخت تکلیف سے محسوس کر رہی تھی مگر اس پیشگوئی کے ظہور نے قوم کے قلب پر ایک مرہم رکھ دیا۔ اور رنج میں اس امر کی خوشی پیدا ہو گئی کہ خدا کی باتیں پوری ہوئیں۔[1]

اخبار "بدر" نے اِس المناک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:۔

"جناب امیر المومنین علامہ نور الدین سلمہ ربّ العالمین جمعہ کے روز (۱۸ نومبر ۱۹۱۰ء) خان محمد علی خاں صاحب کی کوٹھی سے واپس آتے ہوئے گھوڑی کے بدکنے سے الحکم پریس کے پاس نیچے آرہے۔ ابرو کے اُوپر ایک زخم آیا۔ ہڈی پر ضرب نہیں آئی۔ اور کچھ چوٹیں بھی لگیں۔ مگر الحمدللہ خیریت گزری۔ بہت سال ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خواب میں دیکھا تھا۔ کہ مولوی نور الدین صاحب گھوڑی سے گر پڑے جس سے آپ کی صداقت اور اس تعلقِ شدید کا پتہ چلتا ہے۔ جو حضور کو مولوی صاحب موصوف سے تھا۔ آپکی طبیعت روبصحت ہے۔ حالات تشویش انگیز نہیں۔"[2]

وصیّت لکھنے کا ارادہ

آپ چونکہ یہ دیکھ رہے تھے۔ کہ ایک مامور من اللہ کی قوم میں جس قسم کے اتحاد اور یگانگت کی ضرورت ہوتی ہے۔ بعض خود غرض احباب کی وجہ سے اس قسم کی یکجہتی موجود نہیں۔ اس لئے آپ نے ایک روز فرمایا۔

"میرے حواس اس وقت درست ہیں۔ مَیں چاہتا ہوں۔ تمہارے لئے ایک وصیت لکھدوں تم آپس میں مشورہ کر لو۔ ڈاکٹر صاحبان اور نواب صاحب اور پھر حضرت صاحبزادہ میاں بشیر الدین محمود احمد صاحب کو بلا کر کہا کہ آپ اپنے بھائیوں کو بلا کر مشورہ کر لیں۔"[3]

ایڈیٹر صاحب الحکم حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی لکھتے ہیں۔

"اس مشورہ کا کیا نتیجہ ہوا! اور کیا جواب دیا گیا...... مجھے جہانتک معلوم ہوا ہے۔ ہمارے احباب نے یہ فیصلہ کیا تھا۔ کہ اگر حضرت مکرر دریافت کریں۔ تو یہ عرض کیا جاوے۔ کہ آپ کی طبیعت روبصحت ہے۔ آئندہ آپ جو مناسب سمجھیں۔"[4]

---

[1] الحکم جوبلی نمبر دسمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۷۰۔ [2] اخبار بدر ۲۴ نومبر ۱۹۱۰ء۔ [3] الحکم ۷ دسمبر ۱۹۱۰ء۔ [4] الحکم ۷ دسمبر ۱۹۱۰ء

حضرت نے جب دیکھا۔ کہ کوئی مشورہ کر کے حضور کو جواب نہیں دیا گیا۔ تو اس وقت تو حضور خاموش رہے۔ مگر جیسا کہ آگے آئے گا۔ ایک روز بیماری کا زور دیکھکر رات کے وقت وصیت لکھکر لفافہ میں بند کر کے اپنے ایک شاگرد شیخ تیمور صاحب ایم اے کو دیدی۔

توکل کا بلند مقام

آپ اکثر فرمایا کرتے تھے۔ کہ لوگ کہتے ہیں۔ اگر نورالدین کے پاس طبابت کا پیشہ نہ ہوتا۔ تو پھر ہم دیکھتے کہ آپ کس طرح محض توکل پر گذارا کرتے ہیں۔ اس سوال کا جو جواب حضور نے دیا۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے جناب ایڈیٹر صاحب الحکم لکھتے ہیں۔

"ایک روز بعد مغرب میں آپکی خدمت میں حاضر تھا۔ چند اور احباب بھی موجود تھے۔ فرمایا بیماری کا ابتلا بھی عجیب ہوتا ہے۔ اخراجات بڑھ جاتے ہیں۔ اور آمدنی کم ہو جاتی ہے۔ اور دوسرے لوگوں کی خوشامد کرنی پڑتی ہے۔ میری آمدنی کا ذریعہ بظاہر طب تھا۔ اب اس رشتہ کو بھی اس بیماری نے کاٹ دیا ہے۔ جو لوگ میرے حالات سے واقف نہیں۔ وہ جانتے تھے۔ کہ اسکو طب ہی کے ذریعہ ملتا ہے۔ مگر اب اللہ تعالیٰ نے اس تعلق کو بھی درمیان سے نکالدیا۔ میری بیوی نے آج مجھے کہا۔ کہ ضروریات کے لئے روپیہ نہیں۔ اور مجھے یہ بھی کہا۔ کہ مولوی صاحب! آپ نے کبھی بیماری کے وقت کا خیال نہیں کیا۔ کہ بیماری ہو تو گھر میں دوسرے وقت ہی کھانے کو نہ ہوگا۔ مَیں نے اسے کہا۔ کہ میرا خدا ایسا نہیں کرتا۔ میں روپیہ تب رکھتا۔ جو خدا تعالیٰ پر ایمان نہ رکھتا۔"

"اس پر میں نے کہا۔ کہ حضور آپ کی بیماری کے ابتلا کو اس قسم کا ابتلا تو نہیں کہہ سکتے۔ آپ کو کسی خوشامد کی ضرورت نہیں۔ ڈاکٹر اور دوسرے لوگ اپنی سعادتمندی سمجھتے ہیں۔ کہ آپ کی خدمت اس موقع پر کر سکیں۔" فرمایا۔ "مجھ پر تو خدا کا فضل ہے۔ اور یہ بھی فضل ہے۔ مَیں نے تو عام طور پر ذکر کیا ہے" حضرت یہ بیان کر ہی رہے تھے۔ کہ شیخ تیمور صاحب نے مجھے کہا۔ کہ حضرت کی ڈاک میں ایک خط آیا ہے۔ کہ ایک شخص نے ایک سو پچیس روپے ذات خاص کیلئے ارسال کئے ہیں۔ مَیں نے پوچھا۔ حضرت کو علم ہے؟ شیخ صاحب نے کہا۔ مَیں نے تو ابھی ڈاک نہیں سنائی۔ کل سے آیا ہوا ہے۔ میں نہیں بتا سکتا کہ مجھ پر اس خبر نے کیا اثر کیا۔ وجد کی سی حالت ہوگئی۔ اور اللہ تعالےٰ کی عجیب قدرت کا تماشا نظر آیا۔ حیدر آباد میں شیخ محمد اسماعیل ولد حاجی امیرالدین صاحب تاجر چرم

ہیں۔ وہ بیمار ہوئے۔ انہوں نے فوراً ایک سو روپیہ حضرت کی خدمت میں بطور نذر خاص بھیجا۔ اسپر اچھے ہو گئے۔ پھر دوسرے دن ایسا ہی اتفاق ہوا۔ تو انہوں نے پچیس اور بھیجے۔ اور ایک شخص نے پنڈدادنخان سے خط لکھا۔ کہ جن ایام میں آپ پنڈدادنخان میں مدرس تھے۔ اس وقت کی چار روپیہ کی چونیاں آپ کی میرے ذمہ ہیں۔ اب وہ بھیجنا چاہتا ہوں۔ یہ دونوں خط حضرت کو سنائے گئے۔ تو اللہ تعالیٰ کی محبت کا ایسا غلبہ ان پر ہوا۔ کہ بے اختیار رو پڑے۔ میں نے حضرت کو ایک دو مرتبہ اس حالت میں دیکھا ہے۔ غمگین ہوتے تو دیکھا ہی نہیں۔ یہ رونا خدا تعالےٰ کی خاص مہربانیوں کی یاد اور جوش کا تھا۔ اور بے اختیار اللہ تعالیٰ کی حمد کرنے لگے۔ فرمایا اللہ۔ میرا مولیٰ ایسا ہی قادر خدا ہے۔ اسنے دکھا دیا ہے کہ وہ طب کے تعلق کو توڑ کر بھی مجھے رزق دیتا ہے۔ اور ایسے طور پر دیتا ہے۔ کہ وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتا۔ میری بیوی اس قدرت کو سمجھ نہیں سکتی۔ ناتوان ہے۔ میرا ایمان بڑا قوی ہے۔ میرا مولیٰ میرے ساتھ ایسا ہی کرتا ہے"۔

حضرت کو جب اسطرح پر میں نے حمدِ الٰہی میں رطب اللسان پایا۔ تو میرے دل میں جوش اٹھا کہ ابھی وقت وہ منی آرڈر تقسیم کیا جاوے۔ چنانچہ میں خود ڈاکخانہ میں گیا۔ اور ان منی آرڈروں کو تقسیم کیا۔ اس طرح میں نے دیکھا۔ کہ چند منٹ پہلے بظاہر اگر فقر تھا۔ تو اسی ساعت غنا کا نظارہ نظر آگیا۔ حضرت نے اسی جوش میں شیخ محمد اسمٰعیل صاحب کیلئے خصوصاً بڑی دعا کی۔ اور دیر تک دعا کرتے رہے۔ یہ اللہ بہتر جانتا ہے۔ کہ اس جوش میں کس کس کیلئے دعائیں کی ہوں گی۔ اور کیا کیا کی ہوں گی۔ میرا یقین ہے کہ اس وقت حضرت کی دعاؤں کی قبولیت کی گھڑی تھی۔ اور خدا کا شکر ہے کہ اس وقت دعا کرنیوالوں میں ہم بھی شامل تھے۔ غرض اسی وقت وہ منی آرڈر آپ کو تقسیم کئے گئے۔ جس شخص نے پنڈدادنخان سے چونیوں کا خط لکھا تھا۔ فرمایا۔ "اسکو لکھ دو۔ معاف! مجھے تو معلوم بھی نہیں۔ ۱۸۶۸ء یا ۱۸۶۹ء کا معاملہ ہے۔ ہمیں تو کچھ خبر نہیں۔ بہرحال میں اس کی دیانت پر ایمان لایا"۔ اس ذکر میں پھر دیر تک اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے رہے۔ اس واقعہ نے بتادیا۔ کہ کس طرح پر اللہ تعالیٰ آپ کی دستگیری فرماتا ہے"[1]۔

خلیفۃ المسیح کی عالی خیالی | جناب ایڈیٹر صاحب اِس عنوان کے ماتحت لکھتے ہیں۔

---

[1] الحکم پرچہ ۷ر دسمبر ۱۹۱۰ء

"حضرت کی اس علالت کے ایام میں اگر خلیفۃ المسیح کی ضروریات اور اخراجات معالجہ انجمن دیتی۔ تو ایسا خرچ برمحل اور جائز ہوتا۔ اور قوم اپنی سعادت سمجھتی۔ کہ ان کا روپیہ بہترین مقام پر خرچ ہؤا ہے۔ میں یقیناً جانتا ہوں۔ کہ ایک کثیر تعداد ایسے آدمیوں کی ہے۔ جنکی زندگی کے بدلے اگر حضرت کی حیات دراز ہو سکے۔ تو وہ دینے کو تیار ہیں۔ بعض کو تو مَیں نے ایسا ذکر کرتے یہاں بھی سُنا۔ اور اگر ہزاروں نہیں لاکھوں روپے کے صرف سے بھی اس بزرگ کی صحت و تندرستی بحال رہے۔ تو اس کے خرچ کر دینے کو قوم موجود اور پھر بھی حضرت خلیفۃ المسیح پر کسی کا احسان نہ ہو۔ اور قوم اپنا فرض ادا کرے۔ مگر مَیں آپ کو حضرت خلیفۃ المسیح کی عالی ہمتی اور بلند نظری کی ایک بات سناتا ہوں۔ یہ واقعات آپ کی پاک سیرۃ کا جزو ہیں۔ اور مجھے موقعہ ملا ہے۔ کہ جستہ جستہ واقعات بیان کروں۔ .... پہلے ہی سے آپ کا ہمیشہ یہ عمل ہے کہ آپ کھانا تک جو گھر میں پکایا گیا ہو مانگ کر نہیں لیتے۔ اور یہ کوئی نیا معمول نہیں۔ بلکہ اپنی والدہ ماجدہ مرحومہ کی زندگی میں جبکہ آپ بچے تھے یہی طرزِ عمل تھا۔ اس خصوص میں آپ کے بہت سے واقعات ہیں۔ جو "حیاتِ نور"[1] کا جزو انشاء اللہ ہوں گے۔ ان ایام میں مَیں نے دیکھا ہے۔ کہ جب آپ کے سامنے کھانا پیش کیا جاتا۔ تب آپ جو کچھ کھلانے والے کھلاتے کھا لیتے۔ مانگا کبھی نہیں۔ مگر جو بات اس ضمن کے نیچے میں بیان کرنا چاہتا ہوں۔ وہ نہایت ہی عجیب ہے۔ ایک دن صبح کے وقت شیخ تیمور کو پاس بلایا۔ اور نہایت آہستگی سے ایک بات کہی۔ میرا کان بھی اسی طرف تھا۔ کہ کیا فرماتے ہیں۔ فرمایا۔

"تم ایک فہرست حساب کی بناؤ۔ کسی تفصیل کی ضرورت نہیں۔ صرف ٹوٹل ہو۔ جسقدر میری ادویات پر خرچ ہؤا ہے۔ جسقدر پٹیوں پر کپڑے کے لئے خرچ ہؤا ہے۔ اس کل رقم کا میزان حاصل کرو۔ اور پھر میری بیوی کو کہو۔ کہ جو روپیہ کپڑے میں باندھ کر دیا گیا ہے۔ اس میں سے وہ تمام حساب ادا کر دو۔"

فرمایا۔ "میرا مولیٰ مجھے دیتا ہے۔ کسی انسان کا احسانمند نہیں ہو سکتا۔ اس نے میری ضروریات کی کفالت کا آپ مجھ سے وعدہ کیا ہے۔"

جناب ایڈیٹر صاحب الحکم لکھتے ہیں۔

---

[1] حضرت شیخ یعقوب علی صاحب ایڈیٹر الحکم "حیاتِ نور" کے نام سے حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ کے سوانح حیات لکھنا چاہتے تھے۔ مگر بوجہ مصروفیات کی وجہ سے اس ارادہ کو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکے۔ مؤلف

"یہ بات کسی معمولی آدمی کے مُنہ سے نہیں نکل سکتی۔ بیماری پر خرچ ہوا۔ اور ایسے شخص کی علالت پر خرچ ہؤا جسکی وجہ سے قوم روپیہ دیتی ہے۔ اور اُسکی ضروریات ذاتی کا انصرام اس روپیہ سے اگر ہو۔ تو عین رضائے الٰہی کا موجب ہے۔ مگر نہیں۔ اپنے اخراجات وُہ انجمن سے لینا نہیں چاہتا۔

اس ضمن میں شیخ تیمور صاحب نے پوچھا۔ کہ نواب صاحب کے ہاں سے کچھ جوڑے آئے تھے۔ کیا ان کی قیمت بھی دیدوں۔ فرمایا۔ نواب صاحب کی بات خاص ہے۔ اسے رہنے دو۔"[1]

ایک امر کی وضاحت

اس ضمن میں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ حضرت خلیفۃ المسیح صدر انجمن کے بعض کرتا دھرتا ممبروں سے سخت ناراض تھے اور اسی وجہ سے آپ یہ پسند نہیں فرماتے تھے۔ کہ ان کی معرفت قوم کا روپیہ آپ پر صرف ہو۔ ورنہ جیسا کہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب نے بیان کیا ہے۔ ایک شخص جو قوم کا امام ہو۔ اور جس کا سارا وقت جماعت کی ترقی و بہبودی کے لئے صرف ہو رہا ہو۔ اس کو حق پہنچتا ہے۔ کہ قوم کا روپیہ اسپر خرچ ہو یہ ناجائز ہرگز نہیں۔ چنانچہ ہم جانتے ہیں کہ جماعت کے احباب انفرادی طور پر حضور کی خدمت میں بطور نذرانہ جو کچھ بھی پیش کرتے تھے۔ اسے حضور ازراہِ نوازش قبول فرمالیا کرتے تھے۔ پس اگر جماعت کا روپیہ آپ کے لئے ناجائز ہوتا۔ تو آپ نذرانے کی رقمیں بھی ہرگز قبول نہ فرماتے۔ اسکی مثال ایسی ہی ہے۔ جیسے ایک موقعہ پر جب حضور صدر انجمن کے بعض ممبروں سے ناراض تھے۔ فرمایا کہ مَیں تمہاری بنائی ہوئی مسجد میں بھی کھڑا ہونا پسند نہیں کرتا۔ چنانچہ اس موقعہ پر حضور نے حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ کے بنے ہوئے حصہ مسجد میں کھڑے ہو کر تقریر فرمائی۔ مگر آگے پیچھے حضور نئے بنے ہوئے حصہ مسجد میں بھی نمازیں پڑھاتے اور خطبے پڑھتے تھے۔ ایسا ہی اگر صدر انجمن کے سارے ممبر حضور کے مطیع و منقاد ہوتے۔ تو آپ یقیناً ان کی معرفت بھی قوم کا روپیہ اپنی ذات پر خرچ کرنے کے لئے قبول فرمالیتے۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاءِ راشدین کے گذارے کا انتظام مسلمانوں نے بیت المال سے نہیں کیا تھا؟ اگر بیت المال سے قوم کا روپیہ لینا ناجائز ہوتا۔ تو خلفاءِ راشدین ہرگز ہرگز اس روپیہ کو قبول نہ فرماتے۔

---

[1] الحکم پرچہ ۷ر دسمبر ۱۹۱۰ء

جماعت احمدیہ کو پیغام

۲۹؍نومبر ۱۹۱۰ء کو آپ نے ضعف کے باوجود جماعت کو ایک پیغام دیا۔ جسمیں ارشاد فرمایا۔ کہ

"مجھ پر جو ابتلاء اس وقت آیا ہے۔ یہ میرے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی بڑی غریب نوازیوں۔ رحمتوں اور فضلوں کا نمونہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سے دلوں کی حالت کو جن کے ساتھ محبت میرے لئے ضروری تھی مجھ پر ظاہر فرما دیا۔ بعض ایسے نفوس ہیں جنکی مجھے خبر نہ تھی کہ وہ میرے ساتھ اور جماعت کے ساتھ محبت کا کیا تعلق رکھتے ہیں لیکن اس بیماری میں جو خدمت رات دن انہوں نے کی ہے اِس سے اُن کے اخلاص کا اظہار ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اُن نفوس کے صفات کو ظاہر کر دیا۔ یہ خدا تعالیٰ کی غریب نوازی ہے کہ وہ لوگ دل سے ایسی خدمت کر رہے ہیں۔ مَیں اُن تمام لوگوں کا جنہوں نے اِس وقت میری ہمدردی کی ہے شکر گذار ہوں"

آخر میں فرمایا۔

"میرا دل مطمئن ہے۔ اُس ذات کے برابر مجھے کوئی محبوب اور پیارا نہیں۔ نہ کوئی اُس جیسا میرا حامی و مددگار ہے۔ اُس کا کرم اور فضل حد سے زیادہ میرے ساتھ شامل ہے۔ ایسے وقت میں مجھ کو اُس نے ایسی ایسی جگہ سے رزق پہنچایا ہے جہاں انسان کا وہم وگمان نہیں پہنچ سکتا۔ گویا طب کے پیشے میں جو ستاری تھی ان دنوں میں اُس کو بھی دُور کر دیا ہے۔ اور مخفی طریقوں سے رزق دیا ہے۔ میرے گھر میں جو کچھ رزق پہنچا ہے اُس میں کسی کا کوئی احسان جلوہ گر نہیں۔ صرف اُسی اللہ کا احسان ہے۔ اور یہ امر دیکھنے والوں کی نظروں میں بہت عجیب ہے"[1]

حضرت خلیفۃ المسیح رضؓ کی صحت کے متعلق ڈاکٹری رپورٹ

اب ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کی بیماری اور اس کا ردّ عمل بیان کرنے کے بعد حضور کی صحت سے متعلق ڈاکٹری رپورٹیں بھی درج کی جائیں۔ تا قارئین کو معلوم ہو سکے کہ اس بیماری سے صحت یاب ہونے تک حضور کو کن مراحل میں سے گذرنا پڑا۔ سو ۱۵؍دسمبر ۱۹۱۰ء کا اخبار بدر لکھتا ہے۔

---

[1] ۔ ضمیمہ اخبار بدر مورخہ یکم دسمبر ۱۹۱۰ء

"حضرت خلیفۃ المسیح سلمہ اللہ تعالیٰ کی طبیعت اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے رو بصحت ہے۔ بہ نسبت سابق بہت آرام ہے۔ اب بخار نہیں ہوتا۔ کھانسی بھی نہیں ہے۔ ضعف بہت ہے۔ مگر پہلے سے کم۔ زخم تدریجاً اچھا ہو رہا ہے۔ کسی قدر بے خوابی کی گاہے تکلیف ہو جاتی ہے۔ لب پر جو زخم تھا۔ وہ قریباً اچھا ہو گیا ہے۔ اس واسطے بولنے اور کھانے پینے میں پہلے کی طرح تکلیف نہیں ہوتی۔ باوجود اس حالت کے صبح و شام قرآن شریف سُنا کرتے ہیں۔ بعض آیات پر کچھ فرماتے بھی ہیں۔ اور وقتاً فوقتاً اپنی قیمتی نصائح سے متمتع کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ مسٹر بارکونس (نو مسلم) عیادت کے لئے حاضر ہوئے۔ تو انہیں مخاطب کر کے فرمایا۔ کہ اسلام کیا ہے؟[۵]"

اِس پر ایک لمبی تقریر فرمائی۔ جو اخبار بدر میں درج ہے۔ پھر علاج کرنے والے اور عیادت کیلئے آنیوالوں کا ذکر ہے۔ معالجوں میں خاص طور پر قابل ذکر مندرجہ ذیل احباب ہیں۔ لاہور سے ڈاکٹر سیّد محمد حسین شاہ صاحب۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب۔ امرتسر سے ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب تشریف لاتے رہے ہیں اور بیانیر قادیان میں ڈاکٹر بشارت احمد صاحب۔ ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب بامداد ڈاکٹر شیخ عبداللہ صاحب۔ و ڈاکٹر عبدالمجید خانصاحب و میاں محمود کمپونڈر مصروف خدمت رہے ہیں۔ راہوں کے ڈاکٹر عبداللہ صاحب بھی یہ خدمت بجالاتے رہے۔

عیادت کے لئے تشریف لانیوالوں کی تعداد کا نہ تو صحیح اندازہ لگ سکتا ہے۔ اور نہ اس کتاب کے محدود صفحات میں گنجائش ہے کہ ان کا بالتفصیل ذکر کیا جاوے۔ صرف اتنا کہا جا سکتا ہے۔ کہ کافی تعداد میں احباب باہر سے تشریف لاتے رہے اور بیشمار خطوط اور بعض احباب کی طرف سے تاریں بھی آئیں۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب پر ان ایام میں بہت زیادہ کام کا بوجھ رہا۔ کیونکہ آپ اخبار "بدر" کے ایڈیٹر بھی تھے اور حضرت خلیفۃ المسیح رضؓ کے پرائیویٹ سیکرٹری بھی۔ اسلئے حضور کی ساری ڈاک آپ ہی کے ہاتھوں نکلتی تھی۔

جلسہ سالانہ ۱۹۱۰ء اب جلسہ سالانہ بھی قریب آرہا تھا۔ حضرت کی طبیعت بھی خدا تعالےٰ کے فضل و کرم سے دن بدن اچھی ہو رہی تھی۔ ریلوے حکام نے تیسرے

---

[۵] بدر ۱۵ ؍ دسمبر ۱۹۱۰ء۔

درجہ کے کرائے میں یہ رعایت منظور کر لی تھی۔ کہ جو اشخاص ایک سو میل سے زیادہ فاصلہ سے بغرض شمولیت جلسہ آنا چاہیں۔ انہیں اصل کرایہ سے ڈیوڑھا کرایہ دینے پر آمدو رفت کی اجازت ہوگی۔ مگر اس کے لئے یہ واضح کر دیا گیا تھا۔ کہ یہ ٹکٹ ۲۰ دسمبر سے لے کر ۲۶ دسمبر تک کام آسکیں گے۔

بٹالہ سے قادیان تک آمدورفت کا ذریعہ

اس جگہ اس امر کا ذکر کرنا بھی غالباً خالی از فائدہ نہ ہوگا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ سے لیکر ۱۹۲۸ء تک بھی جب تک کہ قادیان میں ریل گاڑی آنا شروع نہیں ہوئی۔ بٹالہ سے قادیان پہنچنے کا یہ انتظام تھا۔ کہ اس زمانہ میں پرانی قسم کے اِکّے چلا کرتے تھے۔ مالدار اور درمیانی قسم کے لوگ ان پر سوار ہو کر قادیان پہنچا کرتے تھے۔ اور غربا یہ قریباً گیارہ میل کا فاصلہ پیدل طے کر کے دیارِ حبیب میں پہنچ جاتے تھے۔ جلسہ سالانہ پر چونکہ آنیوالوں کی کثرت ہوا کرتی تھی۔ اِسلئے مرکز سلسلہ کی طرف سے جو ناظم استقبال مقرر ہوا کرتے تھے۔ وہ معہ اپنے معاونین کے بٹالہ پہنچ جایا کرتے تھے۔ اور تمام مہمانوں کے بستر اور ضروری سامان اُوپر چٹیں چسپاں کر کے اپنے انتظام کے ماتحت چھکڑوں پر لاد کر قادیان پہنچا دیا کرتے تھے۔ راستہ میں سردی کا موسم ہونے کی وجہ سے جگہ جگہ آگ جلانے کا بھی انتظام ہوا کرتا تھا۔ تاکہ دوست آگ تاپ کر سردی کی شدت سے بچ سکیں۔ چونکہ آنیوالوں کی بہت کثرت ہوا کرتی تھی۔ اسلئے اس سڑک پر جو بٹالہ سے قادیان کو جاتی ہے۔ عموماً گڑھے پڑے رہتے تھے۔ یہ مختصر حالات اسلئے ذکر کر دیئے گئے ہیں: تا آنیوالی نسلوں کو یہ معلوم ہو۔ کہ ان کے بزرگ کس قدر تکالیف برداشت کر کے اپنے امام کی ملاقات کیلئے مرکز سلسلہ میں جایا کرتے تھے۔ الحمد للہ کہ خاکسار راقم الحروف نے بھی یہ نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

ڈاکٹری رپورٹ

حضرت خلیفۃ المسیحؓ کی صحت کی جو رپورٹ ۵ جنوری ۱۹۱۱ء کے بدر میں چھپی ہے۔ اس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

"ایام جلسہ میں زخموں کا روزانہ ڈریسنگ ہوتا رہا تھا اور پٹی بندھی ہوئی تھی۔ اب زخم بالکل اچھے ہو گئے ہیں۔ اور پٹی اتار دی گئی ہے۔ البتہ ایام جلسہ میں کثرت ملاقات احباب اور ان

کو پند و نصائح میں مصروف رہنے کے سبب کوفت بہت ہو گئی تھی۔ نیز دو دانت جو بہت درد کرتے تھے نکلوائے گئے۔ اگرچہ پہلے سے ہلتے تھے۔ تاہم اُن کے نکالنے سے بھی تکلیف ہو گئی۔ اور دو دن بخار ہوتا رہا۔ اب بفضلہ تعالیٰ بخار نہیں ہے۔ اور دانتوں کا درد تو نکلوانے سے اچھا ہونا ہی تھا۔ لیکن پیر اور منگل دو روز درد عصابہ رہا۔ کسی وقت درمیان میں وقفہ ہو جاتا ہے۔ کسی وقت پھر شروع ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر اُمید ہے کہ جہاں وہ تکلیف دور ہوئی۔ یہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ دور ہو جائے گی۔ یوم الاحد کی رات کو حضرت نے خواب میں دیکھا۔ کہ مکان میں دو سانپ ہیں۔ پہلے ایک مارا گیا۔ اور پھر دوسرا بھی مارا گیا۔ باوجود اس قدر تکلیف کے حضرت صاحب جیسا کہ احباب دیکھ گئے ہیں۔ ہر وقت ایک راحت اور خوشی کی حالت میں رہتے ہیں۔ کوئی اضطراب نہیں۔ کوئی گھبراہٹ نہیں۔ کوئی بیماروں کا ساچڑچڑاپن نہیں ہے۔ کیوں نہ ہو خدا تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں پر خدا کی طرف سے سکینت نازل ہوتی ہے۔ وہ ہر حالت میں اپنے رب کے ساتھ راضی ہیں۔ فرمایا۔ دانت نکلے تو ٹھنڈا پانی پینے کو مل گیا۔ ایک تکلیف ہوتی ہے۔ تو اس کے عوض میں ایک آرام بھی مل جاتا ہے۔[1]

حضرت مرزا عزیز احمد صاحب کی شادی خانہ آبادی

حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب بی۔اے جنکا نکاح لاہور میں ہو چکا تھا۔ اب ان کی دلہن کا رخصتانہ ہوا۔ اور آپ اپنی دلہن کو لے کر قادیان تشریف لے آئے۔ سب سے پہلے دولہا دولہن حضرت خلیفۃ المسیح کے حضور حاضر ہوئے اور بیعت کی۔ اس کے بعد قادیان میں بھی ولیمہ ہوا۔ حضرت مرزا سلطان احمد صاحب بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ آپ نے اس خوشی میں مدرسہ تعلیم الاسلام کو ایک سو روپیہ دیا۔ اور پھر جلد واپس تشریف لے گئے۔[2]

روئداد جلسہ سالانہ ۱۹۱۰ء ۲۵۔۲۶۔۲۷ دسمبر

چونکہ حضرت خلیفۃ المسیح کی علالت کے باعث کچھ قیاس نہ ہو سکتا تھا۔ کہ آپ کس وقت تقریر کرنا پسند فرماویں گے۔ اسلئے انجمن کوئی پروگرام شائع نہ کر سکی۔ تاہم روزانہ صبح کے وقت پروگرام کی اطلاع احباب کو ہو جاتی تھی۔

---

[1] بدر ۵ جنوری ۱۹۱۱ء۔ [2] بدر ۵ جنوری ۱۹۱۱ء و ۱۲ جنوری ۱۹۱۱ء

۲۵ر دسمبر ۱۹۱۰ء کو بعد نماز ظہر حضرت کی تقریر لا اله الا الله کے فقرہ پر ہوئی۔

۲۶ر دسمبر کو صبح ۱۱ بجے سے لیکر نماز ظہر تک حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی تقریر ہوئی۔ بعد جمع نماز ظہر و عصر جناب خواجہ کمال الدین صاحب نے چندہ کی اپیل کی۔

۲۷ر دسمبر کو صبح ۱۱ بجے سے نماز ظہر تک حضرت مولوی محمد احسن صاحب نے اور ظہر و عصر کی نمازوں کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح نے "حربۂ دعا" کے موضوع پر تقریر فرمائی۔ جو آئندہ صفحات میں درج کی جائے گی۔ حضرت خلیفۃ المسیحؓ کی ہر دو تقریریں مدرسہ کے پرانے بورڈنگ کے صحن میں ہوئیں۔

اس کے علاوہ جو احباب وقتاً فوقتاً ملاقات کے لئے آتے رہے۔ ان کو بھی حضرت نصائح فرماتے رہے۔ اور خصوصیت کے ساتھ تمام انجمنوں کے پریذیڈنٹوں کو سکرٹریوں کو بلا کر ایک نصیحت فرمائی اور ایک نصیحت طلبائے کالج کو بلا کر کی۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب اور جناب خواجہ کمال الدین صاحب کی تقریریں مسجد نور کے صحن میں ہوئیں۔ حضرت فاضل امروہی صاحب کی تقریر مسجد اقصیٰ میں ہوئی۔ کانفرنس مسجد مبارک میں منعقد ہوئی۔ ان کے علاوہ حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی اور بابا اللہ دین صاحب فلاسفر مہمانوں کی قیام گاہوں پر جا کر وعظ و نصیحت فرماتے رہے۔

ڈاکٹری رپورٹ

اخبار بدر مورخہ ۱۲ر جنوری ۱۹۱۱ء میں لکھا ہے۔

"گذشتہ اخبار میں ہم خبر دے چکے ہیں۔ کہ حضرت صاحب کے زخم اچھے ہو گئے ہیں۔ مگر درد عصابہ کسی کسی وقت ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد جمعہ کے دن درد عصابہ زیادہ رہا۔ ہفتہ کے دن درد عصابہ کم تھا۔ آیت وار کی شب کو عصابہ نہ تھا مگر دو تین اسہال ہو جانے کے سبب بہت ضعف رہا۔ پیر کی شب خفیف عصابہ کسی کسی وقت ہوا۔ اور بعد نیم شب بیداری رہی۔ منگل کے دن درد عصابہ بالکل نہ تھا۔ اور بخار بھی نہیں تھا۔ لیکن دو دانت جو چند روز ہوئے نکالے گئے تھے۔ اس کے سبب سے رخسار مبارک پر کچھ سوجن ہو گئی تھی۔ جواب تک تھی۔ اور اس پر ڈاکٹر صاحبان ایسی دوائیاں لگاتے رہے جن سے کہ وہ اندر ہی اندر بیٹھ جائے۔ مگر اب بعض اطبا کی رائے ہوئی۔ کہ اس کے اندر کچھ مادہ ہے۔ جس کے اخراج کی تدبیر ضروری ہے۔ بدھ کی صبح کو جبکہ اخبار کی آخری کاپی

پرلیس میں جاتی ہے۔ یہ کیفیت ہے۔ کہ ڈاکٹر صاحبان نے تشخیص کی ہے۔ کہ سوجن کے اندر پیپ نہیں۔ اور نہ چیرا دینے کی ضرورت۔ یہ درد کان کے نیچے کی گلٹی میں ہے۔ جو ٹکور وغیرہ سے انشاء اللہ اچھا ہو جائیگا۔ درد بہت رہا۔ اب بھی ہے۔ .... اللہ تعالیٰ کے فضل سے امید ہے کہ یہ تکلیف بھی رفع ہو جائے گی۔ شاید یہی وہ سرا سانپ ہے جسے حضرت صاحب نے اپنی رویا میں دیکھا تھا۔ اور انشاء اللہ بموجب بشارت قتل کیا جاویگا۔

اس ہفتہ زیادہ تر معالجہ کی خدمت ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب کے سپرد ہی رہی۔"[1]

شیطان پھر جھوٹا ہوا

"شیطان پھر جھوٹا ہوا" کے عنوان کے ماتحت ایڈیٹر صاحب اخبار بدر نے حضرت خلیفۃ المسیح کے متعلق ڈاکٹر عبد الحکیم پٹیالوی کی پیشگوئی درج کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ

"ہم نے سُنا تھا۔ کہ ڈاکٹر عبد الحکیم مرتد کے کان میں شیطان نے یہ پھونکا ہے کہ حضرت مولوی صاحب خلیفۃ المسیح گیارہ جنوری تک فوت ہو جائیں گے۔ اس مضمون کا ایک خط پہلے بھی آیا تھا۔ مگر اب ہم نے عبد الحکیم کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا خط اپنے ایک معزز مکرم سردار کے پاس دیکھا ہے۔ جس میں ڈاکٹر مرتد کے اصل الفاظ اور اس کے دستخط کا عکس درج ذیل کیا جاتا ہے۔

" مولوی نور الدین صاحب ۱۱ جنوری ۱۹۱۱ء تک فوت ہو جائیں گے۔

خاکسار عبد الحکیم

۱۱ نومبر ۱۹۱۰ء"

گیارہ جنوری اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بخیر و عافیت گذر گئی۔ اور حسن اتفاق سے اخبار بھی آج بارہ کو روانہ ہوتا ہے۔ جس خبیث روح کے ساتھ ڈاکٹر مرتد کا تعلق ہے۔ کیا اسکی نامرادی کے واسطے وہ معاملہ کافی نہ تھا۔ جو اس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق ۱۴ ساون کو۔ کی پیشگوئی کرکے اپنا کاذب ہونا ثابت کر لیا تھا۔ کاش کہ عبد الحکیم اب بھی سمجھے۔ اور لاحول پڑھکر شیطان کو کہے۔ کہ دور ہو اے خبیث روح! مجھے لوگوں کے سامنے بار بار شرمندہ اور ذلیل نہ کر۔"[2]

---

[1] بدر ۱۲ جنوری ۱۹۱۱ء۔ [2] بدر ۱۲ جنوری ۱۹۱۱ء۔

حربہ دُعا
۲۷ دسمبر ۱۹۱۰ء

۲۷ دسمبر ۱۹۱۰ء کو حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ نے "حربہ دعا" کے موضوع پر ایک لطیف تقریر فرمائی تھی۔ گو کتاب کے حجم کی زیادتی کے خوف سے میں حضور کی تقریریں درج نہیں کر رہا۔ مگر جب مَیں نے یہ تقریر پڑھی۔ تو مَیں نے چاہا۔ کہ اگر اسے کتاب میں شامل کر لیا جائے۔ تو قارئین کرام پر یہ ایک احسان ہوگا۔ جس کے نتیجہ میں ممکن ہے۔ کوئی سعید رُوح میرے لئے بھی دعا کرے۔ اور میری عاقبت محمود ہو جائے۔

آپ نے کلمہ تشہد اور تعوذ اور تسمیہ کے بعد فرمایا۔

"ادعونی استجب لکم یہ ایک ہتھیار ہے۔ اور بڑا کارگر ہے۔ لیکن کبھی اس کا چلانے والا آدمی کمزور ہوتا ہے۔ اِس لئے اس ہتھیار سے منکر ہو جاتا ہے۔ وہ ہتھیار دعا کا ہے جسکو تمام دنیا نے چھوڑ دیا ہے۔ مسلمانوں میں ہماری جماعت کو چاہیئے۔ کہ اس کو تیز کریں۔ اور اُسی سے کام لیں۔ جہاں تک ان سے ہو سکتا ہے۔ دعائیں مانگیں۔ اور نہ تھکیں۔ میں ایسا بیمار ہوں کہ وہم بھی نہیں ہو سکتا۔ کہ میری زندگی کتنی ہے۔ اسلئے میری یہ آخری وصیت ہے۔ کہ لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ دعا کا ہتھیار تیز کرو۔ تمہاری جماعت میں تفرقہ نہ ہو۔ کیونکہ جب کسی جماعت میں تفرقہ ہوتا ہے تو اس پر عذاب آجاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن شریف میں فرمایا۔ فلما نسوا ما ذکروا بہ۔ اغرینا بینھم العداوۃ والبغضاء الی یوم القیامۃ[1]۔ اب تک تم اس دکھ سے بچے ہوئے ہو۔ خدا تعالیٰ کے فضل اور نعمت کے بغیر دعا بھی مفید نہیں ہوتی۔ اسلئے میں نصیحت کرتا ہوں۔ کہ بہت دعائیں کرو۔ پھر کہتا ہوں کہ بہت دعائیں کرو۔ تا کہ جماعت تفرقہ سے محفوظ رہے۔ وہ نعمت جو اللہ تعالیٰ نے ان پر نازل فرمائی تھی۔ وہ دعا سے ہی آتی ہے۔ میرے لئے بھی دعا کرو کہ میرے وزراء مومن ہوں۔ مسلمان ہوں۔ مخلص ہوں۔ محسن ہوں۔ بامروت ہوں۔ میری مخالفت نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ مجھے

---

[1] یہ آیت سہو کتابت سے غلط درج ہو گئی ہے۔ اور فلما نسوا ما ذکروا بہ کے ساتھ سورۂ مائدہ ع۳ کی آیت اغرینا بینھم العداوۃ والبغضاء الیٰ یوم القیامۃ ملا دی گئی ہے حالانکہ اصل آیت جسکی طرف حضور نے اشارہ فرمایا وہ سورۂ اعراف کی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فلما نسوا ما ذکروا بہ انجینا الذین ینھون عن السوء واخذنا الذین ظلموا بعذاب بئیس بما کانوا یفسقون۔ (اعراف ع۲۱)

ایسے واعظ نصیب کرے۔ جو علیٰ وجہ البصیرۃ وعظ کریں۔ حق شناس ہوں۔ ان میں دنیا کی ملونی نہ ہو۔ باوجود اخلاص کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رستہ کی پہچان رکھتے ہوں۔

اِس قدر بیان کے بعد پھر جوش ہوا۔ تو ذیل کے الفاظ بطور تتمہ بیان فرمائے۔

"میرے تم پر بہت حقوق ہیں۔ اوّل حق تو یہ ہے۔ کہ تم نے میرے ہاتھ پر فرمانبرداری کا اقرار کیا ہے۔ جو اقرار کے خلاف کرتا ہے۔ وہ منافق ہو جاتا ہے۔ مَیں ڈرتا ہوں۔ کہ ایسا نہ ہو کہ میری نافرمانی سے کوئی منافق ہو جاوے۔

دوسرا حق یہ ہے کہ مَیں تمہارے لئے تڑپ تڑپ کر دعائیں کرتا ہوں۔

تیسرا حق یہ ہے کہ مَیں نماز میں بھی آجکل سجدہ نہیں کر سکتا۔ مگر تمہاری بھلائی کیلئے نماز سے بڑھکر سجدہ میں دعائیں کی ہیں۔ پس میری حق شناسی کرو۔ اور باہم تفرقہ چھوڑ دو۔"

بیرونی انجمنوں کے کارکنوں کو نصیحت

میرا مقصد حل نہیں ہو سکتا۔ جب تک اس تقریر کا بھی ایک حصّہ درج نہ کروں۔ جو حضور نے بیرونی انجمنوں کے کارکنوں کو مخاطب کرکے فرمائی۔ فرمایا۔

"مَیں نے آپ لوگوں کو ایک خاص وجہ کے لئے بلایا ہے۔ سال گذشتہ میں میرے دل پر ایک رنجیدگی تھی۔ کہ آپ لوگ مجھے نہیں ملے تھے۔ اس لئے مَیں نے چاہا تھا۔ کہ اگر آئندہ سال زندہ رہوں۔ تو آپ کو ملامت کروں گا۔........

ایک حدیث ہے۔ اس کا مطلب مَیں اور ہی سمجھتا تھا۔ مگر اب اور سمجھتا ہوں۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قریشیوں کی سلطنت میں زوال نہ ہوگا۔ جب تک دو بھی ہوں۔ مَیں قریشی تھا اور مرزا کا سچے دل سے مرید ہوا۔ ہمارے جدِّ بزرگوار ہیں فرخ شاہ ایک بزرگ کابل میں گذرا ہے۔ درّہ فرخ شاہ اب تک بھی اُسکے نام سے ہے۔ اُس نے سلطنت جان بوجھکر چھوڑی۔ اور تخت سے اتر کر چبوترہ پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کی۔ اب بھی میری قوم کے آدمی یاغستان میں شہزادے کہلاتے ہیں۔ تو میرے تو وہم میں بھی نہ تھا کہ مَیں کسی جماعت کا امام ہوں گا۔ لیکن جب اللہ تعالےٰ نے چاہا تو ایک آن کی آن میں مجھے امام بنا دیا۔ اور ایک قوم کا امیر بنا دیا۔ تم سیکرٹری لوگ ہو۔ پریذیڈنٹ بھی ہیں۔ تمہیں کبھی کبھی مشکلات پیش

اٹھاتی ہوں گی۔ اور پھر اس سے عناد بڑھ جاتا ہے۔ اول تو اس غلطی سے کہ کیوں مجھے عہدہ دار نہ بنایا۔ میرا اپنا تو ایمان ہے۔ کہ اگر حضرت صاحب کی لڑکی حفیظہ (امتہ الحفیظ) کو امام بنا لیتے۔ تو سب سے پہلے مَیں بیعت کر لیتا۔ اور اس کی ایسی ہی اطاعت کرتا۔ جیسی مرزا کی فرمانبرداری کرتا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین رکھتا کہ اس کے ہاتھ پر بھی پورے ہو جاویں گے۔

اِس سے میری غرض یہ بتانا ہے۔ کہ ایسی خواہش نہیں ہونی چاہئے۔ غرض کبھی اس قسم کی مشکلات آتی ہوں گی۔ پس پہلی نصیحت یہ ہے۔ اور خدا کیلئے اسے مان لو۔ اللہ تعالیٰ کہتا ہے۔

لا تنازعوا فتفشلوا و تذهب ريحكم۔

اِس منازعت سے تم بودے ہو جاؤ گے۔ اور تمہاری ہوا بگڑ جاوے گی۔ پس تنازعہ نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ چونکہ خالق فطرت ہے۔ اور جانتا تھا کہ جھگڑا ہوگا۔ اس لئے فرمایا۔

فاصبروا ان الله مع الصابرين۔

پس جب سکرٹری اور پریذیڈنٹ سے منازعت ہو۔ تو اللہ تعالیٰ کیلئے صبر کرو۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے صبر کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہو گا۔

میرا حق ہے کہ مَیں تم کو نصیحت کروں۔ تم نے عہد کیا ہے کہ تمہاری نیک بات مانیں گے۔ اسلئے مَیں کہتا ہوں۔ کہ یہ مان لو۔ قطعاً منازعت نہ کرو۔ جہاں منازعت ہو۔ فوراً جناب الٰہی کے حضور گر پڑو۔ مَیں نے ابھی کہا ہے کہ اگر حفیظہ کو امام بنا لیتے تو اسکی بھی مرزا صاحب جیسی ہی فرمانبرداری کرتا۔ پس تم مشکلات سے مت ڈرو۔ مشکلات ہر جگہ آتی ہیں۔ میرے اُوپر بھی آئیں۔ اور بڑی غلطی یا شوخی یا بے ادبی بعض آدمیوں سے ہوئی۔ اب ہم نے درگذر کر دیا ہے۔ مگر انہوں نے حق نہیں سمجھا۔ کہ کیا امامت کا حق ہوتا ہے؟ یہ بھی کم علمی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جو انسان حقوق شناسی نہ کرے۔ مگر اللہ تعالےٰ نے رحم فرمایا۔ ان کے دلوں کی آپ اصلاح کر دی۔ اور دل اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ قدرت میں تھے۔ اُس نے سب کو میرے ساتھ ملا دیا۔ اور ان پر اور ہم پر اور ہماری قوم پر رحم اور احسان ہُوا۔ غرض ایک یہ یاد رکھو کہ تنازعہ نہ ہو۔ نہ آپ کرو نہ

ماتحتوں کو کرنے دو۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے موقعہ پر صبر کی تعلیم دی ہے۔

دوسرے بعض جگہ کثرت سے لوگ ہیں۔ وہاں میں دیکھتا ہوں۔ کہ ترقی رک گئی ہے۔ اس کا کوئی مخفی راز ہے میں اس کو جانتا ہوں۔ اسکی تلافی دو طرح ہو سکتی ہے۔ ایک یہ کہ پریذیڈنٹ اور سیکرٹری اللہ تعالیٰ سے رو رو کر دعائیں کریں۔ آپ جانتے ہیں کہ سورج اور چاند گرہن پر مسلمانوں کے ہاں نماز پڑھی جاتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب سورج گرہن اور چاند گرہن ہوتا تو گھبرا جاتے۔ حالانکہ وہ جانتے تھے۔ کہ قرآن کریم میں ہے۔ والقمر قدرناہ منازل۔ مگر وہ بہت گھبراتے تھے۔ اسکی وجہ یہ تھی۔ کہ وہ جانتے تھے۔ کہ سورج روشن تو رہتا ہی ہے۔ مگر روشنی زمین پر نہیں آتی۔ اس طرح چاند کی روشنی رک جاتی ہے۔ چاند گرہن ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵ تاریخ کو ہوتا ہے اور سورج گرہن ۲۷۔ ۲۸۔ ۲۹ کو۔

باوجود اس علم کے کہ سورج اور چاند روشن ہیں۔ پھر ان کی روشنی رک جاتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہت گھبراتے۔ اس لئے کہ میں تو مبلغ ہوں۔ کہیں میری تبلیغ کا اثر نہ رک جائے۔ اس لئے صدقہ کرتے۔ قربانی دیتے۔ دعائیں کرتے۔ غلاموں کو آزاد کرتے۔

احمق فلاسفر اس سِر کو نہیں سمجھتے۔ مگر نبی جانتا ہے۔ کہ وہ اپنی ذات میں روشن ہے۔ ایسا نہ ہو۔ کہ آفتاب و ماہتاب کی طرح ہماری روشنی اور اثر بھی رک جاوے۔ اِس لئے وہ صدقہ و خیرات اور دعاؤں سے کام لیتے۔ پس خوب یاد رکھو۔ کہ جہاں جماعت کی ترقی رک گئی ہے۔ وہاں پریسیڈنٹ اور سکرٹری صاحبان وضو کریں۔ نماز پڑھیں۔ اور اپنی ذات سے صدقہ و خیرات کریں۔ کہ جناب الٰہی خود اس گرہن کو دور کر دے۔ اور اس روک کو اٹھا دے جو ان کے اثر کے آگے آ گئی ہے۔

میں نے اس وقت تک دو باتیں بتائی ہیں۔ اول تنازعہ نہ کرو۔ پھر اگر ایسا ہو جاوے۔ تو صبر کرو۔ تیسری بات یہ بتائی۔ کہ اگر ترقی رک گئی ہے۔ تو صدقہ و خیرات کرو۔ استغفار کرو۔ دعاؤں سے کام لو۔ تا کہ تمہارا فیضان رک نہ جاوے۔ اگر کوئی روک

آگئی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اسے دور کر دے۔

مَیں تم کو صدقہ کا حکم دیتا ہوں۔ اس لئے کہ

الصدقة تطفی غضب الرب

صدقہ فی الواقع اللہ تعالیٰ کے غضب کو بجھا دیتا ہے۔ .... چوتھی بات جو مَیں سمجھاتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ مال کے معاملہ کے متعلق بڑی بدگمانی ہوتی ہے۔ یہاں کے کارکن امین ہیں۔ نیک ہیں۔ اگر کسی کی نسبت پیسہ کا جُرم لگ جاتا ہے تو وہ چور نہیں ہوتے۔ اس لئے تم اپنے مالوں کے لئے مطمئن رہو۔ جو مجھے کوئی دیتا ہے اس کیلئے بھی مَیں امین ہوں۔ مَیں جب چھوٹا تھا۔ تو ایک امیر کبیر ہمارا دوست تھا۔ اس نے ایک لوئی خریدی۔ وہ اتنا بڑا مالدار تھا۔ کہ پچاس ساٹھ ہزار روپیہ اس کے پاس زکوٰۃ ہی کا تھا۔ میرا دل چاہا۔ کہ لوئی مول لوں۔ مَیں نے خرید تو کی۔ مگر مجھے یہ یاد نہیں۔ کہ مَیں نے کبھی پہنی ہو۔ .... اب تک مجھے اللہ تعالیٰ پشمینہ ہی پہننے کو دیتا ہے۔ پس میں اپنی نسبت (تم کو) مطمئن کرتا ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مال کا حریص نہیں بنایا۔ میرے دل میں مال کی خواہش ہی نہیں ہے۔ .... بڑا بننے کی خواہش بھی نہیں ہے۔ مَیں اپنی بیوی کو محدود خرچ مہینہ میں دیتا ہوں۔ ....

اور یہ بھی یاد رکھو کہ میں (اب) مرنے کے قریب ہوں۔ مگر مَیں تمہارا سچا خیر خواہ ہوں۔ تمہارے لئے دعائیں کرتا ہوں۔ میں نے اپنی اولاد کے لئے روپیہ نہیں رکھا۔ میرے باپ نے مجھے کوئی روپیہ نہیں دیا۔ اور نہ بھائی نے دیا۔ مگر میرے مولیٰ نے مجھے بہت کچھ دیا۔ اور وہی دیتا ہے۔ پس تم بدگمانی سے توبہ کر لو۔

یہ باتیں مَیں نے بہت سوچ سوچ کر کہی ہیں۔ میرے دماغ میں خشکی ہو تو ہو۔ مگر ان باتوں میں خشکی نہیں۔ آپس میں محبت رکھو۔ تنازعہ نہ کرو۔ بدگمانی نہ کرو۔ کوئی اگر ناراض ہو تو صبر سے کام لو۔ اور دعائیں کرو۔ ....

یہ معرفت کی باتیں ہیں۔ مجھے کہنے میں معذور سمجھو۔ میرے دل کی خواہش برس بھر سے تھی۔ بدگمانی بھی ہوئی۔ کہ شاید پیسوں کیلئے بلاتا ہے۔ میں مالوں کا خواہشمند نہیں۔

میرا نام آسمان میں عبد الباسط ہے۔

باسط اسے کہتے ہیں جو فراخی دیتا ہے۔ میرے پرانے دوست مثل حامد شاہ کے موجود ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ میرا ایسی لباس رہا ہے۔ میرا مولا وقت پر مجھے ہر چیز دیتا ہے۔ اس کے بڑے بڑے فضل مجھ پر ہیں۔ مَیں ابھی گرا تھا۔ اگر گھوڑی آنکھ پر لات مار دیتی۔ تو کیا حقیقت تھی؟ یہ اس کا فضل ہے۔ سال گذشتہ میں کئی قسم کی غلطیاں ہوئیں۔ مگر خدا کے فضل سے امید ہے کہ آئندہ نہ ہونگی[1]"

مندرجہ بالا دونوں تقریروں میں جو قیمتی نصائح یا اشارے ہیں۔ ان سے وہی لوگ حظ اٹھا سکتے ہیں۔ جنہوں نے "خلافت اور صدر انجمن" کے جھگڑے کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہو۔ ان تقریروں سے اس درد کا بھی پتہ لگ سکتا ہے جو حضور کے دل میں جماعت کی یکجہتی اور اتحاد و اتفاق کے لئے تھا۔ اس رحیم و کریم انسان کی حسن ظنی کو دیکھو کہ وہ سمجھتا ہے۔ سال گذشتہ میں جو غلطیاں مخالفین خلافت کر چکے ہیں۔ امید ہے کہ آئندہ نہیں کریں گے۔

ڈاکٹری رپورٹ

جمعہ اور ہفتہ کے دن طبیعت کا یہ حال رہا۔ کہ درد تھوڑا بہت ہوتا رہا۔ کسی وقت بالکل بھی آرام ہوتا رہا۔ ٹکور برابر ہوتی رہی۔ اتوار کے روز ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب امرتسر سے تشریف لائے۔ چونکہ ان کی تشخیص کے مطابق زخم میں مادہ تھا۔ اس واسطے پیر کی صبح کو چیرا دے کر وہ مادہ انہوں نے خارج کر دیا۔ آج منگل کی صبح کو........ یہ کیفیت ہے کہ اب درد بالکل نہیں۔ رات بالکل آرام سے سوئے رہے پھر سے کا زخم اگرچہ گہرا ہے۔ مگر امید ہے کہ انشاء اللہ جلد بھر جاوے گا۔ احباب دعا میں مصروف رہیں۔ بدھ کی رات کو بہ سبب بخار ہو جانے کے بےچینی اور بےخوابی رہی[2]

غربا کا ملجا و ماویٰ میر ناصر نواب

گذشتہ صفحات میں احباب پڑھ چکے ہیں۔ کہ حضرت میر ناصر نواب صاحب کو ہر وقت اس امر کا فکر دامنگیر رہتا تھا۔ کہ جماعت کے غربا کی پرورش معقول طریق پر ہوتی رہے۔ چنانچہ آپ نے ان کیلئے ایک الگ محلہ دار الضعفا نام سے خود چندہ کر کے بنوایا۔ اور ہر ممکن کوشش کی۔ کہ انکی ضروریات

---

[1] بدر ۱۲؍ جنوری ۱۹۱۱ء۔ [2] بدر ۱۹؍ جنوری ۱۹۱۱ء

بطریق احسن پوری ہوتی رہیں۔ چنانچہ بدر ۱۹ر جنوری ۱۹۱۱ء میں "اطلاع عام" کے عنوان سے آپ کی طرف سے ایک نوٹ شائع ہوا۔ جس میں آپ فرماتے ہیں۔

"جسقدر احمدی جماعت ہے۔ اسپر واضح ہو کہ قادیان میں ہمیشہ کچھ نہ کچھ ضعفا تعلیم دین کے لئے جمع رہتے ہیں۔ جنکا گذارہ فقط توکل پر ہوتا ہے۔ روٹی لنگر مسیح سے مل جاتی ہے۔ لیکن کپڑے و دیگر حوائج ضروری جیسے دھوبی۔ نائی وغیرہ کیلئے کچھ نہ کچھ کپڑے یا نقد کی بھی انہیں ضرورت پڑتی ہے۔ جس کیلئے اس عاجز یعنی (نام نواب) نے کوشش کا ذمہ لیا ہے۔ چنانچہ بعض احباب نے ان غربا و ضعفا کا حال معلوم کرکے اس عاجز کو ان کی خدمت کیلئے تھوڑا بہت ماہوار یا سالانہ دینا منظور فرمایا ہے۔ نیز قادیان کے احمدیوں نے ضعفا کیلئے چندہ دینا شروع کر دیا ہے۔ اور اس کام میں مجھے تھوڑی بہت کامیابی بھی اب تک ہوئی ہے۔ اور آیندہ زیادہ امید ہے۔ چونکہ کام نفسانی جوش سے نہیں شروع کیا گیا۔ اسلئے انشاءاللہ تعالیٰ دن بدن اسمیں زیادہ سے زیادہ برکت ہونے کی امید ہے۔ اکثر احباب پر یہ امر پوشیدہ تھا۔ اسلئے مناسب معلوم ہوا کہ اخبار میں درج کرکے کل احباب پر واضح و مبرہن کر دیا جاوے کہ ہر ایک اہل وسعت احمدی ضعفا کے لئے حسب مقدور کچھ نہ کچھ عنایت فرما کر میری دستگیری فرماوے۔ اور خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرے۔ پرانے جوتے پرانے کپڑے نقد و جنس جس قسم کی ہو۔ قرآن شریف و کتب دینیہ غرض جو کچھ ہو سکے۔ عنایت فرماویں۔ اور اس عاجز کو کسی خوشی و غمی کی تقریب میں فراموش نہ کریں۔ یہ عاجز اور میرے ضعفا ان کے حق میں دعا کے سوا اور کیا کر سکتے ہیں۔ ہم انشاءاللہ دعا کرتے رہیں گے۔ جسکا فائدہ انشاءاللہ تعالیٰ انہیں نظر آتا رہے گا۔ اور یہ دینی خدمت انکی خالی نہیں جانے کی۔ امید ہے کہ لوگ ضرور متوجہ ہوں گے۔ اور پنبۂ غفلت کانوں سے نکال کر میری عرض سنیں گے۔ کوئی تعداد میں مقرر نہیں کرتا۔ ایک روپیہ، دس روپیہ سو روپیہ۔ ۸ر۔ ۴ر۔ ۲ر۔ ۱ر۔ ۰ر۔ ر۔ جو ہو ماہانہ۔ سالانہ۔ ششماہی۔ سہ ماہی۔ بھیجدیا کریں۔ نیا پورانہ کپڑا۔ نیا یا پرانا جوتہ۔ کوئی قرآن شریف یا دینی

کتاب جو کچھ میسر ہو۔ وہ عطا فرماویں۔ لیکن یہ چیزیں بنام اِس عاجز کے ہوں۔ ناصر نواب از قادیان۔[۵۱]

ڈاکٹری رپورٹ

پچھلے اخبار میں بدھ کے دن تک کے حالات لکھے جا چکے ہیں۔

بدھ کے دن حضرت صاحب کی طبیعت زیادہ تکلیف میں تھی۔ قرار پایا۔ کہ کوئی ڈاکٹر انگریز بھی برائے مشورہ لاہور، امرتسر سے بلوایا جائے۔ چنانچہ شیخ عبدالرحمٰن صاحب قادیانی۔ مرزا خدابخش صاحب اور مولوی صدرالدین صاحب اس مطلب کے واسطے لاہور تشریف لے گئے۔ اور وہاں کے احباب کے مشورہ سے ڈاکٹر میجر صاحب کو ساتھ لائے۔ جو کہ جمعرات کے دن دوپہر کو یہاں پہنچے۔ اور قریب تین گھنٹہ کے حضرت صاحب کے پاس رہے۔ نبض دیکھی۔ تھرمامیٹر لگایا۔ پیشاب کا امتحان کیا۔ زخم کھول کر دیکھا۔ اپنے ہاتھ سے ڈریس کیا۔ ماشرا کے واسطے چہرہ پر دوائی لگائی خوراک تجویز کی۔ اور ایک نسخہ پلانے کے واسطے لکھا۔ میجر صاحب نے حضرت صاحب کے متعلق بہت تشفی ظاہر کی۔ فرمایا نبض بہت اچھی ہے۔ اسمیں پوری جوانی کی قوت اور توانائی ہے۔ کوئی خطرے کی بات نہیں۔ زخم کی حالت اچھی ہے۔ تدریجاً بھر جائیگا۔ ماشرے کی تکلیف چار پانچ روز تک جاتی رہے گی۔ غرض ہر طرح سے حالت قابل اطمینان ظاہر کی۔ اور قریب عصر کے چلے گئے۔ پچھلی رات کو حضرت صاحب نے فرمایا۔ کہ دل پر کچھ بوجھ سا معلوم ہوتا ہے۔[۵۲]

وصیت ۱۹، ۲۰ جنوری ۱۹۱۱ء کی درمیانی رات۔

طبیعت بظاہر اچھی تھی۔ تاہم احتیاطاً رات کو درمیان شب جمعرات و جمعہ حضرت صاحب نے فرمایا۔ کہ

"قلم دوات کاغذ لاؤ۔ مَیں کچھ لکھدوں" پچھلی رات کا وقت تھا۔ سوائے شیخ تیمور صاحب ایم۔ اے کے جو دیگر خادم رات کو وہاں رہنے والے تھے۔ اُن کو بھی باہر

۵۱۔ بدر ۱۹؍ جنوری ۱۹۱۱ء ۔ ۵۲۔ بدر ۲۶؍ جنوری ۱۹۱۱ء۔

جانے کا حکم ہوا۔ ایک کاغذ پر اپنے ہاتھ سے کچھ لکھا۔ اور اسے ایک لفافہ میں بند کرا کر اپنا انگوٹھا لگایا۔ اور پھر ایک دوسرے کاغذ پر بھی کچھ لکھکر وہ بھی ایک لفافہ میں بند کرا دیا۔ اس دوسرے کاغذ میں ایک سطر شیخ تیمور صاحب سے بھی لکھوائی اور نیچے اپنے دستخط کر دئے۔ اور انکی اشاعت سے منع کیا۔ اسلئے ہر دو کا مضمون شایع نہیں کیا گیا۔ اور امید ہے کہ حضرت صاحب کی زندگی میں ان کی اشاعت کی ضرورت بھی نہ ہوگی۔ اللہ تعالے حضرت صاحب کو مدت تک خدام کے سر پر قائم رکھے۔ لیکن جب قوم پر مصیبت کا دن آئیگا۔ کہ حضرت خلیفۃ المسیح سلمہ الرحمن ان سے بظاہر جدا ہوں۔ اس وقت اپنے مرشد کی علیحدگی کے غم سے جو افسردگی قوم پر چھائے گی۔ اس کو دور کر کے ملت احمدیہ میں دوبارہ زندگی پیدا کرنیوالی امید ہے۔ کہ انشاء اللہ تعالیٰ انہیں الفاظ کی متابعت ہوگی۔ جو ان بند لفافوں میں درج ہیں"۔[۵]

ناظرین گذشتہ باب میں پڑھ چکے ہیں کہ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کو گھوڑے سے گرنے کے کچھ دن بعد جب طبیعت پر کچھ بوجھ سا معلوم ہونے لگا۔ تو شیخ تیمور صاحب ایم۔اے کو بلا کر علیحدگی میں ایک وصیت لکھکر لفافے میں بند کر کے دی اور ان سے عہد لیا۔ کہ میری زندگی میں اس راز کا افشا نہ ہو۔ مگر خلافت کے مخالف لوگوں نے لیمپ کی گرمی دیکر وہ لفافہ کھول کر پڑھ لیا۔ حضرت میاں عبد العزیز صاحب مغل جو ان کے خیال میں محو خواب تھے۔ وہ یہ ساری کارروائی دیکھ رہے تھے۔

اب ناظرین کو اس امر کا اندازہ لگانے میں یقیناً کوئی مشکل پیش نہیں آئیگی کہ یہ لوگ کیوں سیدنا حضرت محمود ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی مخالفت کرتے تھے؟ اپنے پیارے امام کی اس وصیت سے بجائے اس کے کہ ان لوگوں کے قلوب آپ کی طرف جھک جاتے الٹا انہوں نے زیادہ مخالفت شروع کر دی۔ نہ صرف سیدنا محمود کی بلکہ اپنے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح مولانا حکیم نورالدین صاحب کی بھی! کہ یہ کیوں سیدنا محمود کے اس قدر

---

[۵] بدر ۲۶ر جنوری ۱۹۱۱ء۔

گرویدہ ہیں ۔

۲۲ جنوری ۱۹۱۱ء رات بڑے آرام سے گذری ۔ بخار نہ رات کو تھا نہ دن کو ۔

ڈاکٹری رپورٹ اور نصیحت

ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب بیان فرماتے ہیں ۔ "خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ دورہ ماشرا (اری سپلس) جو کہ دو بارہ چیرا دینے کے بعد چہرے پر ہو گیا تھا ۔ اب قریباً سب اتر گیا ہے اور بخار بھی اتر گیا ہے ۔ طاقت پہلے کی نسبت بہت اچھی ہے ۔ غذا بھی خود کھا لیتے ہیں ۔ ہوش و حواس بالکل درست ہیں ۔ اور ہر طرح سے بیماری رو بصحت ہے ۔ آج قریب ساڑھے بارہ بجے دن کے جب میں رخصت ہونے لگا ۔ تو مَیں نے پوچھا حضور کا دل کس چیز کو چاہتا ہے ۔

آپ نے بجواب فرمایا ۔ کہ

میرا دل یہی چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی ہو جائے ۔ پھر اس کے بعد فرمایا ۔ کہ میرا دل یہی چاہتا ہے کہ اللہ تعالےٰ مجھ سے راضی ہو جاوے ۔ پھر فرمایا ۔ کہ میرا اللہ راضی ہو ۔ پھر فرمایا کہ مَیں یہ چاہتا ہوں ۔ کہ تم فرمانبردار رہو ۔ اختلاف نہ کریو ۔ جھگڑا نہ کرنا ۔ پھر فرمایا مَیں دنیا سے بہت سیر ہو چکا ہوں ۔ کوئی دنیا کی خواہش نہیں ۔ مر جاؤں تو میرا مولیٰ مجھ سے راضی ہو ۔ فرمایا کہ سب کو سُنا دو ۔

پھر فرمایا مَیں دنیا کی پروا نہیں رکھتا ۔ مَیں نے بہت کمایا ۔ بہت کھایا ۔ بہت خرچ کیا ۔ دنیا کی کوئی حرص باقی نہیں ۔ پھر فرمایا ۔ مَیں نے بہت کمایا ۔ بہت کھایا ۔ بہت لیا ۔ بہت دیا ۔ کوئی خواہش باقی نہیں ۔ کبھی کبھی صحت مَیں اسلئے چاہتا ہوں ۔ کہ گھبراہٹ میں ایمان نہ جاتا رہے ۔ پھر بہت دفعہ دردانگیز لہجہ میں فرمایا ۔ کہ اللہ! تو راضی ہو جا ۔ پھر کئی بار فرمایا ۔ اللّٰھم ارض عنی ۔ اللّٰھم ارض عنی ۔

اسکے بعد مَیں نے عرض کی ۔ کہ مَیں حضور کے الفاظ سنا دیتا ہوں ۔ جب دو بارہ یہاں تک سنا چکا ۔ تو فرمایا ۔ مجھے شوق یہ ہے ۔ کہ میری جماعت میں تفرقہ نہ ہو ۔ دنیا کوئی چیز نہیں مَیں بہت راضی ہوں گا ۔ اگر تم میں اتفاق ہو ۔ میں سجدہ نہیں کر سکتا ۔ پھر بھی سجدہ میں تمہارے

لئے دعائیں کرتا ہوں - مَیں نے تمہاری بھلائی کیلئے بہت دعائیں کیں - مجھے طمع نہیں - اور ہرگز نہیں - پھر فرمایا - مجھے تم سے کوئی دنیا کا طمع نہیں - مجھے میرا مولیٰ بہت راز دل سے دیتا ہے - اور ضرورت سے زیادہ دیتا ہے - خبردار جھگڑا نہ کرنا - تفرقہ نہ کرنا - اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دیگا - اور اس میں تمہاری عزت اور طاقت باقی رہے گی - نہیں تو کچھ بھی باقی نہیں رہے گا - پھر فرمایا - کہ اگر مَیں نے کبھی کسی کو حکم دیا ہے - تو اپنی دلی طمع سے حکم نہیں دیا - خدا کا حکم سمجھکر دیا ہے - نمازیں پڑھو - دعائیں مانگو دعا بڑا ہتھیار ہے - تقویٰ کرو - بس - پھر فرمایا دعائیں مانگو - نمازیں پڑھو - بہت مسئلوں میں جھگڑے نہ کرو - جھگڑوں میں بہت نقصان ہوا ہے - بہت جھگڑا ہو تو خاموشی اختیار کرو - اور اپنے لئے اور دشمنوں کے لئے دعائیں کرو - پھر فرمایا - لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ اکثر پڑھا کرو - قرآن کو مضبوط پکڑو - قرآن بہت پڑھو - اور اس پر عمل کرو - پھر فرمایا - رضیت باللّٰہ ربًّا و بالاسلام دینًا و بمحمدٍ رسولاً - اس کے بعد فرمایا - جاؤ حوالہ بخدا -

خدا تعالیٰ کے فضل سے صحت میں آپ ہر طرح ترقی کر رہے ہیں - پچھلے ایام کی نسبت آج حالت بہت بہتر ہے - اور اللہ تعالیٰ سے امید ہے - کہ عنقریب ان کو کلی صحت ہو جاویگی - آمین - خاکسار مرزا یعقوب بیگ ۲۲ جنوری ۱۹۱۱ء

۲۳ جنوری - پیر کے دن طبیعت اچھی رہی -

۲۴ جنوری - منگل - جبکہ آخری کاپی اخبار کی لکھی جاتی ہے - کل دن کو اور رات حضرت صاحب کی طبیعت اچھی رہی - بہت دوستوں کے خط آتے ہیں - کہ حضرت کے حضور میں سنائے جاویں - مگر ڈاکٹر منع کرتے ہیں - کہ حضرت صاحب کو کسی قسم کی تکلیف دی جائے - اسواسطے عموماً خاموش لیٹے رہتے ہیں - اور کوئی خطوط پیش نہیں کئے جا سکتے -

۲۵ جنوری - بدھ - طبیعت اچھی رہی - سر کا ورم اتر گیا ہے - [۵]

---

[۵] بدر ۲۶ جنوری ۱۹۱۱ء -

سبز اشتہار کے موعود

حضرت مولانا محمد احسن صاحب امروہی حضرت خلیفۃ المسیح کی بیماری کے ایام میں خطبات پڑھتے رہے - آپ صدق دل سے اس امر کو تسلیم کرتے تھے - کہ سبز اشتہار کے موعود سیدنا حضرت محمود ایدہ اللہ ہی ہیں - چنانچہ آپ نے ایک خطبہ میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے متعدد الہامات کو جو پورے ہو چکے تھے - پیش کرنے کے بعد فرمایا -

"پس جبکہ صدہا یہ الہام زور شور سے پورے ہوئے - تو جو الہام ذریت طیبہ کیلئے ہیں - کیا وہ پورے نہ ہوں گے ؟ ضرور پورے ہونگے - کلا و حاشا ایہا الاحباب ! ان الہامات پر بھی کامل ایمان ہونا چاہیئے - ایسا نہ ہو کہ نؤمن ببعضٍ و نکفر ببعضٍ کی وعید میں کوئی آجائے - نعوذ باللہ خصوصاً ایسی حالت میں کہ آثار ان الہامات کے پورے ہونے شروع ہو گئے ہیں - حضرت خلیفۃ المسیح کے حکم سے ہماری کل جماعت کے وہ (یعنی سیدنا حضرت محمود ایدہ اللہ تعالیٰ) امام ہیں - اور انہوں نے تھوڑے ہی عرصہ میں ایسی غیر معمولی ترقی کی ہے - جیسے کہ الہام میں تھی - اور بیٹے تو ارہاص کے طور پر یہ سب ارشاد مشاہدہ کئے ہیں - اسلئے میں مان چکا ہوں - کہ یہی وہ فرزند ارجمند ہیں - جن کا نام محمود احمد سبز اشتہار میں موجود ہے[1] -"

ڈاکٹری رپورٹ

حضرت خلیفۃ المسیح سلمہ الرحمٰن کی حالت بفضلہ تعالیٰ بتدریج رو بصحت ہے - گذشتہ ہفتہ میں کوئی نئی تکلیف پیدا نہیں ہوئی سردی لگنے کے سبب ایک دو روز سر میں درد رہا - اور گاہے گاہے رات کو بسبب بیخوابی بےچینی ہو جاتی ہے - زخم تیسرے حصے سے زائد بھر گیا ہے - زخم کا اپریشن رخسار کی ہڈی تک تھا - اور ہڈی ننگی ہو گئی تھی جس سے بعض ڈاکٹر صاحبان نے خوف ظاہر کیا تھا - کہ شاید ہڈی پر گوشت نہ چڑھے - لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہڈی کا بہت سا حصہ گوشت سے ڈھک گیا ہے - اور خطرہ جاتا رہا - ہنوز نماز لیٹے ہوئے پڑھتے ہیں - بہت آہستگی سے بول سکتے ہیں - اور اطبا منع کرتے ہیں کہ زیادہ تر آپ کو باتیں کرائی جائیں - پاس

---

[1] - ۲۶ جنوری سنہ ۱۹۱۱ء -

ضعف پیدا ہوتا ہے۔ بخار نہیں ہے۔ باوجود اس ضعف کے کسی کسی وقت خدام کو پند و نصائح سے متمتع کرتے رہتے ہیں۔ قرآن شریف سنتے ہیں۔[۱]

منازل سلوک

جناب ایڈیٹر صاحب بدر لکھتے ہیں۔
اب ہم وہ بیش بہا الفاظ درج کرتے ہیں۔ جو منگل سے پہلی رات کو حضرت نے ایک خادم کو لکھائے۔ اور مولوی فضلدین صاحب کھاریاں والے نے قلمبند کر کے ہمیں مرحمت فرمائے ہیں۔

بوقت شام ۳۰ جنوری ۱۹۱۱ء حضرت خلیفۃ المسیح نے مخدوم میاں محمد صدیق کو بلوایا اور فرمایا۔ قلم دوات لاؤ۔ میں تم کو ایک بات بتاتا ہوں۔ اس کو معمولی نہ سمجھو۔ یہ بہت بڑی بات بتاتا ہوں۔ فرمایا قرآن کریم کی یہ آیت تین مرتبہ پڑھو۔ اولم یکفھم انا انزلنا علیک الکتاب یتلیٰ علیھم ان فی ذٰلک لرحمۃ وذکریٰ لقوم یومنون۔

مخدوم صاحب کے تین مرتبہ پڑھنے کے بعد فرمایا۔ اللہ پاک اس آیت میں تمام منازل سلوک کیلئے فرماتا ہے۔ کیا ان کو یہ کتاب (قرآن کریم) جو ہم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی ہے۔ کافی نہیں۔ مومنوں کیلئے اسی میں رحمت ہے اور اسی میں تمام ذکر ہیں۔ فرمایا میں نظارہ ہائے قدرت اور کشوف کے طریقے خوب جانتا ہوں۔ مگر اس شہادتِ خداوندی کے بعد سلوک کے اور طریقوں کو اختیار کرنا میں کفر جانتا ہوں۔ اس قسم کی راہوں کو جوگیانہ طریقے سمجھتا ہوں۔ تم سب گواہ رہو۔ میں مر جاؤں تو میری یہ نصیحت یاد رکھنا۔ اگر کوئی خیال اس کے خلاف اٹھے۔ تو لاحول پڑھنا۔ شاہ عبد العزیز کے ایک بھائی تھے۔ جنکا نام تھا محمد۔ انکی ایک بیوی تھی۔ ام حبیبہ ان کا نام تھا۔ انہوں نے بہت ہی کثرت سے اوراد اور اذکار شروع کر دئے حتیٰ کہ کچھ دنوں کے بعد نفلوں کی جگہ بھی انہوں نے وظیفے ہی (شروع) کر دیئے۔ ایکدن ان کے میاں نے کہا۔ کہ تم ہر روز ذکر کیا کرتی ہو۔ لاحول کا ذکر بھی کر دیکھو۔ انہوں نے مان لیا

---

[۱] ۔ بدر ۲ فروری ۱۹۱۱ء ۔

اور شروع کر دیا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے مصلے پر ہنومان کی شکل میں بندر کو دیکھا
اور اس نے کہا۔ کہ جس راہ پر میں نے تم کو ڈالا تھا۔ وہ کیوں چھوڑ دی۔ اس کے بعد ان کے
میاں آئے۔ اور انہوں نے پوچھا۔ بیوی صاحبہ! تم نے آج کچھ دیکھا ہے؟ انہوں نے
جواب دیا۔ میں آئندہ توبہ کرتی ہوں۔

پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کی ایک اور شہادت پڑھو۔ جو ابتدائے قرآن مجید میں ہے۔
الٓمٓ۔ ذٰلک الکتٰب لاریب فیه هدًی للمتقین فرماتا ہے۔ میں اللہ
خوب جاننے والا یہ شہادت دیتا ہوں۔ کہ جسقدر لوگ متقی بنے ہیں۔ اسی راہ سے متقی
بنے ہیں۔ علم تو مجھ کو ہے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں۔ کہ یہی کتاب ذریعہ ہے متقی بننے کا۔
خدا تعالیٰ کی یہ دوسری گواہی ہے۔ یہ بات میں تم کو خدا کی تحریک سے کہتا ہوں۔ احادیث
میں آیا ہے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کئی قسم کے اعوذ پڑھتے تھے۔ مگر جب قل اعوذ برب
الفلق اور قل اعوذ برب الناس نازل ہوئیں۔ تو آپ نے معوذتین کے سوا سب
ذکر چھوڑ دیئے۔ پھر فرمایا۔ اتنی ہی برداشت ہے۔ زندہ رہا۔ تو کل کچھ اور کہونگا۔ اور
صبح فرمایا۔ سورۃ اعراف کے اخیر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قل انما اتبع ما یوحیٰ
الیّ من ربّی هٰذا بصائر من ربکم وهدًی ورحمةٌ لقوم یومنون
واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحمون۔ اے نبی کریم صلعم تو
کہہ میں اس وحی قرآن کے سوائے اور کسی چیز کی پیروی نہیں کرتا۔ یہی لوگوں کے واسطے بصیرت
تھی۔ مومنوں کے واسطے تو ہدایت اور رحمت ہے۔ یہی اگر کافر بھی مان لیں۔ تو ان پر
بھی رحمت ہوگی۔"[۵]

ڈاکٹری رپورٹ

حضور کی صحت سے متعلق جناب ڈاکٹر بشارت احمد صاحب نے
مندرجہ ذیل رپورٹ "بدر" میں بھجوائی۔

"حضرت خلیفۃ المسیح کی طبیعت اس ہفتہ میں بفضلہ تعالیٰ بہت کچھ روبصحت رہی
ہے۔ زخم نصف کے قریب بھر آیا ہے۔ ہڈی کا حرف، ایک چھوٹا سا کنارہ برہنہ رہ گیا

۵۔ بدر ۲ر فروری ۱۹۱۱ء۔

ہے۔ باقی سب پر انگور آ گیا ہے۔ ضعف ہے مگر الحمد للہ روز بروز بتدریج طاقت آ رہی ہے۔ صرف کچھ بے خوابی کی شکایت ہے۔ اور کبھی کبھی سر میں خفیف سا درد ہو جاتا ہے۔ کل سے دائیں پاؤں کے تلوے میں جلن ہوتی ہے۔ جو انشاء اللہ قابل تشویش نہیں۔ تین روز سے حضور تکیہ کے سہارے، بیٹھکر عشاء کی نماز ادا فرماتے ہیں۔[1]

ایک کشف ۵ر فروری ۱۹۱۱ء

۵ر فروری ۱۹۱۱ء صبح فرمایا۔

"ابھی مَیں نے دیکھا ہے کہ اسی مقام پر کسی پرند کا مزیدار شوربا کھایا ہے۔ اور اس کی باریک باریک ہڈیاں پھینک دی ہیں۔ جونہی آپ نے یہ کشف سنایا۔ شیخ یعقوب علی صاحب نے عرض کی۔ کہ اسکو پورا کرنے کے لئے کسی پرند کے گوشت کا انتظام کیا جاوے۔ یہ کہکر وہ اُٹھے۔ تا کہ صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب جو کبھی کبھی ہوائی بندوق سے شکار کھیلا کرتے ہیں۔ انہیں عرض کریں۔ کہ کوئی پرند شکار کریں۔ شیخ یعقوب علی صاحب ان کے پاس پہنچے تو معلوم ہوا۔ کہ ٹھیک اسی وقت انہوں نے کچھ پرند شکار کئے ہیں۔ وہ حضرت کی خدمت میں پیش کئے گئے اور حضرت بہت خوش ہوئے۔[2]

گویا اوہر رویا دیکھا۔ اور ادہر خدا تعالیٰ نے اسے پورا کرنے کے سامان پیدا کر دیئے والحمد للہ علیٰ ذٰلک۔ خدا تعالیٰ کے پیاروں کے ساتھ بھی اللہ تعالےٰ کا عجیب سلوک ہوتا ہے۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم۔

بیماری کے ایام میں ایک عجیب نصیحت ۱۰ر فروری ۱۹۱۱ء

۱۰ر فروری ۱۹۱۱ء کو بیماری کے ایام میں بروز جمعۃ المبارک احباب کو مخاطب کر کے ایک عجیب نصیحت فرمائی۔ فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ کا مجھ پر بڑا فضل ہے۔ اس بیماری میں خدا تعالیٰ نے اپنی قدرتوں اور بندہ نوازیوں کے عجیب عجیب جلوے دکھائے ہیں۔ میں اس بیماری میں دعاؤں کا بڑا قائل ہو گیا ہوں۔ دعائیں مجھ پر بڑا بڑا فضل کرتی ہیں۔ میرے خدا نے مجھ پر بڑے بڑے احسان کئے ہیں۔ میرا جی چاہتا ہے۔ خدا تعالیٰ مجھ کو طاقت دے

---

[1] بدر پرچہ ۹ر فروری ۱۹۱۱ء صفحہ نمبر ۱۔ [2] ایضاً

تو مَیں تم پر وہ انعامات بیان کروں۔ جو خدا تعالےٰ نے مجھ پر فرمائے ہیں۔ آج بھی مجھکو الہام ہوا ہے۔ کہ اغننی بفضلك عمّن سواك۔ نیند کے لئے ڈاکٹر مجھے دوائی پلاتے تھے۔ کہ کسی طرح نیند آجائے۔ اور نیند نہیں آتی تھی۔ آج مَیں نے دوا جو چھوڑ دی۔ تو پانچ گھنٹے نیند آئی۔ خدا تعالیٰ بڑا بادشاہ ہے۔ وہ جو چاہتا ہے۔ کرتا ہے۔ یہ میری نصیحت یاد رکھو۔ اللہ تعالےٰ پر ایمان رکھو۔ اللہ تعالےٰ سے بڑی بڑی امیدیں رکھو۔ یہ جو مشکلات آتے ہیں۔ درجہ بلند کرنے کے لئے آتے ہیں۔ ان مشکلات سے ہرگز مت گھبراؤ۔ اور خدا تعالےٰ سے مدد طلب کرو۔ یہ مختصر نصیحت ہے۔ مگر ضروری ہے۔ اور یاد رکھنے والی ہے۔ معمولی نہ سمجھو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہو۔ اور تمہارا حافظ و ناصر ہو۔" آمین۔[1]

انصار اللہ کا قیام فروری ۱۹۱۱ء

حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب نے جو مخالفین خلافت کی خطرناک اور گمراہ کن روش کو دیکھکر اندر ہی اندر کڑھ رہے تھے۔ اور اللہ تعالےٰ کے حضور رو رو کر دعائیں مانگ رہے تھے۔ فروری ۱۹۱۱ء میں ایک رویا دیکھی۔ کہ

"ایک بڑا محل ہے۔ اور اس کا ایک حصہ گرا رہے ہیں۔ اور اس محل کے پاس ایک میدان ہے۔ اور اسمیں ہزاروں آدمی پتھیروں کا کام کر رہے ہیں۔ اور بڑی سرعت سے اینٹیں پاتھتے ہیں۔ مَیں نے پوچھا کہ یہ کیا کر رہے ہیں۔ اور یہ کون لوگ ہیں۔ اور اس مکان کو کیوں گرا رہے ہیں؟ تو ایک شخص نے جواب دیا کہ یہ جماعت احمدیہ ہے۔ اور اس کا ایک حصہ اس لئے گرا رہے ہیں۔ تا پرانی اینٹیں خارج کی جائیں (اللہ رحم کرے) اور بعض کچی اینٹیں پکی کی جائیں۔ اور یہ لوگ اینٹیں اسلئے پاتھتے ہیں تا اس مکان کو بڑھایا جائے۔ اور وسیع کیا جائے۔ یہ ایک عجیب بات تھی۔ کہ سب پتھیروں کا مُنہ مشرق کی طرف تھا۔ اسوقت دل میں خیال گذرا۔ کہ یہ پتھیرے فرشتے ہیں اور معلوم ہؤا کہ جماعت کی ترقی کی فکر ہم کو بہت کم ہے۔ بلکہ فرشتے ہی خدا تعالیٰ سے اذن پا کر کام کر رہے ہیں۔"[2]

---

[1] بدر ۱۶ر فروری ۱۹۱۱ء نمبر ۱۱ صفحہ ۱۲۔ [2] بدر ۲۳ر فروری ۱۹۱۱ء۔

ظاہر ہے کہ یہ رویا بہت اہم امور پر مشتمل تھی۔ اس میں جہاں یہ بتایا گیا تھا۔ کہ جماعت کے بعض پرانے ممبر جماعت سے الگ کئے جائیں گے۔ وہاں یہ بھی بتایا گیا تھا۔ کہ ان پرانے ممبروں کے الگ ہو جانے سے جماعت کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ بلکہ فرشتے اور لوگوں کے دلوں میں تحریک کر کے انہیں احمدیت کی طرف کھینچ لائیں گے۔ جس سے یہ ظاہر ہو گا۔ کہ جماعت کی ترقی کا تعلق اتنا احباب جماعت کی کوششوں سے نہیں۔ جتنا تصرفات الٰہیہ اور اُس کے افضال سے ہے۔

یہ رویا آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح اول کو سنائی۔ اور پھر اسی سے تحریک پاکر حضور کی اجازت سے ایک انجمن بنائی۔ جسکا نام انصار اللہ رکھا گیا۔

انجمن کی شرائط

اس انجمن کا ممبر بننے کے لئے پہلی شرط یہ مقرر کی گئی۔ کہ جو شخص اس کا ممبر بننا چاہے۔ اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ سات دن متواتر استخارہ کرے۔ باقی خاص خاص شرائط یہ تھیں۔

۲۔ تبلیغ سلسلہ عالیہ احمدیہ۔
۳۔ حضرت خلیفۃ المسیح کی فرمانبرداری۔
۴۔ تسبیح و تحمید اور درود کی کثرت۔
۵۔ قرآن کریم اور احادیث کا پڑھنا اور پڑھانا۔
۶۔ آپس میں محبت بڑھانا اور لڑائی جھگڑوں سے بچنا۔
۷۔ بدظنی اور تفرقہ سے بچنا۔
۸۔ نماز باجماعت کی پابندی رکھنا۔ وغیرہ[1]

اس انجمن کی ابتدا چالیس ممبروں کے ذریعہ سے ہوئی۔ لیکن آہستہ آہستہ یہ تعداد بڑھ کر پونے دو سو تک پہنچ گئی۔

صاف ظاہر ہے کہ اس انجمن کا مقصد نہایت ہی نیک تھا۔ لیکن خلافت کے مخالفین نے اس پر بھی اعتراضات کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ اور یہ کہنا شروع کر دیا۔ کہ خلافت کے حصول کی کوشش

---

[1] بدر ۲۳ فروری ۱۹۱۱ء۔

کے لئے اپنے ساتھ نوجوانوں کی ایک جماعت شامل کی گئی ہے۔ حالانکہ خلافت کے حصول کا اس انجمن کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا۔ اور ہو بھی کیسے سکتا تھا۔ جبکہ حضرت صاحبزادہ صاحب موصوف کے نزدیک ایک خلیفہ کی موجودگی میں دوسرے خلیفہ کے متعلق گفتگو کرنا بھی شرعاً ناجائز تھا۔ کما مر۔

انصار اللہ کے ممبران کا کام تو صرف اپنی اصلاح اور تبلیغ احمدیت تھا۔ جو خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے زوروں کے ساتھ شروع ہو گیا۔ اور اسکی بھی ضرورت اسلئے پیش آئی۔ کہ جناب خواجہ صاحب اپنی تقریروں میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور سلسلہ حقہ کا ذکر کرنا زہر قاتل سمجھتے تھے۔ اور مرکزِ احمدیت کو کمزور کرنے کیلئے خلافت کو مٹانا انکی تقریروں کا ایک اہم جزو تھا۔ اور جماعت کے بیدار مغز دوست ان کی اس چال کو خوب سمجھتے تھے مگر کھل کر انکا مقابلہ کرنا اسوقت کے حالات کے لحاظ سے مشکل نظر آتا تھا۔ کیونکہ جیسا کہ پیچھے ذکر ہو چکا ہے۔ جناب خواجہ صاحب بڑے ہوشیار اور جہاندیدہ انسان تھے۔ وہ حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کے دربار میں جب حاضر ہوتے۔ تو اس طرح کلام کرتے۔ جسطرح وہ آپ کے پورے پورے فرمانبردار اور خلافت پر پختہ عقیدہ رکھنے والے احمدی ہیں۔ اور اپنے رفقاء جناب مولانا محمد علی صاحب اور محترم ڈاکٹر صاحبان کو بھی یہی سمجھاتے رہتے تھے۔ کہ حضرت خلیفہ اولؓ بوڑھے آدمی ہیں۔ اور پھر بیمار بھی ہیں۔ اس لئے زیادہ عرصہ تک دنیا میں رہتے نظر نہیں آتے لہٰذا آپ کی زندگی میں آپ کی مخالفت کرنا دانشمندی کے خلاف اور جماعت کو خواہ مخواہ اپنا مخالف بنانا ہے۔ البتہ جماعت میں درپردہ ایسے خیالات کی اشاعت ضرور کرنی چاہیئے کہ حضرت مولوی صاحب تو بزرگ آدمی ہیں۔ اس لئے انہیں ہم نے اپنا پیر مان کر انکی بیعت کر لی ہے۔ اب آئندہ کے لئے کوئی ایسا آدمی نظر نہیں آتا۔ جسے اپنا امام اور پیشوا مان لیا جاوے۔ اس لئے حضرت مسیح موعودؑ کے منشا کے مطابق صدر انجمن ہی کو سارے اختیارات سونپ دینے چاہئیں۔ کیونکہ الوصیت کے مطابق صدر انجمن ہی حضرت مسیح موعودؑ کی جانشین ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ بھی سمجھتے تھے۔ کہ سوئے ہوئے فتنے کو جگانا درست نہیں۔ لہٰذا ان کے خلاف باتیں کرنیوالوں پر بعض اوقات آپ ناراض بھی ہو جایا کرتے

تھے ۔اور فرمایا کرتے تھے ۔کہ تم کیوں ان کے پیچھے پڑ گئے ہو۔ مگر جیسا کہ بعد کے حالات نے بتا دیا۔
یہ لوگ اس وقت منافقت سے کام لے رہے تھے ۔ اور عقیدہ ان کا وہی تھا۔ جس کا انہوں
نے حضرت خلیفہ اوّلؓ کی وفات کے بعد اظہار کیا ۔ یعنی خلافت کو مٹانا ان کے عزائم کا جزوِ اعظم
تھا۔ لیکن یہ یاد رہے کہ اصل جنگ حصول اقتدار کی تھی ۔ اگر ان کو یہ یقین ہوتا کہ جماعت ان میں
سے کسی شخص کو خلیفہ مان لے گی تو یہ کبھی بھی خلافت کا انکار نہ کرتے ۔ یہ لوگ چونکہ جانتے تھے۔
کہ ان میں سے کوئی شخص بھی اس اہم منصب کا اہل نہیں ۔ اسلئے ان کا سارا زور اس امر پر تھا
کہ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنا جانشین صدر انجمن کو قرار دیا ہے ۔ لہٰذا اصل حاکم صدر انجمن ہے۔
نہ کہ خلیفۃ المسیحؑ ۔ صدر انجمن میں چونکہ ان کی اکثریت تھی۔ اسلئے یہ سمجھتے تھے ۔کہ اگر خلافت مٹ گئی۔
تو جماعت کو ہم اپنے منشا کے مطابق چلائیں گے ۔ مگر بناوٹ بناوٹ ہی ہوتی ہے ۔ کبھی کبھی
ان کی حرکات سے صاف واضح ہو جاتا تھا ۔ کہ وہ چاہتے کیا ہیں ؟ چنانچہ حضور اسکا اظہار
بھی فرما دیتے تھے ۔ مگر پھر ان کے جھک جانے کی وجہ سے معاملہ رفع دفع ہو جاتا تھا حتی کہ
۱۹۱۲ء کے اوائل میں جب ان لوگوں نے زور سے سر نکالا ۔ اور کھلم کھلا خلافت کیخلاف
اور انجمن کے حق میں پروپیگنڈہ شروع کر دیا ۔ تو حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ نے احمدیہ بلڈنگس
لاہور کی مسجد میں جہاں ان لوگوں کی بود و باش تھی ۔ خلافت کے موضوع پر ان لوگوں کو
مخاطب کر کے ایک عظیم الشان اور تاریخی تقریر فرمائی ۔ جسکا آئندہ اپنے موقعہ پر ذکر کیا
جائے گا ۔

ڈاکٹری رپورٹ

"الحمد للہ حضرت صاحب کی طبیعت رو بصحت ہے ۔ زخم صرف
ایک ثلث باقی رہ گیا ہے ۔ ہڈی کا ایک سرا بہت خفیف سا برہنہ
ہے ۔ باقی سب پر انگور آ چکا ہے ۔ آج رات کو بسبب سوء ہضم کے کچھ تکلیف ہو گئی تھی۔
جو خدام سے کسی قدر کھانے میں بے احتیاطی ہو جانے کا نتیجہ تھی ۔ مگر الحمد للہ اس وقت
طبیعت بہت اچھی ہے ۔ طاقت بتدریج آ رہی ہے ۔ اب حضرت خود کھڑے
ہو جاتے ہیں ۔ اور کسی آدمی کے سہارے سے خود اندر سے باہر اور باہر سے اندر
تشریف لے جاتے ہیں ۔ ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ ۔ عاجز (ڈاکٹر) بشارت احمد عفی اللہ عنہ ۱۸ فروری ۱۹۱۱ء"[1]

---

[1] بدر ۔ ۲۳ فروری ۱۹۱۱ء ۔

ڈاکٹری رپورٹ

"حضرت صاحب کی طبیعت اللہ تعالیٰ کے فضل سے رو بصحت ہے۔ زخم ایک چوتھائی کے قریب رہ گیا ہے۔ پرسوں ایک باریک ہڈی زخم میں سے نکل گئی۔ اب کوئی ہڈی برہنہ زخم میں نظر نہیں آتی۔ طاقت اللہ کے فضل سے آرہی ہے۔ عاجز بشارت احمد عفی عنہ۔ یکم مارچ ۱۹۱۱ء"[1]

احمدی اور غیر احمدی میں فرق

جناب ایڈیٹر صاحب بدر لکھتے ہیں: "۲۷ رفروری ۱۹۱۱ء کو قبل دوپہر حضرت امیر المومنینؓ کی خدمت میں یہ سوال پیش کیا گیا۔ کہ احمدیوں اور غیر احمدیوں میں کوئی فروعی اختلاف ہے؟ اس پر حضرت امیر المومنین نے جو کچھ اس کا جواب دیا۔ مَیں اس کے مفہوم کو اپنے حافظہ سے اپنے الفاظ میں لکھتا ہوں۔ فرمایا۔ یہ بات تو بالکل غلط ہے۔ کہ ہمارے اور غیر احمدیوں کے درمیان کوئی فروعی اختلاف ہے۔ کیونکہ جسطرح پر وہ نماز پڑھتے ہیں۔ ہم بھی پڑھتے ہیں۔ اور زکوٰۃ۔ حج اور روزوں کے متعلق ہمارے اور ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ میری سمجھ میں ہمارے اور ان کے درمیان اصولی فرق ہے۔ اور وہ یہ کہ ایمان کیلئے یہ ضروری ہے کہ اللہ تعالےٰ پر ایمان ہو۔ اس کے ملائکہ پر۔ کتب سماویہ پر اور رسل پر۔ خیر و شر کے اندازوں پر اور بعث بعد الموت پر۔ اب غور طلب امر یہ ہے کہ ہمارے مخالف بھی مانتے ہیں اور اس کا دعوےٰ کرتے ہیں۔ لیکن یہاں سے ہی ہمارا اور ان کا اختلاف شروع ہوجاتا ہے۔ ایمان بالرسل اگر نہ ہو۔ تو کوئی شخص مومن مسلمان نہیں ہوسکتا۔ اور ایمان بالرسل میں کوئی تخصیص نہیں۔ عام ہے خواہ وہ نبی پہلے آئے یا بعد میں آئے۔ ہندوستان میں ہوں یا کسی اور ملک میں۔ کسی مامور من اللہ کا انکار کفر ہوجاتا ہے۔ ہمارے مخالف حضرت مرزا صاحب کی ماموریت کے منکر ہیں۔ اب بتلاؤ۔ کہ یہ اختلاف فروعی کیونکر ہوا۔ قرآن مجید میں تو لکھا ہے۔ لا نفرق بین احد من رسلہ۔ لیکن حضرت مسیح موعود کے انکار میں تو تفرقہ ہوتا ہے۔ رہی یہ بات کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید میں خاتم النبیین فرمایا ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اور ہمارا یہ مذہب ہے کہ اگر کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ

---

[1] بدر ۲ رمارچ ۱۹۱۱ء۔

علیہ وسلم کو خاتم النبیین یقین نہ کرے ۔ تو بالاتفاق کافر ہے ۔ یہ جدا امر ہے کہ ہم اس کے کیا معنی کرتے ہیں ۔ اور ہمارے مخالف کیا ۔ اس خاتم النبیین کی بحث کو لا نفرق بین احد من رسلہ سے کوئی تعلق نہیں ۔ وہ ایک الگ امر ہے ۔ اس لئے میں تو اپنے اور غیر احمدیوں کے درمیان اصولی فرق سمجھتا ہوں[۵۱]"

ڈاکٹری رپورٹ

"حضرت کی طبیعت اللہ تعالیٰ کے فضل سے روبصحت ہے ۔ زخم تھوڑا سا باقی رہ گیا ۔ باقی سب بھر آیا ہے ۔ رات کو پیشاب زیادہ آتا ہے ۔ جس سے قدرے بیخوابی ہو جاتی ہے ۔ اور کچھ ضعف ہو جاتا ہے[۵۲]"

مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کیلئے حضرت خلیفۃ المسیح کا ایک ہزار روپیہ چندہ کا وعدہ

جن ایام کے حالات لکھے جا رہے ہیں ان دنوں مسلمانوں نے ایک مسلم یونیورسٹی قائم کرنیکا ارادہ کیا ۔ محترم نواب فتح علیخاں صاحب نے لاہور سے حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں بھی چندہ کی تحریک کی ۔ اور یہ بھی عرض کیا کہ جماعت میں بھی تحریک فرمادیں کہ وہ اس کارِ خیر میں حصہ لے ۔ اس سلسلہ میں حضور نے جو خط نواب صاحب موصوف کو لکھا ۔ وُہ درج ذیل ہے ۔

قادیان ۔ ۲۷ فروری ۱۹۱۱ء

مکرم معظم جناب نواب صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔

جیسا کہ میں نے پہلے جناب کو لکھا تھا ۔ مجھے اسلامی یونیورسٹی کی تجویز کے ساتھ پوری ہمدردی ہے ۔ میں خود اس فنڈ میں انشاءاللہ تعالیٰ **ایک ہزار روپیہ** دونگا ۔ اپنی جماعت کی شمولیت کیلئے میں نے ایک اعلان شائع کر دیا ہے ۔ جسکی نقل ارسال خدمت ہے ۔ والسلام دعاگو نورالدین

اِعلانِ ضروری
تکمیل تجویز متعلق محمڈن یونیورسٹی

---

۵۱ ۔ بدر ۲ مارچ ۱۹۱۱ء ۔ ۵۲ ۔ بدر ۹ مارچ ۱۹۱۱ء ۔

"چونکہ اس وقت ایک عام تحریک اسلامی یونیورسٹی کی ہندوستان میں قائم کرنے کیلئے ہو رہی ہے۔ اور بعض احباب نے یہ دریافت کیا ہے۔ کہ اس چندہ میں ہمیں بھی شامل ہونا چاہیئے یا نہیں۔ اسلئے ان سب احباب کی اطلاع کیلئے جو اس سلسلہ میں شامل ہیں۔ یہ اعلان کیا جاتا ہے۔ کہ اگرچہ ہمارے اپنے سلسلہ کی خاص ضروریات بہت ہیں اور ہماری قوم پر بہت بوجھ چندوں کا ہے۔ تاہم چونکہ یونیورسٹی کی تحریک، ایک نیک تحریک ہے۔ اس لئے ہم یہ ضروری سمجھتے ہیں۔ کہ ہمارے احباب بھی اس تحریک میں شامل ہوں۔ اور قلمے، قدمے، سخنے، زرے مدد دیں۔ نورالدین" [۵۱]

الحمدللہ کہ علیگڑھ میں مسلم یونیورسٹی قائم ہوگئی۔ اور مسلمان قوم نے اس سے بہت فائدہ اٹھایا۔

ڈاکٹری رپورٹ

"الحمدللہ حضرت صاحب کی طبیعت روبصحت ہے۔ دوروزسی پیشاب کی کثرت میں تخفیف ہے۔ زخم کا منہ کسی قدر تنگ ہوگیا تھا۔ اس لئے قدرے کھولدیا گیا ہے۔ احباب دعا فرماویں۔ اللہ کریم جلد شفائے کامل عطا فرمائے۔ اور طاقت بیش از بیش عنایت فرماوے۔ آمین۔ خاکسار بشارت احمد عفی اللہ عنہ۔ ۵ ارمارچ [۵۲]

چودھواں رُکن صدر انجمن احمدیہ

حضرت حاجی الحرمین مولانا حکیم نورالدین صاحب کے خلیفۃ المسیح ہوجانیکی وجہ سے صدر انجمن احمدیہ کے ممبران میں سے ایک ممبر کی جگہ خالی تھی۔ سو اس کیلئے حضرت صاحبزادہ میرزا بشیر احمد صاحب منتخب کئے گئے۔

"حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں صدر انجمن احمدیہ کے پریذیڈنٹ حضرت حاجی الحرمین مولانا حکیم صاحب تھے۔ لیکن آپ کے خلیفۃ المسیح منتخب ہونیکے بعد پریذیڈنٹ حضرت صاحبزادہ میرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب مقرر ہوئے" [۵۳]

عید میلاد اور اسلام

پیسہ اخبار نے عید میلاد منانے کے لئے یہ تحریک کی تھی۔ کہ اس روز تمام مسلمان نہائیں، دھوئیں، عید منائیں۔ اس کا ذکر جب حضرت امیرالمومنین کی خدمت میں کیا گیا۔ تو آپ نے فرمایا۔

---

[۵۱] بدر ۹ رمارچ ۱۹۱۱ء۔ [۵۲] بدر ۱۶ رمارچ ۱۹۱۱ء۔ [۵۳] ایضاً

"اسلام میں تو صرف دو ہی عیدیں شارع علیہ السلام نے مقرر فرمائی ہیں۔ یا جمعہ کا دن ہے"[1]

پیدائش صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب

۱۳ مارچ ۱۹۱۱ء بروز پیر حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب کے ہاں لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام منصور احمد رکھا گیا۔

پندرھواں رکن صدر انجمن احمدیہ

صدر انجمن احمدیہ نے حضرت مولانا شیر علی صاحب کو بھی مجلس معتمدین میں شامل کر لیا۔ اس طرح صدر انجمن احمدیہ کے ممبر چودہ کی بجائے پندرہ ہو گئے۔[2]

ڈاکٹری رپورٹ

"حضرت صاحب کی طبیعت بفضلہ تعالیٰ بہت اچھی ہے۔ ضعف ہے مگر قوت دن بدن بڑھ رہی ہے۔ اگلے دن ایک بیمار کو دیکھنے کیواسطے پہلی دفعہ کوچہ بندی تشریف لائے تھے۔ شیخ تیمور صاحب کو درس حدیث بخاری شریف دیتے ہیں۔ خطوط ہنوز خود نہیں پڑھتے۔ بلکہ سنائے جاتے ہیں۔ اور کتاب بھی مطالعہ نہیں فرماتے۔ ایک دن تین اسہال ہو کر ضعف ہو گیا تھا۔ ہاضمہ میں کمزوری رہی آج (منگل) طبیعت بالکل صاف ہے۔"[3]

عید میلاد بدعت ہے

عید میلاد کے متعلق پیچھے حضرت خلیفۃ المسیح رضی اللہ عنہ کا فتوے گذر چکا ہے۔ اب جماعت شملہ نے لکھا۔ کہ عید میلاد کے متعلق حضور کا کیا حکم ہے؟

حضرت خلیفۃ المسیح نے فرمایا۔

"عید میلاد بدعت ہے۔ عیدیں دو ہیں۔ اسطرح تو لوگ نئی نئی عیدیں بناتے جائیں گے۔ اور احمدی کہیں گے۔ کہ مرزا صاحب پر الہام اول کے دن ایک عید ہو۔ یوم وصال پر عید ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے بڑے محب تو صحابہ تھے۔ انہوں نے کوئی تیسری عید نہیں منائی۔ بلکہ ان کا یہی مسلک رہا۔ کہ

بزہد و ورع کوش و صدق و صفا ٭ ولیکن میفزائے بر مصطفٰےؐ

---

[1] - بدر ۱۶ مارچ ۱۹۱۱ء۔ [2] - بدر ۲۳ مارچ ۱۹۱۱ء۔ [3] بدر ۶ اپریل ۱۹۱۱ء۔

اگر عید میلاد جائز ہوتی۔ تو حضرت صاحب (مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے محب تھے۔ وُہ مناتے۔ ایسی عید نکالنا جہالت کی بات ہے۔ اور نکالنے والے صرف عوام کو خوش کرنا چاہتے ہیں۔ ورنہ ان میں کوئی دینی جوش نہیں[۱]"

ڈاکٹری رپورٹ

"خدا کے فضل سے حضرت صاحب کا زخم اب بہت اچھا ہے۔ بلکہ عنقریب بھرنے کو ہے۔ اور امید ہے کہ ہفتہ عشرہ تک زخم بالکل خشک ہوجائیگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ پرسوں بباعث سوء ہضم کے چند اسہال ہوکر طبیعت ضعیف ہوگئی تھی۔ اب آرام ہے۔ درس بخاری شریف کا دیتے ہیں۔ ممکن ہے سوء ہضم کی وجہ یہی دماغی محنت ہو۔ جو شاید ان دنوں میں زیادہ ہوئی"۔ بندہ (ڈاکٹر) الٰہی بخش تعلیم خود[۲]"

خوشخبری متعلق صحت حضرت خلیفۃ المسیح

"بدر" لکھتا ہے۔

"حضرت صاحب کی طبیعت بفضلہ تعالیٰ بہت اچھی ہے۔ پہلی بار اس ہفتہ میں ایک دفعہ آہستہ آہستہ چل کر اپنے مطب تک تشریف لائے۔ اور وہاں تھوڑی دیر تک بیٹھے رہے۔ بخاری شریف کا درس روزانہ ہوتا ہے۔ آپ کی صحت بالکل معجزانہ رنگ میں ہوئی ہے۔ احباب کو اس شکریہ میں تقوے وصلاحیت میں بہت ترقی کرنی چاہیئے۔ اور نورالدین کی زندگی کے مبارک ایام سے فائدہ اٹھانا چاہیئے"[۳]

غیر احمدی امام کی اقتدا میں نماز پڑھنے کے متعلق خواجہ صاحب کا طرزِ عمل۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریرات میں بڑی صراحت کیساتھ اس امر کا ذکر ہے۔ کہ کسی احمدی کی نماز غیر احمدی امام کے پیچھے نہیں ہوسکتی۔ حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کے فتاوی بھی اس امر کے آئینہ دار ہیں۔ اور سلسلہ کے اخبارات میں بھی بار بار اس مسئلہ کی وضاحت کی گئی ہے۔ لیکن جناب خواجہ کمال الدین صاحب چونکہ اس معاملہ میں قولاً اور فعلاً کمزوری دکھلا چکے تھے۔ اس لئے منتظمین جلسہ سالانہ نے اس مضمون پر ان کے ایک لیکچر کا اعلان کیا۔ مگر خواجہ صاحب اسے ٹال گئے۔ چنانچہ جناب ایڈیٹر صاحب

---

[۱] بدر ۶ اپریل ۱۹۱۱ء صفحہ ۲۔ [۲] بدر ۱۳ اپریل ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۔ [۳] بدر ۲۰ اپریل ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۔

بدر لکھتے ہیں ۔

"سنا گیا ہے ۔ کہ کسی جاہل بیوقوف نے یہ مشہور کیا ہے ۔ کہ سلسلہ احمدیہ کی طرف سے کوئی ایسا فتوےٰ جاری ہوا ہے ۔ کہ احمدی غیر احمدیوں کے پیچھے نماز پڑھ لیا کریں ۔ یہ محض افترا ہے ۔ حضرت صاحب نے کوئی ایسا فتویٰ نہیں دیا ۔ کسی غیر احمدی کو ہمارا پیش امام بننے کی عزت حاصل نہیں ہوسکتی ۔ حضرت خواجہ صاحب نے جلسہ سالانہ میں اس مضمون پر ایک لیکچر دینے کا اعلان بھی کیا تھا ۔ کہ غیر احمدی احمدیوں کا امام نماز میں نہیں ہوسکتا ۔ معلوم نہیں کہ کس وجہ سے یہ لیکچر نہ ہوسکا ۔ ہم جناب خواجہ صاحب کو متوجہ کرتے ہیں ۔ کہ وہ اسپر ایک مضمون لکھکر بدر میں شائع فرمادیں ۔ تاکہ لوگوں کی غلط فہمی دور ہو[1] ۔"

مگر افسوس کہ خواجہ صاحب نے نہ تو اس مضمون پر کوئی لیکچر دیا ۔ اور نہ مضمون لکھا ۔

ڈاکٹری رپورٹ

"الحمدللہ حضرت صاحب کی قوت بدنی میں روز افزوں ترقی ہو رہی ہے ۔ گذشتہ ۱۲ اپریل کے دن پالکی میں بیٹھ کر حضرت نواب صاحب کی کوٹھی پر تشریف لے گئے ۔ اور دن بھر وہاں رہے ۔ درس حدیث ہوتا ہے ۔ بعض بیماروں کو بھی دیکھتے ہیں[2] ۔"

حضرت خلیفۃ المسیح کا بیماری کے بعد پہلا خطبہ ۱۹ ارمئی ۱۹۱۱ء

الحمدللہ کہ عرصہ ۶ ماہ سے زائد بیماری کے بعد ۱۹ ارمئی ۱۹۱۱ء کو حضرت خلیفۃ المسیح پہلی مرتبہ مسجد اقصیٰ میں تشریف لے گئے اور خطبہ جمعہ پڑھا ۔ اور نماز پڑھائی ۔ اسپر جماعت کو جسقدر خوشی ہوئی ۔ اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے ۔ کہ "بدر" نے چار مرتبہ مبارک ۔ مبارک ! مبارک ! مبارک ! کی سرخی قائم کرکے جماعت کو یہ خوشخبری سنائی ۔ کہ اب حضرت خلیفۃ المسیح خدا تعالےٰ کے فضل و کرم سے صحت یاب ہو گئے ہیں ۔

حضور کے معالج ڈاکٹر کرم الٰہی صاحب پنشنر میڈیکل ایڈوائزر صدر انجمن نے بڑے جوش کے ساتھ قوم کو صدقات کی تحریک کی ۔ اور اسی وقت دس روپے اپنی طرف سے پیش کرکے اس مبارک کام کا افتتاح کیا[3] ۔

---

[1] بدر ۲۰ اپریل ۱۹۱۱ء ۔ [2] بدر ۲۷ اپریل ۱۹۱۱ء ۔ [3] بدر ۲۵ مئی ۱۹۱۱ء ۔

"الحکم" نے اس موقعہ پر ایک غیر معمولی پرچہ شائع کیا۔ جس میں لکھا کہ

"۱۹ مئی ۱۹۱۱ء کا جمعہ احمدی سلسلہ کی تاریخ میں اسی طرح یادگار رہے گا۔ جسطرح پر ۱۸ نومبر ۱۹۱۰ء کا جمعہ۔ ۱۸ نومبر کا جمعہ وہ تھا۔ جس روز حضرت خلیفۃ المسیح مدظلہ العالی اپنے سید و مولیٰ آقا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کے ماتحت گھوڑے سے گرے۔ اور جس واقعہ نے نہ صرف احمدی قوم کو بلکہ ان تمام لوگوں کو جو حضرت خلیفۃ المسیح کی نافع الناس شخصیت سے تعلق رکھتے تھے۔ ایک سخت کرب و غم میں ڈالدیا۔ تشویش اور بھی بڑھ گئی۔ جبکہ حضرت کی صحت یوماً فیوماً معرض خطر میں پڑنے لگی۔ ان حالات کے درمیان پٹیالہ کے کانے دجال کی پیشگوئی پیر عام طبقوں کا متوجہ ہونا کوئی بڑی بات نہ تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ۱۱ جنوری ۱۹۱۱ء کو مرتد ڈاکٹر کا کذب ثابت کر دیا۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح کو احمدی قوم کی تربیت اور عوام کی فیض رسانی کیلئے زندہ رکھا۔ اور اس کلیہ کو ثابت کر دیا۔ کہ اما ماینفع الناس فیمکث فی الارض . . . . . . یوم جمعہ ۱۹ مئی ۱۹۱۱ء احمدی قوم کیلئے خصوصاً عید کا دن تھا۔ . . . . میں اس مبارک تقریب پر تمام قوم کو مبارک باد دیتا ہوں۔ اور یہ موقعہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کو مبارکباد دیں۔ کیونکہ ہمارے لئے یہ دن عید سے کم نہیں۔ اور ہمارا ہلال چھ ماہ کے بعد طلوع ہوا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح ممبر پر چڑھے۔ تو میری زبان سے بے اختیار نکلا۔

طلع البدر علینا من ثنیۃ الوداع۔

یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام تھا۔ جو آج پورا ہوا۔ غرض خدا کا شکر ہے کہ ہمیں اپنے امام کے مُنہ سے پھر خطبہ سننے کا موقعہ ملا[۵]"

سیدۃ امۃ الحفیظ بیگم کی آمین۔ جون ۱۹۱۱ء

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صاحبزادی حضرت سیدۃ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ نے جب قرآن ختم کیا۔ تو آپ کی "آمین" کی تقریب پر "بدر" نے حسب ذیل نوٹ بچھ کھٹے میں نمایاں کر کے شائع کیا۔

۵؎ الحکم پرچہ ۲۱/۲۸ مئی ۱۹۱۱ء۔

(آمین)

"امۃ الحفیظ بنت حضرت جری اللہ فی حلل الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء نے قرآن مجید ختم کرلیا ہے۔ اس مبارک تقریب پر بطور شکرانہ نعمت .... دعوت احباب قرار پائی ہے۔ جناب ناصر نواب صاحب قبلہ اور مخدوم و مکرم صاحبزادہ محمود احمد صاحب نے حضرت اقدس کی طرز پر آمین لکھی ہے۔ گویا ایک دسترخوان پر روحانی و جسمانی فائدہ سے متمتع ہونا موجب فرحت بیکران و مسرت بے پایاں ہوگا۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس خاندان نبوت میں قرآن مجید سمجھنے والے اور پھر اس کے مبلغ پیدا کرتا رہے۔ اور وہ ایک دنیا کیلئے ہادی و رہنما و پیشوا بنیں۔ اللہم آمین" [1]

نماز جمعہ کی ادائیگی کے لئے میموریل

چونکہ گورنمنٹ برطانیہ نے یہ فیصلہ کیا تھا۔ کہ ۱۲؍ دسمبر ۱۹۱۱ء کو ہندوستان کے دارالخلافہ دہلی میں جارج پنجم شاہنشاہ ہند کی رسم تاجپوشی ادا کی جائے۔ اس لئے حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھ کر ایک میموریل تیار کیا۔ جسمیں وائسرائے ہند کی معرفت شاہ جارج پنجم سے یہ درخواست کی گئی تھی۔ کہ مسلمانوں کو نماز جمعہ کی ادائیگی کیلئے دو گھنٹہ کی رخصت عنایت فرمائی جایا کرے۔ اس میموریل کا خلاصہ حضور کے الفاظ میں درج ذیل ہے۔

"جمعہ کا دن اسلام میں ایک نہایت مبارک دن ہے۔ اور یہ مسلمانوں کی ایک عید ہے۔ بلکہ اس عید کی فرضیت پر جسقدر زور اسلام میں دیا گیا ہے۔ ان دو بڑی عیدوں پر بھی زور نہیں دیا گیا۔ جنکو سب خاص و عام جانتے ہیں۔ بلکہ یہ عید نہ صرف عید ہے بلکہ اس دن کیلئے قرآن کریم میں یہ خاص طور پر حکم دیا گیا ہے۔ کہ جب جمعہ کی اذان ہو جائے تو ہر قسم کے کاروبار کو چھوڑ کر مسجد میں جمع ہو جاؤ۔ جیسا کہ فرمایا۔

یاایھا الذین اٰمنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الیٰ ذکر اللہ وذروا البیع۔ یہی وجہ ہے کہ جب سے اسلام ظاہر ہوا۔ اسلامی ممالک میں جمعہ کی تعطیل منائی جاتی رہی ہے۔ اور خود اس ملک ہندوستان میں برابر کئی سو سال تک جمعہ تعطیل کا دن رہا ہے۔

---

[1] بدر ۲۹ جون ۱۹۱۱ء۔

کیونکہ آیت مذکورہ بالا کی رُو سے یہ گنجائش نہیں دی گئی۔ کہ جمعہ کی نماز کو معمولی نمازوں کی طرح علیحدہ علیحدہ بھی ادا کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ جماعت میں حاضر ہونا۔ اور خطبہ سُننا اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا اس کیلئے ضروری قرار دیئے گئے ہیں۔..........

یہ تو ظاہر ہے کہ نظام گورنمنٹ اس بات کی اجازت نہیں دیتا۔ کہ ہر ہفتہ میں دو دن کی تعطیل ہو۔ اور یہ بھی ظاہر ہے۔ کہ اتوار شاہِ وقت کے مذہب کے لحاظ سے تعطیل کا ضروری دن ہے۔ پس کوئی ایسی تجویز گورنمنٹ کے سامنے پیش کرنی چاہیئے جس سے نظام گورنمنٹ میں بھی کوئی مشکلات پیش نہ آویں۔ اور اہل اسلام کو یہ آزادی بھی مل جائے۔ اسکی آسان راہ یہ ہے۔ کہ جمعہ کے دن نماز جمعہ کے وقت یا تو سب دفاتر اور عدالتیں۔ سکول۔ کالج وغیرہ دو گھنٹے کے لئے بند ہو جاویں۔ یا کم از کم اتنی دیر کیلئے مسلمان ملازمین اور مسلمان طلبا کو اجازت ہو۔ کہ وہ نماز جمعہ ادا کر سکیں۔ اور اس کے متعلق جملہ دفاتر و جملہ محکموں میں گورنمنٹ کی طرف سے سرکلر ہو جائے۔..............

ان وجوہات مذکورہ بالا کی بنا پر ہم نے ایک میموریل تیار کیا ہے۔ جو حضور وائسرائے ہند کی خدمت میں بھیجا جاویگا۔ لیکن چونکہ جس امر کی اس میموریل میں درخواست کیگئی ہے۔ وہ جملہ اہل اسلام کا مشترک کام ہے۔ اسلئے قبل اس کے کہ یہ میموریل حضور وائسرائے کی خدمت میں بھیجا جاوے۔ ہم نے یہ ضروری سمجھا ہے۔ کہ اس کا خلاصہ مسلمان پبلک اور مسلمان اخبارات اور انجمنوں کے سامنے پیش کیا جاوے۔ تا کہ وہ سب اس پر اپنی اتفاق رائے کا اظہار بذریعہ ریزولیوشنوں و تحریرات وغیرہ کے کر کے گورنمنٹ پر اس سخت ضرورت و ظاہر کریں۔ تا کہ اس مبارک موقعہ پر یہ آزادی اہل اسلام کو حاصل ہو جاوے۔ ہمیں غرض صرف اسی امر سے ہے کہ جملہ اہل اسلام کے اتفاق سے جیسی کہ یہ ضرورت متفقہ ہے یہ درخواست حضور وائسرائے ہند کی خدمت میں پیش ہو۔ اور یہ غرض نہیں۔ کہ ہم ہی اسکو پیش کرنیوالے ہوں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے دل میں یہ تحریک ڈالی ہے۔ اس لئے ہم نے اسے پیش کر دیا ہے۔ اگر کوئی انجمن یا جماعت ایسی ہو۔ جو صرف اس وجہ سے اس کے ساتھ اتفاق نہ کرے۔ کہ یہ میموریل ہماری طرف سے کیوں پیش ہوتا ہے۔ تو ہم بڑی خوشی سے اپنے میموریل کو

گورنمنٹ کی خدمت میں نہیں بھیجیں گے۔ بشرطیکہ اس کے بھیجنے کا اور کوئی مناسب انتظام کرلیا جاوے۔"

المعلن نورالدین (خلیفۃ المسیح الموعود)

قادیان ضلع گورداسپور یکم جولائی ۱۹۱۱ء

اسجگہ اس امر کا ذکر کرنا بھی خالی از فائدہ نہیں ہوگا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی یکم جنوری ۱۸۹۶ء کو ایک میموریل اس غرض کیلئے وائسرائے ہند کی خدمت میں بھیجا تھا[۵] ۔مگر اس زمانہ کے علماء اور ان کے زیر اثر ایک طبقہ کی مخالفت کی وجہ سے منظور نہیں ہوا تھا۔ اب تمام مسلمانوں نے اس مطالبہ کو متفقہ طور پر پسند کیا۔ البتہ علی گڑھ کی پارٹی اور بعض لوگوں نے کہا۔ کہ اگر یہ میموریل آل انڈیا مسلم لیگ کی طرف سے پیش ہو تو زیادہ بہتر رہیگا۔ آپ کو تو کام سے غرض تھی۔ آپ نے فرمایا۔ بہت اچھا۔ چنانچہ یہ میموریل پیش ہونے پر گورنمنٹ نے اسے منظور کرلیا۔ مگر افسوس کہ مسلمانوں نے اس سے کماحقہٗ فائدہ نہیں اٹھایا۔ یعنی جس کثرت سے مسلمانوں کو جمعہ کی نماز کیلئے مساجد میں جانا چاہیئے۔ اس کثرت سے نہیں جاتے۔

حضرت خلیفۃ المسیح اول کی موجودگی میں سیّدنا حضرت محمود ایدہ اللہ کا نماز کی امامت و جمعہ پڑھانا۔

بدر مورخہ ۷ ۲ مئی ۱۹۱۱ء کے پرچہ میں "مدینۃ المسیح" کے نیچے لکھا ہے۔

"خدا تعالےٰ کے فضل وکرم سے حضرت امیر کی صحت اچھی ہے۔ اہلبیت نبوی بھی بخیروعافیت ہیں۔ صاحبزادہ محمود احمد صاحب مسجد مبارک میں امامت کراتے اور مسجد اقصیٰ میں جمعہ پڑھاتے ہیں۔ حضرت امیر بھی جمعہ کے دن مسجد اقصیٰ میں تشریف لے جاتے ہیں۔"

عید کی نماز پڑھانے کیلئے حضرت خلیفۃ المسیح کا حضرت صاحبزادہ صاحب کو ارشاد۔ ۲۶ ستمبر ۱۹۱۱ء

۲۶ ستمبر ۱۹۱۱ء کو عید کی نماز بھی حضرت خلیفۃ المسیح کے ارشاد کے ماتحت سیّدنا حضرت محمود ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے پڑھائی۔ اور ایک نہایت لطیف خطبہ پڑھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح خود بنفسِ نفیس نماز

---

[۵] حیات طیبہ صفحہ ۱۹۴۔ ایڈیشن دوم۔

میں موجود تھے۔ خطبہ عید کے بعد حضور نے لاٹھی کے سہارے کھڑے ہو کر خود ایک وعظ فرمایا۔ اس وقت آپ کی آواز ضعف کی وجہ سے بہت دھیمی ہو رہی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو طاقت بخشی اور آپ نے ایسی پردرد آواز میں نصیحت فرمائی کہ جس سے سامعین پر رقت کا عالم طاری تھا۔ اور ہر طرف سے استغفار اور رونے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب ایڈیٹر بدر کے یہ الفاظ خاص توجہ کے قابل ہیں۔ جو آپ نے حضور کی تقریر درج کرنے سے پہلے فرمائے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں۔

"میرے دوستو! تم ان باتوں سے بے خبر نہیں۔ جن کے سبب سے یہ نصیحت حضور کو کرنی پڑی ہے۔ پس ہوشیار ہو جاؤ۔ حضرت فرماتے ہیں:"

"جو ان تنازعات کو نہ چھوڑے گا۔ میں اسے ہرگز اپنی جماعت میں نہ سمجھوں گا"

پھر حضور نے مفصل تقریر فرمائی۔ جو اخبار بدر میں درج ہے[1]۔

حضرت نواب محمد علیخاں رئیس مالیر کوٹلہ کے ہاں بچی کی ولادت۔ ۲۷ ستمبر ۱۹۱۱ء

حضرت نواب محمد علیخاں صاحب رئیس مالیر کوٹلہ کے ہاں ۲۷ ستمبر ۱۹۱۱ء کو ایک دختر نیک اختر پیدا ہوئی[2]۔ جس کا نام منصورہ بیگم رکھا گیا۔

بیماری سے اٹھنے کے بعد پہلا درس قرآن مجید

الحمدللہ۔ کہ ایک لمبی بیماری سے اٹھنے کے بعد قرآن مجید کا پہلا درس آپ نے ۹ اکتوبر ۱۹۱۱ء کو مسجد اقصیٰ میں دینا شروع فرمایا۔ اس سے قبل آپ نے مسجد میں وعظ و نصیحت پر مشتمل تقریریں تو کئی دفعہ فرمائی تھیں۔ لیکن باقاعدہ درس شروع کرنے کا یہ پہلا ہی دن تھا۔ آپ کی بیماری کے ایام میں متعدد دوستوں نے رویا میں آپ کو مسجد اقصیٰ میں درس دیتے ہوئے دیکھا تھا۔ اب جب آپ نے درس دینا شروع کیا۔ تو اللہ تعالیٰ کے فضلوں کو یاد کر کے بہت سے احباب چشم پُرآب ہو رہے تھے۔ اور ان کے دل اپنے مولیٰ کے حضور سجدہ ریز تھے[3]۔

پیدائش صاحبزادی ناصرہ بیگم صاحبہ

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے مشکوئے معلیٰ میں اللہ تعالیٰ

---

[1] بدر ۵ اکتوبر ۱۹۱۱ء۔ [2] ایضاً۔ [3] بدر ۱۲ اکتوبر ۱۹۱۱ء۔

نے دختر نیک اختر عطا کی ۔ ناصرہ بیگم نام رکھا گیا۔[۵۱]

حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب کی قادیان میں مستقل رہائش

انہی ایام میں حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب دہلی سے قادیان میں تشریف لائے ۔ اور یہیں قیام کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔[۵۲]

خدا ہی رازق ہے

اس عنوان کے ماتحت جناب ایڈیٹر صاحب بدر نے حضرت خلیفۃ المسیح کا کلام ان الفاظ میں درج کیا ہے ۔

"فرمایا میرا خدا ہمیشہ میرا خزانچی رہا ہے ۔ مجھے کبھی تکلیف نہیں ہوئی ۔کیونکہ میرا توکل ہمیشہ خدا پر رہا ۔ اور وہی قادر ہر وقت میری مدد کرتا رہا ہے ۔چنانچہ ایک وقت مدینہ میں میرے پاس کچھ نہ تھا ۔حتیٰ کہ رات کے کھانے کے لئے بھی کچھ نہ تھا ۔جب نماز عشاء کے لئے وضو کرکے مسجد کو چلا ۔ تو راستہ میں ایک سپاہی نے مجھ سے کہا ۔کہ ہمارا افسر آپ کو بلاتا ہے ۔ میں نے نماز کا عذر کیا ۔ پر اس نے کہا ۔ میں نہیں جانتا ۔ میں تو سپاہی ہوں ۔ حکم پر کام کرتا ہوں ۔ آپ چلیں ۔ ورنہ مجھے مجبوراً لے جانا ہوگا ۔ ناچار میں ہمراہ ہوگیا ۔ وہ ایک مکان پر مجھے لے گیا ۔کیا دیکھتا ہوں ۔کہ ایک امیر افسر سامنے جلیبیوں کی بھری ہوئی رکابی رکھا ہوا بیٹھا ہے ۔ اس نے مجھ سے پوچھا ۔کہ اسے کیا کہتے ہیں ۔ میں نے کہا ہمارے ملک میں اسے جلیبی کہتے ہیں ۔کہا کہ ایک ہندوستانی سے سنکر میں نے بنوائی ہیں ۔خیال کیا ۔کہ اس کو پہلے کسی ہندوستانی کو ہی کھلاؤں ۔چنانچہ مجھے آپ کا خیال آگیا ۔ اسلئے میں نے آپ کو بلوایا ۔ اب آپ آگے بڑھیں ۔ اور کھائیں ۔ میں نے کہا ۔ نماز کیلئے اذان ہوگئی ہے ۔ فرصت سے نماز کے بعد کھاؤں گا ۔کہا ۔ مضائقہ نہیں ۔ ہم ایک آدمی کو مسجد بھیجدیں گے ۔ کہ تکبیر ہوتے ہی آکر کہدے ۔ خیر میں کھا کر جب شکم سیر ہوگیا ۔ تو ملازم نے اطلاع دی ۔ کہ نماز تیار ہے ۔ تکبیر ہو چکی ہے ۔ پھر دوسری صبح ہی جبکہ اپنا بستہ صاف کر رہا تھا ۔ اور اپنی کتابیں الٹ پلٹ کر رہا تھا ۔ تو ناگہاں ایک پونڈ مل گیا ۔ چونکہ میں نے کبھی کسی کا مال نہیں اٹھایا ۔ اور نہ کبھی مجھے کسی کا روپیہ دکھلائی دیا ۔ اور میں یہ خوب

---

۵۱ ۔ بدر ۱۹ر اکتوبر ۱۹۱۱ء ۔

۵۲ بدر پرچہ ۱۹ر اکتوبر ۱۹۱۱ء ۔

جانتا تھا۔ کہ اس مقام پر مدت سے میرے سوائے کوئی آدمی نہیں رہا۔ اور نہ کوئی آیا۔ لہٰذا میں نے اسے خدائی عطیہ سمجھ کر لے لیا۔ اور شکر کیا۔ کہ بہت دنوں کیلئے یہ کام دیگا۔[ک]

اِسی قسم کا ایک واقعہ محترم مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب نے بروایت محترم مولوی محمد جی صاحب بیان کیا۔ کہ

ایک دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضؓ دیر تک اپنے کام میں مصروف رہے۔ یہاں تک کہ کافی رات گذر گئی۔ جب گھر تشریف لے گئے۔ تو کھانا موجود نہیں تھا۔ ابھی تھوڑی دیر ہی گذری تھی کہ باہر سے کسی نے دستک دی۔ فرمایا۔ کون ہیں؟ جواب ملا۔ مرزا احمد اسمٰعیل! فرمایا۔ کیا کام ہے؟ عرض کیا۔ حضور! آج جو مَیں نے کھویا تیار کیا تھا۔ تو چونکہ وہ بہت عمدہ بن گیا تھا۔ اس لئے میں نے یہ نیت کی تھی۔ کہ حضور کی خدمت میں بھی پیش کرونگا مگر حضور کی مصروفیات کی وجہ سے پیش نہ کر سکا۔ عشاء کی نماز کے بعد میری آنکھ لگ گئی۔ اب جو آنکھ کھلی تو خیال آیا۔ کہ ابھی دے آؤں۔ چنانچہ اب حاضرِ خدمت ہو کر پیش کرنیکی سعادت حاصل کرتا ہوں۔ آپ نے وہ کھویا قبول فرمالیا۔ اور گھر والوں کو کہا۔ کہ آپ بھی کھائیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے بھجوایا ہے۔

محبت قرآن

فرمایا۔ قرآن شریف کے ساتھ مجھکو اس قدر محبت ہے کہ بعض وقت تو حروف کے گول گول دوائر مجھے زلفِ محبوب نظر آتے ہیں۔ اور میرے مونہہ سے قرآن کا ایک دریا رواں ہوتا ہے۔ اور میرے سینہ میں قرآن کا ایک باغ لگا ہوا ہے۔ بعض وقت تو میں حیران ہو جاتا ہوں کہ کسطرح اسکے معارف بیان کروں۔

مطالعہ قدرت

فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کے مطالعہ سے ایمان میں ترقی ہوتی ہے۔ اور احکامات الٰہی کے مطالعہ سے خشیت میں ترقی ہوتی ہے۔“[ا]

بیعت ظاہری کا فائدہ

”ذکر ہوا۔ کہ ایک شخص آپ کو مانتا ہے۔ مگر بیعت نہیں کرتا۔ فرمایا

بیعت کا فائدہ ایسا ہے۔ جیسے کسی درخت میں شاخ لگا دی۔ جو فضل اس درخت

ک۔ بدر ۱۹ اکتوبر ۱۹۱۱ء۔ ا۔ بدر ۱۹ اکتوبر ۱۹۱۱ء۔

پر ہوتے ہیں۔ اس سے پھر شاخ بھی حصہ لیتی ہے۔

جب خدا کسی کو مامور کرتا ہے۔ تو اس کی اطاعت اور بیعت نہ کرنیوالا خدا تعالےٰ سے بغاوت کرنے والا ٹھہرتا ہے۔

جب تک تعلق نہ ہو۔ دعا نہیں نکلتی۔ اضطراری دعا نہیں نکلتی۔ خط سے بھی تعلق پیدا ہوتا ہے۔ تعلق کے سوا اضطراب پیدا نہیں ہوتا۔[۱]"

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد لاہور میں۔ ۲۲ر اکتوبر ۱۹۱۱ء

مورخہ ۲۲ر اکتوبر ۱۹۱۱ء کو خواجہ جمال الدین صاحب احمدی انسپکٹر مدارس ریاست جموں کے فرزند خواجہ جلال الدین صاحب کا نکاح حاجی شمس الدین صاحب سکرٹری انجمن حمایت اسلام کی دختر نیک اختر کے ساتھ تین ہزار روپیہ مہر پر ہُوا۔

اس تقریب پر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی دو تقریریں جناب خواجہ کمال الدین صاحب کی تحریک پر ہوئیں۔ ایک تقریر ۲۲ر اکتوبر کو براتیوں کے سامنے ہوئی۔ جسمیں حضرت صاحبزادہ صاحب نے سورۃ العصر کی نہایت ہی لطیف رنگ میں تفسیر بیان فرمائی۔ دوسری تقریر ۲۳ر اکتوبر کی شام کو مسجد احمدیہ میں ہوئی۔[۲]

قرض سے بچنے کا علاج

ایک شخص نے عرض کی کہ مَیں مبلغ پچیس ہزار روپے کا مقروض ہوں۔ فرمایا۔

اس کے تین علاج ہیں۔ (۱) استغفار۔ (۲) فضولی چھوڑ دو۔ (۳) ایک پیسہ بھی ملے تو قرض خواہ کو دے دو۔[۳]"

اسی قسم کا ایک واقعہ حضرت حافظ عبد الجلیل صاحب شاہجہان پوری جو قدیم صحابہ میں سے ہیں۔ اور آجکل لاہور میں اندرون موچی دروازہ ڈاکٹری کا کام کرتے ہیں۔ بیان فرمایا کرتے ہیں۔ کہ

"حاجی غلام جبار سکنہ بریلی کے ذمہ چار ہزار روپیہ قرض تھا۔ وُہ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور قرض کا حال بیان کرکے دعا کی درخواست کی۔ حضرت مولوی صاحبؓ

---

[۱] - بدر ۱۹ر اکتوبر ۱۹۱۱ء۔ [۲] بدر پرچہ ۲۶ر اکتوبر ۱۹۱۱ء۔ [۳] - بدر ۹ر اپریل ۱۹۱۱ء

نے اپنی جیب سے پانچ روپے نکال کر انہیں دیئے۔ اور فرمایا کہ جب بھی کچھ روپیہ ہاتھ لگے اس کے ساتھ شامل کرو۔ اور جب ایک سو روپیہ کی رقم ہو جائے۔ تو فوراً ادا کر دو چنانچہ انہوں نے اسپر عمل کیا۔ اور دو سال میں سارا قرضہ ادا ہو گیا۔ یہ ۱۹۰۸ء یا ۱۹۰۹ء کا واقعہ ہے۔

ستاری سے فائدہ اٹھاؤ

فرمایا۔ "انسان بدی اور بدکاری کرتا ہے۔ مگر اللہ تعالےٰ اسپر ستاری کرتا ہے۔ پردہ پوشی کرتا ہے۔ رحم کرتا ہے۔ انسان رات کو بدی کرتا ہے۔ صبح اس کے ماتھے پر لکھی ہوئی نہیں ہوتی۔ کیوں! اس واسطے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے رحم سے فائدہ اٹھائے اور توبہ کرے۔ اور آئندہ بدی سے پرہیز رکھے۔"[۱]

بدی سے بچنے کا نسخہ

فرمایا۔ "بدی سے بچنے کا یہ گر ہے کہ انسان علم الٰہی کا مراقبہ کرے سوچے اور فکر کرے۔ اور بار بار اس بات کو دل میں لائے۔ اور اسپر اپنا یقین جمائے۔ کہ خدا علیم ہے۔ خبیر ہے۔ وہ مجھکو دیکھ رہا ہے۔ میرے ہر فعل کی اسکو خبر ہے۔ اس طرح ریاضت کرنے سے انسان بدی سے بچ جاتا ہے۔"[۲]

بے فائدہ بحث

فرمایا۔ "بعض لوگ بے فائدہ بحثوں میں پڑتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین مومن تھے یا کافر؟ یہ بے ہودہ بحث ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ دن کا زمانہ تھا۔ جبکہ سورج روشن تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل کا زمانہ رات کا زمانہ تھا۔ رات کے وقت جو لوگ ہوتے ہیں۔ ان پر کفر و اسلام کا فتویٰ کیا؟ وہ تو اندھیرے میں چلے گئے۔ وہ لوگ بڑے گنہگار ہوتے ہیں۔ جو مصلح کا زمانہ پاتے ہیں۔ اور پھر اسکا انکار کرتے ہیں۔ رات کو غفلت کا وقت ہوتا ہے۔ مگر جب جگانے والا آگیا۔ تو اس کا نہ ماننے والا ملزم ہوتا ہے۔"[۳]

بخل دُور کرنیکا علاج

فرمایا۔ "بخل دور کرنے کا علاج یہ ہے۔ کہ جب ایک پیسے کا بخل ہو تو دو پیسے دے دینے چاہئیں۔ اور دو پیسے کا بخل ہو تو چار دے دینے چاہئیں۔ اس کا مَیں نے جوانی میں خوب تجربہ کیا ہے۔ اور بہت فائدہ اٹھایا ہے۔"[۴]

---

[۱] بدر ۹ / اپریل ۱۹۱۱ء۔ [۲] ایضاً۔ [۳] ایضاً۔ [۴] ایضاً۔

نماز میں لذت

فرمایا۔ "ایک شخص نماز پڑھتا ہے۔ اور اسے لذت نہیں ملتی۔ تو اس کو سوچنا چاہیئے۔ کہ یہ بھی خدا کا فضل ہے۔ کہ مَیں نے نماز تو پڑھ لی۔ دوسرا اس سے اعلیٰ ہے۔ وہ نماز سمجھکر پڑھتا ہے۔ مگر دنیاوی خیالات نماز میں بھی اسکا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ تو اس کو بھی خوش ہونا چاہیئے۔ کہ سمجھکر تو نماز پڑھنی نصیب ہوئی۔ تیسرا لذت بھی پاتا ہے۔ اس کو بھی خوش ہونا چاہیئے۔ اس طرح انسان ترقی کر سکتا ہے۔ شکر کرنے سے بھی ترقی ہوتی ہے۔ اگر پہلے ہی نماز کو اس خیال سے کہ لذت نہیں ملتی۔ کوئی چھوڑ دیتے۔ تو وُہ کیا ترقی کرے گا؟"[1]

ایک مبشر کشف

فرمایا۔ "ایک دفعہ مجھے رؤیا ہوا۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنی کمر پر اسطرح اٹھا رکھا ہے۔ جسطرح چھوٹے بچوں کو مشک بناتے ہوئے اٹھاتے ہیں۔ پھر میرے کان میں کہا۔ تو ہم کو محبوب ہے۔"[2]

اُستاد ہوں تو ایسے

فرمایا۔ قبولیتِ دعا کے بھی عجیب در عجیب رنگ ہیں۔ میرے ایک اُستاد تھے۔ جن کا نام تھا۔ حکیم علی حسین صاحب۔ مَیں ایک دفعہ انہیں ملنے گیا۔ اس وقت میری ماہوار آمدنی ایک ہزار روپے تھی۔ مگر جیسے میری عادت ہے۔ میرا لباس سادہ تھا۔ بلکہ کچھ میلا بھی تھا۔ مجھے دیکھکر وہ گھبرائے۔ اور کہنے لگے۔ کہ مَیں جو اللہ تعالےٰ سے دعائیں مانگا کرتا ہوں۔ ان کی قبولیت کے نشان میں ایک یہ دعا بھی مانگا کرتا ہوں۔ کہ میرا کوئی شاگرد ذلیل نہ ہو۔ اور اس کی آمدنی ایک ہزار روپے ماہوار سے کم نہ ہو۔ تمہاری کیا حالت ہے؟ جب مَیں نے اپنی اصل حالت کا اظہار کیا۔ تب ان کی تشفی ہوئی۔"[3]

مکہ میں دُعا

فرمایا۔ "جب ہم حج پر گئے۔ تو ہم نے ایک روایت سنی ہوئی تھی۔ کہ مکہ میں جو شخص دعائیں مانگے۔ اسکی ایک دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔ یہ روایت تو چنداں قوی نہیں۔ تاہم جب ہم دعا مانگنے لگے۔ تو ہم نے یہ مانگا۔ "یاالٰہی میں جب مضطر ہو کر کوئی دعا تجھ سے مانگوں تو اس کو قبول کر لینا۔"[4]

---

[1] بدر ۹ راپریل ۱۹۱۲ء۔ [2] ایضاً۔ [3] ایضاً۔ [4] ایضاً

ناجائز سوال

فرمایا "ایک شخص نے ہم سے سوال کیا۔ کہ بتلاؤ خدا کی شکل کیسی ہے؟ اور اُسکی رنگت کیا ہے؟ میں نے کہا اچھا۔ پہلے تم یہ بتلاؤ۔ کہ تمہاری آواز کی شکل کیا ہے؟ اور تمہاری قوت ذائقہ کی کیا صورت ہے؟ اور تمہاری بینائی کی کیا رنگت ہے؟ اُسنے کہا یہ تو ہم نہیں بتا سکتے۔ لیکن ان چیزوں کا کم از کم مقام تو معین ہے۔ مَیں نے کہا اچھا بتلاؤ۔ تمہاری قوت وہم جو ذراسی دیر میں سارا جہان گھوم آتی ہے۔ اس کی کونسی جگہ مقرر ہے؟ اور زمانہ کی کونسی جگہ مقرر ہے۔ پس جبکہ ہم ایسی بہت سی مخلوق کو جانتے ہیں جسکی کوئی جگہ مقرر نہیں کر سکتے۔ پھر جب مخلوق میں ایسی مثالیں موجود ہیں۔ تو خدا تو پھر خدا ہے۔ ایک سیکنڈ کا لاکھواں حصہ بھی سارے جہان کو اپنی بغل میں لئے بیٹھا ہے۔ زمانہ موجود ہے۔ مگر اس کی کوئی شکل نہیں۔ اور نہ اس کا کوئی مکان مقرر ہے۔ تو خدا تعالیٰ کے متعلق ایسا سوال کیونکر جائز ہو سکتا ہے"؟

اپنے مُردے آپ نہلاؤ

فرمایا "مسلمانوں میں ہمدردی یہاں تک کم ہوگئی ہے۔ کہ انہوں نے اپنے مردوں کو آپ نہلانا بھی چھوڑ دیا۔ جب کوئی مرتا ہو۔ تو اسکی جائداد کو متفق کرنیکی فکر میں لگ جاتے ہیں۔ اور اسکے نہلانے دھلانے کا کام کسی مُلّاں کے سپرد آٹھ۔ دس آنے کے پیسے دیکر دیتے ہیں۔ اسلام کا یہ دستور نہ تھا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اہلبیت حضرت علیؓ۔ فضل اسامہ نے غسل دیا۔ مَیں چاہتا ہوں کہ کم از کم احمدی احباب اس سنت کو جاری رکھیں۔ اور وہ اپنے مُردوں کو خود غسل دیا کریں"۔[۵]

قبر پر کیا دُعا کرنی چاہئیے

فرمایا۔ "اصل میں مقبروں کیطرف جانے کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مقصد بتائے ہیں۔ ایک تو یہ کہ موت یاد آجائے۔ دوم دعائے مغفرت اپنے لئے۔ سوم مردہ کیلئے مغفرت مانگنا"۔ فرمایا۔ "سب سے زیادہ کبیرہ گناہ یہ ہے کہ صاحب قبر سے کچھ مانگا جائے۔ دیکھو حضرت صاحب سے میرا بیحد پیار تھا۔ اور میں ان پر مال وجان سب کچھ اپنا قربان کرنا چاہتا تھا مگر مَیں نے ان کی قبر پر کبھی کسی مطلب کی دعا نہیں کی۔ نہ کرنی جائز ہے۔ یہ سخت

---

[۵] - بدر ۹ر نومبر ۱۹۱۱ء ۔

گناہ اور شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے بچا مے[1]"

ایک ایمان افروز واقعہ

اب ہم حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کے زمانہ کا ایک ایمان افروز واقعہ درج کرتے ہیں۔ چونکہ سنہ کی صحیح تعیین نہیں ہو سکی۔ صرف ایک صاحب نے بتایا ہے کہ ۱۹۱۱ء کا واقعہ ہے۔ اس لئے اندازاً یہاں ہی بیان کیا جاتا ہے۔ محترم شیخ عبداللطیف صاحب بٹالوی نے بیان کیا۔ کہ ایک مرتبہ حضرت خلیفۃ المسیحؓ کی خدمت میں مولوی غلام محمد صاحب امرتسری حاضر ہوئے۔ اور عرض کی۔ کہ "دار الضعفا" اور سکول میں غریب طالبعلم جو غالباً مالابار کے تھے۔ ان کے پاس سردی سے بچنے کیلئے کپڑے نہیں حضور نے فرمایا۔ ہم ابھی دعا کرتے ہیں۔ چنانچہ دعا شروع فرما دی۔ دوسرے یا تیسرے دن اعلیٰ کے اعلیٰ قسم کے کمبل آنے شروع ہو گئے۔ اور جوں جوں آتے حضور تقسیم فرما دیتے۔ جب نواں یا گیارھواں کمبل آیا۔ تو آپ کی اہلیہ محترمہ حضرت اماں جی کو وہ کمبل بہت ہی پسند آیا۔ اور عرض کی۔ کہ یہ کمبل تو ہم نہیں دینگے۔ حضرت نے مسکرا کر فرمایا۔ کہ آج اکیس کمبل آنے تھے۔ مگر اب نہیں آئیں گے۔ چنانچہ اس کے بعد کوئی کمبل نہیں آیا۔

محترم قریشی ضیاء الدین صاحب ایڈووکیٹ نے بیان کیا۔ کہ ساتواں یا نواں کمبل تھا۔ جو حضرت اماں جی نے رکھ لیا تھا۔ جس پر حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضؓ نے فرمایا۔ کہ اگر تم نہ لیتیں تو آج ۱۸ کمبل آنے۔ مگر اب نہیں آئیں گے۔

مولوی عبدالوہاب صاحب عمرؔ الفضل مورخہ ۱۹ مئی ۱۹۴۹ء میں لکھتے ہیں۔

"حضرت اماں جی حرم حضرت خلیفہ اولؓ نے مجھے بتایا کہ ایک روز حضرت خلیفہ اوّلؓ کے پاس ایک کشمیری دُھسّہ (کمبل) آیا۔ آپ نے وہ کمبل کسی ضرورتمند کو دیدیا۔ اس روز کئی کمبل آئے۔ اور سب کے سب آپ نے تقسیم کر دیئے۔ ایک کمبل آیا تو مجھے خیال آیا۔ کہ گھر کے لئے بھی ایک کمبل رہنا چاہیئے۔ مَیں نے کہا کہ یہ کمبل آپ کسی کو نہ دیں۔ آپ نے وہ کمبل مجھے دے دیا۔ اور فرمایا۔ کہ

"ہم تو اپنے مولیٰ سے سودا کر رہے تھے۔ وہ بھیجتا تھا۔ اور ہم کسی حاجتمند کو دیدیتے

---

[1] - بدر ۱۴ دسمبر ۱۹۱۱ء

تھے۔ تم نے ہمارا سودا خراب کر دیا۔ اب کوئی کمبل نہ آئیگا۔ چنانچہ اس کے بعد وہ سلسلہ بند ہو گیا۔"[۵]

خاکسار عرض کرتا ہے کہ بعض اور احباب نے بھی یہ واقعہ خاکسار کو سنایا ہے۔ مگر وہ یہ نہیں بتا سکے۔ کہ ساتواں کمبل تھا یا نواں۔ ممکن ہے بعد میں کوئی شخص صحیح تعیین کر سکے۔ اس لئے ہمیں صرف نفسِ واقعہ کو دیکھنا چاہیئے۔ کہ اللہ تعالیٰ کس طرح آپ کی دعاؤں کو قبول کرتا تھا۔

جلسہ سالانہ ۱۹۱۱ء ۲۶ تا ۲۹ دسمبر

جلسہ سالانہ ۱۹۱۱ء میں علاوہ اور تقریروں کے حضرت خلیفۃ المسیح الاول ؓ اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی دو زبردست تقریریں ہوئیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح اوّل کی تقریر ۲۷ دسمبر کو پونے دو بجے شروع ہو کر قریب اڑھائی گھنٹے تک جاری رہی۔ اس تقریر میں حضور نے تشہد و تعوذ کے بعد آیات قرآنیہ

یاایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ حق تقتہ ولا تموتن الا و انتم مسلمون واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا ولا تفرقوا۔۔۔ اولئک لھم عذاب عظیم۔

پڑھکر متفرق امور پر جماعت کو بیش قیمت نصائح فرمائیں۔ افسوس ہے کہ اس کتاب میں ساری تقریریں درج کرنے کی گنجائش نہیں۔ البتہ جماعتی تربیت کے لحاظ سے بعض اہم باتوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

حضور نے "ناسخ و منسوخ کے مسئلہ کی حقیقت" اور "علم حدیث کی ضرورت" وغیرہ مسائل بیان کرنے کے بعد چند نصائح فرمائیں۔ جن کا خلاصہ حضور ہی کے الفاظ میں درج ذیل ہے۔ فرمایا۔

۱۔ متقی بنو اور مسلم مرو

"تقویٰ اللہ کیا ہے؟ عقائد صحیح ہوں۔ اور ان عقائد کے مطابق اعمال صالح ہوں۔ تقوے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ انسان دکھوں سے بچ جاتا ہے۔ اور سکھوں کو پا لیتا ہے۔ متقی اللہ تعالیٰ کا محب ہوتا ہے۔ متقی کو تمام تنگیوں سے نجات ملتی ہے۔ اس کو من حیث لا یحتسب رزق ملتا ہے۔ متقی کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ متقی کے دشمن ہلاک ہوتے ہیں۔ اور وہ مقابلۃً دشمن میں ممتاز ہوتا ہے۔ متقی پر الٰہی علوم کھولے جاتے ہیں۔ پس میں بھی پہلی نصیحت یہی کرتا ہوں۔ کہ متقی بنو متقی بنو۔ ہاں اللہ تعالیٰ

---

[۵] ۔ الفضل ۱۹ مئی ۱۹۳۹ء صفحہ نمبر ۲ ۔

کے لئے متقی بنو۔ اور تم اللہ تعالیٰ کے سچے فرمانبردار بن جاؤ۔ اور اسی فرمانبرداری میں تمہارا خاتمہ ہو۔ یہ فرمانبرداری عجیب نعمت ہے۔ ابوالملتہ ابراہیم علیہ السلام پر تمام برکتیں اس فرمانبرداری کی وجہ سے نازل ہوئیں۔ اذ قال لہ ربہ اسلم قال اسلمتُ لرب العالمین۔ اسلئے تم بھی اگر برکات سماوی سے بہرہ اندوز ہونا چاہتے ہو۔ تو متقی بنو۔ اور تقویٰ کی حقیقت سچے مسلمان میں پیدا ہوتی ہے۔ پس تم بھی مسلم بنو۔ اور مرتے وقت تمہارا خاتمہ اسلام پر ہو۔"[ہ]

۲۔ حبل اللہ کو پکڑو اور تفرقہ نہ کرو

پھر فرمایا۔" واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا۔ حبل اللہ کو مضبوط پکڑو۔ اور سب کے سب مل کر مجموعی طاقت سے حبل اللہ کو پکڑو۔ اور تفرقہ نہ کرو۔ یہ آیت میں آج تم پر تلاوت کرتا ہوں۔ اور پھر سناتا ہوں۔ واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا تم خدا کی حبل کو مل کر مضبوط پکڑے رکھو۔ اسے چھوڑو نہیں۔ اور اس سے جدا نہ ہو۔ اور نہ باہم تفرقہ کرو۔ .... دین اسلام میں یہ رسّہ جسکو حبل اللہ کہا گیا ہے۔ قرآن مجید ہے۔ آریہ۔ برہمو۔ سناتن۔ مسیحی۔ دہریہ۔ ملحد بھی اس رسّہ کو زور سے کھینچ رہے ہیں۔ اور زور لگا کر اپنی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔ دوسری طرف تم نے اس حبل اللہ کو پکڑنے کا دعوےٰ کیا ہے۔ پس تم اس دعوے کو بلا دلیل نہ رہنے دو۔ اور پوری طاقت و ہمت اور یک جہتی سے اس کو مضبوط پکڑ کر زور لگاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ وہ مخالفین اسلام اس رسہ کو لیجائیں۔ (خدا کرے ایسا نہ ہو) اس رسّے کو مضبوطی سے پکڑے رہنے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید تمہارا دستور العمل اور ہدایت نامہ ہو۔ تمہاری زندگی کے تمام مرحلے اسکی ہدایتوں کے ماتحت ہوں۔ تمہارے ہر ایک کام ہر حرکت و سکون میں جو چیز تم پر حکمران ہو۔ وہ خدا تعالےٰ کی یہ پاک کتاب ہو۔ جو شفا اور نور ہے۔"[ے]

"میں پھر تمہیں اللہ کا حکم پہنچاتا ہوں۔ سنو اور غور سے سنو۔

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا۔

تفرقہ مت کرو

دیکھو تفرقہ نہ کرو۔ اگر تفرقہ کروگے تو جانتے ہو۔ اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ یہ حبل اللہ

ہ۔ بدر پرچہ ۲۵ جنوری سنہ ۱۹۱۲ء۔ ے۔ ایضاً

تمہارے ہاتھ سے نکل جائیگی۔ اور اس کے ساتھ ہی تم بھی بودے ہو جاؤ گے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم تنازع کرو گے تو بودے ہو جاؤ گے۔ اور تمہاری ہوا نکل جائے گی۔ پھر تمہارا جمع جتھا ٹوٹ کر قوت منتشر ہو جائے گی۔ اور دشمن تم پر قابو پالیں گے۔"[1]

دردمند دِل سے نصیحت

اِسکے بعد بعض فروعی اختلافات کا ذکر آنے پر فرمایا۔ "دیکھو! میں خلیفۃ المسیح ہوں۔ اور خدا نے مجھے بنایا ہے۔ میری کوئی خواہش اور آرزو نہ تھی۔ اور کبھی نہ تھی۔ اب جب کہ خدا تعالیٰ نے مجھے یہ ردا پہنادی ہے۔ میں ان جھگڑوں کو ناپسند کرتا ہوں۔ اور سخت ناپسند کرتا ہوں۔ مَیں نہیں چاہتا کہ تم میں ایسی باتیں پیدا ہوں۔ جو تنازع کا موجب ہوں۔ اسلئے میں اس خیال سے کہ

سرِ چشمہ شاید گرفتن بہ میل ❊ چو پُر شد نشاید گزشتن بہ پیل

اِس قسم کے نکمے جھگڑوں کو روکنا چاہتا ہوں۔ تم کو کیا معلوم ہے۔ کہ قوم میں تفرقہ کے خیال سے بھی میرے دل پر کیا گذرتی ہے؟ تم اس درد سے واقف نہیں۔ تم اس تکلیف کا احساس نہیں رکھتے۔ جو مجھے ہوتی ہے۔ مَیں یہ چاہتا ہوں۔ اور خدا ہی کے فضل سے یہ ہوگا۔ کہ مَیں تمہارے اندر کسی قسم کے تنازعہ اور تفرقہ کی بات نہ سنوں بلکہ مَیں اپنی آنکھوں سے دیکھوں کہ تم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا عملی نمونہ ہو۔ واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا ولا تفرقوا...... مَیں پھر تمہیں کہتا ہوں۔ جو سُنتا ہے۔ سُن لے۔ اور دوسروں کو پہنچادے کہ۔

جھگڑا مت کرو۔ ہم مر جائیں گے تو پھر تمہیں بہت سے موقعے جھگڑنے کے ہیں۔ !!! تم سمجھتے ہو مَیں حضرت ابوبکرؓ کی طرح آسانی سے خلیفہ بن گیا ہوں؟ تم اِس حقیقت کو سمجھ نہیں سکتے۔ اور نہ اس دکھ کا اندازہ کر سکتے ہو۔ اور نہ اس بوجھ کو سمجھ سکتے ہو۔ جو مجھ پر رکھا گیا ہے۔ یہ خدا کا فضل ہے۔ کہ میں اس بوجھ کو برداشت کر سکا۔ تم میں سے کوئی بھی

---

[1] - بدر ۲۵ جنوری ۱۹۱۲ء۔

نہیں۔ جو اس کو برداشت تو ایک طرف محسوس بھی کر سکے۔ کیا وہ شخص جس کے ساتھ لاکھوں انسانوں کا تعلق ہو۔ آرام کی نیند سو سکتا ہے؟"[1]

خلافت کی ضرورت و اہمیت اور مالی بدظنی کرنے والوں کو جواب

"مَیں اس مسجد میں قرآن ہاتھ میں لیکر اور خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ کہ مجھے پیر بننے کی ہرگز خواہش نہیں۔ اور نہ تھی اور قطعاً خواہش نہ تھی۔ خدا تعالےٰ کے منشا کو کون جان سکتا ہے۔ اس نے جو چاہا کیا۔ تم سب کو پکڑ کر میرے ہاتھ پر جمع کر دیا۔ اور اس نے آپ۔ نہ تم میں سے کسی نے مجھے خلافت کا کرتہ پہنا دیا۔ میں اس کی عزت اور ادب کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ باوجود اس کے میں تمہارے مال اور تمہاری کسی بات کا روادار نہیں۔ اور میرے دل میں اتنی بھی خواہش نہیں کہ کوئی مجھے سلام کرتا ہے یا نہیں۔ تمہارا مال جو میرے پاس نذر کے رنگ میں آتا تھا۔ اس سے پہلے اپریل تک میں اسے مولوی محمد علی کو دے دیا کرتا تھا مگر کسی (نے اس) کو غلطی میں ڈالا۔ اور اس نے کہا کہ یہ ہمارا روپیہ ہے۔ اور ہم اس کے محافظ ہیں۔ تب مَیں نے محض خدا کی رضا کیلئے اس روپیہ کو دینا بند کر دیا۔ کہ مَیں دیکھوں یہ کیا کر سکتے ہیں؟ ایسا کہنے والے نے غلطی کی۔ نہیں بے ادبی کی۔ اسے چاہیئے کہ وہ توبہ کرے۔ میں پھر کہتا ہوں۔ کہ وہ توبہ کرلے۔ اب بھی توبہ کرلیں۔ ایسے لوگ اگر توبہ نہ کریں گے۔ تو ان کے لئے اچھا نہ ہوگا۔

ایک وقت کسی نے مجھ سے جھگڑا کیا۔ اس وقت کے بعد سے میں ایسے اموال ان کو دیتا نہیں۔ جو مخصوص مجھے ہی دئے جاتے ہیں۔ ہاں میں انہیں ایک مد میں رکھتا ہوں۔ اور اسے ایسی جگہ خرچ کرتا ہوں۔ جو اللہ تعالےٰ کی رضا کی راہ ہو۔ میں اپنی ذات اور اپنے متعلقین کیلئے تمہارے کسی روپیہ کا محتاج نہیں ہوں۔ اور کبھی بھی خدا تعالےٰ نے مجھے کسی کا محتاج نہیں کیا۔ وہ اپنے غیب کے خزانوں سے مجھے دیتا ہے۔ اور بہت دیتا ہے۔ اور میں اب تک وہ کسب کر لیتا ہوں۔ جو خدا تعالےٰ نے مجھے دیا ہے۔ یاد رکھو! مَیں پھر

---

[1] بدر ۲۵ جنوری ۱۹۱۲ء۔

کہتا ہوں ۔ کہ میں تمہارے اموال کا محتاج نہیں ہوں ۔ اور نہ تم سے مانگتا ہوں ۔ تم میرے پاس اگر کچھ بھیجتے ہو ۔ تو اسے اپنے فہم کے موافق خدا کی رضا کیلئے خرچ کرتا ہوں ۔ پھر وہ کونسی بات ہو سکتی تھی ۔ کہ میں پیر بننے کی خواہش کرتا ۔ اب خدا تعالیٰ نے جو چاہا ۔ کیا اس میں نہ تمہارا کچھ بس چلتا ہے اور نہ کسی اور کا ۔ اس لئے تم ادب سیکھو ۔ کیونکہ یہی تمہارے لئے بابرکت راہ ہے ۔ تم اس حبل اللہ کو مضبوط پکڑ لو ۔ یہ بھی خدا ہی کی رسن ہے ۔ جس نے تمہارے متفرق اجزا کو اکٹھا کر دیا ہے ۔ پس اسے مضبوط پکڑے رکھو ۔

خلیفہ معزول نہیں ہو سکتا تم خوب یاد رکھو ۔ کہ معزول کرنا تمہارے اختیار میں نہیں ۔ تم مجھ میں عیب دیکھو آگاہ کر دو ۔ مگر ادب کو ہاتھ سے نہ دو ۔ خلیفہ بنانا انسان کا کام نہیں ۔ یہ خدا تعالےٰ کا اپنا کام ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے چار خلیفے بنائے ہیں ۔ آدم کو ۔ داؤد کو ۔ اور ایک وہ خلیفہ ہوتا ہے ۔ جو لیستخلفنھم فی الارض میں موعود ہے ۔ اور تم سب کو بھی خلیفہ بنایا ۔ پس مجھے اگر خلیفہ بنایا ہے تو خدا نے بنایا ہے ۔ اور اپنے مصالح سے بنایا ۔ ہاں تمہاری بھلائی کے لئے بنایا ہے ۔ خدا تعالیٰ کے بنائے ہوئے خلیفہ کو کوئی طاقت معزول نہیں کر سکتی ۔ اسلئے تم میں سے کوئی مجھے معزول کرنیکی قدرت اور طاقت نہیں رکھتا ۔ اگر خدا تعالےٰ نے مجھے معزول کرنا ہوگا ۔ تو وہ مجھے موت دے دیگا ۔ (اللّٰھم اید الاسلام والمسلمین ببقائہٖ وطول حیاتہٖ ۔ ایڈیٹر) تم اس معاملہ کو خدا کے حوالے کر دو ۔ تم معزول کرنیکی طاقت نہیں رکھتے ۔ میں تم میں سے کسی کا بھی شکرگذار نہیں ہوں ۔ جھوٹا ہے وہ شخص جو کہتا ہے کہ ہم نے خلیفہ بنایا ۔ مجھے یہ لفظ ہی دکھ دیتا ہے ۔ جو کسی نے کہا کہ پارلیمنٹوں کا زمانہ ہے ۔ دستوری حکومت ہے ۔ ایران اور پرتگال میں بھی دستوری ہوگئی ہے ۔ ٹرکی میں پارلیمنٹ بن گیا ۔ میں کہتا ہوں وہ بھی توبہ کرے ۔ جو اس سلسلہ کو پارلیمنٹ اور دستوری سمجھتا ہے ۔ کیا تم نہیں جانتے کہ ایران کو پارلیمنٹ نے کیا سکھ دیا ۔ اور دوسروں کو کیا نفع پہنچایا ہے ۔ ترکوں کو پارلیمنٹ کے بعد کیا نیند آئی ہے ؟ ایرانیوں نے کیا فائدہ اٹھایا ۔ محمد علیشاہ کے سامنے کتنوں کو غارت کرایا ۔ اور اب پچھلوں کو الٹی میٹم آتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

خلیفے خدا تعالیٰ بناتا ہے

میں تمہیں پھر یاد دلاتا ہوں۔ کہ قرآن مجید میں صاف طور پر لکھا ہے۔ کہ اللہ ہی خلیفے بنایا کرتا ہے۔ یاد رکھو کہ آدم کو خلیفہ بنایا۔ تو کہا۔ انی جاعل فی الارض خلیفہ۔ فرشتے اس پر اعتراض کر کے کیا فائدہ اٹھا سکے۔ تم قرآن میں پڑھو۔ جب فرشتوں کی یہ حالت ہے۔ اور انہیں بھی سبحانک لا علم لنا کہنا پڑا۔ تو تم جو مجھ پر اعتراض کرتے ہو اپنا منہ دیکھ لو۔ مجھے وہ لفظ خوب یاد ہیں۔ کہ ایران میں پارلیمنٹ ہو گئی۔ اور دستوری کا زمانہ ہے۔ انہوں نے اس قسم کے الفاظ بول کر جھوٹ بولا۔ بے ادبی کی۔ خدا تعالیٰ کی غیرت نے انہیں دستوری کے نتیجے ایران میں ہی دکھا دیئے۔ میں پھر کہتا ہوں۔ کہ اب بھی توبہ کر لیں۔[1]

تقسیم اموال کی تفصیل

میرے پاس تین قسم کی رقوم آتی ہیں۔ کچھ کپڑے آتے ہیں یتامیٰ و مساکین کیلئے۔ اور ایسا ہی روپیہ بھی آتا ہے۔ کوئی روپیہ دیتا ہے کہ جہاں آپ چاہیں خرچ کریں۔ ایک کہتا ہے۔ جہاں میرے مردے کو ثواب پہنچے وہاں خرچ کرو۔ اور کچھ خیرات بھی آتی ہے۔ بعض لوگ مخصوص کر دیتے ہیں۔ اور میں جانتا ہوں۔ کہ وہ خدا تعالیٰ کے خاص منشا کے ماتحت ہوتا ہے کہ یہ تمہاری ذات کیلئے ہے۔ ان تمام اموال میں سے یتامیٰ کے اموال کو تو میں لا تقربوا مال الیتیم پر عمل کرنے کے لئے مولوی محمد علی صاحب کے حوالے کر دیتا ہوں۔ اور ایسا ہی ان کے کپڑے بھی۔ جو اموال میرے پاس آتے ہیں۔ میری حفاظت کرنے والوں کو تو میرے گوہ کی بھی خبر نہیں۔ تو اموال کی کیا خبر ہو؟ (یہ سخت لفظ میں نے ایک خاص وجہ سے بولا ہے) پھر جو کپڑے ہوتے ہیں بعض وقت ان میں قیمتی کپڑے ہوتے ہیں۔ میں نے ایکدفعہ اپنی بیوی کو کہا۔ کہ ان کو بیچ کر اوسط درجہ کے کپڑے بنا دیا کرو۔ تاکہ وہ زیادہ کے کام آسکیں۔ اس نے کہا کہ اگر میں خود لینا چاہوں۔ تو میں نے اسے جواب دیا۔ کہ ہرگز نہیں۔ اگر کوئی اور بیوی ہو۔ جو ہماری رشتہ دار نہ ہو وہ چاہے تو لے سکتی ہے۔ تو ایسے کپڑے بعض وقت ہم بیچ دیتے ہیں۔ گو بہت ہی کم موقعہ ملتا ہے۔ مجھے یہاں شادیاں کرانی پڑتی ہیں۔ اور وہ مسکین ہوتے ہیں۔ ابھی آٹھ دس نکاح ان دنوں میں ہوئے ہیں۔

---

[1] بدر یکم فروری ۱۹۱۲ء۔

اور بجز میری ایک نواسی کے سب مسکین تھے۔ ان کو کپڑے اور مختصر سے زیور دینے پڑتے ہیں اپنے اموال سے جو مساکین کیلئے آتے ہیں۔ اس قسم کی ضرورتیں پوری کی جاتی ہیں۔

مَیں یہ واقعات اپنی برأت کیلئے نہیں کہتا۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ کہ مَیں تمہاری مدح، مذمت، انکار کی پروا نہیں کرتا۔ بلکہ اس لئے سناتا ہوں۔ کہ تم میں سے کوئی بدگمانی کرکے گنہگار نہ ہو جائے .... مَیں تمہارے روپے کا محتاج نہیں حضرت صاحب کے وقت میں بھی ایسے اموال میرے پاس آتے تھے۔ اور مَیں لے لیتا تھا۔ مَیں تمہاری بھلائی کیلئے کہتا ہوں۔ مجھے تم میں سے کسی کا خوف نہیں اور بالکل نہیں۔ ہاں مَیں صرف خدا ہی کا خوف رکھتا ہوں۔ پس تم ایسی بدگمانی نہ کرو۔ توبہ کرو اگر ہمارا گناہ ہے تو ہمارے ہی ذمہ رہنے دو۔ اگر مَیں غلطی کرتا ہوں اس بڑھاپے اور اس عمر میں قرآن مجید نے (مجھے) نہیں سمجھایا۔ تو پھر تم کیا سمجھاؤ گے؟ میری حالت یہ ہے کہ بیٹھتا ہوں۔ تو پیر دکھی ہوتے ہیں۔ کھڑا ہوتا ہوں تو محض اس نیّت سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ پڑھتے تھے.........

پس میری سنو اور خدا کے لئے سنو! اسکی بات ہے جو مَیں سناتا ہوں۔ میری نہیں کہ

واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعا ولا تفرقوا"[1]

اس تقریر سے یہ بھی ظاہر ہے کہ حضرت یتیم اور مسکین بچوں کی شادیوں میں خاص دلچسپی رکھتے تھے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس موقعہ کے مناسب حال ایک دو واقعات بھی پیش کر دیئے جائیں۔

ایک سید کا اپنی بیٹی کی شادی کے لئے امداد طلب کرنا۔

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں۔

"حضرت خلیفہ اوّل ؓ کے پاس ایک دفعہ ایک شخص آیا۔ اور کہنے لگا کہ میں سید ہوں۔ میری بیٹی کی شادی ہے۔ آپ اس موقعہ پر میری کچھ مدد کریں۔ حضرت خلیفہ اوّل ؓ یوں تو بڑے مخیّر تھے۔ مگر طبیعت کا رجحان ہی جو بعض دفعہ

---

[1] بدر یکم فروری ۱۹۱۲ء۔

کسی خاص پہلو کی طرف ہو جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔

"مَیں تمہاری بیٹی کی شادی کیلئے وہ سارا سامان تمہیں دینے کیلئے تیار ہوں۔ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی فاطمہ کو دیا تھا۔ وہ یہ سُنتے ہی بے اختیار کہنے لگا۔ آپ میری ناک کاٹنا چاہتے ہیں۔ حضرت خلیفہ اوّل نے فرمایا۔ کیا تمہاری ناک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناک سے بھی بڑی ہے۔ تمہاری عزت تو سید ہونے میں ہے۔ پھر اگر اسقدر جہیز دینے سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک نہیں ہوتی۔ تو تمہاری کسطرح ہو سکتی ہے[۵]۔"

ایک اور واقعہ

ایسا ہی ایک واقعہ بابا قادر بخش صاحب درویش مسجد احمدیہ لاہور نے بیان کیا کہ حضرت میاں عبدالعزیز صاحب المعروف مغل بیان فرمایا کرتے تھے۔ کہ

"حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کی خدمت میں ایک مولوی صاحب حاضر ہوئے۔ زمیندار بھی تھے۔ چہرہ پر گھبراہٹ طاری تھی۔ حضرت نے دریافت فرمایا۔ کیا بات ہے؟ عرض کی۔ حضور! لڑکیاں جوان ہیں۔ شادی کرنے کیلئے پیسے نہیں۔ فرمایا آپ نے لڑکے پسند کئے ہیں؟ عرض کیا۔ ہاں حضور! فرمایا۔ انہوں نے منظور کیا ہے؟ عرض کیا۔ جی حضور! فرمایا۔ جب آپ نے لڑکے پسند کر لئے۔ اور انہوں نے لڑکیوں کا رشتہ لینا منظور کر لیا۔ تو بتاؤ۔ پیسے کتنے لگے؟ پھر فرمایا لڑکے پر تو کچھ بوجھ ہوتا ہے حق مہر کا۔ مگر لڑکی والے پر تو قطعاً کوئی بوجھ نہیں ہوتا۔"

اس کے بعد ہم ان جھگڑوں کا ذکر کرتے ہیں۔ جو جناب خواجہ کمال الدین صاحب اور جناب مولوی محمد علی صاحب کی پارٹی نے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی خلافت کے شروع میں ہی کھڑے کر دیئے تھے۔ یعنی خلافت اور انجمن کا جھگڑا، پرانے ممبروں کو خلیفہ کی بیعت کرنا ضروری نہیں یا خلیفہ کو معزول کیا جا سکتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ حضرت خلیفۃ المسیحؓ جماعت کی ترقی سے متعلق سخت متفکر رہتے تھے۔ اور ہر وقت حضور جماعت کو سمجھاتے رہتے تھے۔ کہ اتفاق اور اتحاد کو ہر چیز پر مقدم سمجھو۔ خلافت ایک رحمت اور انعام ہے۔ اسکی قدر کرو۔ خلفا کو خود خدا مقرر کرتا ہے۔

۵۔ تفسیر کبیر جلد پنجم حصہ اول صفحہ ۲۱۰۔

کوئی انجمن یا جماعت مقرر نہیں کرتی۔ لہٰذا انہیں معزول کرنے کا خیال بھی دلوں میں نہ لایا کرو۔ اور ان نکمی بحثوں کو چھوڑ کر متقی بن جاؤ۔ اور اپنی توجہات کا رخ اصلاح نفس اور تبلیغ اسلام کی طرف پھیر لو۔ وغیرہ۔ مگر افسوس کہ ان لوگوں کے دلوں میں جو شکوک و شبہات کی بیماری پیدا ہو چکی تھی۔ وہ بجائے گھٹنے کے دن بدن ترقی ہی کرتی گئی۔ اقتدار حاصل کرنے کی ہوس اسطرح ان کے دل و دماغ پر سوار ہو چکی تھی۔ کہ مٹائے نہ مٹتی تھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ سے انہیں اس لئے پرخاش تھی کہ آپ نے اپنی بیماری کے ایام میں خلافت کی وصیت سیدنا حضرت محمود ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے حق میں کردی تھی۔ اور سیدنا حضرت محمود ایدہ اللہ سے اِس لئے بغض تھا۔ کہ ان کے نزدیک۔ آپ خلافت کے حصول کے لئے سر توڑ کوشش کر رہے تھے۔ اور آپ کے خاندان کے باقی ممبر اِس لئے مبغوض تھے کہ آپ کیساتھ انکا تعلق تھا۔

حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کے دل میں سیدنا محمود ایدہ اللہ کا جو ادب و احترام تھا۔ اور جسکی وجہ سے آپ نے انہیں صدر انجمن کا صدر مقرر کیا ہوا تھا۔ اپنی بیماری اور کمزوری کے ایام میں آپ ہی کے سپرد نمازوں کی امامت تھی۔ خطبات جمعہ بھی آپ ہی پڑھاتے تھے۔ یہ ساری باتیں ایسی تھیں۔ جو ان لوگوں کو ہرگز نہ بھاتی تھیں۔ مگر مجبور تھے کہ کچھ نہ کر سکتے تھے۔

یہاں ہم محترم مولانا ظہور حسین صاحب مجاہد بخارا کا ایک بیان درج کرتے ہیں۔ جس سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی۔ کہ یہ لوگ سیدنا محمود ایدہ اللہ سے کس قدر نفار رکھتے تھے۔ جناب مولوی صاحب فرماتے ہیں۔

"جب ہم مبلغین کلاس میں حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ سے پڑھا کرتے تھے۔ تو ایک مرتبہ آپ نے فرمایا۔ کہ ایک روز مولوی محمد علی صاحب نے مجھے کہا۔ کہ حافظ صاحب! آپ حضرت خلیفۃ المسیح کے خاص شاگرد ہونے کی وجہ سے بے تکلفی سے بات کر لیا کرتے ہیں۔ ذرا آپ حضور سے پوچھیں تو سہی کہ کیا وجہ ہے کہ بڑے بڑے علماء مثل حضرت مولانا سید سرور شاہ صاحب، حضرت قاضی امیر حسین صاحب وغیرہ کی موجودگی کے باوجود حضور نے امام الصلوٰۃ اور خطیب میاں محمود احمد صاحب کو مقرر فرمایا ہوا ہے۔ جو بالکل نوعمر ہیں۔ مگر ساتھ ہی تاکید کی کہ میرا نام نہ لینا۔ حضرت حافظ صاحب نے فرمایا کہ بہت اچھا۔ میں آپ کا نام لئے بغیر ہی سوال کرونگا۔ چنانچہ آپ نے

جب حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ کی خدمت میں یہ سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔ کہ حافظ صاحب!
قرآن شریف میں تو یہی لکھا ہے۔ کہ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم[1]
آپ مجھے ساری جماعت میں میاں محمود احمد جیسا ایک تو متقی بتا دیں۔ پھر اس کے
بعد حضرت خلیفۃ المسیح نے فرمایا۔ کہ کیا میں مولوی محمد علی صاحب کو کہوں۔ کہ وہ امام الصلوٰۃ ہوا
کریں۔ اور خطبہ پڑھا کریں؟ حضرت حافظ صاحب نے فرمایا۔ کہ میں نے مولوی محمد علی صاحب
کا نام قطعاً نہیں لیا تھا"۔

بہرحال ان لوگوں نے جب دیکھا۔ کہ حضرت خلیفۃ المسیح بھی قابو میں نہیں آتے۔ تو انہوں نے کچھ
سوچ کر آپ کے خلاف اموال سلسلہ میں ناجائز تصرف کا الزام عاید کیا۔ مگر آپ کی ڈانٹ ڈپٹ
سے بظاہر دب گئے مگر دلوں میں بغض و کینہ ترقی ہی کرتا گیا۔ حضرت حسن ظنی سے کام لیتے تھے۔
اس لئے بعض اوقات جب بظاہر معاملہ دب جاتا تھا۔ اور یہ لوگ آپ کے رعب
اور جلال کی تاب نہ لا کر معافی بھی مانگ لیتے تھے۔ تو اس کے بعد اگر کوئی شخص ان کی طرف ایسی
باتیں منسوب کرتا۔ تو آپ اسے جھاڑ بھی دیا کرتے تھے۔ اور کبھی کبھار ان لوگوں کے اچھے
کاموں کو بیان کر کے ان کی تعریف بھی فرما دیا کرتے تھے۔ جس کا مقصد صرف اور صرف یہ ہوا کرتا تھا
کہ شاید یہ لوگ راہ راست پر آجائیں۔ مگر افسوس کہ ؎ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔
آخر کار آپ کی وفات کے بعد ان لوگوں نے مرکز سلسلہ کو چھوڑ کر لاہور میں اپنا الگ مرکز
قائم کر لیا۔ اور اتحاد و اتفاق کا وعظ جو حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ اکثر فرمایا کرتے تھے۔ اور بڑے درد سے
فرمایا کرتے تھے۔ اس کی ان لوگوں نے ذرہ بھر قدر نہ کی۔ خلافت اور انجمن کی بحث میں اُن لوگوں
کا جو موقف تھا۔ اس سے انہوں نے سر مو انحراف نہیں کیا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت اقدس
مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال پر گو ایک فوری اثر اور تصرفات الٰہیہ کی وجہ سے ان
لوگوں نے بالاتفاق حضرت خلیفۃ المسیح اول کی بیعت کر لی تھی۔ لیکن دل سے انہوں نے آپ کو
کبھی بھی خلیفہ تسلیم نہیں کیا۔

غیر مبایعین کے بعض سوالات اور انکے جوابات	اس مختصر سے نوٹ کے بعد ذیل میں چند ایسی خلاف واقعہ باتوں کا جواب دیا جاتا ہے۔ جو

[1] حجرات ع ۲

عموماً ان لوگوں کی طرف سے پیش کی جاتی ہیں۔

سوال۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی وفات کے وقت آپ (حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ۔ ناقل) کا وجود ایسا تھا۔ جسپر تمام جماعت کو اتفاق تھا۔ کہ حضرت صاحب کے جانشین آپ ہی ہو سکتے ہیں۔ مگر آپ نے اس بوجھ کو تامل کے ساتھ قبول فرمایا۔ پہلے خواجہ کمال الدین صاحب و دیگر احباب جو آپ کی خدمت میں درخواست لے کر گئے تھے۔ آپ نے اور ایک دو نام تجویز کر دیئے۔ پھر دوبارہ سب کے اصرار پر آپ نے فرمایا۔ کہ میاں محمود احمد صاحب اور میر ناصر نواب صاحب کا اسپر اتفاق نہیں۔"

جواب۔ یہ امر کہ حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب اور حضرت میر ناصر نواب صاحب کو حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی بیعت کرنے پر اتفاق نہیں تھا۔ یہ ایسی خلاف واقعہ بات ہے۔ کہ جسپر کسی مزید دلیل کے لانے کی ضرورت نہیں۔ بڑا سے بڑا ثبوت غیر مبائعین نے اسوقت تک اس بات کی تائید میں پیش کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ۔

" میاں محمود احمد صاحب سے پوچھا گیا۔ تو انہوں نے کہا۔ کہ میں اپنی والدہ سے مشورہ کر کے بتاؤنگا۔ اور بعد از مشورہ انہوں نے اور میر ناصر نواب صاحب نے .... حضرت مولانا نورالدین صاحب پر اتفاق ظاہر کیا۔"[۲]

گو ہمارے نزدیک واقعات یہ بتاتے ہیں۔ کہ مندرجہ بالا دونوں حضرات دل و جان سے حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ پر فدا تھے۔ اور حضور کے علاوہ کسی اور شخص کو اس منصب کا اہل ہرگز نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن اگر حضرات غیر مبائعین کی اس بات کو تسلیم بھی کر لیا جائے۔ کہ انہوں نے بیعت سے قبل ام المومنینؓ سے مشورہ کرنا ضروری سمجھا۔ تو اسمیں حرج کی کونسی بات ہے؟ کیا خواجہ کمال الدین صاحب نے ساری جماعت کی طرف سے بطور نمائندہ آپ سے مشورہ نہیں کیا؟ پس اگر مشورہ کرنے کے معنے انکار کرنے کے ہیں۔ تو اس انکار میں تو ساری قوم شامل ہے۔

سوال۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے ایک موقعہ پر فرمایا۔

"کفر و اسلام کا مسئلہ دقیق مسئلہ ہے جسکو بہت سے لوگوں نے نہیں سمجھا ......

۱۔ مجاہد کبیر صفحہ ۷۲۔ ۲۔ مجاہد کبیر صفحہ ۷۲۔

"....... ہمارے میاں نے بھی اس کو نہیں سمجھا۔"[۱]

جواب۔ یہ بات بھی بالکل غلط اور خلاف واقعہ ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ نے اس بات پر واشگاف الفاظ میں روشنی ڈالی ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

"مولوی محمد علی صاحب کو قرآن کریم کے بعض مقامات پر نوٹ کرانے کے دوران میں حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ نے مختلف آیات کے متعلق ایک دن فرمایا۔ کہ یہ آیات کفر و اسلام کے مسئلہ پر روشنی ڈالتی ہیں۔ اور لوگ بظاہر ان میں اختلاف سمجھتے ہیں۔ مثلاً

ان الذین اٰمنوا والذین ھادوا والنصاریٰ والصابئین من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر وعمل صالحاً فلھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔ یا

ان الذین یکفرون باللہ ورسلہ ویریدون ان یفرقوا بین اللہ ورسلہ ویقولون نؤمن ببعض ونکفر ببعض ویریدون ان یتخذوا بین ذٰلک سبیلاً اولٰئک ھم الکافرون حقا واعتدنا للکافرین عذاباً مھینا۔

اسطرح بعض لوگ میری نسبت بھی کہتے ہیں۔ کہ یہ کبھی غیر احمدیوں کو مسلمان کہتا ہے۔ اور کبھی کافر۔ میرا ارادہ تھا کہ کبھی اس پر ایک مضمون لکھوں۔ کہ ان آیات کا کیا مطلب ہے؟ اور میرے اقوال میں جو اختلاف نظر آتا ہے۔ اس کا کیا باعث ہے؟ آپ آجکل قرآن کریم کے نوٹ لکھ رہے ہیں۔ آپ اس پر ایک مضمون لکھیں۔ اور مجھے دکھالیں۔ ایسی ان آیات میں مطابقت کر کے دکھائی جاوے۔ یہ گفتگو میرے سامنے ہوئی۔ اسی طرح کچھ دن بعد جبکہ میں بھی بیٹھا ہوا تھا۔ حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ نے پھر یہی ذکر شروع کیا۔ اور اپنی نسبت فرمایا۔ کہ میری نسبت لوگ کہتے ہیں۔ کہ یہ کبھی غیر احمدیوں کو مسلمان کہدیتا ہے کبھی کافر۔ حالانکہ لوگ میری بات کو نہیں سمجھے۔ یہ ایک مشکل بات ہے۔ حتٰے کہ ہمارے میاں بھی نہیں سمجھے۔"

آگے چل کر آپ فرماتے ہیں۔

"مولوی (محمد علی) صاحب کو گو حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ نے ایک بے تعلق آدمی خیال کیا تھا۔ مگر مولوی صاحب دل میں تعصب اور بغض سے بھرے ہوئے تھے۔ انہوں نے اس

---

[۱] - پیغام صلح ۲۰ نومبر ۱۹۳۵ء - بحوالہ مجاہد کبیر صفحہ ۷۸۔

موقعہ کو غنیمت سمجھا۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ نے کہا کچھ تھا۔ انہوں نے لکھنا کچھ اور شروع کر دیا۔ بجائے اس کے کہ ان آیات میں تطبیق دیکر مضمون لکھتے۔ جو بعض لوگوں کے نزدیک ایک دوسری کے مخالف ہیں۔ "کفر و اسلام غیر احمدیاں" پر ایک مضمون لکھدیا۔ ادہر پیغام صلح میں یہ شائع کرا دیا گیا۔ کہ حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ نے فرمایا ہے۔ کہ میاں کفر و اسلام کا مسئلہ نہیں سمجھا۔[۵۱] حالانکہ یہ بات بالکل جھوٹ تھی۔ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔"[۵۲]

اس حوالے سے صاف ظاہر ہے۔ کہ حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کی طرف جو بات منسوب کر کے لکھی گئی ہے۔ اس کا وہ مفہوم ہرگز نہیں تھا۔ جو مولوی محمد علی صاحب نے حضور کی طرف منسوب کیا ہے۔ حضور نے تو انہیں یہ کہا تھا۔ کہ آپ آیات مندرجہ بالا میں تطبیق دیں۔ اور مجھے دکھالیں۔ مگر مولوی صاحب نے "کفر و اسلام غیر احمدیاں" کے مسئلہ پر ایک مضمون لکھدیا۔ ادہر پیغام صلح میں حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کی طرف منسوب کر کے یہ لکھدیا۔ کہ

"میاں کفر و اسلام کا مسئلہ نہیں سمجھا۔"

اس فقرہ سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ نے یہ نہیں فرمایا۔ کہ آپ کے نزدیک حضرت میاں صاحب کفر و اسلام کے مسئلہ کو نہیں سمجھے۔ بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ آپ کے خیال میں حضرت میاں صاحب اس بات کو نہیں سمجھے کہ کیوں آپ غیر احمدیوں کو کبھی کافر کہتے ہیں اور کبھی مسلمان؟ اور "حتیٰ" کا لفظ ظاہر کرتا ہے۔ کہ آپ کے خیال میں حضرت میاں صاحب ہی ایسے زیرک اور سمجھدار انسان تھے۔ جنہیں اس مسئلہ کو سمجھنا چاہیئے تھا۔ مگر وہ بھی نہیں سمجھے۔ پس اصل بات یہ ہے۔ کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ یہ بات بیان فرما رہے تھے۔ کہ

"میری نسبت لوگ کہتے ہیں۔ کہ یہ کبھی غیر احمدیوں کو مسلمان کہہ دیتا ہے۔ کبھی کافر۔ حالانکہ لوگ میری بات کو نہیں سمجھے۔ حتیٰ کہ ہمارے میاں بھی نہیں سمجھے۔"

اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ اُستاد تھے اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کی پوزیشن شاگرد کی تھی۔ اس لئے حضور نے اگر کسی موقعہ پر یہ فرمایا ہو۔ کہ فلاں مسئلہ یا فلاں آیت کا مفہوم جس رنگ میں مَیں سمجھتا ہوں۔ اُس رنگ میں اور لوگ تو الگ رہے میاں صاحب بھی

۵۱۔ پیغام ۳ مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ۴۔ ۵۲۔ رسالہ اختلافات سلسلہ کی تاریخ کے صحیح حالات صفحات ۸۹۔۹۰

نہیں سمجھے تو ایسا کہنے میں اس وقت کے لحاظ سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی کوئی ہتک نہیں ہو جاتی۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کو آپ باقی تمام لوگوں سے زیادہ زیرک سمجھتے تھے۔ مگر بعض مسائل یا آیات کی تفسیر میں اپنے برابر نہیں سمجھتے تھے۔

ایک اور طریق سے بھی اس مسئلہ کو حل کیا جا سکتا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ اگر مولوی محمد علی صاحب کی پارٹی یہ سمجھتی ہو۔ کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضؓ کا مسلک وہی تھا۔ جو ان کا ہے۔ تو حضور کے زمانہ خلافت کے فتاویٰ کو جمع کر کے دیکھ لیا جائے۔ ان سے صاف ظاہر ہو جائے گا۔ کہ اس مسئلہ میں کونسا فریق حق پر ہے۔ اور کونسا باطل پر؟

سوال۔ کیا مولوی محمد علی صاحب نے مسئلہ کفر و اسلام پر مضمون لکھکر حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضؓ کو سنا نہیں دیا تھا؟ اور حضور نے اسکی تصدیق نہیں فرمائی تھی؟

جواب۔ اس سوال کے پہلے حصہ میں کسی حد تک صداقت ہے۔ لیکن دوسرا حصہ بالکل غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضؓ ان ایام میں بیمار تھے۔ جناب مولوی محمد علی صاحب نے حضور کی بیماری سے فائدہ اٹھا کر بالکل علیحدگی میں مضمون سنانے کی کوشش کی۔ تا کوئی شخص آپ کی اس ہوشیاری سے آگاہ نہ ہو جائے۔ چنانچہ جب پہلی مرتبہ مضمون سنانا چاہا۔ تو باہر دروازہ پر پہرہ مقرر کر دیا۔ تا کوئی اور شخص اندر نہ آ سکے۔ لیکن اتفاق سے حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب پہنچ گئے۔ جنکو روکنا مشکل تھا۔ اِس لئے مولوی صاحب مضمون سُنائے بغیر اٹھکر چلے آئے۔

دوسری مرتبہ جناب مولوی محمد علی صاحب نے اس بات کیلئے نماز جمعہ کا وقت منتخب کیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضؓ تو بیمار تھے۔ مگر مولوی صاحب نے مضمون سنانے کو نماز جمعہ پر مقدم کر لیا۔ کیونکہ آپ سمجھتے تھے کہ یہ وقت ایسا ہے جب سب لوگ نماز کیلئے چلے جائیں گے۔ اور آپ اطمینان کیساتھ جو حصہ مضمون کا چاہیں گے۔ سنا سکیں گے۔[1] چنانچہ آپ نے مضمون سنایا۔ اب رہا یہ امر کہ حضرت خلیفۃ المسیح کو سارا مضمون من وعن سنایا گیا۔ اور حضور نے اسے پسند فرمایا۔ یا اسکی تصدیق کی یہ بات سرے سے ہی غلط ہے۔ کیونکہ

---

[1] ۔ اختلافات سلسلہ کی تاریخ کے صحیح حالات۔ صفحہ ۹۰۔

اوّل - مولوی محمد علی صاحب نے اس مضمون میں اسلام کی تعریف میں آیت وما یؤمن اکثرھم باللہ اِلّا وھم مشرکون [1] سے یہ استدلال کیا ہے۔ کہ اس آیت میں مشرکین پر بھی مومن کا لفظ استعمال ہوا ہے [2]۔ حالانکہ قرآن کریم پڑھنے والا ہر شخص جانتا ہے۔ کہ یہ آیت کفار مکّہ کے حق میں ہے۔ اس آیت سے استدلال کر کے جناب مولوی صاحب نے یہ ثابت کرنیکی کوشش کی ہے۔ کہ اسلام کی تعریف ایسی وسیع ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لانیوالے بھی مومن ہیں۔ کیا حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضؓ مومن کی اِس تعریف سے اتفاق کر سکتے تھے؟ خصوصاً جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ڈاکٹر عبد الحکیم صاحب بٹالوی کو اس تعریف کی بنا پر جماعت سے خارج کر دیا تھا۔

دوسری شہادت اس مضمون کے غلط ہونے پر یہ ہے۔ کہ جناب مولوی محمد علی صاحب نے آیت قل اللہ ثم ذرھم کے یہ معنے کئے ہیں۔ کہ "اللہ منوا کر ان کو چھوڑ دو"۔ گویا مولوی صاحب کے نزدیک ان کے اسلام کیلئے اسی قدر کافی ہے۔ حالانکہ یہ آیت یوں ہے۔

وما قدروا اللہ حق قدرہٖ۔ اِذْ قالوا ما انزل اللہ علیٰ بَشَرٍ من شئ۔ قل من انزل الکتاب الذی جاء بہ موسیٰ نورًا و ھُدًی للناس تجعلونہ قراطیس تبدُونھا و تخفون کثیرًا وعلمتم مالم تعلموا انتم ولا آباؤکُم۔ قل اللہ! ثم ذرھم فی خوضھم یلعبون [3]۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے۔ کہ یہود کہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے بندہ پر کبھی الہام نازل نہیں کیا۔ اسکے جواب میں تو ان سے پوچھ کہ موسیٰ کی کتاب کسنے نازل کی تھی؟ اور پھر اپنی طرف سے کہدے۔ کہ وہ خدا تعالیٰ نے نازل کی تھی۔ اور چونکہ یہ جواب ان کے عقیدے کے مطابق ہے۔ اسلئے انہیں اسپر خاموش ہی رہنا پڑے گا۔ اس جواب کے بعد ان کیساتھ اس مسئلہ پر زیادہ گفتگو کرنے کی ضرورت نہیں۔ پھر ان کو چھوڑ دو۔ کیونکہ وہ دین پر ہنسی کرتے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضؓ اس آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

---

[1] - سورۃ یوسف آخری رکوع۔ [2] - مسئلہ کفر و اسلام صفحہ ۴۔ [3] - انعام ع ۱۱

"قل اللہ ثم ذرھم سے کے یہ معنے نہیں۔ کہ اللہ! اللہ! کرتے رہو۔ کیونکہ محض اللہ! اللہ کا ذکر ہماری شریعت میں ثابت نہیں۔ بلکہ یہ تو جواب ہے من انزل الکتاب کا۔ یہ کتاب کس نے اتاری۔ کہو اللہ نے۔[۵۱]"

پس مولوی محمد علی صاحب کے اس ترجمہ کو حضرت خلیفۃ المسیح رض کس طرح صحیح تسلیم فرما سکتے تھے؟

تیسری شہادت اس مضمون کے غلط ہونے پر یہ ہے۔ کہ اسمیں حضرت امام ابو حنیفہ رح کی طرف منسوب کرکے یہ لکھا گیا ہے۔ کہ

"آپ کا یہ مذہب ہے کہ اگر کوئی شخص ایک دفعہ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ کہدے تو وہ مومن ہو جاتا ہے۔ چاہے پھر اس سے شرک۔ کفر یا ظلم سرزد ہو۔[۵۲]"

ہماری طرف سے بار بار اس امر کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ کا یہ مذہب کس معتبر کتاب میں لکھا گیا ہے؟ مگر مولوی صاحب زندگی بھر اس مطالبہ کا جواب نہیں دے سکے۔

پس یہ تین شہادتیں ہیں اس امر کی کہ مولوی محمد علی صاحب نے سارا مضمون ہرگز حضرت خلیفۃ المسیح رض کو نہیں سنایا۔ یا اگر سنایا ہے۔ تو بیماری کی وجہ سے توجہ کیساتھ حضور اُسے سُن نہیں سکے۔

پھر لطف یہ ہے کہ جناب مولوی صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رض کی زندگی میں اسے شائع نہیں کیا۔ حالانکہ حضور کی وفات سے ایک ماہ پہلے آپ حضور کو سنا چکے تھے۔ اور اس کے بعد جو اس سے بھی بڑا مضمون لکھا اسے پہلے شائع کر دیا گیا۔ پس اس مضمون کا حضرت خلیفۃ المسیح رض کی زندگی میں شائع نہ کرنا بتاتا ہے۔ کہ کسی خاص حکمت کے ماتحت اسکی اشاعت روکی گئی تھی۔ اور وہ حکمت سوائے اس کے اور کیا ہو سکتی ہے۔ کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رض کی وفات کا انتظار کیا جا رہا تھا۔

سوال۔ کیا قرآن کریم کا ترجمہ کرنے کے دوران میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رض نے متعدد بار محترم مولانا محمد علی صاحب کی تعریف نہیں کی؟

جواب۔ اس بات کا کون انکار کرتا ہے کہ محترم مولانا محمد علی صاحب مرحوم اور ان کے رفقائے

۵۱۔ بدر جلد ۹ نمبر ۴۵ مورخہ ۱/۹ ستمبر ۱۹۱۰ء۔ ۵۲۔ مسئلہ کفر و اسلام صفحہ ۲۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں قابلِ قدر خدمات سرانجام دیں ۔ اور قرآن کریم کے ترجمہ میں بھی آپ نے سخت محنت اٹھائی ۔ پہلے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کا مکمل درس سنا۔ نوٹ لئے ۔ صاف کیا ۔ حضرت کو ایک لمبا زمانہ سنا کر اصلاح لیتے رہے ۔ اور پھر اسے انگریزی زبان کا لباس پہنایا ۔ اور حضرت کو اشاعتِ قرآن کریم کی جو لگن تھی وہ کسی باخبر انسان سے مخفی نہیں ۔ حضور کا تو یہ حال تھا ۔ کہ اگر کوئی شخص اشاعت اسلام کے سلسلہ میں ذرا بھی کام کرتا تو آپ اسکی بے حد قدردانی فرماتے تھے ۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا تھا ۔ کہ آپ جناب مولوی محمد علی صاحب کی حوصلہ افزائی نہ فرماتے ۔ جبکہ انہوں نے سالہا سال عرقریزی سے اس نہایت ہی قیمتی اور اہم کام کو سرانجام دیا تھا ۔ مگر افسوس تو یہ ہے ۔ کہ مرکز سلسلہ سے الگ ہونیکے بعد جب آپ نے غیر احمدیوں کو خوش کرنے کیلئے جماعت احمدیہ کے بعض مسلمہ عقائد سے انحراف کیا ۔ اور ترجمہ میں بھی ردو بدل کر ڈالا ۔ تو جماعت ان کے اس فعل کو کیونکر سراہ سکتی تھی ؟ پس جس حد تک آپکی اس محنت اور کوشش کا سوال ہے جو آپنے ترجمہ قرآن اور اسکی اشاعت کے سلسلہ میں کی ۔ ہم آپ کے قدردان ہیں ۔ مگر جو تصرف آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کے منشا اور منظوری کے خلاف کیا ۔ اسکی وجہ سے ہم آپ کے شاکی ہیں ۔ کیونکہ آپ کا یہ کام کسی صورت میں بھی سلسلہ سے وفاداری نہیں کہلا سکتا ۔

سوال ۔ مصنفین مجاہدِ کبیر نے فتنہ **خلافت اور انجمن** کے سلسلہ میں ۳۱ جنوری ۱۹۰۹ء کے واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے ۔

"اسمیں شک نہیں کہ انہوں (حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ) نے یہ بھی فرمایا ۔ کہ خلیفہ کا کام محض نماز پڑھا دینا نہیں ۔ مگر صاف الفاظ میں کوئی فیصلہ نہ دیا ۔ بلکہ آخر پر آکر وہی بات کہی ۔ جو مولانا محمد علی صاحب نے اپنے جواب میں کہی تھی ۔ کہ یہ سوالات قبل از وقت ہیں ۔ ان میں پڑنا صحیح نہیں ۔ اور آخری فیصلے کے طور پر کہا کہ مجھ پر دونوں فریق کا اعتماد ہے ۔ اسلئے میری زندگی میں اس سوال کو نہ اٹھایا جائے ۔ اور اپنی تقریر ختم کرکے پہلے میاں محمود احمد صاحب اور میر ناصر نواب صاحب سے یہ اقرار لیا ۔ کہ وہ آپکی اطاعت کریں گے ۔ پھر مولانا محمد علی صاحب و خواجہ کمال الدین صاحب سے ایک طرف اور شیخ یعقوب علی اور میر محمد اسحاق سے دوسری طرف بیعت لی ۔ اور اس کا منشا

سوائے اس کے اور کچھ نہیں تھا۔ کہ میری زندگی میں میری اطاعت کی جائے۔ کیونکہ دونوں فریق یہ کہہ چکے تھے۔ کہ آپ جو کچھ فرمائیں۔ ہم اسکی اطاعت کریں گے۔"[۱]

جواب ۔ یہ بیان جسقدر حقیقت سے دُور ہے اتنا ہی گمراہ کن بھی ہے۔ اس بات پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ نے ازخود روشنی ڈالی ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

"(حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ) نے مجھ سے اور نواب محمد علی خاں صاحب سے جو میرے بہنوئی ہیں۔ رائے دریافت کی۔ ہم نے بتایا۔ کہ ہم تو پہلے ہی ان خیالات کے مویّد ہیں۔ خواجہ صاحب کو کھڑا کیا۔ انہوں نے بھی مصلحتِ وقت کے ماتحت گول مول الفاظ کہکر وقت کو گذارنا ہی مناسب سمجھا۔ پھر فرمایا۔ کہ آپ لوگ دوبارہ بیعت کریں۔ اور خواجہ صاحب اور مولوی محمد علی صاحب سے کہا۔ کہ الگ ہو کر آپ مشورہ کرلیں۔ اگر تیار ہوں۔ تب بیعت کریں۔ اس کے بعد شیخ یعقوب علی صاحب ایڈیٹر الحکم سے ...... کہا کہ ان سے بھی غلطی ہوئی ہے۔ وہ بھی بیعت کریں۔"[۲]

اب دیکھئے جس انداز میں "مصنفین مجاہدِ کبیر" نے ان واقعات کا ذکر کیا ہے۔ انکی تغلیط خود حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کے ان بیانات اور تقاریر سے بخوبی ظاہر ہوتی ہے۔ جو پیچھے گذر چکے ہیں۔ اور جو آگے آئیں گے۔ ان سے قارئین کرام کو حق الیقین ہو جائیگا۔ کہ

اوّل ۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ اپنی خلافت کو ہمیشہ آیت استخلاف کے ماتحت پیش فرماتے رہے۔ اور جماعت کو ہمیشہ اتفاق اور اتحاد کی تلقین فرماتے رہے۔

دوم ۔ یہ حضور نے کبھی بھی نہیں فرمایا۔ کہ میری زندگی میں تو "خلافت اور انجمن" کے سوال کو نہ اٹھاؤ۔ بعد میں بیشک اس بحث کو چھیڑ کر جماعت میں انشقاق اور تفرقہ کا بیج بو دینا۔

سوم ۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد ایدہ اللہ اور میر ناصر نواب صاحب سے اطاعت کا اقرار لینے کی ضرورت تو تب پیش آتی جب اس معاملہ میں ان میں کوئی کجی ہوتی۔ وہ تو پہلے ہی حضور پر دل وجان سے فدا تھے۔ بلکہ جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کا بیان اوپر گذر چکا ہے۔ حضور نے تو آپ سے اور حضرت نواب محمد علیخاں صاحب سے رائے دریافت

---

[۱] ۔ مجاہد کبیر صفحہ ۹۳ ۔ [۲] ۔ اختلافات سلسلہ کی تاریخ کے صحیح حالات صفحہ ۲۸-۲۹ ۔

فرمائی تھی۔ جس کے جواب میں انہوں نے عرض کیا۔ کہ حضور ہم تو پہلے ہی ان خیالات کے مویّد ہیں۔

چہارم۔ یہ جو لکھا گیا ہے۔ کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضؓ نے حضرت شیخ یعقوب علی صاحب کیساتھ حضرت میر محمد اسحاق صاحب سے بھی بیعت لی تھی۔ یہ بھی بالکل خلاف واقعہ بات ہے۔ حضرت میر محمد اسحاق صاحب کا اس واقعہ سے تعلق تو صرف اسقدر تھا۔ کہ انہوں نے وہ خیالات جو غیر مبائعین خفیہ خفیہ جماعت میں پھیلا رہے تھے۔ انہیں سوالات کے رنگ میں حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضؓ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ البتہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب سے ضرور بیعت لی گئی تھی۔ اور وہ بھی اس لئے کہ گو انہوں نے جلسہ خلافت کی تائید میں کیا تھا۔ مگر حضور کی اجازت کے بغیر کیا تھا۔ اور چونکہ یہ نظام کی خلاف ورزی تھی۔ اسلئے حضور نے ان سے بھی بیعت لی۔

اور جو بیعت جناب خواجہ کمال الدین صاحب اور جناب مولانا محمد علی صاحب سے لیگئی۔ اسکا منشا یقیناً یہی تھا۔ کہ یہ لوگ خلافت کے وقار کو گرا کر انجمن کو برسرِ اقتدار لانا چاہتے تھے اور جیسا کہ خود مصنفین مجاہد کبیر نے تسلیم کیا ہے۔ یہ چاہتے تھے کہ خلیفہ صرف نماز ہی پڑھا دیا کرے وبس۔ ان خلافِ اسلام عقائد کیوجہ سے یہ لوگ چونکہ احمدی نہیں رہے تھے۔ اس لئے ضرورت تھی کہ اگر یہ ان خیالات سے توبہ کرلیں۔ تو ان کی نئے سرے سے بیعت لی جائے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضؓ نے جو زبردست تقریریں ان خیالاتِ فاسدہ کو بیخ و بُن سے اکھاڑ کر پھینک دینے کیلئے کیں۔ وہ قارئین سے مخفی نہیں۔ خلافت کو مٹانے کے لئے تمام دلائل جو یہ لوگ دیا کرتے تھے۔ ان کا ایک ایک کرکے آپ نے نہایت ہی تسلی بخش جواب دیا۔ اور بتایا۔ کہ خلیفے خود خدا بنایا کرتا ہے۔ انجمن اور افراد خلیفے نہیں بنایا کرتے۔ نیز خلافت کو مٹانا کسی انجمن کے اختیار میں نہیں وغیرہ وغیرہ۔

سوال۔ "میاں محمود احمد صاحب" اور آپکے ہم خیال لوگوں نے "حضرت مولانا نورالدین صاحب" کے زمانہ میں یہ کوششیں کیں۔ کہ مولانا محمد علی صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب کو جماعت سے خارج کروا دیا جائے۔ اور ان پر الزام یہ لگایا گیا۔ کہ یہ لوگ حضرت صاحب پر بھی روپیہ کھا جانیکا الزام لگاتے تھے۔ اور آپ پر بھی لگاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ایک واقعہ پیش آگیا یعنی حکیم فضل دین کی حویلی کی فروخت کا۔ اسپر بھی بڑھا چڑھا کر پراپگنڈہ کا ایک طوفان کھڑا کیا گیا۔ جس میں علاوہ اور باتوں کے لاہور سے بھی مولانا نورالدین صاحب کو خطوط لکھے گئے۔ کہ ڈاکٹر سیّد محمد حسین

شاہ صاحب یوں کہتے ہیں۔ ڈاکٹر مرزا صاحب یوں کہتے ہیں۔ مولانا نورالدین صاحب آخر خدا تعالیٰ کے مامور نہ تھے۔ بتقاضائے بشریت ان کے دل پر غبار آگیا۔ اور انہوں نے فرمایا۔ کہ میں عید کے دن ایک اعلان کرونگا۔"[1]

جواب ۔ حضرت اقدس اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل پر مالی معاملات سے متعلق بدظنی کا خیال کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ سلسلہ کے ریکارڈ پر یہ بات آچکی ہے۔ اور ابھی جو تقریر پیچھے درج ہو چکی ہے۔ اسکا تو مضمون ہی یہی تھا۔ اور حضرت مولوی فضل الدین صاحب بھیروی کی حویلی کی فروختگی کا واقعہ بھی پیچھے گذر چکا ہے۔ اسپر جو طوفانِ بے تمیزی ان لوگوں نے برپا کیا تھا۔ وُہ بھی احباب سے مخفی نہیں۔ اِس سلسلہ میں ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب اور ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے حضرت میر حامد شاہ صاحب سیالکوٹی کو جو خطوط لکھے تھے۔ وہ بھی احباب پڑھ چکے ہیں۔ ان واقعات کو دیکھکر حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضؓ کو جو تکلیف ہوئی۔ اسے ان الفاظ میں پیش کرنا۔ کہ

مولانا نورالدین صاحب آخر خدا تعالیٰ کے مامور نہ تھے۔ بتقاضائے بشریت ان کے دل میں غبار آگیا۔ ان لوگوں کی ستم ظریفی نہیں تو اور کیا ہے ؟ آگے لکھا ہے :۔

"انہوں نے فرمایا کہ میں عید کے دن ایک اعلان کرونگا۔ چونکہ اعلان کا لفظ واضح نہ تھا۔ اس لئے بعض لوگوں کو خیال ہوا۔ کہ حضرت مولوی صاحب شاید کوئی ایسا اعلان نہ کردیں۔ جس سے انجمن کالعدم ہوجائے۔ اور سلسلہ میں فساد پیدا ہو۔"[2]

حاشیہ میں لکھا ہے۔

"بعد کے واقعات سے پتہ چلا۔ کہ مولانا صاحب یہ اعلان کرنا چاہتے تھے۔ کہ انہیں انجمن کے مالی نظم و نسق سے کوئی تعلق نہیں۔ گویہ اعلان بھی سلسلہ کے لئے نقصان دِہ ہوتا۔"

یہ تو اللہ تعالےٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ حضرت کیا اعلان کرنا چاہتے تھے۔ البتہ جو تقریر حضور نے اس موقعہ پر فرمائی۔ اس میں ہم یہ لکھا ہوا پاتے ہیں۔ کہ

مجھے ضرورتاً کہنا پڑتا ہے۔ اُس کا میرے ساتھ وعدہ ہے کہ میں تمہارا

---

[1] مجاہد کبیر صہ ۹۴ [2] ایضاً

ساتھ دونگا۔ مجھے دوبارہ بیعت لینے کی ضرورت نہیں۔ تم اپنے پہلے معاہدے پر قائم رہو۔ ایسا نہ ہو کہ نفاق میں مبتلا ہو جاؤ۔"

اور فرمایا۔

"مَیں آج کے دن ایک اور کام کرنے والا تھا۔ مگر خدا تعالیٰ نے مجھے روک دیا ہے۔ اور مَیں اسکی مصلحتوں پر قربان ہوں .... مَیں ایسے لوگوں کو جماعت سے الگ نہیں کرتا۔ کہ شاید وہ سمجھیں۔ پھر سمجھ جائیں۔ پھر سمجھ جائیں[1]"

حضور کے یہ الفاظ بتلاتے ہیں۔ کہ اعتراضات کرنیوالے لوگ تھے تو اس قابل کہ انہیں جماعت سے خارج کر دیا جائے۔ مگر حضور کے رحم و کرم کی وجہ سے بچ گئے۔ لیکن اگر بقول غیر مبائعین حضور اس قسم کا بھی کوئی اعلان فرما دیتے کہ آپ آئندہ انجمن کے مالی نظم و نسق سے کوئی تعلق نہیں رکھیں گے تو یہ بھی کوئی خوش کن اعلان نہ ہوتا۔ بلکہ سخت ناراضگی کی علامت ہوتا۔ اور جیسا کہ مصنفین "مجاہد کبیر" کو اعتراف کرنا پڑا ہے "سلسلہ کے لئے نقصان دہ ہوتا۔"

سوال۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ جب ۱۹۱۲ء میں لاہور تشریف لائے۔ تو حضور نے احمدیہ بلڈنگس میں تقریر فرمائی۔ اس میں یہ الفاظ بھی فرمائے۔ کہ

تیسری بات یہ ہے۔ کہ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے۔ اور وہ میرے دوست کہلاتے ہیں اور میرے دوست ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ خلافت کے کام میں روک لاہور کے لوگ ڈالتے ہیں۔ .... میں ایسا اعتراض کرنیوالوں کو کہتا ہوں۔ کہ یہ بدظنی ہے۔ اس کو چھوڑ دو۔ تم پہلے ان جیسے اپنے آپ کو مخلص بناؤ۔ لاہور کے لوگ مخلص ہیں۔ حضرت صاحب سے ان کو محبت ہے۔ .... یہ خیال چھوڑ دو کہ لاہور کے لوگ خلافت کے امر میں روک ہیں[2]۔"

جواب۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ کی اس تقریر کا مفصل ذکر انشاء اللہ آگے اپنے موقعہ پر آئیگا۔ یہاں چونکہ اعتراضات کے جوابات دیئے جا رہے ہیں۔ اس لئے موقعہ کی مناسبت کے لحاظ سے ذکر کر رہا ہوں۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ حضرت نے معترض کے اعتراض کو صحیح تسلیم کر کے پہلے تو یہ فرمایا ہی۔ کہ "میرے دل میں قرآن اور حدیث صحیح کی محبت بھری ہوئی ہے۔ سیرۃ کی کتابیں ہزاروں روپیہ خرچ

---

[1] ۔ از بدر پرچہ ۱۴ر اکتوبر ۱۹۰۹ء ۔ [2] ۔ بدر مورخہ ۴ و ۱۱ جولائی ۱۹۱۲ء ۔

کر کے لیتا ہوں۔ ان کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ اور یہی میرا ایمان ہے۔ کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کام کو کرنا چاہتا ہے۔ تو کوئی اس کو روک نہیں سکتا۔"[1]

آگے فرمایا۔ کہ

"آدم اور داؤد کا خلیفہ ہونا میں نے پہلے بیان کیا۔ اور پھر اپنی سرکار کے خلیفۃ ابوبکرؓ۔ اور عمر رضی اللہ عنہما کا ذکر کیا۔ اور یہ بھی بتایا۔ کہ جسطرح ابوبکر اور عمر خلیفہ ہوئے رضی اللہ عنہما۔ اسی طرح پر اللہ تعالےٰ نے مجھے مرزا صاحب کے بعد خلیفہ کیا۔"

ان الفاظ میں حضور نے واشگاف الفاظ میں یہ بتا دیا ہے کہ میں اسی طرح کا خلیفہ ہوں۔ جس طرح کے خلفا حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما تھے۔ یعنی میری خلافت آیت استخلاف کے ماتحت ہے۔ پس غیر مبایعین کا یہ مسلک بھی غلط ثابت ہو گیا کہ آپکی خلافت آیت استخلاف کے ماتحت نہیں تھی۔

آگے چل کر آپ فرماتے ہیں۔ کہ

"لاہور کا کوئی آدمی نہ میرے امر خلافت میں روک بنا ہے۔ نہ بن سکتا ہے۔ پس تم ان پر بدظنی نہ کرو۔" اس کے بعد فرمایا۔ کہ

"مَیں ایسا اعتراض کرنیوالوں کو کہتا ہوں۔ کہ یہ بدظنی ہے۔ اس کو چھوڑ دو۔ تم پہلے اِن جیسے اپنے آپ کو مخلص بناؤ۔ لاہور کے لوگ مخلص ہیں۔ حضرت صاحب سے انہیں محبت ہے۔" ساتھ ہی فرمایا۔

"غلطی انسان کا کام ہے۔ اس سے ہو جاتی ہے۔ مگر ان لوگوں نے جو کام کئے ہیں تم بھی کر کے دکھاؤ۔"

یہ الفاظ صاف بتا رہے ہیں۔ کہ حضرت خلیفۃ المسیح اس امر کو تسلیم کرتے ہیں۔ کہ اِن لوگوں نے امر خلافت میں روک ڈالنے کی کوشش کی۔ مگر یہ ان کی ایک غلطی تھی۔ جو اِن سے سرزد ہوئی۔ لہٰذا اب اس معاملہ میں ان پر اعتراضات ہی کرتے چلے جانا صحیح نہیں۔ اس کے بعد ان لوگوں کے اِن کاموں کی تعریف فرمائی جو انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانے میں کئے تھے۔

اسمیں کوئی شک نہیں کہ ان لوگوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانے میں اخلاص کیساتھ کام

---

[1] ۔ بدر پرچہ ۱۱؍جولائی ۱۹۱۲ء صفحہ ۴۔

گیا۔ ہم اس کا کھلے بندوں اعتراف، کرتے ہیں۔ اور ذرا بھی بخل سے کام نہیں لیتے۔ مگر جو خطرناک غلطی انہوں نے خلافت اولیٰ میں کی۔ اور جماعت کی وحدت کو محض اس لئے پارہ پارہ کرنے کی کوشش کی۔ کہ خلافت کی وجہ سے جس اقتدار کا خواب یہ لوگ دیکھ رہے تھے۔ وہ پورا ہوتا نظر نہیں آتا تھا۔ اس غلطی کو ہم کہاں لے جائیں۔

رہا یہ امر کہ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضؓ نے ان کے حق میں بعض تعریفی کلمات فرمائے ہیں اور جماعت کو نصیحت کی ہے۔ کہ اب پیچھا چھوڑ دو۔ تو یہ بات ان کے حق میں نہیں جاتی۔ کیونکہ حضرت کی ساری تقریر کو پڑھ جایئے۔ سمجھایا منکرین خلافت ہی کو جا رہا ہے۔ مگر چونکہ یہ لوگ معافیاں بھی مانگ لیا کرتے تھے۔ اسلئے حضور حسن ظنی سے کام لیکر بعض اوقات یہ سمجھتے تھے۔ کہ شاید یہ اب باز آجائیں گے۔ مگر وہ لوگ جیسا کہ بعد کے واقعات سے ظاہر ہے۔ مصلحتِ وقت کے ماتحت ایسا کیا کرتے تھے۔ ورنہ دل سے انہوں نے ان خیالاتِ فاسدہ کو کبھی محو نہیں کیا۔

سوال۔ قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ سے متعلق جماعت قادیان جناب مولانا محمد علی صاحب پر ہمیشہ یہ الزام لگاتی رہی۔ کہ یہ ترجمہ صدر انجمن احمدیہ قادیان سے تنخواہ لیکر تیار کیا گیا ہے۔ لہٰذا یہ صدر انجمن قادیان کی ملکیت ہے۔ لیکن جب ترجمہ تیار ہو گیا۔ اور مولانا نے صدر انجمن احمدیہ قادیان کو لکھا۔ کہ کیا آپ میرا ترجمہ شائع کرنے کیلئے تیار ہیں؟ تو صدر انجمن احمدیہ قادیان نے اس کا کورا جواب دیا۔

جواب۔ اگر مولانا محمد علی صاحب اُس ترجمہ میں تصرف نہ کرتے۔ جو حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضؓ کی ہدایات کی روشنی میں لکھا گیا اور پھر حضور کو سنایا بھی گیا تھا۔ تو صدر انجمن احمدیہ قادیان یقیناً اس ترجمہ کو شائع کرنے پر رضامند ہو جاتی۔ مگر چونکہ قادیان سے الگ ہو جانے کے بعد جناب مولوی محمد علی صاحب نے اِس ترجمہ میں تصرف بیجا سے کام لیکر اس میں اپنی منشا اور اپنے "تازہ عقائد" کے مطابق ردوبدل کر لیا تھا۔ اِسلئے صدر انجمن قادیان نے اس ترجمہ کی اشاعت میں حصہ لینا مناسب نہ سمجھا۔

اس امر کا ثبوت کہ جناب مولوی محمد علی صاحب نے اس ترجمہ کو اپنی حسب منشا ڈھال لیا تھا۔ اور اسمیں اصلاح کی اجازت نہیں دی تھی۔ مندرجہ ذیل ہے۔

جناب مولوی صاحب نے جب صدر انجمن احمدیہ قادیان کو ترجمہ کی اشاعت میں حصہ لینے کے بارے

میں چیٹھی لکھی۔ تو اس میں لکھا۔ کہ

"میرے ترجمہ میں کسی قسم کی ترمیم یا رد و بدل مطلق نہ کیا جائے گا۔ جو کچھ میری قلم سے نکلا ہے۔ وُہ بجنسہٖ و بلفظہٖ چھاپا جائیگا۔ آخری پروف میں خود پاس کرونگا۔ اور وہی چھاپے جائیں گے"[1]

ایک اور ثبوت جو مجھے تازہ ہی ملا ہے۔ مگر ہے بڑا اہم! ——— وہ یہ ہے کہ چند دن ہوئے۔ گوجرانوالہ سے اخویم خواجہ محمد شریف صاحب تشریف لائے۔ باتوں باتوں میں مولانا محمد علی صاحب کے ترجمہ قرآن کریم انگریزی کا ذکر آگیا۔ محترم خواجہ صاحب نے فرمایا کہ:۔

"خلافتِ ثانیہ کے ابتداء میں میرے والد محترم حضرت شیخ صاحبدین صاحب ڈھینگرا جو بہت پُرانے صحابی ہیں اور جنہوں نے ۱۸۹۲ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کی تھی مولانا محمد علی صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب وغیرہ کے ذاتی دوست ہونے کی وجہ سے ان کی طرف جُھکے ہوئے تھے اور مجھے بھی کہا کرتے تھے کہ ذرا میرے ساتھ لاہور چل کر مولانا محمد علی صاحب سے ملاقات تو کرو۔ ایک دن اتفاق سے ہم دونوں لاہور میں اکٹھے ہو گئے۔ والد صاحب محترم نے اصرار سے فرمایا کہ میرے ساتھ احمدیہ بلڈنگس میں چلو۔ میں نے کہا۔ قبلہ والد صاحب! میں مولانا محمد علی صاحب کے پاس کیسے جا سکتا ہوں۔ جن میں اتنی اخلاقی جرأت بھی نہیں کہ وہ کسی شخص کی چٹھی کا جواب ہی دیدیں۔ فرمانے لگے کس چٹھی کا مولوی صاحب نے جواب نہیں دیا؟ میں نے کہا۔ میں ترجمہ قرآن کریم انگریزی کی بابت انہیں تین خط اس مضمون کے لکھ چکا ہوں کہ آپ حلفاً یہ بیان کریں کہ کیا آپنے اس ترجمہ میں کوئی تبدیلی تو نہیں کی۔ جو آپ حضرت خلیفہ المسیح الاول رضؓ کو سُنا چکے ہیں؟ مگر مولوی صاحب محترم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ والد صاحب محترم نے فرمایا۔ ابھی میرے ساتھ چلو میں جواب لے دیتا ہوں۔ میں نے کہا۔ اگر آپ جواب لے دیں تو میں ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔ چنانچہ ہم نے احمدیہ بلڈنگس میں جا کر جناب مولوی محمد علی صاحب سے ملاقات کی۔ والد صاحب نے بیٹھتے ہی مولوی صاحب کو کہا۔ کہ مولوی صاحب یہ میرا لڑکا محمد شریف کہتا ہے کہ میں نے تین خط مولوی صاحب کو لکھے۔ مگر مولوی صاحب نے ایک کا بھی جواب نہیں دیا۔ یہ کیا بات ہے؟ مولوی صاحب نے اس وقت میرے تینوں خطوط اپنی میز کے ایک کونے سے نکالے اور والد صاحب کے سامنے رکھ دئے اور فرمایا کہ لو یہ ان کے خطوط ہیں اور ان کا جواب یہ ہے کہ میں ترجمہ قرآن کریم کا مُصنّف

---

[1] بحوالہ مجاہد کبیر صفحہ ۱۴۱ چٹھی محررہ ۲۸/۱۵/۱

ہوں مجھے ہر مرحلہ پر اس میں ترمیم یا رد و بدل کرنے کا پورا پورا اختیار حاصل ہے۔ والد صاحب نے فرمایا پھر آپنے اسے جواب کیوں نہ دیا۔ مولوی صاحب اس سوال کو ٹال گئے جس کا مطلب یہ تھا۔ کہ وہ اس قسم کی کوئی تحریر میرے ہاتھ میں نہیں دینا چاہتے تھے۔ اس پر میں نے کہا کہ مولوی صاحب! پھر ہمیں اس قسم کے ترجمے کی کوئی ضرورت نہیں۔ مولوی صاحب کے اس جواب کا والد صاحب پر بھی کافی اثر پڑا۔ اور مجھے بھی ان کو تبلیغ کرنے کا خاصہ موقعہ مل گیا۔ اس کے بعد جلد ہی والد صاحب ان سے بدظن ہو گئے۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی بیعت کرلی۔ فالحمد للہ علی ذالک۔ اس واقعہ کو میں جناب مولوی محمد علی صاحب کی زندگی میں دو مرتبہ "الفضل" میں بھی شائع کروا چکا ہوں۔

میں خدا تعالےٰ کو حاضر ناظر جان کر حلفاً کہتا ہوں کہ میرا یہ بیان بالکل صحیح اور واقعہ کے عین مطابق ہے۔ العبد خواجہ محمد شریف بقلم خود ۲۶/۶/۶۲

محترم جناب خواجہ صاحب کا یہ بیان الفضل ۷ جون ۱۹۳۳ء صفحہ ۹ پر بھی شائع ہو چکا ہے۔

سوال۔ کیا حضرت خلیفۃ المسیح اول ؓ کو مولوی محمد علی صاحب کے ترجمۃ القرآن سے متعلق یہ بشارت نہیں ملی کہ "ترجمہ مقبول ہوا"۔[۱]

جواب۔ اس بشارت سے غیر مبائعین کا اشارہ سید عابد علی شاہ صاحب کے اس الہام کی طرف ہے۔ جو انہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الاول ؓ کی وفات سے چند روز قبل حضور کو سنایا تھا۔ کہ "حضرت خلیفۃ المسیح کو ختم قرآن مبارک ہو"۔ اس الہام کو غیر مبایعین حضرات ہمیشہ جناب مولوی محمد علی صاحب کے ترجمہ قرآن پر چسپاں کرتے ہیں۔ حالانکہ حضرت خلیفۃ المسیح الاول ؓ نے اس وقت الہام سُنکر جہاں یہ فرمایا تھا۔ کہ "شاید مولوی محمد علی صاحب والا قرآن مراد ہو"۔ پھر فرمایا۔ "منظور ہو گیا ہو"۔ وہاں یہ بھی فرمایا کہ "عبد الحی نے بھی دینی علوم کے کل مبادی علوم ختم کر لئے ہیں۔ یہ بھی بڑی خوشخبری ہے"۔ پھر فرمایا۔ "بڑا افضل ہوا۔ بڑا افضل ہوا"۔
الحکم ۸ مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ۴

اب یہ سب احتمالات ہیں۔ مُلہم کو جو الہام ہوا ہے۔ اس کے الفاظ سے تو صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح ؓ نے اپنی زندگی میں قرآن کریم جس محبت اور وارفتگی کے عالم میں پڑھا اور دُنیا کو پڑھایا اب چونکہ حضور کی وفات کا وقت قریب آگیا ہے اسلئے ایک شخص کی معرفت آپ کو یہ بشارت دی گئی

---

[۱] مجاہد کبیر صفحہ ۱۳۹

کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس خدمت کو منظور فرمالیا ہے۔ مولوی محمد علی صاحب کا نہ یہاں کوئی ذکر ہے اور نہ اُن کے ساتھ بظاہر کوئی تعلق معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ حضور کی زندگی میں اُن کا ترجمہ قرآن ختم نہیں ہو سکا تھا۔ چنانچہ مصنفین مجاہد کبیر لکھتے ہیں۔

"انگریزی ترجمہ قرآن کے ۲۶ پاروں تک ترجمہ اور تفسیری نوٹ مولانا نور الدین صاحب کو سُنائے جا چکے تھے۔ بقایا چار پاروں کا کام باقی تھا" (مجاہد کبیر صفحہ ۱۳۴)

آگے چل کر لکھا ہے:۔

"آخر کار سات سال کی محنت کے بعد اپریل ۱۹۱۶ء میں آپ نے ترجمہ اور تفسیر کے کام کو ختم کیا۔ مؤرخہ ۲۸۔ اپریل کے خطبہ جمعہ میں آپ نے یہ خوش خبری جماعت کو سنائی۔ سورہ فاتحہ، سورہ الفلق اور سورۃ الناس پڑھ کر فرمایا:۔

"آج میرے لئے خوشی کا دن ہے۔ کئی سال سے میں ایک کام پر لگا ہوا تھا۔ اور وہ قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ تھا۔ آج اس کو اللہ کے فضل سے میں نے ختم کر لیا ہے" (مجاہد کبیر صفحہ ۱۳۷)

اب رہ گیا اُردو ترجمہ اور تفسیر۔ سو اس کے متعلق لکھا ہے کہ

"انگریزی ترجمہ و تفسیر کی اشاعت کے فوراً بعد ہی مولانا محمد علی صاحب نے اُردو ترجمہ اور تفسیر قرآن کے کام کو باقاعدگی سے شروع کیا۔ اور ۱۹۱۸ء سے لیکر ۱۹۲۳ء تک کے پانچ چھ سال کا وہ زمانہ ہے جب آپ نے اپنی وہ عظیم الشان اُردو تفسیر قرآن تصنیف فرمائی جو "بیان القرآن" کے نام سے تین جلدوں میں چھپی" (مجاہد کبیر صـ۱۵۱)

پس حضرت خلیفۃ المسیح کی زندگی میں مولانا محمد علی صاحب نہ تو انگریزی ترجمۃ القرآن ختم کر سکے اور نہ اُردو۔ پھر یہ الہام اُن پر کیسے چسپاں ہو سکتا ہے؟ یقیناً اس الہام کے مصداق جیسا کہ الفاظ الہام سے ظاہر ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح ہی ہو سکتے ہیں۔ نہ کہ مولوی محمد علی صاحب!

سوال۔ ایک حوالہ غیر مبایعین یہ پیش کیا کرتے ہیں کہ ۲۲ فروری ۱۹۱۴ء کو حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی نے مولوی محمد علی صاحب کے متعلق فرمایا۔ "مجھ کو بڑا پیارا ہے" (پیغام صلح ۱۵ نومبر ۳۵ء بحوالہ مجاہد کبیر صـ۹۰)

جواب۔ "پیغام صلح" کے الفاظ سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ "پیارا" سے مراد قرآن کریم ہے۔ نہ کہ مولوی

محمد علی صاحب۔ کیونکہ صاف لکھا ہے کہ (پنجابی میں) فرمایا :۔

"سر آنکھوں پر آئیں۔ قرآن سُنائیں۔ کوئی میرا دماغ تھکتا ہے"۔ اپنے پلنگ کی طرف اشارہ کرکے مولوی محمد علی صاحب کو فرمایا۔ "میرے پاس آجائیں"۔ فرمایا مجھکو بڑا پیارا ہے"۔

(مجاہد کبیر صد ۸۹)

یقیناً یہاں اشارہ قرآن کریم کی طرف ہی ہے۔ جس کے متعلق فرمایا کہ قرآن سُننے سے میرا دماغ نہیں تھکتا۔ کیونکہ قرآن مجھے بہت پیارا ہے۔

بات یہ ہے کہ حضرت کا یہ عام طریق تھا۔ کہ آپ اللہ تعالےٰ کے لئے عموماً "پیارا" کا لفظ استعمال فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ الحکم میں ہے۔ کہ ۲۷ فروری ۱۹۱۴ء کو جب آپ شہر سے تبدیلی آب و ہوا کی خاطر حضرت نواب محمد علی خاں صاحب کی کوٹھی کی طرف تشریف لے جا رہے تھے تو جب راستہ میں بورڈنگ ہاؤس کے بچوں نے آپکو "السلام علیکم یا امیر المومنین" کہا تو کوٹھی پہنچکر مولوی محمد علی صاحب کو فرمایا کہ

"مجھے تو وہ (اللہ تعالےٰ) بہت ہی پیارا ہے۔ (اُس نے مجھے۔ ناقل) دو کام بتائے ہیں۔ تواضع اور انکساری۔ اس کی بچوں کو تاکید کر دو۔ اور اُن کو وعظ کر دو کہ بدکاریوں سے بچیں"۔

(الحکم جلد ۱۸ پرچہ ۷ مارچ ۱۹۱۴ء صٓ)

اب دیکھ لو۔ یہاں صاف طور پر "پیارا" سے مراد اللہ تعالےٰ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ کے الفاظ بریکٹ میں ایڈیٹر کی طرف سے دئے گئے ہیں اور اگلا فقرہ بھی اسی کی تائید میں ہے۔ کہ "دو کام بتائے ہیں۔ تواضع اور انکساری" یہ دونوں کام یقیناً اللہ تعالےٰ ہی نے بتائے تھے۔ مولوی محمد علی صاحب نے ہرگز نہیں بتائے۔ میرا خیال ہے اگر ایڈیٹر صاحب الحکم بریکٹ میں اللہ تعالےٰ کے الفاظ نہ لکھتے اور اگلا فقرہ بھی درج نہ فرماتے تو غیر مبایعین یہاں بھی "پیارا" سے مراد مولوی محمد علی صاحب کو ہی لے لیتے۔

ایک خاص درس میں شامل ہونے والوں کے لئے دُعا

حضرت مولوی محمد عبداللہ صاحب بوتالوی والد محترم مکرم محترم مولوی عبد الرحمٰن صاحب انور پرائیویٹ سکرٹری حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز ایک نہایت ہی بزرگ صحابی تھے۔ آپ کی عادت تھی کہ جب بھی ملازمت سے رخصت لے کر قادیان میں حاضر ہوتے حضرت

خلیفۃ المسیح اول رضؓ کا درس بڑی باقاعدگی کے ساتھ نوٹ فرماتے۔ اور "بدر" میں بھی اشاعت کے لئے دے دیتے۔ ذیل میں آپ کے لکھے ہوئے ایک درس کے نوٹ درج کئے جاتے ہیں جن سے احباب کو اس امر کا اندازہ لگانے میں بڑی مدد ملے گی کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضؓ کس شان کے انسان تھے۔ اور آپ کے درس میں شامل ہونے والے لوگ کتنے خوش نصیب تھے۔ آپ لکھتے ہیں۔

"مؤرخہ ۱۰ مارچ ۱۹۱۲ء نماز مغرب کے بعد حسب معمول صاحبزادہ حضرت خلیفۃ المسیحؓ میاں عبدالحی صاحب قرآن شریف کا سبق پڑھ رہے تھے۔ اور ایک کثیر تعداد دیگر طالب علموں کی بھی موجود تھی۔ جو کہ روزانہ اس درس میں شریک ہوا کرتے تھے۔ اثنائے درس میں میاں شریف احمد صاحب صاحبزادہ خورد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کسی ضرورت کے واسطے باہر جانے لگے تو حضرت خلیفۃ المسیحؓ نے فرمایا۔ کہ جلدی واپس آنا۔ پھر فرمایا کہ شاہ عبدالرحیم[1] ایک بزرگ تھے۔ اُن کو خدا تعالیٰ نے توجہ دلائی کہ گنو! اس وقت کتنے آدمی موجود ہیں۔ انہوں نے گن لئے۔ پھر الہام ہوا۔ کہ آج عصر کی نماز جس قدر لوگ تمہارے پیچھے پڑھیں گے سب جنتی ہونگے۔ ایک آدمی سے وہ خوش نہ تھے جب انہوں نے نماز شروع کی تو وہ آدمی موجود تھا۔ جب نماز ختم کی تو دیکھا کہ وہ آدمی پیچھے نہیں ہے۔ آدمی گنے تو پورے تھے پوچھا کہ ان میں کوئی اجنبی آدمی آکر شامل ہوا ہے؟ آخر ایک اجنبی آدمی پایا گیا۔ اُس سے پوچھا کہ تم کس طرح شامل ہو گئے۔ اُس نے کہا کہ میں جا رہا تھا اور میرا وضو تھا۔ جماعت کھڑی ہوئی دیکھی۔ میں نے کہا میں بھی شامل ہو جاؤں۔ پھر وہ دوسرا آدمی آگیا۔ اُس سے پوچھا کہ تم کہاں چلے گئے تھے۔ اُس نے کہا کہ میرا وضو ٹوٹ گیا تھا۔ اور میں وضو کرنے لگا تھا۔ مجھے وہاں دیر ہو گئی۔ اتنے میں نماز ختم ہو گئی۔ یہ معاملہ ہمارے درس سے بھی کبھی کبھی ہوتا ہے۔ یہ خُدا کا فضل ہے۔ ہم نے آج ایک دعا کرنی ہے وہ دُعا بڑی لمبی ہے۔ مگر سب دعا اس وقت نہیں کریں گے۔ ہمارا دل چاہتا ہے کہ جس قدر لوگ اس وقت درس سُن رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسا کرم کرے کہ اس دُعا سے کوئی محروم نہ رہے۔ خوب یاد رکھو۔ کہ اللہ ایک ہے اور وہ سب صفاتِ کاملہ سے موصوف اور سب برائیوں سے منزہ ہے۔ اس کا نام اللہ ہے۔ رب ہے رحمٰن ہے۔ رحیم ہے۔ مالک یوم الدین ہے۔ ان اسماء کاملہ سے وہ موسوم ہے۔ عبادت کے لائق صرف وہی ہے۔ بندگی صرف اسی کی چاہئے۔ اور ملائکہ پر ایمان لادیں وہ اللہ کی مخلوق ہیں۔ وہ مومنوں کو

---

[1] یعنی والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی

نیک تحریکیں کیا کرتے ہیں۔ ہم کو چاہیئے کہ اُن کی نیک تحریک کو مانا کریں۔ شیاطین بدی کی تحریک کرتے ہیں۔ وہ کوئی نہ کوئی شریعت حق کے اوپر حملہ کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اُن کے بداثر سے محفوظ رکھے۔ اللہ کی کتاب پر ہمارا خاتمہ ہو۔ نبی سب سچے ہیں۔ جزا و سزا کا معاملہ سچا ہے ہمیں اپنا مال خدا کی راہ میں لگانا چاہیئے۔ ہمیں چاہیئے کہ نماز پڑھیں۔ روزے رکھیں۔ بدیوں سے بچتے رہیں۔ دین کے خادم ہوں۔ اللہ کی تعظیم میں چست ہوں۔ اور اس کی مخلوق کا اکرام کرنے اور بھلائی کرنے میں چست ہوں۔ ہم کسی کے ساتھ عداوت کر کے گمراہ نہ ہو جاویں۔ اللہ تعالیٰ تم کو توفیق دے۔ کہ اللہ کی باتیں اور اس کے دین کو دنیاوی لالچ سے خراب نہ کرو اور اللہ پر توکل کرو۔ میرا وہ مطلب حاصل ہو گیا ہے۔ (الحمد للہ کہ راقم الحروف حُسن اتفاق سے اِس درس میں شامل تھا۔ اللہ تعالیٰ اس عاجز کے حق میں بھی حضرت خلیفۃ المسیح کی دُعا کو منظور فرمائے۔ آمین ثم آمین) [1]

اس سلسلہ میں یہ ذکر کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سید بدرالدین احمد صاحب سونگھڑہ نے ایک دفعہ الفضل میں اپنے دادا حضرت مولوی سید سعیدالدین احمدؓ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ انہیں صحابیت کے علاوہ ایک فخر یہ بھی حاصل تھا کہ

"ایک مرتبہ حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ نے درس کے بعد (جس میں وہ بھی شامل تھے) فرمایا کہ آج کی مجلس میں جس قدر احباب حاضر ہیں مجھے بذریعہ کشف اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ سب کے سب جنتی ہیں۔" [2]

الفضل میں اس ذکر کے شائع ہونے پر محترم ملک غلام فرید صاحب ایم۔ اے نے جو خود اس مجلس میں موجود تھے اس کی تفصیل الفضل کے ذریعہ شائع کر دی جو نہایت ایمان افروز ہے۔ محترم ملک صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"سید بدرالدین احمد صاحب سونگھڑوی نے اخبار الفضل مورخہ ۲۶ اگست ۱۹۴۶ء کے پرچہ میں اپنے والد مرحوم سید اخترالدین احمد صاحب کے حالات زندگی لکھتے ہوئے اپنے دادا سید سعیدالدین صاحب مرحوم کے متعلق لکھا ہے کہ ایک مرتبہ جب وہ حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ کی درس کی مجلس میں موجود تھے تو حضور نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ کشف مجھے بتلایا ہے

---

[1] بدر جلد ۱۱ نمبر ۲۸/۲۹ مورخہ ۲ مئی ۱۹۱۲ء [2] الفضل ۲۶ اگست ۱۹۴۶ء صفحہ ۲

کہ آج کی تیری اس مجلس میں جس قدر لوگ ہیں وہ سب کے سب جنتی ہیں۔ وہ مجلس جس میں یہ واقعہ ہوا اس میں مَیں بھی شریک تھا۔ اسلئے میں تفصیل کے ساتھ اس خیال سے اس واقعہ کو لکھتا ہوں کہ تا یہ سلسلہ عالیہ احمدیہ کی تاریخ میں محفوظ رہے۔ کیونکہ میرے علم کے مطابق آج تک کسی دوست نے اس عظیم الشان واقعہ کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔ غالباً ۱۹۱۲ء کی بات ہے سردی کے دن تھے حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ اپنی اس بیٹھک میں جس کی پشت احمدیہ بازار کے اس حصہ میں تھی جو احمدیہ چوک سے ہو کر دفتر بکڈپو تک جاتا ہے اور جس کو بعد میں اس دکان میں تبدیل کر دیا گیا۔ جس میں گذشتہ سالوں میں ڈاکٹر محمد اسمٰعیل صاحب ابن مولوی قطب الدین صاحب اپنی ڈاکٹری کی دکان کرتے تھے۔ مغرب کی نماز کے بعد صاحبزادہ میاں عبدالحی مرحوم کو درس قرآن دیا کرتے تھے۔ حضرت خلیفہ اوّل کی یہ عادت تھی کہ اپنے درس میں گذشتہ بزرگوں کے واقعاتِ زندگی بہت بیان فرمایا کرتے تھے۔ شام کے درس میں ایک دن آپنے غالباً حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کے تعلق باللہ کے متعلق کچھ واقعات بیان فرمائے۔ ان واقعات میں آپنے یہ واقعہ بھی بیان فرمایا کہ ایک دفعہ شاہ صاحب مجلس میں تشریف فرما تھے کہ یک لخت اُن پر کشفی حالت طاری ہوئی جس میں اللہ تعالےٰ نے انہیں فرمایا کہ جتنے لوگ اس وقت تیری مجلس میں موجود ہیں اگر تو اُن کے لئے دعا کرے گا تو وہ سب کے سب جنت میں جائیں گے۔ شاہ صاحبنے اسی وقت اپنے ایک مرید سے فرمایا کہ جتنے لوگ اس وقت میری مجلس میں موجود ہیں انہیں گن لو۔ حاضرین مجلس کی اس مردم شماری کے بعد آپنے دعا فرمائی اور بعد دعا فرمایا کہ پھر سب لوگوں کو گن لیا جائے۔ حاضر احباب کا شمار کرنے پر معلوم ہوا کہ تعداد اتنی ہی ہے جتنی پہلی گنتی کے وقت تھی۔ لیکن اتفاق سے اسی وقت مجلس کے بعض لوگوں کی نظر ایک اجنبی شخص پر پڑی جو پہلی گنتی کے وقت مجلس میں موجود نہ تھا۔ لوگ حیران تھے کہ ایک نیا شخص بھی مجلس میں موجود ہے۔ اور حاضرین مجلس کی تعداد بھی اتنی ہی ہے جتنی پہلی گنتی کے وقت تھی۔ کہ اتنے میں شاہ صاحب کے مریدوں میں سے ایک شخص جو پہلی گنتی کے وقت مجلس میں موجود تھا باہر سے اندر داخل ہوا۔ اس سے جب پوچھا گیا کہ تم کہاں گئے تھے تو اُسنے جواب میں کہا کہ عین دعا کے وقت مجھے رفع حاجت کیلئے باہر جانا پڑا۔ اس اجنبی شخص سے جب پوچھا گیا کہ میاں! تم یہاں کیسے آگئے تو اُس نے جواب دیا کہ میں ایک مسافر آدمی

ہوں۔ میں یہاں سے گذر رہا تھا کہ میں نے دیکھا دعا ہو رہی ہے میں بھی اس میں شامل ہو گیا۔
اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے بھی اس وقت اللہ تعالیٰ
نے فرمایا ہے کہ جتنے لوگ اس وقت تیری مجلس میں بیٹھے ہیں اگر تو اُن کے لئے دعا کرے گا
تو یہ بھی سب جنت میں جائیں گے اس وقت آپ نے فرمایا کہ کوئی دوست میری مجلس سے نہ
اٹھیں میں ابھی دعا کرتا ہوں۔ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا تھا کہ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد
صاحب جو اس وقت درس میں موجود تھے پیشاب کرنے کیلئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت خلیفہ
اول نے انہیں اُٹھتے دیکھا اور بہت بیتاب ہوئے اور دُعا کرنے سے رُکے رہے اور ایک
دوست کو بھیجا کہ حضرت میاں صاحب کو جلدی واپس لائے۔ چنانچہ حضرت میاں صاحب پیشاب
کرکے مجلس میں واپس آگئے اور حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے دعا فرمائی۔ اس مجلسِ درس
میں شامل ہونے والے احباب کی تعداد کچھ زیادہ نہ تھی۔ کیونکہ وہ بیٹھک جس میں درس ہوا کرتا
تھا کچھ زیادہ بڑی نہ تھی۔ جو احباب اس مجلس میں موجود تھے ان میں مخدومی محترمی برادرم
(نواب) میاں محمد عبد اللہ خاں صاحب اور برادرم مکرم صوفی محمد ابراہیم صاحب بھی تھے۔ دُعا کے
بعد دوستوں نے ایک دوسرے کو مبارکباد دی۔ یہ وہ واقعہ ہے جس کی طرف سید بدر الدین احمد
صاحب نے اپنے دادا مرحوم کی زبانی اشارہ کیا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امتدادِ زمانہ کی وجہ سے محترم ملک صاحب کو اس واقعہ کی بعض تفصیلات
بیان کرنے میں ذہول ہوا ہے۔ حضرت مولوی محمد عبد اللہ صاحب بوتالوی کی ڈائری میں جو انہی ایام
میں بدر میں چھپی ہے۔ جہاں شاہ عبد الرحیم صاحب کا ذکر ہے۔ وہاں مغرب کی بجائے نماز عصر لکھا ہے۔ دوسرے
محترم ملک صاحب نے لکھا ہے کہ وہ شخص جو حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب کی مجلس سے اُٹھ کر گیا تھا وہ رفع
حاجت کے لئے گیا تھا۔ حالانکہ وہ وضو کرنے گیا تھا۔ البتہ نفس واقعہ بالکل صحیح ہے۔

اس درس میں جو لوگ شامل تھے۔ اُن کے حق میں تو حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کی دعا ضرور قبول ہو گئی ہو گی۔
کاش خاکسار راقم الحروف بھی اس زمانہ میں موجود ہوتا اور پھر اس مبارک اور مقدس درس میں شامل ہو کر
حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ کی دُعا سے مستفید ہونیکا شرف حاصل کرتا۔ مگر اے میرے مولا کریم! میں تجھے قادرِ مطلق
سمجھتا ہوں۔ تو میرے جیسے حقیر اور بے مایہ انسان کو اپنی بے پایاں رحمت سے اب بھی بخش سکتا ہے

سلہ الفضل ۲۸ اگست ۱۹۴۶ء صہ ۲

تونے خود اپنے کلام پاک میں فرمایا ہے کہ رحمتی وسعت کل شی۔ مجھے تیری اس رحمت سے امید ہے کہ میری بھی مغفرت ہو جائے گی۔ اللہم آمین۔

صدقہ کی برکات

حضرت ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب سابق مہر سنگھ کا بیان ہے کہ

"ابتدائی زمانہ میں (قادیان میں) نہ کوئی ہسپتال تھا۔ نہ سیونگ بینک ڈاکخانہ کا۔ اکثر لوگ حضرت مولوی صاحب کے پاس اپنا روپیہ جمع کرا دیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک مہمان نے کہا۔ کہ میں نے ۴ بجے شام کی گاڑی پر وطن جانا ہے۔ میرا روپیہ دیدیں۔ مجھے معلوم تھا کہ اس وقت آپ کے گھر میں روپیہ موجود نہیں۔ کیونکہ اکثر میں ہی گھر کا کام کاج کرتا اور سودا لایا کرتا تھا۔ بلکہ برسات میں کوٹھے پر مٹی بھی ڈالا کرتا تھا حضرت مولوی صاحب نے اپنی صدری کی جیب میں سے دو۲ روپے نکال کر مجھے دئے اور فرمایا کہ فلاں بیوہ کے گھر دے آؤ۔ میں نے تعمیل ارشاد کی۔ اور پھر آپ کے مطب میں آکر بیٹھ گیا۔ ۱۲ بجے کے قریب ایک غیر معروف شخص آیا۔ اس نے ایک سو تراسی روپے چاندی کے مولوی صاحب کے سامنے رکھ دئے۔ ہم نہیں جانتے تھے کہ یہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔ وہ روپیہ ڈال کر چلتا ہوا۔ حضرت مولوی صاحب نے مجھے فرمایا کہ وہ مہمان جو روپیہ مانگتا تھا کہاں ہے۔ میں نے عرض کی کہ مہمانخانہ میں ہے فرمایا اُس کو بلا لاؤ۔ چنانچہ میں اُسے بلا لایا۔ اس پر مولوی صاحب نے فرمایا۔ کہ بھائی یہ اپنا روپیہ لے لو۔ اس پر مہمان نے معذرت کی کہ حضور کو تکلیف ہوئی۔ آپ نے فرمایا۔ کہ ہم نے تو اللہ تعالیٰ سے سودا کیا تھا کہ دو۲ روپے کسی مستحق بیوہ کو دئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلہ میں یہ روپیہ بھیج دیا۔"[1]

حضرت مسیح موعودؑ کی آپ سے محبت

ایک دفعہ حضرت مولوی نورالدین صاحب کو روپے کی ضرورت پیش آئی۔ حضرت اقدسؑ سے آپ نے دو صد یا کم و بیش روپیہ منگوایا۔ کچھ دنوں کے بعد اتنا روپیہ حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں واپس کرنے کے لئے پیش کر دیا۔ اس پر حضور نے فرمایا کہ

"مولوی صاحب! کیا ہمارا اور آپ کا روپیہ الگ الگ ہے۔ آپ اور ہم دو نہیں ہیں۔ آپ کا روپیہ ہمارا اور ہمارا روپیہ آپ کا ہے۔"

حضرت مولوی صاحب نے فرمایا کہ حضور نے روپیہ نہیں لیا گو ہم نے کسی اور رنگ میں دیدیا۔ (اصحاب احمد جلد ہفتم ص۱۴۶)

پیدائش صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب ۲۲ مارچ ۱۹۱۲ء

۲۲ مارچ ۱۹۱۲ء کو حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام "منصور احمد"

[1] اصحاب احمد جلد ہفتم

رکھا گیا۔ فالحمد للہ علی ذالک۔

۲۔ ایمان افروز واقعات

۲۴ مارچ ۱۹۱۲ء کے درس میں آپ نے فرمایا:۔
"ایک دفعہ بھیرہ میں غلہ اتنا مہنگا تو نہ تھا۔ مگر مجھے معلوم ہوا کہ یہ گراں ہو جائے گا۔ دل میں آیا کہ غلہ کافی خرید لوں۔ پھر خیال آیا کہ...... جو دوسروں کا حال ہوگا۔ ہم بھی گذار لیں گے۔ چنانچہ غلہ سات سیر فی روپیہ ہو گیا۔ مگر خدا نے وہ فضل کیا کہ میری آمدنی اس قدر بڑھا دی۔ کہ مجھے اس سات سیر کے نرخ میں ذرا بھی بوجھ معلوم نہ ہوا۔

فرمایا۔ ایک بزرگ تھے ان کو الہام ہوا۔ کہ اس دفعہ چنے بہت گراں ہو جائیں گے۔ انہوں نے یہ الہام عام لوگوں کو بھی بتلا دیا۔ مگر خود صرف سو روپے کے چنے خریدے۔ حالانکہ وہ ہزارہا روپے کے مالک تھے۔ ان کو اس سو روپیہ کے چنوں میں کافی نفع ہوا۔ میں نے ان کو کہا کہ آپ نے زیادہ روپوں کے چنے کیوں نہ خرید لئے۔ انہوں نے کہا۔ اس واسطے کہ میں اس الہام کو دنیا طلبی کا ذریعہ نہ بنالوں۔ پھر پوچھا۔ کہ سو روپے کے چنے کیوں خریدے؟ فرمایا اس واسطے کہ خدا تعالیٰ کے فضل کو قبول کروں۔ جو اس نے خود مجھے اطلاع دی ہے۔ اگر ایسا نہ کرتا۔ تو کفرانِ نعمت تھا۔ اور الہام الٰہی کی بے ادبی تھی۔"[۱]

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کے ہمراہ احمدی علماء کا دورہ ہندوستان ۳۔ اپریل ۱۹۱۲ء

۳۔ اپریل ۱۹۱۲ء کو حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب، حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب، حضرت حافظ روشن علی صاحب، محترم مولانا عبد الحی صاحب عرب، حضرت قاضی امیر حسین صاحب اور حضرت شیخ یعقوب علی صاحب پر مشتمل ایک وفد ہندوستان کے مختلف عربی مدارس کا طرز تعلیم و نصاب و دیگر انتظامی امور کو دیکھنے کے لئے قادیان دارالامان سے روانہ ہوا۔ یہ وفد اپنے ہمراہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعض عربی کتب بھی تقسیم کرنے کی غرض سے لے گیا تھا۔ دہلی۔ سہارن پور۔ دیوبند وغیرہ کا دورہ کر کے آخر اپریل ۱۹۱۲ء میں بخیریت و عافیت اور کامیاب و بامراد واپس دارالامان پہنچ گیا۔ فالحمد للہ علی ذالک۔[۲]

گھوڑے سے گرنے کے باعث چوٹ کا اثر۔ ۲۹۔ اپریل ۱۹۱۲ء

ایک شخص نے آپ کی صحت کا حال بذریعہ چٹھی دریافت کیا تو آپ نے ۲۹۔ اپریل ۱۹۱۲ء کو اُسے مندرجہ ذیل جواب لکھوایا۔

[۱] بدر جلد ۱۱ نمبر ۲۸ صفحہ ۳۔ ۲ مئی ۱۹۱۲ء
[۲] بدر ۲ مئی ۱۹۱۲ء۔

"میں جب گھوڑے سے گرا ہوں۔ تب سے اس کے اثر سے دائیں طرف کچھ نہ کچھ نقصان چلا آتا ہے۔" ؎۱

ہماری دولت

ایک دوست کا خط پیش ہوا۔ کہ میں مبلغ تین سو روپے کا مقروض ہوں اور قرضہ کے سبب لاچار ہوں۔ میری امداد فرمائی جاوے۔ اور ایک کا نام لکھا کہ اُس سے مجھے قرضہ دے کر دیا جاوے۔ حضور نے اس خط کو لے کر اپنے دستِ مبارک سے اس پر ایک دعا لکھی۔ اور فرمایا اس کو لکھ دو۔ کہ ہمارے پاس تو یہ دولت ہے اس کو لے لو۔ اور اس کے ساتھ خود خط و کتابت کرو۔ وہ دعا فائدہ عام کے واسطے معہ ترجمہ درج ذیل کی جاتی ہے:۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْکَسَلِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ غَلَبَۃِ الدَّیْنِ وَقَھْرِ الرِّجَالِ۔ اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ بِحَلَالِکَ عَنْ حَرَامِکَ وَاَغْنِنِیْ بِفَضْلِکَ عَمَّنْ سِوَاکَ ؎۲

ترجمہ:۔ اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں فکر اور غم سے۔ اور تیری پناہ چاہتا ہوں ناتوانی اور سستی سے۔ اور تیری پناہ چاہتا ہوں نامردی اور بخل سے۔ اور تیری پناہ چاہتا ہوں قرض کے غلبے سے اور لوگوں کے دباؤ سے۔ الٰہی کفایت کر مجھ کو اپنی حلال روزی سے اور بے پرواہ کر مجھ کو اپنے فضل کے ساتھ اپنے ماسوا سے۔ ؎۲

ایک اچھے طبیب کی علامت
۱۱؍جون ۱۹۱۲ء

۱۱؍جون ۱۹۱۲ء کو ساڑھے گیارہ بجے ایک مریض سے فرمایا۔ کہ "ہر پیشہ میں میعاد کو دخل ہے۔ ایک معمار کہہ سکتا ہے کہ میں مکان اتنے دنوں میں تیار کر دوں گا۔ ایک کلرک کہہ سکتا ہے کہ میں اتنے وقتوں میں اس رجسٹر کی خانہ پُری کر دوں گا۔ ایک درزی کہہ سکتا ہے کہ میں اتنے دنوں میں کپڑا سی کر تیار کر دوں گا۔ لیکن ایک طبیب یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں اتنے دنوں میں مرض کو اچھا کر دوں گا۔ ہاں جاہل طبیب ایسا کہہ دیتے ہیں۔ لیکن جس قدر اعلیٰ درجہ کا طبیب ہو گا اسی قدر اس قسم کے دعوے سے ڈریگا۔ ہم شوقین بھی اتنے ہیں کہ چین سے بھی دوائیں منگوا لیتے ہیں۔ اور محتاط بھی اس قدر ہیں کہ بعض وہ دوائیں جو بڑی محنتوں اور صرف زرِ کثیر کے بعد میسر ہوئیں اُن کو آج تک کسی مریض پر تجربہ نہیں کیا۔ صرف اس لئے کہ کوئی طبیب ایسا نہیں ملا جو اُن کے

؎۱ بدر پرچہ ۲ مئی ۱۹۱۲ء صفحہ ۲ ؎۲ بدر پرچہ ۶ مئی ۱۹۱۲ء

متعلق کوئی اپنا ذاتی تجربہ اور طریق استعمال بیان کر سکے۔ بوٹیاں اور ایسی دوائیاں جو سہل الحصول نہ ہوں ہم کبھی استعمال نہیں کرتے ؎

حضرت خلیفۃ المسیحؓ کا سفر لاہور
۱۵ جون ۱۹۱۲ء

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جناب شیخ رحمت اللہ صاحب تاجر لاہور سے اُن کی درخواست پر وعدہ فرمایا تھا کہ حضور لاہور تشریف لے جاکر اُن کے مکان کا سنگ بنیاد رکھیں گے۔ مگر حضور کا چونکہ وصال ہو چکا تھا۔ اس لئے جناب شیخ صاحب موصوف قادیان میں حضرت خلیفۃ المسیحؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میرے ساتھ مکان کی بُنیاد رکھنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ اب آپ حضور کے خلیفہ اول ہیں آپ اس وعدہ کو پورا فرمائیں۔ حضور نے باوجود بیماری کے جناب شیخ صاحب موصوف کی اس عرضداشت کو منظور فرمالیا۔ اور ۱۵ جون ۱۹۱۲ء کی صبح کو عازمِ لاہور ہوئے۔ قافلہ کے ممبران یہ تھے :-

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب۔ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب۔ جناب مولوی صدر الدین صاحب۔ حضرت خلیفۃ المسیح کے اہلبیت اور صاحبزادگان اور حضرت شیخ یعقوب علی صاحب۔

بعض خدام جو بٹالہ ریلوے اسٹیشن پر بروقت نہیں پہنچ سکے تھے۔ وہ دوسری گاڑی میں لاہور پہنچے انہیں میں حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب اور حضرت مفتی محمد صادق صاحب بھی تھے۔ ۱۰ بجے کے قریب حضور لاہور پہنچے۔ اسٹیشن پر ایک بڑی جماعت حضور کے استقبال کے لئے موجود تھی۔ لاہور میں احباب کے قیام کے لئے احمدیہ بلڈنگس کا مقام تجویز ہو چکا تھا۔ جناب شیخ رحمت اللہ صاحب نے مہمانوں کے واسطے کھانے کا انتظام بھی اسی جگہ کیا ہُوا تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیحؓ کا قیام جناب ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کی کوٹھی پر تھا۔ جو اس احاطہ کے اندر تھی۔ حضور کے لاہور تشریف لے جانے کا اعلان چونکہ دو ہفتے قبل اخبار میں ہو چکا تھا۔ اس لئے باہر سے بھی کافی تعداد میں احباب جمع ہو گئے تھے۔ لاہور پہنچکر سب سے پہلے حضور مسجد میں داخل ہوئے۔ دو نفل نماز ادا کی اور بانیان مسجد اور اُن کی اولاد در اولاد کے واسطے بہت دعائیں کیں۔ اس کے بعد اسی دن شام کو ۶ بجے سب دوست جناب شیخ رحمت اللہ صاحب کی زمین پر جمع ہوئے اور خشتِ بنیاد رکھی گئی۔ اینٹ رکھنے سے قبل حضور نے ایک مختصر سی تقریر فرمائی۔ جسے حضرت شیخ یعقوب علی

بدر ۲۰ جون ۱۹۱۲ء صد ۳

صاحب نے قلمبند کر لیا تھا۔ اس تقریر کا خلاصہ درج ذیل ہے۔ فرمایا:۔

"میرے آقا، میرے محسن (حضرت مسیح موعودؑ) نے شیخ صاحب (شیخ رحمت اللہ صاحب) سے وعدہ کیا تھا۔ کہ وہ ان کی عمارت کی بنیاد اپنے ہاتھ سے رکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا منشا ایسا ہی ہوا کہ آپ کے اس وعدہ کی تعمیل آپ کا ایک خادم کرے۔ شیخ صاحب نے لکھا کہ تم آؤ۔ میں بیمار ہوں۔ اور بعض اعضاء میں درد کی وجہ سے تکلیف ہوتی ہے۔ مگر میرے دل میں جوش ہے۔ اپنے پیارے کے منہ سے نکلی ہوئی بات پوری کرنا چاہتا ہوں........

اس عمارت کے ارد گرد بھی تازہ عمارتیں بنی ہوئی ہیں اور بن رہی ہیں۔ مگر اس عمارت کے ساتھ ہمارا ایک خاص تعلق ہے۔ اور یہ تعلق شخصی بھی ہے اور قومی بھی۔ شخصی تو یہ کہ حضرت صاحب نے وعدہ فرمایا تھا کہ اس عمارت کی بنیاد رکھیں اور حضرت صاحب کا ایک خادم اس وعدہ کو پورا کر دے۔ قومی تعلق یہ ہے۔ کہ اس عمارت میں ہماری قوم کا بھی ایک حصہ ہے[1] اس لئے قوم کو چاہیئے۔ کہ درد دل سے دعا کرے کہ انجام بخیر ہو۔ اور اس مکان میں جو بسنے والے ہوں۔ جو اس کے مہتمم ہوں وہ راستباز ہوں۔ اور نیکی سے پیار کریں..........

میں نے کہا ہے کہ ساری قوم کا اس عمارت میں حصہ ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ لوگ درد دل سے دعا کریں گے۔ کہ اللہ تعالیٰ اس کو بابرکت کرے اور شیخ صاحب جن کو ہم سے محبت ہے اُن کی اولاد کو بھی ہمارے ساتھ ویسی ہی محبت بخشے .... اب میں دعا کر کے ایک اینٹ رکھ دیتا ہوں پھر میرے بعد صاحبزادہ مرزا محمود احمد اور بشیر احمد اور شریف احمد اور نواب صاحب دعا کر کے ایک ایک اینٹ رکھ دیں۔

یہ فرما کر آپ نے ایک اینٹ لی اور نہایت توجہ الی اللہ کے ساتھ دعا کر کے اسے ایک مقام پر رکھ دیا اور پھر صاحبزادگان نے ارشاد کے موافق اینٹیں رکھیں۔ اور بالآخر نواب صاحب نے رکھی۔ اس موقعہ پر نواب صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا۔ کہ

"دامادوں کے متعلق تو بڑی بڑی بخشیں ہوئی ہیں۔ اس لئے آپ ضرور دعا کر کے اینٹ رکھیں میں دعاؤں کا بڑا معتقد ہوں، یہ کلمہ میاں شریف احمد صاحب کے اینٹ رکھنے پر فرمایا۔"

---

[1] (حاشیہ نوٹ از ایڈیٹر) حضرت خلیفۃ المسیح مدظلہ العالی کا اشارہ اس وصیت کی طرف ہے۔ جو شیخ صاحب نے اپنی جائیداد کے متعلق کی ہوئی ہے کہ اس کا تیسرا حصہ قومی خدمات کے لئے ہوگا۔

اس کے بعد آپنے اور حاضرین نے دعا فرمائی۔ بعد دعا فرمایا:۔

جس غرض کے لئے ہم آئے تھے خدا کے فضل سے ہم اس سے فارغ ہو چکے ہیں۔ اب ہم آزاد ہیں۔[1]

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی تقریر۔ ۱۶؍جون ۱۹۱۲ء ۹ بجے صبح

حضرت خلیفۃ المسیح کے حکم سے ۱۶؍جون ۱۹۱۲ء کی صبح ۹ بجے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے جماعت احمدیہ کے خاص اجلاس میں ایک تقریر کی۔ آپ کی تقریر کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح مسجد میں تشریف لائے اور حضور نے بھی ایک تقریر کی۔ عجیب بات یہ ہے کہ جن آیات پر صاحبزادہ صاحب نے تقریر کی تھی انہیں پر حضرت صاحب نے بھی تقریر فرمائی۔ گو رنگ جدا تھا۔ مگر یہ توارد بھی کسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جس وقت صاحبزادہ صاحب تقریر کر رہے تھے۔ اس وقت حضرت خلیفۃ المسیح عورتوں میں وعظ فرما رہے تھے۔ والدہ عزیز عبد الحی نے بھی اس سفر میں عورتوں کے درمیان تبلیغ کا مفید اور مؤثر کام کیا۔

حضرت خلیفۃ المسیح کے دو پبلک لیکچر ہوئے۔ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ ایک ہی لیکچر دو وقتوں میں پورا ہوا۔ پہلا لیکچر اتوار کی شام کو ہوا مگر نماز مغرب کا وقت آجانے کی وجہ سے مکمل نہ ہو سکا۔ اور بقیہ پیر کی صبح کو پورا ہوا۔ یہ وہی معرکۃ الآرا لیکچر ہے جس میں منکرین خلافت کے اعتراضات کی دھجیاں فضلِ آسمانی میں بکھیر کر رکھ دی گئی ہیں۔

۱۷؍جون کو یعنی اُسی روز تین بجے بعد دوپہر حضور لاہور سے امرتسر تشریف لائے۔ امرتسر میں بابو صفدر جنگ صاحب پنشنر کے مکان پر چند گھنٹے قیام رہا۔ جہاں حضرت صاحب نے سورہ والعصر کی ایک لطیف تفسیر کی۔

۱۸؍جون کا دن احباب بٹالہ کے اصرار کی وجہ سے بٹالہ میں گذارا۔ بٹالہ میں بھی آپنے ایک تقریر فرمائی جس میں قرآن کریم کے سیکھنے اور اس کی تبلیغ کی طرف توجہ دلائی۔[2] اور ۱۹؍جون کی صبح کو قادیان واپس تشریف لے گئے۔ اور باوجود سفر کی تکالیف کے درس کا سلسلہ پھر شروع فرما دیا۔ کیونکہ یہی آپ کی روحانی غذا ہے۔ کیا خوب کہا ہے۔ سیفِ کشمیری نے :۔

پچھ داد درس کلام مجید صبح و مسا ÷ ہماں غذا و ہماں شد طعام نور الدین[3]

---

[1] بدر ۲۷؍جون ۱۹۱۲ء۔ [2] بدر ۲۵؍جون ۱۹۱۲ء۔ [3] بدر ۲۷؍جون ۱۹۱۲ء

یہ امر قابل ذکر ہے کہ حضرت اُم المؤمنینؓ اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب اس قافلہ کے ساتھ واپس قادیان تشریف نہیں لے گئے تھے بلکہ لاہور میں ہی ٹھہر گئے تھے۔ حضرت صاحبزادہ صاحب موصوف تو چند روز بعد واپس قادیان تشریف لے گئے۔ مگر حضرت ام المؤمنین اپنے بھائی حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب کے ساتھ سیر پر تشریف لے گئیں۔[1]

اس تقریب کی یاد میں کتبہ

اس امر کا ذکر کرنا بھی خالی از فائدہ نہ ہوگا۔ کہ اس تقریب کی یادگار کے طور پر جو کتبہ جناب شیخ رحمت اللہ صاحب نے اپنی بلڈنگ متصل (؟) اقبال روڈ کے برآمدے میں لگوایا۔ اس پر مندرجہ ذیل الفاظ کندہ ہیں:۔

> مَاشَاءَ اللّٰہ
>
> لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ
>
> **دار الرحمت**
>
> جس کا سنگِ بنیاد حضرت خلیفۃ المسیح مولوی حکیم نور الدین صاحب نے
>
> ۱۵ جون ۱۹۱۲ء مطابق ۲۸ جمادی الثانی ۱۳۳۰ھ کو رکھا

اس کتبے سے بھی صاف ظاہر ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کے زمانہ میں غیر مبایعین بھی حضور کو "خلیفۃ المسیح" ہی تسلیم کرتے تھے۔ محض بزرگ سمجھ کر حضور کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے تھے۔

قیام لاہور کے دوران دعوتیں

قیام لاہور کے دوران محترم جناب ملک غلام محمد صاحب قصوری نے حضور کو دعوتِ طعام دی۔ فرمایا

"کل علی الصباح جوار (مکئی) کی چھوٹی سی روٹی اور چائے آپ پلا دیں۔"

جناب ملک صاحب نے اس کی تعمیل کی۔ ایسا ہی حضرت قاضی حبیب اللہ صاحب کی درخواست پر حضور نے شام کے وقت اُن کے ہاں چائے پی۔[2]

درس قرآن کا ایک خاص واقعہ

محترم جناب ڈاکٹر عبید اللہ خاں صاحب بٹالوی کا بیان ہے کہ قریشی عبد المجید صاحب گجراتی فرمایا کرتے تھے۔ کہ ایک مرتبہ حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ لاہور میں تشریف لائے۔ میرے والد صاحب اور میاں محمد خاں صاحب آپ کے

---

[1] بدر پرچہ ۲۷ جون ۱۹۱۲ء

[2] بدر پرچہ ۲۷ جون ۱۹۱۲ء صہ۳

درس میں شامل ہوا کرتے تھے۔ ایک دن ان دونوں نے انار کلی میں جاتے ہوئے کہا کہ پتہ نہیں حضرت مولوی صاحب درس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ذکر کیوں نہیں کرتے دوسرے دن جبکہ حضور درس دے رہے تھے۔ میاں محمد خاں صاحب پہلے آئے اور قریشی صاحب کے والد صاحب بعد میں۔ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ نے فرمایا۔ کہ

"بھیرہ میں نورالدین کے کچھ مکانات تھے اور کچھ زمین۔ اُسے یہ بھی پتہ نہیں کہ اب وہ مکانات کس کے پاس ہیں؟ موجود بھی ہیں یا گر گئے ہیں۔ اور زمین کے متعلق بھی علم نہیں کہ کس کے استعمال میں ہے؟ کیا اس کے بعد بھی یہ کہنا بجا ہے کہ میں مرزا صاحب کا ذکر نہیں کرتا۔ میرا تو سب کچھ ہی مرزا صاحب کا ہے۔"

قریشی صاحب خیال کرتے تھے۔ کہ میاں محمد خان صاحب پہلے آئے تھے۔ انہوں نے ہماری باہمی گفتگو کا ذکر کر دیا ہوگا۔ مگر دریافت کرنے پر معلوم ہوا۔ کہ ایسا کوئی ذکر نہیں ہوا۔

احمدیہ بلڈنگ میں خلافت کے موضوع پر حضرت خلیفہ اوّل رضؓ کی معرکۃ الآرا تقریر ۱۶، ۱۷ جون ۱۹۱۲ء

اب ہم اس معرکۃ الآراء تقریر کے بعض اہم حصے درج کرتے ہیں جو حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ نے ۱۶-۱۷ جون ۱۹۱۲ء کو احمدیہ بلڈنگ میں خلافت کے موضوع پر فرمائی اور جس میں منکرین خلافت کے ایک ایک اعتراض کا مکمل اور مدلل جواب دیا گیا ہے۔ فرمایا:۔

"تم کو بھی خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہمارے بادشاہ حضرت مسیح موعودؑ کے ذریعہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک کیا پھر اُس کے مرنے کے بعد میرے ہاتھ پر تم کو تفرقہ سے بچایا۔ اس نعمت کی قدر کرو۔ اور نکمی بحثوں میں نہ پڑو۔ میں نے دیکھا ہے کہ آج بھی کسی نے کہا۔ کہ خلافت کے متعلق بڑا اختلاف ہے۔ حق کسی کا تھا اور دی گئی کسی کو۔ میں نے کہا کہ کسی رافضی کو جا کر کہدو کہ علی کا حق تھا ابوبکر نے لے لیا۔

میں نہیں سمجھتا کہ اس قسم کی بحثوں سے تمہیں کیا اخلاقی یا رُوحانی فائدہ پہنچتا ہے۔ جس کو خدا تعالیٰ نے چاہا خلیفہ بنا دیا۔ اور تمہاری گردنیں اس کے سامنے جھکا دیں۔ خدا تعالیٰ کے اس فضل کے بعد بھی تم اس پر اعتراض کرو تو سخت حماقت ہے۔

میں نے تمہیں بارہا کہا ہے۔ اور قرآن مجید سے دکھایا ہے کہ خلیفہ بنانا انسان کا کام نہیں ہے بلکہ خدا تعالےٰ کا کام ہے۔ آدم کو خلیفہ بنایا کس نے؟ اللہ تعالےٰ نے! فرمایا:-

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً۔ اس خلافتِ آدم پر فرشتوں نے اعتراض کیا۔ کہ حضور وہ مُفسد فی الارض اور مُفسِک الدم ہوگا۔ مگر انہوں نے اعتراض کرکے کیا پھل پایا؟ تم قرآن مجید میں پڑھ لو کہ آخر انہیں آدم کے لئے سجدہ کرنا پڑا۔ پس اگر کوئی مجھ پر اعتراض کرے۔ اور وہ اعتراض کرنے والا فرشتہ بھی ہو۔ تو میں اُسے کہدوں گا کہ آدم کی خلافت کے سامنے مسجود ہو جاؤ تو بہتر ہے اور اگر وہ اَبٰی اور اِسْتَکْبَرَ کو اپنا شعار بناکر ابلیس بنتا ہے تو پھر یاد رکھے کہ ابلیس کو آدم کی مخالفت نے کیا پھل دیا۔ میں پھر کہتا ہوں۔ کہ اگر کوئی فرشتہ بن کر بھی میری خلافت پر اعتراض کرتا ہے تو سعادتمند فطرت اُسے اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ کی طرف لے آئے گی۔ اور اگر ابلیس ہے تو اس دربار سے نکل جائے گا۔

پھر دوسرا خلیفہ داؤد تھا۔ یا داؤد انا جعلناك فی الارض خلیفه۔ (ترجمہ۔ اے داؤد تجھے زمین میں خلیفہ ہم نے بنایا ہے) داؤد کو بھی خُدا ہی نے خلیفہ بنایا۔ اُن کی مخالفت کرنے والوں نے تو یہاں تک ایجی ٹیشن کی۔ کہ وہ انارکسٹ لوگ آپ کے قلعہ پر حملہ آور ہوئے۔ اور کود پڑے۔ مگر جس کو خُدا نے خلیفہ بنایا تھا۔ کون تھا جو اس کی مخالفت کرکے نیک نتیجہ دیکھ سکے۔

پھر اللہ تعالےٰ نے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو خلیفہ بنایا۔ رافضی اب تک اس خلافت کا ماتم کر رہے ہیں۔ مگر کیا تم نہیں دیکھتے کروڑوں انسان ہیں جو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر درود پڑھتے ہیں۔ میں خدا کی قسم کھاکر کہتا ہوں کہ مجھے بھی خُدا نے خلیفہ بنایا ہے۔

یہ وہ مسجد ہے جس نے میرے دل کو خوش کیا۔ اس کے بانیوں اور امداد کنندوں کے لئے میں نے بہت دعا کی ہے۔ اور میں یقین رکھتا ہوں۔ کہ میری دعائیں عرش تک پہنچی ہیں پس اس مسجد میں کھڑے ہو کر جس نے مجھے بہت خُوش کیا۔ اور اس شہر میں اگر اس مسجد ہی میں آنے سے خوشی ہوتی ہے میں اس کو ظاہر کرتا ہُوں۔ کہ جس طرح پر آدم، داؤد اور ابُوبکر و عمر کو اللہ تعالیٰ نے خلیفہ بنایا۔ اُسی طرح اللہ تعالیٰ ہی نے مجھے خلیفہ بنایا ہے۔

اگر کوئی کہے کہ انجمن نے خلیفہ بنایا ہے۔ تو وہ جُھوٹا ہے۔ اس قسم کے خیالات ہلاکت

کی حد تک پہنچاتے ہیں۔ تم ان سے بچو۔ پھر سن لو کہ مجھے نہ کسی انسان نے نہ کسی انجمن نے خلیفہ بنایا ہے۔ اور نہ ہی میں کسی انجمن کو اس قابل سمجھتا ہوں کہ وہ خلیفہ بنائے پس مجھ کو نہ کسی انجمن نے بنایا۔ اور نہ میں اس کے بنانے کی قدر کرتا۔ اور اس کے چھوڑ دینے پر تھوکتا بھی نہیں۔ اور نہ اب کسی میں طاقت ہے کہ وہ اس خلافت کی ردا کو مجھ سے چھین لے۔

اب سوال ہوتا ہے کہ خلافت حق کس کا ہے؟ ایک میرا نہایت ہی پیارا محمود ہے۔ جو میرے آقا اور محسن کا بیٹا ہے۔ پھر دامادی کے لحاظ سے نواب محمد علی خان کو کہہ دیں۔ پھر خسر کی حیثیت سے نا صر نواب صاحب کا حق ہے یا ام المومنین کا حق ہے جو حضرت صاحب کی بیوی ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو خلافت کے حق دار ہو سکتے ہیں۔ مگر یہ کیسی عجیب بات ہے کہ جو لوگ خلافت کے متعلق بحث کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کا حق کسی اور نے لے لیا ہے وہ یہ نہیں سوچتے کہ یہ سب کے سب میرے فرمانبردار اور وفادار ہیں۔ اور انہوں نے اپنا دعویٰ ان کے سامنے پیش نہیں کیا .... مرزا صاحب کی اولاد دل سے میری فدائی ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ جتنی فرمانبرداری میرا پیارا محمود، بشیر، شریف۔ نواب ناصر۔ نواب محمد علی خاں کرتا ہے۔ تم میں سے ایک بھی نظر نہیں آتا۔

میں کسی لحاظ سے نہیں کہتا۔ بلکہ میں امر واقعہ کا اعلان کرتا ہوں کہ ان کو خدا کی رضا کیلئے محبت ہے۔ بیوی صاحبہ کے منہ سے بیسیوں مرتبہ میں نے سنا ہے کہ میں تو آپ کی لونڈی ہوں۔ ...... میاں محمود بالغ ہے۔ اس سے پوچھ لو کہ وہ سچا فرمانبردار ہے۔ ہاں ایک معترض کہہ سکتا ہے کہ سچا فرمانبردار نہیں۔ مگر نہیں۔ میں خوب جانتا ہوں کہ وہ میرا سچا فرمانبردار ہے اور ایسا فرمانبردار کہ تم (میں سے) ایک بھی نہیں جس طرح پر علیؓ، فاطمہؓ، عباسؓ نے ابوبکرؓ کی بیعت کی تھی۔ اس سے بھی بڑھ کر مرزا صاحب کے خاندان نے میری فرمانبرداری کی ہے۔ اور ایک ایک ان میں سے مجھ پر ایسا فدا ہے کہ مجھے کبھی وہم بھی نہیں آسکتا۔ کہ میرے متعلق انہیں کوئی وہم آتا ہو۔

سنو! میرے دل میں کبھی یہ غرض نہ تھی۔ کہ میں خلیفہ بنتا۔ میں جب مرزا صاحب کا مرید نہ تھا۔

تب بھی میرا یہی لباس تھا۔ میں اُمراء کے پاس گیا اور معزز حیثیت میں گیا۔ مگر تب بھی یہی لباس تھا۔ مُرید ہو کر بھی میں اسی حالت میں رہا۔ مرزا صاحب کی وفات کے بعد جو کچھ کیا۔ خدا تعالیٰ نے کیا۔ میرے وہم وخیال میں بھی یہ بات نہ تھی۔ مگر خدا تعالیٰ کی مشیت نے چاہا۔ اور اپنے مصالح سے چاہا۔ مجھے تمہارا امام و خلیفہ بنا دیا۔ اور جو تمہارے خیال میں حقدار تھے اُن کو بھی میرے سامنے جھکا دیا۔ اب تم اعتراض کرنے والے کون ہو؟ اگر اعتراض ہے تو جاؤ خدا پر اعتراض کرو۔ مگر اس گستاخی اور بے ادبی کے وبال سے بھی آگاہ رہو۔ . . . . میں کسی کا خوشامدی نہیں۔ مجھے کسی کے سلام کی بھی ضرورت نہیں۔ اور نہ تمہاری نذور اور پرورش کا محتاج ہوں۔ اور خدا کی پناہ چاہتا ہوں کہ ایسا وہم بھی میرے دل میں گذرے۔

اللہ تعالیٰ نے مخفی در مخفی خزانہ مجھے دیا ہے۔ کوئی انسان اور بندہ اس سے واقف نہیں میری بیوی اور بچے تم میں سے کسی کے محتاج نہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ ان کا کفیل ہے۔ تم کسی کی کیا کفالت کرو گے۔ واللہ الغنی وانتم الفقراء۔

جو سنتا ہے وہ سن لے۔ اور خوب سن لے۔ اور جو نہیں سنتا۔ اُس کو سننے والے پہنچا دیں کہ یہ اعتراض کرنا کہ خلافت حقدار کو نہیں پہنچی۔ رافضیوں کا عقیدہ ہے۔ اس سے توبہ کرلو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے جس کو حقدار سمجھا۔ خلیفہ بنا دیا۔ جو اس کی مخالفت کرتا ہے وہ جھوٹا اور فاسق ہے۔ فرشتے بن کر اطاعت اور فرمانبرداری کرو۔ ابلیس نہ بنو۔

مسئلہ اکفار دوسرا مسئلہ جس پر اختلاف ہوتا ہے وہ اکفار کا مسئلہ ہے۔ اپنے مخالفوں کو کیا سمجھنا چاہیے؟ اس مسئلہ کے متعلق تم آپس میں جھگڑتے ہو۔ سنو!

ہر نبی کے زمانہ میں لوگوں کے کفر اور ایمان کے اصول کلام الٰہی میں موجود ہیں جب کوئی نبی آیا اُس کے ماننے اور نہ ماننے والوں کے متعلق کیا دقّت رہ جاتی ہے؟ ایچا پیچی کرنی اور بات ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ نے کفر۔ ایمان۔ اور شرک کو کھول کر بیان کر دیا ہے۔ پہلے نبی آتے رہے۔ اُن کے وقت میں دو ہی قومیں تھیں۔ ماننے والے اور نہ ماننے والے۔ کیا اُنکے متعلق کوئی شبہ تمہیں پیدا ہُوا؟ اور کوئی سوال اٹھا۔ کہ نہ ماننے والوں کو کیا کہیں؟[1]

جیسا کہ ابھی میں نے کہا۔ یہ رفض کا شبہ ہے جو خلافت کی بحث تم چھیڑتے ہو۔ یہ تو خدا سے شکوہ

---

[1] حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

کرنا چاہیئے۔ کہ بھیرہ کا رہنے والا خلیفہ ہو گیا۔ کوئی کہتا ہے خلیفہ کرتا ہی کیا ہے؟ لڑکوں کو پڑھاتا ہے۔ کوئی کہتا ہے۔ کہ کتابوں کا عشق ہے۔ اس میں مبتلا رہتا ہے۔ ہزار نالائقیاں مجھ پر تھوپو۔ مجھ پر نہیں یہ خدا پر لگیں گی جس نے مجھے خلیفہ بنایا۔ یہ لوگ ایسے ہی ہیں۔ جیسے رافضی ہیں۔ جو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر اعتراض کرتے ہیں۔

غرض کفر و ایمان کے اصول تم کو بتا دیئے گئے ہیں حضرت صاحب خدا کے مُرسل ہیں۔ اگر وہ نبی کا لفظ اپنی نسبت نہ بولتے۔ تو بخاری[۱] کی حدیث کو نعوذ باللہ غلط قرار دیتے۔ جس میں آنے والے کا نام نبی رکھا ہے۔ پس وہ نبی کا لفظ بولنے پر مجبور ہیں۔

اب ان کے ماننے اور نہ ماننے کا مسئلہ صاف ہے۔ عربی بولی میں کفر انکار ہی کو کہتے ہیں ایک شخص اسلام کو مانتا ہے۔ اس حصہ میں اس کو اپنا قریبی سمجھ لو۔ جس طرح پر یہود کے مقابلہ میں عیسائیوں کو قریبی سمجھتے ہو۔ اسی طرح پر یہ مرزا صاحب کا انکار کر کے ہمارے قریبی ہو سکتے ہیں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۵۹ گذشتہ:۔ اسی سلسلہ میں ایک اور واقعہ کا ذکر کر دینا بھی خالی از دلچسپی نہیں ہو گا جس میں حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے مسئلہ کفر و اسلام کے متعلق یہی انداز جواب اختیار کیا اور مخالف مولوی سخت شرمندہ ہُوا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ

ایک غیر احمدی مولوی نے ہماری دعوت کی۔ غلام محمد امرتسری بھی ہمارے ساتھ تھے۔ وہ میزبان خود تو پنکھا جھلنے کھڑا ہو گیا اور دوسرے مولوی کو پہلے ہی ہم سے بحث کرنے کو لاکر ہمارے پاس بٹھا دیا۔ بہت سی باتیں نرمی و محبت کی کرتا رہا کہ ہم تو عیسیٰ کو مرا ہُوا مانتے ہیں اور مرزا صاحب کو بڑا راستباز جانتے ہیں اور بھی سب باتوں کو مانتے ہی ہیں۔ گویا آپ کے مرید ہی ہیں۔ مولوی صاحب ذرا یہ چھوٹا سا مسئلہ بتائیے کہ جو شخص مرزا صاحب کو نہ مانے اُس کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں؟ میں نے کہا ایک طرف موسیٰ علیہ السلام ہیں دُوسری طرف حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ پھر ایک طرف موسوی مسیح ہیں اور دوسری طرف محمدی مسیح موسیٰ علیہ السلام کے منکر کو کیا سمجھنا چاہیئے آپ جانتے ہی ہیں پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر کو کیسا سمجھنا چاہیئے۔ یہ بھی آپ کو معلوم ہے۔ اسی طرح موسوی مسیح کے منکر کو بھی جو کچھ سمجھتے ہیں اُس کے مقابلہ میں محمدی مسیح کے منکر کو کیا سمجھیں۔ یہ آپ خود تجویز فرما سکتے ہیں۔ یہ سُن کر اپنے لڑکے سے کہنے لگا۔ لاحبدی سے کہا تھا ان سے بحث کرنا کوئی معمولی بات نہیں۔

---

[۱] بخاری کا لفظ سہو کتابت سے درج ہو گیا ہے۔ کیونکہ وہ حدیث جس میں (باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

[۲] الحکم جلد ۱۳ ۱۹۰۹ء نمبر ۲۳ صفحہ ۲۔

اور پھر مرزا صاحب کے بعد میرا انکار ایسا ہی ہے۔ جیسے رافضی صحابہؓ کا کرتے ہیں۔

ایسا صاف مسئلہ ہے مگر نکمے لوگ اس میں بھی جھگڑتے رہتے ہیں نکمے لوگ ہیں۔ اور کام نہیں ایسی باتوں میں لگے رہتے ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جو قطعے فتح کرتے ہیں۔ اور ایک یہ ہیں۔

کیا کوئی خلافت کے کام میں روک ہے؟

تیسری بات یہ ہے کہ بعض لوگوں کا خیال ہے اور وہ میرے دوست کہلاتے ہیں۔ اور میرے دوست ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ خلافت کے کام میں روک لاہور کے لوگ ڈالتے ہیں۔ میں نے قرآن کریم اور حدیث کو استعجاب سے پڑھا ہے اور میں دل سے انہیں مانتا ہوں میرے دل میں قرآن اور حدیث کی محبت بھری ہوئی ہے۔ سیرۃ کی کتابیں ہزاروں روپیہ خرچ کرکے لیتا ہوں۔ ان کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ اور یہی میرا ایمان ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کام کو کرنا چاہتا ہے تو کوئی اس کو روک نہیں سکتا۔

آدم اور داؤد کا خلیفہ ہونا میں نے پہلے بیان کیا۔ اور پھر اپنی سرکار کے خلیفہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کا ذکر کیا۔ اور یہ بھی بتایا کہ جس طرح ابوبکر اور عمر خلیفہ ہوئے رضی اللہ عنہما۔ اسی طرح پر خدا تعالیٰ نے مجھے مرزا صاحب کے بعد خلیفہ کیا۔ اب اور سنو!

اِنَّا جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْاَرْضِ

تم سب کو بھی زمین میں اللہ تعالیٰ نے ہی خلیفہ کیا۔ یہ خلافت اور رنگ کی ہے۔ پس جب خلیفہ بنانا اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے۔ تو کسی اور کی کیا طاقت ہے کہ اس کے کام میں روک ڈالے۔

لاہور میرا گھر نہیں۔ میرا گھر بھیرہ میں تھا۔ یا اب قادیان میں ہے۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ لاہور کا کوئی آدمی نہ میرے امر خلافت میں روک بنا ہے نہ بن سکتا ہے۔ پس تم ان پر بدظنی نہ کرو......

اگر مال لیا ہے تو شکر کرو۔ اور نہیں تو صبر کی دوا موجود ہے۔ میں باوجود اس بیماری کے جو مجھے کھڑا

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ آنے والے مسیح کے متعلق نبی اللہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے بخاری میں نہیں بلکہ مسلم میں آتی ہے۔ اور یہ بات حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے خود بھی ایک دوسرے مقام پر بیان فرمائی ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں:۔

"تمام مجددوں میں سے نبی اللہ صرف آپ ہی کے لئے احادیث میں آیا ہے۔ دیکھو مسلم......

غرض آپ کی شان بہت اعلیٰ ہے اور آپ پر ایمان لانے کے سوا نجات نہیں"

(الحکم جلد ۱۶ ۱۹۱۲ء نمبر ۲۸ صـ ۲) [مؤلف]

ہونا تکلیف دیتا ہے۔ اس موقعہ کو دیکھ کر سمجھتا ہوں کہ خلافت کیسری کی دکان کا سوڈا واٹر نہیں (جو سہل الحصول ہو۔ ناقل) تم اس بکھیڑے سے کچھ فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ نہ تم کو کسی نے خلیفہ بنانا ہے اور نہ میری زندگی میں کوئی اور بن سکتا ہے۔ میں جب مر جاؤں گا (اللھم متعنا بطول حیاتہ) تو پھر وہی کھڑا ہوگا جس کو خدا چاہے گا۔ اور خدا اُس کو آپ کھڑا کر دیگا۔

تم نے میرے ہاتھوں پر اقرار کیئے ہیں تم خلافت کا نام نہ لو۔ مجھے خدا نے خلیفہ بنا دیا ہے اور اب نہ تمہارے کہنے سے معزول ہو سکتا ہوں۔ اور نہ کسی میں طاقت ہے کہ وہ معزول کرے۔ اگر تم زیادہ زور دوگے تو یاد رکھو کہ میرے پاس ایسے خالد بن ولید ہیں۔ جو تمہیں مُرتدوں کی طرح سزا دیں گے۔

دیکھو! میری دعائیں عرش میں بھی سُنی جاتی ہیں۔ میرا مولیٰ میرے کام میری دُعا سے بھی پہلے کر دیتا ہے۔ میرے ساتھ لڑائی کرنا خدا سے لڑائی کرنا ہے۔ تم ایسی باتوں کو چھوڑ دو۔ اور توبہ کر لو.......... تھوڑے دن صبر کرو۔ پھر جو پیچھے آئے گا۔ اللہ تعالیٰ جیسا چاہے گا وہ تم سے معاملہ کریگا۔

سُنو! تمہاری نزاعیں تین قسم کی ہیں۔ اوّل ان امور اور مسائل کے متعلق ہیں جن کا فیصلہ حضرت صاحب نے کر دیا ہے۔ جو حضرت صاحب کے فیصلہ کے خلاف کرتا ہے وہ احمدی نہیں۔ جن پر حضرت صاحب نے گفتگو نہیں کی اُن پر بولنے کا تمہیں خود کوئی حق نہیں۔ جب تک ہمارے دربار سے تم کو اجازت نہ ملے۔ پس جب تک خلیفہ نہیں بولتا یا خلیفہ کا خلیفہ دُنیا میں نہیں آتا اُن پر رائے زنی نہ کرو۔

جن پر ہمارے امام اور مقتدا نے قلم نہیں اُٹھایا۔ تم اُن پر جرأت نہ کرو۔ ورنہ تمہاری تحریریں اور کاغذ ردی کر دیں گے۔ تم میں کوئی تصنیف کرتا ہے۔ اور اگر کہو کہ تمہارا قلم نہیں لکھ سکتا۔ تو کیا ہم بھی نہ لکھیں؟ تو نورالدین۔ تصدیق۔ فصل الخطاب۔ ابطال الوہیت مسیح کو پڑھ لو۔ مجھے لکھنا آتا ہے۔ اور خوب آتا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ کی ایک مصلحت نے روک رکھا ہے اور یہاں خدا نے روکا ہے.....

اب میں پھر نصیحت کرتا ہوں۔ میرے بڑھاپے اور بیماری کو دیکھ لو۔ اپنے اختلافوں کو دیکھ لو۔ کیا یہ تمہیں خدا سے ملا دیں گے۔ اگر نہیں تو پھر ہماری بات مانو۔ اور محبت سے رہو۔ اور اس طرح پر

رہو۔ کہ میں تمہیں دیکھ کر اسی طرح خوش ہو جاؤں جس طرح پر مسجد کو دیکھ کر خوش ہوا جس طرح شہر میں داخل ہو کر مسجد کو دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی۔ خدا کرے کہ جاتے ہوئے مجھے یہ آواز آوے کہ تم باہم ایک ہو۔ اور تم محبت سے رہتے ہو۔ تم بھی دعاؤں سے کام لو۔ میں بھی تمہارے لئے دعائیں کروں گا۔
وباللہ توفیق ما۔"

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کے زمانہ خلافت کا غالباً سب سے اہم کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے خلافت کے مقام کی عظمت کو قائم رکھنے کے لئے جس جرأت اور اولوالعزمی کا ثبوت دیا ہے اگر اُسے اس وقت کے حالات کے لحاظ سے بے نظیر قرار دیا جائے تو اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہوگا۔ آپ کے مقابل پر جو لوگ تھے وہ صدر انجمن کے کرتا دھرتا تھے۔ اور اپنی خدمات اور زمانہ حال کی اعلیٰ ڈگریوں کی وجہ سے یہ سمجھتے تھے کہ جماعت میں انہیں اس قدر وقار اور اعزاز حاصل ہے کہ وہ اگر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریرات کی غلط تعبیر کر کے بھی جماعت کو اپنے پیچھے لگانا چاہیں تو وہ ایسا کرنے کی مقدرت رکھتے ہیں۔ چنانچہ اسی خیال کی بنا پر انہوں نے جماعت کے عقاید کو بگاڑنے کی کوششیں کیں۔ جن میں سے غالباً سب سے بڑی کوشش یہ تھی کہ وہ انجمن کو حاکم اور خلیفہ کو محکوم بنانا چاہتے تھے۔ بلکہ اُن کے ارادے تو یہاں تک خطرناک تھے کہ اگر ان کا بس چلے تو وہ خلیفۃ المسیح کو خلافت سے معزول کرنے پر بھی آمادہ تھے۔ مگر حضرت خلیفۃ المسیحؓ کی گرفت ایسی مضبوط تھی۔ کہ جب آپ ان لوگوں کی غلط روش اور بے راہ روی کو بے نقاب کرنے کے لئے جماعت کو خطاب فرماتے تھے تو آپ کا انداز اس قدر پُر شوکت اور پُر جلال ہوتا تھا کہ کیا مجال تھی کسی کی کہ وہ اٹھ کر آپ کی کسی بات کو رد کر سکے۔ آپ کے فرامین کو سُن کر یہ لوگ سوڈے کے سارے جھاگ کی طرح بیٹھ جاتے تھے۔ اور معافیاں مانگنے کے سوا انہیں کوئی چارہ نہیں ہوتا تھا۔ خلافت کے مقام کی عظمت کو قائم کرنے کے سلسلہ میں یقیناً آپ کا جماعت پر اس قدر احسان ہے کہ اُسے قیامت تک نہیں بھلایا جا سکتا۔ کیونکہ اگر خدانخواستہ اس خطرناک زلزلے کے وقت آپ کے قدم ڈگمگا جاتے۔ اور آپ وقتی طور پر اُن لوگوں کے فتنے سے مرعوب ہو کر اُن کے آگے جھک جاتے۔ تو آج عالم احمدیت کا نقشہ ہی اور ہوتا۔ سلسلہ کی وہ عظمت جو آج اُسے قیام خلافت کی وجہ سے حاصل ہے۔ یقیناً قائم نہ رہتی۔ اور سلسلہ دنیا کی اور انجمنوں کی طرح ایک انجمن بن کر رہ جاتا۔ مگر آپ نے اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی تائید سے گرتی ہوئی جماعت کو سنبھال لیا۔ اور تشتت اور پراگندگی کی زندگی سے بچا کر وحدت کی سلک میں پرو دیا۔ اور

لہ ۔ بدر ہم ۱۱ جولائی ۱۹۱۳ء ۔

اپنے اس عظیم الشان کارنامے سے آنیوالی نسلوں کو یہ قیمتی سبق دیا۔ کہ خلافت تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی ایک مقدس امانت اور اس کے افضال میں سے ایک عظیم الشان فضل ہے۔ اگر تم نے اس مقدس امانت کی حفاظت اور اس بڑے فضل کی قدر کی تو دنیا کی کوئی طاقت تمہیں ترقی کے راستہ پر گامزن ہونے سے روک نہیں سکے گی اور احمدیت کا پرچم انشاء اللہ تمام دنیا پر کامیابی اور کامرانی کے ساتھ لہراتا چلا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

غرض یہ تقریر جو آپنے احمدیہ بلڈنگس لاہور کی مسجد میں خلافت اور تکفیر کے مسائل پر فرمائی ایسی فیصلہ کُن اور طمانیت بخش تھی۔ کہ اُس نے مومنوں کے لئے ثلج قلب کا سامان پیدا کر دیا۔ اور منکرین خلافت کی اُمیدوں پر ایک مرتبہ پھر پانی پھر گیا۔ اور انہوں نے محسوس کیا۔ کہ اس جنگ میں آپکے مقابل پر کھڑے ہو کر ہم نہیں جیت سکتے۔ لہذا کچھ عرصہ کے لئے یہ لوگ پھر مدہم پڑ گئے۔ مگر یہ تحریک مٹی نہیں۔ بلکہ اب اُس نے پس پردہ رہ کر کام کرنا شروع کیا۔ اور جب یہ مواد پختہ ہو گیا تو انہوں نے پھر سر نکالا۔ جس کا مفصل ذکر آگے آئے گا۔

حضرت مُفتی محمد صادق صاحب کا جموں تشریف لے جانا۔

حضرت خلیفۃ المسیح رض کی خدمت میں جموں کی جماعت نے درخواست کی تھی کہ ہم مسجد احمدیہ کا سنگ بنیاد رکھوانا چاہتے ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ یا تو حضور خود تشریف لادیں اور یا اپنے کسی نمائندے کو بھیج دیں۔ اس پر حضور نے حضرت مفتی محمد صادق صاحب کو اس کام کی سرانجام دہی کیلئے مقرر فرمایا۔ آپ کے ساتھ حضرت شیخ غلام احمد صاحب واعظ بھی بھجوائے گئے۔

قبولیّت دُعا کا نشان ۱۲ جولائی ۱۹۱۲ء

جولائی ۱۹۱۰ء کا واقعہ ہے۔ جناب بابو عبد الحمید صاحب ریلوے آڈیٹر لاہور دفتر اکونٹنٹ جنرل ریاست پٹیالہ میں سپرنٹنڈنٹ تھے۔ ایک خاص کام کے لئے آپ کو لاہور میں تبدیل کرنے کی تجویز پیش ہوئی۔ اس تبدیلی کا تصور کر کے کئی وُجوہات کی بناء پر آپ کو سخت گھبراہٹ پیدا ہوئی۔ اور اسی گھبراہٹ میں آپنے حضرت خلیفۃ المسیح اول رض کی خدمت میں دُعا کے لئے خط لکھا۔ اس کا جو جواب حضور نے دیا۔ وہ درج ذیل ہے۔

"قادیان - ۱۲ جولائی ۱۹۱۰ء

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

---

۵ - بدر ۱۱ جولائی ۱۹۱۲ء -

آپ بہت استغفار کریں۔ اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی پر بھروسہ نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ کی یہ سُنت ہے۔ کہ جب انسان کسی دروازہ پر بھروسہ کر بیٹھتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ وہ دروازہ بند کر دیتا ہے۔

کیا آپ نے نہیں دیکھا۔ کہ بڑے تاجروں کی دکان میں کبھی نقصان ہو جاتا ہے۔ تا کہ وہ تجارت پر گھمنڈ نہ کریں۔ زمیندار کا خرمن جلتا ہے۔ اسی طرح ایک حال سے دوسرے حال پر بدلاتا ہے یہاں تک کہ اللہ پر ہی بھروسہ ہو جائے۔ آپ ذرہ بھی نہ گھبرائیں۔ اللہ تعالیٰ خالق، رازق انشاء اللہ تعالیٰ ہرگز ہرگز ہرگز آپ کو ضائع نہ کرے گا۔ والسلام۔ نورالدین ۱۲ر جولائی ۱۹۱۱ء"

اس وقت محترم جناب بابو صاحب کی عمر اسّی سال سے زیادہ ہے۔ آپکو ملازمت کرتے ہوئے ۶۲ سال سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے۔ شاید اتنی لمبی ملازمت کسی نے بھی نہ کی ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص الخاص فضل ہے کہ اس بڑھاپے میں بھی آپ کی ملازمت قائم ہے اور کام کرنے کی طاقت اور صلاحیت بھی آپ میں موجود ہے۔ اور یہ سب کچھ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ کی دُعا کا نتیجہ ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کی امتحان ایف۔ اے میں کامیابی آخری عشرہ جولائی ۱۹۱۲ء

جولائی ۱۹۱۲ء کے آخری عشرہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کو اللہ تعالیٰ نے ایف۔ اے کے امتحان میں کامیابی عطا فرمائی۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک

اس موقعہ پر آپ کی دین سے محبت کا ایک ایمان افروز واقعہ مکرم قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل سے سُنئے۔ آپ مارچ ۱۹۱۳ء کے رسالہ تشحیذ الاذہان میں بعنوان "دین کو دنیا پر مقدم کرو" تحریر فرماتے ہیں :-

"اس وقت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کے ایثار کا ایک واقعہ میرے پیش نظر ہے جس کے لئے میں اپنے دل محبت منزل میں غیر معمولی مسرت کا جوش پاتا ہوں۔ آپ نہایت کامیابی کے ساتھ گورنمنٹ کالج میں تعلیم پاتے تھے۔ ایف۔ اے پچھلے سال بہت تعریف کے ساتھ پاس کیا۔ اب بی۔ اے میں پڑھتے تھے کہ یکایک آپ پر وہ جذبہ غالب آیا جو اس خاندان کا اصلی ورثہ ہے اور جو اس دین کو دُنیا پر مقدم کرنے والے نوزدہ سالہ عزیز نوجوان نے دکھایا۔ وہ کیا کہ تمام اُن ترقیات کی اُمیدوں اور آرزؤں پر جو اس کالج کی تعلیم کے ساتھ وابستہ ہو سکتی ہیں سن رُشد کو پہنچتے ہی لات مار کر دین کو

ےلہ۔ بدر ۲۵ر جولائی ۱۹۱۲ء۔

دُنیا پر مقدم کر لیا۔ اور کالج سے نام کٹا کر قرآن و حدیث پڑھنے میں مشغول ہو گئے۔ میں کہ ابتداء
سے نیاز مندانہ تعلقات رکھنے والا ہوں اور اصل حالات و خیالات سے بوجہ بے تکلفی یقینی طور پر
اطلاع پا سکتا ہوں۔ اس فقرے کی لذت اب تک اپنے اندر پاتا ہوں کہ :۔

قاضی صاحب کالج تو پھر بھی مل جائے گا۔ مگر زندگی کا کچھ اعتبار نہیں۔ ممکن ہے کہ قرآن
و حدیث پڑھنے کا اور وہ بھی نور الدین ایسے پاک انسان سے پھر موقع نہ مل سکے۔ اس
لئے میں نے یہی بہتر جانا۔"

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس پڑھائی چھوٹنے کی وجہ کیا یہ ہے کہ خدانخواستہ صاحبزادہ صاحب
پڑھنے میں کمزور تھے یا وہاں کچھ مشکلات تھیں۔ ہرگز نہیں۔ بشیر احمد نے لیاقت اور اعلیٰ قابل رشک
کیریکٹر کا وہ سکہ جمایا تھا کہ اس کی آخری رپورٹ جو شہزادہ محمود کے پاس پہنچی ہے اس میں لکھا ہے :۔

"بہت عمدہ طالب علم۔ اور اس کا کالج کو چھوڑ جانا کالج کے لئے ایک نقصان ہے۔"

پس یہ ایثار کا ایک نمونہ ہے جو میں نے اپنے احبار کرام کے سامنے پیش کیا۔ اور ہمیں
ایسی ہی مثالوں کی ضرورت ہے .... صاحبزادہ صاحب آج کل اپنی دینی تعلیم کے علاوہ
ہیڈ ماسٹر ہائی سکول کے مشیر معاون۔ پڑھنے والے بچوں کے شفیق و مہربان مصلح اور بہت سے دینی
کام اپنے متعلق رکھتے ہیں۔ اور انگریزی سٹڈی بھی جاری ہے۔ احباب اپنے امام کے بیٹے
کے لئے دعا فرمائیں کہ وہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہوں۔"

حضرت صُوفی غلام محمد صاحب کی امتحان بی۔اے میں کامیابی

حضرت صُوفی غلام محمد صاحب جو بعد میں جزیرہ ماریشس میں
کامیاب مبلغ ثابت ہوئے اور واپسی پر ماریشسی کہلائے
اس زمانہ میں مدرسہ تعلیم الاسلام میں عربی ٹیچر تھے۔ انہوں نے
بھی پرائیویٹ طور پر بی۔اے کا امتحان پاس کیا۔ حضرت صُوفی صاحب ایک یتیم بچے تھے جب انہیں حضرت
چوہدری رستم علی صاحب قادیان میں لائے۔ آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت بھی کرتے
تھے اور مدرسہ تعلیم الاسلام میں پڑھتے بھی تھے۔ ایف۔اے پاس کر کے مدرسہ میں ہی عربی ٹیچر مقرر ہو گئے
حضرت مولوی عبد الکریم صاحب سیالکوٹی رضی اللہ عنہ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد جب ان کی بیوہ کی آپ سے
شادی ہونے لگی تو آپ ابھی طالب علم ہی تھے۔ مہر کا فیصلہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک رقعہ

کے ذریعہ یوں فرمایا کہ :-

"میرے نزدیک پانچ سو روپیہ مہر کافی ہے۔ لڑکا ہونہار ہے۔ اس پر کوئی بوجھ نہیں۔ امید ہے کہ اس کی لیاقت اور حیثیت اس مہر سے بہت زیادہ ہو جائے گی۔ میرے نزدیک اس سے کم ہرگز مناسب نہیں۔ اور زیادہ ہو۔ تو مضائقہ نہیں۔ والسلام۔ مرزا غلام احمد عفی اللہ عنہ۔"

(بدر پرچہ یکم اگست ١٩١٢ء)

حضرت صوفی صاحب موصوف ماریشس سے واپسی کے بعد ایک عرصہ تک تعلیم الاسلام ہائی سکول میں ٹیچر رہے۔ آپ محلہ دارالرحمت کی مسجد میں امام الصلوۃ تھے۔ قرآن کریم اس خوبی اور ترنم کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ کہ پرانے احباب کے بیان کے مطابق حضرت مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹی رضی اللہ عنہ کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ ہجرت کے بعد لاہور میں آپ کی وفات ہوئی۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔



آٹھواں باب

مدرسہ تعلیم الاسلام کی بُنیاد۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد کا سفرِ حج حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کی ایمان افروز باتیں۔ الفضل کا اجراء اور حضرت خلیفۃ المسیح کا چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کے نام خط

مدرسہ تعلیم الاسلام کی بُنیاد ۲۵ جولائی ۱۹۱۲ء

۲۵ جولائی ۱۹۱۲ء کی صبح کو حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ نے صاحبزادگان حضرت مسیح موعود کی معیت میں تین جگہوں پر مدرسہ تعلیم الاسلام کی بنیادی اینٹیں رکھیں۔ مشرقی کونے پر مغربی کونے پر اور درمیانی ہال کے مشرقی کونے پر۔ پہلے دعا کر کے حضرت خلیفۃ المسیح خود اینٹ رکھتے اور پھر تین اینٹیں صاحبزادگان حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب اور حضرت صاحبزادہ مرزا شریف صاحب سے رکھواتے۔ اول و آخر بہت دُعا کی جاتی۔ اس طرح چھ بار دُعا کی گئی۔ دُعا کے وقت بارانِ رحمت کا تقاطر دُعا کی قبولیت کا نشان ہو رہا تھا۔ اکبر شاہ خان صاحب (نجیب آبادی) اینٹیں لے کر حضرت رضی اللہ عنہ کو پکڑاتے تھے۔ بنیاد میں کھڑے ہو کر پہلے حضرت نے فرمایا۔

"میں نے کہیں پڑھا ہے۔ کہ چالیس آدمی مل کر دعا کریں۔ تو اللہ تعالیٰ قبول کرتا ہے۔ اب ہم بہر حال خدا تعالیٰ کے فضل سے چالیس سے زائد ہیں۔ (مہاجرین و بورڈران سب حاضر تھے) ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جنہوں نے کوئی غلطی کی ہو گی۔ وہ سب پہلے اپنے گناہوں سے توبہ کر لیں پھر ہم سب مل کر دعا کریں گے کہ اللہ تعالیٰ اس مدرسہ سے نیک ہدایت یافتہ اور دین کے خادم پیدا کرے بدکردار اور دوسروں کو خراب کرنے والے لڑکے یہاں نہ آویں اگر آویں تو خدا تعالیٰ انہیں توبہ نصیب کرے۔ اصل غرض اس مدرسہ کی یہی ہے کہ یہاں سے متقی اور صالح بچے دنیا میں پھیلیں۔"

اس کے بعد دُعا ہوئی۔ دُعا کے بعد فرمایا:۔

میں نے تمہارے لئے اور آئندہ نسلوں کے لئے سب کے واسطے دُعا کی ہے۔"

اس کے بعد حضرت صاحب بورڈنگ میں تشریف لائے۔ جہاں اکبر شاہ خاں صاحب (سپرنٹنڈنٹ) اپنے بہت دوستوں کے ساتھ پہلے پہنچ چکے تھے۔ اور سب نے گیٹ پر حضرت صاحب کو اہلاً وسہلاً و مرحبا تین بار کہا۔ حضرت نے چند کمرے دیکھے۔ اور گاڑی میں واپس تشریف لائے۔ جناب ایڈیٹر صاحب "بدر" دعا کے وقت کی کیفیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

"دعا کے وقت کا سماں قابل دید تھا۔ مبارک ہیں وہ جنہیں اس میں شمولیت نصیب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ استقامت عطا کرے۔ یہ وہ قادیانی گھڑیاں ہیں جن کی خاطر باہر کی سب دولتیں چھوڑ کر مہاجرین بیٹھے ہیں۔ ایسی نعمت آج مشرق و مغرب میں اور جگہ نہیں۔"[1]

گورنمنٹ کی تعمیر میں امداد

یہ امر خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ گورنمنٹ نے بھی اس مدرسہ کی تعمیر کے لئے تیس ہزار کی خطیر رقم دینے کا وعدہ فرمایا۔ اور ۲۷ فروری ۱۹۱۳ء کے پرچہ بدر میں لکھا ہے کہ گورنمنٹ نے اس میں سے پندرہ ہزار روپیہ ادا کر دیا۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی مساعی جمیلہ کے ماتحت نوجوانوں کا عربی زبان میں تقریر کرنے کی مشق کرنا

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب جہاں صدر انجمن احمدیہ کے پریذیڈنٹ تھے اور دیگر جماعتی کاموں میں بھی خدا تعالےٰ کے فضل سے ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔ وہاں مدرسہ احمدیہ کے بھی انچارج تھے اور طالب علموں کی فلاح و بہبود میں ہمیشہ ساعی رہتے تھے۔ آپ نے عربی زبان کو ترویج دینے کے لئے ایک ایسی انجمن بنائی ہوئی تھی جس کے تمام ممبر عربی زبان میں تقریر کرنے کی مشق کرتے رہتے تھے۔ اور جب کوئی عرب قادیان میں آتا تھا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ جاتا تھا۔ کہ یہاں کے اکثر نوجوان بڑی سلاست کے ساتھ عربی بول اور لکھ سکتے ہیں۔[2]

چھوٹے چھوٹے ٹریکٹ اور رسالے لکھنے کا ارشاد

حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ چونکہ ہر وقت اسلام کی اشاعت کے سلسلہ میں بے قرار رہتے تھے اس لئے آپ احباب کو بھی تحریک فرماتے رہتے تھے کہ جہاں آپ لوگ غیر از جماعت احباب کو زبانی تبلیغ کرتے ہیں۔ وہاں غیر مسلموں میں تبلیغ کرنے کے لئے چھوٹے چھوٹے ٹریکٹ اور رسالے بھی لکھ کر شائع کیا کریں۔ حضور کی اس تحریک کا ذکر کرتے ہوئے جناب ایڈیٹر صاحب "بدر" لکھتے ہیں :۔

---

[1] بدر مورخہ یکم اگست ۱۹۱۳ء صـ۲۔ [2] بدر پرچہ یکم اگست ۱۹۱۲ء صـ۳۔

جو صاحب خود انتظام نہ کر سکیں۔ یا اپنے نام پر شائع نہ کر سکتے ہوں۔ وہ مضمون لکھ کر دفتر "بدر" میں بھیج دیں۔ چھپوائی اور تقسیم کرائی کا خرچ ساتھ بھیج دیں۔ ہم انتظام کر دیں گے۔ سب احباب کو چاہیئے کہ اس ثواب میں شریک ہوں۔ پہلے دُعا کریں۔ بہت دُعا کریں۔ پھر مضمون لکھیں۔ خالصتاً رضائے الٰہی کے لئے۔ اسلام کی نصرت کے واسطے۔ لاہور اور بڑے شہروں کے دوست تو تمام انتظام بخوبی وہیں کر سکتے ہیں۔ ایسے تمام ٹریکٹوں کا نوٹس اخبار "بدر" میں مُفت شائع ہوتا رہے گا۔"

حضرت کے اس ارشاد کی تعمیل میں جماعت کے اہل قلم احباب نے دھڑا دھڑ ٹریکٹ لکھ کر چھاپنے شروع کر دیئے۔ احباب کو یاد ہوگا۔ کہ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے وصال سے کچھ عرصہ پیشتر "مجمع الاخوان" کے نام سے ایک تنظیم قائم کرنا چاہی تھی۔ مگر یہ تنظیم آپ کے جلدی خلیفۃ المسیح بن جانے کی وجہ سے اس رنگ میں تو غالباً قائم نہ ہو سکی جس رنگ میں آپ قائم کرنا چاہتے تھے۔ مگر جماعت میں مختلف انجمنیں اس نام کی پیدا ہو گئیں جنہوں نے ٹریکٹوں اور دوسری شکلوں میں کام کرنا شروع کر دیا۔

کیا مرزا صاحبؑ عالم تھے

کسی مولوی نے سوال کیا کہ کیا مرزا صاحب عالم تھے؟ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ :-

"ظاہری علوم میں کوئی ایسے عالم نہ تھے۔ ایک مولوی گل علیشاہ شیعہ بٹالہ کے رہنے والے معمولی مولوی تھے۔ لڑکپن میں مرزا صاحب کے والد صاحب نے ان کے پاس بٹھایا تھا۔ ہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا علم بخشا تھا۔ کہ آپ کی عربی کتابوں کے مقابلے میں ہند و عرب کے عُلماء عاجز آ گئے تھے۔ آپ کو دُعا پر بہت بھروسہ تھا۔ اور دُعا سے خُدا نے تمام علوم آپ کو سکھا دیئے تھے۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خود عُلوم سکھاتا ہے

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بھی حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ کے شاگرد تھے۔ حضرت خلیفہ اول چونکہ جانتے تھے کہ آپ اللہ تعالیٰ نے اکناف عالم میں اسلام کی اشاعت کروانی ہے اور ظاہری اور باطنی علوم سے آپ کو نوازنا ہے۔ اس لئے آپ نے ظاہری اسباب سے کام لینے کی رعایت کی وجہ سے آپ کو سرسری طور پر

---

۵ - پرچہ بدر ۲۲ اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۲ - ۵۲ - بدر ۲۲ اگست ۱۹۱۲ء۔

قرآن کریم اور بخاری شریف کا ایک دور کروا دیا تھا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں :۔

(میں نے) قرآن کریم کا ترجمہ آپ (حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ) سے چھ ماہ میں پڑھا۔ میرا گلا چونکہ خراب رہتا تھا۔ اس لئے حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ مجھے پڑھنے نہیں دیتے تھے۔ آپ خود ہی پڑھتے جاتے تھے۔ اور میں سنتا جاتا تھا۔ اور چھ ماہ یا اس سے کم عرصہ میں سارے قرآن کریم کا ترجمہ آپ نے پڑھا دیا۔ پھر تفسیر کی باری آئی تو سارے قرآن کریم کا آپ نے ایک مہینہ میں دور ختم کر دیا۔ اس کے بعد بھی میں آپ کے درسوں میں شامل ہوتا رہا ہوں لیکن پڑھائی کے طور پر صرف ایک مہینہ ہی پڑھا ہوں۔ پھر آپ نے مجھے بخاری پڑھائی۔ اور تین مہینہ میں ساری بخاری ختم کرا دی۔ حافظ روشن علی صاحب بھی میرے ساتھ درس میں شامل ہو گئے تھے۔ وہ بعض دفعہ سوالات بھی کرتے تھے۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ اُن کے جوابات دیتے تھے۔ حافظ صاحب ذہین تھے اور بات کو پھیلا پھیلا کر لمبا کر دیتے تھے۔ انہیں دیکھ کر مجھے بھی شوق آتا کہ میں بھی اعتراض کروں۔ چنانچہ ایک دو دن میں نے بھی بعض اعتراضات کئے۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضؓ نے اُن کے جوابات دئے لیکن تیسرے دن جب میں نے کوئی اعتراض کیا۔ تو آپ نے فرمایا :۔

"میاں! حافظ صاحب تو مولوی آدمی ہیں۔ وہ سوال کرتے ہیں تو میں جواب بھی دیدیتا ہوں لیکن تمہارے سوالات کا میں جواب نہیں دُوں گا۔ مجھے جو کچھ آتا ہے تمہیں بتا دیتا ہوں۔ اور جو نہیں آتا وہ بتا نہیں سکتا۔ تم بھی خُدا کے بندے ہو۔ اور میں بھی خُدا کا بندہ ہوں تم بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں شامل ہو۔ اور میں بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں شامل ہوں۔ اسلام پر اعتراضات کا جواب دینا صرف میرا ہی کام نہیں تمہارا بھی فرض ہے کہ تم سوچو اور اعتراضات کے جوابات دو۔ مجھ سے مت پوچھا کرو۔"

چنانچہ اس کے بعد میں نے آپ سے کوئی سوال نہیں کیا۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ سب سے زیادہ قیمتی سبق یہی تھا۔ جو آپ نے مجھے دیا۔"[۱]

شوقِ کتب بینی

فرمایا۔ مجھے کتابوں کا اس قدر شوق ہے کہ بعض کتابوں کے کئی نسخے میرے پاس جمع ہو جاتے ہیں۔ ایک دفعہ اس قسم کی مکرر تفسیریں "انجمن حمایت اسلام" کو دی تھیں۔ پھر بہت ہو گئیں۔ وہ "انجمن نعمانیہ" کو دیدی تھیں۔ ارادہ ہے کہ اس سال پھر صفائی کر دیں گے اور نکال

۱؎ ۔ الفضل مورخہ ۱۲؍ اکتوبر ۱۹۶۰ء ۔

دیں گے"[1]

یہ امر اہل علم سے مخفی نہیں کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضؓ کی لائبریری میں تفسیر، حدیث، اسماء الرجال، فقہ، اصول فقہ، کلام، تاریخ، تصوف، سیاست، منطق، فلسفہ، صرف و نحو، ادب، کیمیا، طب، علم جراحی، علم ہیئت اور غیر مذاہب کی نادر کتابیں موجود تھیں۔ اور جیسا کہ پیچھے گذر چکا ہے آپ نے متعدد نادر قلمی نسخے نقل کرنے کے لئے اپنے ایک قابل شاگرد حضرت مولوی غلام نبی صاحب مصری کو بھوپال اور مصر میں بھی بھیجا تھا۔ پنجاب اور ہندوستان کے اہل علم کو چونکہ آپ کی اس لائبریری کا خوب علم تھا۔ اس لئے سر سید اور علامہ شبلی نعمانی جیسے علماء بھی اس سے فائدہ اٹھایا کرتے تھے۔ بلکہ ایک مرتبہ جب سر شاہ محمد سلیمان جج فیڈرل کورٹ آف انڈیا کو جو ایک علم دوست آدمی تھے سپین کی ایک نادر کتاب کی ضرورت پیش آئی۔ اور ہندوستان بھر کی کسی مشہور لائبریری میں انہیں یہ کتاب میسر نہ آسکی تو آخر انہیں پتہ لگا کہ اس کا ایک قلمی نسخہ قادیان میں موجود ہے جس پر انہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کی اجازت سے اس کا یہ نسخہ عاریۃً حاصل کیا۔ اور پھر بحفاظت واپس بھجوا دیا۔

حضرت خلیفہ اول رضؓ فرمایا کرتے تھے کہ خارجیوں کی ایک کتاب ۹۲ جلدوں میں ہے جو ہمارے کتب خانہ میں موجود ہے۔ ایک دفعہ ایک سیاح یہاں آیا تو کہنے لگا میں استنبول وغیرہ کے کتب خانے دیکھ چکا ہوں۔ میں اسے ساتھ لے گیا تو یہ کتاب دیکھ کر وہ بھی حیران رہ گیا۔[2]

مجھے خوب یاد ہے جب قادیان کے زمانہ میں متعدد غیر ملکی سیاح قادیان آیا کرتے تھے تو سب سے زیادہ جو بات انہیں تعجب میں ڈالا کرتی تھی۔ وہ قادیان کی لائبریری تھی۔ اور وہ یہ دیکھ کر حیرت زدہ ہو جایا کرتے تھے کہ اس چھوٹے سے گاؤں میں اتنی عظیم الشان لائبریری کہاں سے آگئی۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کا مصر جانے کا ارادہ اور ممبران انصار اللہ کے نام ایک چٹھی

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے عبدالحی صاحب عرب کے ساتھ ترقی معلومات و علوم عربیہ کی خاطر مصر جانے کا ارادہ فرمایا۔ اور اس موقعہ پر ممبران انصار اللہ کے نام ایک چٹھی لکھی۔ جس میں انہیں آپس میں محبت اور پیار سے رہنے کی تلقین کی۔ اور فرمایا کہ

"میں نے مناسب سمجھا کہ آپ لوگوں کو جنہوں نے خاص طور پر میرے ساتھ عہد اخوۃ باندھا

---

[1] بدر ۱۹ ستمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۔ [2] بدر جلد ۹ نمبر ۲۵/۲۶ صفحہ ۵

ہے۔ یہاں سے جاتی دفعہ اپنے دردِ دل سے آگاہ کرتا جاؤں۔ شاید کسی دل میں وہ آگ جو میرے دل میں ہے کچھ اثر پیدا کرے اور وہ دین کی کس مپرس حالت میں اس کی مدد کرے کیسا افسوس اور کیسے غضب کی بات ہے۔ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی جیسے انسان کی دنیا ہتک کر رہی ہے۔ قرآن شریف جیسی کتاب سے تمسخر کر رہی ہے۔ اور لوگ خواب غفلت میں پڑے ہیں۔ ہمارے دل کیوں مر گئے۔ اور ہماری غیرتیں کہاں گئیں خدارا کمر ہمت کسو۔ اور اپنے اپنے لنگ میں اسلام جیسے خوشنما اور سچے مذہب کو دنیا کے سامنے پیش کر کے لوگوں سے پوچھو تو سہی کہ آخر اس میں کونسا نقص دیکھا کہ جس سے تمہیں یہ شکوک پڑ گئے"

آخر میں فرمایا کہ :۔

میرا جانا گو بہت حد تک اپنی صحت کی درستی اور عربی کی تحقیق کے لئے ہے۔ لیکن اللہ تعالےٰ سے امید کرتا ہوں کہ وہ تبلیغ کے لئے بھی کوئی نہ کوئی راہ کھول دیگا۔ علاوہ ازیں کچھ اور اسباب بھی ہیں جن کا ذکر کرنا شاید مناسب نہ ہو"[1]

جلسۃ الوداع ۲۵ ستمبر ۱۹۱۲ء

چونکہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب ۲۶ ستمبر کو مکہ معظمہ مدینہ منورہ، بیت المقدس اور مصر وغیرہ کے سفر کے لئے روانہ ہونے والے تھے۔ اس لئے اس تقریب پر حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب اور محترم منشی چراغ الدین صاحب کی تحریک پر قادیان میں ایک الوداعی جلسہ منعقد کیا گیا جس میں حضور خلیفۃ المسیح الاول بھی تشریف لائے۔ پہلے حضرت صوفی غلام محمد صاحب بی۔ اے نے خوش الحانی سے قرآن کریم کی تلاوت کی۔ بعدہٗ محترم شیخ محمود احمد صاحب عرفانی پسر حضرت شیخ یعقوب علی صاحب ایڈیٹر "الحکم" نے جلسہ کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ مسیح کے معنی ہیں سیاحت کرنے والا۔ پہلے مسیح نے بھی مصر سے لے کر تبت تک سفر کیا تھا اور حضرت مسیح موعودؑ نے بھی ہند میں بہت سیاحت کی تھی۔ اب صاحبزادہ صاحب بھی اسی طریق پر ایک لمبے سفر پر جاتے ہیں۔ صاحبزادہ صاحب ہمارے مدرسہ کے افسر بھی تھے۔ اب آپ کی جگہ بھی ایک دردمند دل رکھنے والے صاحب مولوی شبیر علی صاحب ہمارے افسر مقرر ہوئے ہیں۔

اس کے بعد (حضرت) ماسٹر عبدالرحیم صاحب (نیر) نے سورہ فاتحہ کے بعد اپنی تقریر میں فرمایا۔

حضرت خلیفۃ المسیحؓ کے ایام علالت میں ایک دن میں نے گھبرا کر بہت دعا کی تو میں نے خواب

---

[1] ۔ بدر ۱۹ ستمبر ۱۹۱۲ء صلا ۔

میں حضرت خلیفۃ المسیح کو دیکھا۔ کہ میاں صاحب بشیرالدین محمود احمد کو پکڑے ہوئے ہیں اور فرماتے ہیں۔

"پہلے بھی اوّل تھے۔ اب بھی اوّل ہیں"۔

تب سے میری طبیعت میں ایک خاص تغیر نیکی کی طرف اور میاں صاحب کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کا ہے میاں صاحب اس پاک سرزمین مکہ اور مدینہ میں ہمارے واسطے دعا کریں اور انبیاء کے مسکن بیت المقدس میں بھی ہمارے لئے دعائیں کریں۔ مصر میں موسیٰ نے فرعون کو غرق کیا تھا۔ میاں صاحب بھی وہاں اپنی پاک نصائح پھیلا کر شیطان کو غرق کریں گے"۔

حضرت ماسٹر نیر صاحب کی تقریر کے بعد دو طالبعلموں جناب سالک اور دانشمند نے نظمیں پڑھیں[1] اور پھر حضرت میاں صاحب نے کلمہ شہادت اور سورہ فاتحہ پڑھ کر فرمایا:۔

مسلمانوں میں رواج ہے۔ کہ یہ کلمہ اور دعائیں خطبہ میں پڑھتے ہیں اور مسلمانوں کا پہلا کام یہی ہے۔ اس میں خدا کے وجود کا اقرار، اس کی توحید اور رسالت کا اقرار ہے۔ اور اپنی کمزوریاں سے ڈر کر خدا کی پناہ! اور اپنے تمام کاموں میں خدا کے نام اور خدائی صفات کے جلال کے اظہار کی دعا اور توفیق دعا کے واسطے دعا ہے۔ اور منعم علیہ گروہ کا راستہ اپنے لئے مانگا گیا ہے میرے اس سفر کے متعلق ممکن ہے۔ میرے دل میں بھی اُمنگیں ہوں کہ میں بڑی بڑی دینی خدمات کروں گا۔ اور میرے دوستوں کے دل میں بھی ایسے ہی خیالات ہیں۔ مگر سب باتیں اللہ ہی کے اختیار میں ہیں اس کے فضل کے سوائے کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ اُسی کا ایک در ہے جس کے بالمقابل سب دَر ہیچ ہیں۔ اس واسطے ہم سب کو ایک دوسرے کے واسطے دعائیں کرنی چاہئیں۔ یہی کامیابی کی چابی ہے میں اپنے دوستوں اور بزرگوں کی خدمت میں بھی یہی عرض کرتا ہوں کہ سب میرے واسطے دعا کریں یہی بڑا تحفہ اور بڑی مدد ہے۔ میرے دل میں مدت سے خواہش تھی۔ کہ مکہ معظمہ جو خدا کے بڑے پیارے دل کی جگہ ہے وہاں جاکر دعائیں کروں۔ کہ مسلمان اس وقت بہت ذلیل ہو رہے ہیں اے خدا قوم نے تجھ کو چھوڑا۔ نہ دین رہا نہ دنیا رہی۔ کوئی تدبیر ان کی اصلاح کی کارگر نہیں ہوتی۔ اس جگہ تو نے ابراہیمؑ کو وعدہ دیا تھا اور اس کی دعا کو قبولیت کا شرف بخشا۔ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کو قبول کیا تھا۔ آج پھر وہی دعائیں ہمارے لئے قبول فرما۔ اور اہل اسلام کو عزت اور ترقی عطا کر۔ جب ہماری دعائیں ایک حد تک پہنچیں گی۔ تو وہ قبول ہوں گی۔ میں اپنے دوستوں

[1] یہ نظمیں بدر ۱۰۔ اکتوبر ۱۹۱۲ء کے صفحہ ۷ پر درج ہیں۔

سے دعا ہی کی درخواست کرتا ہوں۔ دشمن بڑا زبردست ہے اور ہم کمزور! مگر ہمارا محافظ بھی بڑا زبردست ہے۔"

اس کے بعد حضرت خلیفۃ المسیحؓ نے ایک مختصر تقریر کی اور فرمایا:۔

آج کل مسلمانوں نے خدا کو چھوڑا ہے۔ ان میں اصلاح نہیں۔ خدا نے بھی اُن کو چھوڑ دیا ہے۔

فرمایا۔ اس جلسہ کا مدعا اصل یہ ہے کہ دعا بہت کی جائے۔ سب نے دعا کی۔[۱]

سفر پر روانگی
۲۶۔ ستمبر ۱۹۱۲ء

۲۶۔ ستمبر بروز جمعرات حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب معہ محترم عبدالحی صاحب عرب حرمین شریفین، بیت المقدس اور مصر کے لئے عازم سفر ہوئے۔ اہل قادیان کی ایک بڑی جماعت بٹالہ تک ساتھ گئی۔ بعض احباب امرتسر اور لاہور تک بھی مشایعت کے لئے گئے۔ راستہ کے اسٹیشنوں پر بھی کثیر تعداد میں احباب ملاقات کے لئے آتے رہے اور اس طرح آپ ہزارہا دردمند قلوب کی دعاؤں کے ساتھ اس مقدس اور اہم سفر پر روانہ ہوئے۔ یہ امر خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی بمبئی تک آپ کے ساتھ مشایعت کے لئے گئے۔

حضرت میر ناصر نواب صاحب کی حج کو روانگی

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب اور مولوی فاضل عبدالحی عرب کی روانگی کے بعد حضرت میر ناصر نواب صاحب بھی بارادہ حج بمبئی پہنچ گئے۔ حضرت صاحبزادہ صاحب کا ارادہ چونکہ پہلے مصر جانے کا تھا۔ اس لئے جدہ میں یہ دونوں بزرگ اکٹھے ہو گئے۔

گناہ سے بچنے کے ذرائع

فرمایا: "میں نے کئی ایک بزرگوں سے خود دریافت کیا ہے۔ کہ انسان گناہ سے کس طرح بچ سکتا ہے؟ مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نے فرمایا۔ کہ انسان موت کو یاد رکھنے سے بچ جاتا ہے۔ ایک میرے استاد میرے پیر تھے۔ جن سے بیعت بھی تھا اور ان کا نام عبدالغنی تھا۔ اُنہوں نے فرمایا کہ جو انسان ہر وقت خدا تعالیٰ کو سامنے رکھتا ہے۔ وہ بچ جاتا ہے۔

مرزا صاحب مسیح موعود علیہ السلام بھی میرے پیر ہی تھے۔ اُن سے بھی میں نے بیعت کی ہوئی تھی۔ ان سے میں نے سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ آدمی بہت کثرت سے استغفار کرنے

---

[۱] بدر ۱۰؍ اکتوبر ۱۹۱۲ء۔

سے بچ جاتا ہے۔ مدت کی بات ہے۔ایک مرتبہ میرے دل میں ایک گناہ کا ارادہ ہوا یہاں تک کہ میرا نفس شریعت میں اس کے جواز کے لئے حیلے بہانے تلاش کرنے لگا۔تب میں نے یہ علاج کیا۔کہ چھوٹی چھوٹی حمائلیں قرآن شریف کی لے کر اپنے سامنے اور ار دگرد ایسے مقاموں پر لٹکا دیں۔جہاں کہ جلد جلد میری نظر پڑتی رہے۔اور اپنی جیبوں میں بھی میں نے رکھ لیں جب اس گناہ کا میرے دل میں خیال پیدا ہوتا۔تو ان حمائلوں میں سے کسی ایک کو دیکھتا اور کہتا کہ دیکھ تُو اس کتاب پر ایمان لایا ہے۔اور پھر اس قسم کا خیال تیرے دل میں آتا ہے۔ پھر فرمایا۔کہ ایسا کرنے سے مجھے شرم آجاتی تھی۔یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے وہ خیال میرے دل سے دُور کر دیا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کے ان ارشادات سے پتہ چلتا ہے کہ گناہ سے بچنے کے کئی علاج ہیں۔ موت کو یاد رکھنا۔ قرآن کریم کو پاس رکھنا۔کثرت استغفار کا تو آپ نے یہاں ذکر کیا ہے۔پھر اسی صفحہ پر آگے چل کر فرماتے ہیں کہ

> الصادقین پر عمل اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرنا بھی گناہ سے بچنے کے ذرائع میں سے ہے۔غرض کسی شخص پر ایک بات زیادہ اثر کرتی ہے اور کسی پر دوسری۔انسان اگر کوشش میں لگا رہے تو آخر کامیاب ہو ہی جاتا ہے۔[۱]

حضرت مولانا عبدالواحد صاحب آف برہمن بڑیہ (بنگال) کی بیعت — یکم نومبر ۱۹۱۲ء

حضرت مولانا سید عبدالواحد صاحب برہمن بڑیہ ضلع ٹیپارہ بنگال کے مشہور و معروف عالم تھے۔اُن کی بیعت کا واقعہ یوں ہے کہ ۱۹۰۳ء میں وہاں کے ایک وکیل منشی محمد دولت خاں نے حضرت حکیم محمد حسین صاحب قریشی سکنہ لاہور کی ایجاد کردہ ایک ٹانک دوا مفرح عنبری بذریعہ پارسل منگوائی۔حضرت حکیم صاحب نے حسب معمول اس پارسل میں ظہور مسیح و مہدی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعاوی سے متعلق بعض اشتہارات رکھ دیئے۔وکیل صاحب موصوف نے وہ اشتہارات بغرض تحقیق برہمن بڑیہ کے قاضی و مقامی ہائی سکول کے ہیڈ مدرس حضرت مولانا سید عبدالواحد صاحب کو دیدیئے۔حضرت مولانا موصوف نے بڑے اشتیاق اور سنجیدگی کے ساتھ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں تحقیقات شروع کر دی۔

---

[۱] بدر۔۱۷ راکتوبر ۱۹۱۲ء صـ۳

جو ۱۹۰۳ء سے لیکر ۱۹۱۲ء تک جاری رہی۔ اس سلسلہ میں ان کی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ بھی خط وکتابت جاری رہی۔ چنانچہ براہین احمدیہ حصہ پنجم میں حضرت اقدس نے ان کے سوالات کا مفصل جواب دیا ہے۔ حضور نے انہیں یہ بھی لکھا تھا کہ اگر آپ قادیان تشریف لے آئیں تو ہم آپکے آمد ورفت کا خرچ خود برداشت کریں گے۔ مگر مولانا حضور کی زندگی میں تشریف نہ لا سکے۔

۱۹۰۸ء کے آخر میں علاقہ برہمن بڑیہ کی پبلک نے ایک اشتہار کے ذریعہ تمام علماء کو برہمن بڑیہ کی عیدگاہ میں ایک مقررہ تاریخ پر جمع ہو کر اس بات کا فیصلہ کرنے کی دعوت دی کہ جس مدعی کی صداقت معلوم کرنے کیلئے مولوی سید عبدالواحد صاحب تحقیقات کر رہے ہیں۔ آیا وہ سچا ہے یا نہیں؟

اس موقعہ پر سینکڑوں روپیہ کے صرف سے غیر احمدیوں نے کلکتہ سے مولوی عبدالوہاب صاحب بہاری اور دوسرے بڑے بڑے مولویوں کو بلایا۔ مگر جلسہ میں مقررہ امور پر گفتگو کرنے کی انہیں جرأت نہ ہوئی۔ اس کے بعد حضرت مولانا کا شوق اور ترقی کر گیا۔ آخر ۱۹۱۲ء میں علاقہ برہمن بڑیہ کے تمام باشندوں نے آپکو تین افراد کے ہمراہ ٹھوس تحقیقات کر کے کسی صحیح فیصلہ پر پہنچنے کے لئے قادیان روانہ کیا۔

مولانا موصوف راستہ میں لکھنؤ، بریلی، شاہجہانپور، ٹونک اور دہلی کے علماء مثلاً مولانا شبلی نعمانی۔ مولوی عبداللہ صاحب، مولوی احمد رضا خاں بریلوی، مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے ساتھ اختلافی مسائل کے بارہ میں تبادلہ خیالات کرتے ہوئے قادیان پہنچے۔ اور دو ہفتہ قیام کر کے بالآخر یکم نومبر ۱۹۱۲ء کو بعد نماز جمعہ اپنے تمام ساتھیوں سمیت حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے سلسلہ عالیہ احمدیہ میں شامل ہو گئے۔ فالحمد للہ علی ذالک۔

آپ کی مشہور و معروف روحانی شخصیت کا علاقہ برہمن بڑیہ کے لوگوں پر خاص اثر ہوا۔ اور وہاں کے سینکڑوں باشندوں نے بہت جلد بیعت کر لی[1]۔

آپ نے اپنے اس سفر کے دلچسپ حالات اپنی خودنوشت آپ بیتی رسالہ "جذبۂ حق" میں شائع کئے ہیں۔ آپ بیتی مذکور پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

آپ ۱۹۲۶ء میں بمقام برہمن بڑیہ فوت ہوئے۔ آپ کی قبر اس جامع مسجد کے صحن کے ایک کونے میں تیار کروائی گئی جس کے آپ امام اور خطیب تھے۔ ۱۹۶۱ء کے آخر میں جب محترم مولانا قمرالدین صاحب فاضل اور خاکسار نے نظارت اصلاح وارشاد کی طرف سے مشرقی پاکستان کا دورہ کیا تو ہم نے اپنی

---

[1] ۔ بدر ۲۵ ستمبر ۱۹۱۳ء صٓ ۔

آنکھوں سے وہ مسجد دیکھی۔ حضرت مولانا کی قبر پر دُعا کرنے کا موقعہ بھی ملا۔ نماز جمعہ بھی وہاں پڑھی۔ یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ حضرت مولانا کے اثر و رسوخ کا یہ عالم تھا۔ کہ اس محلہ کا نام ہی "مولوی پاڑہ"[5] مشہور ہے اور ٹاؤن کمیٹی کے رجسٹر میں بھی یہی نام درج ہے۔ اُن کی اولاد میں محترم مولانا سید اعجاز احمد صاحب سلسلہ کے مُربی ہونے کی وجہ سے خاص طور پر مشہور ہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ کی بعض قیمتی نصائح

۱۔ اپنے اندر تبدیلی پیدا کرنے کے لئے استغفار۔ لاحول۔ الحمدللہ اور درود کو بہت توجہ سے پڑھو۔

۲۔ متکبر۔ منافق۔ کنجوس۔ غافل۔ بے وجہ لڑنے والے۔ کم ہمت، مذہب کو لہو و لعب سمجھنے والے اور بے باک لوگوں سے تعلق نہ رکھو۔

۳۔ نماز مومن کا معراج ہے۔ تمام عبادتوں کی جامع ہے۔ کبھی اس میں غفلت نہ کرو۔ بے کس اور بے بس لوگوں کے ساتھ سلوک کیا جاوے۔

۴۔ اپنے فرض منصبی کے ادا کرنے اور اپنے بڑوں کے ادب اور اپنے برابروں کی مدارات بقدر امکان کرو۔

۵۔ والدین اور افسروں کے راضی رکھنے میں کوشش کرو۔ جہاں تک دین اجازت دیوے۔

۶۔ باہمی تعارف بڑھاؤ۔

۷۔ انگریزی اور عربی بولنے کی مشق کرو۔ اور عادت ڈالو۔

۸۔ ہر کام احتیاط اور عاقبت اندیشی سے کرو۔

۹۔ نیک نمونہ بنو۔

۱۰۔ جو کام ہو۔ صرف اللہ ہی کے لئے ہو۔ کھانا ہو یا پہننا۔ سونا ہو یا جاگنا۔ اٹھنا ہو یا بیٹھنا۔ دوستی ہو یا دشمنی۔

۱۱۔ ہر ایک مشکل میں دُعا سے کام لو۔

۱۲۔ پھر جاذب بنو۔ اور جماعت بنو۔ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنھون عن المنکر۔

اے میرے رحیم خُدا مجھے ان پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ رب اجعلنی کاسمی۔

---

[5] ۔ پاڑہ بنگلہ میں محلہ کو کہتے ہیں۔

فرمایا۔ گندے لوگ خود دُکھ پاتے ہیں۔ خُدا کی خُدائی میں اُن سے کوئی حرج واقع نہیں ہوتا۔[1]

خواجہ کمال الدین صاحب کا سفرِ ولایت

منکرین خلافت میں محترم خواجہ کمال الدین صاحب اچھے لیکچرار اور قانون دان ہونے کی وجہ سے خاص طور پر مشہور تھے۔ اور ان کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی تھی کہ اپنے مسلک کی تائید میں ایسے رنگ میں پروپیگنڈہ کیا جائے جس سے حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضؓ اور عمائدین مرکز کو اطلاع نہ ہو۔ اور اگر کبھی اطلاع ہو بھی جاتی تھی تو وہ عذر معذرت کر کے بلکہ معافی مانگ کر بھی معاملہ رفع دفع کروا دیتے تھے۔ جن ایام کا ہم ذکر کر رہے ہیں ان ایام میں خواجہ صاحب کی اہلیہ صاحبہ کا انتقال ہو گیا جس سے انہیں شدید صدمہ پہنچا۔ اس غم کو غلط کرنے کے لئے انہوں نے ہندوستان کا ایک لمبا دورہ کرنے کی تجویز کی۔ جب یہ وفد مختلف شہروں کا دورہ کرتے کرتے بمبئی پہنچا تو وہاں کے ایک احمدی رئیس کو ولایت میں کوئی کام درپیش تھا۔ اور وہ کسی معتبر آدمی کی تلاش میں تھے۔ انہوں نے خواجہ صاحب کو اس مقصد کے لئے موزوں سمجھ کر ایک بھاری رقم کے علاوہ کرایہ وغیرہ بھی دینے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ ایڈیٹر صاحب بدر اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اس سفر میں خواجہ صاحب کے لئے خدا تعالیٰ نے کچھ ایسے اسباب مہیا کر دئیے ہیں کہ وہ انگلینڈ تشریف لے جاتے ہیں۔"[2]

اور حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضؓ نے بھی خواجہ صاحب کو ولایت جاتے ہوئے جو نصائح کیں اُن میں بھی فرمایا

"بقدر طاقت اپنے کے دین کی خدمت ضرور کرو"[3]

مگر خواجہ صاحب چونکہ شہرت کے دلدادہ تھے۔ اس لئے انہوں نے یہ مشہور کرنا شروع کر دیا کہ وہ اپنی چلتی ہوئی پریکٹس کو چھوڑ کر محض اعلائے کلمۂ اسلام کے لئے ولایت جا رہے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اخبار "زمیندار" میں بھی اس قسم کا ایک اعلان کروایا جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ انہیں ولایت میں نہ کوئی سیٹھ بھیج رہا ہے نہ انجمن اور نہ کوئی غیر احمدی رئیس۔ بلکہ وہ تو محض اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے اپنا کام چھوڑ کر جا رہے تھے ظاہر ہے کہ یہ اعلان نہایت ہی ہوشیاری سے کیا گیا کیونکہ انہیں نہ تو کسی انجمن نے بھیجا تھا نہ کسی سیٹھ یا غیر احمدی رئیس نے۔ بلکہ وہ تو ایک احمدی رئیس کے کام گئے تھے۔ مگر اس اعلان سے وہ یہ تاثر پیدا کرنا چاہتے تھے۔ کہ وہ اپنے چلتے کام کو چھوڑ کر بہت بڑی قربانی کر کے محض تبلیغی کام کے لئے ولایت جا رہے ہیں حالانکہ

۱۔ بدر ۷ نومبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳ ۔ ۲۔ بدر ۵ دسمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۱ ۔ ۳۔ پیغام جلد اول نمبر ۱ صفحہ ۳ ۔

یہ بات بالکل غلط اور خلاف واقعہ تھی۔ بہر حال خواجہ صاحب گئے تو ایک پرائیویٹ کام کے لئے تھے مگر چونکہ احمدیت کے ساتھ منسلک ہونے کی وجہ سے وہ تبلیغ کے کام کو نظر انداز بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے اتفاق ایسا ہوا کہ ایک ہندوستانی مسلمان کی یورپین بیوی جو پہلے ہی اسلام کے قریب تھی۔ اُسنے خواجہ صاحب کے سمجھانے پر اسلام کا اعلان کر دیا۔ بس پھر کیا تھا۔ خواجہ صاحب کی اس کامیابی پر خود خواجہ صاحب نے بھی اور آپ کے ساتھیوں نے بھی یہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ خواجہ صاحب کو یہ کامیابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس کشف کے مطابق حاصل ہوئی ہے۔ جو حضور کی کتاب "ازالہ اوہام" جلد ۲ میں درج ہے۔ جس میں ولایت کے سفید پرندوں کے پکڑنے کا ذکر ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ تھی۔ کہ اس عورت کے مسلمان ہونے کا اس کشف سے قطعاً کوئی تعلق نہیں تھا۔ کیونکہ کشف سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پرندے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پکڑے ہیں۔ مگر خواجہ صاحب نے تو اُسے غالباً حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام بھی نہیں بتایا تھا۔ کیونکہ انہوں نے اس کامیابی کو مسلمانوں سے چندہ جمع کرنے کا ایک ذریعہ بنا لیا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ مُسلمان کبھی کسی احمدی کو اس امر کے لئے چندہ دینے کے لئے تیار نہیں ہوتے کہ وہ لوگوں کو احمدی بنائیں۔

دوسرا ذریعہ خواجہ صاحب نے اپنی شہرت کے لئے یہ اختیار کیا۔ کہ انہی ایام میں انہیں ایک پُرانے مُسلمان لارڈ ہیڈلے مل گئے۔ جو قریباً چالیس سال سے مُسلمان تھے۔ مگر انہیں کوئی ایسی سوسائٹی نہیں ملی تھی جس کے ذریعہ سے وہ اپنے اسلام کا عام اعلان کرتے۔ چنانچہ وہ خود لکھتے ہیں:۔

"میرے موجودہ اعتقادات میری کئی سالوں کی تحقیقات اور تفتیش کا نتیجہ ہیں۔ تعلیم یافتہ مسلمانوں کے ساتھ مذہب کے بارے میں میری اصل خط و کتابت چند ہی ہفتے قبل شروع ہوئی۔ اور یہ بات میری دلی خوشی اور مسرت کا باعث ہوئی کہ میرے تمام خیالات اسلام کے عین مطابق نکلے۔ میرے دوست خواجہ کمال الدین صاحب نے ذرہ بھر کوشش مجھے اپنے زیر اثر لانے کے لئے نہیں کی۔"[1]

اب لارڈ ہیڈلے کے اسلام کی کیفیت بھی سُنئے۔

لارڈ ہیڈلے کا اسلام

لارڈ موصوف نے کسی میٹنگ کی صدارت کی۔ اور صدارتی تقریر رسالہ "اسلامک ریویو" یعنی مُسلم انڈیا لنڈن (بابت ماہ جنوری ۱۹۱۵ء) میں

---

[1] پیغام صلح پرچہ ۱۶ دسمبر ۱۹۱۳ء جلد ۱ صفحہ ۳۔

طبع کروائی۔ اس تقریر میں آپ فرقوں کی عبادات اور اعتقادات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

"مثلاً شہروں کے کاروباری آدمیوں کے لئے یہ ناممکن ہے کہ وہ رات دن میں پانچ دفعہ نماز مسلمانوں کی سی پڑھیں۔ لیکن پھر بھی ہمارے خیال میں وہ مسلمان پکے ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ خدا پر اُن کا اعتقاد ہی کافی ہے۔ وہ غالباً اپنی خاموش دُعا اللہ تعالیٰ کے حضور میں ارسال کرتے ہیں کہ وہ ہر امر میں اُن کو ہدایت دے اور اُن کے دل کو سیدھا رکھے۔ اور گو ان کو اپنا سر نیاز زمین پر رکھنے کا موقعہ نہ ملے۔ تاہم ان کی یہ دُعا یقیناً قبول ہوتی ہے۔ اس دُنیا میں بہت ساری چیزیں ایسی ہیں۔ جو مفید تو ہیں مگر ضروری نہیں۔"

آگے چل کر لارڈ موصوف شراب کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

"جو اس معاملہ میں ہمارے لئے ضروری ہے وہ یہ بات ہے کہ ہمارا اپنے آپ پر قابو ہے جو لوگ شراب پینے والے ہیں یا پی کر ترک کر دینے والے ہیں۔ وہ اُن لوگوں سے بدرجہا مفید ہیں جنہوں نے کبھی شراب نہیں پی۔ جو شخص میدان میں نکلنے سے گھبراتا ہے۔ وہ بزدل ہے مُفید وہی ہے جو میدان میں جاکر بہادرانہ کارنمایاں کرتا ہے۔"[۵]

اس بیان کے بعد لارڈ صاحب موصوف کا اسلام کسی مزید تعارف کا محتاج نہیں۔ لیکن خواجہ صاحب کی ستم ظریفی دیکھئے کہ انہوں نے تمام دُنیا میں یہ شور مچانا شروع کر دیا کہ اُن کے ذریعہ سے ایک لارڈ مسلمان ہو گئے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ خواجہ صاحب کے اس پراپیگنڈہ کی وجہ سے بہت سے احمدیوں کو ٹھوکر لگی اور انہوں نے خواجہ صاحب کی اس کامیابی کو تائید الٰہی سمجھا۔ اور وہ حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کی وفات کے بعد لاہوری فریق کے ساتھ مل گئے۔ مگر جوں جوں یہ حقیقت طشت از بام ہوتی گئی۔ کہ لارڈ ہیڈلے کے اسلام لانے میں خواجہ صاحب نے ذرہ بھر کوشش نہیں کی تھی۔ وہ کشاں کشاں لاہوری فریق کو چھوڑ کر جماعت قادیان کے ساتھ منسلک ہوتے گئے۔ اور اب بہت تھوڑے لوگ رہ گئے ہیں جو ابھی تک ان لوگوں کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں۔ ہماری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں بھی رُوحانی بینائی عطا فرمائے اور وہ اُس جماعت میں شمولیت اختیار کریں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مشن کو صحیح رنگ میں اکناف عالم میں پھیلا رہی ہے۔ اللھم آمین۔

قارئین کرام کو یہ بات یاد رکھنی چاہیئے اور اِسے ہرگز فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ شروع شروع میں

۵؎ ۔ منقول از الفضل ۴ فروری ۱۹۱۵ء صٓ

احباب انجمن اشاعت اسلام یعنی لاہوری فریق کا اصل اختلاف مسائل کا نہیں تھا۔ بلکہ حصول اقتدار کا تھا۔ لاہوری فریق کے احباب چاہتے تھے کہ اقتدار ان کے پاس رہے۔ اور اس کی دو صورتیں ہو سکتی تھیں۔ پہلی یہ کہ ان میں سے کسی ایک کو خلافت کا منصب مل جاتا۔ اس صورت میں تو جو مسائل کی آڑ لے کر انہوں نے فتنہ کھڑا کیا تھا۔ اس کی ضرورت ہی نہ تھی۔ دوسری صورت یہ تھی کہ خلافت کو یا تو سرے سے ہی اُڑا دیا جائے اور صدر انجمن ہی خلافت کے فرائض انجام دے یا اگر بالفرض خلیفہ رہے بھی تو نماز ہی پڑھایا کرے اور بیعت لے لیا کرے۔ بس۔ ظاہر ہے کہ یہ ساری صورتیں خطرناک اور سلسلہ کے نظام کو درہم برہم کرنے والی تھیں۔

خلافت کا منصب تو جیسے اللہ تعالیٰ نے چاہا دیدیا۔ تمام جماعت نے بالاتفاق حضرت حاجی الحرمین مولانا حکیم نورالدین صاحبؓ کو خلیفۃ المسیح تسلیم کر لیا۔ اب رہ گئی انجمن، انجمن کے حسب ذیل ممبر تھے:۔

۱۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب۔

۲۔ حضرت مولانا شیر علی صاحب

۳۔ حضرت ڈاکٹر سید محمد اسمٰعیل صاحب

۴۔ حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب

۵۔ حضرت نواب محمد علی خاں صاحب

۶۔ حضرت سیٹھ عبد الرحمٰن صاحب مدراسی۔

۷۔ جناب مولانا محمد علی صاحب۔

۸۔ جناب مولانا سید محمد احسن صاحب امروہی۔

۹۔ جناب ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب۔

۱۰۔ حضرت مولانا غلام حسن صاحب پشاوری۔

۱۱۔ جناب خواجہ کمال الدین صاحب۔

۱۲۔ جناب ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب

۱۳۔ حضرت میر حامد شاہ صاحب۔

۱۴۔ جناب شیخ رحمت اللہ صاحب۔

ان ممبروں میں سے آخری آٹھ ممبر ان کی پارٹی کے تھے۔ اور مولانا محمد علی صاحب ایم۔ اے انجمن کے

سکرٹری تھے۔ یہ چاہتے تھے کہ تمام اختیارات انجمن کے پاس رہیں۔ خلیفہ اگر ہو تو برائے نام ہو۔ انتظامی امور میں اُسے بالکل کوئی عمل دخل نہ ہو۔ مگر جیسا کہ بتایا جا چکا ہے یہ راہ بڑی خطرناک تھی اور جماعت کے نظام کو پراگندہ اور درہم برہم کرنے والی تھی۔ اور منشا الٰہی کے بھی خلاف تھی۔ تبھی انہیں کامیابی حاصل نہ ہوئی اب اس صورت حال کا لازمی نتیجہ یہ تھا۔ کہ یا تو یہ لوگ الٰہی فیصلہ کو قبول کر کے خاموش ہو جاتے اور یا پھر فتنہ و فساد برپا کر کے اس نظام کو درہم برہم کرنے کی کوشش کرتے۔ انہوں نے آخری طریق اختیار کر لیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی بڑے رحیم کریم انسان تھے۔ اگر چاہتے تو انہیں جماعت سے خارج کر کے اس فتنہ کو اٹھتے ہی دبا دیتے۔ مگر اُن کی سابقہ خدمات کو مدنظر رکھ کر آپ چشم پوشی اور درگذر سے کام لیتے رہے یہ لوگ بھی جب بارگاہ خلافت سے جھاڑ پڑتی۔ معافی مانگ کر وقت گذار لیتے۔ ایک مرتبہ جیسا کہ پیچھے گذر چکا ہے۔ جناب خواجہ کمال الدین صاحب اور جناب مولانا محمد علی صاحب کو دوبارہ بیعت بھی کرنی پڑی۔ بہرحال حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کا رعب، جلال اور دبدبہ اس قسم کا تھا کہ یہ لوگ سامنے کھڑے ہو کر مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ مگر انہوں نے اپنی کارروائیوں کو برابر جاری رکھا۔ ۱۹۱۳ء میں جب اُن کا اخبار "پیغام صلح" نکلنا شروع ہوا۔ تو انہوں نے عقاید کی جنگ بھی چھیڑ دی۔ اور کھلم کھلا قادیان کی جماعت پر اعتراضات کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ جس کا ذکر انشاء اللہ اپنے موقع پر آئے گا۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کے جدہ اور مکہ سے خطوط

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کے حج پر جانے کا ذکر پیچھے گذر چکا ہے۔ آپ نے جو خطوط جدہ اور مکہ سے قادیان میں لکھے اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ انہیں جدہ میں مل گئے تھے۔ ان خطوط کے اقتباسات ذیل میں اس لئے درج کئے جاتے ہیں۔ تا معلوم ہو۔ کہ آپ نے اس سفر میں جماعت احمدیہ اور اسلام کی ترقی کے لئے کس قدر دعائیں کی ہیں۔ پہلے خط میں آپ لکھتے ہیں:-

خدا کے فضل سے مصر سے ہو کر احرام کی حالت میں جدہ پہنچ گئے ہیں۔ اللہ اللہ کیا پاک ملک ہے۔ ہر چیز کو دیکھ کر دعا کی توفیق ملتی ہے۔ خدا کی رحمتیں اس زمین پر بیشمار ہی معلوم ہوتی ہیں۔ احباب قادیان کے لئے، احمدی جماعت کے لئے اور حالت اسلام کے لئے اس قدر دعاؤں کی توفیق ملی ہے کہ بیان نہیں ہو سکتی۔ میں نے احمدی جماعت کے لئے اس سفر میں اس قدر دعائیں کی ہیں۔ کہ

اگر وہ اُن کا اندازہ لگا سکیں۔ تو ان کے دل محبت سے پگھل جائیں۔ لیکن لا یعلم اسرار القلوب الا اللہ۔ میں امید کرتا ہوں کہ احباب قادیان اور دیگر احمدی برادران بھی میرے لئے دعائیں کرتے ہوں گے۔ تبلیغ کے وقت بھی بڑی کامیابی معلوم ہوتی ہے۔ لوگ بڑے شوق سے باتیں سنتے ہیں۔"

دُوسرے خط کا خلاصہ :۔

"اللہ تعالیٰ کے فضل سے ۷۔ نومبر کو میر صاحب سمیت مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ اور عمرہ ادا کیا۔ زیارت بیت اللہ شریف کے وقت، دخول مکہ کے وقت صفا و مروہ کے وقت اہل قادیان اور جماعت احمدیہ اور حالت اسلام کی درستی کے لئے بہت دُعائیں کیں اور اللہ تعالیٰ نے بہت توفیق دی۔ ...... حضرت خلیفۃ المسیح کے خط سے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ مصر جانا مشکل ہے۔ اور غالباً مدینہ منورہ سے واپس لوٹنا ہوگا۔ میں اسے بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت سمجھتا ہوں۔"[۱]

تیسرا خط جو آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لکھا۔ اس خط سے چونکہ بعض ایسی باتوں کا پتہ چلتا ہے جن کا تاریخ سلسلہ سے تعلق ہے۔ اس لئے اس کا زیادہ حصہ درج کیا جاتا ہے :۔

"سیدی و امامی و استاذی۔ السلام علیکم

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور عنایت سے بخیر و خوبی کل بتاریخ سات اکتوبر کو مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ خدا تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر اور عنایت ہے کہ اس نے اپنے فضل سے اپنے پاک اور مقدس مقام کی زیارت کا موقعہ دیا۔ کل جب مکہ کی طرف اونٹ آرہے تھے۔ دل کی عجیب کیفیت تھی۔ کہ بیان نہیں ہو سکتی۔ محبت کا ایک جوش دل میں پیدا ہو رہا تھا۔ اور جوں جوں قریب آتے تھے۔ دل کا شوق بڑھتا جاتا تھا۔ میں حیران ہوں کہ اللہ تعالیٰ کس طرح اپنی حکومت اور ارادہ کے ماتحت کہاں سے کہاں کھینچ لایا۔ پہلے مصر کا خیال پیدا ہوا۔ پھر یہ خیال آیا کہ راستہ میں مکہ ہے اس کی زیارت بھی کرلیں۔ پھر خیال ہوا کہ حج کے دن ہیں۔ ان سے بھی فائدہ اٹھایا جائے۔ غرض کہ ارادہ مصر سے مکہ اور حج کا ہوا۔ اور آخر اللہ تعالیٰ نے وہاں پہنچا دیا۔ مجھے مدت سے حج کی خواہش تھی۔ اور اس کیلئے دعائیں بھی کی تھیں۔ لیکن بظاہر کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ کیونکہ وہاں کے راستہ کی مشکلات سے طبیعت گھبراتی تھی۔ اور یہ بھی خیال تھا کہ مخالفین کوئی شرارت نہ کریں لیکن مصر کے ارادہ سے یہ خیال ہوا کہ مصر

---

[۱] - بدر ۱۲ دسمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۵

جانا اور راستے میں مکہ کو ترک کر دینا ایک بے حیائی ہے۔ اس میں تو کچھ شک نہیں کہ جدہ سے مکہ تک کا سفر نہایت کٹھن ہے۔ اور میر صاحب تو قریباً بیمار ہو گئے۔ اور مجھے بھی سخت تکلیف ہوئی۔ اور تمام بدن کے جوڑ جوڑ ہل گئے۔ لیکن بڑی نعمتیں بڑی قربانیاں بھی چاہتی ہیں۔ اس بڑی نعمت کیلئے یہ تکلیف کیا چیز ہے؟ مدینہ کا راستہ اور بھی طویل اور کٹھن ہے۔ لیکن چند دن کی تکلیف ان پاک مقامات کے دیکھنے کے لئے کہ جہاں رسول کریم فداہ ابی و امی نے اپنی بعثت نبوت کا ایک روشن زمانہ گذارا کیا چیز ہے؟ میرا دل تو اللہ تعالیٰ کے اس احسان پر قربان ہوا جا رہا ہے کہ وہ کس حکمت کے ساتھ مجھے اس جگہ لے آیا۔ ذالك فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء۔

اللہ تعالیٰ کی حکمت اس سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ اول تو اس جہاز سے جو مصر جاتا تھا رہ گئے لیکن بعد میں جب اصرار کر کے دوسرے جہاز میں سوار ہوئے تو مصر پہنچتے ہی خواب آیا۔ کہ حضرت صاحب یا آپ فرماتے ہیں۔ کہ فوراً مکہ چلے جاؤ۔ پھر شاید موقع ملے یا نہ ملے۔ چنانچہ دو جہاز چلے گئے اور ہم ان میں سوار نہ ہو سکے جس سے خواب کی تصدیق ہو گئی۔ اس طرح مصر کی سیر بھی نہ کر سکے۔ اور جب مکہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ اب مصر نہیں جا سکتے۔ کیونکہ گورنمنٹ مصر کا قاعدہ ہے کہ سوائے اُن لوگوں کے جو مصر کے باشندہ ہوں حج کے بعد چار مہینہ تک کوئی شخص حجاز و شام سے مصر تک نہیں جا سکتا۔ اس طرح گویا اگر میں مصر جانا چاہوں۔ تو مجھے اپریل تک وہاں جانے کی اجازت نہیں۔ اپریل کے آخر میں وہاں جا سکتا ہوں۔......... اب اس صورت میں مصر کو واپس جانا فضول معلوم ہوتا ہے۔......

میں نے تو ان سب واقعات کو ملا کر یہی نتیجہ نکالا ہے کہ منشائے الٰہی مجھے حج کروانے کا تھا اور مصر کا خیال ایک تدبیر تھی۔"[۱]

ایک چٹھی میں آپ نے لکھا:۔

"دعاؤں سے رغبت اور دعاؤں کا القاء اور رحمتِ الٰہی کے آثار جو میں نے اس سفر میں اور خصوصاً مکہ مکرمہ اور ایام حج میں دیکھے ہیں۔ وہ میرے لئے بالکل ایک نیا تجربہ ہے۔ اور میرے دل میں ایک جوش پیدا ہوا ہے۔ کہ اگر انسان کو توفیق ہو تو وہ بار بار حج کرے۔ کیونکہ بہت سی برکات کا موجب ہے۔ اس سفر میں بہت سے تبلیغ کے موقعے بھی ملتے رہے ہیں۔ اور بہت سے نئے تجربات بھی ہوئے ہیں۔ شریف مکہ سے بھی ملنے کا اتفاق ہوا۔"[۲]

۱۔ بدر ۱۹ دسمبر ۱۹۱۲ء صہ۲ ۔ ۲۔ بدر ۹ جنوری ۱۹۱۳ء صہ۱ ۔

ایک اور خط میں آپ لکھتے ہیں :-

"مولوی ابراہیم سیالکوٹی بھی یہاں آیا ہوا ہے۔ اُس نے ایک شخص کی معرفت کہلا بھیجا۔ کہ میں مباحثہ کروں گا۔ مجھے تو وہ نہیں ملا۔ عرب صاحب بیٹھے تھے۔ انہوں نے جواب دیا۔ کہ ہم یہاں مباحثات نہیں کرنے آئے۔ حج کے لئے آئے ہیں۔ مباحثات کے لئے ہندوستان کیا کم ہے؟ معلوم نہیں کس طرح مکہ میں ہماری آمد کی اطلاع ہو گئی ہے اور اکثر ہندوستانی اس بات کو جانتے ہیں۔ ہمارے معلم کو بھی پہلے سے علم تھا۔ اور کئی لوگ ملے ہیں۔ آناً فاناً خبر مشہور ہو گئی۔ اور جز معلوم نہیں ہوتی"

مکہ میں مَیں کچھ ایسا مشہور ہوا۔ کہ بازار میں لوگ بعض دفعہ اشارہ کر کے ایک دوسرے کو بتاتے تھے۔ کہ ابنِ قادیانی۔ اللہ اللہ! قادیان حضرت صاحب کی وجہ سے کیسا مشہور ہوا۔ لوگ لاہور، امرتسر کو نہیں جانتے ہیں"

حضرت صاحبزادہ صاحب کے ایک اور خط کا خُلاصہ

حضرت صاحبزادہ صاحب نے مکہ معظمہ سے ایک خط لکھا جس میں ایک خواب بھی درج ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ سے اسلام اور احمدیت کو بہت ترقی دینے والا تھا۔ آپ فرماتے ہیں :-

"میں نے رؤیا میں دیکھا کہ ایک جگہ ہوں۔ اور میر صاحب اور والدہ ساتھ ہیں۔ آسمان سے سخت گرج کی آواز آ رہی ہے۔ اور ایسا شور ہے۔ جیسے توپوں کے متواتر چلنے سے پیدا ہوتا ہے۔ اور سخت تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ ہاں کچھ کچھ دیر کے بعد آسمان پر روشنی ہو جاتی ہے اتنے میں اس دہشت ناک حالت کے بعد آسمان پر ایک روشنی پیدا ہوئی اور نہایت موٹے اور نورانی الفاظ میں آسمان پر

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

لکھا گیا۔ میں نے میر صاحب سے پُوچھا۔ آپ نے یہ عبارت نہیں دیکھی۔ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ میں نے کہا کہ ابھی آسمان پر یہ عبارت لکھی گئی ہے۔ اس کے بعد کسی نے باآواز بلند کچھ کہا جس کا مطلب یاد رہا۔ کہ آسمان پر بڑے بڑے تغیرات ہو رہے ہیں جس کا نتیجہ تمہارے لئے

ے۵ - بدر ۹ جنوری ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۰

اچھا ہوگا۔ اس کے بعد اس نظارہ اور تاریکی اور شور کی دہشت سے آنکھ کھل گئی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ [1]

حضرت صاحبزادہ صاحب کا بمبئی میں استقبال

جب حضرت صاحبزادہ صاحب کی مکہ سے آمد کا علم ہوا تو حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب اور حضرت بھائی عبدالرحمن صاحب قادیانی حضرت صاحبزادہ صاحب کے استقبال کے لئے بمبئی تک گئے۔ [2]

کوائف جلسہ سالانہ ۱۹۱۲ء

جلسہ سالانہ ۱۹۱۲ء جو ۲۵، ۲۶، ۲۷ دسمبر کو قادیان میں منعقد ہوا۔ اس میں قادیان کی مقدس سرزمین پر ایک خاص نور برس رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے حضور دعاؤں کا ایک خاص جوش تھا۔ مساجد ہر نماز کے وقت نمازیوں سے پُر نظر آتی تھیں۔ اور ہر جگہ ذکر الٰہی اور اشاعتِ اسلام کے لئے ایک مخلص جوش نظر آتا تھا۔

حضرت خلیفۃ المسیح کی تقریر

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ نے اپنی تقریر میں خدا تعالیٰ اور اس کے فرشتوں سے تعلق پیدا کرنے کی تحریک کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ

"جب کسی آدمی کا تعلق اللہ تعالیٰ سے بڑھتا جاتا ہے۔ تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم ہوتا ہے کہ اس سے تعلق پیدا کرو۔ اس طرح جبرئیلی رنگ کی مخلوق سے تعلق اور قبولیت کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اب وہ فقرہ ایک کہانی کی طرح ہو گیا۔ بدظنی مت کرو۔ بڑائی، شیخی اور فخر کے لئے نہیں۔ تحدیث نعمت کے لئے کہتا ہوں کہ میں نے خود ایسے فرشتوں کو دیکھا ہے۔ اور انہوں نے ایسی مدد کی ہے کہ عقل، فکر، وہم میں نہیں آسکتی۔ اور انہوں نے مجھ سے کہا ہے کہ دیکھو ہم کس طرح اس معاملہ میں تمہاری مدد کرتے ہیں۔"

پھر آپ نے کونوا مع الصادقین کی تشریح کرتے ہوئے صحابہ کرام کی کامیابیوں کا تذکرہ فرمایا اور احباب کو تلقین کی کہ لا تموتن الا وانتم مسلمون۔ فرمانبردار ہو کر مرو۔ ایسا ہی واعتصموا بحبل اللہ جمیعا و لا تفرقوا پڑھ کر باہمی محبت و الفت اور اتفاق و اتحاد پر زور دیا اور باہمی دشمنی اور عداوت اور تفرقہ کو چھوڑنے کی نصیحت کی۔

اپنا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

جب دنیا کے لوگوں نے مجھ سے کہا۔ کہ ہم نے تم کو نمبردار بنایا ہے۔ آپ کا ماہوار خرچ کیا

---

[1] بدر ۹ جنوری ۱۹۱۴ء صفحہ ۱

[2] بدر ۹ جنوری ۱۹۱۳ء صفحہ ۱

ہوگا؟ میں نے کہا۔ اے مولیٰ! تو نے مجھے کبھی کسی کا محتاج نہیں بنایا۔ اور موت کے قریب بندوں کا محتاج بناتے ہو۔ مجھ کو بڑا مزا آیا جبکہ میں نے ایک آدمی سے کچھ مانگا چند عرصہ کے بعد اُس نے کہا۔ میں تو بھول ہی گیا۔ میرا ایمان بہت بڑھ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بڑا ہی فضل کیا ہے۔ اور وہاں سے رزق دیا جہاں میرا وہم و گمان بھی نہ تھا۔ باقی یہ کہ میں دو چار عربی کے فقرے اور ضرب المثلیں بیان کردوں۔ اس کی ضرورت نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم دین کو دنیا پر مقدم کرو۔ لالچ۔ دغا۔ شرارت بالکل نہ کرو۔"[1]

ایام جلسہ میں خطبہ جمعہ ۲۷ دسمبر ۱۹۱۲ء

ایام جلسہ ۱۹۱۲ء میں ۲۷ دسمبر کو حضرت خلیفۃ المسیحؑ نے مسجد نور میں خطبہ جمعہ پڑھا جس میں سورۃ والعصر کی تفسیر بیان کرتے ہوئے وتواصوا بالصبر کی ذیل میں فرمایا:۔

"یہ مسجد (نور) میرے نام پر بنی ہے۔ مگر میں دیکھتا ہوں۔ یہ کس قدر تنگ ہے۔ اس مسجد نور کو بڑھاؤ۔ مگر نیکی کے لئے۔ اس میں مدرسہ بناؤ مگر قرآن شریف کا۔ ایک مدرسہ (تعلیم الاسلام ہائی سکول) یہاں ہے۔ اس کی طرف تو ہمارے دوستوں کی بھی بہت توجہ ہے۔ گورنمنٹ بھی مدد دیتی ہے۔ اس کے لئے ہر قسم کا سامان اور مکان بھی اچھا ہے۔ مگر مدرسہ احمدیہ کے لئے کوئی نگران تک بھی نہیں۔ کوئی اس طرف توجہ نہیں کرتا۔ لڑکوں کی کتابوں اور کپڑوں تک کی بھی پرواہ نہیں کرتا۔ پھر کچھ لوگ چلے آتے ہیں۔ وہ رات کے کپڑے، کتاب، قرآن سب سے محروم رہتے ہیں۔ چند روز بھٹک کر تم کو بددعائیں دیتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ میں نے چند آدمیوں سے ایک دن کہا تھا کہ اس قسم کے آوارہ لوگوں کے لئے کوئی تجویز کرو۔ انہوں نے ایک کمیٹی بھی بنائی۔ مگر صرف مجھ کو خبر پہنچانے کے لئے کہ ہم نے کمیٹی بنائی ہے۔ عمل کرنے کے لئے نہیں۔ دعا کرو کہ یہاں کے رہنے والوں کے دل دردمند ہوں۔ جو یہاں آئیں وہ ابتلاء میں نہ آئیں۔"[2]

حضرت صاحبزادہ صاحب اور آپ کے ہمراہیوں کی سفر حج سے کامیاب مراجعت اور جماعت کا استقبال

حضرت صاحبزادہ صاحب اور آپ کے ساتھیوں کا مقدس قافلہ ۲ فروری ۱۹۱۳ء کو بروز اتوار بارہ بجے دن کے بعد لاہور پہنچا اور وہاں رات بھر قیام فرما کر صبح امرتسر کی طرف روانہ ہوا۔ لاہور کی جماعت نے نہایت اخلاص اور تپاک

---

[1] - بدر پرچہ ۳۰ جنوری ۱۹۱۲ء - [2] بدر پرچہ ۲۷ فروری ۱۹۱۳ء -

سے استقبال کیا۔ اور خدمت کا حق ادا کیا۔ بعض مخلصین تو قصور اور رائے ونڈ تک استقبال کے لئے گئے تھے۔ اور بعض مشایعت کے لئے دارالامان تک ہمراہ آئے۔ امرتسر میں قریب تین گھنٹے قیام رہا۔ اور جماعت امرتسر نے حضرت صاحبزادہ صاحب والا تبار اور آپ کے ہمراہیوں کی خاطر و مدارات میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔

امرتسر سے روانہ ہو کر بٹالہ پہنچے۔ بٹالہ میں حضرت ام المومنین معہ چند خدام و ممبران خاندان اپنے لختِ جگر کو لانے کے لئے تشریف فرما تھیں۔ اور بہت لوگ جماعت دارالامان سے وہاں پہنچے ہوئے تھے۔ راستے میں موضع بدرہ دیوان کے تکیہ کی مسجد میں نماز ادا کی گئی۔ اور وہاں سے روانہ ہو کر جب نہر پہ پہنچے۔ تو اس جگہ پر کئی سو طالب علم مدرسہ تعلیم الاسلام و مدرسہ احمدیہ کے استقبال کے لئے پرہ باندھے کھڑے تھے اور معزز مدرسین اور اکثر احباب جماعت قادیان بھی وہاں جمع تھے۔ سب نے جوش اخلاص سے اہلاً و سہلاً و مرحبا کہا اور اہل مدرسہ کی طرف سے وہاں ٹی پارٹی دی گئی۔

اس جگہ سے دارالامان تک تمام سڑک جماعت کے اُن احباب سے بھری ہوئی تھی جو آپ کے انتظار میں چشم براہ تھے۔ اور شہر کے باہر ڈھاک کے درختوں کے متصل حضور خلیفۃ المسیح اور نواب صاحب تشریف فرما تھے۔ جب حضرت صاحبزادہ صاحب وہاں پہنچے تو حضرت خلیفۃ المسیحؓ اور حضرت نواب صاحب نے آپ سے مصافحہ اور معانقہ کیا۔ اس کے بعد تمام احباب سے مصافحہ کر کے آپ مسجد مبارک میں داخل ہوئے اور نفل پڑھ کر اپنے دولت خانہ دارِ المسیح میں تشریف لے گئے۔ فالحمد للّٰہ علی ذالک[۵۱]۔

حضرت صاحبزادہ صاحب کے اعزاز میں پارٹی۔ ۱۴ فروری ۱۹۱۳ء

۱۴ فروری ۱۹۱۳ء کو احمدیہ سکول کے طلباء نے حضرت صاحبزادہ میاں بشیر الدین محمود احمد صاحب کی بخیر و عافیت حج سے واپس تشریف آوری کی خوشی میں ایک ٹی پارٹی دی جس میں حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ بھی تشریف لائے۔ چند نظموں کے بعد حضرت خلیفۃ المسیحؓ نے ایک مختصر سی تقریر فرمائی جس میں فرمایا۔ کہ

"بعض اشخاص نے مجھ سے سوال کیا ہے۔ کہ ہم کو میاں صاحب کے تشریف لانے کی خوشی میں کیا کرنا چاہیئے۔ اور ہم آپ سے اس لئے دریافت کرتے ہیں کہ حضور جو کچھ بھی تجویز فرمائیں گے۔ وہ بہت ہی اعلیٰ و افضل ہو گا۔"

اس سوال کے جواب میں حضور نے فرمایا۔ کہ

۵۱۔ بدر مورخہ ۲۰ جنوری ۱۹۱۳ء۔ ۶۔

"تمام لوگ نماز ظہر کے بعد صلوٰۃ الحاجۃ پڑھیں اور میاں صاحب کے لئے دُعا فرمائیں چنانچہ نماز ظہر کے بعد لوگ مسجد نور میں چلے گئے۔ جہاں صلوٰۃ الحاجۃ پڑھی اور میاں صاحب کے لئے دُعا کی۔"

نماز اور دعا کے بعد جناب ہیڈ ماسٹر صاحب کی زبانی تمام لوگوں کی خواہش پر حضرت صاحبزادہ صاحب نے ایک نہایت ہی لطیف تقریر فرمائی۔ جس میں اللہ تعالیٰ کی اُس حکمت کا ذکر فرمایا۔ جس کے باعث آپ کو حج کی توفیق ملی۔ اور جس کا ذکر پیچھے آپ کے خطوط میں گذر چکا ہے۔[1]

عربی زبان میں ایک چار صفحہ کا ٹریکٹ شائع کرنے کی تجویز

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کے سفر حج سے واپس تشریف لے آنے کے بعد عربی ممالک کے لوگوں تک پیغام حق پہنچانے کے لئے ایک چہار صفحات کا ضمیمہ بزبان عربی اور ساتھ ہی اُردو ترجمہ بھی شائع ہونا تجویز کیا گیا۔ اس کی ادارت کے لئے جناب سید عبدالحی صاحب عرب کی خدمات حاصل کی گئیں۔ مصر، حجاز، بغداد اور عربستان، علاقہ ایران وغیرہ سے معززین کے پتے بھی حاصل کر لئے گئے۔ اور دوستوں میں تحریک کی گئی کہ اگر اس ٹریکٹ کے ایک ہزار خریداروں کی طرف سے سالانہ چندہ دو روپے کی ادائیگی کا وعدہ آجائے تو ٹریکٹ جاری کر دیا جائے گا۔ اور پہلا پرچہ سب صاحبان کے نام وی پی کیا جائے گا۔ اور عربی ضمیمہ اُن کی طرف سے اُن ملکوں میں روانہ کیا جائے گا۔ یا وہ چاہیں تو خود منگوا کر اور پڑھ کر کسی مُلک کو روانہ کر دیں۔[2]

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کو قرآن مجید پڑھانے کیلئے درس

قمر الانبیاء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کے لئے بعد نماز فجر حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے قرآن مجید کا ایک درس دینا شروع فرمایا۔ جس میں دوسرے لوگوں کو بھی شامل ہونے کی اجازت دی گئی۔ علاوہ ازیں ایک درس بعد نماز عصر اور دوسرا بعد از نماز مغرب بھی جاری تھا۔

"بَسْطَۃً فی العلم والجسم" کی تفسیر

مولانا ظہور حسین صاحب مجاہد بخارا کا بیان ہے کہ:-

"ایک مرتبہ آپ درس دے رہے تھے۔ جب آیت بسطۃ فی العلم

---

[1] بدر پرچہ ۱۲ جنوری ۱۹۱۳ء صہ ۱۷، ۱۸ [2] بدر مورخہ ۲۷ فروری ۱۹۱۳ء صہ ۳ [3] بدر ۲۷ فروری ۱۹۱۳ء

دالجسم پر پہنچے۔ تو تمام حاضرین کو اپنے جسم کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ کہ "دیکھو! خدا تعالیٰ نے مجھے دونوں نعمتیں دی ہیں جسم بھی دیا ہے اور علم بھی"۔

حضرت صاحبزادہ میاں محمود احمد صاحب کی آپ کے دل میں عزّت

محترم مولانا موصوف ہی کا بیان ہے کہ:۔ "حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ اپنی وفات سے کچھ عرصہ قبل اپنے مکان کی بیٹھک میں بعد نماز فجر حضرت صاحبزادہ میاں بشیر احمد صاحب کو روزانہ قرآن شریف کے دو تین رکوع ترجمہ کے ساتھ پڑھایا کرتے تھے جن کو سننے کے لئے کافی لوگ جمع ہو جایا کرتے تھے۔ عاجز بھی اُن دنوں مدرسہ احمدیہ کا طالب علم تھا۔ اور درس سننے کے لئے جایا کرتا تھا۔ میں نے کئی دفعہ دیکھا کہ حضرت صاحبزادہ میاں محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ تشریف لاتے اور لوگوں کے پیچھے بیٹھ جاتے۔ حضرت خلیفۃ المسیحؑ جب آپ کو دیکھتے تو جس گدیلے پر آپ بیٹھے ہوتے۔ اس میں سے آدھا خالی کر کے فرماتے میاں آگے تشریف لائیے۔ اس پر حضرت میاں صاحب آپ کے ارشاد کی تعمیل میں آپ کے پاس بیٹھ جاتے۔ آپ کے دوسری طرف حضرت میاں بشیر احمد صاحب بیٹھا کرتے تھے۔

ایک دن جب کہ حضور سورہ نحل کا درس دے رہے تھے۔ اور آیت لا تکونوا کالتی نقضت غزلها کا درس تھا تو حضرت خلیفہ اولؓ نے حضرت صاحبزادہ میاں محمود احمد صاحب سے کہا کہ میاں! میں آپ کا امتحان لینا چاہتا ہوں۔ آپ اس آیت کا مطلب بتائیں۔ اس پر حضرت صاحبزادہ میاں صاحب نے آہستگی سے کچھ اس کی تشریح بیان فرمائی جسے سُن کر حضرت خلیفہ اولؓ نے حضرت صاحبزادہ میاں بشیر احمد صاحب کی طرف منہ کر کے فرمایا۔ کہ میاں محمود احمد صاحب تو پاس ہو گئے ہیں۔ اب آپ کا امتحان باقی ہے۔

محترم مولانا ظہور حسین صاحب کا بیان ختم ہوا۔ اس موقعہ پر خاکسار کو ایک بات یاد آئی جسے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ نے کئی مرتبہ اپنے خطبات میں بیان فرمایا ہے کہ بعض اوقات جب بیٹھے بیٹھے حضور کی طبیعت خراب ہو جاتی تو آپ فرماتے کہ اب احباب تشریف لے جائیں اس پر اکثر احباب چلے جاتے مگر چند دوست پھر بھی بیٹھے رہتے۔ حضور فرماتے۔ اب نمبر دار بھی چلے جائیں۔ اس پر وہ لوگ بھی اٹھ جاتے لیکن جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ اٹھنے لگتے تو حضور فرماتے۔ میاں آپ مراد نہیں ہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضؓ کی نظر میں حضرت میاں صاحب کا مقام

مولانا صاحب موصوف ہی کا بیان ہے۔کہ "ایک دن جب حضور درس دے چکے۔تو مجھے فرمایا کہ تم بیٹھے رہو۔آپ نے ایک خط لکھا۔اور سادہ لفافہ میں ڈال کر فرمایا کہ میاں محمود احمد صاحب کو دے آؤ۔میں نے وہ خط لے لیا۔جب میں مسجد مبارک کے نیچے مسقف حصے پہنچا تو میرے دل میں خیال آیا کہ میں پڑھ تو لوں کہ کیا لکھا ہے۔جب میں نے پڑھا۔تو میری حیرانی کی حد نہ رہی کہ حضرت خلیفۃ المسیحؓ نے حضرت میاں صاحب کو اس طرح ادب اور محبت سے مخاطب کیا ہوا تھا جس طرح کسی بڑے بزرگ کو مخاطب کیا جاتا ہے۔مجھے اس وقت خیال آیا۔کہ اوہو! حضرت میاں صاحب کا اتنا بڑا مقام ہے۔اس خط کا یہ مضمون تھا۔کہ بازار میں بعض احمدیوں کے جھگڑے ہوتے رہتے ہیں دعا فرمادیں۔کہ اللہ تعالیٰ ان کی اصلاح کر دے"۔

اسی طرح لاہور کے ایک دوست شوق محمد صاحب عرائض نویس بیان کرتے ہیں کہ:۔

"۱۹۰۳ء میں میں قادیان میں بغرض تعلیم مقیم تھا۔میں نے اپنے زمانہ قیام دارالامان میں متعدد بار دیکھا کہ حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بچپن میں ہی چلتے وقت نہایت نیچی نظریں رکھا کرتے تھے۔اور چونکہ آپ کو آشوب چشم کا عارضہ عموماً رہتا تھا اس لئے کئی بار میں نے حضرت حکیم الامت مولانا نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ کو خود اپنے ہاتھ سے آپ کی آنکھوں میں دوائی ڈالتے دیکھا۔وہ دوائی ڈالتے وقت عموماً نہایت محبت اور شفقت سے آپ کی پیشانی پر بوسہ دیا کرتے۔اور رُخسار مبارک پر دستِ مبارک پھیرتے ہوئے فرمایا کرتے۔"میاں تو بڑا ہی میاں آدمی ہے۔اے مولا اے میرے قادر مطلق مولا۔اس کو زمانہ کا امام بنا دے" بعض اوقات فرماتے "اس کو سارے جہان کا امام بنادے"۔مجھ کو حضور کا یہ فقرہ اس لئے چُبھتا کہ آپ کسی اور کے لئے ایسی دُعا نہیں کرتے صرف اُن کے لئے دُعا کرتے ہیں۔چونکہ طبیعت میں شوخی تھی اس لئے میں نے ایک روز کہہ ہی دیا کہ آپ میاں صاحب کے لئے اس قدر عظیم الشان دعا کرتے ہیں، کسی اور کیلئے اس قسم کی دعا کیوں نہیں کرتے۔اس پر حضور نے فرمایا۔اس نے تو امام ضرور بننا ہے۔میں تو صرف حصول ثواب کے لئے دُعا کرتا ہوں۔ورنہ اس میں میری دُعا کی ضرورت نہیں"۔

میں یہ جواب سن کر خاموش ہو گیا۔"[۵۱]

ایسا ہی ایک غیر احمدی دوست سید صادق علی شاہ صاحب گیلانی ریلوے سٹیشن پشاور شہر جو ۱۹۰۸ء سے لے کر ۱۹۱۱ء تک قادیان میں بغرض حصول تعلیم مقیم رہے انہوں نے ایک دفعہ اُس زمانہ کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھا کہ :-

"ایک دن جب مولوی صاحب (یعنی حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ) گھوڑی سے گرنے کی چوٹ کی وجہ سے علیل تھے مگر کسی قدر اچھی حالت میں تھے تو ایک چھوٹے سے غالیچہ پر ایک پتلی سی رضائی یا لوئی لیکر تشریف رکھتے تھے۔ پھر وہاں سے اٹھ کر اسی کمرے کی چٹائی پر ذرا دور جا بیٹھے۔ پتہ نہیں کس کام کے لئے وہاں گئے اور پھر وہیں چند منٹ بیٹھے رہے اور اُن کی سابقہ مسند خالی تھی اور وہ رضائی یا لوئی حلقہ باندھے مسند پر پڑی تھی جس طرح آدمی فرش پہ رضائی اوڑھ کر بیٹھا ہوا ہو اور پھر رضائی کو وہیں چھوڑ کر چلا جائے تو رضائی یا لوئی کا مسند پر حلقہ سا بن جاتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سے ابھی کوئی اٹھ کر گیا ہے۔ مولوی صاحب کی نشست گاہ اسی طرح خالی پڑی تھی اور مولوی صاحب خود ذرا فاصلہ پر تشریف فرما تھے اور خواجہ کمال الدین صاحب سے باتیں کر رہے تھے اتنے میں میاں بشیر الدین محمود احمد صاحب آ گئے۔ تمام کمرہ میں صرف چٹائی بچھی ہوئی تھی۔ صرف مولوی صاحب کی چھوٹے سے غالیچہ والی مسند تھی۔ مولوی صاحب نے میاں صاحب کو فرمایا کہ آپ وہاں میری جگہ پر بیٹھ جائیں۔ اس وقت میاں صاحب بالکل نو عمر تھے آپ خاموش رہے اور پاس ادب کی وجہ سے مولوی صاحب کی نشست پر نہ بیٹھے۔ مولوی صاحب نے پھر فرمایا اور ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا کہ میاں وہاں بیٹھ جاؤ۔ پھر بھی میاں صاحب نے تامل کیا۔ پھر مولوی صاحب نے سہ بارہ فرمایا اور ساتھ ہی خواجہ کمال الدین صاحب نے بھی کہا کہ میاں صاحب بیٹھ جاؤ۔ پھر میاں صاحب اس مسند پر بیٹھ گئے۔ مولوی صاحب کے اس اصرار سے حاضرین پر خاص اثر ہوا اور انہوں نے یقین کر لیا کہ مولوی صاحب اُنہیں اپنا خلیفہ بنانا چاہتے ہیں۔" یہ واقعہ ۱۹۱۱ء کا ہے۔[۵۲]

قادیان آنے کے فوائد

محترم مولانا ظہور حسین صاحب مجاہد بخارا نے حضرت حافظ روشن علی صاحب کے ایک بیان کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ :-

---

۵۱۔ الفضل ۱۳ مارچ ۱۹۳۸ء صفحہ ۳۔ ۵۲۔ الفضل ۲ مارچ ۱۹۳۶ء صفحہ ۸

"ایک مرتبہ ہمارے استاد حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ نے فرمایا کہ حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ نے ایک نوٹ بک رکھی ہوئی تھی جس میں قادیان آنے کے کچھ فوائد درج تھے۔ایک فائدہ اس میں یہ لکھا ہوا تھا۔کہ قادیان آنے سے پہلے میں نے بڑی کوشش کی۔کہ مجھے ایک ساتھی ہی ایسا مل جائے جس کی محبت خالصتاً للہ ہو۔چنانچہ میں نے اس غرض کے لئے ہزاروں روپیہ خرچ کیا۔ مگر مجھے ایک دوست بھی ایسا نہ ملا۔مگر جب میں قادیان آیا تو مجھے ایسے دوستوں کی ایک جماعت خدا تعالیٰ نے دیدی۔کہ جن کو ملنے کے لئے میری روح تڑپتی تھی اور میری ایک پائی بھی خرچ نہ ہوئی۔

دوسرے فائدے کا ذکر حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ نے خود ان الفاظ میں فرمایا ہے کہ

دوسرا فائدہ میں نے آپ کی صحبت میں یہ اٹھایا۔کہ دُنیا کی محبت مجھ پر بالکل سرد ہوگئی۔کوئی ہو۔مخالف یا موافق۔میرے تمام کاروبار اور تعلقات کو دیکھئے۔کیا مجھ میں ذرہ بھر بھی حُبِّ دُنیا باقی ہے۔یہ سب (حضرت) مرزا (صاحب) کی قوت قدسیہ اور فیض صحبت سے حاصل ہوا۔یہ تو مشہور ہے کہ حب الدنیا راس کل خطیئۃ پس میں نے مرزا (صاحب) کی صحبت سے وہ فائدہ حاصل کیا۔جو تمام تعلیمات الٰہیہ کا منشا ہے۔اور ذریعہ نجات اور اسی دنیا میں بہشتی زندگی۔"[۵۱]

عربی پڑھنے سے رزق میں کمی نہیں آتی

مولانا موصوف ہی کا بیان ہے کہ:۔

"میں جب شروع شروع میں قادیان پڑھنے کے لئے آیا تو میں تعلیم الاسلام ہائی سکول میں داخل ہونا چاہتا تھا۔مگر حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ نے فرمایا میاں تم مدرسہ احمدیہ میں داخل ہو جاؤ۔میں نے گھبرا کر عرض کی۔کہ حضور! نہ میرے باپ نے عربی پڑھی نہ دادا نے۔قرآن شریف بھی مجھے پڑھنا نہیں آتا۔تو میں عربی کی اتنی بڑی بڑی کتابیں کیسے پڑھونگا؟ فرمایا۔میاں! تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ تم مدرسہ احمدیہ میں پڑھو۔اس پر میں نے ہائی سکول کا خیال دل سے نکال دیا۔اور مدرسہ احمدیہ میں پڑھنا شروع کر دیا۔اس کے بعد ایک مرتبہ حضور عصر کی نماز اور درس کے لئے مسجد اقصیٰ کی طرف تشریف لے جا رہے تھے۔میں بھی ساتھ تھا جب مسجد کی آخری سیڑھی پر پہنچے تو اپنا ایک ہاتھ میرے کندھے پر رکھا۔اور دوسرا اپنی داڑھی پر۔اور مجھے مخاطب کر کے

۵۱۔ رسالہ تشحیذ الاذہان۔ اکتوبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۴۷۶۔

فرمایا۔ دیکھو! اس نے عربی پڑھی ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے مجھے رزق دیا ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ عربی پڑھنے کے بعد خدا تعالیٰ رزق نہیں دیتا؟ یہ سُنکر میں بالکل خاموش ہو گیا۔ اور اس کے بعد مجھے حضور کا درس سننے کا اتنا شوق پیدا ہوا کہ میں حضور کے ہر درس میں بڑے شوق اور جد و جہد سے شامل ہوتا۔"

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رض کی ایک خواہش

حضرت خلیفۃ المسیح اول رض کو چونکہ سب سے زیادہ مرغوب چیز درس قرآن تھا۔ اس لئے آپ یہ چاہتے تھے کہ درس القرآن کے لئے ایک ہال تیار کر والیا جائے تا آئندہ ہمیشہ اسی میں درس ہوتا رہا کرے۔ حضرت میر ناصر نواب صاحب کو جب حضور کی اس خواہش کا علم ہوا تو آپ نے اس کام کے لئے روپیہ فراہم کرنا اور ہال تعمیر کروانا اپنے ذمہ لے لیا۔ مگر بجائے اس کے کہ کوئی الگ ہال تعمیر کروایا جائے۔ حضرت کے مشورہ سے یہ طے پایا کہ موجودہ مسجد اقصیٰ میں ہی ایک بڑا کمرہ بنا کر دیا جائے جو درس کے کام بھی آسکے اور نمازی بھی اس میں آرام سے نماز پڑھ سکیں چنانچہ اس فیصلہ کی تعمیل میں حضرت میر صاحب موصوف نے وہ ہال کمرہ بنوا دیا۔ فجزاہ اللہ احسن الجزا۔

تعمیرات کا کام چونکہ حضرت میر صاحب موصوف ہی کے ذمہ تھا۔ اور چندہ بھی آپ خود ہی جمع کیا کرتے تھے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں حضرت حافظ مختار احمد صاحب شاہجہانپوری کا ایک بیان درج کر دیا جائے۔

روپیہ حاصل کرنے کا گر

حضرت حافظ صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ

"ایک مرتبہ حضرت میر ناصر نواب صاحب مسجد مبارک میں چندہ کی ایک فہرست لئے تشریف لائے۔ اور حضرت خلیفہ اول رض کے حضور میں پیش کی۔ اور عرض کیا کہ حضور! اس پر چندہ لکھ دیں۔ حضور نے فرمایا کہ میر صاحب! ہم آپ کو روپیہ حاصل کرنے کا گر یا یہ فرمایا کہ ایک ترکیب بتائیں۔ میر صاحب نے عرض کیا کہ حضور! میں گر نہیں سیکھنا چاہتا چندہ چاہتا ہوں۔ اس پر آپ نے ایک رقم لکھ دی اور فرمایا کہ ہم انشاء اللہ فلاں روز یا فلاں تاریخ یہ رقم ادا کر دیں گے۔ چند دن گزرنے کے بعد مسجد مبارک ہی میں دیکھا گیا کہ چٹھی رساں آرہا ہے اور اس کے پیچھے پیچھے حضرت میر صاحب بھی ہیں۔ چٹھی رساں نے منی آرڈر فارم حضرت

لے۔ بدر پرچہ ۲۷ فروری، ۱۳ مارچ ۱۹۱۳ء

خلیفۃ المسیح الاولؓ کی خدمت میں پیش کیا۔ اور حضور نے اس پر دستخط کر دیئے اور فرمایا۔ کہ روپیہ میر صاحب کو دیدیں۔ وہ روپیہ اتنی ہی تعداد میں تھا جتنا کہ آپنے فہرست میں میر صاحب کو وعدہ لکھوایا تھا۔

یہی واقعہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ۲۸ دسمبر ۱۹۵۶ء کے خطبہ جمعہ میں اس طرح بیان فرمایا:-

"حضرت خلیفہ اولؓ کو یہ دعویٰ تھا۔ فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں ایک نسخہ معلوم ہے کہ اُس کی وجہ سے جو ضرورت ہوتی ہے وہ پوری ہو جاتی ہے اور روپیہ آجاتا ہے۔ نانا جان مرحوم باہر جاتے تھے۔ چندے لیتے تھے مسجد کیلئے اور دار الضعفاء وغیرہ کے لئے۔ ایک دن مسجد میں بیٹھے ہوئے کہنے لگے۔ میر صاحب میں آپ کو وہ نسخہ بتاؤں کہ جس کے ذریعہ سے آپ کو گھر بیٹھے روپیہ آجایا کرے اور مسجدیں بھی بن جائیں اور دار الضعفاء بھی بن جائیں۔ آپ کو باہر پھرنا نہ پڑے۔ سُنتے ہی نانا جان کہنے لگے۔ نہیں مجھے ضرورت نہیں۔ میں خُدا کے سوا کسی کا محتاج ہونا نہیں چاہتا۔ مجھے خدا دلائے گا اور اسی سے مانگوں گا۔ آپ سے نسخہ نہیں لیتا۔ حضرت خلیفۂ اولؓ اُن کے پیر بھی تھے۔ بیعت بھی کی ہوئی تھی۔ پھر وہ نسخہ بتانا چاہتے تھے۔ عام طور پر غیر احمدی سمجھا کرتے تھے کہ آپ کو کیمیا آتا ہے اور لوگ آیا کرتے تھے کہ ہمیں کیمیا سکھا دیں۔ تو نانا جان پر وہ آپ ہی مہربان ہو گئے اور کہنے لگے۔ میں آپ کو وہ نسخہ بتا دیتا ہوں جس کی وجہ سے جب ہمیں روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے تو خُدا ہمیں آپ ہی مہیا کر دیتا ہے۔ مگر نانا جان کہنے لگے۔ نہیں نہیں بالکل نہیں میں نہیں سیکھنا چاہتا۔ میں تو خدا سے مانگوں گا۔ مجھے آپ سے نسخہ لینے کی ضرورت نہیں۔"[۵۱]

نوٹ:۔ حضرت حافظ صاحب بیان فرماتے ہیں۔ کہ جب حضرت خلیفہ اولؓ نے میر صاحب کو فرمایا۔ کہ ہم آپ کو روپیہ حاصل کرنے کا ایک گُر بتاتے ہیں اور میر صاحب نے جواب دیا کہ مجھے تو رقم بتائیں۔ میں گُر حاصل نہیں کرنا چاہتا۔ تو موجودہ اصحاب کو افسوس ہُوا۔ کہ میر صاحب نے گُر کیوں نہ سُن لیا۔

کیا حضرت خلیفۃ المسیح کو کیمیا کا نسخہ آتا تھا | اسی طرح جلسہ سالانہ کی ایک تقریر میں حضرت

[۵۱] ۔ الفضل ۳۰ جنوری ۱۹۵۷ء صفحہ ۲۔

خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا کہ :-

"حضرت خلیفہ اول رضؓ کے متعلق یہ بات مشہور تھی اور آپ خود بھی فرمایا کرتے تھے کہ مجھے جب بھی روپیہ کی ضرورت ہو۔ اللہ تعالیٰ کہیں نہ کہیں سے روپیہ بھجوا دیتا ہے۔ ایک دفعہ کسی نے آپ کے پاس بتیس ۳۲ روپے بطور امانت رکھے۔ جو کسی ضرورت پر آپ نے خرچ کر لئے چند دنوں کے بعد وہ شخص آیا۔ اور کہنے لگا۔ کہ میری امانت مجھے دے دیجئے۔ مگر آپ نے فرمایا۔ ذرا ٹھہر جائیں۔ ابھی دیتا ہوں۔ دس منٹ ہی گذرے ہوں گے۔ کہ باہر سے ایک مریض آیا۔ اور اس نے فیس کے طور پر آپ کے سامنے کچھ روپے رکھ دئے۔ حافظ روشن علی صاحب پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ انہیں حضرت خلیفہ اول رضؓ فرمانے لگے۔ کہ یہ روپے گن کر اس شخص کو دیدیں۔ انہوں نے روپے لیکر گن دئے اور رسید لے کر پھاڑ دی۔ بعد میں ہم نے حافظ روشن علی صاحب سے پوچھا کہ کتنے روپے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ جتنے روپے وہ مانگتا تھا۔ بس اُتنے ہی روپے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ عجیب و غریب رنگ میں آپ کی مدد فرمایا کرتا تھا۔ اور بسا اوقات نشان کے طور پر آپ پر مال و دولت کے عطایا ہو جایا کرتے تھے۔ ہم تو سمجھتے تھے کہ یہ سب دعا کی برکات ہیں۔ مگر بعض لوگ غلطی سے یہ سمجھتے تھے کہ آپ کو کیمیا کا نسخہ آتا ہے۔ چنانچہ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ جب وفات پا گئے تو دہلی کے ایک حکیم صاحب میرے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ میں آپ سے الگ ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ میں نے انہیں موقع دیدیا۔ وہ پہلے تو مذہبی رنگ میں باتیں کرنے لگے اور کہنے لگے کہ آپ کے والد صاحب کو خدا تعالیٰ نے بڑا درجہ بخشا ہے وہ خدا تعالیٰ کے مامور تھے۔ اور جسے خدا تعالیٰ نے مامور بنا دیا ہو اس کا بیٹا بھلا کہاں بخیل ہو سکتا ہے۔ مجھے آپ سے ایک کام ہے اور آپ اس معاملہ میں میری مدد کریں اور بخل سے کام نہ لیں۔ میں نے کہا فرمائیے کیا کام ہے۔ وہ کہنے لگے مجھے کیمیا گری کا بڑا شوق ہے اور میں نے اپنی تمام عمر اس میں برباد کر دی ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ حضرت مولوی صاحب کو کیمیا کا نسخہ آتا تھا اور آپ چونکہ اُن کی جگہ خلیفہ مقرر ہوئے ہیں اس لئے وہ آپ کو ضرور کیمیا کا نسخہ بتا گئے ہوں گے۔ پس مہربانی کر کے وہ نسخہ مجھے بتا دیجئے۔ میں نے کہا مجھے تو کیمیا کا کوئی نسخہ نہیں بتا گئے۔ وہ کہنے لگے۔ یہ ہو کس طرح سکتا ہے کہ آپ اُن کی جگہ خلیفہ ہوں اور وہ آپ کو کیمیا کا نسخہ بھی نہ بتا گئے ہوں۔ غرض میں اُنہیں جتنا یقین دلاؤں کہ

مجھے کیمیا کا کوئی نسخہ نہیں ملا۔ اُتنا ہی اُن کے دل میں میرے بُخل کے متعلق یقین بڑھتا جائے۔ میں اُنہیں بار بار کہوں کہ مجھے ایسے کسی نسخہ کا علم نہیں اور وہ پھر میری خوشامد کرنے لگ جائیں۔ اور نہایت لجاجت سے کہیں۔ کہ میری ساری عمر اس نسخہ کی تلاش میں گذر گئی ہے۔ آپ تو بُخل سے کام نہ لیں۔ اور یہ نسخہ مجھے بتا دیں۔ آخر جب میں اُن کے اصرار سے بہت تنگ آگیا۔ تو میرے دل میں خدا تعالیٰ نے ایک نکتہ ڈال دیا۔ اور میں نے اُن سے کہا۔ کہ گو میں مولوی صاحب کی جگہ اُن کا خلیفہ بنا ہوں۔ مگر آپ جانتے ہیں کہ حضرت مولوی صاحب کے مکان مجھے نہیں ملے۔ وہ کہنے لگے مکان کس کو ملے ہیں؟ میں نے کہا۔ اُن کے بیٹوں کو۔ پھر میں نے کہا ان کا ایک بڑا بھاری کتب خانہ تھا۔ مگر وہ بھی مجھے نہیں ملا۔ پس جب کہ مجھے نہ اُن کے مکان ملے اور نہ اُن کا کتب خانہ ملا ہے تو وہ مجھے کیمیا کا نسخہ کس طرح بتا سکتے تھے۔ اگر انہوں نے یہ نسخہ کسی کو بتایا ہوگا تو اپنے بیٹوں کو بتایا ہوگا۔ آپ اُن کے پاس جائیں۔ اور کہیں کہ وہ نسخہ آپ کو بتا دیں چنانچہ وہ میرے پاس سے اُٹھ کر چلے گئے۔ عبدالحی مرحوم اُن دنوں زندہ تھے۔ وہ جاتے ہی اُن سے کہنے لگے۔ کہ لائیے نسخہ۔ انہوں نے کہا۔ نسخہ کیسا۔ کہنے لگے وہی کیمیا کا نسخہ جو آپ کے والد صاحب جانتے تھے۔ اب وہ حیران کہ میں اُسے کیا کہوں۔ آخر انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔ کہ مجھے کسی نسخے کا علم نہیں۔ اس پر وہ ناکام ہو کر میرے پاس آئے اور کہنے لگے۔ باپ والا بُخل بیٹے میں بھی موجود ہے۔ میں نے کہا کہ آپ جانیں کہ وہ بخیل ہیں یا نہیں۔ مگر میں اُن کے جس حصے کا خلیفہ ہوں۔ وہی مجھے ملا ہے۔ اور کچھ نہیں ملا۔"[51]

نُصرتِ الٰہی کا ایک اور واقعہ

اسی قسم کا ایک واقعہ حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب نے اپنے خُطبہ جُمعہ مؤرخہ ۱/۴/۳۰ میں یوں بیان فرمایا۔ کہ

"بعض لوگوں سے خدا تعالیٰ کا وعدہ ہوتا ہے کہ جب تمہیں کوئی ضرورت ہو تو ہم اس وقت پُوری کر دیں گے۔ پھر وہ کُھلے دل سے خرچ کر سکتے ہیں اور تنگدل نہیں ہوتے۔ نمونہ کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح کو دیکھ لو۔ اُنہیں جو ضرورت ہو۔ اُسی وقت پُوری ہو جاتی ہے۔ اور کوئی روک یا دیر نہیں ہوتی۔ اُن سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ کہ جب تمہیں ضرورت ہو ہم دیں گے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ میرے سامنے ایک آدمی آیا۔ اُس نے دو سو روپیہ بطور امانت دو سال کے لئے دیا۔ اور

۵۱۔ خلافتِ راشدہ۔ تقریر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی جلسہ سالانہ ۱۹۳۹ء صفحہ ۲۱۶ تا صفحہ ۲۱۹۔

کہا کہ میں دو سال کے بعد آکر آپ سے لے لوں گا۔ اگر آپ کو درمیانی وقت میں ضرورت ہو تو خرچ کر سکتے ہیں۔ تو آپ نے وہ روپے لے کر رکھ لئے۔ ایک شخص جس نے جناب سے ایک سو روپیہ قرض مانگا ہوا تھا۔ وہ بھی پاس بیٹھا ہوا تھا۔ آپ نے ایک سو اُسے دیدیا۔ اور رسید لیکر اُس تھیلی میں رکھ لی۔ اور تھیلی روپوں کی گھر بھجوا دی۔ تھوڑی دیر کے بعد وُہی امانت رکھنے والا پھر آیا اور کہا کہ میرا ارادہ بدل گیا ہے۔ وہ روپے آپ مجھے دیدیں۔ آپ نے فرمایا۔ کب جاؤ گے۔ اُس نے کہا ایک گھنٹے کو۔ آپ نے فرمایا۔ اچھا۔ تم یکہ وغیرہ کرو۔ اور ایک گھنٹہ کو آکر مجھ سے روپیہ لے لینا۔ میں اس وقت آپ کے پاس ہی بیٹھا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ دیکھو انسان پر بھروسہ کرنا کیسی غلطی ہے۔ میں نے غلطی کی۔ خُدا نے بتلا دیا کہ دیکھو! تم نے غلطی کی۔ اب دیکھو! میرا مولیٰ میری کیسی مدد کرتا ہے۔ وہ ایک سو روپیہ ایک گھنٹے کے اندر اندر آپ کو مل گیا اور آپ نے اُسے دیدیا۔[1]

لنڈن سے ایک میگزین جاری کرنے کیلئے خریداری کی تحریک

پیچھے گزر چکا ہے کہ جناب خواجہ کمال الدین صاحب ایک احمدی رئیس کے مقدمہ کی پیروی کرنے کے لئے ولایت گئے تھے۔ انہوں نے وہاں سے حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لکھا۔ کہ یہاں تبلیغ اسلام کے لئے میدان وسیع ہے۔ اور وہ وہاں سے ایک ماہوار میگزین نکالنا چاہتے ہیں۔ جس کا چندہ انہوں نے پانچ روپے سالانہ مقرر کیا۔ اور یہ ارادہ ظاہر کیا کہ اگر دو ہزار احباب خریدار بننا قبول کر لیں۔ تو وہ ایک ہزار پرچہ امریکہ، افریقہ اور یورپ میں مفت تقسیم کیا کریں گے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ کو خواجہ صاحب کی یہ تجویز پسند آئی اور آپ نے بدر اخبار کی اشاعت میں تحریک فرمائی۔ کہ

احباب تین ہزار کی تعداد میں اس رسالہ کے خریدار بنیں۔ اور رسالہ خواہ خود حاصل کر لیں اور خواہ اپنی طرف سے غیر مسلموں میں تقسیم کرنے کی خواجہ صاحب کو اجازت دیدیں۔

خواجہ صاحب نے اس رسالہ کا نام "مسلم انڈیا و اسلامک ریویو"[2] رکھا اور دوستوں کی امداد پر بھروسہ کر کے اُسے جاری کر دیا۔ چنانچہ یہ رسالہ چل نکلا۔

خواجہ صاحب کو یورپ میں اشاعت اسلام کیلئے کس نے بھیجا

جناب خواجہ صاحب یورپ میں گئے تو جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے آپ ایک احمدی رئیس کے مقدمہ کی پیروی کیلئے گئے تھے۔ لیکن ایک احمدی ہونے کی حیثیت میں جو فرض ان کے ذمہ تھا اُسے

---

[1] الفضل ۳ر فروری ۱۹۱۷ء صفحہ ۱۴
[2] بدر پرچہ ۶ مارچ ۱۹۱۳ء صفحہ ۱

بھی وہ نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے موقعہ ملنے پر اشاعتِ اسلام کا کام بھی کرتے تھے۔ چنانچہ آپ ایک چٹھی میں جناب ایڈیٹر صاحب بدر کو لکھتے ہیں:۔

مکرمی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

"میں نے ہندوستان سے رخصت ہوتے ہوئے پیسہ اخبار و زمیندار کے ذریعہ اپنی غرض سفر شائع کر دی تھی۔ اشاعتِ اسلام کے متعلق نہ میں نے کسی سے وعدہ کیا اور نہ کوئی امید دلائی...... میں یہاں نہ کسی انجمن کی طرف سے مقرر ہو کر آیا ہوں اور نہ کسی مغرور نفع تاجر بمبئی کی جیب نے متکفل ہو کر مجھے اشاعتِ اسلام کے لئے یہاں بھیجا۔...... اسلام کا درخت قیمتی قربانیوں سے سینچا گیا ہے اور اب بھی اس کی ضرورت ہے"[۵]

اس تحریر سے ظاہر ہے کہ جناب خواجہ صاحب کو کسی فرد یا جماعت نے اشاعتِ اسلام کے لئے یورپ نہیں بھیجا تھا۔ مگر چونکہ ایک احمدی رئیس کے مقدمہ کی خاطر کافی عرصہ آپ کو وہاں ٹھہرنا تھا، اس لئے اُس کا کام بھی کرتے رہے اور فارغ اوقات میں اشاعتِ اسلام کا فریضہ بھی ادا فرماتے رہے۔

ایک معزز غیر احمدی کی اہلِ قادیان کے متعلق رائے۔ مارچ ۱۹۱۳ء

مارچ ۱۹۱۳ء میں امرتسر کے ایک معزز غیر احمدی میاں محمد اسلم صاحب قادیان تشریف لائے۔ انہوں نے جو نقشہ اُس وقت کے قادیان کا کھینچا ہے۔ اُس کی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"عالم اسلام کی خطرناک تباہ انگیز مایوسیوں نے مجھے اس اصول پر قادیان جانے پر مجبور کیا کہ احمدی جماعت جو بہت عرصہ سے یہ دعویٰ کر رہی ہے کہ وہ دُنیا کو تحریری دلقہ یا جنگ سے مغلوب کر کے حلقہ بگوش اسلام بنائے گی۔ آیا وہ ایسا کرنے کی اہلیت رکھتی ہے؟...... اس تصویر کی زبردست کشش نے آخر کار گذشتہ ہفتہ مجھے امرتسر سے کھینچ کر قادیان میں لے جا کر کھڑا کر دیا۔ جہاں میں اور میرا رفیق مولوی ضیاء اللہ صاحب بٹالہ کے اسٹیشن سے بذریعہ یکہ قادیان پہنچے اور مفتی محمد صادق صاحب کے مہمان بنے۔

مفتی محمد صادق صاحب کی مشفقانہ مہمان نوازی کے صدقے ہمیں قادیان میں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوئی۔ وہاں اُن کے ذریعے مولوی نور الدین صاحب اور صاحبزادہ بشیر الدین محمود احمد صاحب

۵؎ - بدر ۶ مارچ ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۲

سے بھی ملاقات کی عزت حاصل کرنے کا پورا موقعہ ملا مفتی صاحب کے ہم ازحد مشکور ہیں۔

مولوی نورالدین صاحب نے جو بوجہ مرزا صاحب کے خلیفہ ہونے کے اس وقت احمدی جماعت کے مسلمہ پیشوا ہیں۔ جہاں تک میں نے دو دن اُن کی مجالس وعظ و درس قرآن شریف میں رہ کر اُن کے کام کے متعلق غور کیا۔ مجھے وہ نہایت پاکیزہ اور محض خالصتاً للہ کے اصول پر نظر آیا۔ کیونکہ مولوی صاحب کا طرز عمل قطعاً ریا و منافقت سے پاک ہے۔ اور اُن کے آئینۂ دل میں صداقت اسلام کا ایک ایسا زبردست جوش ہے جو معرفتِ توحید کے شفاف چشمے کی درمنع میں قرآن مجید کی آیتوں کی تفسیر کے ذریعے ہر وقت اُن کے بے ریا سینے سے اُبل اُبل کر تشنگان معرفتِ توحید کو فیضیاب کر رہا ہے اگر حقیقی اسلام قرآن مجید ہے تو قرآن مجید کی صادقانہ محبت جیسی کہ مولوی صاحب موصوف میں مَیں نے دیکھی ہے اور کسی شخص میں نہیں دیکھی۔ یہ نہیں کہ وہ تقلیداً ایسا کرنے پر مجبور ہے نہیں بلکہ وہ ایک زبردست فیلسوف انسان ہے۔ اور نہایت ہی زبردست فلسفیانہ تنقید کے ذریعہ قرآن مجید کی محبت میں گرفتار ہو گیا ہے۔ کیونکہ جس قسم کی زبردست فلسفیانہ تفسیر قرآن مجید کی میں نے اُن سے درس قرآن مجید کے موقعہ پر سُنی ہے غالباً دُنیا میں چند آدمی ایسا کرنے کی اہلیت اس وقت رکھتے ہوں گے۔ مجھے زیادہ تر حیرت اس بات کی ہوئی کہ ایک اسی سالہ بوڑھا آدمی صبح سویرے سے لیکر شام تک جس طرح لگاتار سارا دن کام کرتا رہتا ہے۔ وہ متحدہ طور پر آج کل کے تندرست و قوی ہیکل و ذہین نوجوانوں سے بھی ہونا مشکل ہے۔ میں کام کرنے کے متعلق مولوی صاحب کو غیر معمولی طاقت کا انسان تو نہیں سمجھتا لیکن اپنے فرض کی ادائیگی میں اُسے خیر القرون کے قدسی صفت صحابہ کا پورا ہیرو کہنے میں اگر منافقت کروں تو یقیناً میں صداقت کا خون کرنے والا ہو جاؤں۔ مولوی صاحب کے تمام حرکات و سکنات میں صحابہ علیہم السلام کی سادگی اور بے تکلفی کی شان پائی جاتی ہے۔ اُنہی نہ اپنے لئے کوئی تمیزی نشان مجلس میں قائم کر رکھا ہے۔ نہ کسی امیر و غریب کیلئے اور نہ تسلیم یا کورنش جیسی پیر پرستی کی لعنت کو وہاں جگہ دی گئی ہے۔

صاحبزادہ بشیر الدین محمود احمد صاحب سے بھی مل کر ہمیں ازحد مسرت ہوئی۔ صاحبزادہ صاحب نہایت ہی خلیق اور سادگی پسند انسان ہیں علاوہ خوش خلقی کے کہیں بڑی حد تک معاملہ فہم و مدبر بھی ہیں۔ علاوہ دیگر باتوں کے جو گفتگو صاحبزادہ صاحب موصوف کے اور میرے درمیان ہندوستان کے

مستقبل پر ہوئی اس کے متعلق صاحبزادہ صاحب نے جو رائے اقوام عالم کے زمانہ ماضی کے واقعات کی بناء پر ظاہر فرمائی۔ وہ نہایت ہی زبردست مدبرانہ پہلو لئے ہوئے تھی۔ صاحبزادہ صاحب نے مجھ سے ازراہ نوازش بہت کچھ ہی مخلصانہ پیرائے میں یہ خواہش ظاہر فرمائی کہ میں کم از کم ایک ہفتہ قادیان میں رہوں۔ اگرچہ بوجوہ چند در چند میں اُن کے ارشاد کی تعمیل سے قاصر رہا۔ مگر صاحبزادہ صاحب کی اس بلند نظرانہ مہربانی و شفقت کا از حد مشکور ہوں۔ صاحبزادہ صاحب کا زہد و اتقاء اور اُن کی وسعت خیلانہ سادگی ہمیشہ مجھے یاد رہے گی۔

مولوی محمد علی صاحب ایڈیٹر "ریویو آف ریلیجنز" سے ملنے کی مجھے نہایت ہی تمنا تھی۔ مگر افسوس بڑی مسجد میں باوجود ان سے معانقہ کرنے کے انہوں نے یہ دریافت کرنے کی تکلیف گوارا نہیں کی کہ ایک مسافر مسلمان جو اُن سے بڑھ کر نہایت گرمجوشی سے معانقہ کر رہا ہے۔ وہ کون ہے؟ اس لئے صرف ان کی زیارت ہی نصیب ہوئی۔ اور مکالمے کی عزت نصیب نہ ہوئی۔

حضرت اکمل صاحب سے کافی ملاقات ہوئی۔ اور انہوں نے جو کچھ مہربانی نہایت فراخدلی سے میری مسافرانہ حالت پر فرمائی۔ اس کا میں مشکور ہوں۔

علاوہ اس کے میں نے قادیان کی احمدی جماعت کی اس جد و جہد کو دو دن میں بکمال غور و خوض دیکھا جو وہ مدرسہ احمدیہ اور ہائی سکول کے قیام کے ذریعہ دنیا میں حقیقی اسلامی قوم پیدا کرنے کی مدعی بن کر کر رہی ہے۔ اس اپنے عملی پروگرام کو پورا کرنے کی مستعدی میں احمدی جماعت قابل مبارکبادی کے ہے۔ کیونکہ جہاں ہائی سکول میں مسلمان طالب علموں کو مروجہ دنیاوی علوم کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ وہاں نہایت ہی اعلیٰ پیمانے پر قرآن مجید کی مفسرانہ تعلیم کے ذریعے حقیقی فلسفۂ اسلام سے اُن کے دل و دماغ معمور کئے جا رہے ہیں۔ علاوہ اپنے لائق ماسٹروں اور ٹیوٹروں سے اسلامی تعلیم و تہذیب کے سیکھنے کے ہر ایک ہائی سکول کا طالب علم نماز عصر کے بعد نماز شام تک مولوی نورالدین صاحب کے آگے بڑی مسجد میں ان کے باقاعدہ درس قرآن شریف کے وقت زانوئے شاگردی تہ کرنے کو پابند کیا گیا ہے۔ اور ہائی سکول قادیان کے طالب علم کو روزانہ ذہن نشین کرایا جاتا ہے کہ جس اسلام کے ارکان مذہبی کی ادائیگی تم سے عملاً سکول میں کرائی جاتی ہے۔ وہ فطرتاً تم پر قوانین قدرت نے زندگی کے باقی لوازمات سے بڑھ کر بطور ایک زبردست واہم فرض کے عائد کر دیئے

ہیں۔ یہ نہیں کہ علی گڈھ کالج کے طلباء کی طرح اُن سے نماز تو جبراً پڑھائی جائے۔ اور نماز کے پڑھنے کی ضرورت فلسفۂ فطرت کی رُو سے انہیں نہ سمجھائی جائے جس سے علیگڈھ کے طلباء کی طرح وہ نماز کو ایک زبردستی بیگار تصور کرتے ہوئے اسلام کے متعلق نفرت کا بیج دل میں بونے پر مجبور ہوں۔ کیونکہ ڈارون اور بیکن کے فلسفے کو پڑھنے والے طالب علموں سے مان نہ مان میں تیرا مہمان کے اصول پر انگریزی اسلامی سکولوں و کالجوں پر قادیان کے ہائی سکول کو اسلامی پہلو سے وہ برتری حاصل ہے۔ کہ جس کی گرد کو باقی اسلامی، انگریزی سکول و کالج نہیں پہنچ سکتے۔ مدرسہ احمدیہ چونکہ خالص مذہبی تعلیم کا مدرسہ ہے۔ اس لئے میں ہندوستان کی باقی مذہبی درس گاہوں پر اسے چنداں فوقیت نہیں دے سکتا۔ مگر میرے خیال میں فلسفہ قرآن کے سمجھنے میں اس کے طالب علم باقی درسگاہوں سے بہت فائدہ میں ہیں۔ جبکہ انہیں خاص طور پر اس کے متعلق بہت سے عمدہ ذرائع حاصل ہیں۔ جو ہندوستان کی دیگر مذہبی درسگاہوں کے طلباء کو حاصل نہ ہوں گے۔

عام طور پر قادیان کی احمدی جماعت کے افراد کو دیکھا گیا۔ تو انفرادی طور پر ہر ایک کو توحید کے نشے میں سرشار پایا گیا۔ اور قرآن مجید کے متعلق جس قدر صادقانہ محبت اس جماعت میں میں نے دیکھی۔ کہیں نہیں دیکھی۔ صبح کی نماز منہ اندھیرے چھوٹی مسجد میں پڑھنے کے بعد جو میں نے گشت کی۔ تو تمام احمدیوں کو میں نے بلا تمیز بوڑھے و بچے اور نوجوانوں کے لیمپ کے آگے قرآن مجید پڑھتے دیکھا۔ دونوں مسجدوں میں دو بڑے گروہوں اور سکول کے بورڈنگ میں سینکڑوں لڑکوں کی قرآن خوانی کا مؤثر نظارہ مجھے عمر بھر یاد رہے گا۔ حتیٰ کہ احمدی تاجروں کا صبح سویرے اپنی اپنی دکانوں اور احمدی مسافر مقیم مسافر خانے کی قرآن خوانی بھی ایک نہایت پاکیزہ سین پیش کر رہی تھی۔ گویا صبح کو مجھے یہ معلوم ہوتا تھا۔ کہ قدسیوں کے گروہ در گروہ آسمان سے اتر کر قرآن مجید کی تلاوت کرکے بنی نوع انسان پر قرآن مجید کی عظمت کا سکہ بٹھلانے آئے ہیں۔ غرض احمدی قادیان میں مجھے قرآن ہی قرآن نظر آیا۔

پیر پرستی کا نرالا ڈھونگ جو ہندوستان میں مسلمانوں کی شامتِ اعمال سے ہندوستان کے بڑے بڑے اولیاؤں کے مزاروں کے ذریعے اُن کے جانشینوں اور خلیفوں نے ڈال کر اپنے طرزِ عمل سے اسلامی توحید کی مٹی پلید کر رکھی ہے۔ میں نے اپنے دو دن کے قیام میں اس کا کوئی

شائبہ عملی صورت میں نہیں دیکھا۔ مرزا صاحب کی قبر کو بھی جاکر دیکھا جس پر کوئی عالی شان یا معمولی روضہ نہیں بنایا گیا۔ اپنے گردو نواح کی قبروں سے اسے کسی قسم کی نمایاں خصوصیت نہیں تھی۔ اور نہ کسی مجاور یا جاروب کش کو وہاں پایا۔ نہ کسی کو زیارت کرتے یا دعا مانگتے دیکھا۔ (ممکن ہے جسوقت میاں محمد اسلم صاحب حضرت اقدس کی قبر پر گئے ہوں۔ اس وقت وہاں کسی کو دعا کرتے نہ دیکھا ہو۔ ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق حضرت اقدس کی قبر کی زیارت بھی کی جاتی ہے۔ اور دعائیں بھی مانگی جاتی ہیں۔ البتہ دعائیں مانگنے والے حضور کو مخاطب کر کے اپنے لئے کوئی چیز نہیں مانگتے۔ ہاں حضور کے مدارج کی ترقی کیلئے اور اپنی مغفرت کیلئے اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں مانگتے ہیں۔ ناقل) میں نے نہایت غور سے اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر قبر کے سرہانے کو دیکھا کہ کہیں پرستش کی مستحق قبروں کی طرح اس قبر پر بھی چراغ جلایا جاتا ہو۔ مگر میں نے اس کا کوئی نشان نہ پایا۔ علاوہ اس کے میرے رُو برو تو نہ مولوی نورالدین صاحب سے کسی نے تعویز لینے کی استدعا کی اور نہ کسی سائل یا مریض کو انہوں نے لکھدیا۔ اور نہ کسی پر جھاڑ پھونک کی۔ پس ہر ایک معاملے میں علاوہ بیماروں کو علاج بتانے کے خداوند تعالیٰ سے دعائیں مانگنے کا زور تھا۔ جس کے لئے مولوی نورالدین صاحب نے اپنے آپ کو مخصوص نہیں بنا رکھا۔

ہاں ایک بات کسی حد تک پیر پرستی کی بنیاد آئندہ قادیان میں قائم ہو جانے کے متعلق مجھے نظر آئی۔ وہ "الحکم" کے ایڈیٹر کا ایک مطبوعہ اشتہار تھا۔ جو قادیان میں بہت جگہ چسپاں پایا گیا جو صاحبزادہ بشیر الدین محمود احمد صاحب کے سفر حج سے بخیر و عافیت واپس آنے کی مبارکبادی کے لئے شائع کیا گیا تھا جس کا مفہوم "مُڑ گئے دی لاج" جیسے پنجابی فقرہ اور باقی سیاق عبارت سے پیر پرستی کے خدوخال کو نمایاں کر رہا تھا مجھے افسوس ہے کہ کیوں ایک ایسے اشتہار کی اشاعت اس حد تک جائز رکھی گئی ہے۔ کہ وہ بہت دنوں سے خدا پرست قادیان کی دیواروں کو منہ چڑا رہا ہے خصوصاً مولوی نورالدین صاحب اور صاحبزادہ صاحب کو اسے اکھڑوا ڈالنا چاہئے تھا۔ اس کو دیکھ کر مجھے خوف پیدا ہو گیا ہے کہ کہیں یہ پیر پرستی کی کمزور سی چنگاری بڑھتے بڑھتے سارے قادیان کو بھسم نہ کر ڈالے۔ جو غالباً مولوی نورالدین صاحب کی اس دُنیا سے رحلت فرمانے کی انتظار میں ہے۔ جس کا تدارک امید ہے کہ صاحبزادہ صاحب ابھی سے فرمادیں گے۔ (حضرت صاحبزادہ صاحب کی سفر حج سے کامیاب

مراجعت پر اہل قادیان بلکہ کل جماعت احمدیہ کا فرحت محسوس کرنا بلکہ خوشی و مسرت کے گیت گانا بالکل بجا اور اسلامی رُوح کے عین مناسب تھا۔ میاں محمد اسلم صاحب غالباً اس امر کو بھول گئے ہونگے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے۔ تو اہل مدینہ نے کافی دور باہر جاکر حضور کا مدحیہ اشعار اور نعتوں سے استقبال کیا تھا۔ اور ان کا یہ فعل انسانی فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق تھا اسی طرح حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب جو اس وقت حضرت خلیفۃ المسیحؓ کے بعد ساری جماعت احمدیہ کے نزدیک اپنی خدماتِ دینیہ کی وجہ سے معزز اور واجب الاحترام تھے ان کی ایک لمبے اور کامیاب دینی سفر سے واپسی پر مسرت اور انبساط کا اظہار نہ کیا جاتا۔ تو یقیناً اہل قادیان اپنے فرض سے کوتاہی کرتے۔ ناقل)

اس ایک خفیف مگر برائے نام نقص کے علاوہ باقی جو کچھ میں نے احمدی قادیان میں جا کر دیکھا۔ وہ خالص اور بے ریا توحید پرستی تھی۔ اور جس طرف نظر اٹھتی تھی قرآن ہی قرآن نظر آتا تھا۔ غرض قادیان کی احمدی جماعت کو عملی صورت میں اپنے اس دعوے میں کہیں بڑی حد تک سچا ہی سچا پایا۔ کہ وہ دنیا میں اسلام کو پُرامن صلح کے طریقوں سے تبلیغ و اشاعت کے ذریعے ترقی دینے کے اہل ہیں۔ اور وہ ایسی جماعت ہے جو دنیا میں عملاً قرآن مجید کے خالصۃً للہ پیرو اور اسلام کی فدائی ہے۔ اور اگر تمام دنیا اور خصوصاً ہندوستان کے مسلمان یورپ میں اشاعتِ اسلام کے اُن کے ارادوں کی عملاً مدد کریں۔ تو یقیناً یورپ آفتاب اسلام کی نُورانی شعاعوں سے منور ہو جائیگا۔[۱]

ایک عیسائی کا قبول اسلام

۲۲۔ مارچ ۱۹۱۳ء

۲۲۔ مارچ ۱۹۱۳ء کو ایک عیسائی ڈاکٹر بھگوانداس کرشنہ ستارۂ ہند۔ ہیڈ ماسٹر سکول سہارنپور حضرت خلیفۃ المسیح علیہ السلام کی خدمت میں مشرف بہ اسلام ہونے کے لئے پیش ہوئے۔ تو حضرت خلیفۃ المسیحؓ نے ایک وعظ فرمایا جس میں کلمہ طیبہ اور اسلام کی حقیقت بیان فرمائی۔ خلاصہ اس بیان کا یہ ہے کہ

"لاالٰہ الا اللہ کے یہ معنی ہیں۔ کہ صرف اللہ ہی ہے جو کہ انسان کی ضروریات کی تمام چیزیں مہیا کرتا ہے۔ اور ان کو پیدا کرتا ہے۔ اس کے سوا کسی اور کی پرستش نہ کرنا اور کسی اور کو معبود نہ جاننا۔ اور الٰہ کے معنی ہیں معبود۔ خدا کے سوا غیر کو پوجنا اور سجدہ کرنا۔ اس کا نام شرک ہے۔

---

[۱] - بدر ۱۳ مارچ ۱۹۱۳ء صفحہ ۶ تا ۹

لیکن اسلام نے جہاں اشہد ان لا الٰہ الا اللّٰہ فرمایا ہے وہاں ساتھ ہی اشہد انّ محمدًا عبدہٗ ورسولہٗ بھی رکھا ہے۔ اور اس کا بھید یہ ہے کہ چونکہ دُنیا میں جب کبھی کوئی راستباز آیا تو تھوڑے عرصہ کے بعد اس کے ماننے والوں نے اس کو خدا ٹھہرالیا۔ رامچندر جی کو خدا بنایا گیا۔ کرشن جی کو خدا ٹھہرایا گیا۔ اور حضرت مسیح کو بھی خُدا اور خُدا کا بیٹا بتایا گیا ہے۔ حالانکہ حضرت مسیحؑ نے کہا بھی تھا۔ کہ مجھے اچھا نہ کہو۔ بلکہ اچھا ایک ہی ہے۔ جس کو خُدا کہتے ہیں۔ اس لئے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نکتہ تجویز فرمایا کہ ایسا نہ ہو کہ مجھے بھی اُن کی ہی طرح بنایا جاوے تو لا الٰہ الا اللّٰہ کے ساتھ اپنا عبد اور رسُول ہونا بھی رکھ دیا۔ ...... پھر اسلام کا دوسرا پہلو شفقت علیٰ خلق اللہ ہے۔ زکوٰۃ اور حج کرنے کا حکم کرکے عام لوگوں پر شفقت کرنا سکھایا۔ اور نماز روزہ کا حکم کرکے اپنی جان پر شفقت کرنا سکھایا روزہ بڑی بابرکت چیز ہے اور اس میں انسان کو مشق کرائی جاتی ہے کہ وہ اپنی جان کے لئے ناجائز طور پر کوئی چیز استعمال نہ کرے۔ کیونکہ جب روزہ میں جائز چیزوں کو چھوڑنا سیکھے گا۔ تو محمد رسُول اللہ کو سچا سمجھتا ہوا اس کی ناجائز کردہ چیزوں کو آئندہ ہی چھوڑ دے گا۔ غرض نتیجہ کلمہ شہادت سے یہ نکلا کہ اللہ کے سوا کسی اور کو معبود نہ جانو اور محمد اللہ کا رسُول اور بندہ ہے۔ اور نماز۔ روزہ۔ حج اور زکوٰۃ میں انسان کی اپنی جان کی بھلائی اور دیگر عام مخلوق کی بھلائی ہے۔ ورنہ کسی کو اپنے مذہب میں داخل کرتے وقت پانی چھڑکنے سے کیا فائدہ! اور دُنیا کے متعلق تو حضرت مسیح فرماتے ہیں کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے میں داخل ہونا آسان ہے۔ لیکن دولت مند کا خدائی بادشاہت میں داخل ہونا مشکل ہے۔"

آخر میں دعا فرمائی اور ماسٹر صاحب کا نام عبداللہ پسند فرمایا۔[۵۱]

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کا ایک حیرت انگیز واقعہ انتہائی ضُعف میں بھی نماز کا احساس

پیچھے ایک جگہ بیان کیا جاچکا ہے۔ کہ ۱۹۱۰ء میں گھوڑے سے گرنے کی وجہ سے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کو جو چوٹ آئی تھی، گو بظاہر تو عرصہ چھ ماہ کے بعد اس سے آرام آگیا تھا۔ مگر وہ تکلیف بکلی رفع نہیں ہوئی تھی۔ آنکھ کے قریب ناسور باقی رہ گیا تھا۔ جس کے باعث تھوڑا سا کام کرنے سے بھی بعض اوقات آپ تھکاوٹ اور ضعف محسوس کرنے لگتے تھے[۵۲] چنانچہ اخبار "بدر" لکھتا ہے:۔

---

[۵۱] بدر ۱۲ مارچ ۱۹۱۳ء ص ۵ [۵۲] بدر ۱۲ مارچ ۱۹۱۳ء ص ۱۳۔

یکم اپریل ۱۹۱۳ء کی شام کو مسجد اقصیٰ میں درس دیتے ہوئے اچانک حضرت خلیفۃ المسیح کو ضعف جسمی ہو گیا۔ بیٹھ گئے پھر لیٹ گئے۔ ہاتھ پاؤں سرد ہو گئے۔ چلنے کی قوت نہ رہی۔ چارپائی پر اٹھا کر لائے۔ مگر راستہ میں جب مسجد مبارک کے پاس پہنچے۔ تو فرمایا مجھے گھر نہ لے جاؤ۔ مسجد میں لے جاؤ۔ بمشکل تمام مسجد کی چھت پر پہنچکر نماز مغرب پڑھی۔ کچھ دوائیں مقوی استعمال کی گئیں۔ باوجود اس تکلیف کے بعد نماز مغرب ایک رکوع کا درس دیا۔ پھر چارپائی پر اٹھا کر گھر تک لائے۔ رات کو افاقہ ہوا۔ صبح کو پھر درس دیا۔ اور بیماروں کو دیکھا۔ ڈاکٹر صاحب کی رائے ہے کہ یکم اپریل سے اول شب میں کثرت پیشاب کے سبب یہ دورہ ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے مکرم محسن مرشد کو دیر تک سلامتی و عافیت سے رکھے۔ آمین۔ اب بالکل آرام ہے۔ فالحمد للہ۔[۱]

خان مسعود احمد خان کی پیدائش
۱۷۔ اپریل ۱۹۱۳ء

حضرت نواب محمد علی خاں صاحب اور حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کے ہاں ۱۷۔ اپریل ۱۹۱۳ء کو ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام مسعود احمد رکھا گیا۔

اُخروی عذاب کا نظارہ دُنیا میں

قرآن کریم کا درس دیتے ہوئے حضور نے ایک مرتبہ آیات ذیل یعنی ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ۚ فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ۚ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ کی تشریح میں فرمایا کہ

"میں نے ایک شخص کو ایک بے نماز دکھلایا جس کے گلے میں ایک زخم آتشک کا تھا۔ اس میں پیپ بھری ہوئی تھی۔ اور اس کا کھانا پینا پیپ سے آلودہ ہو کر اندر جاتا تھا۔ اس طرح سے پیپ کھانے کا عذاب میں نے دنیا میں دیکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی پکڑ بڑی سخت ہے۔ اس سے ڈرنا چاہیئے۔

جب میں جوان تھا۔ مجھے طب کا بھی شوق تھا۔ ایک شخص میرے پاس آتشک زدہ آیا۔ مجھے خیال آیا۔ کہ جو بھنوا کر اس میں تھوہر کا دودھ جذب کر کے گولیاں بنائیں۔ میں نے اسے طعام الاثیم (یعنی گنہگاروں کی غذا) سمجھ کر اس کو بھی وہ گولی دی۔ اس نے اُس کو گھبرا دیا۔ اور کہنے لگا۔ میرے اندر تو آگ لگ گئی ہے۔ پانی دو۔ پھر میں نے (اُس آیت کا خیال کر کے) گرم پانی پلا دیا۔ اُس کو قے اور دست شروع

۱۔ بدر۔ ۱۰۔ اپریل ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۔ ۵۲ واقعہ ۵۶ [۲]

ہو گئے۔ مگر آتشک اچھا ہو گیا۔"[۵۱]

محترم ڈاکٹر عبید اللہ خاں صاحب بٹالوی بیان کرتے ہیں کہ اس واقعہ کو سُن کر علی گڑھ کے ایک پروفیسر نے بیعت کر لی تھی اور کہا تھا کہ سبحان اللہ حضرت مرزا صاحب نے کیسے کیسے آدمی پیدا کئے ہیں۔

بدر عربی

پیچھے بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب اور جناب سید عبد الحی صاحب عرب مولوی فاضل کے سفر حج سے واپسی پر یہ تجویز ہوئی تھی کہ حضرت مسیح موعود کے الہام "مصالح العرب" کے پُورا کرنے کے واسطے بدر کے ساتھ ایک چار صفحات کا ضمیمہ عربی زبان میں معہ ترجمہ اُردو شائع کیا جایا کرے۔ اور عربی ممالک میں معززین کے نام بھیجا جایا کرے۔ غالباً اسی تجویز کا نئے پیرایہ میں یوں فیصلہ ہوا۔ کہ اخبار ہذا کا ایک ماہوار ایڈیشن عربی زبان میں نکالا جائے جس کی ایڈیٹری کے فرائض سید عبد الحی صاحب عرب ادا کریں۔ اس تجویز کو جماعت کے دوستوں نے بہت پسند کیا اور بعض احباب نے پیشگی چندہ بھی جمع کروا دیا۔[۵۲]

طبیبوں کا طبقہ عموماً دہریہ ہوتا ہے

محترم قاضی محمود احمد صاحب مالک راجپوت سائیکل ورکس نیلہ گنبد نے اپنے والد محترم حضرت منشی محبوب عالم صاحب کی طرف منسوب کر کے بیان کیا۔ کہ

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ فرمایا کرتے تھے۔ کہ طبیبوں کا طبقہ عموماً دہریہ ہوتا ہے۔ اگر کوئی مریض اُن سے اچھا ہو جائے تو بڑے فخر سے اپنے نسخہ کا ذکر کرتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی مر جائے تو کہتے ہیں کہ اچھا۔ خدا کی مرضی! گویا کامیابی اپنی طرف منسوب کرتے ہیں اور ناکامی خدا تعالیٰ کی طرف۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب کی امتحان ایم۔ اے میں کامیابی مئی ۱۹۱۳ء

حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب نے ایم۔ اے کا امتحان دیا تھا۔ مئی ۱۹۱۳ء کے آخری عشرہ میں جو نتیجہ نکلا۔ تو آپ اپنی کلاس میں اول آئے۔ اس سلسلہ میں خاکسار نے جب حضرت مرزا صاحب موصوف سے گفتگو کی تو آپ نے ایک نہایت ہی دلچسپ بات بیان فرمائی جو یہ ہے کہ

میں نے جب ایم۔ اے کا امتحان دیا۔ تو چونکہ ہاؤس ایگزیمینیشن (HOUSE EXAMINATION)

۵۱۔ بدر ۱۵ مئی ۱۹۱۳ء صفحہ ۲ نمبر ۱۰-۱۱ جلد ۱۳۔ ۵۲۔ بدر ۲۲ مئی ۱۹۱۳ء صفحہ ۴۔

میں عموماً فیل ہوا کرتا تھا۔ اس لئے اس امر کا وہم بھی نہیں کر سکتا تھا۔ کہ میں اپنی کلاس میں اول بھی آسکتا ہوں۔ لیکن ایک روز جب کہ امتحان بہت نزدیک تھا۔ رات بارہ بجے جو میں سونے لگا۔ تو میں نے خیال کیا۔ کہ آج تہجد کی نماز کیوں نہ پڑھ لیں۔ چنانچہ میں نے وضو کیا۔ نماز کے لئے کھڑا ہوا۔ تو سجدے میں یہ دعا کی۔ کہ یا اللہ! مجھے امتحان میں فسٹ کر دے۔ کل پانچ ہی تو طالب علم ہیں۔ ان میں سے اول نمبر پر پاس کرنا تجھے کیا مشکل ہے۔ میں یہ دعا کر ہی رہا تھا کہ نماز ہی میں میری ہنسی نکل گئی۔ اور میں سو گیا۔ رات خواب میں دیکھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاول تشریف لائے ہیں۔ اور فرماتے ہیں۔ تم یونیورسٹی بھر میں اول نمبر پر پاس ہو گے۔ اور ساتھ ہی فرمایا۔ کہ تہجد کی نماز سے تمہارے بڑے بڑے کام ہوں گے۔ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ اور پھر میں ہنس پڑا جب امتحان دیکر واپس قادیان پہنچا۔ تو حضرت خلیفۃ المسیح نے فرمایا۔ سناؤ میاں! کوئی خواب آئی ہے؟ میں نے عرض کی کہ حضور! یہ خواب آئی ہے۔ فرمایا۔ تم یقیناً یونیورسٹی بھر میں اول نمبر پر پاس ہو گے۔ میں نے کہا حضور! یہ بات تو ناممکن نظر آتی ہے۔ فرمایا۔ تم میرے ساتھ شرط کر لو۔ میں نے عرض کی حضور! شرط تو جائز نہیں۔ فرمایا۔ ہم جائز کر لیں گے۔ اگر تم نے اول پوزیشن حاصل کر لی تو پچاس روپے میرے یتیم خانہ میں دیدینا۔ بصورت دیگر میں پچاس روپے تم کو دیدوں گا۔ ان دنوں امتحانوں کے نتائج تین چار روز کے بعد ہی نکل آیا کرتے تھے۔ یہ باتیں حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ کے مطب میں ہو رہی تھیں۔ جب باہر نکلا تو میاں شیخ محمد صاحب چٹھی رساں نے مجھے اونچی آواز میں مبارک باد دی اور کہا کہ میاں! آپ یونیورسٹی بھر میں اول نمبر پر پاس ہوئے ہیں۔ پندرہ بیس تاریں بھی مجھے دیں۔ جو میرے دوستوں نے میرے نام بھیجی تھیں۔

حضرت مرزا صاحب نے فرمایا۔ کہ

یہ نتیجہ چونکہ میری توقع کے بالکل خلاف تھا۔ اس لئے اطمینان قلب کے لئے میں لاہور گیا۔ جب وہاں بھی اس نتیجہ کو درست پایا۔ تو بہت ہی خوشی ہوئی۔

حضرت مرزا صاحب موصوف نے یہ بھی فرمایا۔ کہ

حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے یہ بات بھی بیان فرمائی تھی۔ کہ میاں! تہجد پڑھنے سے تمہارے بڑے بڑے کام ہوا کریں گے۔ آپ کے اس قول کو بھی میں نے اپنی زندگی میں آزمایا ہے۔ جب بھی

نے تہجد میں کسی امر کے لئے دعا کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے میرا وہ کام کر ہی دیا ہے۔ فالحمد للہ علی ذالک

آنریبل چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب کا ذکر خیر۔ مئی۔ جون ۱۹۱۳ء

جن ایام کا ذکر ہو رہا ہے۔ اُن ایام میں آنریبل چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب صدر جنرل اسمبلی یو۔ این۔ او۔ قانون کی اعلیٰ ڈگری حاصل کرنے کے لئے ولایت تشریف لے گئے ہوئے تھے۔ اور جب بھی آپ کو موقع ملتا۔ آپ تبلیغ اسلام و احمدیت کے سلسلہ میں غیر مسلموں کو کلمہ حق پہنچانے میں کبھی کوتاہی نہ فرماتے۔ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ کے ساتھ آپ باقاعدگی کے ساتھ خط وکتابت رکھتے۔ اور اپنی مساعی جمیلہ سے حضور کو آگاہ رکھ کر ہدایات حاصل کرتے رہتے۔ چنانچہ اس وقت آپ کی جس چٹھی نے خاکسار کو یہ حروف لکھنے پر آمادہ کیا ہے وہ چٹھی حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں لکھی گئی ہے۔ اور "بدر" میں شائع ہو چکی ہے۔ اس میں آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں لکھا ہے کہ آپ سوئٹزر لینڈ اور المانیہ کی سیر کے لئے گئے ہوئے تھے کہ راستے میں دو امریکن خواتین سے ملاقات ہوئی۔ جو ہسپانیہ، مراکش مصر اور ارضِ مقدس کی سیر سے واپس آرہی تھیں۔ انہوں نے آپ سے اسلام اور قرآن کریم سے متعلق بعض سوالات کئے۔ مثلاً یہ کہ بہشت میں کیا ملے گا؟ اس سوال کے جواب میں جب آپ نے بہشت کی فلاسفی احمدی نقطہ نگاہ سے بیان کی۔ تو انہوں نے حیران ہو کر کہا۔ کہ عام مسلمانوں کا تو بہشت کے متعلق یہ عقیدہ نہیں۔ مثلاً مصر میں ہم نے اپنے ترجمان سے دریافت کیا کہ موت کے بعد تم کس چیز کی امید رکھتے ہو۔ تو اس نے کہا کہ مجھے تو بارہ بیبیاں مل جائیں گی اور بس۔

پھر قرآن کریم کی ترتیب سے متعلق سوال کیا۔ اس کے جواب میں آپ نے ان کے مذہب عیسائیت کو مدنظر رکھ کر سُورۃ والتّین کا ترجمہ اور آیات کی ترتیب بیان فرمائی۔ جسے سُن کر انہوں نے خواہش کی کہ ہم اسلام سے متعلق زیادہ معلومات حاصل کرنا چاہتی ہیں۔ اور کہا کہ کیا آپ اس سلسلہ میں ہماری کچھ مدد کر سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ اگر تم اپنا پتہ مجھے دیدو تو میں ایک چھوٹی سی کتاب تمہیں بھیجدوں گا۔ جس سے اسلام کے اصول تمہیں معلوم ہو جائیں گے۔ چنانچہ اُن سے پتہ حاصل کر کے آپ نے انہیں دو نسخے ٹیچنگز آف اسلام (یعنی اسلامی اصول کی فلاسفی) کے بھیجے۔[ہ]

الفضل کا اجراء ۱۹ جون ۱۹۱۳ء

۱۹ جون ۱۹۱۳ء کو حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے جماعتی اور ملکی ضروریات کے پیش نظر حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ کی اجازت حاصل کر کے قادیان

ہ بدر پرچہ ۱۲ جون ۱۹۱۳ء صفحہ ۹

سے ایک اخبار "الفضل" جاری کرنا شروع کیا جس کی ایڈیٹری کا کام بھی آپ نے خود ہی سنبھالا۔ اس پرچہ نے خدا تعالیٰ کے فضل سے ایسی ترقی کی کہ آج یہ سلسلہ عالیہ احمدیہ کا آفیشل آرگن ہے۔ اور سلسلہ کی اہم ضروریات کو پورا کر رہا ہے۔ [۱]

یہ امر خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ الفضل کا نام خود حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ نے تجویز فرمایا تھا چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ فرماتے ہیں :-

"جب روپیہ کا انتظام ہو گیا۔ تو حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ سے میں نے اخبار کی اجازت مانگی۔ اور نام پوچھا۔ آپ نے اخبار کی اجازت دی۔ اور نام "الفضل" رکھا۔ چنانچہ اس مبارک انسان کا رکھا ہوا نام "الفضل"، فضل ہی ثابت ہوا۔" [۲]

پیغامِ صُلح کا اجراء ۱۰۔ جولائی ۱۹۱۳ء

منکرین خلافت نے جب اپنے مخصوص نظریات کی اشاعت کی شدت سے ضرورت محسوس کی تو انہوں نے بھی لاہور سے ایک اخبار "پیغام صلح" نکالنا شروع کیا۔ چنانچہ اس اخبار کا پہلا پرچہ ۱۰۔ جولائی ۱۹۱۳ء کو نکلا۔

یہاں اس امر کا ذکر کرنا بھی خالی از فائدہ نہ ہوگا۔ کہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب جب حج بیت اللہ سے تشریف لائے۔ تو کچھ خانہ کعبہ اور اس سفر میں جماعت کی ترقی اور اس کے فتنوں سے بچنے کی دعاؤں کی وجہ سے اور کچھ اس خیال سے کہ جماعت کے احباب کثرت کے ساتھ مولانا ابو الکلام صاحب آزاد کا اخبار "الہلال" پڑھتے ہیں اور خطرہ ہے کہ کہیں اس اخبار کے زہریلے اثرات سے متاثر نہ ہوں۔ اپنا الگ اخبار جاری کرنے کے لئے کوشش شروع کر دی۔ مگر ابھی باقاعدہ طور پر حکومت سے اجازت حاصل نہیں کی تھی۔ کہ آپ کو لاہور سے اخبار "پیغام صلح" کے نکلنے کی تجویز سے اطلاع ہوئی۔ اس پر آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ کی خدمت میں لکھا کہ چونکہ لاہور سے جماعت کے احباب ایک اخبار نکال رہے ہیں۔ اس لئے حضور اگر اجازت دیں تو میں اخبار نہ نکالوں۔ مگر حضور نے جو کچھ جواباً فرمایا اس کا مطلب یہ تھا کہ اس اخبار اور اُس اخبار کی اغراض میں نمایاں فرق ہے۔ آپ اس کے متعلق اپنی کوشش جاری رکھیں۔ چنانچہ حضور کے ارشاد کے ماتحت الفضل جاری ہوا۔ اور پھر جس خدشہ کا حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ نے اظہار فرمایا تھا وہ صحیح ثابت ہوا۔ چنانچہ ابھی ان اخبارات کی اشاعت کو تھوڑا عرصہ ہی گذرا تھا کہ گورنمنٹ کو رفاہِ عامہ کی غرض سے کانپور کی ایک مسجد کا غسلخانہ گرانے کی ضرورت پیش آئی۔ اس پر ملک میں وہ طوفان بے تمیزی برپا کیا گیا۔

---

[۱] بدر ۱۹ جون ۱۹۱۳ء [۲] الفضل ۴۔ جولائی ۱۹۲۴ء صفحہ ۵

بیچ تہجد میں کسی امر کے لئے دعا کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے میرا وہ کام کر ہی دیا ہے۔ فالحمد للہ علی ذالک

آنریبل چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب کا ذکر خیر۔ مئی۔جون ۱۹۱۳ء

جن ایام کا ذکر ہو رہا ہے۔ اُن ایام میں آنریبل چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب صدر جنرل اسمبلی یو۔این۔او۔ قانون کی اعلیٰ ڈگری حاصل کرنے کے لئے ولایت تشریف لے گئے ہوئے تھے۔ اور جب بھی آپ کو موقع ملتا۔ آپ تبلیغ اسلام و احمدیت کے سلسلہ میں غیر مسلموں کو کلمۂ حق پہنچانے میں کبھی کوتاہی نہ فرماتے۔ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ باقاعدگی کے ساتھ خط وکتابت رکھتے۔ اور اپنی مساعی جمیلہ سے حضور کو آگاہ رکھ کر ہدایات حاصل کرتے رہتے۔ چنانچہ اس وقت آپ کی جس چٹھی نے خاکسار کو یہ حروف لکھنے پر آمادہ کیا ہے وہ چٹھی حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں لکھی گئی ہے۔ اور "بدر" میں شائع ہو چکی ہے۔ اس میں آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں لکھا ہے کہ آپ سوئٹزرلینڈ اور المانیہ کی سیر کے لئے گئے ہوئے تھے کہ راستے میں دو امریکن خواتین سے ملاقات ہوئی۔ جو ہسپانیہ، مراکش مصر اور ارض مقدس کی سیر سے واپس آ رہی تھیں۔ انہوں نے آپ سے اسلام اور قرآن کریم سے متعلق بعض سوالات کئے۔ مثلاً یہ کہ بہشت میں کیا ملے گا؟ اس سوال کے جواب میں جب آپ نے بہشت کی فلاسفی احمدی نقطۂ نگاہ سے بیان کی۔ تو انہوں نے حیران ہو کر کہا۔ کہ عام مسلمانوں کا تو بہشت کے متعلق یہ عقیدہ نہیں۔ مثلاً مصر میں ہم نے اپنے ترجمان سے دریافت کیا کہ موت کے بعد تم کس چیز کی امید رکھتے ہو۔ تو اس نے کہا کہ مجھے تو بارہ بیبیاں مل جائیں گی اور بس۔

پھر قرآن کریم کی ترتیب سے متعلق سوال کیا۔ اس کے جواب میں آپ نے ان کے مذہب عیسائیت کو مدنظر رکھ کر سُورۃ والتین کا ترجمہ اور آیات کی ترتیب بیان فرمائی۔ جسے سُن کر انہوں نے خواہش کی کہ ہم اسلام سے متعلق زیادہ معلومات حاصل کرنا چاہتی ہیں۔ اور کہا کہ کیا آپ اس سلسلہ میں ہماری کچھ مدد کر سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ اگر تم اپنا پتہ مجھے دیدو تو میں ایک چھوٹی سی کتاب تمہیں بھیجدوں گا۔ جس سے اسلام کے اصول تمہیں معلوم ہو جائیں گے۔ چنانچہ اُن سے پتہ حاصل کر کے آپ نے انہیں دو نسخے ٹیچنگز آف اسلام (یعنی اسلامی اصول کی فلاسفی) کے بھیجے۔[۵]

الفضل کا اجراء ۱۹ جون ۱۹۱۳ء

۱۹ جون ۱۹۱۳ء کو حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے جماعتی اور ملکی ضروریات کے پیش نظر حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کی اجازت حاصل کر کے قادیان

---

[۵] بدر پرچہ ۱۲ جون ۱۹۱۳ء صفحہ ۹

سے ایک اخبار "الفضل" جاری کرنا شروع کیا۔جس کی ایڈیٹری کا کام بھی آپ نے خود ہی سنبھالا۔اس پرچہ نے خداتعالیٰ کے فضل سے ایسی ترقی کی کہ آج یہ سلسلہ عالیہ احمدیہ کا آفیشل آرگن ہے۔اور سلسلہ کی اہم ضروریات کو پورا کر رہا ہے۔ [1]

یہ امر خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ الفضل کا نام خود حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ نے تجویز فرمایا تھا چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ فرماتے ہیں :-

"جب روپیہ کا انتظام ہو گیا۔تو حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ سے میں نے اخبار کی اجازت مانگی۔اور نام پوچھا۔آپ نے اخبار کی اجازت دی۔اور نام "الفضل" رکھا۔چنانچہ اس مبارک انسان کا رکھا ہوا نام "الفضل" فضل ہی ثابت ہُوا۔" [2]

پیغام صلح کا اجراء ۱۰۔جولائی ۱۹۱۳ء

منکرین خلافت نے جب اپنے مخصوص نظریات کی اشاعت کی شدت سے ضرورت محسوس کی تو انہوں نے بھی لاہور سے ایک اخبار "پیغام صلح" نکالنا شروع کیا۔ چنانچہ اس اخبار کا پہلا پرچہ ۱۰۔جولائی ۱۹۱۳ء کو نکلا۔

یہاں اس امر کا ذکر کرنا بھی خالی از فائدہ نہ ہوگا۔کہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب جب حج بیت اللہ سے تشریف لائے۔تو کچھ خانہ کعبہ اور اس سفر میں جماعت کی ترقی اور اس کے فتنوں سے بچنے کی دعاؤں کی وجہ سے اور کچھ اس خیال سے کہ جماعت کے احباب کثرت کے ساتھ مولانا ابوالکلام صاحب آزاد کا اخبار "الہلال" پڑھتے ہیں اور خطرہ ہے کہ کہیں اس اخبار کے زہریلے اثرات سے متاثر نہ ہوں۔اپنا الگ اخبار جاری کرنے کے لئے کوشش شروع کر دی۔مگر ابھی باقاعدہ طور پر حکومت سے اجازت حاصل نہیں کی تھی۔کہ آپ کو لاہور سے اخبار "پیغام صلح" کے نکلنے کی تجویز سے اطلاع ہوئی۔اس پر آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ کی خدمت میں لکھا کہ چونکہ لاہور سے جماعت کے احباب ایک اخبار نکال رہے ہیں۔اس لئے حضور اگر اجازت دیں تو میں اخبار نہ نکالوں۔مگر حضور نے جو کچھ جواباً فرمایا اس کا مطلب یہ تھا کہ اس اخبار اور اُس اخبار کی اغراض میں نمایاں فرق ہے۔آپ اس سے متعلق اپنی کوشش جاری رکھیں۔چنانچہ حضور کے ارشاد کے ماتحت الفضل جاری ہُوا۔اور پھر جس خدشہ کا حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ نے اظہار فرمایا تھا وہ صحیح ثابت ہُوا۔چنانچہ ابھی اس اخبارات کی اشاعت کو تھوڑا عرصہ ہی گذرا تھا کہ گورنمنٹ کو رفاہِ عامہ کی غرض سے کانپور کی ایک مسجد کا غسلخانہ گرانے کی ضرورت پیش آئی۔اس پر ملک میں وہ طوفان بے تمیزی برپا کیا گیا۔

---

[1] بدر ۱۹ جون ۱۹۱۳ء
[2] الفضل ۴ جولائی ۱۹۲۴ء صفحہ ۵

کہ الامان والحفیظ! بلوے میں بعض افراد کی جانوں کو بھی نقصان پہنچا۔ ملک کے اکثر اخبارات میں گورنمنٹ کے خلاف خطرناک پراپیگنڈا کیا گیا۔ "پیغام صلح" بھی اس رو میں بہ گیا۔ اور لطف یہ کہ کارکنان "پیغام صلح" نے ایک خاص آدمی قادیان بھیجکر حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کی رائے دریافت کی۔ اور پھر آپ کی رائے کو اس طرح بگاڑ کر شائع کیا گیا کہ مطلب کچھ کا کچھ بن گیا۔ مقصد یہ تھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ بھی ناراض نہ ہوں اور شوریدہ سر اخبارات کی پالیسی سے بھی سرمو انحراف نہ کیا جائے۔ یہ مضامین مولوی محمد علی صاحب کے لکھوائے گئے تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کو جب یہ مضامین دکھائے گئے۔ تو آپ سخت ناراض ہوئے اور سیدنا حضرت محمود ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کو بلاکر آپ کو دو مضامین کے نوٹ لکھوائے جن میں اس بات پر خاص طور پر زور دیا گیا۔ کہ غسلخانہ مسجد کا حصہ نہیں۔ اور یہ کہ جو لوگ اس موقعہ پر شورش کر رہے ہیں۔ وہ ملک کی پُر امن فضا کو مکدر کرکے کوئی اچھا کام نہیں کر رہے۔ مگر ساتھ ہی آپنے یہ ہدایت فرمائی کہ یہ مضامین آپ کی طرف منسوب نہ کئے جائیں۔ چنانچہ جب یہ مضامین شائع ہو گئے۔ تو چونکہ ان مضامین میں "پیغام صلح" کے نقطۂ نگاہ سے اختلاف کیا گیا تھا۔ اس لئے اُن لوگوں نے یہ مشہور کرنا شروع کر دیا۔ کہ "الفضل" کے مضامین میں مولوی محمد علی صاحب کو گالیاں دی گئی ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر محمد شریف صاحب بٹالوی سول سرجن جو اس وقت سرگودھا میں متعین تھے۔ قادیان تشریف لے گئے۔ اور سیدنا حضرت محمود ایدہ اللہ بنصرہ العزیز سے اس امر کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ یہ مضمون میرے لکھے ہوئے نہیں۔ بلکہ حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کے لکھوائے ہوئے ہیں۔ وہ یہ سُنکر حیران ہوئے۔ اور کہا کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ جو مولوی محمد علی صاحب کا اسقدر احترام کرتے ہیں۔ ایسے الفاظ آپ کی نسبت لکھوائیں۔ آپنے اسی وقت اخبار کا پرچہ منگوایا۔ اور مضمون متعلقہ کے حاشیہ پر لکھا کہ "یہ مضمون حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کا لکھوایا ہوا ہے۔ اور جس قدر سخت الفاظ ہیں وہ آپ ہی کے ہیں۔ میں نے اپنی طرف سے نہیں لکھے"۔ ڈاکٹر صاحب موصوف وہ پرچہ لے کر حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور چونکہ انہوں نے جلد واپس جانا تھا۔ اس لئے جاتی دفعہ وہ پرچہ اپنے ایک رشتہ دار کے ہاتھ آپ کو بھجوایا۔ اور کہلا بھیجا کہ آپ کی بات درست ہے۔[1]

غرض کانپور کی مسجد کا واقعہ جماعت میں ایک مزید تفرقہ کا باعث بن گیا۔ کیونکہ اس کے ذریعہ جماعت کے ایک فریق نے ملک کے شوریدہ سر اور انتہا پسند گروہ کا ساتھ دیا اور دوسرا فریق حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کے مسلک پر قائم رہا۔

---

[1] اختلافات سلسلہ کی تاریخ صفحہ ٦٨

صاحبزادہ میاں عبدالحی صاحب کا نکاح - ۲۱ جون ۱۹۱۳ء

حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کے فرزند ارجمند صاحبزادہ میاں عبدالحی صاحب کا نکاح مؤرخہ ۲۱ جون ۱۹۱۳ء کو بوقت صبح حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب کی دختر فرخندہ اختر فاطمہ کبریٰ سے بعوض دو ہزار روپیہ مہر ہوا۔ فالحمد للہ علی ذالك۔ [۱]

۲۔ اگست ۱۹۱۳ء کو تقریب رخصتانہ عمل میں آئی۔ اس موقعہ پر حضرت خلیفہ رشید الدین صاحب نے ایک نظم انگریزی میں لکھی۔ جس کا ترجمہ محترم قاضی محمد اکمل صاحب نے کیا۔ ۳۔ اگست ۱۹۱۳ء کو دعوتِ ولیمہ ہوئی۔ [۲]

حضرت چودھری فتح محمد صاحب سیال ایم۔اے کی لندن کو روانگی۔ جون ۱۹۱۳ء

جناب خواجہ کمال الدین صاحب نے چونکہ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بار بار لکھا تھا۔ کہ تبلیغ کے کام میں مجھے ایک معاون کی ضرورت ہے۔ لہذا حضرت خلیفۃ المسیح اول کے ارشاد کے مطابق حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم۔اے ایسے پرجوش مبلغ کو تبلیغ اسلام و احمدیت ایسے اہم فریضہ کی سرانجام دہی کے لئے لندن روانہ کیا گیا۔ اور آپ کے سفر کے تمام اخراجات انصار اللہ نے برداشت کئے۔ چنانچہ اگست کے دوسرے ہفتے آپ معہ شیخ نور احمد صاحب لندن پہنچ گئے۔ [۳]

محترم شیخ نور احمد صاحب ایک نہایت ہی مخلص احمدی تھے۔ اُن کا بیان ہے کہ بچپن میں انہوں نے کسی کتاب میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا حال پڑھا۔ تو بے اختیار دل سے یہ دُعا نکلی۔ کہ یا الٰہی! مجھے بلال بنادے۔ نہ معلوم وہ کونسی نیک ساعت تھی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی یہ دُعا قبول فرمائی چنانچہ جب آپ لندن پہنچے تو خواجہ صاحب سے ذکر آنے پر انہوں نے کہا۔ کہ مسجد ووکنگ کا فیصلہ ہمارے حق میں ہونے والا ہے۔ یہ سُنکر شیخ صاحب موصوف کو بہت خوشی ہوئی۔ چنانچہ فیصلہ ہونے کے بعد انہوں نے ۹۔ رمضان المبارک کو ظہر کی نماز کے وقت پہلی اذان دی۔ ان کا اپنا بیان ہے۔ کہ

"اس وقت بے اختیار میری آنکھوں سے پانی جاری تھا۔ اور دل مُرغ بسمل کی طرح سینہ میں تڑپ رہا تھا۔ اور زبان پر یہ الفاظ جاری تھے۔ اَللّٰھُمَّ انْصُرْ مَنْ نَصَرَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ الٰہی! اسلام کا بول بالا کر جو دعائیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیں۔

---

[۱] بدر ۲۶ جون ۱۹۱۳ء [۲] بدر ۷ اگست ۱۹۱۳ء [۳] بدر ۱۴ اگست ۱۹۱۳ء

اور جو دعائیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیں۔ اور جو دعائیں اس وقت کا موجودہ خلیفہ کر رہا ہے۔ وہ سب کی سب قبول فرما۔ آمین"۔ ؎۱

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضؓ کی ایک دُعا

۲۵۔ جون ۱۹۱۳ء کو آپ شدید بخار میں مبتلا ہو گئے۔ اور درجۂ حرارت ۱۰۴ تک پہنچ گیا۔ علالت طبع کی وجہ سے آپ اس روز درس القرآن نہ دے سکے۔ ۲۶۔ جون کو بھی آپ کو بہت نقاہت تھی۔ مگر شام کے وقت آپنے درس دیا۔ اور اس کے بعد درد بھرے دل سے فرمایا :۔

"بیماری کے وقت مجھے ایسا خیال رہتا ہے کہ شاید میں اب زندہ نہ رہوں۔ چنانچہ اب کے بھی ایسا ہی ہوا۔ میں نے دو رکعت نماز ادا کی۔ پہلی رکعت میں الحمد کے بعد سُورۃ ضحیٰ اور دوسری میں الم نشرح پڑھی۔ اور پھر میں نے اللہ کی حمد کی۔ اور اس کے بعد استغفار کیا۔ پھر میں نے ایک دُعا کی۔ اور مجھے یقین ہے کہ وہ قبول ہو گئی۔ اس دُعا میں میں تم کو بھی شریک کرتا ہوں۔ وہ دُعا یہ ہے :۔

لا الٰہ الا اللّٰہ الحلیم الکریم۔ لا الٰہ الا اللّٰہ رب العرش العظیم لا الٰہ الا اللّٰہ رب السمٰوات والارض و رب العرش الکریم۔ اسئلك موجبات رحمتك و عزائم مغفرتك والغنیمۃ من کل برٍّ والسلامۃ من کل اثمٍ لا تدع لی ذنباً الّا غفرتہٗ ولا ھمّاً الّا فرّجتہٗ ولا حاجۃً ھی لك رضا الا قضیتھا یا ارحم الرّاحمین۔

الٰہی ہم پر ہر طرف سے زور ہو رہا ہے۔ الٰہی! اسلام پر بڑا تبر چل رہا ہے مسلمان اول تو سُست، دوسرے دین سے بے خبر، قرآن شریف سے بے خبر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح سے بے خبر۔ اسلئے دشمن کھانے لگ گیا ہے۔ الٰہی تو ایسا آدمی پیدا کر جس میں قوتِ جاذبہ ہو، سُست نہ ہو۔ بلند ہمت رکھتا ہو۔ پھر استقلال کمال رکھتا ہو۔ دُعائیں بڑی کرنے والا ہو۔ تیری تمام رضاؤں کو اُس نے پُورا کیا ہو۔ یا اکثر کو۔ قرآن شریف اور صحیح حدیث سے باخبر ہو۔ پھر اُس کو جماعت بخش۔ اس جماعت کے لوگوں میں بھی قوت جاذبہ ہو۔ بلند ہمت ہو۔ استقلال ہو۔ وہ بھی قرآن و حدیث سے

؎۱ بدر ۲۵ ستمبر ۱۹۱۳ء صلہ

اور حدیث سے واقف ہوں۔ اور اُس کے پابند ہوں۔[12]

اے اللہ! [13] تیری درگاہ میں ابتلا مقدر ہیں تو انکو ثبات و استقلال عطا کر۔[14] وہ مَالَاطَاقَةَ لَنَا کے ماتحت ہوں۔ پھر اُن کو اس طرح ترقی دے[15] جس طرح میں نے تیری درگاہ میں دُعا کی ہے"

پھر فرمایا:۔

مجھے یہ ہوا آرہی ہے کہ اللہ پوری کرے گا۔ تم بھی اسی طرح دُعا کرو۔ اور تم بھی انصار اللہ بن جاؤ" [1]

یہ وہ دُعا ہے۔ جو اُس مقدس انسان نے کی۔ جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد اسی طرح تختِ خلافت پر متمکن فرمایا۔ جس طرح رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر حضرت ابُوبکر رضؓ کو اُس نے پہلا خلیفہ مقرر فرمایا تھا۔ پھر یہ دُعا اُس شخص نے کی جس کا یہ دعویٰ تھا۔ کہ

"میری دعائیں عرش پر بھی سُنی جاتی ہیں۔ میرا مولیٰ میرے کام میری دعا سے بھی پہلے کر دیتا ہے" [2]

ضرورت و اہمیت دُعا
۲۰۔جُون ۱۹۱۳ء

حضور نے ۲۰ جُون کو جمعہ کے دوسرے خطبہ میں دعا کی ضرورت و اہمیت پر زور دیتے ہوئے فرمایا:۔

"دعا کے سوا مجھے کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ اس واسطے میری عرض ہے کہ تم دُعاؤں میں لگے رہو۔ تمہارے بھلے کے لئے کہتا ہوں۔ ورنہ میں تو تمہارے سلاموں اور تمہارے مجلس میں تعظیم کے لئے اٹھنے کی خواہش نہیں رکھتا۔ اور نہ یہ خواہش ہے کہ مجھے کچھ دو۔ ساگر میں تم سے اسباب کا امیدوار ہوں۔ تو میرے جیسا کافر کوئی نہیں۔ اس بڑھاپے تک جس نے دیا۔ اور اُمید سے زیادہ دیا۔ وہ کیا چند روز کیلئے مجھے تمہارا محتاج کرے گا۔ سنو! بچے کی شادی تھی۔ میری بیوی نے کہا۔ کچھ جمع ہے تو خیر ورنہ نام نہ لو۔ میں نے کہا۔ خُدا کے گھر میں سبھی کچھ ہے۔ آخر بہت جھگڑے کے بعد اُس نے کہا۔ اچھا پھر میں سامان بناتی ہوں۔ میں نے کہا۔ میں تمہیں بھی خدا نہیں بنانا۔ میرے مولا کی قدرت دیکھو کہ شام تک جس قدر ساز و سامان کی ضرورت تھی۔ مہیا ہو گیا۔ یہ میں نے کیوں سنایا۔ تا تمہیں حرص پیدا ہو۔ اور تم بھی اپنے

---

[1] بدر پرچہ ۳۔جولائی ۱۹۱۳ء [2] بدر ۱۱ جولائی ۱۹۱۳ء

مولا پر بھروسہ کرو۔ پھر میری بیوی نے کہا۔ عبدالحی کا مکان الگ بنانا ہے۔ تو اس کے لئے بھی خدا نے ہی سامان کر دیا۔ ان فضلوں کے لئے عدل کا اقتضاء ہے۔ کہ میں سارا خدا کا ہی ہو جاؤں۔ قویٰ بھی اُس کے۔ عزت و آبرو بھی اُسی کی۔

میری پہلی شادی جہاں ہوئی۔ وہ مفتی ہمارے شہر کے بڑے معزز و مکرم تھے۔ ایکدن میری بیوی کو کسی نے کہا۔ "چبارہ دی اِٹ دھنی دِچ[۳] جالگی"۔ مگر کہنے والے نے جھوٹ کہا۔ اللہ تعالےٰ نے مجھ پر بڑے فضل کئے۔

پھر ہمیں ایسے موقعہ پر ناطہ دیا کہ تم تعجب کرو۔ جموں کا رئیس بیمار تھا۔ اُسنے بہت دوائیں کیں۔ کچھ فائدہ نہ ہوا۔ تو فقراء کی طرف متوجہ ہوا۔ جب ہندو فقراء سے فائدہ نہ ہوا۔ تو مسلمان فقراء کی طرف توجہ کی۔ اور ان سب فقراء کو بڑا روپیہ دیا۔ ایک میرا دوست جو اس روپے کے خرچ کا آفیسر تھا۔ اُسنے ذکر کیا۔ کہ تین لاکھ تو خرچ ہو چکا۔ اب ایک فقیر سُنتا ہے۔ جسے بُلانے کیلئے آدمی گیا۔ اور اس کے لئے اتنے ہزار روپے تھے۔ مگر اس کا خط آیا۔ اس میں لکھا تھا۔ کہ میرا کام تو دعا کرنا ہے۔ دعا جیسی لدھیانہ میں ہو سکتی ہے۔ ویسی ہی کشمیر میں۔ دونوں جگہ کا خدا ایک ہے۔ وہاں آنے کی ضرورت نہیں۔ ہاں ایک بات ہے۔ اگر آپ کا رعایا سے اچھا سلوک نہیں۔ تو اس کے افراد بد دعائیں دے رہے ہوں گے۔ تو میں ایک دعا کرنے والا کیا کر سکتا ہوں۔ باقی رہے روپے۔ سو جب آپ نے فقیر سمجھا ہے تو پھر غنی نہیں ہو سکتا۔ اس آفیسر نے کہا۔ کہ میں نے نہ ایسا آدمی ہندوؤں میں دیکھا ہے نہ مسلمانوں میں۔ میں نے کہا۔ سردار صاحب! ایسے آدمیوں کے ساتھ رشتہ ہو تو پھر کیا بات ہے۔

سنو! عبدالحی کی ماں اسی بزرگ کی بیٹی ہے۔ خدا تعالیٰ میری خواہشیں تو یوں پوری کرتا ہے۔ اب میں غیر کا محتاج بنوں تو یہ عدل نہیں۔"[۱]

ولادت صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب
۱۵۔جولائی ۱۹۱۳ء

مؤرخہ ۱۵۔جولائی ۱۹۱۳ء کی صبح کو حضرت مرزا شریف احمد صاحب کو اللہ تعالیٰ نے دوسرا فرزند عطا فرمایا۔ نومولود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پوتا اور حضرت نواب محمد علی خان صاحب کا نواسہ ہے۔[۲]

---

[۱] الفضل پرچہ ۲۔جولائی ۱۹۱۳ء

[۲] بدر ۲۴۔جولائی ۱۹۱۳ء صـ۱

[۳] یعنی جو اینٹ چوبارہ میں لگنی چاہیے تھی۔ وہ گندی نالی میں لگا دی گئی ہے۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی مصروفیات

ان ایام میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی مصروفیات یہ تھیں:-

(۱) آپ رسالہ "تشحیذ الاذہان" کے ایڈیٹر تھے۔

(۲) آپ "الفضل" کے ایڈیٹر تھے۔

(۳) آپ مدرسہ احمدیہ کے انچارج آفیسر تھے۔ اور بعض جماعتوں کو پڑھاتے بھی تھے۔

(۴) آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مہمانخانہ کے منتظم تھے۔

(۵) علاوہ مندرجہ بالا مصروفیات کے دو مرتبہ آپ قرآن مجید کا درس بھی دیتے تھے۔ بعد نماز فجر اور بعد نماز ظہر۔ [۱]

پھر صدر انجمن کے اجلاسات کی صدارت، مہمانوں سے ملاقاتیں۔ اور احباب کو اُن کے کاموں میں مشورے بھی دیتے تھے۔

حضرت خلیفۃ المسیح نے ایک بچے کو بسم اللہ کرائی۔ ۲۰ جولائی ۱۹۱۳ء

اخبار بدر لکھتا ہے:-

"گذشتہ اتوار کی شام کو حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضؓ نے بابو الٰہی بخش صاحب اسٹیشن ماسٹر کے بیٹے کو بسم اللہ کرائی اور تین مرتبہ سورۂ فاتحہ کہلوائی۔ بعد ازاں جماعت کے ساتھ دُعا فرمائی۔ [۲]

حضرت سیّد زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب اور شیخ عبدالرحمن صاحب لاہوری نو مُسلم کی مصر کو روانگی۔ آخری ہفتہ جولائی ۱۹۱۳ء

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے جولائی ۱۹۱۳ء کے آخری ہفتہ میں حضرت سیّد زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب اور شیخ عبدالرحمن صاحب لاہوری کو عربی تعلیم کے حصول کے لئے مصر روانہ فرمایا۔ [۳]

سید ولی اللہ شاہ صاحب اور شیخ عبدالرحمن صاحب مصری کو نصائح و ہدایات پر مشتمل ایک خط۔ ۵ جون ۱۹۱۳ء

اُن کی مصر کو روانگی سے قبل حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضؓ نے انہیں دو خطوط لکھ کر دئے تھے۔ چونکہ اُن میں بیش قیمت نصائح اور مفید ہدایات ہیں۔ اس لئے ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں۔

---

[۱] بدر ۲۴ جولائی ۱۹۱۳ء۔ [۲] بدر ۲۴ جولائی ۱۹۱۳ء [۳] بدر پرچہ ۳۱ جولائی ۱۹۱۳ء

پہلا خط بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد۔ عزیزان۔ علم نور ہے۔ اس کے لئے سفر کا ارشاد ہے:۔

فلولا نفر من کل فرقۃ منهم طائفة ليتفقهوا في الدين ولينذروا قومهم اذا رجعوا اليهم

سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے سفر کیا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کا سفر کیا۔

مختصر فہرست علوم:۔ علم حفظ النفس۔ علم اصلاح نفس۔ علم ابقاء النفس۔ علم اوامر الٰہیہ و نواہی الٰہیہ۔ علم العقائد۔ علم الحساب۔ علم منطق۔ مبادی السنہ (اردو۔ عربی۔ انگریزی) ہدایات الموسم۔ ہدایات البلاد۔ علم علاج۔ علوم طبعیہ۔ علوم ریاضیہ۔ علم تجارت۔ تاریخ۔ قانون سیاست۔ پس علوم کا توازن و تفاضل ہو۔ پھر اہم فالاہم کو دیکھا جائے۔ پھر ترتیب دی جائے۔ اور اپنی دلچسپی پر بناء ہو۔ جس علم سے دلچسپی نہیں۔ اس کا پڑھنا تضیع اوقات ہے۔ اس لئے قلب کا فتویٰ۔ تجربہ کاروں کا مشورہ لابد ہے۔ غور و فکر اور عاقبت اندیشی ضروری ہے۔

موانع علم:۔ بیماری۔ ضیق الحال۔ سوء معرفت۔ لذاتِ ناقصہ۔ انتقال الی الفوق قبل استحکام ماتحت۔ حب مال۔ کتب مختصرہ۔ پھر طالب علم صحیح الصدر و القلب و المعدہ ہو۔ مشورہ و ضرورت اوقات اور اہم کو مقدم کرے۔ ترتیب سے یتلونه حق تلاوته سے پڑھے۔ عمدہ علوم و فنون کے بدیہی اصول پڑھ کر دلچسپی کا رنگ دیکھے۔

شریف الطبع ہو۔ کذب۔ اسراف۔ غضب۔ شہوۃ۔ کبر۔ کثرتِ کلام۔ نمیمہ۔ غل۔ عجب و کسل۔ فسق و فجور۔ جزع۔ مخالطۂ سفہاء سے بچنے والا ہو۔ شاب۔ فارغ القلب۔ صحیح المزاج۔ محب العلم۔ صاحب عزم و استقلال۔ منصف۔ متدین۔ امین۔ مخلص۔ مطہر عن الانجاس الظاہرہ و الباطنہ ہو۔

یتعلم للہ، و باللہ و فی اللہ عالماً بوظائف الشریعۃ لا یباھی و لا یماری و یذاکر و یتدارس و لا یوحش شغل یومہ لیوم اخر۔ (اس فقرہ کا ترجمہ یہ ہے کہ وہ علم سیکھے اللہ کے لئے۔ اللہ کی مدد سے۔ اور اللہ میں ہو کر۔ شریعت کے

احکام کا عالم ہو۔ نہ فخر کرنے والا ہو۔ اور نہ مقابلہ کرنے والا ہو۔ اور دوسروں سے علمی باتیں کر کے علم کو پکا کرتا رہے۔ اور علم کو بار بار پڑھتا رہے۔ اور ایک دن کا کام دوسرے دن پر نہ ڈالے۔ ایڈیٹر) ماہر فن۔ شریف الطبع۔ صالح سے پڑھے۔ معلم وسیع الاخلاق ناصح ہو۔ تعلیم میں فہم و طاقت کو اور نشاط طالب کو مدنظر رکھے۔ عامل بالعلم ہو۔ تعلیم کے طریق سے آگاہ ہو۔ خلط بحث تعلیم و تعلم میں نہ ہونے پائے۔

والقرآن کافٍ وشافٍ بحمد اللہ وھو نورٌ وھدی وشفاء ورحمۃ فبذالک فلیفرحوا وھو خیرٌ مما یجمعون۔ اولم یکفھم انا انزلنا علیک الکتاب یتلیٰ علیھم ان فی ذالک لرحمۃ وذکریٰ لقوم یومنون۔

(اس عربی عبارت کا ترجمہ یہ ہے کہ قرآن کریم ہی انسان کے لئے کافی ہے۔ اور اس کی ہر مرض کا علاج ہے۔ اور ہم اللہ تعالیٰ کے فضل کا اقرار کرتے ہیں کہ اُس نے ہم کو ایسی کتاب دی۔ اور وہ نور ہے اور ہدایت ہے اور شفا ہے اور رحمت ہے۔ (آگے دو آیتیں لکھی ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے) پس چاہئے کہ لوگ اسی پر خوش ہوں۔ اور یہ ان سب اشیاء سے جو لوگ جمع کرتے ہیں بہتر ہے۔ کیا ان لوگوں کے لئے کافی نہیں ہوا کہ ہم نے تجھ پر ایک کتاب اتاری ہے۔ جو اُن پر پڑھی جاتی ہے۔ اس میں رحمت اور نصیحت ہے مومنوں کے لئے۔ ایڈیٹر)

سُنا ہے کہ اصول التفسیر ابن قیم۔ استفتاء القرآن بصائر ذوی تمیز مجد فیروز آبادی عمدہ ہیں۔ وہ میں نے نہیں دیکھیں۔ اور شوق ہے۔ ایسا ہی قطف الثمر اور معترک الاقران جلال الدین سیوطی سنا ہے عمدہ ہیں۔

آپ بہت دعاؤں سے عمدہ تفسیر اللہ تعالیٰ سے مانگو۔ یا صرف بلکہ صرف قرآن پر تدبر کرتے رہو۔ مدیر المنار نے بنام محمد عبدہٗ ایک تفسیر م۱-م۲-م۳ شائع کی ہے مگر اس میں تعصب اور بے جا طول ہے۔ علاوہ بریں وہ ہمارا غالی دشمن اور مسیح پر بدزبان ہے، ہمیشہ اس کے پاس اس کو دشمن یقین کر کے جاؤ۔ ہاں فصیح اللسان ہے والحق یقال۔ احادیث میں۔ ۱۔ موطاء امام مالک اور امام یحییٰ۔ یہ دونوں موطا امام مالک ہیں۔

مگران کی شرح تمہید ابن عبدالبر اور استذکار ابن عبدالبر مل جائے۔

۲۔ مسلم کی صحیح (یعنی امام مسلم کی کتاب جو صحیح مسلم کے نام سے مشہور ہے۔ایڈیٹر)

۳۔ الجامع الصحیح البخاری بشرح فتح الباری لابن حجر الشافعی الحافظ و شرح ابن رجب الحنبلی و شرح الاسکندرانی المالکی و شروح بدر العینی الحنفی بہت ہیں۔ہاں ابوداؤد پر منذری و تہذیب السنن۔ ترمذی پر قاضی ابوبکر ابن ماجہ پر ابن قطن۔ابن رجب اور عراقی کی وہ یادداشتیں جو اس کے غلط مقامات پر ہوں۔

۴۔ فقہ میں مذاہب اربعہ کے وہ مختصرات جو صاف اور آسان ہوں۔مثلاً قدوری حنفیہ میں۔

۵۔ اصول میں اسی طرح صاف صاف مثلاً اصول شاشی۔حنفیہ میں رسائل اربعہ اتقان سے پڑھنا۔ اصول حدیث میں نخبہ۔

تجوید میں صالح قاری سے ایک دو آیات قرآنیہ ہر روز پڑھ لینا۔جزریہ۔شاطبیہ۔

ادب میں قرآن۔بخاری۔عمدہ اخبارین اور منتخب جرائد۔پھر وقت ملے تو السبع المعلقات۔حماسہ دیوان افوہ الدودی بعض مقامات ہمدانی و حریری و بعض ابواب اطباق الذہب و مقامات زمخشری۔اگر دلچسپی ہو اور قوت برداشت کرے تو تمام مفتاح العلوم اتقان سے پڑھیں۔جب سبق پورا سمجھ میں نہ آوے۔آگے مت پڑھو۔مفتاح کے شروح میں صرف مقامات مشکلہ پڑھو۔

زبان صرف بولنے اور سننے سے آتی ہے۔صرف و نحو کے پڑھنے سے ہرگز نہیں آتی۔کیا ہم نے پنجابی صرف و نحو پڑھ کر سیکھی۔کبھی صرف و نحو پر وقت ضائع نہ کرو۔الکتاب سیبویہ بڑی عظیم الشان کتاب ہے۔مگر اس کے شروح دیکھ لئے اور بس۔

تاریخ میں مقدمہ ابن خلدون قابل پڑھنے کے ہے۔اور بدائیہ و نائیہ ابن کثیر۔تاریخ کبیر قابل مطالعہ۔

تصوف میں فتوح الغیب ہے یا قشیریہ ماہر ملے تو فصوص الحکم۔

علم کلام میں صرف قرآن۔صرف قرآن اور بس۔ہاں ابن تیمیہ حرانی کے رد الفلاسفہ۔رد تاسیس التقدیس المسائل المصریہ والمسائل الصفدیہ مفید ہوں تو ہوں۔ایسا خیال ہے۔والعلم الصحیح عند اللہ تعالیٰ گاہے گاہے توفیق ملے تو مکہ معظمہ۔بیت المقدس اور دمشق۔شام چلے گئے۔ہر ہفتہ لکھ دیا کرو۔

کوئی عجیب بات اس سے عمدہ نہیں۔کہ دُعائیں مانگو۔اللہ تعالیٰ کو مددگار بناؤ۔اسی کو یار و مددگار طلب کرو۔

قرآن مجید بہت پڑھو۔صرف مشکل مقامات کی تفسیر اور احادیث کے مشکل مقامات کی شرح دیکھو۔عمر کی قدر کرو۔صحت کو نعمت یقین کرو۔

میرے لئے صرف دعا۔جدیدہ مطبوعات سے آگاہی۔مفید کتاب کی نقل جو طبع ہونے والی نہ ہو۔قیمت میں روانہ کر دوں گا۔نورالدین ۵۔جون ۱۹۱۳ء۔[۱]

جھگڑے اور فساد پھیلانیوالوں کو سخت تنبیہ۔۵۔جولائی ۱۹۱۳ء

۵۔جولائی ۱۹۱۳ء عصر کے درس کے بعد حضور نے چغلخوری۔نمامی ہیزم کشی، سخن چینی اور فساد کی باتیں پھیلانے اور ایک دوسرے کو لڑوانے پر نہایت مؤثر اور دل ہلا دینے والے پیرایہ میں سخت تنبیہ فرمائی۔اور استغفرالله ربی من کل ذنب و اتوب الیہ تین بار پڑھوا کر گویا ایک قسم کی بیعت لی۔ طالب علم زیادہ تر مخاطب تھے۔[۲]

حضرت خلیفۃ المسیح الاول کا دوسرا خط بطرف شیخ عبدالرحمٰن صاحب و سید ولی اللہ شاہ صاحب۔ ۸۔جولائی ۱۹۱۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اما بعد۔اول۔استخارہ۔استخارہ۔استخارہ آپ۔ولی اللہ۔میاں صاحب سب کرو۔

دوم۔صلوٰۃ الحاجہ حسب آداب محدثین پڑھو۔

سوم۔علوم کی قیمت اور اُن کی ترتیب۔ضرورت۔اہمیت کا عظیم الشان مشورہ پہلے یہاں کر دیکھو جہاں جہاں موقع ملے۔

چہارم۔ابوسعید عربی اور اس بزرگ سے جس کی میاں صاحب سے خط و کتابت ہے۔ملاقات کر کے بھی یہی سوال پیش ہو۔

پنجم۔اعلیٰ۔ضروری۔اہم۔بڑی قیمت والا۔اپنی دلچسپی کے مطابق اور کس طریق سے علم پڑھا جائے۔پھر اس کے بعد کتابوں کا انتخاب ہو۔اور عمدہ سی کتابیں مہیا کی جاویں۔قدیم اور جدید۔

ششم۔جہاں تک ممکن ہو عمدہ سے عمدہ۔مفید۔جلد منزل کو پہنچانے والی ہوں۔

ہفتم۔قرآن مجید منتخب شدہ کتاب ہے۔ولا کتاب اعلیٰ و اعم نفعًا و کفایۃ و ھدایۃ

---

[۱] الفضل یکم دسمبر ۱۹۱۳ء
[۲] الفضل جلد اول نمبر ۵ صفحہ ۲

ونوراً ورحمةً وشفاعةً وھذا ..... علیٰ بصیرۃ منی وممن تبعنی۔ والحمد للّٰہ رب العالمین۔ اور اس کا علم تقویٰ۔ تدبر۔ دعا سے حاصل ہوتا ہے۔ ہر ایک آیت اس کی مصدق دوسری آیت کی ہوتی ہے۔

ہشتم۔ موٴطا۔ محمد و یحییٰ۔ امام مالک و مسلم والانفع الارفع ولا..... کتاب بعد کتاب اللّٰہ الجامع الصحیح البخاری۔ موطا معہ قول محمد طبع ہند نودی علی المسلم نظر سے گذرے تو استذکار تمہید پر ضرور توجہ رکھیں۔ بخاری کے چند مقامات مشکلہ کو الگ نوٹ کر لینا۔

اوہام روات۔ اضطراب مشکلات ن اور زمانہ حال کے اعتراضات پھر ان مقامات کی شروح اور ان کے سوالات علماء سے دریافت کرتے رہنا۔ مخالفت کیلئے نہیں ظہور حق کے لئے اس پر عمدہ شرح حنابلہ و مالکیہ کی دیکھ لینا۔ اور دریافت کرنا۔ گو فتح الباری مفید اور عینی نافع ہے۔

قرآن کریم کی تفاسیر میں صرف متشابہات کو محکمات کے مطابق کرنے کی سعی کرنا۔ الاَ لاَ لِلفتنۃ ولا لشغل۔ فقط محلّٰی ابن حزم ..... نیل الاوطار سام۔ امام۔ الحام۔ عمدہ کتب فقہ ہیں۔

مجمع الزوائد۔ ابن حبان وابن خزیمہ۔ اصلاح المستدرک مسند عبدالرزاق مسند سعید بن منصور۔ مصنف ابن ابی شیبہ گو موکی علیہا کتابیں ہیں۔ مگر گونہ مفید ہیں۔ ادب میں کامل مبرد ادب الکاتب ابن قتیبہ صناعتین۔

کتب ورسائل جاحظ معتزلی۔ اسرار البلاغہ اور دلائل الاعجاز لعبد القاہر۔ مفتاح العلوم للسکاکی میرے خیال میں عمدہ ہیں۔ الکتاب لسیبویہ بابرکت ہے۔ صحاح جوہری مدنظر رہے۔ اور اس کے اشعار حل کرتے رہو۔ (گو آہستہ آہستہ اور بہت تدریج سے ہوں)

صرف ونحو میں بہت تدقیق مناسب نہیں۔ نہ لمبی تحقیق نہ انکے قواعد یاد کرنا ضروری ہیں۔ مختصراً اس پر نظر ہو۔ فصیح بولنا۔ فصاحت سے لکھنا۔ فصحاء

کی مجالس۔ فصیح فقرات لکھ لینا۔ عمدہ اخباروں کے عمدہ آرٹیکل پڑھنا۔ اگر ممکن ہو تو عمدہ عمدہ جدید طب کی ہر شعبہ کی کتابیں ضرور نظر سے گذار لو۔ اور کچھ طریق طب جدید وہاں سیکھ لو۔ جُلساء صالحین کے لئے دعا۔ دعا۔ دعا۔ رؤیت شہر و قریٰ۔ کبھی موقع ملے تو مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ ضرور جائیں۔

دعائیں۔ دعائیں۔ دعائیں۔ صحبت صلحاء۔ مجالس اتقیاء۔ قرب ابرار و اخیار ضروری اور لابد ہے۔ ہاں سیاست سے کوئی تعلق نہ ہو۔ والسلام۔ نورالدین ۸ جولائی ۱۹۱۳ء[1]

وفات حضرت حکیم میر حسام الدین صاحب سیالکوٹی۔ جولائی یا شروع اگست ۱۹۱۳ء

جولائی یا شروع اگست ۱۹۱۳ء میں۔ حضرت میر حامد شاہ صاحب کے والد ماجد حضرت حکیم میر حسام الدین صاحب وفات پا گئے۔[2] حکیم صاحب موصوف کا سلسلہ کی تاریخ کے ساتھ خاص تعلق ہے۔ کیونکہ جن ایام میں حضرت مسیح موعودؑ بسلسلہ ملازمت سیالکوٹ میں مقیم تھے۔ میر صاحب موصوف کے ہاں بہت آمدورفت تھی۔ اور دوستانہ تعلقات تھے۔

قادیان میں ۱۹۱۳ء کا رمضان

۱۴۔ اگست ۱۹۱۳ء کے بدر میں قادیان دارالامان کے رمضان کی جو کیفیت شائع ہوئی تھی۔ دل چاہتا ہے کہ اُسے یہاں درج کر دیا جائے۔ تا بعد میں آنے والوں کے لئے سابقون کا نمونہ مشعلِ راہ کے طور پر کام دے۔

"حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی صحت حسب معمول اچھی ہے۔ گو کسی دن تکلیف بھی ہو جاتی ہے۔ تاہم روزانہ ایک پارہ کا درس دیتے ہیں۔ اور انشاء اللہ رمضان میں پورا قرآن شریف ختم ہو جائے گا۔ نصف پارہ صبح ہوتا ہے۔ اور نصف بعد نماز عصر۔ ہر دو وقت حضرت مسجد اقصیٰ کو تشریف لے جاتے ہیں۔ پہلے نصف پارہ پڑھتے ہیں۔ پھر اس کا ترجمہ کرتے ہوئے جہاں ضرورت ہو۔ ان مقامات کی تشریح کرتے جاتے ہیں۔ سامعین اپنے اپنے سوالات کرتے ہیں۔ اور پر معارف جوابات سے اطمینان حاصل کرتے ہیں۔

---

[1] الفضل ۳۰۔ دسمبر ۱۹۱۴ء صفحہ ۵ [2] بدر ۱۱ ستمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱

پہلی رات کو مسجد اقصیٰ میں اور حضرت خلیفۃ المسیح کے مکان پر قرآن شریف سنایا جاتا ہے۔ پچھلی رات کو مسجد مبارک میں بوقت نماز تہجد آٹھ رکعت تراویح میں قرآن شریف سنایا جاتا ہے۔ عورتوں کو بھی درس دیا جاتا ہے۔ سبحان اللہ! کیا برکت کے ایام ہیں۔ بہت سے احباب باہر سے درس قرآن سننے کیواسطے آئے ہوئے ہیں۔ ... گذشتہ شنبہ کو حضرت خلیفۃ المسیح کی طبیعت بہت علیل تھی۔ اسہال ہوئے۔ ضعف بہت ہوگیا۔ مگر درس عصر میں تشریف لے آئے۔ اور حسب معمول النصف پارہ سنایا۔ اخیر میں فرمایا۔ محض اللہ کے فضل سے آج کا پارہ ختم ہوا۔ ورنہ مجھے امید نہ تھی۔ کیونکہ اسہال کے سبب آج میں بہت بیمار رہا۔[۱]

خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ صورت حال خدا تعالیٰ کے فضل وکرم سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے عہد میں بھی جاری رہی۔ اور اب تک جاری ہے۔ اتنا فرق ضرور ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کے زمانہ میں کافی عرصہ تک حضرت حافظ روشن علی صاحب روزانہ ایک پارہ کا درس ایک ہی مجلس میں یعنی ظہر اور عصر کے درمیان دیا کرتے تھے۔ اور اس کی صورت بھی یہی ہوا کرتی تھی۔ کہ آپ پہلے نہایت ہی خوش الحانی کے ساتھ ایک پارہ پڑھ جاتے تھے۔ اور پھر ایک دو رکوعوں کا ترجمہ کرکے خاص خاص آیات کی تشریح بھی فرما دیا کرتے تھے۔ اور بعض سوالات کے جوابات بھی حسب گنجائش دیا کرتے تھے۔ دو سال خاکسار راقم الحروف نے حضرت حافظ روشن علی صاحب کا درس سنا ہے۔ آخری سال آپ نے ایک دن درس دیتے ہوئے فرمایا۔ کہ سن لو! اگلے سال پتہ نہیں کون درس دیگا۔ خاکسار نے آپ کے یہ الفاظ نوٹ کر لئے اور ایک لفافے میں بند کرکے رکھ لئے۔ اگلے سال کے رمضان میں آپ کی بیماری کے باعث حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب نے سارے قرآن شریف کا درس دیا۔ رمضان کے بعد جون ۱۹۲۹ء میں حضرت حافظ صاحب انتقال فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کی وفات کے بعد ۱۹۳۰ء میں بھی حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب نے سارے قرآن شریف کا درس دیا۔ مگر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے یہ محسوس کرکے کہ حضرت مولوی صاحب موصوف بہت بوڑھے ہیں۔ اُن کے لئے لگاتار مہینہ بھر درس دینا مشکل ہے۔ یہ حکم دیا کہ آئندہ پانچ علماء چھ چھ پاروں کا درس دیا کریں۔ اور ہر سال اُنکے درس کے پارے تبدیل کر دئے جائیں۔ تا چند سالوں کے اندر اندر پانچ علماء سارے قرآن مجید کا دَور مکمل کر سکیں

---

[۱] بدر ۱۴ اگست ۱۹۱۳ء صفحہ

ظاہر ہے کہ یہ صورت بھی اپنے رنگ میں مفید ہے۔ اللہ تعالیٰ کرے کہ ہمارے مرکز میں قیامت تک قرآن مجید کا درس کسی نہ کسی شکل میں جاری رہے۔ آمین ثم آمین۔

ایک خطرناک دشمن سے حسن سلوک

محترم شیخ عبد اللطیف صاحب بٹالوی کا بیان ہے کہ

"ایک سکھ لڑکا جو چند سال قبل تعلیم الاسلام ہائی سکول کا طالبعلم تھا۔ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ کرنے کی غرض سے تہجد کے وقت حضور کے مکان پر پہنچا۔ حضور اس وقت نماز پڑھ رہے تھے۔ اسے دیکھ کر سلام پھیرا اور پوچھا کہ آپ اس وقت کیسے آئے ہیں؟ ابھی اُس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ کہ گھر سے باہر ہی اس کے ہاتھ میں چھرا دیکھ کر آس پاس کے لوگ جمع ہو گئے تھے۔ شیخ حاکم علی صاحب حوالدار کی ان ایام میں وہاں ڈیوٹی تھی۔ انہوں نے اسے پکڑ لیا۔ بٹالہ لے گئے۔ وہاں سے میاں غلام رسول ڈی۔ ایس۔ پی۔ آف بنوں تفتیش کے لئے قادیان آئے۔ حضور کا بیان لیا۔ مقدمہ چلا اور وہ تین سال کے لئے قید ہو گیا۔ قید کا وقت گذرنے کے پانچ چھ ماہ بعد میں قادیان گیا۔ اسے دیکھا کہ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا اپنی ملازمت کے لئے کچھ مشورہ لے رہا تھا۔ اور حضور اُسے ہمدردانہ مشورہ دے رہے تھے۔ مجھے بڑا غصہ آیا۔ میں نے حضور کی خدمت میں رقعہ لکھا۔ کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ قاتلانہ حملہ کرنے والے کے ساتھ یہ سلوک! مسکرا کر فرمایا۔ کہ جب اُس نے مجھ پر اعتماد کیا۔ تو میں کیوں مشورہ نہ دیتا۔ یہ سُنکر میں پسینہ پسینہ ہو گیا۔

تصرفِ روحانی

حضرت حافظ مختار احمد صاحب شاہجہانپوری فرماتے ہیں:۔

"ایک مرتبہ ایک شخص حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دو چار اور شخص بھی پہلے سے موجود تھے۔ آنیوالے صاحب نے تھوڑی دیر بیٹھ کر اجازت چاہی۔ حضرت نے دریافت فرمایا۔ کہ اتنی جلدی کیوں جاتے ہو؟ اُس نے عرض کیا۔ کہ ایک ضرورت سے مجھے مفتی محمد صادق صاحب سے ملنا ہے۔ فرمایا بیٹھئے وہ یہیں آجائیں گے چند منٹ بعد مفتی صاحب تشریف لے آئے۔ سلام اور جواب کے بعد حضور نے پوچھا۔ کہ آپ اس وقت کیوں آئے اور کس ارادے سے؟ انہوں نے عرض کیا۔ کہ حضور! دوسری جگہ

؎۔ واضح رہے کہ ان ایام میں تہجد کیلئے اکثر احمدی اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ اور عموماً مسجد مبارک میں جا کر تہجد کی نماز پڑھا کرتے تھے۔

جارہا تھا۔ اور چالیس پچاس قدم آگے بھی بڑھ گیا تھا۔ کہ یکدم حضور سے ملاقات کا خیال آیا۔ اور واپس آگیا۔ حاضرین کو یہ سُنکر بہت تعجب ہُوا۔

ایک صاحب کو قلمی کتابیں دکھائیں

ایک صاحب جنہیں قلمی کتابیں دیکھنے کا بہت شوق تھا حضرت خلیفۃ المسیح الاول رض کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور نے انہیں کئی لطیف قلمی کتابیں دکھائیں۔ جو آپنے بڑی محنت اور زرِ کثیر کے صرف سے مہیا کی تھیں ۔[۱]

شکر نہ کرنیکا نقصان

مولانا ظہور حسین صاحب مجاہد بخارا کا بیان ہے کہ:۔
"ایک مرتبہ نماز عید سے قبل حضرت خلیفۃ المسیح الاول رض کے صاحبزادہ میاں عبدالحی صاحب نے حضور سے کچھ پیسے مانگے۔ حضور نے انہیں کچھ پیسے دئے جس پر انہوں نے عرض کی۔ کہ حضور! یہ پیسے بہت کم ہیں۔ فرمایا۔ اگر تم شکر کرتے تو میں یقیناً تمہیں اور بھی دیتا۔ انہوں نے کہا۔ اچھا میں شکر کرتا ہوں۔ فرمایا۔ اب نہیں۔"

حضرت صاحبزادہ میاں محمود احمد صاحب کا خطبہ عید پڑھنا اور شملہ تشریف لے جانا۔

حضرت خلیفۃ المسیح کی طبیعت علیل تھی۔ حضور عید کی نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں تشریف لائے مگر خُطبہ کے لئے حضرت صاحبزادہ صاحب کو ارشاد فرمایا۔ حضرت صاحبزادہ صاحب نے صفائی قلب کے لئے ایک لطیف خطبہ دیا اور بعد ازاں ایک نکاح کا اعلان فرمایا۔ اور پھر اتوار کے روز حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب کے ہمراہ دس پندرہ روز کے لئے بغرض تبدیلی آب و ہوا شملہ تشریف لے گئے۔ حضرت نواب محمد علی خان صاحب اہل و عیال سمیت پہلے ہی شملہ میں تشریف فرما تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول رض نے آپ کو رخصت کرتے وقت گلے لگایا۔ پیار کیا۔ اور فرمایا۔ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہیں بہت سی برکتیں دے۔[۲]

شملہ میں حضرت صاحبزادہ صاحب نے دو تقریریں کیں۔ جن میں کھلم کھلا سلسلہ احمدیہ کی تبلیغ کی۔ جماعت نے بھی آپ کے مواعظ حسنہ سے بہت فائدہ اٹھایا۔[۳]

ایک انگریز نومسلم کا نام محمد عبداللہ رکھنا

حیدر آباد دکن سے ایک انگریز نومسلم کا خط آیا جس میں اُس نے اپنا اسلامی نام

۱؎ بدر ۴ ستمبر ۱۹۱۳ء ۲؎ بدر ۴ ستمبر ۱۹۱۳ء صد ۳؎ بدر ۲۔ اکتوبر ۱۹۱۳ء صد ۲

تجویز فرمانے کی درخواست کی تھی حضور نے اس کا نام محمد عبداللہ رکھا۔

دو عربوں کا قادیان میں ورود

"اس ہفتہ میں دو عرب بھی قادیان میں تشریف لائے۔ ایک نے خوش الحانی سے حضرت کو قرآن شریف سُنایا جس سے حضور خوش ہوئے۔ اور اسے نصیحت کی کہ ایک جگہ قیام کرنا چاہیئے۔ شہر بشہر پھرنے سے کوئی فائدہ نہیں[لے]

ایک مشہور حکیم کے خط کا جواب

ایک مشہور حکیم صاحب نے آپکی خدمت میں ایک خط لکھا۔ جس میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارہ میں کچھ استفسارات تھے۔ آپنے انہیں جواباً لکھا۔ کہ ہندوستان کے ایک مشہور و معروف اور نامور مولوی صاحب نے حضرت صاحب سے ملاقات کی اور عرض کی اگر حضور مسیح و مہدی کا دعویٰ نہ فرمائیں اور امام، مجدد، مصلح اور ریفارمر وغیرہ کی پوزیشن اختیار کرلیں تو ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔ حضور نے فرمایا۔ مولوی صاحب! اگر میں کسی منصوبہ سے کام کرتا تو بیشک ایسا ہی کرتا۔ مگر میں تو اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرنیوالا ہوں۔

اس کے بعد آپنے مستفسر حکیم صاحب کو مخاطب کرکے لکھا۔ کہ حکیم صاحب! میں نے حضرت سید محمد صاحب مجتہد العصر لکھنو، مولوی محمد تقی صاحب اور سید حامد حسین صاحب کو دیکھا ہے۔ بڑے لائق لوگ تھے۔ مگر عامل بالقرآن مخلصین کی جماعت تیار نہ کر سکے۔ آپ بھی ماشاء اللہ عالم فاضل ہیں اور طبیب بھی ہیں۔ اسلام کا درد بھی آپ کے دل میں ہے۔ مگر فرمائیے کس قدر جمعیت آپ کے ماتحت کام کرتی ہے؟

ادھر ہمیں دیکھو! ہمارے ماتحت اللہ تعالیٰ کے فضل سے شیعہ، خوارج، نیچری۔ وہابی مقلد غیر مقلد۔ پیر پرست۔ گدی نشین۔ علماء اور عوام سبھی قسم کے لوگ کام کرتے ہیں۔

ہم ہرگز اخفا اور چرب زبانی سے کام نہیں لیتے۔ خاں صاحب نواب محمد علی خاں صاحب رئیس مالیر کوٹلہ کو تشیع میں غلو تھا۔ حضرت صاحب سے ملے تو آپنے فرمایا:۔

"میاں! تبرّا اور تعزیہ پرستی دو امر تشیع کے ہمیں ناپسند ہیں۔ باقی جو چاہو۔ کرو۔"

لے بدر ۱۱ ستمبر ۱۹۱۳ء صد ۲۔

اس پردہ درہم برہم ہوئے۔ مگر آخر جماعت میں داخل ہو گئے۔

ہندوؤں، مسیحیوں کو تو میں گن نہیں سکتا ہوں کہ کس قدر ہماری جماعت میں آئے۔

اس کے بعد آپ نے انہیں لکھا۔ کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے سُنیوں شیعوں اور خوارج کی کتابیں نہیں پڑھیں۔ کیا کوئی اُن میں ایسا ریفارمر گذرا ہے جس نے پابند صوم وصلوٰۃ اور حج وزکوٰۃ جماعت تیار کی ہو۔ ہماری جماعت کو دیکھئے۔ چار لاکھ سے زیادہ ہے۔ اور اب بلاد یورپ امریکہ، چین، جاپان اور آسٹریلیا میں بھی پہنچ چکی ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ تھوڑے عرصہ کے اندر اندر ہی اللہ تعالیٰ ہمیں کس قدر کامیابیوں سے نوازتا ہے۔ کیا یہ حضرت مرزا صاحب کا کمال نہیں؟ کوئی ہے جو تائید ایزدی میں آپ کے ساتھ مقابلہ کر سکے؟ وغیرہ وغیرہ[1]

منکرین کی جنازہ خوانی

ضلع گجرات میں ایک احمدی دوست فوت ہوئے۔ چونکہ وہاں جماعت کی تعداد بہت کم تھی۔ اس لئے صرف چند آدمی قبر تک میت کے ساتھ گئے۔ منکرین نے اس پر بہت بغلیں بجائیں۔ اور خوشی کا اظہار کیا۔ جس پر جناب ایڈیٹر صاحب بدر نے لکھا:۔

"افسوس ہے کہ اس خوشی کے اظہار کے وقت غیر احمدیوں نے اپنی پوزیشن کو نہیں سمجھا۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ احمدی لوگ اُن کی اس حرکت سے ناراض اور خفیف ہو سکتے ہیں حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ جنازہ میت کے واسطے ایک دُعا ہے۔ اور انسان ایسے لوگوں کی دُعا اپنے حق میں چاہتا ہے۔ جن کے متعلق وہ قبولیت دعا کا حُسن ظن رکھتا ہو۔ اور جن کو دینی رنگ میں بزرگ اور نیکو کار سمجھتا ہو۔ لیکن اگر حضرت مرزا صاحب مسیح موعود ہیں اور یقیناً ہیں۔ تو ان کے منکر یہود ہیں۔ اور یقیناً ہیں۔ یہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی ہے۔ حضرت مہدیؑ فرماتے ہیں:۔

مردم نااہل گویندم کہ چوں عیسیٰ شدی	بشنو از من ایں جواب شاں کہ اے قوم حسود
چوں شما را شُد یہود اندر کتاب پاک نام	پس خدا عیسیٰ مرا کرد است از بہر یہود

غرض ہمیں نہ تمہارے جنازوں کے پڑھنے کی خواہش ہے اور نہ پرواہ ہے۔ ایک دفعہ ایسا ہی ایک واقعہ حضرت مسیح موعود کی خدمت میں ذکر ہوا تھا۔ حضور نے فرمایا:۔

منکرین اگر جنازہ پڑھیں بھی تو ہمیں کیا فائدہ؟ اگر کوئی بھی احمدی کا جنازہ نہ پڑھے۔ تو

---

[1] خلاصہ مضمون خط مندرجہ بدر ۱۸ ستمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۲

فرشتے اس کا جنازہ پڑھتے ہیں۔ ان لوگوں کے جنازہ نہ پڑھنے کی کچھ بھی پرواہ نہ کرو۔"

اور جب ہم خود غیر احمدیوں کا جنازہ نہیں پڑھتے۔ تو ہم کب امید رکھتے ہیں کہ وہ ہمارا جنازہ پڑھیں۔"[۱]

خدا تعالیٰ آپ کی ضرورتوں کا خود متکفل تھا

محترم مرزا اسلام اللہ صاحب مستری قطب الدین صاحب بھیروی کی روایت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

ایک مرتبہ عید الاضحیہ کے موقعہ پر حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ نے گھر سے دریافت فرمایا کہ کپڑے دُھلے ہوئے ہیں؟ معلوم ہوا کہ صرف ایک پاجامہ ہے اور وہ بھی پھٹا ہوا۔ آپ نے اس میں آہستہ آہستہ ازار بند ڈالنا شروع کر دیا۔ حضرت نواب محمد علی خاں صاحب ان دنوں صدر انجمن کے سیکرٹری تھے۔ انہوں نے پیغام بھیجا۔ کہ حضور نماز عید میں دیر ہو رہی ہے۔ لوگوں نے قربانیاں بھی دینی ہیں اس لئے جلد تشریف لائیں۔ فرمایا۔ تھوڑی دیر تک آتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر آدمی آیا۔ حضور نے اُسے پھر پہلے کا سا جواب دیا۔ اتنے میں ایک آدمی نے آکر دروازہ پر دستک دی۔ آپ نے ملازم کو فرمایا۔ دیکھو باہر کون ہے؟ آنے والے نے کہا۔ میں وزیر آباد سے آیا ہوں۔ حضرت سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ حضور نے اسے اندر بُلا لیا۔ عرض کی حضور میں وزیر آباد کا باشندہ ہوں۔ حضور کے، اماں جان کے اور بچوں کے کپڑے لایا ہوں۔ رات یکہ نہیں ملا تھا۔ اس لئے بٹالہ ٹھہرا رہا۔ اب بھی پیدل آیا ہوں۔

ایسا ہی ایک واقعہ محترم شوقی عطا محمد صاحب نے بھی بیان فرمایا۔ کہ:۔

ایک دفعہ عید کی صبح کو حضرت مولوی صاحب نے غرباء میں کپڑے تقسیم کئے حتی کہ اپنے استعمال کے کپڑے بھی دے دئے۔ گھر والوں نے عرض کی۔ کہ آپ عید کیسے پڑھیں گے۔ فرمایا۔ خدا تعالیٰ خود میرا انتظام کر دیگا۔ یہاں تک کہ عید کے لئے روانہ ہونے میں صرف پانچ سات منٹ رہ گئے عین اس وقت ایک شخص حضرت کے حضور کپڑوں کی گٹھری لیکر حاضر ہوا۔ حضور نے وہ کپڑے لیکر فرمایا۔ دیکھو ہمارے خدا تعالیٰ نے عین وقت پر ہمیں کپڑے بھیج دئے۔"

ان واقعات سے ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ آپ کی ضرورتوں کا خود متکفل تھا۔ اور وہ وقت پر آپ کی تمام حاجات کو پورا کر دیتا تھا۔

---

[۱] بدر ۱۸ ستمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۵

چوہدری حاکم دین صاحب کی بیوی کیلئے تسہیل ولادت کی دُعا اور دُم۔

محترم جناب چوہدری حاکم دین صاحبؓ کی بیوی کو پہلا بچہ ہونیوالا تھا۔ اور سخت تکلیف تھی۔ آپ رات کے گیارہ بجے حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کے گھر گئے۔ چوکیدار سے پوچھا کہ کیا میں حضور کو اس وقت مل سکتا ہوں؟ اُس نے نفی میں جواب دیا۔ لیکن اندرونِ خانہ میں حضور نے آواز سُن لی۔ اور پُوچھا کون ہے۔ چوکیدار نے عرض کی کہ چوہدری حاکم دین ملازم بورڈنگ ہیں۔ فرمایا۔ آنے دو۔ آپ۔ اندر چلے گئے۔ اور زچگی کی تکلیف کا ذکر کیا۔ حضور اندر جاکر ایک کھجور لے آئے۔ اور اُس پر کچھ پڑھ کر پھونکا۔ اور چوہدری صاحب کو دیکر فرمایا۔ کہ یہ اپنی بیوی کو کھلا دیں اور جب بچہ پیدا ہو جائے تو مجھے بھی اطلاع دیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد بچی پیدا ہو گئی۔ چوہدری صاحب نے سمجھا۔ کہ اب دوبارہ حضور کو جاکر جگانا مناسب نہیں۔ اس لئے وہ سو رہے۔ صبح کی اذان کے وقت وہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت مولوی صاحبؓ اس وقت وضو کر رہے تھے۔ چوہدری صاحب نے عرض کی۔ کھجور کھلانے کے بعد بچی پیدا ہو گئی تھی۔ آپ نے فرمایا۔ کہ بچی پیدا ہونے کے بعد تم میاں بیوی آرام سے سو رہے۔ اگر مجھے بھی اطلاع دیدیتے تو میں بھی آرام سے سو رہتا۔ میں تمام رات تمہاری بیوی کے لئے دُعا کرتا رہا۔"[1]

ایک یتیم لڑکے کی طرف سے ادائیگی جرمانہ اور اُس پر رحم

محترم جناب چوہدری غلام محمد صاحب بی۔اے کا بیان ہے:۔

"ایک دن ایک یتیم لڑکے سراج دین نامی نے ایک جولاہے کا تانا خراب کر دیا۔ جولاہا تانا لیکر حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کے پاس آیا۔ اور آپ نے اس نقصان کے عوض پانچ روپیہ وصول کئے۔ یہ لڑکا بورڈنگ میں داخل تھا۔ حضور نے مجھے بُلا کر فرمایا۔ کہ سراجدین نے جولاہوں کا تانا خراب کر دیا ہے اسے اس کی سزا دو۔ میں نے عرض کیا۔ بہت اچھا۔ جب میں دروازہ تک پہنچا تو آپ نے مجھے واپس بُلا لیا۔ اور فرمایا کہ سراجدین یتیم لڑکا ہے۔ اس کو جھڑکنا نہیں۔ میں نے عرض کیا بہت اچھا۔ اور واپس آکر میں نے اسے یہ سزا دی کہ آٹھ دن تک وہ روزانہ ایک صفحہ خوشخط لکھ کر مجھے دکھایا کرے۔"[2]

یتیموں پر اپنے بچے کی نسبت زیادہ خرچ کرنا

جناب چوہدری صاحب موصوف ہی کا بیان ہے کہ:۔

[1] اصحاب احمد جلد ہشتم صہ ۷۲
[2] اصحاب احمد جلد ہشتم صہ ۷۲

ایک دفعہ آپنے اپنے بڑے لڑکے میاں عبدالحی مرحوم کو بورڈنگ میں داخل کرادیا اور مجھے لکھ دیا کہ میں غریب آدمی ہوں۔ اس لئے عزیز عبدالحی کے خرچ میں حتی الوسع کفایت کرنیکی کوشش کریں۔ میں نے حاضر ہوکر عرض کی۔ کہ اگر عبدالحی کا کھانا گھر سے آجایا کرے تو خرچ میں بہت تخفیف ہوسکتی ہے۔ آپنے فرمایا۔ کہ میرے پاس کوئی نوکر نہیں ہے۔ اس لئے کھانا بھیجنا بہت مشکل ہے۔ نیز میری بیوی اکثر بیمار رہتی ہے۔ اس لئے وقت کی پابندی بھی مشکل ہے۔ اس لئے بورڈنگ کے خرچ میں ہی تخفیف کریں۔

حضور نے اپنے بچہ کے متعلق کفایت شعاری کیلئے اس قدر تاکید فرمائی۔ حالانکہ اسوقت بورڈنگ ہاؤس میں پانچ یا چھ یتیم ایسے تھے جن کا خرچ آپ اپنی گرہ سے دیتے تھے۔ اور اُن کے خرچ میں تخفیف مدنظر رکھنے کے لئے آپنے کبھی بھی نہیں فرمایا تھا۔

میاں عبدالحی کی تعلیم کی پہلی ماہ کی رپورٹ لیکر میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا جس میں میں نے لکھا تھا کہ عزیز عبدالحی اس ماہ میں باقاعدہ نمازیں پڑھتا رہا ہے۔ آپنے رپورٹ پڑھ کر اپنی جیب سے ایک روپیہ نکال کر دیا۔ اور فرمایا کہ رسول کریمؐ نے فرمایا ہے کہ جب کوئی خوشخبری دے تو اُسے کچھ دینا چاہیئے۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے بڑھاپے میں لڑکے دیکر اس شرک سے بھی بچالیا ہے کہ میں بچوں سے کوئی خدمت کی بھی امید رکھ سکوں۔ نیز میرے پاس کوئی سند نہیں ہے اور جہاں تک مجھے یاد ہے۔ میرے باپ دادا کے پاس بھی کوئی سند نہیں تھی۔ لیکن ہم سب عزت کی روٹی کھاتے رہے ہیں۔ اس لئے میرے بچوں کو سندوں کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ میں یہ چاہتا ہوں۔ کہ اگر ان میں سے کوئی نیک ہو جائے تو میرے لئے بعد میں دُعا کر سکے گا۔[۵۱]

دُعا کے نتیجہ میں شریر لڑکے خودبخود بورڈنگ سے نکل گئے

جناب چوہدری صاحب موصوف بیان فرماتے ہیں۔ کہ :-

"ایک دفعہ کچھ شریر لڑکے بورڈنگ میں داخل ہوگئے وہ اپنی شرارتوں سے لوگوں کو تنگ کرتے تھے۔ میں نے حضور سے ذکر کیا۔ حضور نے درس میں فرمایا۔ کہ بعض لڑکے شریر ہو گئے ہیں۔ وہ اپنی شرارتیں چھوڑ دیں۔ ورنہ میں دُعا کرتا ہوں۔ کہ خدا تعالیٰ اُن سے ہمارا چھٹکارا کرا دے۔ حضور کی دُعا کے بعد

---

[۵۱] اصحاب احمد جلد ہشتم صـ۲۷ ۔

دو ہفتہ کے اندر وہ تمام لڑکے جو بارہ کے قریب تھے خود بخود بورڈنگ سے نکل گئے۔"[۱]

جناب چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کا دورہ فنلینڈ و روس۔

پیچھے ذکر ہو چکا ہے کہ جناب چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب قانون کی اعلیٰ ڈگری حاصل کرنے کے لئے ولایت تشریف لے گئے تھے موسمی تعطیلات میں آپ نے بہمراہی شیخ محمد اکبر صاحب سویڈن، فنلینڈ بعدہٗ رُوس کا دورہ کیا۔ روس کے دار السلطنت سینٹ پیٹرسبرگ میں آپ تین دن ٹھہرے۔ وہاں ایک خوبصورت مسجد بھی دیکھی جس میں مسجد سے الگ طہارت خانہ تھا۔ جو یورپین اصول صحت کو مدنظر رکھ کر بنایا گیا تھا۔ وضو کے لئے گرم و سرد دونوں قسم کے پانی کا بھی انتظام تھا۔ عورتوں کے الگ نماز پڑھنے کے لئے بھی جگہ بنائی گئی تھی۔ اس مسجد میں آپ کی ایک مسلمان مرد سے ملاقات ہوئی۔ جو روسی زبان کے سوا اور کوئی زبان نہیں جانتا تھا۔ آپ فرماتے ہیں:۔

میں نے عمارت کی طرف اشارہ کر کے سوال کیا۔ مسجد؟ اُس نے جواب دیا۔ "مسجد"۔ پھر میں نے پوچھا مسلمان؟ اس نے کہا۔ مسلمان؟ الحمد للہ۔ ہم نے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھا۔ پھر وہ ہمیں مسجد میں لے گیا۔ جہاں ہم نے الحمد شریف پڑھی۔ ہم اس سے گفتگو تو نہ کر سکتے تھے۔ الحمد للہ وہ بھی سمجھتا تھا۔ ہم بھی یہی مسجد کی طرف اشارہ کر کے دہراتے رہے جب وہ ہمیں سب کچھ دکھا چکا تو ہم اس کو ایک روپیہ کے قریب نقدی دیکر چلے آئے۔ مسجد دیکھ کر طبیعت کو نہایت خوشی ہوئی۔ ہمیں معلوم ہوا کہ سینٹ پیٹرسبرگ میں ایک لاکھ کے قریب مسلمان ہیں۔ ہوٹلوں کے نوکر اکثر مسلمان ہیں۔"[۲]

اللہ! اللہ! جس وقت چوہدری صاحب موصوف آج سے پچاس سال قبل ایک طالبعلم کی حیثیت سے رُوس اور یورپ کے دوسرے ملکوں کا دورہ کر رہے تھے آپ کو کب پتہ تھا۔ کہ ایک وقت ایسا بھی آنیوالا ہے جب کہ آپ ان مُلکوں میں یو۔ این۔ او کی جنرل اسمبلی کے صدر ہونے کی حیثیت سے بھی دورہ کریں گے۔ اور وہاں کی حکومتوں کے نمائندے آپکا استقبال کریں گے اور آپکے اعزاز میں بڑی بڑی دعوتیں کی جائیں گی۔ والحمد للہ رب العالمین۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاول کا خط جناب چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

شیخ محمد اکبر صاحب کو محبت بھرا السلام علیکم - یہ مبارک دُعا ہے - افسوس ہندوستان
کے مسلمان اس سے محروم ہو گئے - آہ ! آہ ! سیر میں کوئی دین و دُنیا کا خیال رکھنا چاہیئے
وَاِلَّا فضول ہے - مسجد کی خبر مبارک ہو - فنلینڈ میں گھنٹوں کے حساب سے نماز روزہ ہوتا ہے
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :- والقمر قدّرناہُ منازل - یہ تقدیر منازل کا ارشاد ایسے بلاد
کے واسطے ہے - پیارے غور کرو چھتیس کروڑ روپیہ سالانہ خرچ چرچ آف انگلینڈ اگر یہ
لوگ مسیحی نہیں - تو اتنا روپیہ پانی کی طرح کیوں بہاتے ہیں - پھر اسلام کے مقابل انہی دو
سالوں میں مراکش - طرابلس - ترکی میں بلقان نے - اٹلی نے فرانس نے کیوں اس
قدر خونریزی کی - تثلیث کی دلیل تو ہے ہی نہیں - جس کا عقلمند کے سامنے اقرار کریں -
مسیح موعود کے ساتھ اس مذہب کے زوال کے دن وابستہ ہیں - اندر سے کھوکھلے ہیں
اسلام کو بظاہر ماننے سے مضائقہ کرتے ہیں -

آپ توحید کی تبلیغ کر دیا کریں - پنجابی - ہندوستانی طلباء کو بقدر طاقت اللہ تعالیٰ
اور اس کے رسُول کا نام پہنچا دیں - اتنا ہی غنیمت ہے - نمازوں میں غفلت مت کرو -
قرآن کریم ضرور پڑھو - دعائیں بہت مانگو - وہ آپ کا جرمن دوست کیا ہوا - پھر آپ نے
اُن کا حال نہ لکھا - تعجب ہے - والسلام - نورالدین ۱۶ ستمبر ۱۹۱۳ء [1]

یہ امر خاص طور پر قابل ذکر ہے - کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ جناب چودھری
صاحب کو پیار سے بعض اوقات "ظفر اللہ باشی" وغیرہ الفاظ سے بھی یاد
فرمایا کرتے تھے -

مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کا ذکر خیر -

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند سے آپکی ملاقات
کا ذکر پہلے کسی جگہ ہو چکا ہے - اس لئے گو اس کے اعادہ کی ضرورت
نہیں - مگر جس رنگ میں اب ذکر آ رہا ہے - اس سے چونکہ حضرت
مولوی صاحب موصوف کی طبیعت اور ذہانت کا پتہ چلتا ہے - اس لئے دوبارہ ذکر ضروری معلوم
ہوتا ہے - آپ فرماتے ہیں :-

"میں نے ابوالقاسم نانوتوی صاحب کو دیکھا ہے - بڑے تیز آدمی تھے فلسفیانہ طبع تھے

[1] بدر ۲۵ ستمبر ۱۳ء صفحہ ۳

ہر سوال کا جواب فوراً دیتے تھے۔ دیانند اُن کے مقابلے میں آنے سے ڈرتا تھا۔ ایک دفعہ حدیث پڑھا رہے تھے۔ ایک حدیث میں آیا کہ آخری زمانہ میں مال کم ہوگا۔ اس کے بعد ایک اور حدیث آئی کہ کسی جگہ سونا نکلیگا۔ میں نے چاہا کہ سوال کروں۔ ابھی میں نے اتنا ہی کہا تھا۔ کہ "حضور پہلی" تو فوراً سمجھ گئے۔ اور جھٹ جواب دیا۔ کہ میاں! کیا تم نے چراغ بجھتا ہوا نہیں دیکھا۔ میں بھی جواب سمجھ گیا۔ اور خاموش ہوگیا۔ مطلب یہ تھا۔ کہ بجھتے بجھتے چراغ کی روشنی یکدفعہ آخر میں بھڑک اُٹھتی ہے۔ یہ آخری جوش ہوتا ہے۔

فرمایا:۔ اُن کی دو کتابیں بہت عمدہ ہیں۔ مگر عبارت عام فہم نہیں۔ ایک تقریر دلپذیر۔ دوسری قبلہ نُما۔"[۱]

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی خدمت میں جناب چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کا ایک اور خط لندن سے

اُوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ موسمی تعطیلات میں جناب چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے سویڈن۔ فن لینڈ اور رُوس کا دورہ کیا۔ اور اس دورہ سے متعلق کچھ باتیں آپ نے پہلے خط میں بیان کی تھیں۔ کچھ باتوں کا ذکر اس دوسرے خط میں ہے۔

ایک ضروری بات آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی خدمت میں یہ لکھی۔ کہ یہاں کچھ لوگ جو زیر تبلیغ ہیں۔ وہ اسلامی عمل کو سمجھنے کے خواہشمند ہیں اور ارکان اسلام معلوم کرنا اور سیکھنا چاہتے ہیں۔ اگر ایک چھوٹے سے انگریزی رسالے میں نماز کی دُعائیں اُن کا ترجمہ اور نماز کے اصول و ضوابط تحریر کر دئے جائیں۔ تو بہت مفید رہے گا۔ ساتھ ہی آپ نے لکھا۔ کہ

"اگر غلام کی تجویز حضور پسند فرمادیں۔ اور اس کے متعلق حکم صادر فرمادیں تو رسالہ کے اخراجات کے لئے مبلغ ۳۰ روپے اپنے ماہانہ خرچ سے عاجز ارسال کر دے گا۔ میرے خیال میں ایسے رسالہ کی اس وقت انگلینڈ میں بہت سخت ضرورت ہے۔"

دوسری بات جس کا آپ نے خاص طور پر ذکر کیا۔ وہ فن لینڈ کی ایک عورت کی اسلام سے دلچسپی ہے۔ اُسے جب آپ نے اسلام کے سادہ اصول بتائے تو اس نے بے ساختہ کہا کہ اگر یہی اسلام ہے تو میں شاید مسلمان ہو جاؤں گی۔ آپ لکھتے ہیں۔ کہ جب اس عورت سے آپکی پہلی ملاقات ہوئی تو اس نے اول اول تو

---

[۱] "بدر" ۲۔ اکتوبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۵

سمجھا کہ یہ کوئی جاہل گنوار ہے۔ لیکن جب اُس نے آپ سے گفتگو شروع کی۔ تو وہ آپ کی معلومات کو سُن کر حیران اور ششدر رہ گئی۔ کیونکہ جو بات وہ کہنا چاہتی تھی۔ آپ اُسے پہلے ہی بتا دیتے تھے۔ پھر جب اُس نے آپ کے چال چلن پر غور کیا۔ تو اسے اور بھی تعجب ہوا کہ آپ کے اخلاق اور یورپی اخلاق میں کس قدر فرق ہے ؛ خصوصاً سفر میں جہازوں پر جب لڑکے اور لڑکیاں ملتے ہیں تو حیا سوز حرکات کرتے ہیں لیکن جب اس خاتون نے آپ کو دیکھا۔ کہ یہ اس معاملہ میں بھی اوروں سے مختلف ہے۔ تو اس پر بہت گہرا اثر پڑا۔ اور اُس نے آپ کی بہت عزت کرنا شروع کر دی۔ اور برملا کہا۔ کہ

"اول اول تو میں نے آپ کی شخصیت کو نہیں پہچانا تھا۔ لیکن اب میں ہر وقت آپ سے ڈرتی ہوں کہ مبادا مجھ سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو جائے۔ جو آپ کے اعلیٰ اخلاق کے درجے تک نہ پہنچے۔"

پھر بعد میں ایک دفعہ آپ سے کہا کہ

"اگر کسی بچے کی تربیت میرے ہاتھ میں ہو تو میں تمہیں نمونہ بنا کر اُس کی تربیت کروں۔ اور جو عزت اور ادب تمہارا میری نگاہ میں ہے۔ تم اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔"

آپ فرماتے ہیں :۔

"میں نے جواب دیا۔ کہ اگر آپ کوئی خوبی مجھ میں دیکھتی ہیں تو وہ اس وجہ سے ہے کہ اسلام میرا دین ہے۔ اور جو بُرائی مجھ میں ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ میں ابھی پورے طور پر اسلام پر عمل کرنے کے قابل نہیں ہوا۔"

اس کے بعد آپ لکھتے ہیں۔ کہ :۔

"اثنائے گفتگو میں میں نے حضرت صاحب اور حضور کا ذکر کیا۔ اور حضرت صاحب کے دعاوی مختصراً بیان کئے۔ اب اسے مجھ پر یہاں تک اعتماد ہو گیا تھا۔ کہ میں جو کچھ کہتا تھا۔ اسے صحیح تسلیم کر لیتی تھی۔ اور اس پر غور کرتی تھی۔"

لندن واپس پہنچ کر آپ نے اُسے "ٹیچنگز آف اسلام" اور خواجہ صاحب کا ایک رسالہ بھیجا جس کے جواب میں اُس نے لکھا۔ کہ :۔

"کتابوں کی بابت ہزار ہزار شکریہ میرا قبول کریں۔ ابھی ابھی مجھے ملی ہیں "ٹیچنگز آف اسلام"

نہایت پُر ذوق معلوم ہوتی ہے۔ میں نے چند اقتباسات پڑھے ہیں۔ مجھے نہایت خوشی ہے۔ کہ میں اسلام کے اصول اب سیکھ سکتی ہوں۔"

آخر میں آپ لکھتے ہیں:۔

"میں نے یورپ میں صرف یہ ایک عورت دیکھی ہے۔ جو نہ صرف اسلام کے متعلق شوق رکھتی ہے بلکہ بغیر پیشتر معلوم ہونے کے اسلامی اصولوں اور رواجوں مثلاً پردہ کو پسند کرتی ہے۔ حالانکہ عام یورپین عورتیں اس کے بہت خلاف ہوتی ہیں۔ یورپین تہذیب کو بالکل پسند نہیں کرتی۔ سوال کرنے پر صاف اور سچا جواب دیتی ہے۔ کوئی ادھر ادھر کی بات کہہ کر ٹال نہیں دیتی۔ اور عام طور پر یہ ایشیائی مذاق کی عورت ہے۔ بایں ہمہ نہایت لائق اور ذہین ہے۔ آرکیالوجی پڑھتی ہے۔ اور سویڈن، ناروے اور فن لینڈ میں یہ پہلی عورت آرکیالوجسٹ ہوگی۔ غلام کے لئے حضور دعا فرماویں۔" والسلام [۱]

حضور کا غلام ظفر اللہ خان۔ لندن

آنریبل چودھری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب کے زمانہ طالب علمی کے خط کا اکثر حصہ میں نے اس لئے درج کر دیا ہے۔ کہ یورپ میں جانے والے مبلغین اور دیگر افراد کے لئے اس میں بہت سے قیمتی اسباق ہیں۔ یہ امر خوشی کا موجب ہے کہ باوجود اس کے کہ جناب چودھری صاحب موصوف نے اپنی چٹھی میں اس امر کی سخت تاکید کی تھی۔ کہ جو تعریفی الفاظ اس لیڈی نے جناب چوہدری صاحب کے متعلق کہے ہیں۔ وہ ہرگز شائع نہ کئے جائیں۔ مگر جناب ایڈیٹر صاحب "بدر" نے اس لئے شائع کر دئے کہ یہ الفاظ چوہدری صاحب کو نہیں کہے گئے تھے۔ بلکہ اس قوم کو کہے گئے تھے جس کے آپ یورپ میں نمائندہ سمجھے جاتے تھے۔



---

[۱] "بدر" ۱۶۔ اکتوبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۳، ۱۴

نواں باب

مُنکرین خلافت کے خُفیہ ٹریکٹوں کے جوابات۔ حضرت خلیفۃ المسیحؓ کی بیماری۔ وصیّت ۔ وفات اور انتخاب خلافتِ ثانیہ کے حالات

مُنکرین خلافت کے خُفیہ ٹریکٹ شروع اکتوبر ۱۹۱۳ء

پیچھے منکرین خلافت کی سرگرمیوں کا ذکر ہو چکا ہے۔ ان لوگوں نے جب دیکھا۔ کہ "پیغام صلح" کے ذریعہ ہم جماعت قادیان کو بدنام تو کر سکتے ہیں۔ لیکن ہمارا مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ، خاندان حضرت اقدس خصوصاً حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کے خلاف بھی جماعت کو پورے طور پر بدظن نہ کر لیا جائے۔ اور یہ کام چونکہ پیغام صلح کے ذریعہ بطریق احسن سرانجام نہیں دیا جا سکتا تھا۔ اس لئے ان لوگوں نے "اظہار الحق" کے عنوان سے دو ٹریکٹ نکالے۔ جن میں حضرت خلیفۃ المسیحؓ اور خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر خوب جی بھر کر حملے کئے اور اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔ مگر بزدلی دیکھئے کہ ٹریکٹوں کے آخر میں "داعی الی الوصیت" کے الفاظ کے بعد جہاں ٹریکٹ لکھنے والے کا نام لکھا تھا۔ اسے چھپوانے کے بعد قینچی سے کاٹ دیا گیا۔ تا جماعت کے احباب اس کے پاس جا کر اس سے ٹریکٹوں میں لگائے گئے الزامات کا ثبوت نہ طلب کر سکیں۔

جماعت کو ان گمنام ٹریکٹوں کا جواب دینے کی تو ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ جب شائع کنندہ نے اپنا نام ہی ظاہر نہیں کیا۔ تو قوم پر اس کا کیا اثر پڑ سکتا تھا۔ لیکن چونکہ اخبار "پیغام صلح" والوں نے ان کے مندرجات کے ساتھ اتفاق کرتے ہوئے لکھا کہ

"جو ٹریکٹ ہم نے دیکھے ہیں۔ ان میں ذرہ شک نہیں کہ اکثر باتیں انکی سچی ہیں۔"

نیز یہ بھی لکھا۔ کہ

"ٹریکٹ ہائے کی بیان کردہ باتوں کے ساتھ اتفاق رائے رکھنے کے جرم میں اگر ہماری نسبت غلط فہمی پھیلائی جانی لاہوری انصار اللہ نے مناسب سمجھی ہے۔ اور ہمارے خلاف کچھ لکھنے کا ارادہ کیا ہے۔ تو ہماری طرف سے اگر کچھ کمی بیشی کا کلمہ لکھا گیا۔ تو اس کی ذمہ داری بھی انہی پر ہوگی"۔

راقم محمد منظور الٰہی۔ میں ہر حرف سے متفق ہوں۔ سید انعام اللہ شاہ"[۵۱]

اس لئے حضرت خلیفۃ المسیح اول ؓ نے اراکین انجمن انصار اللہ کو فرمایا کہ ان ٹریکٹوں کا جواب تیار کر کے شائع کرو۔ چنانچہ حضور کے حکم کی تعمیل میں انجمن مذکور نے پہلے ٹریکٹ کے جواب میں رسالہ "خلافت احمدیہ" اور دوسرے ٹریکٹ کے جواب میں رسالہ "اظہار حقیقت" لکھا۔[۵۲] اور جب ان رسالوں کا مسودہ حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں پیش ہوا۔ تو حضور نے اسے شروع سے لے کر آخر تک دیکھا۔ اور پھر اپنے ہاتھ سے اس مسودہ میں حسب ذیل الفاظ کا اضافہ فرمایا۔

"ہزار ملامت ہو پیغام پر جس نے اپنی چٹھی کو شائع کر کے ہمیں پیغام جنگ دیا۔ اور نفاق کا بھانڈا پھوڑ دیا۔ الفتنة نائمة لعن اللہ من ایقظھا۔ (سوئے ہوئے فتنہ کو جگانے والے پر اللہ کی لعنت ہو۔)

اس موقعہ پر یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ ۱۹۳۷ء میں استاذی المکرم حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب فاضل حلالپوری نے بھی ایک رسالہ بنام "بعض خاص کارنامے" شائع فرمایا تھا۔ جس میں مذکورہ بالا ٹریکٹوں کو من وعن نقل کر دیا گیا ہے۔ اور ان میں درج شدہ وساوس کا بھی لطیف پیرایہ میں ازالہ فرمایا گیا ہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزا۔

ان ٹریکٹوں میں لگائے گئے الزامات میں سے کئی ایک کا جواب چونکہ اس کتاب کے گذشتہ صفحات میں آچکا ہے۔ اس لئے یہاں انہیں من وعن نقل نہیں کیا گیا۔ بلکہ صرف انہی حصوں کو لیا گیا ہے جن کا جواب نہیں آیا۔ البتہ ان حصوں کو بھی لے لیا گیا ہے۔ جو

---

[۵۱] پیغام صلح جلد ۱ صفحہ ۵ پرچہ ۱۶ 11/12 [۵۲] ٹریکٹ "خلافت احمدیہ" ۲۳ نومبر ۱۹۱۳ء کو۔ اور "اظہار حقیقت" ۲۸ نومبر ۱۹۱۳ء کو شائع کیا گیا۔

ان مضامین کی روح تھے۔ تاٹریکٹ لکھنے والے کی افتاد طبع کا پتہ لگ سکے۔

اب ہم ان ٹریکٹوں میں درج شدہ وساوس کو ٹریکٹ لکھنے والے کے الفاظ میں درج کرتے ہیں۔ اور پھر تھوڑے تھوڑے حصہ کا ساتھ ساتھ جواب بھی عرض کرتے جاتے ہیں۔ تاقارئین کو حقیقت حال معلوم کرنے میں آسانی ہو۔

خلاصہ ٹریکٹ اظہار الحق ۱

اظہار الحق نمبر ۱

(صرف احمدی احباب کے لئے۔ غیر احمدی کو ہرگز نہ دکھایا جاوے)

"ایک مامور، نبی اور رسول کی جانشینی کا مسئلہ اسقدر اہمیت رکھتا ہے کہ اگر اس مامور کے خاص خدام اسکی وفات کے بعد اس بارہ میں ذرا بھی غفلت سے کام لیں۔ تو اس پاک نفس کی ساری اصلاح پر پانی پھر جاتا ہے۔ اور خود غرض اور نفس پرست انسان اس نئی تیار شدہ اور اصلاح یافتہ قوم کی تمام طاقت کو اندر ہی اندر سلب کر دیتا ہے۔ اور پھر وہ قوم اپنی پوری طاقت سے مخالفین حقہ کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اور اگر کرتی بھی ہے تو بہت جلد اُسے اندرونی جھگڑے تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔ مگر غور کرو۔ شیعہ۔ سُنی۔ خارجی کا وجود کہاں سے پیدا ہوا۔ مامور۔ رسول اور نبی کی شخصیت تک تو ان سب کا آپس میں اتفاق ہے۔ پھر فرمائیے۔ ان کا وجود کیسے ظہور پذیر ہوا۔ آخر ماننا پڑیگا۔ کہ مامور شخص کی وفات کے بعد غیر ماموروں کی جانشینی نے اسلام کو تفرقوں کا آماجگاہ بنا دیا ہے۔ اور خلافت کا مسئلہ ایسا اسلام کیلئے وبال جان ثابت ہوا۔ کہ اس نے مسلمانوں کی دین و دنیا کو تباہ کر دیا۔"

جواب۔ جب انسان ایک قدم غلط اٹھاتا ہے۔ تو پھر اس کے بعد جو بھی قدم اُٹھائیگا۔ وہ اسے غلط سمت کی طرف ہی لے جائیگا۔ ٹریکٹ نویس کے دل میں چونکہ حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ اور حضرت محمود ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے متعلق بغض اور عداوت بھری ہوئی ہے۔ اس لئے اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو خلافتِ راشدہ قائم ہوئی۔ اور

جس کے زمانہ میں اسلام آناً فاناً ساری معلوم دنیا میں پھیل گیا۔ اس خلافت کو بھی اسلام میں "تفرقوں کا آماجگاہ" قرار دیا ہے۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ نے تو آیت استخلاف میں خلافت کو مسلمانوں کے لئے رحمت اور برکت اور دین کو مضبوط کرنے اور خوف کو امن سے بدلنے کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ مگر یہ شخص کہتا ہے کہ شیعہ سُنی اور خارجی وغیرہ تمام فرقے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد شخصی خلافت کی پیداوار ہیں۔ حالانکہ اس مبارک زمانہ میں فرقہ بندی کا نام تک نہ تھا۔ اور مسلمانوں کی تمام توجہ اعمال صالحہ کی بجاآوری اور اشاعت دین کی طرف لگی ہوئی تھی۔ جو فتنے بھی اسلام کے خلاف اس زمانہ میں اندرونی یا بیرونی طور پر کھڑے ہوئے۔ خلفائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا خوب اچھی طرح سے قلع قمع کیا اور محض شخصی خلافت کی وجہ سے مسلمانوں کی تنظیم کی دھاک تمام عالم میں بیٹھ گئی۔

ایسا ہی اگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد احمدی قوم حضرت مولانا حکیم نورالدین صاحبؓ کے ہاتھ پر جمع نہ ہوتی۔ تو وہ زلزلہ جو جماعت میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال کی وجہ سے پیدا ہو چکا تھا۔ یقیناً جماعت کو تتر بتر کر دیتا۔ جن لوگوں کو تاریخ اسلام سے ذرا بھی شد بد ہے۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ خلفاء راشدین کے مختصر سے زمانہ میں اسلام کو جو ترقی حاصل ہوئی۔ وہ بعد کے مسلمان صدیوں میں بھی حاصل نہ کر سکے۔ بلکہ وحدت اور اتحاد نہ ہونے کی وجہ سے دن بدن کمزور ہوتے چلے گئے۔ دور کیوں جائیے۔ وہی حضرات جو اخبار "پیغام صلح" سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور جن کے بزرگوں یعنی جناب مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے اور جناب خواجہ کمال الدین صاحب پلیڈر نے جب دیکھا۔ کہ حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کی بیعت تو ہم لوگ کر ہی چکے ہیں۔ اور جماعت میں آپ کا اثر و رسوخ اس قدر ہے۔ کہ ہم آپکو معزول بھی نہیں کر سکتے۔ اور آپ کے بعد صاف نظر آرہا ہے۔ کہ ہمیں کوئی خلافت کی مسند پر بٹھانے کے لئے تیار نہیں ہوگا۔ خلافت اولیٰ میں بھی اور پھر خلافت ثانیہ کے قیام کے بعد لاہور میں اپنا الگ مرکز بنا کر بھی شخصی خلافت کو

مٹانے کیلئے خوب زور لگایا۔ اور جمہوریت جمہوریت کی آوازیں بلند کرنے لگے۔ کبھی شخصی خلافت کو پیر پرستی اور شخصی غلامی کہکر جماعت کو حضرت خلیفۃ المسیح ؓ سے برگشتہ کرنیکی کوشش کی۔ کبھی انجمن کی جانشینی کے الفاظ کو بار بار دوہرایا۔ مگر چونکہ ان کی ساری کوششیں نفسانیت پر مبنی تھیں۔ تائیدِ الٰہی ان کے ساتھ ہرگز نہ تھی۔ اسلئے انہیں بری طرح مُنہ کی کھانی پڑی۔ اگر ان کی کوشش میں خود غرضی نہ ہوتی۔ تو چاہیئے تھا۔ کہ جب انہوں نے مرکز احمدیت سے الگ ہوکر اپنا مرکز لاہور میں بنالیا تھا تو انجمن سے ہی کام چلاتے اور امارت کا نظام قائم نہ کرتے۔ مگر نہ صرف یہ کہ انہوں نے امارت کا نظام قائم کیا۔ بلکہ اس پر اتنا زور دیا۔ کہ جماعت کو اس امر کی بار بار تلقین کی کہ جس طرح صحابہ کرام نے حضرت ابو بکر صدیق ؓ اور حضرت عمر فاروق ؓ کی اطاعت کی تھی۔ اگر تم نے اسی طرح امیر کی اطاعت نہ کی۔ تو تم کبھی بھی کامیابی کا منہ نہیں دیکھ سکو گے۔

اب ان بھلے مانسوں سے کوئی پوچھے کہ اگر فردِ واحد کی اطاعت سے بقول تمہارے پیر پرستی کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔ اور قوم کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ تو تم اب کیوں جماعت کو یہ تلقین کر رہے ہو۔ کہ وحدت عمل اور اتحاد کے لئے یہ ضروری ہے کہ قوم امیر کے اشارے پر چلے ورنہ ترقی محال ہے۔ چنانچہ ایڈیٹر صاحب پیغام صلح لکھتے ہیں۔

"جماعتی ترقی اس وقت تک ناممکن ہے۔ جب تک کہ افراد جماعت میں یک جہتی اور اتحادِ عمل کا فقدان ہو۔ اور اتحادِ عمل مرکزیت اور اطاعت امیر کے بغیر وہم و گمان کے سوا کچھ نہیں۔ اور ترقی و عروج اس کے بغیر کار محال۔ علاوہ ازیں بہت کم انسان پائے جاتے ہیں جو عقل و خرد کی رہنمائی سے خود بخود ایک کام پر لگ جائیں اور وہ بھی ذاتی امور میں۔ اس سے جماعتی استحکام کو کچھ نسبت نہیں۔ اگرچہ انفرادی ترقی کچھ حد تک جماعتی عروج میں مؤید و مفید ہوتی ہے۔ لیکن صحیح جماعتی زندگی اور عروج تا وقتیکہ تمام افراد ایک جذبہ نظام اور لیڈر کے ماتحت سرگرم نہ ہوں۔ خیال باطل ہے۔ کیونکہ ایک کا نمونہ دوسروں کی کوتاہیوں خامیوں اور کمزوریوں کو بالواسطہ یا بلاواسطہ دور کرتا رہتا ہے۔

اور اسکی بدولت کمزور عنصر بھی غیر معمولی قوت ارادی کے ساتھ طاقتوروں کے دوش بدوش گامزن رہتا ہے۔ لیکن یہ تبھی ممکن ہے۔ جب کہ ایک واجب الاطاعت امیر کے ہاتھ جماعت کی باگ ڈور ہو۔ تمام افراد اس کے اشارے پر حرکت کریں۔ سب نگاہیں اسکے ہونٹوں کی جنبش پر ہوں۔ اور جونہی اسکی زبان فیض ترجمان سے کوئی حکم مترشح ہو۔ سب بلا حیل و حجت اس پر عمل پیرا ہوں کیونکہ عمل میں حجت و تکرار سم قاتل ہے۔

بظاہر ایسے امیر کا تسلیم کرنا طبع کو ناگوار گذرتا ہے۔ خود سر انسان ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔ کہ اس میں پیر پرستی اور شخصی غلامی کا رنگ جھلکتا ہے۔ مگر یہ قلت تدبر اور کوتاہ بینی کا نتیجہ ہے۔ تاریخ عالم اور اقوام دنیا کی ترقی کے اسرار سے ناواقفیت ہے۔ تاریخ کے اوراق ہر دور میں اسکی شہادت دیتے ہیں۔ کہ بہت سے گروہ باوجود اپنے نقائص کے صرف ایک امیر کی وجہ سے کامیاب ہوئے۔ جب تک عنان ایسے امیر کے ہاتھ میں نہ ہو۔ جس کے ہاتھ پر عملی طور پر تن من دھن کی قربانی کی بیعت نہ کی ہو۔ مستقل اور پائندہ ترقی محال ہے۔

قرآن حکیم کی تعلیم اسکی زبردست مؤید ہے۔ اور قرون اولی کے مسلمانوں نے حضور صلعم کے ہر اشارے پر جان و مال لٹا کر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فلا وربك لا یومنون حتی یحکموك فیما شجر بینہم۔ اے پیغمبر میں اپنی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ کہ یہ لوگ ہرگز مومن نہیں ہو سکتے۔ تاوقتیکہ اپنی تمام اختلافی باتوں میں تجھے حکم نہ مان لیں۔ اطاعت کا حکم آپ تک ہی محدود نہیں کر دیا۔ بلکہ ہمیشہ کیلئے عام کر دیا۔ چنانچہ فرمایا۔ یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم۔ اے مسلمانو! اللہ اور اس کے رسول اور اپنے امیر وقت کی اطاعت کرو۔ یہاں امیر کو نائب رسول ظاہر فرمایا ہے۔ اور ساتھ ہی ہر وقت جماعت کے سر پر امیر کے وجود کو ابد اور ضروری قرار دیا ہے۔ اور اسے صاحب حکم فرمایا ہے۔ جس کی اطاعت

قرآن وسنت کی روشنی میں ویسے ہی ہو جیسے اللہ اور اسکے رسول صلعم کی۔۔۔۔
قانون فطرت بھی اسپر شاہد ہے۔نظام شمسی کو لو۔ تمام اجرام سماوی آفتاب سے منسلک ہیں۔ مرکزی شخصیت کا وجود اٹل ہے۔ صحابہ کرام یا دیگر امم کی سرگرمیوں پر نگاہ دوڑاؤ۔ کہ وہ تمام ایک مرکزی وجود کی بدولت اور زیر قیادت آگے بڑھے۔ ورنہ قرآن پاک آج بھی موجود ہے۔اسکے مطالب کی تشریح بھی واضح۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ نبی کریم صلعم کا اسوۂ حسنہ بھی موجود۔ مگر مسلمان پھر بھی تشتت و افتراق، ذلت ومسکنت کا شکار۔سبب ایک ہی ہے۔ جماعتی زندگی کا فقدان جو واجب الاطاعت امیر کے نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔"

"میں افراد قوم سے التجا کرتا ہوں۔کہ وہ اپنی موجودہ حالت پر ٹھنڈے دل سے غور کریں۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ بسرعت تمام ترقی کریں۔ تو وہ جماعتی زندگی کے بغیر ناممکن ہے۔اور جماعتی زندگی واجب الاطاعت امیر کے بغیر بے معنی بات ہے۔پس آؤ حضرت امیر ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے ہر ارشاد کی تعمیل اپنا وظیفہ حیات بنائیں۔اور تمام ایک ہی رنگ میں رنگین ہو کر خدا کے فرمودہ وعدوں کو حاصل کریں۔"[۱]

اطاعت امیر کے موضوع پر پہلے کتاب کے کسی حصہ میں جناب مولوی محمد علی صاحب کا ایک خطبہ بھی درج کیا جا چکا ہے۔جس میں آپ فرما چکے ہیں۔کہ

"غور کر کے دیکھیئے کہ اس کے بغیر (یعنی اطاعت امیر کے بغیر۔ ناقل) کوئی نظام ہو سکتا ہی نہیں۔ یہی اصول تھا۔جس نے حضرت ابو بکرؓ۔عمرؓ۔عثمانؓ کے زمانہ میں فتوحات کے دروازوں کو کھول دیا تھا۔"[۲]

اب ناظرین خود اندازہ لگالیں۔کہ کیا جب مولانا محمد علی صاحب اور ان کے ساتھی قادیان میں رہ کر خلافت اور انجمن کے تعلقات کی بحث میں اس امر پر زور لگا رہے تھے کہ خلافت محکوم اور انجمن حاکم ہونی چاہیئے۔ اور یہ کہ شخصی خلافت یا فرد واحد کی

---

[۱] پیغام صلح پرچہ ۲/۲۷، صفحہ ۳ [۲] پیغام صلح پرچہ ۲۷ر فروری ۱۹۳۷ء

اطاعت سے پیر پرستی اور شخصی غلامی کا رنگ جھلکتا ہے۔ دیانتداری اور تقوی سے کام لے رہے تھے۔ یا محض اقتدار کی ہوس ان سے یہ غیر اسلامی حرکتیں کروا رہی تھی؟ میں سمجھتا ہوں اگر گمنام ٹریکٹ لکھنے والا بھی مندرجہ بالا حوالہ پڑھ لے۔ تو اسے فوراً سمجھ آجائے کہ اس نے جو کچھ ٹریکٹوں میں لکھا تھا۔ وہ سراسر خلاف شرع تھا۔ اور وقتی جوش کی وجہ سے محض عداوتِ محمود (ایدہ اللہ بنصرہ العزیز) کی بنا پر لکھا تھا۔ ورنہ حقیقت یہی ہے جو تیس سال بعد پیغام صلح نے بیان کی ہے۔ کہ ایک واجب الاطاعت امیر کے بغیر کسی قوم کی ترقی محال اور ناممکن ہے۔ اور یہ کہ خلافت کا مسئلہ اسلام کیلئے کبھی بھی وبالِ جان ثابت نہیں ہوا۔ اور نہ ہی اسکی وجہ سے اسلام تفرقوں کا آماجگاہ بنا ہے۔ بلکہ مسلمانوں کے مصائب کی ساری وجہ مرکزیت کا فقدان ہے وبس۔

وسوسہ ۲ ۔ "ہم اللہ تعالیٰ کا کروڑ کروڑ شکر کرتے ہیں کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے

زمانہ کا مسیح اور مہدی موعود کرکے بھیجا۔ اُس نے اپنے ہاتھ سے جمہوریت کا پودا لگایا۔ اب یہ ذمہ داری اسکے پیروؤں کے سر پر جا پڑتی ہے۔ کہ خواہ تو اس پودے کی آبیاری کرکے اسے شخصی دینی حکومتوں کے حملوں سے بچائے رکھیں اور خواہ بے یار و مددگار چھوڑ کر اسے سوکھ جانے دیں"۔

جواب ۔ اس وسوسہ کا جواب "خلافت اور انجمن" کی بحث میں تفصیلی طور پر گذر چکا ہے۔ اور پیغام صلح کے اُوپر کے اقتباس نے تو اس اعتراض کا صفایا ہی کر دیا ہے۔ جب تم خود تسلیم کرتے ہو۔ کہ ایک واجب الاطاعت امیر کے بغیر کوئی قوم پنپ نہیں سکتی۔ تو اپنی مزعومہ جمہوریت کو تو خود تم نے اتھاہ گڑھے میں دفن کر دیا۔ اب بتاؤ اگر تمہاری جمہوریت سوکھ جائے۔ تو ہم کیا کر سکتے ہیں؟ ہم تو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصریحات کے مطابق خلافت اور انجمن دونوں کو ضروری سمجھتے ہیں۔ اور اسکے مطابق عمل کر رہے ہیں۔ البتہ تم نے سیدنا حضرت محمود ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی عداوت کی وجہ سے حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی جیسے رحیم و کریم انسان کی بھی ناراضگی مول لی۔ اور "واجب الاطاعت" امیر کے بغیر کام بھی نہ چلا سکے۔ گویا خسر الدنیا والآخرۃ کے مصداق بن گئے۔ اب

بتلائیے اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟

وسوسہ ۳۱۔ "خدا کا مقرر کردہ خلیفہ حضرت مسیح موعودؑ کے سوا اور کوئی نہیں"۔

جواب - اس وسوسہ کا جواب بھی گزشتہ صفحات میں تفصیل کے ساتھ دیا جاچکا ہے۔

اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریرات سے ثابت کیا جاچکا ہے کہ حضور کے بعد خلافت کا نظام جاری رہیگا۔ ذیل میں صرف دو حوالے پیش کئے جاتے ہیں۔

اوّل:۔ "حمامۃ البشریٰ" میں حضور نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں بیان فرمودہ پیشگوئی ثم یسافر المسیح اوخلیفۃ من خلفائہ پیش فرماکر اس امر کی بشارت دی ہے۔ کہ آپ کے بعد بھی خلافت جاری رہے گی۔

دوم - اپنے وصال سے صرف ڈیڑھ ماہ قبل حضور نے ایک تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

"صوفیاء نے لکھا ہے۔ کہ جو شخص کسی شیخ یا رسول اور نبی کے بعد خلیفہ ہونے والا ہوتا ہے۔ تو سب سے پہلے خدا کی طرف سے اس کے دل میں حق ڈالا جاتا ہے۔ ...

... کیونکہ یہ خدا ہی کا کام ہے۔ اور خدا کے انتخاب میں نقص نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کو اس کام کے واسطے خلیفہ بنایا۔ اور سب سے اوّل حق انہی کے دل میں ڈالا"[1]

مؤخر الذکر حوالہ میں حضور نے نہ صرف اپنے بعد خلیفہ کی بشارت دی۔ بلکہ اشارۃً یہ بھی فرمادیا کہ آپ کے بعد حضرت حاجی الحرمین مولانا حکیم نورالدین صاحب خلیفہ ہونگے۔ کیونکہ سب سے پہلے حق آپ ہی کے دل میں ڈالا گیا تھا۔ اور آپ ہی نے سب سے پہلے بیعت کی تھی۔

اسی تقریر میں آگے چل کر حضور فرماتے ہیں۔ کہ

"ایک الہام میں اللہ تعالیٰ نے ہمارا نام شیخ رکھا ہے۔ انت الشیخ المسیح الذی لا یضاع وقتہ (یعنی تو وہ شیخ مسیح ہے جس کا وقت ضائع نہیں کیا جائیگا)۔

یہ الفاظ منکرین خلافت کے لئے جنہوں نے محض اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی

---

[1] الحکم ۱۴؍اپریل ۱۹۰۸ء و بدر ۲۳؍اپریل ۱۹۰۸ء۔

نبوت کا انکار کیا۔ کہ حضور کے بعد خلافت کو مٹانے کے لئے راہ ہموار ہو جائے چشمہ بصیرت کا کام دے رہے ہیں کیونکہ حضور کے نبی ہونے کا انکار تو وہ کسی صورت میں بھی نہیں کرسکتے۔ کاش! وہ اب بھی صداقت کی طرف لوٹ آئیں۔ کیونکہ اب تو صرف لفظی نزاع باقی رہ گیا ہے۔ "واجب الاطاعت امیر" کے تقرر کو وہ خود بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اور ہم صرف یہ کہتے ہیں۔ کہ "امیر کی بجائے "خلیفہ" کا لفظ رکھ لو۔ تا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات کی لفظاً اور معناً دونوں طرح تعمیل ہو جائے۔ ورنہ دنیا کہیگی۔ کہ یہ لوگ امیر کی اطاعت تو الگ رہی۔ اپنے "مسیح موعود" کی اطاعت بھی نہیں کرتے۔

وسوسہ ۴۲۔ "ایک غلطی تو ساری قوم کر بیٹھی ہے۔ اگر آئندہ کے لئے اس غلطی پر اصرار کیا گیا۔ اور شخصی غلامی اختیار کر کے اپنی ذہنی خداداد طاقتوں کو ایک غیر مامور شخص کے ہاتھوں دیدیا گیا۔ تو قوم میں بجائے قومیت پھیلنے کے پیر پرستی شروع ہو جائیگی اور بقول حضرت مسیح موعود "پیرزادگی کا مرض دق اور سل سے بدتر ہے۔ کیونکہ ان میں رعونت اور تکبر کا مادہ ہوتا ہے اور خواہ مخواہ اپنی عظمت دکھاتے ہیں۔ اور فقیری کا دم مارتے ہیں۔" (بدر) یہ سل اور دق کہیں احمدی قوم کو نہ چمٹ جائے۔"

جواب۔ اس کے جواب میں اخبار پیغام صلح ہی سے صرف مندرجہ ذیل الفاظ کا پڑھ لینا کافی ہوگا۔

"بظاہر ایسے امیر کا تسلیم کرنا طبع کو ناگوار گذرتا ہے۔ خود سر انسان ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔ کہ اس میں پیر پرستی اور شخصی غلامی کا رنگ جھلکتا ہے۔ مگر یہ قلت تدبر اور کوتاہ بینی کا نتیجہ ہے۔ تاریخ عالم اور اقوام دُنیا کی ترقی کے اسرار سے ناواقفیت ہے۔ تاریخ کے اوراق ہر دور میں اسکی شہادت دیتے ہیں۔ کہ بہت سے گروہ باوجود اپنے نقائص کے صرف ایک امیر کی وجہ سے کامیاب ہوئے۔ جب تک عنان ایسے امیر کے ہاتھ میں نہ ہو۔ جسکے ہاتھ پر عملی طور پر تن من دھن کی قربانی کی بیعت نہ کی ہو۔ مستقل اور پائندہ ترقی محال ہے۔"[1]

---

[1] پیغام صلح پرچہ ۲/۳ ۔

وسوسہ نمبر۴ کا جواب تو ان الفاظ میں مکمل طور پر آگیا ہے۔ مگر اسکے علاوہ ایک زائد فائدہ بھی ان الفاظ سے حاصل ہو گیا ہے اور وہ یہ کہ مرکز احمدیت سے مسلسل تیس سال تک الگ رہنے کے نتیجہ میں جب مولوی محمد علی صاحب امیر غیر مبایعین نے یہ محسوس کیا۔ کہ ترقی تو جماعت قادیان کر رہی ہے۔ اور ہم لوگ اپنا مرکز الگ بنا کر ذرا بھی ترقی نہیں کر سکے۔ بلکہ جو لوگ شروع شروع میں ہمارے ساتھ تھے۔ وہ بھی ایک ایک کر کے جماعت قادیان کے ساتھ شامل ہو گئے ہیں۔ تو انہوں نے اپنی اس ناکامی کو چھپانے کے لئے جماعت کے آگے یہ رونا رویا۔ کہ تم لوگ چونکہ میری اطاعت نہیں کرتے۔ اس لئے جماعت لاہور ترقی نہیں کر سکی۔ اگر تم میرے حکم کی تعمیل کرنا شروع کر دو۔ بلکہ میرے اشاروں پر چلو۔ تو پھر دیکھو کہ کس طرح ترقی ہوتی ہے۔ غالباً انہوں نے محسوس کیا ہوگا کہ نہ نو من تیل ہوگا نہ رادھا ناچیگی۔ جب یہ لوگ مرکز احمدیت سے الگ ہی اسلئے ہوئے ہیں کہ ان میں "قلت تدبر" اور "کوتاہ بینی" کے نتیجہ میں خودسری پیدا ہو چکی تھی۔ تو اب یہ اطاعت کرینگے کیسے؟ لہذا اپنی ناکامی کو ان کے سر تھوپ دینا ہی مناسب ہے۔

اظہار حق نمبر۲

وسوسہ نمبر۵ جماعت کو اسبات پر ایمان ہونا چاہیئے۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ کے بعد کوئی "مصلح موعود" یا "مامور" آئندہ صدی کے سر پر ہی آئیگا۔ نہ کہ حضرت صاحب کے چند ہی سال بعد۔ یہ باطل خیال ہے جو بذریعہ الحکم پھیلایا جا رہا ہے۔

اور اس میں سوائے جماعت کو پیر پرستی کے گڑھے میں پھینکنے کے اور کوئی مقصد نہیں۔"

کیونکہ جب مولوی نورالدین صاحب جیسا عالم قرآن و حدیث اور بوڑھا جہاندیدہ انسان باوجود زمانہ کا سرد گرم دیکھے ہونے کے فتنہ پردازوں کے دھوکے میں آسکتا ہے۔ تو ناتجربہ کار بچے سوائے قوم کو فتنہ پردازی کا آماجگاہ بنانے کے اور کیا کر سکتے ہیں۔ موجودہ حریت کے زمانہ میں غیر ماموروں کی اندھی غلامی خلافِ انسانیت ہے۔ . . . اسلئے ہماری جماعت کو اپنا آئندہ پروگرام حسب "الوصیت" جمہوری رنگ میں بدل دینا چاہیئے۔ جس کے ذریعے ہمارے جملہ دینی و دنیاوی اور قومی معاملات طے ہوا کریں گے۔ اور دینی فتویٰ بھی وہیں سے جاری ہوں۔ اسوقت جتنے علماء اس لائق ہیں۔ وہ انجمن میں شامل کئے جاویں۔ اور

جو فتویٰ ہو۔ وہ جمہوریت کے رنگ میں دیا جاوے نہ کہ شخصی حیثیت سے"۔

جواب ۔ یہ کہاں لکھا ہے کہ مصلح موعود آئندہ صدی کے سر پر ہی آئیگا۔ اگر سر پر آنے کی شرط ہوتی۔ تو حضور بشیر متوفیٰ کے متعلق یہ کیوں فرماتے۔ کہ

"اجتہادی طور پر گمان کیا جاتا تھا۔ کہ کیا تعجب کہ مصلح موعود یہی لڑکا ہو"۔[1]

یہ فقرہ بتاتا ہے۔ کہ حضور یہی سمجھتے تھے۔ کہ پسر موعود حضور کی موجودہ اولاد میں سے ہی ہوگا۔ گو بشیر متوفیٰ کے متعلق جو حضور کا اجتہاد تھا۔ وہ صحیح ثابت نہ ہوا۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی بچہ بھی مصلح موعود نہیں ہوگا۔ ہونا بہر حال حضور کی موجودہ اولاد سے ہی تھا۔ سو الحمد للہ کہ سیدنا حضرت محمود ایدہ اللہ بنصرہ العزیز ہو گئے۔ اگر حضرت مولانا حکیم نور الدین صاحبؓ جیسا عالم قرآن و حدیث اور بوڑھا جہاندیدہ انسان دھوکے میں آسکتا ہے۔ تو کیا مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے دھوکے میں نہیں آسکتے؟ اگر آسکتے ہیں تو آپ لوگ ان کو "واجب الاطاعت امیر" بنانے کے لئے کیوں "پیغام صلح" میں مضامین لکھ لکھ کر شائع کرتے رہے۔

یہ تو ہم ثابت کر چکے ہیں کہ سلسلہ احمدیہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد خلافت کا قیام ضروری تھا۔ اور یہ بھی واضح بات ہے کہ جماعت احمدیہ میں حقیقتاً بھی اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نظر میں بھی آپ سے زیادہ متقی اور پرہیزگار اور کوئی انسان نہ تھا۔ اور بیعت بھی سب سے پہلے آپ نے ہی کی تھی۔ لہٰذا جو کام آپ کر سکتے تھے۔ وہ کام یقیناً کوئی دوسرا آدمی نہیں کر سکتا تھا۔ اور تجربہ سے بھی یہی ثابت ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد اگر کسی انسان نے گرتی ہوئی جماعت کو سنبھالا۔ تو وہ آپ ہی کا وجود تھا۔ لہٰذا ٹریکٹ لکھنے والے کا یہ کہنا کہ آپ نعوذ باللہ کسی شخص کے دھوکے میں آگئے تھے۔ حد درجہ کی مطلب پرستی بلکہ گستاخی ہے۔

اگر "الوصیت" کا یہی منشا ہوتا۔ کہ آئندہ کے لئے خلافت کی بجائے انجمن کی حاکمیت ضروری ہے۔ تو جب آپ لوگ مرکز احمدیت سے الگ ہو گئے اور لاہور میں آپ نے اپنی

---

[1] سبز اشتہار صفحہ ۴ ۔

الگ انجمن بنالی۔ تو یہ تجربہ آپ کو وہاں سے کرنا چاہیئے تھا۔ کہ انجمن سے ہی کام چلاتے۔ انجمن ہی خطبات پڑھتی۔ انجمن ہی لوگوں سے بیعت لیتی۔ انجمن ہی اپنا اعلیٰ نمونہ دُنیا کے سامنے پیش کرتی۔ انجمن ہی مذہبی مسائل پر مشتمل کتابیں لکھتی۔ انجمن ہی قوم کے سامنے آئندہ کے لئے لائحہ عمل پیش کرتی۔ مگر یہ کیا ہوُا کہ آپ نے ایک شخص کو اپنا امیر تسلیم کر لیا۔ اور قوم سے یہ اپیلیں کرنے لگ گئے کہ اب اُسے واجب الاطاعت مانو۔ اور اس کے اشاروں پر چلو۔ ورنہ کبھی ترقی نہ کر سکو گے۔ وغیرہ وغیرہ

اگر دینی فتوے جاری کرنے کا کام بھی انجمن نے کرنا تھا۔ تو چاہیئے تھا کہ انجمن کے سارے ممبر عالم دین ہوتے۔ تا انکی اکثریت کا فتویٰ انجمن کی طرف منسوب ہوتا۔ موجودہ صورت میں جبکہ حضرت اقدس کی طرف سے کم از کم دو عالمِ دین ممبر مقرر کرنے کی ہدایت ہے۔ تو یا تو وہ متفقہ طور پر فتویٰ دینگے یا الگ الگ، دونوں صورتوں میں ان کا فتویٰ انجمن کی طرف منسوب نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کہو۔ کہ وہ فتویٰ انجمن کے تمام ممبروں کے سامنے پیش ہوگا۔ اور کثرت رائے سے فیصلہ ہوگا۔ تو اس صورت میں وہ فتویٰ علمأ سلسلہ کی طرف منسوب نہیں ہو سکیگا۔ انجمن کیطرف منسوب ہوگا۔ جسے فتویٰ کا کوئی اختیار حاصل نہیں اور اگر یہ سوال ہو۔ کہ علماء نے اگر فتویٰ نہیں دینا تو پھر انکو انجمن کا ممبر بنانے کی کیا ضرورت ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے انجمن کے سامنے کسی وقت کوئی ایسا انتظامی سوال آجائے۔ جس میں کسی عالم دین کی رہنمائی ضروری ہو۔

وسوسہ ۶۔ "گو بھولی بھالی قوم کو اندھیرے میں رکھا جائے۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ جب صدر انجمن کے بزرگ اراکین کی غفلت سے ساری قوم صرف جناب مولوی نور الدین صاحب کے ہاتھ پر بیعت کرنے پر مجبور ہو گئی۔ اور بانی سلسلہ کی وفات کے اضطراب میں الوصیت کو پس پشت ڈال دیا گیا۔ اس زمانہ میں حضرت مولانا محمد علی صاحب ایم۔ اے فدائی قوم کے پر زور علمی مضامین کا تہلکہ احمدی وغیر احمدی دنیا میں مچا ہوُا تھا۔ . . . اسوقت ہر کہ ومہ کی زبان پر یہی کلمہ جاری تھا۔ کہ جناب مولوی نور الدین صاحب کا حقیقی جانشین اگر کوئی ہو سکتا ہے

تو وہ صرف مولوی محمد علی ہے۔"

جواب۔ سارا دکھ ٹریکٹ لکھنے والے کو یہ ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ نے اپنے بعد خلافت کی وصیت جناب مولوی محمد علی صاحب کے حق میں کیوں نہ کر دی۔ کیونکہ یہ اس کے نزدیک زیادہ اہل تھے۔ مگر اسے معلوم نہیں۔ کہ خلافت ایک روحانی منصب ہے جو کسی کی ظاہری کوشش اور جدوجہد سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ خلیفے خدا تعالےٰ خود بنایا کرتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کے نزدیک چونکہ مولوی محمد علی صاحب خلافت کے اہل نہیں تھے۔ اسلئے وہ نہ بن سکے۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضؓ کے دل میں بھی انکی نسبت خیال پیدا نہ ہوا۔

اور معترض کا یہ کہنا کہ اس وقت ہر کہ و مہ کی زبان پر یہی کلمہ جاری تھا کہ جناب مولوی نور الدین صاحب کا حقیقی جانشین اگر کوئی ہو سکتا ہے تو وہ صرف مولوی محمد علی ہے۔ بالکل غلط اور خلاف واقعہ ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو کیوں ساری جماعت جو اس وقت قادیان میں موجود تھی۔ اور جس کی تعداد دو ہزار کے قریب تھی۔ سب نے سوائے چار پانچ آدمیوں کے متفقہ طور پر سیدنا حضرت محمود ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اور مولوی محمد علی صاحب کا کسی شخص نے نام بھی نہ لیا۔ کیا جماعت کے اس عمل سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ مولوی محمد علی صاحب خلافت کے اہل نہیں تھے۔

معترض کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ مولوی محمد علی صاحب وہ شخص تھے۔ جن پر حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضؓ ناراض رہنے کے باوجود مہربان رہے۔ یہ آپ کا رحم و کرم تھا۔ کہ آپ نے جناب مولوی صاحب کو بعض نازیبا کاروائیوں کی وجہ سے جماعت سے خارج نہیں کیا۔ اور صرف دوبارہ بیعت لینے پر ہی اکتفا کی۔ اب آپ ہی بتائیے۔ کہ کیا ایسا شخص جو خلیفۂ وقت کے مسلسل زیر عتاب رہا ہو۔ جماعت ہاں سچے اور مخلص مومنوں کی جماعت کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی گوارا کر سکتی ہے کہ اسے اس خلیفہ کا جانشین تسلیم کر کے اسکے ہاتھ پر بیعت کر لے۔ ہم احمدی لوگ جن کا تعلق قادیان کے ساتھ ہے ہم تو ایسا نہیں کر سکتے۔ بلکہ ہمارے تو ذہن کے کسی گوشے میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی۔

البتہ آپ لوگ اگر اپنے امیر کے زیر عتاب رہنے والے کسی شخص کو اس کی وفات کے بعد امیر بنالیں۔ تو آپ لوگوں کو ہم ایسا کرنے سے روک نہیں سکتے۔ کیونکہ نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی۔

بھائیو! ذرا غور تو کرو۔ ان وسوسہ اندازوں میں حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ کے خلاف بھی جن کو یہ اپنا امام اور پیشوا مانتے تھے۔ کس قدر بغض اور کینہ بھرا ہوا تھا کہ آپ کا نام لیتے ہیں۔ تو لکھتے ہیں جناب مولوی نورالدین صاحب۔ اور اسکے ساتھ ہی اگلی سطر میں جناب مولوی محمد علی صاحب کا نام لکھنا ہو تو لکھتے ہیں۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب ایم۔ اے فدائی قوم! انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کیا ایسے لوگوں سے کسی انصاف کی توقع ہو سکتی ہے؟

وسوسہ ۱۷۔ (مولوی محمد علی صاحب کے۔ ناقل) "حاسدوں نے اپنی کاروائی حضرت بیوی صاحبہ (ام المومنین رضی اللہ عنہا) کے ذریعہ شروع کی۔ اور بیوی صاحبہ نے مولوی نورالدین صاحب سے صاف کہدیا۔ کہ آپ کے ہاتھ پر تو ہم بیعت کر چکے ہیں۔ مگر کسی رذیل اور ارائیں وغیرہ کے ہاتھ پر ہم ہرگز بیعت نہیں کریں گے۔ جسپر مولوی نورالدین صاحب نے انکی حسب مرضی جواب دیکر ٹال دیا۔ اسکے بعد ہر جائز و ناجائز کوشش انجمن کے معاملات میں دخل دینے اور مولوی محمد علی صاحب کو تنگ کرنے کے لئے کی جاتی رہی۔ یہانتک کہ میر ناصر نواب کے لڑکے میر اسحاق نے ایک شوشہ کھڑا کر دیا۔ کہ انجمن خلیفہ کے ماتحت ہے یا خلیفہ انجمن کے ماتحت۔ اور پھر اسپر وہ طوفان بے تمیزی مچایا گیا۔ اور ساری جماعت کو انجمن کے کارکنان کے خلاف اس قدر بھڑکایا گیا کہ وہ بیچارے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اور اس طرح "الوصیت" کی خلاف ورزی کی سزائیں ذلیل کئے گئے۔ اب جماعت میں باقاعدہ طور پر زبانی اور بذریعہ اخبار الحکم تمام ان لوگوں کے خلاف جو انجمن کے سرکردہ تھے۔ غلط فہمی پھیلانی شروع کی گئی۔ اور ساتھ ہی پیش بندی کے لئے مرزا محمود صاحب کو بطور مدعی خلافت "مامور" "مصلح موعود" پیش کیا جانے لگا۔ اور اصل بات سے جماعت کو اندھیرے میں رکھکر یہ مشہور کیا جاتا رہا۔ کہ انجمن کے سرکردہ لوگ اہل بیت مسیح موعود کے دشمن اور بدخواہ ہیں۔"

جواب - افسوس کہ حضرت اُم المومنینؓ کے خلاف بغیر ثبوت کے ایک بات منسوب کر دی گئی - کہ آپ نے ارائیں قوم کو ذلیل قرار دیا - سبحانک ھٰذا بہتان عظیم۔
حضرت میر ناصر نواب صاحب کے لڑکے استاذی المکرم حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ نے اس سوال کے اٹھانے میں ابتدا نہیں کی - بلکہ صدر انجمن کے معزز اراکین جناب خواجہ کمال الدین صاحب اور انکے ساتھیوں نے جلسہ سالانہ ۱۹۰۸ء کی تقریروں کے دوران اس سوال کو بار بار اٹھایا - اور حاضرین کو تلقین کی - کہ انجمن خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین ہے - لہذا تمام کاروبار انجمن کے ہاتھ میں ہونا چاہیئے - اگر یقین نہ ہو - تو صدر انجمن کی سالانہ رپورٹ ۱۰-۱۹۰۹ء ملاحظہ فرمالیں - اور بدر میں جو تقریروں کا خلاصہ شائع ہو چکا ہے - اور جس پر اس کتاب کے گذشتہ صفحات میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے۔ اسے دیکھ لیں - حضرت میر صاحب نے تو یہ معاملہ وضاحت کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کی خدمت میں پیش کر دیا - اور حضور نے ساری جماعت کے نمائندوں کے سامنے اس مسئلہ کی حقیقت بیان فرمادی جسکے نتیجہ میں منافقوں کے نفاق کا بھانڈا چوراہے میں پھوٹ گیا - اور مومنوں کیلئے حضور کی تصریحات ثلج قلب کا موجب ہوئیں۔
انجمن کے اراکین کی جس ذلت کا ٹریکٹ لکھنے والے نے ذکر کیا ہے - اس سے اس کی مراد یہ تھی کہ حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ نے ان کی عہد شکن کارروائیوں کی بنا پر انپر رحم کر کے ان سے دوبارہ بیعت لی تھی کما مرّ - ہمارے نزدیک حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کا یہ ان لوگوں پر احسان تھا - ورنہ اگر آپ چاہتے تو خلافت کے نظام کے خلاف اپنی خفیہ کارروائیوں کیوجہ سے وہ اس قابل تھے کہ انہیں جماعت سے خارج کر دیا جاتا۔
"الوصیت" کی خلاف ورزی کی بھی خوب کہی - ٹریکٹ لکھنے والے کا مطلب اس فقرہ سے یہ ہے - کہ "الوصیت" کی رو سے تو انجمن حضور کی جانشین تھی - اور حضرت مولانا حکیم نورالدین صاحب کا بطور خلیفہ انتخاب سراسر ناجائز تھا - مگر صدر انجمن کے ممبران نے آپکی بیعت کا جوُا اپنی گردنوں پر رکھ کر خود یہ ذلت برداشت کی - کہ اپنی برتری کو ترک کر دیا۔
ٹریکٹ نویس کو یہ اعتراض اللہ تعالیٰ کی ذات پر کرنا چاہیئے - جس نے حضرت مسیح موعود

علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال پر تمام جماعت کی گردنوں کو متفقہ طور پر حضرت مولانا حکیم نورالدین صاحبؓ کے آگے جھکا دیا۔ اس میں انجمن کے اراکین کا کوئی دخل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ خلیفہ خدا بنایا کرتا ہے۔ انجمنیں نہیں بنایا کرتیں۔ آیت استخلاف اور حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کی تصریحات اسپر شاہد ناطق ہیں۔

سیدنا حضرت محمود ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا بیان پیچھے گذر چکا ہے۔ کہ آپ کے دِل میں نہ خلافت کی تمنّا تھی۔ اور نہ ہی کبھی خلافت کا خیال آپ کے دل میں آیا تھا۔ بلکہ جس روز اللہ تعالیٰ نے آپ کو خلافت کی قبا پہنائی۔ اُس روز آپ کو بیعت کے الفاظ بھی یاد نہیں تھے۔ واقعات شاہد ہیں کہ حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب بیعت کے الفاظ کہتے جاتے تھے اور آپ دوہراتے جاتے تھے۔ آپ کو اگر کسی نے مدعی خلافت یا مامور اور مصلح موعود کے طور پر پیش کیا ہے۔ تو آپ کا اِس میں کوئی قصور نہیں۔ لوگوں کے دل اگر خدا تعالیٰ کسی انسان کی طرف مائل کر دے۔ تو کون ہے جو اُس کے فضل کو ردّ کر سکے۔ کیا خلیفہ وقت نے جب ۱۹۱۱ء میں گھوڑے سے گرنے کے بعد زیادہ بیمار ہونیکے ایام میں آپ کے حق میں وصیت فرمائی تھی۔ تو کوئی کہہ سکتا ہے۔ کہ آپ نے حضور کو مجبور کیا تھا۔ کہ میرے حق میں وصیت کی جائے؟

جن انجمن کے ممبروں کی طرف ٹریکٹ لکھنے والے نے اشارہ کیا ہے کہ ان کی نسبت یہ مشہور کیا جاتا رہا۔ کہ وہ اہل بیت کے دشمن اور بدخواہ ہیں۔ اس میں کیا شک ہے کہ وہ دشمن اور بدخواہ تھے۔ بلکہ انہوں نے اعلان کرکے اس کا ثبوت بھی مہیا کر دیا تھا۔[1] ان مخصوص افراد کے علاوہ کسی اور کی طرف ایسی بات منسوب کرنی سراسر ظلم ہے۔

وسوسہ ۸۔ "اہلبیت اور ان کے تعلقدار نکمّے بیٹھے انجمن اور اسکے اراکین پر ذاتی حملوں کے سوا اور کچھ نہیں کرتے۔"

جواب۔ یہ بھی محض جھوٹ ہے۔ اہلبیت میں سے سب سے پہلے نمبر پر حضرت صاحبزادہ

---

[1] ریویو آف ریلیجنز جلد ۷ صفحہ ۴۸۰ ۔

مرزا البشیر الدین محمود احمد صاحب تھے۔ آپ اس زمانہ میں مہمانخانہ اور مدرسہ احمدیہ کے افسر، صدر انجمن کے پریذیڈنٹ اور الفضل اور تشحیذ الاذہان کے ایڈیٹر تھے۔ علاوہ ازیں بعد نماز فجر روزانہ قرآن کریم کا درس دیتے تھے۔ مرکز میں اور مرکز سے باہر آپ کو جماعت کے احباب تقریروں کے لئے بھی بلاتے تھے۔

دوسرا نمبر[۲] حضرت صاحبزادہ مرزا البشیر احمد صاحبؓ کا تھا۔ آپ اس زمانہ میں تحصیل علم میں مشغول تھے۔ اور بی۔اے کے امتحان کی تیاری فرما رہے تھے۔

تیسرا نمبر[۳] حضرت صاحبزادہ مرزا الشریف احمد صاحبؓ کا تھا۔ آپ پنجم ہائی میں پڑھتے تھے۔

باقی رہ گئے اہلبیت کے متعلقین! ان کی مصروفیات بھی سن لیجئے۔

(۱) حضرت میر ناصر نواب صاحب جو حضرت ام المومنینؓ کے والد ماجد اور سیدنا حضرت محمود ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے نانا تھے۔ باوجود بڑھاپے کے آپ نے لمبے لمبے اور تکلیف دہ سفر کر کے غرباء، مساکین، بیوگان اور یتامیٰ کے لئے چندہ جمع کیا۔ اور پھر اپنی نگرانی میں اُن کے لئے مکانات تعمیر کروائے۔ مسجد نور بھی آپ ہی کے جمع کردہ چندہ سے تیار ہوئی۔ علاوہ ازیں آپ انجمن کے صیغہ تعمیر کے افسر بھی تھے۔

بے موقعہ نہ ہوگا۔ اگر اس جگہ آپ کی اس لگن اور توغل کا ذکر کر دیا جائے۔ جو آپ کو غربا کے لئے مکانات تیار کرنے میں تھا۔ محترم شیخ عبد اللطیف صاحب بٹالوی کا بیان ہے۔ کہ ایک مرتبہ حضرت علامہ میر محمد اسحاق صاحب جو آپ کے فرزند تھے۔ شدید بیمار ہوگئے۔ آپ کی زوجہ محترمہ یعنی والدہ محترمہ حضرت ام المومنینؓ نے آپ کو کہلا بھیجا۔ کہ میاں اسحاق بیمار ہے۔ اس کے لئے دعا فرماویں۔ جس وقت آپ کی خدمت میں یہ پیغام پہنچا۔ اس وقت محلہ دار الضعفا میں غربا کے لئے مکانات تیار ہو رہے تھے اور آپ ان کی نگرانی فرما رہے تھے۔ مَیں بھی پاس ہی تھا۔ مجھے فرمایا۔ میاں عبد اللطیف! اس بڑھیا کو جا کر کہو کہ اگر تم نے مجھ سے اپنے بچے کی صحت کے لئے دعا کروانی ہے۔ تو غرباء

کے مکانات کی تعمیر کے سلسلہ میں مجھے روپیہ کی اشد ضرورت ہے۔ اپنے سونے کے کڑے بھیجدو۔ شیخ عبداللطیف صاحب فرماتے ہیں کہ میرے پیغام لیجانے پر آپ کی زوجہ محترمہ نے ایک کڑا اُتار کر مجھے دیدیا۔ مَیں جب وہ کڑا لیکر آپکی خدمت میں پہنچا۔ تو آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا۔ کہ اسے جاکر کہو۔ کہ اگر بچے کی صحت چاہتی ہو۔ تو دوسرا کڑا بھی فوراً اُتار کر دیدو۔ چنانچہ میرے پہنچنے پر انہوں نے دوسرا کڑا بھی اُتار کر دے دیا۔

اب قارئین کرام اندازہ لگائیں کہ ایسے پاک نفس اور غربا کی ہمدردی میں گداز انسان کے متعلق کوئی نازیبا کلمہ زبان پر لانا کس قدر ظلم ہے۔

(۲) حضرت میر محمد اسماعیل صاحب اسسٹنٹ سرجن تھے۔ اور اپنی ڈیوٹی پر سرسہ میں متعین تھے۔ آپ صدر انجمن کے ممبر بھی تھے۔

(۳) حضرت علامہ میر محمد اسحاق صاحب مولوی فاضل تھے اور مدرسہ احمدیہ میں پڑھاتے تھے۔

مجھے افسوس ہے کہ ان پاک اور بے حد معروف بزرگوں کو نکما کہکر معترض نے اپنے نامۂ اعمال میں کوئی مفید اضافہ نہیں کیا۔

گمنام ٹریکٹوں کا جواب دینے سے فارغ ہونے کے بعد اب ہم ان لوگوں کا ایک خط بھی ذیل میں درج کرتے ہیں۔ جو انہوں نے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی خدمت میں لکھا۔ خط کے مندرجات اور طرز تحریر سے اندازہ ہوتا ہے۔ کہ یہ خط بھی مذکورہ بالا ٹریکٹ لکھنے والے کے قلم سے ہی نکلا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ بہرحال وہ خط یہ ہے:۔

حضرت صاحبزادہ صاحب کے نام کھلا خط

"کھلا خط بنام مرزا محمود احمد صاحب سکنہ قادیان۔ امیدوار خلافت۔

جناب من! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

میں عرصہ سے آپ کی تحریرات کو دیکھتا آیا ہوں۔ مجھے نہایت افسوس ہے کہ آپکی تحریرات میں روز بروز دقِ عظیم ہوتا جاتا ہے۔ اور بعد وفات حضرت

مسیح الثقلین علیہ الصلوٰۃ والسلام تمنّائے خلافت آپ کو بہت بے چین کئے ہوئے ہے۔ مگر جناب والا! معاف فرمائیے۔ آپ نے حصولِ خلافت کے لئے جو ذریعہ اختیار کیا ہے۔ وہ ہرگز اچھا نہیں کہا جا سکتا ہے۔ بلکہ اس ذریعہ کے عمل میں لانے سے آپ جماعت میں تفرقہ عظیم پھیلا رہے ہیں۔ مگر یہ نئی بات نہیں ہے۔ بعد وفات حضرت رسول کریمؐ جناب علیؓ کو باوجود زہد وتقوٰی اکثر تمنّائے خلافت بے چین بنائے رکھتی تھی۔ آپ نے اپنے طرز عمل سے ثابت کر دیا۔ کہ واقعی جناب مسیح موعودؑ بروزِ محمدؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے۔

آپ کو خاندان رسالت میں ہونے کا دعویٰ ہے۔ اور مَیں جانتا ہوں کہ بیشک آپ ہیں۔ مگر اس کا یہ نتیجہ نہیں ہونا چاہیئے کہ آپ تفرقہ ڈال کر اپنا کام نکالیں۔ چاہے آپ ناراض ہی ہو جائیں مگر میں یہ ضرور کہونگا۔ کہ خواجہ کمال الدین صاحب بازی لے گئے۔ اور ممکن ہے کہ آپ جناب خلیفۃ المسیح کو دبا کر اب یہ کہوا لیں۔ کہ انہوں نے ان کے لئے عمدہ الفاظ درس میں نہیں کہے۔ مگر اب مَیں ضرور کہونگا۔

چہ خوش بودے اگر ہر یک زاُمّت کمال دین بودے

اور آپ خدا کی اور فرشتوں کی زبان رد نہیں کر سکتے۔ کیا آپ چاہتے ہیں۔ کہ جس شخص کو خدا نے جانشینی احمد کے لئے چُنا ہے۔ اُس کو دُنیا والوں کی نگاہ سے گرا دیں۔ یاد رکھیئے۔ کہ آپ ہرگز ہرگز ایسا نہیں کر سکتے۔

چراغے را کہ ایزد بر فروزد ٭ کسے کو تُف زند ریشش بسوزد

آپ نے اور آپ کے لواحقین مثلاً اکمل۔ پھکڑ دہلوی وغیرہ وغیرہ نے خوب خوب یہ چاہا۔ کہ اس مقدس وجود کے لئے دنیا میں اور جماعت میں غلط فہمیاں پھیلائیں۔ مگر کیا آپ نے اس کو بگاڑ لیا۔

آپ خاندان مسیح موعود میں ہیں۔ آپ کو چاہیئے تھا کہ جو باغ آپ کے والد ماجد نے لگایا تھا۔ اُسکی پرداخت کرتے اور گلزار کرنے کی کوشش کرتے۔ مگر آپنے افسوس ایسا نہیں کیا۔ اس سے جناب مسیح موعود کا مثیل نوح ہونا بھی یقین ہوگیا۔

میں اپنے خط کو طول دینا نہیں چاہتا۔ میں صرف چند امور لکھکر اسے تمام کرتا ہوں۔

اوّل۔ آپ جماعت احمدیہ میں تفرقہ نہ پھیلائیں۔ اپنے چیلے چاپڑوں کو منع فرمائیں کہ وہ بھی تفرقہ نہ پھیلائیں۔

دوّم۔ خواجہ کمال الدین صاحب کامیاب ہوگیا۔ اور اب آپ کا حسد اُسے کوئی نقصان نہیں پہنچاسکتا۔ اسکی مخالفت سے باز آؤ۔ اسکی مخالفت سے مسیح موعود کی مخالفت ہے۔ اسکی مخالفت اسلام کی مخالفت ہے۔

سوّم۔ تمنائے خلافت چھوڑ دیجئے۔ ابھی آپ طفل مکتب ہیں۔ یہ بار عظیم ہو اسکے اٹھانے کے آپ ہرگز اہل نہیں ہیں۔ آپ سے ہزار درجہ افضل تو میں ہوں۔ اگر آپ نے دعویٰ کیا ہے۔ تو مجبوراً میں بھی ایسا ہی کرونگا

چہارم۔ آپ کو قسم ہے خدا پاک کی۔ کہ آپ بذریعہ اخبارات اپنی پوزیشن صاف کریں اور جو جو الزامات مَیں نے لگائے ہیں۔ ان کی تردید کریں۔ اگر آپ نے قسم شرعی کھائی۔ تو میں اپنا دعویٰ اٹھالونگا۔ اور آپ سے معافی کا خواستگار ہوں گا۔ اگر ایسا آپ نے نہ کیا۔ تو یاد رکھیئے۔ کہ آپ خدا کے یہاں جوابدہ ہونگے۔"[۵۱]

اس خط کا جواب چونکہ حضرت صاحبزادہ صاحب موصوف نے اپنے قلم سے دیا ہے۔ اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہی یہاں درج کر دیا جائے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"مجھے آپ کے خط کو پڑھ کر جو صدمہ ہُوا۔ اُسے تو خدا ہی جانتا ہے۔ لیکن وہ صدمہ کوئی نیا نہ تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ مَیں اس قسم کے الزامات لگائے جانے کا عادی ہوں۔ اور جب سے ہوش سنبھالا ہے۔ غیروں کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ اپنے دوستوں ہی کے ہاتھوں وُہ کچھ دیکھا۔ اور انکی زبانوں سے وہ کچھ سُنا کہ ؎

دوستوں سے اس قدر صدمے اٹھائے ہم نے ہیں
دل سے دشمن کی عداوت کا گلا جاتا رہا

۵۱؎ "الفضل" پرچہ ۱۹ر نومبر ۱۹۱۳ء

میں ایک گنہگار انسان ہوں۔ اور مجھے پاک و مطہر ہونے کا دعویٰ نہیں ہے۔ ہر روز مجھ سے غلطیاں ہوتی ہیں۔ اور کون ہے جس سے غلطیاں سرزد نہ ہوتی ہوں۔ لیکن باوجود اس کے جو گناہ سرزد نہ ہو۔ اس کی طرف منسوب ہونے پر دل گھبراتا ضرور ہے۔ جو حملے آں مکرم نے کئے ہیں۔ اس کا جواب سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ کہ میں نے یوں نہیں کیا۔ اور آپ نے صرف بدظنی سے کام لیا ہے۔ اور اعتراض کرنے میں جلدی کی ہے۔

اگر یہ خط اکیلا آتا۔ اور اس کے سوا اور میں کوئی آواز نہ سنتا۔ تو میں بالکل خاموش رہتا۔ لیکن آج پانچ سال کے قریب ہونے کو آیا ہے کہ اس قسم کے اعتراضات میں سنتا آرہا ہوں۔ لیکن پہلے تو افواہاً ان اعتراضات کا علم ہوتا تھا۔ اور اب کچھ مدت سے تحریراً بھی یہ الزامات مجھ پر قائم کئے جانے لگے ہیں۔ علاوہ صرف مجھی تک بس نہیں بلکہ ٹریکٹوں کے ذریعہ یہ خیال تمام جماعت احمدیہ میں پھیلانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور جن دوستوں تک "اظہار حق" نامی ٹریکٹ جو لاہور سے کسی گمنام صاحب کی طرف سے شائع ہوا ہے۔ پہنچا ہے۔ اور اکثر پہنچا ہو گا۔ کیونکہ وہ پنجاب و ہندوستان میں بکثرت شائع کیا گیا ہے۔ ان کو علم ہو گیا ہو گا۔ کہ اب یہ معاملہ زبانوں سے گذر کر تحریر تک اور تحریر سے گذر کر اشاعت تک جا پہنچا ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ مجملاً اس کے متعلق کچھ لکھا جائے۔

میں حیران ہوں۔ کہ اس معاملہ پر کچھ لکھوں تو کیا لکھوں۔ آخر وہ کون سے دلائل ہیں جن کو توڑوں۔ جب سب معاملہ کی بنا ہی بدظنی پر ہے۔ تو بدظنی میں دلائل کیا دوں۔ عقلی مسئلہ ہو تو اس کا جواب دلائلِ عقلیہ سے دیا جائے۔ لیکن جب یہ معاملہ ہی رویت و سماعت کا ہے تو جب تک میری تحریر یا تقریر سے یہ الزامات مجھ پر ثابت نہ کئے جائیں۔ اس وقت تک میں ان الزامات کا کیا جواب دے سکتا ہوں۔

جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے۔ میں جواب دینے سے مجبور ہوں۔ اور موجودہ صورت میں اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ خدا تعالیٰ شاہد ہے۔ اور میں اس کو حاضر ناظر جان کر اسی کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ کہ میں نے کبھی اس امر کی کوشش نہیں کی۔ کہ میں خلیفہ ہو جاؤں۔ نہ یہ کہ کوشش نہیں کی۔ بلکہ کوشش کرنے کا خیال بھی میرے دل میں نہیں آیا۔ اور نہ میں نے کبھی یہ امید ظاہر کی۔ اور نہ میرے دل نے کبھی خواہش کی۔ اور جن لوگوں نے میری نسبت یہ خیال پھیلایا ہے۔ انہوں نے میرا خون کیا ہے۔ وہ میرے قاتل اور خدا کے حضور ان الزامات

کے جوابدہ ہوں گے۔

جب حضرت صاحب فوت ہوئے ہیں۔ اس وقت میری عمر انیس ۱۹ سال کی تھی۔ اور ہندوستان میں انیس سال کی عمر میں ابھی کھیلنے کودنے کے ہی دن سمجھے جاتے ہیں پس میری عمر بچپن کی حالت سے زیادہ نہیں ہوئی تھی جب سے میں نے یہ جھوٹ بولا جاتے ہوئے سنا میرے اُس دوست نے جس نے مجھے یہ خط لکھا ہے۔ آج یہ اعتراض کیا ہے مگر یہ اعتراض بہت پرانا ہے۔ اور اس وقت سے میں اس کو سنتا آرہا ہوں۔ جب کہ میں اس کی اہمیت کو بھی نہیں سمجھ سکتا تھا جس وقت خلافت (اور انجمن۔ ناقل) کا جھگڑا ہوا ہے۔ اس وقت میرے کانوں میں یہ آوازیں پڑی تھیں کہ بعض نوجوان خلیفہ بننے کی خواہش میں یہ شورش بپا کر رہے ہیں۔ میرے کان اس بات کو سنتے تھے۔ مگر میرا دماغ ان کے معنوں کو نہیں سمجھ سکتا تھا۔ کیونکہ میرا دل پاک تھا۔ اور بالکل بے لوث تھا۔ اور اس پر ہوا و ہوس کے غبار نے کوئی اثر نہ کیا تھا۔ میں نے معلوم کیا۔ کہ ان انگلیوں کا اشارہ میری طرف ہے۔ اور ان اقوال کا مخاطب میں ہوں۔ میری اس وقت کیا عمر تھی۔ اور ایسے وقت میں میرے دل پر کیا صدمات گذر سکتے تھے۔ اُسے خدا ہی جانتا ہے۔ میرا کوئی دوست نہ تھا۔ جس سے میں اس دکھ کا اظہار کر سکوں۔ کیونکہ میری طبیعت بچپن سے ہی اپنے دکھ لوگوں کے سامنے بیان کرنے سے رکتی ہے۔ میرے دل پر وہ اقوال خنجر اور تلوار کی ضرب سے بڑھ کر پڑتے تھے اور میرے جگر کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے تھے۔ مگر خدا کے سوا کسی سے اپنے دردوں کا اظہار نہ کرتا تھا۔ اور اگر کرتا تو لوگ مجھے کیا فائدہ پہنچا سکتے تھے میں نے ان لوگوں کے بغض سے جنہوں نے یہ باتیں میرے حق میں کہیں۔ ہمیشہ اپنے آپ کو بچائے رکھا۔ اور اپنے دل کو میلا نہ ہونے دیا۔ لیکن ع

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

میں سمجھتا تھا۔ کہ چند دن کا فتنہ ہے۔ جو خود بخود دور ہو جائے گا۔ مگر اس فتنہ نے اپنی لمبائی میں شب ہجر کو بھی مات کر دیا۔ اور گھٹنے کی بجائے اور بڑھا۔ میں نے کبھی معلوم نہیں کیا۔ کہ میرا کیا قصور تھا۔ سوائے اس کے کہ میں مسیح موعودؑ کا بیٹا تھا۔ کیونکہ اور بہت سے لوگ موجود ہیں جن پر یہ الزام نہیں لگائے گئے۔ اور لاکھوں احمدیوں کے سر پر یہ بوجھ نہیں رکھا گیا۔ مگر یہ قصور میرا

نہیں۔ اسکی نسبت خدا سے سوال کرو۔ اگر یہ کوئی قصور تھا۔ تو اس کا فاعل خدا ہے نہ میں۔ میں خود مسیح موعودؑ کے ہاں پیدا نہیں ہوا۔ مجھے میرے مولیٰ نے جہاں بھیجدیا میں آگیا۔ پس خدا کے لئے مجھے اس فعل پر دُکھ نہ دو۔ اس واقعہ کی بناء پر مجھے مت ستاؤ جو میرے اختیار سے باہر ہے جس میں میرا کوئی دخل نہیں۔

غرض کہ ان مشکلات میں اپنے مولیٰ کے سوا میں نے کسی پر توکل نہیں کیا۔ اور اپنے دل کے دُکھوں پر اُس کے سوا کسی کو آگاہ نہیں کیا۔ اور گو میرا دل ایک پھوڑے کی طرح بھرا ہوا تھا۔ مگر سوائے کبھی کبھی اپنی نظموں میں بے اختیار ہو کر اشارۃً اپنے دکھ کے اظہار کے کبھی اپنے دُکھ کا اظہار نہیں کیا۔

مجھے ہمیشہ تعجب آتا رہا ہے۔ کہ لوگ اس قدر بدظنیوں سے کیوں کام لیتے ہیں۔ مجھ سے تو اس معاملہ پر اگر کسی دوست نے گفتگو کرنی چاہی تو ہمیشہ میں نے یہی کہہ کر ٹال دیا کہ کیا یہ لوگ جانتے ہیں کہ میں کب تک زندہ رہوں گا۔ مگر افسوس کہ ظلم میں کمی ہونے کی بجائے وہ اور ترقی کرتا گیا حتیٰ کہ اب وہ اپنے کمال پر پہنچ گیا ہے۔ اور خدا چاہے تو شاید وقت آگیا ہے۔ کہ اب وہ پھر زوال کی طرف رُخ کرلے۔ اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا۔ کہ شاید اس شور کا اثر ایک میرے پیارے کے دل پر نہ پڑے۔ تو میں شاید اب بھی جواب کی طرف متوجہ نہ ہوتا۔ مگر اب میں دیکھتا ہوں کہ قوم کو ہلاکت سے بچانے کے لئے کچھ لکھنا ضروری ہے۔

میرے باپ پر جس قدر الزام لگائے گئے تھے۔ یہ الزام ان کے عشر عشیر بھی نہیں۔ لیکن وہ خدا کے مامور تھے۔ اور ان سے جو خدا کے وعدے تھے وہ مجھ سے نہیں۔ اس لئے میرا ان پر کڑھنا تعجب کی بات نہیں۔

افسوس میں نے اپنے دوستوں سے وہ سُنا۔ جو یوسف نے اپنے بھائیوں سے نہ سُنا تھا۔ میرا دل حسرت و اندوہ کا مخزن ہے۔ اور میں حیران ہوں کہ میں کیوں اس قدر موردِ عتاب ہوں۔ بیشک وہ بھی ہوتے ہیں۔ جو غم و راحت میں اپنی عمر گذارتے ہیں۔ مگر یہاں تو ؎

چھاتی قفس میں داغ سے اپنی ہے رشک باغ ؛ جوشِ بہار تھا کہ ہم آئے اسیر ہو

اگر میں تبلیغ دین کے لئے کبھی باہر نکلتا ہوں۔ تو کہا جاتا ہے کہ لوگوں کو پھسلانے کے لئے، اپنی شہرت کے لئے، اپنا اثر و رسوخ پیدا کرنے کے لئے، اپنی حمائتیں بنانے کیلئے نکلتا ہے۔ اور اس کا باہر نکلنا اپنی نفسانی اغراض کیلئے ہے۔ اور اگر میں اس اعتراض کو دیکھ کر گھر بیٹھ جاتا ہوں۔ تو یہ الزام دیا جاتا ہے کہ یہ دین کی خدمت میں کوتاہی کرتا ہے۔ اور اپنے وقت کو ضائع کرتا ہے۔ اور خالی بیٹھا دین کے کاموں میں رخنہ اندازی کرتا ہے۔ اگر میں کوئی کام اپنے ذمے لیتا ہوں۔ تو مجھے سنایا جاتا ہے کہ میں حقوق کو اپنے قبضہ میں کرنا چاہتا ہوں۔ اور قومی کاموں کو اپنے ہاتھوں میں لینا چاہتا ہوں۔ اور اگر میں دل شکستہ ہو کر جدائی اختیار کرتا ہوں اور علیحدگی میں اپنی سلامتی دیکھتا ہوں تو یہ تہمت لگائی جاتی ہے کہ یہ قومی درد سے بے خبر ہے۔ اور جماعت کے کاموں میں حصہ لینے کی بجائے اپنے اوقات کو رائگان گنواتا ہے۔ مگر مجھے جاننے والے جانتے ہیں کہ میں عام انسانوں سے زیادہ کام کرتا ہوں۔ حتیٰ کہ اپنی صحت کا بھی خیال نہیں رکھتا۔ مگر اسے جانے دو۔ مجھے تم خود ہی بتاؤ۔ کہ وہ کونسا تیسرا راستہ ہے جسے میں اختیار کروں۔ خدا کے لئے مجھے اس طریق سے آگاہی دو۔ جس پر ان دونوں راستوں کو چھوڑ کر میں قدم زن ہوں۔ اللہ مجھے وہ سبیل بتاؤ۔ جسے میں اختیار کروں!۔ آخر میں انسان ہوں۔ خدا کے پیدا کئے ہوئے دو راستوں کے علاوہ تیسرا راستہ میں کہاں سے لاؤں۔

صبح شام، رات دن، اٹھتے بیٹھتے۔ یہ باتیں سُن سُن کر میں تھک گیا ہوں۔ زمین باوجود فراخی کے مجھ پر تنگ ہوگئی ہے۔ اور آسمان باوجود رفعت کے میرے لئے قید خانہ کا کام دے رہا ہے۔ اور میری وہی حالت ہے، کہ ضاقت علیہم الارض بما رحبت وضاقت علیہم انفسہم وظنوا ان لا ملجا من اللہ الا الیہ۔

افسوس کہ میرے بھائی مجھ پر تہمت لگاتے ہیں۔ اور میرے بزرگ مجھ پر بدظنی کرتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ دنیا میں ڈیڑھ کروڑ آدمی بستا ہے۔ مگر مجھے تو سوائے خدا کے اور کوئی نظر نہیں آتا۔ لوگ اس دنیا میں تنہا آتے اور یہاں سے تنہا جاتے ہیں۔ مگر میں تو تنہا آیا اور تنہا رہا۔ اور تنہا جاؤں گا۔ یہ زمین میرے لئے ویران جنگل ہے اور

یہ بستیاں اور شہر میرے لئے قبرستان کی طرح خاموش ہیں۔ میرے دوست اسوقت مجھے معاف فرمائیں۔ میں انکی محبت کا شکر گزار ہوں۔ لیکن میں کیا کروں۔ کہ جہاں میں ہوں۔ وہاں وُہ نہیں ہیں۔ میں ان مہربانوں کے مقابلہ میں جو مجھے آئے دن ستاتے رہتے ہیں۔ ان کی محبت کی قدر کرتا ہوں۔ اُن کے لئے دُعا کرتا ہوں۔ اپنے رب سے ان پر فضل کرنے کی درخواست کرتا ہوں۔ لیکن باوجود اسکے میں تنہا ہوں۔ میری مثال ایک طوطے کی ہے۔ جس کا آقا اسپر مہربان ہے۔ اور اس سے نہایت محبت کرتا ہے۔ اور طوطا بھی اس کے پیار کے بدلہ میں اس سے انس رکھتا اور اسکی جُدائی کو ناپسند کرتا ہے۔ مگر پھر بھی اس کا دل کہیں اور ہے۔ اسکے خیال کہیں اور ہیں۔

میرے آقا کا دلبند میرا مطاع امام حسینؓ تو ایک دفعہ کربلا کے ابتلا میں مبتلا ہُوا۔ مگر مَیں تو اپنے والد کی طرح یہی کہتا ہوں۔ کہ

کربلائیست سیر ہر آنم ❖ صد حسین است در گریبانم

اے نادانو! کیا تم اتنا نہیں سمجھتے۔ کہ اگر میرا خدا مجھے بڑا بنانا چاہتا ہے۔ تو تم میں سے کون ہے۔ جو اسکے فضل کو ردّ کر سکے۔ اور کون ہے جو میرے مولا کا ہاتھ پکڑ سکے۔ وَاِن یردك بخیرٍ فلاراد لفضلہ یصیب بہ من یشاء من عبادہٖ وھو الغفور الرحیم۔ اور اگر وہ عزت دینا چاہتا ہے تو کون ہے جو مجھے ذلیل کر سکے۔ اور اگر وہ مجھے بڑھانا چاہتا ہے۔ تو کون ہے جو مجھے گھٹا سکے۔ اور اگر وہ مجھے اُونچا کرنا چاہتا ہے۔ تو کون ہے جو مجھے نیچا کر سکے۔ اور اگر وہ مجھے اپنا قرب عطا کرنا چاہتا ہے۔ تو کون ہے جو مجھے اس سے بعید کر سکے۔ اور اگر وہ مجھے اپنے پاس بٹھائے۔ تو کون ہے جو مجھے اس سے دُور کر دے۔ پس اپنے آپ کو خدا مت قرار دو۔ کہ عزت دینا اور ذلیل کرنا خدا کے اختیار میں ہے۔ نہ کہ تمہارے۔ من کان یرید العزۃ فللہ العزۃ جمیعا۔

کسی انسان کی زندگی کا بھی اعتبار نہیں ہوتا۔ مگر مَیں تو خصوصًا بیمار رہتا ہوں۔ اور

ہر چوتھے پانچویں دن مجھے حرارت ہو جاتی ہے۔ اور سخت سر درد کا دورہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اس وقت بھی جبکہ میں یہ مضمون لکھ رہا ہوں۔ میرے سر میں درد ہے اور بدن گرم ہے۔ اور صرف خدا ہی کا فضل ہے کہ میں یہ چند سطریں لکھنے کے قابل ہوا ہوں۔ اور علاوہ ازیں مجھے اور بھی کئی بیماریاں ہیں۔ میرا سینہ کمزور ہے۔ میرا جگر بیمار ہے۔ میرا معدہ اچھی طرح غذا ہضم نہیں کر سکتا۔ تمہیں کیا معلوم ہے کہ میں کل تک زندہ رہونگا یا نہیں۔ کیا جانتے ہو کہ نیا سال مجھ پر چڑھے گا یا نہیں۔ تم کیوں خواہ نخواہ یوسف کے بھائیوں کی طرح کہتے ہو کہ یخل لکم وجہ ابیکم۔ میرے تو اپنے پیارے دُوسری دنیا میں ہیں۔ میرے لئے تو یہ دُنیا خالی ہے۔ میرا محمدؐ اُس دُنیا میں ہے۔ میرا احمد اُسی دُنیا میں ہے۔ کیا وہ لوگ زندہ رہے کہ میں رہونگا؛ میرے پاس اعمال کا ذخیرہ نہیں۔ اور میرا ہاتھ خالی ہے۔ لیکن خدا کے فضل سے اُمید وار ہوں کہ وہ مجھے ان کے خدام میں جگہ دے۔ کیونکہ ان کے قرب کے بغیر جنّت بھی میرے لئے بھیانک ہے۔

مَیں تم سے گھبراتا نہیں۔ مَیں تمہارے حملوں سے ڈرتا نہیں۔ کیونکہ میرا خُدا پر بھروسہ ہے۔ لیکن مجھے اگر غم ہے تو اس بات کا کہ قوم میں فتنہ نہ ہو۔ اور یہی غم میرے دِل کو کھائے جاتا ہے۔ مگر مجھے اُمید ہے کہ خدا تعالیٰ اس جماعت کو بچائے گا۔ اور اس کی مدد کریگا۔ کیونکہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ وہ ایک پَودا اپنے ہاتھ سے لگا کر پھر اُسے سوکھنے دے۔ ہاں ابتلا کے ایام ہیں۔ جو گذر جائیں گے۔

وا اسفا علیٰ فراقِ قومٍ۔ ھم المصابیح والحصون۔

ہائے افسوس اس قوم کی جُدائی پر جو شمع کی طرح تھے اور قلعوں کی طرح تھے۔

والمدن والمزن والرواسی۔ والخیر والامن والسکون

اور شہر تھے اور بارش تھی اور پہاڑ تھے۔ اور خیر تھے اور امن تھے اور سکون تھے۔

لم تتغیر لنا اللیالی ۔ حتی توفاھم المنون

ہمارے لئے زمانہ نہیں بدلا۔ مگر موتوں نے ان کو وفات دیدی۔

فکل حمیرٍ لنا قلوب ۔ وکل ماءٍ لنا عیون

اب تو یہ حال ہے کہ دل انگارہ ہیں۔ اور آنکھیں بہ رہی ہیں۔

افوض امری الی اللّٰہ ھو ولیّ فی الدنیا والآخرۃ وانما اشکو بثّی وحزنی الی اللّٰہ اللّٰھمّ انی اعوذبک من جھد البلاءِ ودرک الشقاءِ وسوءِ القضاءِ و شماتۃِ الاعداء وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین۔

نوٹ:۔ میں اس دوست کا نام ظاہر نہیں کرنا چاہتا۔ کیونکہ شاید اسے اپنے نام کا ظاہر کرنا منظور نہ ہو۔ اگرچہ یہ دوست مجھ سے اس خط کا جواب اخبار کے ذریعہ طلب کرتا ہے۔ مگر پھر بھی آنمکرم کی تحریر سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان کا نام بھی ظاہر کیا جاوے۔" [1]

اس مضمون میں سیدنا حضرت محمود ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے معترض کے الزامات کا مکمل طور پر اصولی جواب دیدیا ہے۔ اور اس کے مطالبہ کے مطابق قسم بھی کھائی ہے۔ اے کاش! کہ اس نے اپنے اقرار کے مطابق اپنا دعویٰ اٹھالیا ہو۔ اور سیدنا حضرت محمود ایدہ اللہ بنصرہ العزیز سے معافی مانگ لی ہو۔ مگر افسوس ہے کہ ہمیں اس امر کی کوئی سند نہیں ملتی کہ اس نے ایسا کیا ہوگا۔ اب اس کا معاملہ خدا کے ساتھ ہے۔ حضرت کے کرم کو دیکھئے کہ اس کا نام تک شائع کرنا پسند نہیں فرمایا۔ ورنہ آج جو قبولیت حضور کو اپنے عظیم الشان کارہائے نمایاں کی وجہ سے حاصل ہو چکی ہے۔ اگر اس کا نام جماعت کو معلوم ہوتا۔ تو اس کے متعلق جماعت کیا خیال کرتی! خصوصاً اس کے اس فقرہ کے متعلق کہ

"آپ سے ہزار درجہ افضل تو میں ہوں۔ اگر آپ نے دعویٰ کیا ہے تو مجبوراً میں بھی ایسا ہی کرونگا۔"

اس کے متعلق سوائے اس کے اور ہم کیا کہہ سکتے ہیں کہ چہ نسبت خاک را بعالم پاک۔ اب رہ گیا۔ اس کا یہ کہنا کہ

"خواجہ کمال الدین صاحب کامیاب ہو گیا ہے۔ اور اب آپ کا سلسلہ اُسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔"

یہ بھی اس کی ایک جہالت کی بات تھی۔ اسے کیا پتہ تھا کہ وہ اپنی نادانی کی وجہ سے چاند پر تھوک رہا ہے۔ حضرت کی شان یہی تھی کہ آپ اس قسم کی بے جا تعلیوں سے اغماض برتتے۔

ان ٹریکٹوں اور خط کی اشاعت کا فائدہ

حضرات! گمنام ٹریکٹوں کے مضمون سے بھی آپ کو آگاہی حاصل ہو گئی اور جو کھلی چٹھی سیدنا حضرت محمود

[1] الفضل جلد ۱ نمبر ۱۹ پرچہ ۱۹ نومبر ۱۹۱۳ء

ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے نام ان لوگوں میں سے کسی نے لکھی وہ بھی آپ نے پڑھ لی۔ چٹھی لکھنے والے کا نام تو سیدنا حضرت محمود ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے خود ظاہر نہیں فرمایا۔ کہ شاید اپنے نام کی اشاعت وہ پسند نہ کرتا ہو لیکن گمنام ٹریکٹوں کے لکھنے والے کی ابھی تک نشاندہی نہیں ہوئی۔ لیکن اگر اس بات پر غور کیا جائے کہ جو الزامات اُس نے حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ اور خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر لگائے ہیں۔ وہ وہی ہیں جو جناب خواجہ کمال الدین صاحب، جناب مولوی محمد علی صاحب اور اُن کی پارٹی کے احباب لگایا کرتے تھے۔ تو یہ امر آسانی سے سمجھ آسکتا ہے کہ اگر ان مشہور و معروف اصحاب میں سے یہ کسی نے نہیں لکھے تو اُن کی مرضی اور مشورے سے انہی کی پارٹی میں سے ایک یا زیادہ لوگوں نے یہ ٹریکٹ ضرور لکھے ہیں۔ اس امر میں ذرہ بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

اوّل اس لئے کہ پیغام صلح کے کارکنوں محمد منظور الٰہی صاحب اور مینجر پیغام صلح سید انعام اللہ شاہ صاحب نے ان ٹریکٹوں میں لگائے گئے الزامات کی تائید و تصدیق کی۔ حوالہ پہلے گذر چکا ہے۔

دوم اس لئے کہ جب اس پارٹی کے سرکردہ ممبروں کو کہا گیا۔ کہ اگر آپ لوگوں کا ان ٹریکٹوں کی تحریر اور اشاعت سے کوئی تعلق نہیں تو آپ لوگ اُن کے مندرجات کے ردّ میں کچھ نہ کچھ ضرور لکھیں۔ تو انہوں نے حیلوں بہانوں سے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ البتہ حضرت میر حامد شاہ صاحب کی خدمت میں جتنے سوالات لکھے گئے تھے انہوں نے اُن کے جوابات لکھ دئے اور یہی بزرگ ہیں جن کو بعد ازاں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی بیعت کا شرف حاصل ہوا۔

سوم:۔ الفضل میں محترم قریشی محمد عثمان صاحب ریلوے انجنیئر کا ایک خط شائع ہوا تھا۔ اس سے بھی اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ ٹریکٹ انہی لوگوں کے ایماء سے لکھے گئے تھے۔ محترم انجنیئر صاحب لکھتے ہیں:۔

مجھے ابتداء میں مولوی محمد علی صاحب، ڈاکٹر یعقوب بیگ صاحب۔ ڈاکٹر محمد حسین صاحب و شیخ رحمت اللہ صاحب سے بہت حسن ظن تھا۔ اور میں ان لوگوں کو سلسلہ کا نہایت معزز و مکرم رکن سمجھتا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ میں نے بمبئی سے آکر احمدیہ بلڈنگس کو ایک نہایت مقدس مقام اور احمدیت کا مرکز سمجھ کر وہاں قیام کیا۔ اور قریباً دو سال تک وہاں رہا۔ مگر اتنے عرصہ کے قیام نے میرے خیالات کو بالکل بدل دیا۔ اور میں احمدیہ بلڈنگز کو احمدیت کے خلاف ایک خطرناک سازشی مقام سمجھنے لگا۔ اور ان لوگوں کو حقیقتاً سلسلہ کا دشمن یقین کرنے لگا۔ کیونکہ لگاتار ایسے واقعات و مشاہدات ہوتے رہتے تھے

کہ جن سے میری حسن ظنی بالکل کافور ہو گئی۔ اور مجھے ان لوگوں سے نفرت ہونی شروع ہو گئی۔ اسی اثناء میں حضرت خلیفہ اول رضؓ کا ایک خط ڈاکٹر محمد حسین کے نام میری نظر سے گذرا جس کا مضمون یہ تھا:۔

"آپ کا پیغام جنگ پہنچا۔ مولوی محمد علی اور خواجہ کمال الدین کی بیعت کر لو۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ خوب حق بیعت ادا کیا۔"

اس پر میں نے فیصلہ کر لیا۔ کہ حقیقت میں یہ لوگ سلسلہ کے دشمن ہیں۔ اور کامل یقین مجھے اس کے متعلق ہو گیا۔ . . . . . چنانچہ میں نے ایک خط احمدیہ بلڈنگز کے مفصل حالات کے متعلق لکھ کر حضرت خلیفہ اول رضؓ کی خدمت میں بھیج دیا۔ اور اس میں کھول کر عرض کر دیا۔ کہ حضور کے بعد یہ لوگ بڑے سخت فتنے پیدا کریں گے۔ اور یہ لوگ سلسلہ کے در پردہ دشمن ہیں . . . . . . اور یہ بھی لکھا تھا۔ کہ خفیہ ٹریکٹ وغیرہ جو شائع ہو رہے ہیں وہ احمدیہ بلڈنگز کی ہی کارگذاری ہے۔ اور ڈاکٹر محمد حسین وغیرہ سب اس میں شامل ہیں . . . . . . جب میرا یہ خط حضرت کی خدمت میں پہنچا۔ تو اس وقت مولوی محمد علی حضرت کے پاس بیٹھے تھے۔ اور غالباً حضرت خلیفہ ثانی بھی تشریف رکھتے تھے۔ حضرت نے میرا یہ خط پڑھ کر مولوی محمد علی صاحب کو دیدیا اور کہا کہ جواب لکھ دو . . . . . . مگر انہوں نے میرا اصل خط تو ڈاکٹر محمد حسین کو لاہور بھیج دیا۔ اور مجھے اپنے خط میں یہ لکھدیا کہ بات میں سے بات نہیں نکالنی چاہئے۔ اور پہلے تحقیق کرنا چاہئے۔ جب میں نے یہ لکھا کہ بات میں سے بات تو آپ خود نکال رہے ہیں . . . . . . تو انہوں نے اپنی زود رنج اور اپنی مغلوب الغضب طبیعت سے لاچار ہو کر مفصلہ ذیل خط مجھے لکھا:۔

"۵۔ دسمبر ۱۹۱۳ء

جناب من۔ السلام علیکم

آپ کا خط پہنچا۔ مجھے اس بحث میں پڑنے کے لئے کافی فرصت نہیں۔ مگر چند باتیں ہیں۔ ممکن ہے ان سے آپ کی غلط فہمی دور ہو جائے۔

۱۔ کیا حضرت صاحب کی طرف رجوع کرنے کے یہ معنی تھے۔ کہ آپ یہ لکھتے کہ ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ ضرور گمنام ٹریکٹ کے لکھنے میں شامل ہیں۔

۲۔ پھر آپ اپنی رائے لگا کر کہ اس فقرہ کے یہ معنی ہم سمجھتے ہیں کہ وہ بیعت سے خارج ہو چکے حضور ہمیں اطلاع دیں کہ آیا یہ درست ہے۔ خط لکھتے۔ اپنی رائے کو تو پہلے آپنے پیش کر دیا۔

۳۔پھر آپنے یہ بھی لکھا۔کہ آپ اور دوسرے بہت سے دوست یہ سمجھتے ہیں کیا آپ خُدا کی قسم کھا سکتے ہیں کہ آپنے صرف حضرت صاحب سے ہی رجُوع کیا اور کسی دوسرے سے ذکر نہیں کیا۔

۴۔جس فقرہ سے آپنے یہ مطلب نکالا۔کہ ڈاکٹر محمد حسین شاہ بیعت سے خارج ہو چکے۔ اس فقرہ سے بدرجہ اولیٰ یہ مطلب بھی ضرور آپنے نکالا ہوگا کہ محمد علی بھی بیعت سے خارج ہو چکا کیونکہ اس کے لفظ یہ تھے۔کہ محمد علی اور کمال الدین کی بیعت کر دو۔اگر وہ جسے بیعت کے لئے کہا گیا ہے۔خارج ہو سکتا ہے۔تو جن کی بیعت کی جاتی ہے۔وہ بدرجہ اولیٰ خارج سمجھا چاہئے۔بلکہ مستحق قتل۔

۵۔کیا آپنے اس خط میں یہ لکھا تھا۔کہ احمدیہ بلڈنگز ایک خطرناک مقام ہو رہا ہے۔اور دونوں ڈاکٹر صاحبان کو اسے خطرناک بنانے میں شامل نہ کیا تھا۔والسلام خاکسار محمد علی [1]

ان قرائن سے یہ امر صاف طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ یہ ٹریکٹ احمدیہ بلڈنگز ہی کی پیداوار تھے۔ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ ان ٹریکٹوں کی محمد منظور الٰہی صاحب اور سید انعام اللہ شاہ صاحب کارکنان اخبار "پیغام صلح" نے تائید اور تصدیق کی تھی۔اس پر جب حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے اظہار ناراضگی فرمایا۔تو ان دونوں کو معافی مانگنی پڑی۔

ان ٹریکٹوں کا کم از کم یہ فائدہ ضرور ہو گیا۔کہ وہ الزامات اور وساوس جو مولوی محمد علی صاحب اور انکی پارٹی کی طرف سے خفیہ خفیہ پھیلائے جاتے تھے جماعت کو اُن کا علی الاعلان جواب دینے کا موقع مل گیا۔اور جیسا کہ بتایا جا چکا ہے۔"خلافتِ احمدیہ" اور "اظہار حقیقت" دو نہایت ہی مفید ٹریکٹ شائع کر دئے گئے۔ جن سے ان لوگوں کے نفاق کا بھانڈا پھُوٹ گیا۔اس کے بعد بظاہر چند ماہ کیلئے یہ معاملہ دب گیا۔مگر درحقیقت یہ لوگ اپنے کام سے غافل نہ تھے۔اور پرائیویٹ مجالس میں یہ معاملہ ہمیشہ ہی اُن کے زیرِ غور رہتا تھا حتیٰ کہ جلسہ سالانہ ۱۹۱۳ء میں اُن کے بغض اور کینہ کا پھر اظہار ہو گیا۔اور وہ اس طرح کہ جب حضرت صاحب نے اپنی تقریر میں ان خُفیہ ٹریکٹوں کی اشاعت کا ذکر کر کے اُن پر اظہار نفرت فرمایا۔تو "پیغام صُلح" نے آپکے مطلب کو بگاڑ کر آپ کی تقریر کا خلاصہ ان الفاظ میں شائع کیا۔کہ

جس شخص نے اظہار حق لکھا۔اور جنہوں نے کھلی چٹھی شائع کی اور جنہوں نے خلافت پر بحث کی۔اور ٹریکٹ شائع کئے۔اُن کا حق کیا تھا؟" [2]

---

[1] الفضل جلد ۵ ۷۷ ،صدا بحوالہ بعض خاص کارنامے صدا۔ [2] "پیغام صلح" ۴ جنوری ۱۹۱۴ء۔

ان الفاظ میں "پیغام صلح" نے جماعت میں یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی۔ کہ حضرت صاحب نے جس طرح خفیہ ٹریکٹوں کی اشاعت پر اظہار نفرت کیا ہے۔ اسی طرح "انصار اللہ" کی طرف سے جو ان کے جوابات دیئے گئے ہیں انہیں بھی ناپسند فرمایا ہے۔ حالانکہ یہ بات قطعاً غلط تھی۔ یہ ٹریکٹ تو آپ کو دکھانے کے بعد شائع کئے گئے تھے۔ چنانچہ جب آخری مرتبہ آپ کی خدمت میں اُن کا مسودہ پیش کیا گیا۔ تو آپ نے اس پر یہ لکھا۔ کہ

"اخلاص سے شائع کر دو۔ خاکسار بھی دعا کریگا۔ اور خود بھی دعا کرتے رہو۔ کہ شریر مجھے یا کیفر کردار کو پہنچے۔ نورالدین" [۱]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز تحریر فرماتے ہیں۔ کہ

"یہ تحریر اب تک ہمارے پاس موجود ہے۔ پھر کیسے تعجب کی بات ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح اول تو ان ٹریکٹوں کے بااثر ہونے کے لئے دُعا کا وعدہ فرماتے ہیں۔ اور اگر اظہار حق کا مصنف باز نہ آئے تو اس کے لئے بددعا کرتے ہیں۔ مگر "پیغام صلح" حق کی مخالفت کی وجہ سے ایسا اندھا ہو جاتا ہے کہ انصار اللہ کے ٹریکٹوں پر حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ کو ناراض لکھتا ہے۔ اصل سبب یہی تھا۔ کہ وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح "اظہار حق" کے مضمون کی طرف لوگوں کی توجہ ہو۔ اور اس کے جواب پر لوگ بدگمان ہو جائیں۔ لیکن اس کا یہ حربہ بھی کارگر نہیں ہوا۔ کیونکہ حضرت خلیفۃ المسیح اول نے ۱۵ جنوری ۱۹۱۴ء کو ایک تحریر کے ذریعہ شائع فرمایا کہ:۔

"پچھلے سال بہت سے نادانوں نے قوم میں فتنہ ڈلوانا چاہا۔ اور اظہار حق نامی اشتہار عام طور پر جماعت میں تقسیم کیا گیا۔ جس میں مجھ پر بھی اعتراضات کئے گئے۔ مصنف ٹریکٹ کا تو منشاء ہو گا۔ کہ اس سے جماعت میں تفرقہ ڈال دے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی بندہ نوازی سے مجھے اور جماعت کو اس فتنہ سے بچا لیا" [۲]

نیز متعدد مرتبہ ان لوگوں کی تکلیف دہ کارروائیوں اور ناشائستہ حرکات کو دیکھ کر آپ نے اظہار افسوس کیا۔ بطور مثال چند تحریرات پیش ہیں:۔

۱۔ ۱۹۱۳ء میں خواجہ کمال الدین صاحب انگلستان میں تھے۔ انہیں آپ نے ۶ مئی ۱۹۱۳ء کو اپنی ایک پرانی یادداشت کی بناء پر خط لکھا کہ:۔

---

[۱] اختلافات سلسلہ کی تاریخ صفحہ ۸۶۔ [۲] اختلافات سلسلہ کی تاریخ صفحہ ۸۷-۸۸ و آئینہ صداقت صفحہ ۱۶۹

"ایک میری پرانی یادداشت ہے اس کے صفحات کی نقل مرسل خدمت ہے۔ ایک مضمون ایک انجمن میں بصدارت نورالدین پیش ہو۔ اس پر رائے زنی ہو۔ آہ۔ آہ۔ آہ۔ اس پر کیا لکھوں۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ اللہ ہی توفیق دے۔ وما توفیقی الا باللہ۔ آپ کو معلوم ہے ہمہ یاراں بہشت ایک مثل ہے۔ مکرم میاں محمود احمد سے تو اُن کو مناسبت نہیں۔ ہمیشہ اُن کی تحقیر اُن کے مدنظر ہے۔ نواب صاحب، میر ناصر نواب بھی معیوب ہیں (ممکن ہے اصل لفظ معتوب ہو۔ ناقل)۔ گویا انجمن نام ہے شیخ صاحب رحمت اللہ۔ عزیزان محمد حسین شاہ صاحب ڈاکٹر۔ مرزا یعقوب بیگ صاحب ڈاکٹر۔ مکرم مولوی محمد علی صاحب۔ مولوی صدرالدین صاحب ہیڈ ماسٹر۔ یہ پانچ کو رم پورا ہوا۔ جو چاہیں کریں۔ پہلے محمود کو جب سخت سست کہا وہ (انجمن کے اجلاس میں جانے سے۔ ناقل) رُک گیا۔ مگر مدت کے بعد اس کو سمجھایا۔ کہ اب غالباً سرد ہو گئے ہوں گے۔ آپ جایا کریں۔ وہ گئے۔ کسی معاملہ پر ایک نے کہا۔ آپ صدرالدین کے معاملہ میں ہرگز نہ بولا کرو۔ اس پر محمود نے مجھے رنج آلودہ خط لکھا جس پر میں نے ملامت اور نصیحت لکھ کر ڈاکٹروں کو دیدیا۔ پھر مولوی محمد علی صاحب کو تحریراً لکھا۔ مگر کچھ جواب نہ ملا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ میرے مرنے پر انجمن عجوز دقت پیش آئے گی اگر اصلاح نہ ہوئی۔ افسوس۔" ؎۱

۲۔ جناب خواجہ کمال الدین صاحب کو ہی ایک دوسرے مکتوب میں آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

"مجھے ابتداءً آپ لوگوں نے دبایا۔ مدت تک اس مصیبت میں رہا۔ جب کبھی نکلنا چاہا رنگ برنگ مالی بدظنی ہوتی رہی۔ آخر بحمداللہ نجات ملی۔ الحمدللہ رب العالمین۔ پھر باہم تنازع شروع ہوئے۔" ؎۲

اس موقع پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ "انجمن اشاعت اسلام لاہور" سے تعلق رکھنے والے احباب کا پیش کردہ ایک فقرہ بھی مندرج کر دیا جائے جس کے متعلق اُن کا دعویٰ ہے کہ ۱۳ مئی ۱۹۱۳ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضؓ نے جو خط جناب خواجہ کمال الدین صاحب کو لکھا تھا۔ اس میں سے یہ فقرہ لیا گیا ہے۔ اور وہ فقرہ یہ تھا:۔

"نواب۔ میر ناصر۔ محمود نالائق بے وجہ جوشیلے ہیں۔ یہ بلا اب تنگ لگی ہے۔ یا اللہ نجات دے۔ آمین۔"

اُوپر کی عبارت اور اس فقرہ سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ نے ۱۳ مئی ۱۹۱۳ء کو

؎۱ الفضل پرچہ ۱۹ دسمبر ۱۹۱۵ء۔ ؎۲ ماخوذ از مکتوب مؤرخہ ۱۳ مئی ۱۹۱۳ء مندرجہ پیغام صلح ۲ مئی ۱۹۱۵ء

جو خط خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم کو لکھا۔ یہ دونوں اقتباسات اسی خط میں سے لئے گئے ہیں۔ پہلا اقتباس تو مابہ النزاع ہے ہی نہیں۔ غیر مبایعین حضرات کو بھی یہ امر مسلّم ہے کہ خط خواجہ کمال الدین صاحب کو مخاطب کر کے لکھا گیا ہے۔ اور انہیں اور اُن کی پارٹی کو اُن کی ناواجب حرکات کی وجہ سے ہدف ملامت بنایا گیا ہے دوسرے فقرہ سے متعلق بھی ہمیں یقین کامل ہے کہ غیر مبایعین حضرات نے ازراہ ظلم ناجائز اور ناواجب تصرف کر کے ہمارے امام سیدنا محمود ایدہ اللہ بنصرہ العزیز اور حضرت نواب محمد علی خاں صاحبؓ اور حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ سے متعلق جماعت میں غلط تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

پہلے اقتباس میں آپ ان لوگوں کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:۔

"مجھے ابتدائً آپ لوگوں نے دبایا۔ مدت تک اس مصیبت میں رہا۔۔۔۔۔۔ الخ"

دوسرے فقرہ میں بھی یقیناً انہیں ہی کہا گیا ہے۔ کہ تم نہ صرف یہ کہ مجھ پر بدظنیاں کرتے اور اتہامات لگاتے ہو۔ بلکہ حضرت نواب محمد علی خاں صاحب، حضرت میر ناصر نواب اور حضرت محمود ایدہ اللہ بنصرہ العزیز پر بھی یہ الزام لگاتے ہو۔ کہ وہ "نالائق بے وجہ جوشیلے ہیں"۔

میں نے جو استدلال کیا ہے۔ کہ یہ فقرہ حضرت خلیفہ اولؓ نے حکایۃً عن الغیر لکھا ہے۔ یہ بغیر کسی وجہ کے نہیں لکھا۔ بلکہ اس کے میرے پاس دلائل ہیں۔

اوّل یہ کہ حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ ان حضرات (حضرت صاحبزادہ صاحب سلمہ الرحمٰن، حضرت نواب صاحب اور حضرت میر صاحب۔ ناقل) کی ہمیشہ ہی تعریف کرتے رہے ہیں۔ اور آپ کے عہد کی تاریخ سے ثابت ہے کہ غیر مبایعین حضرات جس طرح حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کے مخالف تھے۔ اسی طرح سیدنا حضرت محمود ایدہ اللہ حضرت نواب صاحب اور حضرت میر ناصر نواب صاحب کے بھی مخالف تھے۔ اس لئے یہ بات قیاس میں بھی نہیں آسکتی کہ حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ ان حضرات کی شکایت خواجہ کمال الدین صاحب سے کریں۔

دوّم:۔ اس خط کا انداز بیان بتا رہا ہے کہ حضرت خلیفہ اولؓ خواجہ صاحب اور اُن کی پارٹی کی غیر مہذبانہ حرکات کا ذکر کرتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ آپ لوگوں نے مجھ پر مختلف رنگوں میں مالی بدظنی کی۔ الحمد للہ کہ اب اس سے نجات ملی۔ دوّم "نواب، میر ناصر اور محمود" کو نالائق اور بے وجہ جوشیلے کہتے ہو۔ یہ بلا اب تک لگی ہے۔ اس کے لئے آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی کہ "یا اللہ! (اس سے۔ ناقل) نجات دے"۔

ایسا معلوم ہوتا ہے۔ ان لوگوں نے ان بدظنیوں سے متعلق جو یہ لوگ حضرت خلیفہ اولؓ پر کیا کرتے تھے

کسی موقعہ پر مصلحتِ وقت کے ماتحت معافی مانگ لی ہوگی۔ مگر سیدنا حضرت محمود ایدہ اللہ، حضرت نواب صاحب اور حضرت میر ناصر نواب صاحب، جو آپ کو از حد پیارے تھے۔ اُن پر جو الزامات یہ لوگ لگایا کرتے تھے اور انہیں "جوشیلے" اور "نالائق" وغیرہ کہا کرتے تھے۔ اُن سے ابھی تو بہ نہیں کی تھی اور حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ یہ چاہتے تھے۔ کہ اس مصیبت سے بھی نجات حاصل ہو۔ اور جماعت متحد ہو کر تعمیری کام شروع کر دے۔

سوم:۔ انداز اً ۱۹۴۰ئہ کا واقعہ ہے۔ قادیان سے ایک وفد لاہور کے لئے روانہ ہوا۔ جو حضرت مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری، محترم مولانا محمد سلیم صاحب، محترم مولانا محمد احمد صاحب اور خاکسار پر مشتمل تھا۔ اس وفد کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز کی طرف سے یہ ہدایت تھی کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام ان اصحاب سے ملاقات کرنا۔ جو کافی عرصہ حضور کیساتھ رہے ہیں۔ لاہور پہنچتے ہی سب سے پہلے ہم نے مسلم ٹاؤن میں جا کر جناب مولانا محمد علی صاحب امیر جماعت غیر مبایعین سے ملاقات کی۔ ان کے کمرے میں جناب ڈاکٹر بشارت احمد صاحب بھی موجود تھے۔ اخویم محترم مولانا محمد سلیم صاحب نے جناب ڈاکٹر صاحب سے سوال کیا۔ کہ ڈاکٹر صاحب آپ لوگوں نے ہمارے امام سے متعلق جو یہ فقرہ شائع کیا ہے۔ کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضؓ نے حضور کو "نالائق" اور "بے وجہ جوشیلا" قرار دیا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ سراسر افترا ہے۔ اور اگر یہ تحریر حکایۃ عن الغیر نہیں لکھی گئی تو از راہِ نوازش ہمیں وہ خط دکھا دیجئے۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم کی طبیعت ذرا جوشیلی تھی۔ پہلے تو آپ نے ایک دو مرتبہ فرمایا۔ کہ جاؤ! جا کر الفضل میں شائع کر دو۔ کہ ڈاکٹر وہ خط نہیں دکھاتا۔ لیکن جب بار بار درخواست کی گئی تو فرمایا کہ شیخ مولا بخش صاحب لائلپوری کے پاس اصل خط موجود ہے۔ وہاں جا کر دیکھ لو۔ کچھ دنوں بعد خاکسار کو لائل پور جانے کا اتفاق ہوا۔ شیخ صاحب موصوف سے میں نے لاہور والی گفتگو سنا کر مطالبہ کیا۔ کہ مہربانی فرما کر وہ خط مجھے دکھا دیجئے۔ شیخ صاحب نے فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب کو غلطی لگی ہے وہ شیخ مولا بخش صاحب مرحوم برادرِ اصغر شیخ محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم ہوں گے۔ میرے پاس حضرت مولوی صاحب کا اس مفہوم کا کوئی خط موجود نہیں۔ غرض ہم نے پوری کوشش کی کہ کسی طرح سے ہم اس خط کو ایک نظر دیکھ لیں۔ مگر ہم اس میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ البتہ یہ ضرور سُنتے رہے ہیں۔ کہ اصل خط ہمارے پاس موجود ہے۔ جو دیکھنا چاہے۔ اگر دیکھ لے مگر دکھایا آج تک نہیں گیا۔ اب قارئین کرام بتائیں کہ ہم اس سے کیا سمجھیں؟

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے پیغام صلح منگوانا بند کر دیا

اس جگہ پر اس امر کا ذکر کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ غیر مبایعین کی اس قسم کی کاروائیوں کی وجہ سے حضرت خلیفۃ المسیح اول اُن سے سخت ناراض ہو گئے تھے۔ اور حضور نے اُن کا اخبار "پیغام صلح" منگوانا بند کر دیا تھا۔ اس پر ان لوگوں نے جماعت میں بعض غلط فہمیاں پھیلانا شروع کر دیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس بارہ میں ایک دوست کا سوال اور حضرت مفتی محمد صادق صاحب ایڈیٹر "بدر" کا جواب شائع کر دیا جائے۔ وھو ھذا۔

پیغام صُلح لاہور سے متعلق کسی صاحب کے خط کا جواب حضرت مفتی صاحب کی طرف سے

کسی دوست نے حضرت مفتی محمد صادق صاحب کی خدمت میں ایک خط لکھا جس کا خلاصہ یہ تھا ہے۔ ہم۔ اگست ۱۹۱۳ء کے پیغام صلح میں حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب اور حضرت شیخ یعقوب علی صاحب رضی اللہ عنہ سے متعلق صریح الفاظ میں بدبخت، حرام خور اور بے حیا لکھا گیا ہے۔ دوسری بات اس دوست نے یہ لکھی۔ کہ پیغام صلح میں لکھا ہے۔ کہ پیغام کو بعض نادانوں نے یہ جتا کر کہ گورنمنٹ اس پر ناراض ہے حضرت خلیفۃ المسیح کے نام آنے سے بند کرا دیا تھا لیکن وہ رحیم انسان پھر بھی منگوانے لگ گیا۔ آپ مہربانی فرما کر للہ شہادت دیں کہ پیغام کیوں بند ہوا تھا۔ اور پھر حضرت خلیفۃ المسیح نے منگوانا شروع کیا تھا یا نہیں۔ اور اگر پھر پیغام آنے لگ گیا۔ تو آیا پھر اُسے خلیفۃ المسیح نے واپس کیا تھا یا نہیں؟ یہ کہتے ہوئے کہ بند بالکل بند اور پھر تا دم وصال منہ نہیں لگایا۔ اس کے جواب میں حضرت مفتی صاحب نے اوپر کے سخت الفاظ کا کوئی جواب نہ دیا۔ البتہ "پیغام صلح" کے متعلق جو کچھ لکھا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

اوّل:۔ یہ بالکل جھوٹ ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح نے پیغام اس لئے بند کیا تھا۔ کہ گورنمنٹ اس پرچہ سے ناراض ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ پیغام صلح میں ایک چار سطر کا مضمون دبی زبان میں قادیان کے اخباروں پر حملہ آور ہوا تھا۔ جس پر حضرت مرحوم ایسے ناراض ہوئے کہ فرمایا۔ یہ پیغام جنگ ہے۔ مجھے حکم دیا کہ اگرچہ ہم قیمت دے چکے ہیں۔ لیکن پھر بھی ہمارے نام اس کا آنا بند کر دیں۔ اگر ڈاک میں آوے تو واپس کر دیں۔ اور خود بھی ایک خط پیغام کے ایڈیٹر کو لکھا۔ جس پر ڈاکٹر صاحب نے بہت معذرت کی اور معافی مانگی۔

دوم :۔ دوبارہ اجرا اس طرح سے ہوا کہ میں نے لکھا کہ آپ بھیجدیں۔ میں پیش کردونگا۔ امید ہے کہ حضرت واپس نہ کریں گے۔ سو ایسا ہی ہوا۔

سوم :۔ انہی ایام میں خلیفہ رجب الدین صاحب کا لڑکا یہاں خط لیکر آیا تھا۔ درس میں نہ خط پیش ہوا۔ بہت سے آدمی موجود تھے۔ سب کے سامنے حضرت نے جواب میں لکھوایا۔ کہ خلیفہ صاحب! آپ ہمارے دوست تھے۔ مگر آپ بھی منافقوں کے ساتھ مل گئے۔ یہ امر واقعہ ہے۔ درس میں بہتوں نے سُنا۔ اس کے بعد جب ٹریکیٹ اظہارِ حق کے ساتھ اتفاق کا مضمون پیغام میں نکلا۔ تو پھر حضرت سخت ناراض ہوئے۔ اور پیغام کے پرچے پر لکھا کہ "ہمیشہ کے لئے بند"۔ اور مجھے حکم دیا۔ کہ اب میرے پاس نہ آوے۔ احباب پیغام کو اطلاع دی گئی۔ انہوں نے پھر بھی معافیاں مانگیں۔ اور حضرت کو راضی کرنے کی کوشش کی۔ مگر پیغام بند رہا۔ اور آپ کے آخری دم تک بند رہا۔ [۱]

اب ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔ اگلے باب میں انشاء اللہ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ کے ان عظیم الشان تعمیری کاموں کا ذکر کیا جائے گا جو حضور نے اپنے عہد خلافت میں سرانجام دیئے۔

بڑھاپے میں گورمکھی پڑھنے کی کوشش۔ اندازاً اکتوبر ۱۲ء

حدیث میں آتا ہے۔ اطلبوا العلم من المھد الی اللحد۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضؓ اس پر صحیح طور پر عامل تھے۔ پیچھے ہم ایک جگہ بیان کر چکے ہیں کہ کشمیر کی ملازمت کے دوران میں شاہی طبیب کے عہدہ جلیلہ پر فائز ہونے کے باوجود آپ نے ایک معمولی پنڈت سے آیورویدک طب پڑھنا شروع کر دی تھی۔ اور اس پنڈت کی آپ بہت عزت کیا کرتے تھے۔ ایڈیٹر صاحب اخبار "نور" ۱۲-۱۱-۲۸ کے پرچہ میں لکھتے ہیں کہ

"تقریباً چھ ماہ کی بات ہوگی۔ کہ حضور نے مجھے فرمایا۔ کہ ہم گرنتھ پڑھنا چاہتے ہیں۔ اردو میں نہیں گورمکھی میں۔ مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ میں تمہارے پاس جا سکوں۔ تم مجھے گورمکھی پڑھا دو۔ چنانچہ حضور نے اُردو اور گورمکھی ہر دو گرنتھ منگوائے۔ اور باقاعدہ گورمکھی پڑھنا شروع کی۔ دو چار روز میں حضور نے خاصی مہارت پیدا کر لی۔ اگر آپ کو کچھ موقع ملتا۔ تو اس میں کلام نہیں کہ آپ گرنتھ پر

---

[۱] الفضل پرچہ ۹۔ اگست ۱۹۱۳ء صفحہ

عبور کر لیتے"۔ ؎۴

اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ اس بڑھاپے میں گورمکھی پڑھنے سے حضور کا مقصد اسکے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ کہ آپ چاہتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان اطلبوا العلم من المھد الی اللحد کو اپنے عمل سے پورا کر دکھائیں۔ ورنہ اس بڑھاپے میں آپ گورمکھی سے کیا فائدہ اٹھا سکتے تھے۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کو ختم قرآن کے بارہ میں ارشاد۔ ۶۔ نومبر ۱۹۱۳ء

حضور نے ۶ نومبر ۱۹۱۳ء کے روز حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"میاں کل جمعہ ہے۔ اگر زندگی باقی ہے۔ تو تمہیں ہفتہ کے روز قرآن ختم کرا دینے کا ارادہ ہے۔ ورنہ میرے بعد اپنے بھائی صاحب سے ختم کر لینا"۔؎۱

ولادت صاحبزادہ محمد عبد اللہ صاحب۔ ۱۸۔ نومبر ۱۹۱۳ء

۱۸ نومبر ۱۹۱۳ء کو اللہ تعالیٰ نے آپ کو پانچواں فرزند عطا فرمایا جس کا نام آپ نے عبداللہ رکھا۔ یہ بیٹا بھی ایک نشان تھا۔ کیونکہ جن دنوں آپ گھوڑے سے گرنے کی وجہ سے شدید بیمار تھے۔ اور ڈاکٹر آپ کی زندگی سے مایوس تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک لڑکے کی بشارت دی تھی۔ چنانچہ اس وقت حضور نے فرمایا:۔

"میں نے دیکھا ہے کہ میری جیب میں کسی نے ایک روپیہ ڈال دیا ہے۔ اس کی تفہیم یہ ہے کہ ایک لڑکا ہو گا"۔ ؎۲

اسی طرح ایک دوسرے موقعہ پر حضور نے فرمایا:۔

"جب میں بہت بیمار ہو گیا تھا تو ان ایام میں ہمارے ڈاکٹروں نے میری بڑی خدمت کی۔ ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب رات کو بھی دباتے رہتے۔ انہوں نے بہت ہی خدمت کی۔ میرا رونگٹا رونگٹا ان کا احسان مند ہے۔ ایسا ہی ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب بہت خدمت کرتے رہتے ہیں۔ مگر ان کو میرے بچنے کی اُمید نہ تھی۔ ایسے وقت میں خدا تعالیٰ نے ایک بیٹے کی بشارت دی۔ جو اب پوری ہوئی۔ فالحمد للہ"۔ ؎۳

؎۱ الفضل جلد اوّل نمبر ۲۲۔ صفحہ ۱۔ ؎۲ بدر ۲۰/۶ نومبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۲۔ ؎۳ بدر ۱۱ دسمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۲۔
؎۴۔ اخبار نور جلد ۵ پرچہ ۲۴/۱۴ مارچ ۱۹۱۴ء۔

یہ بچہ ۹ جون ۱۹۱۴ء کو وفات پا گیا۔

جلسہ سالانہ ۱۹۱۳ء
۲۵-۲۶-۲۷- دسمبر

۱۹۱۳ء کا جلسہ سالانہ اپنے انوار و برکات کے لحاظ سے گذشتہ تمام سالوں سے بڑھ گیا۔ تقاریر بھی بہت اچھی ہوئیں۔ جماعت بھی بہت بڑی تعداد میں مرکز میں جمع ہوئی۔ اور اخلاص اور ایثار کا وہ نمونہ پیش کیا۔ کہ دشمن کو محسوس ہو گیا۔ کہ جماعت میں انتشار اور بدنظمی پیدا کرنے کی جو کوشش اس نے کی تھی۔ وہ خاک میں مل گئی۔ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل نے جہاں اپنی جماعت کو دشمنوں کی سازشوں سے آگاہ کیا۔ وہاں دشمن کو بھی متنبہ کیا۔ کہ وہ اپنے منصوبوں سے جماعت کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا چنانچہ آپ اپنی تقریر میں فرماتے ہیں:۔

"معاہدات کی رعایت بڑی بات ہے۔ میں تمہارے معاہدات کا ایک ورق پیش کرتا ہوں۔ غور تو کرو۔ تم کہاں تک اسکی مطابقت و حفاظت کرتے ہو۔ ایک تو وہ معاہدہ ہے جو تم میرے ہاتھ پر کرتے ہو۔ پھر تم ہی میں سے وہ بدبخت بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ خلیفہ کیا چیز ہے بڑھاپے کی وجہ سے ہوش ماری گئی۔ دیکھو سنو اور یاد رکھو۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے آپ خلیفہ بنایا ہے۔ اور میں تم میں سے کسی کا بھی خدا کے فضل سے محتاج نہیں۔ اور میں نے اس سے دعا کی ہے۔ کہ مجھے ارذل العمر کے نتائج سے محفوظ رکھے۔ اور اس نے رکھا ہے۔ اپنے کلام کا فہم مجھے عطا فرمایا ہے۔ یہ باتیں خدا تعالیٰ کو پسند نہیں ہیں۔ وہ میرے لئے ایک غیرت رکھتا ہے۔ اس واسطے ایسے خیالات سے توبہ کرو۔ الحمد للہ میرے قویٰ کو ہر طرح سلامت اور محفوظ رکھا ہے۔ والحمد للہ علیٰ ذالك"

پھر فرماتے ہیں:۔

"امن یا خوف کی کوئی بات تم پھیلانے کے مجاز نہیں۔ بلکہ اُسے اپنے امیر اور سرکردہ کے پہنچا دو۔ وہ جو مناسب سمجھے گا کرے گا۔ دیکھو جس شخص نے اظہار الحق کے دو نمبر نکالے۔ اور جنہوں نے کھلی چٹھی انصار اللہ کے نام شائع کی۔ اور جنہوں نے خلافت کے متعلق مباحثہ کیا۔ اُن کا کوئی حق نہ تھا۔ اس کھلی چٹھی نے تو میرے دل کو کھول دیا۔ ایسا ہی ایک شخص نے ایک چھپا ہوا کارڈ میرے پاس بھیجا۔ اور پوچھا کہ اشاعت کی اجازت

دیتے ہو۔ میں نے کہا کمبخت! تو نے قرآن کے خلاف کیا۔ چھاپ کر بھیجتے ہو۔ اور پھر اشاعت کی اجازت مانگتے ہو۔ اس قسم کے لوگ قرآن کے خلاف کرتے ہیں۔ اور وہ قوم میں جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ایک ہاتھ پر جمع کیا تھا۔ تفرقہ ڈلوانا چاہتے ہیں۔ ان سے بچو۔ پھر کسی نے کہا۔ گھوڑی سے گرے ہیں۔ یہ گھوڑی خلافت کی گھوڑی ہے۔ استقامت میں فرق آگیا۔ ایسے شریر جھوٹے ہیں۔ خدا نے مجھے اس کا جواب سمجھا دیا ہے۔ جو لمبا جواب ہے۔ میں تمہیں پھر نصیحت کرتا ہوں۔ کہ ایسے لوگوں سے بچتے رہو۔ اور بدظنیاں چھوڑ دو۔" [1]

ایسے معترضین کا اشارہ دراصل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس رؤیا کی طرف تھا۔ جو آپ کو ۱۶۔ مارچ ۱۹۰۳ء کو ہوئی اور جو یہ تھی۔

"رات کو میں نے خواب دیکھا۔ کہ ایک شخص اپنی جماعت میں سے گھوڑے پر سے گر پڑا۔ پھر آنکھ کھل گئی۔ سوچتا رہا کہ کیا تعبیر کریں۔ قیاسی طور پر جو بات اقرب ہو وہ لگائی جا سکتی ہے۔ کہ اس اثناء میں غنودگی غالب آئی اور الہام ہوا۔ "استقامت میں فرق آگیا۔" ایک صاحب نے کہا کہ وہ کون شخص ہے؟ حضرت نے فرمایا۔ کہ معلوم تو ہے۔ مگر جب تک خدا کا اذن نہ ہو۔ میں بتلایا نہیں کرتا۔ میرا کام دعا کرنا ہے۔" [2]

اس رؤیا کا بغور مطالعہ کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس میں انتشار ضمائر ہے۔ یعنی گھوڑے سے گرنے والا اور شخص ہے۔ اور جس کی استقامت میں فرق آگیا وہ اور ہے۔ البتہ ان دونوں کا تعلق ضرور ہے۔

جب ہم اس رؤیا کو واقعات پر چسپاں کرتے ہیں۔ تو یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ جب حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضؓ گھوڑے سے گرے اور آپ نے خلافت کی وصیت سیدنا محمود ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے حق میں کر دی۔ تو جناب مولوی محمد علی صاحب جو یہ سمجھتے تھے۔ کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضؓ کے بعد ہم لوگ کسی شخص کو خلیفہ تسلیم نہیں کریں گے۔ اور اپنی من مانی کارروائیاں کریں گے۔ ان کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔

---

[1] اقتباسات از تقریر حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضؓ بر موقعہ جلسہ سالانہ ۱۹۱۳ء مندرجہ الحکم جلد ۱۹ نمبر ۵ پرچہ ۱۴ فروری ۱۹۱۵ء
[2] البدر جلد ۲ نمبر ۱ مورخہ ۲۷ مارچ ۱۹۰۳ء صفحہ ۷۵۔

اور پھر دن بدن ان کے تعلقات سیدنا حضرت محمود ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کیساتھ کشیدہ ہوتے گئے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کو اللہ تعالیٰ نے ان حالات سے آگاہ فرما دیا تھا۔ تبھی تو آپ اپنی ہر تقریر میں جماعت کو اتفاق اور اتحاد کے ساتھ رہنے کی تلقین کرتے اور خلافت کی اہمیت کو واضح فرماتے رہتے تھے۔ اور اپنی وفات سے قبل جو وصیّت آپ نے لکھی۔ اسے ایک مجمع میں جناب مولوی صاحب موصوف سے تین بار پڑھوا کر سُنا۔ اور پھر اُسے حضرت نواب محمد علی خاں صاحب کے حوالہ کر دیا۔ کہ آپ کی وفات کے بعد جماعت اس پر عمل کرے۔ مگر افسوس کہ جناب مولوی محمد علی صاحب کی استقامت میں فرق آگیا۔ اور انہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کے ساتھ جو عہد و پیمان کئے تھے۔ آپ کی وصیّت کو پس پشت پھینک کر ان سے پھر گئے۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

الحکم کا اجرا و احیاء

اخبار الحکم بعض وجوہ کی بنا پر کچھ عرصہ کے لئے بند ہو گیا تھا۔ اور اس کا حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کو بڑا قلق تھا۔ آپ نے اس کی پُرانی خدمات کی قدر کرتے ہوئے جلسہ سالانہ ۱۹۱۳ء کے موقعہ پر احباب کے سامنے چھ ہزار روپیہ کی اپیل کی۔ اور ایک ہزار روپیہ اپنی طرف سے بھی دینے کا وعدہ فرمایا۔ اور اس کے مالی نظام کو مضبوط کرنے کے لئے اسکا انتظام حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کے سپرد فرمایا۔[۱] چنانچہ اسکا پہلا پرچہ ۲۸ فروری ۱۹۱۴ء کو منظر عام پر آگیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

شکریہ باری تعالیٰ از حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ

جیسا کہ پیچھے بیان کیا جا چکا ہے۔ منکرین خلافت نے جلسہ سالانہ ۱۹۱۳ء سے قبل اظہار الحق نمبر ۱ اور اظہار الحق نمبر ۲ دو ٹریکٹ نکال کر جماعت میں انتشار پیدا کرنے کی انتہائی کوشش کی تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم

[۱] ۔ الفضل ۲۵ فروری ۱۹۱۴ء ۔

سے جماعت کو اس فتنہ سے بچا لیا۔ اور جماعت اپنے ایمان اور اخلاص میں پہلے سے بہت زیادہ ترقی کر گئی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ نے جلسہ سالانہ ۱۹۱۳ء پر جب نظارہ دیکھا۔ تو جلسہ کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل پر شکریہ ادا کرتے ہوئے مندرجہ ذیل نوٹ لکھا:۔

"اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے لئن شکرتم لازیدنکم۔ اگر تم شکر کرو۔ تو ہم اپنی نعمتوں میں ضرور بالضرور اضافہ کر دیں گے۔ اسلئے خدا تعالیٰ کے انعامات پر شکر کرنا انسان کے لئے اور بہت سے الطاف کا موجب ہو جاتا ہے۔ پس تحدیث نعمت الٰہی کے طور پر میں بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں۔ کہ اس نے ہم پر بہت سے احسان کئے ہیں۔

پچھلے سال بعض نادانوں نے قوم میں فتنہ ڈالوانا چاہا۔ اور "اظہارِ حق" نامی اشتہار عام طور پر جماعت میں تقسیم کیا گیا۔ جس میں مجھ پر بھی اعتراضات کئے گئے۔ مصنف ٹریکٹ کا تو یہ منشا ہوگا۔ کہ اس سے جماعت میں تفرقہ ڈال دے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی بندہ نوازی سے مجھے اور جماعت کو اس فتنہ سے بچا لیا۔ اور ایسے رنگ میں مدد اور تائید کی۔ کہ فتنہ ڈلوانے والوں کے سب منصوبے باطل اور تباہ ہو گئے اور جماعت ہر ایک قسم کے صدمہ سے محفوظ رہی۔ جس کا نمونہ اس سال جلسہ سالانہ کے موقع پر نظر آ رہا تھا۔ یہ خدا تعالیٰ کی خاص تائید اور نصرت تھی۔ کہ امسال باوجود بہت سے موانع کے اور باوجود اظہار حق جیسے بدظنی پھیلانیوالے ٹریکٹوں کی اشاعت کے جلسہ پر لوگ معمول سے زیادہ آئے۔ اور ان کے چہروں سے وہ محبت اور اخلاص ٹپک رہا تھا۔ جو بزبانِ حال اس بات کی شہادت دے رہا تھا۔ کہ جماعت احمدیہ ہر ایک بد اثر سے محفوظ و مصئون ہے۔ علاوہ ازیں مختلف جماعتوں نے ایثار کا بھی اس دفعہ وہ نمونہ دکھایا۔ کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ثابت ہوتا ہے۔ باوجود اس کے کہ اس سال چندوں کا خاص بوجھ تھا۔ اور صدر انجمن مقروض ہو گئی

تھی۔ مختلف جماعتوں نے نہایت خوشی اور رضا و رغبت سے وہ سب قرضہ ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ اور بہت سا روپیہ نقد بھی دیا۔ حتیٰ کہ پچھلے تمام سالوں کی نسبت اب کی دفعہ تگنے روپیہ کے وعدے اور وصولی ہوئی۔ جسکی مجموعی تعداد اٹھارہ ہزار کے قریب ہے۔ جو اس قلیل جماعت کی حالت کو دیکھتے ہوئے ایک خاص فضلِ الٰہی معلوم ہوتا ہے۔

اِس جلسہ نے ان لوگوں کے خیالات کو بھی باطل کر دیا۔ جو کہتے تھے۔ کہ نورالدین گھوڑے سے گر گیا ہے۔ جب ایکدفعہ خلافت کے خلاف شور ہوا تھا۔ تو مجھے اللہ تعالیٰ نے رؤیا میں دکھایا تھا۔ کہ مَیں ایک گھوڑے پر سوار ہوں۔ اور ایسی جگہ پر جا رہا ہوں۔ جہاں بالکل گھاس پھونس نہیں ہے اور خشک زمین ہے۔ پھر مَیں نے گھوڑے کو دوڑانا شروع کر دیا۔ اور گھوڑا ایسا تیز ہو گیا کہ ہاتھوں سے نکلا جا رہا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے میری رانیں نہ ہلیں۔ اور مَیں نہایت مضبوطی سے گھوڑے پر بیٹھا رہا۔ دُور جا کر گھوڑا ایک سبزہ زار میدان میں داخل ہو گیا۔ جسمیں قریباً نصف نصف گز سبزہ اُگا ہوا تھا۔ اس میدان میں جہانتک نظر جاتی تھی سبزہ ہی سبزہ نظر آتا تھا۔ گھوڑے نے تیزی کیسا تھ اس میدان میں بھی دوڑنا شروع کیا۔ جب میں درمیان میں پہنچا تو میری آنکھ کھل گئی۔ مَیں نے اس خواب سے سمجھا کہ وہ لوگ جو کہتے ہیں۔ کہ یہ خلافت کے گھوڑے سے گر جائیگا۔ جھوٹے ہیں اور اللہ تعالیٰ مجھے اسپر قائم رکھے گا۔ بلکہ کامیابی عطا فرمائیگا۔ سو خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ اسنے میری اس خواب کو بھی پورا کیا۔ اور اس سال کے جلسہ نے اسکی صداقت بھی ظاہر کر دی۔ کہ باوجود لوگوں کی کوششوں اور مخالفتوں کے اور باوجود گمنام ٹریکٹوں کی اشاعت کے اسنے میری تائید پر تائید کی۔ اور جماعت کے دلوں میں روز بروز اخلاص اور محبت کو بڑھایا۔ اور ان کے دل کھینچ کر میری طرف متوجہ کر دیئے۔ اور انہیں اطاعت کی توفیق دی۔ اور فتنہ پردازوں کی حیلہ سازیوں کے اثر سے بچائے رکھا۔"[1]

[1] - الفضل جلد ۱ نمبر ۳۰ مورخہ ۷ جنوری ۱۹۱۴ء۔

مِن اَنصَارِی اِلَی اللّٰہ

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضؓ کی اجازت سے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے احباب جماعت میں ایک تحریک کی۔ کہ

"اسوقت ایک دوست نے کچھ روپیہ تبلیغ سلسلہ کیلئے دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اور میرا خیال ہے۔ کہ اسے اسطرح خرچ کیا جائے۔ کہ جماعت کے چند آدمی جو قرآن شریف کا ترجمہ اچھی طرح جانتے ہوں۔ حضرت صاحب کی کتب انہوں نے خوب مطالعہ کی ہوں۔ تبلیغ کیلئے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں اسطرح بھیجے جائیں کہ انہیں ڈیڑھ دو سو روپیہ تجارت کیلئے دیا جائے۔ وہ مال تجارت لیکر ان علاقوں میں پھریں جنہیں ہم انہیں بھیجیں۔ اور اپنا گذارہ اور خرچ تجارت سے کریں اصل روپیہ محفوظ سمجھا جائیگا۔ اور وہ ہمارا ہی ہوگا۔ اسوقت زیادہ ترضرورت راجپوتانہ، ممالک متوسط، بہار، بنگالہ، بمبئی، مدراس اور حیدرآباد کے علاقوں میں ہے"[1]

اس مقدس کام کے ثواب میں دوسرے احباب کو شریک کرنے کے لئے آپ نے "دعوت الی الخیر" کے عنوان سے ایک ہیڈنگ قائم فرمایا۔ جسمیں ان احباب کی فہرست شائع کی جاتی رہی۔ جو اس فنڈ میں حصہ لیتے رہے۔

بچوں کی بیعت

محترم محمد عبد اللہ صاحب سکنہ ضلع سیالکوٹ حال پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ نواب شاہ کا بیان ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضؓ کی وفات سے چند ماہ قبل والدہ صاحبہ (برکت بی بی زوجہ مولوی رحیم بخش صاحب) خاکسار کو لیکر حضرت خلیفۃ المسیح کے پاس قادیان گئیں۔ میرے ساتھ میرے چچازاد بھائی مولوی محمد عبد اللہ صاحب حال سکنہ لیسرہ درمی تھے۔ میری عمر اس وقت قریباً گیارہ سال کی تھی۔ اور ان کی چودہ سال کی۔ والدہ صاحبہ نے حضور کی خدمت میں عرض کی۔ کہ حضور! میں ان دونوں بچوں کو بیعت کروانے کیلئے اپنے ساتھ لائی ہوں۔ حضرت مولوی صاحب نے فرمایا۔ کہ یہ ابھی بچے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی ہم دونوں کو نصیحت کی۔ کہ چوری نہ کرنا۔ اور جھوٹ نہ بولنا۔ یہی تم دونوں کی بیعت ہے"

---

[1] ۔ الفضل پرچہ ۷ جنوری ۱۹۱۴ء صہ ۱۲ ۔

آپ کی ایک وصیت
۲ فروری ۱۹۱۴ء

فرمایا:-

"یہ یاد رکھو کہ میری اولاد کے لئے زکوٰۃ، صدقہ و خیرات یتامیٰ و مساکین کے فنڈ سے روپیہ نہ دینا۔ اللہ تعالیٰ کوئی نہ کوئی سامان پیدا کر دے گا۔ تم میں سے بہت ہوں گے۔ اُن کو میری تعلیم پہنچا دو۔ مولوی عبدالکریم صاحب کے واسطے چندہ ہوئے تھے۔ میں بھی ڈر گیا۔ جو کوئی میری سوانح لکھتا ہے وہ اس میں یہ وصیت لکھدے۔ اگر برعکس کریں تو روک دے۔ میرے پاس روپیہ نہیں ہے۔ میرے ذمہ جس قدر قرض تھے وہ دیدیئے گئے ہیں۔ اور جو کچھ ہیں وہ کل انشاء اللہ دے دیئے جائیں گے۔ میرا باپ بھی قرض نہیں لیتا تھا۔ میں بھی قرض نہیں لیتا۔ یعنی میں کسی کا مقروض نہیں رہا۔ میری اولاد سے کوئی تقاضا نہ کرے۔" [۱]

الحمدللہ کہ آپ کے جانشین حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے آپ کے بچوں کی تعلیم اور دیگر تمام ضروریات کا خوب خیال رکھا۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء

حضرت خلیفۃ المسیح کی علالت اور درس قرآن

یوں تو حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی صحت کافی عرصہ سے کمزور چلی آتی تھی لیکن فروری کے دوسرے ہفتہ میں زیادہ گرنا شروع ہو گئی۔ تاہم آپ اس امر کی انتہائی کوشش فرماتے رہے کہ جب تک زبان حرکت کر سکے قرآن کریم کا درس جاری رہنا چاہیئے چنانچہ آپ کے درسوں میں شامل ہونے والے احباب بیان کرتے ہیں کہ جب آپ جنوری ۱۹۱۴ء کے شروع میں بیمار ہوئے تو باوجود بیماری اور کمزوری کے حسب معمول مسجد اقصیٰ میں تشریف لیجا کر ایک توت کے درخت کا سہارا لیکر درس دیتے رہے گو رستہ میں چند مرتبہ ناتوانی کی وجہ سے مقام بھی کر لیتے تھے۔ جب کمزوری بہت بڑھ گئی اور مسجد کی سیڑھیوں پر چڑھنا دشوار ہو گیا تو بعض دوستوں کے اصرار پر مدرسہ احمدیہ کے صحن میں درس دینا شروع فرما دیا۔ ان ایام میں آپ نقاہت کی وجہ سے دو آدمیوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر تشریف لاتے تھے اور اسی طریق پر واپس تشریف لے جاتے تھے۔ مگر جب ضعف اور بھی بڑھ گیا اور دوسروں کے سہارے بھی چلنا مشکل ہو گیا تو اپنے صاحبزادہ میاں عبدالحی صاحب کے مکان میں درس دیتے رہے اور آپ کی ہمیشہ یہ خواہش رہتی تھی کہ اپنے آقا و مطاع آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق کھڑے ہو کر درس دیا جائے مگر آخری دو تین ہفتے جب اُٹھنے بیٹھنے کی طاقت نہ رہی اور ڈاکٹروں نے

---

[۱] الفضل ۱۱ فروری ۱۹۱۴ء

درس بند کر دینے کا مشورہ دیا تو فرمایا کہ قرآن کریم میری رُوح کی غذا ہے۔ اس کے بغیر میرا زندہ رہنا محال ہے لہٰذا درس میں کسی حالت میں بھی بند نہیں کر سکتا۔ غالباً انہی ایام کا ذکر کرتے ہوئے "الفضل" لکھتا ہے۔

"ضعف کا یہ حال ہے کہ بغیر سہارے کے بیٹھنا تو درکنار سر کو بھی خود نہیں تھام سکتے۔ اس حالت میں ایک دن فرمایا کہ بول تو میں سکتا ہوں خدا کے سامنے کیا جواب دوں گا۔ درس کا انتظام کرو کہ میں قرآن مجید سُنا دوں" لے

لاہور سے انگریز ڈاکٹر کا بلوایا جانا

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ فرماتے ہیں:۔

"ابتدا میں (آپ کو) صرف پسلی کے درد کی تکلیف اور گاہے گاہے ہلکی حرارت اور قے وغیرہ کی شکایت تھی جو آہستہ آہستہ سل کی صورت اختیار کر گئی اور اس بیماری نے اس قدر زور پکڑ لیا کہ پھر اس کے بعد آپ بستر سے نہ اُٹھ سکے۔" لے۲

جب ضعف بہت ترقی کر گیا۔ آواز بھی نحیف ہو گئی اور غذا بھی برائے نام رہ گئی تو ۱۴ر فروری ۱۹۱۴ء کو حضرت بھائی عبد الرحیم صاحب قادیانیؓ لاہور بھجوائے گئے تا احباب لاہور کے مشورہ سے کسی ماہر انگریز ڈاکٹر کو بُلا لائیں چنانچہ ڈاکٹر ملول صاحب لے جائے گئے۔ ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب بھی ساتھ تھے۔ انگریز ڈاکٹر نے کافی دیر تک معائنہ کرنے کے بعد کہا کہ پھیپھڑا ٹھیک ہے۔ نبض اچھی ہے۔ معدہ میں کچھ قصور ہے اور بڑھاپے کی وجہ سے اعصاب میں کمزوری۔ پھر ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب، ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب اور ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب سے مشورہ کیا اور وہی نسخہ تجویز کیا جو پہلے استعمال ہو رہا تھا۔ اور مقوی غذا بتائی۔ لے۳

محترم مولوی محمد یعقوب صاحب انچارج صیغہ زود نویسی ربوہ نے حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب کی طرف منسوب کر کے بیان فرمایا کہ انگریز حضور کا کافی دیر تک معائنہ کرتا رہا۔ جب وہ واپس چلا گیا تو حضرت خلیفہ اولؓ نے فرمایا کہ

"اس ڈاکٹر نے محض اپنی فیس وصول کرنے کے لئے میرے معائنہ پر اتنا وقت صرف کیا ہے ورنہ جو مرض مجھے ہے اس کی تشخیص تو اتنی آسان ہے کہ جب میں مطب میں بیٹھا ہوا کام کر رہا ہوتا ہوں۔ اور کوئی شخص باہر سے آکر مجھے کہتا ہے۔

لے الفضل ۱۸ر فروری ۱۹۱۴ء لے۲ "سلسلہ احمدیہ" صفحہ ۳۲۱-۳۲۲ لے۳ الفضل ۱۸ر فروری ۱۹۱۴ء صفحہ ۱

مولوی صاحب! سلام۔ تو مجھے آنکھ اُٹھا کر اسے دیکھنے کی بھی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔
بلکہ میں اس کی آواز سے ہی پہچان جاتا ہوں کہ اُسے یہ مرض ہے"

قرآن کریم کا ادب اور اس کے لئے غیرت

محترم قریشی ضیاء الدین صاحب ایڈووکیٹ نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ ایک طالب علم نے قرآن کریم پر دوات رکھ دی۔ آپ اس کی اس حرکت کو دیکھ کر سخت ناراض ہوئے اور فرمایا میاں! اگر تمہارے مُنہ پر کوئی شخص گوبر اُٹھا کر مار دے تو تمہیں کیسا بُرا لگے! قرآن کریم خدا تعالےٰ کا کلام ہے ہمیشہ اس کا ادب ملحوظ رکھا کرو۔ اور اس کے اُوپر کوئی چیز نہ رکھا کرو۔ سب سے بالا یہی کلام رہنا چاہیئے۔ وغیرہ وغیرہ بہت دیر تک نصیحت فرماتے رہے۔

قرآن مخدوم ہے خادم نہیں

مکرم میاں محمد عبد اللہ صاحب جلد ساز ربوہ فرماتے ہیں کہ "بعض لوگ قرآن مجید کے اندر اپنے خط وغیرہ رکھ لیتے ہیں حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ اس کو سخت ناپسند کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ قرآن مخدوم ہے خادم نہیں۔"

ایام مرض میں متانت و وقار

ایک اَور خوبی جو حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ میں نمایاں طور پر دیکھی گئی۔ وہ یہ تھی کہ لمبی اور تکلیف دہ بیماری کے ایام میں جبکہ بڑے بڑے مضبوط جسم، صابر اور جری کہلانے والوں کے حوصلے پست ہو جاتے ہیں اور وہ واہی تباہی بکنے لگتے ہیں بلکہ پیروں، فقیروں اور مشیخت کے مدعی گدی نشین بھی چڑچڑا پن کا شکار ہو جاتے ہیں کبھی بیوی پر خفا ہو رہے ہیں تو کبھی بچوں کو بُرا بھلا کہہ رہے ہیں۔ نوکروں پر الگ برس رہے ہیں بلکہ معالج ڈاکٹر صاحبان کو بھی معاف نہیں کرتے۔ سخت سڑیل مزاج ہو جاتے ہیں مگر آپ ہیں کہ سخت تکلیف کے باوجود بھی نہایت ہی متانت اور وقار سے لیٹے رہے اور جب بھی کسی نے مزاج پُرسی کی۔ تو ہمیشہ پہلے اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا اور پھر معالج ڈاکٹر صاحبان اور تیمار داروں کی تعریف کی اور کبھی کوئی شکوہ زبان پر نہ لائے اور جب بیماری سے ذرا افاقہ ہوا تو پھر وہی خندہ پیشانی، خوش مزاجی اور پیار کی باتیں جو کہ حالت صحت میں آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔

بلند حوصلگی اور ہمت

بلند حوصلگی اور ہمت کا یہ حال تھا کہ محترم مرزا خدا بخش صاحب مصنف

"عسلِ مصفیٰ" کا بیان ہے کہ

"ایک دفعہ . . . . وفات سے دو یا تین روز پہلے جبکہ ڈاکٹر صاحبان کھانا کھلانے کے لئے آئے اور ڈاکٹر صاحبان نے سخت ضعف محسوس کر کے عرض کیا کہ لیٹے لیٹے شوربا پی لیں تو آپ نے کہا کہ مجھے اُٹھا کر بٹھاؤ۔ چنانچہ آپ کو حسب معمول بٹھایا گیا اور خاکسار گاؤ تکیہ آپ کی پیٹھ کے ساتھ لگا کر خود سہارا دیکر پیچھے بیٹھ گیا تو آپ نے ڈاکٹروں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ علاج سے کچھ طاقت پیدا نہیں ہوئی اور میں بیٹھ نہیں سکتا مگر میں اس واسطے بیٹھنے کی کوشش کرتا ہوں کہ تمہاری طرف سے مایوسی نہ ہو جائے۔"[1]

کس قدر بلند ہمتی اور وسیع الاخلاقی ہے کہ ایسی نازک حالت میں بھی ہمت نہیں ہاری لیکن ڈاکٹروں کو امید دلا رہے ہیں کہ کہیں گھبراہٹ اور مایوسی کا شکار نہ ہو جانا میں خدا تعالیٰ کے فضل سے گھبرانے والا نہیں ہوں۔

ڈاکٹر مرزا یعقوب صاحب کا حضور سے اخلاص

۱۹ر فروری ۱۹۱۴ء کو ۱۰ بجے کے قریب حضور نے ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب سے فرمایا کہ آپ نے بہت تکلیف کی ہے اور آپ کا بہت نقصان ہوا ہے۔ آپ کمانے والے آدمی ہیں۔ مرزا یعقوب بیگ صاحب نے عرض کی کہ آپ کی خدمت سے زیادہ اَور کیا کام ہو سکتا ہے۔ ہم نے کمایا ہے اور انشاء اللہ کمائیں گے مگر حضور کی خدمت کا موقعہ کہاں مل سکتا ہے؟

یہ امر خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ جناب ڈاکٹر مرزا یعقوب صاحب متواتر پندرہ دن حضور کے علاج کے لئے دارالامان میں تشریف فرما رہے۔ حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب اور ان دونوں کا علاج جاری رہا۔

بیماری کے دوران میں آپ کے تین الہام

فروری کے آخر اور مارچ کے شروع میں حضور کی طبیعت بدستور علیل رہی۔ حرارت بھی ہو جاتی تھی اور رات کے وقت کھانسی کی تکلیف بھی ہو جاتی تھی۔ ان ایام میں حضور کو تین الہام ہوئے۔

۱۔ انّ الّذی فرض علیك القرآن لرادّك الیٰ معاد۔

۲۔ الحمّیٰ من نار جھنّم فاطفوھا بالماء

۳۔ بتایا گیا کہ اکثر بیماریوں کا علاج ہوا۔ پانی اور آگ سے اور دردوں کا آگ اور پانی سے۔

پھر فرمایا۔ بہت حکمتیں کھلی ہیں۔ انشاء اللہ طبیعت بحال ہونے پر بتاؤں گا۔

---

[1] عسلِ مصفیٰ حصہ دوم صفحہ ۷۳۱۔

فتنہ زا ٹریکٹوں کا خیال آنے پر حضور کا اہلِ لاہور سے اظہار بیزاری۔ ۲۱؍ فروری ۱۹۱۴ء

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب ایڈیٹر الحکم لکھتے ہیں:-

"۲۱؍ فروری ۱۹۱۴ء کو ۱۰ بجے صبح . . . مفتی (محمد صادق) صاحب نے "بدر" کے لئے ایک ضروری تحریک کی۔ آپ نے اسے پسند فرمایا اور چند احباب کا نام لیا کہ وہ اس کارِ خیر میں شریک ہوں ۔ ۔ ۔ ۔

اسی سلسلہ میں مفتی صاحب نے لاہور کا ذکر کیا۔ اس سے حضرت کو ان فتنہ زا ٹریکٹوں کا خیال آگیا جن کے ذریعہ آدم کے دشمنوں نے آدم ثانی کی نسل کی ایڑی کو کاٹنا چاہا تھا۔ اس پر حضرت نے نہایت رنج کا اظہار فرمایا۔ . . . اور نہایت برہم ہو کر فرمایا میں تو لاہور کو جانتا نہیں۔ وہ ایسا قصبہ ہے کہ جہاں سے مجھ کو ایسے بڑھاپے میں اس قدر تکلیف پہنچی ہے۔ اس ٹریکٹ کی یاد نے حضرت کو بہت دُکھ دیا اور آپ نے از بس بیزاری کا اظہار کیا۔ آپ کی آنکھیں پُرآب اور آواز میں رنج کے جذبات تھے۔ فرمایا۔ میرا دل بہت جلایا گیا۔ میں اس وقت بوڑھا ہوں۔ کیا یہ مجھ کو دُکھ دینے اور تکلیف دینے کا وقت تھا؟ یہ تو مجھ سے محبت کرنے کا وقت تھا۔ مجھے اس وقت راضی کرنا چاہیئے تھا۔ فرمایا۔ میری دعاؤں کو اللہ تعالیٰ سُنتا ہے اور میں خوب جانتا ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ میری دعائیں وہ سنتا اور قبول کرتا ہے۔ فرمایا۔ میں اس وقت رویا ہوں۔ اگر میری غضب کی آنکھ ہوتی تو کھا جاتی۔"[1]

تبدیلیٔ آب و ہوا کی تجویز ۲۶؍ فروری ۱۹۱۴ء

جب حضور کی طبیعت متواتر خراب رہنے لگی تو ڈاکٹروں نے یہ تجویز کی کہ حضور کو اس مکان سے تبدیل کر کے باہر کسی کھلی جگہ میں رکھنا چاہیئے جناب مولوی محمد علی صاحب مرحوم اور جناب مولوی صدرالدین صاحب نے اپنے دیگر دوستوں کے مشورہ سے یہ فیصلہ کیا کہ حضور کو ہائی سکول کے بورڈنگ کی اوپر کی جنوبی منزل میں لے جایا جائے اس کے درمیانی کمرہ میں ایک دیوار تھی۔ اسے بھی نکال دیا گیا۔ اوپر جانے کے لئے چونکہ سیڑھیاں گول تھیں اور حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ بیٹھنے کے قابل بھی نہیں تھے۔ اس مشکل کو حل کرنے کے لئے انہوں نے ڈائننگ ہال کی میزوں کو اوپر نیچے رکھ کر ایک اڈہ سا بنایا تاکہ چارپائی پر اُٹھا کر ان میزوں کے اڈہ پر چار چار آدمی آپ کی چارپائی کو اُوپر پہنچائیں۔ اوّل تو اس طرح اوپر پہنچانا مناسب نہیں تھا کیونکہ اگر خدانخواستہ کسی

---

[1] الحکم ۲۸؍ فروری ۱۹۱۴ء صفحہ ۶، ۷

شخص کا ہاتھ پھسل جاتا۔ تو حضور کے نیچے گرنے کا خطرہ تھا۔

دوسرے وہ جگہ بھی مناسب نہیں تھی کیونکہ اس جگہ کھانے پینے کا انتظام نہیں تھا۔

تیسرے ارباب اقتدار یہ چاہتے تھے کہ دروازے پر سخت قسم کا پہرہ لگا دیا جائے تا عوام الناس میں سے کوئی شخص حضور کی زیارت نہ کرسکے۔ پھر وہ جگہ بھی تنگ تھی اور حضور کو باہر کھلی ہوا میں نکالنے کی کوئی صورت نہ تھی۔

حضور کے گھر میں چونکہ کھانے کا مناسب انتظام نہیں ہوسکتا تھا۔ اس لئے کھانا حضرت نواب محمد علیخاں صاحبؓ کے ہاں سے تیار ہوکر جایا کرتا تھا۔ اس لئے مناسب یہی تھا کہ حضور کو حضرت نواب صاحب کی کوٹھی ہی پر پہنچایا جائے۔ بورڈنگ ہاؤس کی بالائی منزل کے ایک کمرہ میں حضور کو بند کر دینے کے معنی سوائے اس کے اور کچھ نہیں تھے کہ حضور اور حضور کے لواحقین کو سخت تکلیف پہنچے اور جملہ احمدیوں کو اپنے امام کی زیارت سے بھی یکسر محروم کر دیا جائے۔

حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ کا بیان ہے کہ

"کھانے کا انتظام تو پہلے ہی حضرت نواب صاحب کے گھر میں ہوچکا تھا۔ رہائش کے لئے میں نے اور میاں عبداللہ خاں صاحب نے مشورہ کیا کہ نواب صاحب کو تاکید کی جائے کہ وہ حضرت خلیفہ اولؓ کو دعوت دیں کہ آپ کی کوٹھی پر تشریف لے جائیں۔ وہ کھلی جگہ تھی۔ باغ تھا۔ چارپائی اندر اور باہر حسب ضرورت نکالی جاسکتی تھی۔ اور ایسے لوگوں کا وہاں ساتھ تھا جن سے آپ کی طبیعت بہل سکتی تھی۔ اس امر کو حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے بڑی خوشی سے منظور کر لیا اور اس خبر کے سننے سے آپ کی طبیعت میں نشاط پیدا ہوگئی۔ جس وقت حضرت خلیفہ اولؓ کو لیجانے کا سوال پیدا ہوا۔ اُسوقت دو مست اکٹھے ہوگئے میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ گھر سے چلنے کے بعد پہلی دفعہ چارپائی بورڈنگ کے سامنے (جہاں میزوں کا اڈہ بنا ہوا تھا) روکی گئی۔ مجھے اس بات کا یقینی پتہ لگا کہ ان لوگوں کی رائے تھی کہ اس آخری وقت میں چارپائی روک کر کسی ترکیب سے حضرت خلیفہ اولؓ کو اس جگہ یعنی بورڈنگ میں رکھ لیا جائے۔ جس وقت چارپائی وہاں ٹھہری جہاں اس کے ٹھہرانے کی وجہ کوئی نہیں تھی کیونکہ قادیان سے لیکر بورڈنگ تک ایک

لمبا فاصلہ تھا اور اس کے بعد تقریباً ۱۵ گز پر نواب صاحب کی کوٹھی رہ جاتی تھی جب چارپائی وہاں رو کی گئی۔ تو حضرت خلیفہ اول نے نظر اٹھا کر دیکھا اور حسرت سے فرمایا (میں یہ الفاظ سن رہا تھا) کہ "ہیں یہ اس جگہ مجھے لا رہے ہیں؟" اس فقرہ سے میں نے آپ کی طبیعت میں سخت رکاوٹ محسوس کی۔ اس وقت میں چارپائی کے ساتھ ہی کھڑا تھا۔ میں نے فوراً حضرت خلیفہ اولؓ کو اونچی آواز سے کہا کہ "حضور یہ صرف چلنے والوں کو آرام دینے کے لئے کیا ہے ورنہ ویسے آپ نواب صاحب کی کوٹھی پر ہی جا رہے ہیں۔ یہ میری بات سنکر حضرت خلیفہ اولؓ کو اطمینان ہو گیا اور پھر ہم چارپائی لیکر آگے چل پڑے۔ میرا اونچی آواز سے بولنے کا مقصد یہی تھا کہ اگر کسی کا خفیہ ارادہ ہو کہ آپ کو بورڈنگ میں لے جایا جائے تو وہ بھی دب جائے چنانچہ میں نے محسوس کیا کہ وہ دب گیا۔ میرے کہنے کے بعد کسی اور کو اس کی تردید کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

اس کے بعد حضرت خلیفہ اولؓ بڑے آرام سے نواب صاحب کی کوٹھی پہنچ گئے اور کوٹھی کے باہر کے شمالی کمرہ میں آپ کو رکھا گیا۔ باقی بیرونی سارے کمرے مہمانوں کے لئے خالی کرا دیئے گئے۔ کافی جگہ تھی جس سے سب لوگوں کو آرام اور سکون ملا۔ نواب صاحب کے گھر سے صرف حضرت خلیفہ اول کے لئے ہی نہیں بلکہ باقی سارے خاندان اور سارے مہمانوں کے لئے کھانا پک کر آتا رہا اور آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوئی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی بھی اکثر اوقات وہیں رہتے تھے۔ اسی مکان میں حضرت حضرت خلیفہ اول نے وصیت فرمائی کہ آپ کے بعد ان کا ایک جانشین ہو۔ اور جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے۔ یہ وصیت مولوی محمد علی صاحب مرحوم سے پڑھوائی گئی تھی خلیفہ اولؓ کو چونکہ اس بات کا علم تھا کہ یہ لوگ خلافت کے مخالف ہیں۔ اس لئے اونچی آواز سے ان سے وصیت پڑھوائی تاکہ انہیں کوئی بہانہ بعد میں ہاتھ نہ آئے۔ لیکن بہانہ کرنے والوں نے بہانہ کیا . . . . .

حضرت خلیفہ اولؓ کی وفات جمعہ کے روز ہوئی۔ ہم لوگ جمعہ پڑھنے کے لئے آئے ہوئے تھے۔ میں جمعہ کے بعد جلدی جلدی چل پڑا کہ حضرت خلیفہ اولؓ کی طبیعت

معلوم کروں۔ میں اس وقت اس گلی میں سے گذر رہا تھا جو اخی المکرم مرزا بشیر احمد صاحب کے مکان سے اور بعد میں بنے ہوئے قصر خلافت کے ساتھ سے گذرتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی دائیں جانب ایک سکھوں کا مکان ہے جب میں یہاں سے گذر کر سکھوں کے مکان کے مقابل پہنچا ہوں تو ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور اس نے اطلاع دی کہ حضرت خلیفہ اول رضؓ وفات پا گئے ہیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ میں نے اس وقت بغیر کچھ سوچنے کے تیزی کے ساتھ بھاگنا شروع کیا۔ لیکن میں نے دو قدم ہی اُٹھائے تھے کہ مجھے خیال آیا کہ حضرت خلیفہ اول رضؓ تو وفات پا چکے ہیں۔ بھاگنے سے کیا فائدہ جماعت کے حالات بہت منتشر حالت میں ہو گئے ہیں۔ میں تیسرے قدم پر کھڑا ہو گیا۔ اور بڑے الحاح کے ساتھ خدا تعالیٰ کے حضور دعا کی کہ "الٰہی خلیفہ اول رضؓ تو فوت ہو گئے ہیں۔ اب جماعت کو فتنوں سے محفوظ رکھنا" میں کافی عرصہ تک ہاتھ اُٹھا کر یہ دعا مانگتا رہا۔ اور پھر آہستہ آہستہ شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کی گلی میں سے ہو کر نواب صاحب کے مکان کی طرف چل پڑا۔ اس دعا کے نتیجے میں خدا تعالیٰ نے مجھے اور ہمارے سب خاندان کو ہر قسم کے فتنوں سے محفوظ رکھا حتی کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا انتخاب ہو گیا۔" [۱]

یاد رہے کہ حضرت مرزا شریف احمد صاحب رضؓ کے اس بیان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بورڈنگ ہاؤس کے پاس حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضؓ کی چارپائی عمداً روکی گئی تھی۔ لیکن جب ہم اس زمانہ کے اخبارات کا مطالعہ کرتے ہیں تو "الفضل" میں یہ لکھا پاتے ہیں۔

"بعض دوستوں کی رائے کے مطابق دارالعلوم کے بورڈنگ ہاؤس کی بالائی منزل خالی کرائی گئی۔ اس کے درمیانی کمرے میں ایک دیوار کھڑی کی گئی تھی۔ اسے نکال دیا گیا۔ اوپر چڑھانے کے واسطے میزوں کی سیڑھی بنائی گئی لیکن بعد از نماز جمعہ نواب محمد علیخاں صاحب کی مکرر درخواست کی بنا پر حضور کو نواب صاحب کی کوٹھی (دارالسلام) میں پہنچایا گیا۔ راہ میں بورڈرز صف بستہ کھڑے عرض کر رہے تھے۔ السلام علیک یا امیرالمومنین! حضور نے ڈولی ٹھہرانے کا حکم دیا۔ ان کے لئے باچشم پُر آب . . . . دعا کی اور مولوی محمد علی صاحب کو فرمایا۔ انہیں نصیحت کر دینا۔ آپ کے اہل و عیال بھی آپ کے ساتھ ہیں

---

[۱] الفضل ۳ر اگست ۱۹۵۶ء نمبر ۱۸۰ صفحہ ۳۔

وہاں کا منظر آپ کو پسند ہے۔ دو راتیں یعنی اتوار اور سوموار کی رات کو بے چینی بہت رہی۔ آج رات دو بجے تک بے آرامی تھی۔ میاں شریف احمد صاحب کو جو پسلی کے درد کے سبب آپ کو ٹکور کر رہے تھے۔ فرمایا کہ آپ کی مہربانی سے اب کچھ افاقہ ہے۔ اور پانچ بجے کے قریب آرام فرمایا۔ ٹمپریچر سوموار کی صبح کو ایک سو درجہ تھا اور منگل کی صبح ۹۷ تھا طبیعت میں کمزوری بہت ہے" [1]

ایڈیٹر صاحب "الفضل" کی اس رپورٹ سے ظاہر ہے کہ چارپائی عمداً نہیں روکی گئی تھی بلکہ بورڈرز کو دیکھ کر حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے خود "ڈولی ٹھہرانے کا حکم دیا۔ بظاہر ان دونوں حوالوں میں تطبیق دینا بہت مشکل ہے لیکن اگر بنظر تعمق دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مرزا شریف احمد صاحب کا بیان زیادہ وزنی ہے کیونکہ آپ ایک عینی شاہد کے طور پر فرماتے ہیں :-

"جب چارپائی وہاں روکی گئی تو حضرت خلیفہ اولؓ نے نظر اٹھا کر دیکھا اور حسرت سے فرمایا (میں یہ الفاظ سن رہا تھا) کہ "ہیں یہ اس جگہ مجھے لا رہے ہیں" اس فقرہ سے میں نے آپ کی طبیعت میں سخت رکاوٹ محسوس کی۔ اس وقت میں چارپائی کے ساتھ ہی کھڑا تھا میں نے فوراً حضرت خلیفہ اولؓ کو اونچی آواز سے کہا کہ "حضور یہ صرف چلنے والوں کو آرام دینے کے لئے کیا ہے ورنہ ویسے آپ نواب صاحب کی کوٹھی پر ہی جا رہے ہیں۔ میری یہ بات سنکر حضرت خلیفہ اول کو اطمینان ہو گیا اور پھر ہم چارپائی لے کر آگے چل پڑے۔"

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ الفضل کے رپورٹر نے اپنے قیاس سے رپورٹ لکھی ہے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب جو ان ایام میں ایڈیٹر الفضل تھے۔ آپ تو جمعرات کو بہمراہی حضرت حافظ روشن علی صاحب اور حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب حلالپوری وزیرآباد کی مسجد کے افتتاح کے لئے تشریف لے گئے ہوئے تھے۔ پیچھے آپ کے قائمقام یقیناً اتنے ذمہ دار نہیں ہو سکتے جتنے حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب تھے۔ اور وہ اپنا چشم دید واقعہ بھی بیان نہیں کر رہے۔ رپورٹ درج کر رہے ہیں جو ہو سکتا ہے انہوں نے خود مرتب کی ہو یا یہ بھی ممکن ہے اخبار کے کسی رپورٹر نے لکھ کر دی ہو۔ بہرحال اسے حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ ایسے عینی شاہد کے بیان کے مقابلہ میں ترجیح نہیں دی جا سکتی۔

الفضل کی رپورٹ سے اس امر کا تو یقینی طور پر پتہ چل جاتا ہے کہ حضرت نواب محمد علیخاں صاحب کی

---

[1] الفضل جلد ۱ نمبر ۳۸ صفحہ ۱ پرچہ ۸ مارچ ۱۹۱۴ء۔

درخواست کے باوجود بعض ذمہ دار لوگ یہ چاہتے تھے کہ حضور کو نواب صاحب کی کوٹھی پر نہ لے جایا جائے۔ بلکہ بورڈنگ ہاؤس میں ہی رکھا جائے۔ تبھی تو حضرت نواب صاحب کو "مکرر درخواست" کرنا پڑی کہ حضور ان کی کوٹھی دارالسلام میں تشریف لے چلیں۔ جسے حضور نے منظور فرمالیا۔ اس لئے بالکل ممکن ہے کہ بورڈنگ ہاؤس کے سامنے پہنچ کر انہوں نے ایک مرتبہ اپنی خواہش کو پورا کرنے کی مزید کوشش کی ہو اور چارپائی کو نیچے*

پیدائش صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب
۲۸ فروری ۱۹۱۳ء

۲۸ فروری ۱۹۱۳ء کو حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام "مظفر احمد" رکھا گیا۔

فالحمد للہ علی ذٰلک

اشتراک اور امتیاز دونوں کا قائم رکھنا ضروری ہے شروع مارچ ۱۹۱۴ء

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب کا بیان ہے کہ

" ہمارے محترم بھائی ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کے ایک سوال پر حضرت خلیفۃ المسیح نے محمڈن یونیورسٹی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا

" اشتراک کا ہم نے فیصلہ کر دیا ہے۔ مشترک امور میں مل کر کام کرنا ضرور ہے مگر امتیاز قائم رکھنا بھی ضروری ہے۔ اس کے لئے چار وجوہ ہیں۔

۱۔ امتیاز ترقی کا موجب ہوتا ہے۔ امتیاز نہ رہے تو قوم گھُل مل کر تباہ ہو جاتی ہے۔

۲۔ اگر کسی کے ماں باپ یا زمین کا مقدمہ کسی امام مسجد کے ساتھ ہو تو لوگوں کا دستور ہے کہ اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ پس جب ہمارے مامور من اللہ کو یہ لوگ جھوٹا سمجھتے ہیں تو ہماری غیرت کس طرح برداشت کر سکتی ہے کہ اُن کو اپنا امام صلوٰۃ بنالیں۔

۳۔ جب تک تمیز نہ ہو نہ امر بالمعروف رہتا ہے نہ نہی عن المنکر۔ تمہارے لیکچروں کی عزت بھی احمدی نام سے ہی ہوتی ہے۔

۴۔ خود نام رکھنا بھی ترقی کا موجب ہوتا ہے۔

جب کوئی قوم ممتاز ہوتی ہے تو قوم اس کی مخالفت کرتی ہے۔ پھر جوں جوں مخالفت ہوتی ہے اس امتیاز بننے والے کو سعی اور دُعا کا موقعہ ملتا ہے۔ یاد رکھو جبتک مشکلات پیش نہ آویں۔ دعا اور کوشش کا موقعہ نہ ملے ترقی نہیں ہو سکتی۔ سعی،

* رکھ دیا ہو جس سے پروفیسر صاحب نے یہ نتیجہ نکالا ہو کہ حضور کے ارادے اور ارشاد کے بغیر یہ بھلا کیونکر رک سکتے تھے یقیناً حضور نے ہی فرمایا ہوگا اور بورڈروں کا صف بستہ کھڑے ہو کر السلام علیکم یا امیر المومنین کہنا اور کھڑی اس کے اس قیاس میں ممد ہو سکتا تھا۔ بہرحال یہ خاکسار کی دیانتدارانہ رائے ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کوشش۔جہاد۔ دعا کے لئے مشکلات ضرور ہیں۔ صلح کل میں نہیں ہو سکتا۔" [1]

آپ کی آخری وصیت ۴ر مارچ ۱۹۱۴ء

اب چونکہ آپ کی طبیعت دن بدن مضمحل ہو رہی تھی اس لئے آپ نے ۴ر مارچ ۱۹۱۴ء کو عصر کے قریب لیٹے لیٹے ایک وصیت تحریر فرمائی جو قلم کی خرابی کی وجہ سے اچھی طرح لکھی نہ گئی تو حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب کو اَور قلم لانے کا حکم دیا چنانچہ مولوی صاحب نے دیسی قلم پیش کیا تو آپ نے پوری وصیت لکھی۔ اور اس وصیت پر خود بھی دستخط کئے اور معتمدین صدر انجمن نے بھی۔ گو اس وصیت کا ذکر پیچھے کئی جگہ مجملاً آچکا ہے مگر وصیت کے الفاظ کہیں درج نہیں ہوئے لہٰذا اس جگہ وصیت کے الفاظ درج کئے جاتے ہیں۔

" بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　　　نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

خاکسار بقائمی حواس لکھتا ہے۔ لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ۔

میرے بچے چھوٹے ہیں۔ ہمارے گھر میں مال نہیں۔ ان کا اللہ حافظ ہے ان کی پرورش یتامیٰ و مساکین فنڈ سے نہیں۔ کچھ قرض حسنہ جمع کیا جائے۔ لائق لڑکے ادا کریں یا کتب جائداد وقف علی الاولاد ہو۔ میرا جانشین متقی ہو۔ ہر دلعزیز، عالم باعمل، حضرت صاحب کے پرانے اور نئے احباب سے سلوک چشم پوشی درگذر کو کام میں لاوے۔ میں سب کا خیر خواہ تھا وہ بھی خیر خواہ رہے۔ قرآن و حدیث کا درس جاری رہے۔ والسلام۔ نورالدین۔ ۴ر مارچ ۱۹۱۴ء۔"

جب آپ وصیت لکھ چکے تو جناب مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے کو جو پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے، ارشاد فرمایا کہ اسے پڑھ کر لوگوں کو سنا دیں۔ پھر دوبارہ اور سہ بارہ پڑھوائی اور پھر دریافت فرمایا کہ کیا کوئی بات رہ تو نہیں گئی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:۔

" مولوی محمد علی صاحب۔ جو اپنے دل میں خلافت کے مٹانے کی فکر میں تھے اور تدابیر سوچ رہے تھے۔ اس وصیت کو پڑھ کر حیران رہ گئے اور اس وقت ہر شخص ان کے چہرہ پر ایک عجیب قسم کی مُردنی اور غصہ دیکھ رہا تھا جو حضرت خلیفہ اوّلؓ کے وصیت لکھوانے کے باعث نہ تھا بلکہ اپنی سب کوششوں پر پانی پھرتا ہوا دیکھنے کا نتیجہ تھا مگر حضرت

---

[1] الحکم پرچہ ۷ر مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ۳۔

خلیفۂ اولؓ کا رُعب اُن کو کچھ بولنے نہ دیتا تھا۔ باوجود مخالف خیالات کے انہوں نے اس وقت یہی لفظ کہے کہ بالکل درست ہے مگر آئندہ واقعات بتائیں گے کہ کسی مرید نے، کسی خادم نے، کسی اظہار عقیدت کرنے والے نے اپنے پیر اور اپنے آقا اور اپنے شیخ سے عین اس وقت جبکہ وہ بستر مرگ پر لیٹا ہوا تھا، اس سے بڑھ کر دھوکہ اور فریب نہیں کیا جو مولوی محمد علی صاحب نے کیا۔" [1]

اختلافی مسائل کا چرچا

آپ فرماتے ہیں:۔

"حضرت خلیفۃ المسیحؓ کی بیماری کی وجہ سے چونکہ نگرانی اُٹھ گئی تھی اور کوئی پوچھنے والا نہ تھا۔ اختلافی مسائل پر گفتگو بہت بڑھ گئی اور جس جگہ دیکھو۔ یہی چرچا رہنے لگا۔ اس حالت کو دیکھ کر میں نے ایک اشتہار لکھا جس کا یہ مضمون تھا کہ جس وقت کہ حضرت خلیفۂ اولؓ تندرست تھے۔ اختلافی مسائل میں ہماری بحثوں کا کچھ حرج نہ تھا کیونکہ اگر بات حد سے بڑھے یا فتنہ کا اندیشہ ہو تو روکنے والا موجود تھا۔ لیکن اب جبکہ حضرت خلیفہ اولؓ بیمار ہیں اور سخت بیمار ہیں مناسب نہیں کہ اس طرح بحثیں کریں۔ اس کا انجام فتنہ ہوگا۔ اس لئے اختلافی مسائل پر اس وقت تک کہ اللہ تعالیٰ خلیفۃ المسیح کو شفا عطا فرمائے اور آپ خود ان بحثوں کی نگرانی کر سکیں، نہ کوئی تحریر لکھی جائے اور نہ زبانی گفتگو کی جائے تاکہ جماعت میں فتنہ نہ ہو۔ یہ اشتہار لکھ کر میں نے مولوی محمد علی صاحب کے پاس بھیجا کہ آپ بھی اس پر دستخط کر دیں تاکہ ہر قسم کے خیالات کے لوگوں پر اس کا اثر ہو اور فتنہ سے جماعت محفوظ ہو جائے مولوی محمد علی صاحب نے اس کا یہ جواب دیا کہ چونکہ جماعت میں جو کچھ اختلاف ہے اس سے عام طور پر لوگ واقف نہیں۔ ایسا اشتہار ٹھیک نہیں۔ اس سے دشمنوں کو واقفیت حاصل ہوگی اور ہنسی کا موقعہ ملیگا۔ بہتر ہے کہ قادیان کے لوگوں کو جمع کیا جاوے اور اس میں آپ بھی اور میں بھی تقریریں کریں اور لوگوں کو سمجھائیں کہ اختلافی مسائل پر گفتگو ترک کر دیں۔ گو میں حیران تھا کہ اظہار الحق نامی ٹریکٹوں کی اشاعت کے بعد لوگوں کا اختلاف سے ناواقف ہونا کیا معنے رکھتا ہے؟ مگر میں نے مولوی صاحب کی اس بات کو قبول کر لیا۔ میں اس وقت نہیں جانتا تھا کہ یہ بھی ایک دھوکہ ہے جو مجھ سے کیا گیا ہے لیکن بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ مولوی محمد علی صاحب نے اپنے مدعا کے پورا کرنے کے لئے کسی فریب اور دھوکہ سے بھی پرہیز نہیں کیا اور اس اشتہار پر دستخط کرنے سے انکار کی وجہ

---

[1] اختلافات سلسلہ کی تاریخ کے صحیح حالات صفحہ ۱۰۰

یہ نہ تھی کہ عام طور پر معلوم ہو جاوے گا کہ جماعت میں کچھ اختلاف ہے بلکہ ان کی غرض کچھ اور تھی"

آپ کی بیماری کے ایام میں ایک خاص اجتماع

قادیان کے لوگ مسجد نور میں جو سکول کی مسجد ہے اور خان محمد علیخان صاحب رئیس مالیرکوٹلہ کی کوٹھی کے قریب ہے جہاں کہ ان دنوں حضرت خلیفۃ المسیح بیمار تھے۔ جمع ہوئے۔ اور میں اور مولوی محمد علی صاحب تقریر کرنے کے لئے وہاں گئے۔ مولوی محمد علی صاحب نے خواہش ظاہر کی کہ پہلے میں تقریر کروں اور میں بغیر کسی خیال کے تقریر کے لئے کھڑا ہو گیا اور اس میں مَیں نے وہی اشتہار کا مضمون دوسرے الفاظ میں لوگوں کو سُنا دیا اور اتفاق پر زور دیا۔ جب مولوی محمد علی صاحب کھڑے ہوئے تو انہوں نے بجائے اتفاق پر زور دینے کے پچھلے قصوں کو دوہرانا شروع کیا اور لوگوں کو ڈانٹنا شروع کیا کہ وہ خواجہ صاحب پر یا ان کے دوسرے ہم خیالوں پر کیوں حملہ کرتے ہیں؟ اور خوب زجر و توبیخ کی۔ لوگ میرے لحاظ سے بیٹھے رہے۔ ورنہ ممکن تھا کہ بجائے فساد کے رفع ہونے کے ایک نیا فساد کھڑا ہو جاتا اور اسی مجلس میں ایک نئی بحث چھڑ جاتی۔ آخر میں کچھ کلمات اتفاق کے متعلق بھی انہوں نے کہے مگر وہ بھی سخت لہجہ میں جس سے لوگوں میں زیادہ نفرت پیدا ہوئی اور افتراق میں ترقی ہوئی۔

جماعت کے اتحاد کی کوششیں

چونکہ حضرت خلیفۂ اولؓ کی طبیعت کچھ دنوں سے زیادہ علیل تھی اور لوگ نہایت افسوس کے ساتھ آنیوالے خطرہ کو دیکھ رہے تھے طبعاً ہر ایک شخص کے دل میں یہ خیال پیدا ہو رہا تھا کہ اب کیا ہوگا؟ میں تو برابر دعاؤں میں مشغول تھا اور دوسرے دوستوں کو دعاؤں کے لئے تاکید کرتا تھا۔ اس وقت اختلافی مسائل میرے سامنے نہ تھے بلکہ جماعت کا اتحاد مدنظر تھا اور اس کے زائل ہو جانے کا خوف میرے دل کو کھا رہا تھا۔ چنانچہ اس امر کے متعلق مختلف ذی اثر احمدیوں سے میں نے گفتگوئیں کیں۔ عام طور پر ان لوگوں کا جو خلافت کے مقر تھے اور نبوت مسیح موعود کے قائل تھے یہی خیال تھا کہ ایسے شخص کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی جا سکتی جس کے عقاید ان عقاید کے خلاف ہوں کیونکہ اس سے احمدیت کے مٹنے کا اندیشہ ہے۔ مگر

میں اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ اتحاد سب سے زیادہ ضروری ہے۔ شخصیتوں کے خیال سے اتحاد کو قربان نہیں کرنا چاہیئے۔ چنانچہ میں نے اپنے دوستوں کو خاص طور پر سمجھانا شروع کیا کہ خدانخواستہ حضرت خلیفۃ المسیح کی وفات پر اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو ہمیں خواہ وہ تھوڑے لوگ ہی ہیں ان میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لینی چاہیئے کیونکہ میں نے ان سے کہا کہ اگر کوئی ہمارا ہم عقیدہ شخص خلیفہ ہوا تو وہ لوگ اس کی بیعت نہیں کرینگے اور جماعت میں اختلاف پڑ جائے گا۔ اور جب میں ان میں سے کسی کی بیعت کر لونگا تو امید ہے کہ میرے اکثر احباب اس کی بیعت کر لیں گے اور فساد سے جماعت محفوظ رہے گی چنانچہ ایک دن عصر کے بعد جبکہ مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب جو ہماری جماعت کے سب سے بڑے علماء میں سے ایک ہیں۔ میرے ساتھ سیر کو گئے تو تمام سیر میں دو گھنٹے کے قریب ان سے اسی امر پر بحث ہوتی رہی اور آخر میں نے ان کو منوا لیا کہ ہمیں اس بات کے لئے پورے طور پر تیار ہونا چاہیئے کہ اگر اس بات پر اختلاف ہو کہ خلیفہ کس جماعت میں سے ہو تو ہم ان میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لیں" [1]

"رہا خصوصیات کا سوال۔ سو ان میں جبتک خلیفہ کوئی حکم نہ دے گا۔ ہمیں اجازت ہوگی کہ جس چیز کو ہم حق و صداقت یقین کرتے اور منشا شریعت سمجھتے ہیں قائم کرنے اور قائم رکھنے کی کوشش کریں۔ البتہ اگر خلیفہ کبھی حکم دے کہ ہمیں روک دے تو اس کا حکم ماننا اور فرمانبرداری کرنا ہمارے لئے ضروری ہوگا اور اس حال میں پھر سلسلہ کا خدا حافظ ہوگا۔ ہم خاموش رہیں گے" [2]

اپنی اہلیہ محترمہ کو حضور کی وصیت

وفات سے ایک دو روز پہلے حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے اپنی اہلیہ محترمہ کو ایک کاغذ پر کچھ لکھ کر دیا اور فرمایا کہ اسے پھر پڑھنا۔ دین و دنیا کے خزائن کی چابی ہے۔ آپ کی وفات کے بعد اُسے کھولا گیا تو اس میں لکھا تھا۔

۱۔ پانچ وقت نماز کی پابندی رہے۔

۲۔ شرک سے نفرت تامہ ہو

۳۔ جھوٹ، چوری، بدنظری، حرص و بخل، عدم استقلال، بزدلی، بیوجہ مخلوق

[1] "اختلافات سلسلہ کی تاریخ کے صحیح واقعات" صفحہ ۱۰۰ تا ۱۰۴ء

[2] "خلافت ثانیہ کا قیام" مصنفہ حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی صفحہ ۳۰

کا خوف تم میں نہ ہو بلکہ اس کی جگہ پابندی نماز، وحدۃ الٰہیہ، صداقت، عفت، غض بصر، ہمت بلند، شجاعت، استقلال میں اللہ کے فضل سے ترقی ہو۔ آمین۔" [1]

نوٹ:۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی زوجہ محترمہ "اماں جی" کے نام سے مشہور تھیں۔ آپ کی وفات ۶-۷ راگست ۱۹۵۵ء کی درمیانی شب ساڑھے بارہ بجے قریباً ۸۴ سال کی عمر میں ہوئی۔ ان کی وفات پر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے جو نوٹ لکھا اس میں حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کے مقام اور مرتبہ کا ذکر ہے۔ ذیل میں اسے درج کیا جاتا ہے:۔

"حضرت اماں جی کی قدر و منزلت کا سب سے بڑا پہلو یہ ہے کہ وہ حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ تھیں۔ حضرت خلیفہ اوّل کے اخلاق اور روحانی مقام کے بعض پہلو ایسے دلکش ہیں کہ ان کے تصور سے ہی انسان کے جسم و روح میں ایک خاص کیفیت پیدا ہونے لگتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور قرآن مجید کے ساتھ آپ کا غیر معمولی مقام عشق اور خدا کی ذات واحد پر غیر معمولی توکل اور پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اطاعت کا عدیم المثال جذبہ وہ بلند شان رکھتا ہے جس کے تصور سے میں نے بے شمار دفعہ خالص روحانی سرور حاصل کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت مولوی صاحب کو غیر معمولی محبت اور قدر سے دیکھتے تھے چنانچہ اُن کے متعلق حضور کا یہ شعر جماعت میں شائع و متعارف ہے کہ ؎

چہ خوش بودے اگر ہر یک ز امت نور دیں بودے
ہمیں بودے اگر ہر دل پُر از نور یقیں بودے

اور ایک دوسرے موقعہ پر حضور نے ان کے متعلق لکھا جس کے الفاظ غالباً کچھ اس طرح ہیں کہ حضرت مولوی صاحب کا قدم میری اطاعت میں اس طرح چلتا ہے جس طرح دل کی حرکت کے ساتھ نبض چلتی ہے۔ یہ ایک بہت بڑا مقام ہے۔ اور ایسے عظیم المرتبت انسان کی رفیقۂ حیات کی وفات حقیقتاً ایک قومی صدمہ ہے۔" [2]

---

[1] اخبار "نور" جلد ۵ نمبر ۲۵ پرچہ ۱۰ راپریل ۱۹۱۴ء
[2] اخبار "الفضل" پرچہ ۱۰ راگست ۱۹۵۵ء صفحہ ۲

حضرت پیر افتخار احمد صاحب فرماتے ہیں:۔

" حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کی اس بیماری میں جس میں حضور نے وفات پائی خاکسار خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ حضور کی دعائیں قبول فرماتا ہے۔ پس حضور کی صحت کے لئے حضور ہی سے دعا کے لئے عرض کروں۔ یہ سوچ کر میں نے عرض کی کہ حضور صوفیاء کا مقولہ ہے کہ حیاتِ صوفی غنیمت است ہم برائے خویش و ہم برائے دیگراں۔ میری یہ التجا ہے کہ حضور اپنی صحت کے لئے آپ ہی دعا کریں حضور نے میری عرض سُنکر فرمایا:۔

مجھے تو یہ آواز آتی ہے کلا بل تحبون العاجلۃ وتذرون الاٰخرۃ

(ہرگز نہیں بلکہ تم دنیا سے محبت کرتے ہو اور آخرت کو چھوڑتے ہو)[1]

حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی فرماتے ہیں۔

"حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کو جو عشق و محبت سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تھا۔ اطاعت و فرمانبرداری اور فنائیت کا جو مقام ان کو میسر تھا۔ اس سے بھی کہیں بڑھ کر حضرت محمود نے عشق و محبت، خدمت و فنائیت اور اطاعت و فرمانبرداری کا نمونہ قائم کر دکھایا۔

۱۳ مارچ ۱۹۱۴ء کی صبح کو آپ "دارالسلام" سے شہر آئے اور کچھ غیر معمولی فکر، تشویش اور پریشانی کے اثرات آپ کے چہرہ سے عیاں تھے۔ آپ جلد جلد اِدھر اُدھر آتے جاتے اور بعض ضروری کام سرانجام دیتے رہے۔ فراغت کے بعد فرمایا:۔

" بھائی جی! آپ لاہور جائیں۔

حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ کو کل سے لاہور بھیجا ہوا ہے وہ ابھی تک کستوری لیکر نہیں لوٹے۔ حضرت مولوی صاحب کی طبیعت بے حد کمزور ہے۔ کستوری کی ضرورت ہے۔ آپ جا کر لے آئیں"

میں نے عرض کیا۔ حضور! وقت اتنا تھوڑا ہے کہ کوئی یکہ گاڑی پر نہیں پہنچا سکے گا۔ اور نہ ہی دوڑ کر گاڑی کو پکڑا جائے گا۔ کوئی سائیکل ہو تو میں انشاء اللہ انتہائی کوشش کرونگا

---

[1] انعامات خداوند کریم صفحہ ۲۱۷۔

فرمایا "میں اپنا سائیکل لاتا ہوں۔ آپ تیار رہیں۔"

گھر جا کر جلد جلد خود سائیکل لائے۔ میں نے ہوا بھری اور خدا کا نام لیکر بٹالہ کو روانہ ہوا۔ سڑک ہماری اس زمانہ میں اتنی خراب، خستہ اور ریت سے اَٹی پڑی تھی کہ آجکل کی سڑک اس کے مقابل میں پختہ کہلانے کی مستحق ہے۔ میں نے پُورا زور لگایا اور ساری طاقت خرچ کی۔ باوجود ریت کی کثرت کے کہیں اُترا نہ ٹھہرا۔ اور چلاتا ہی چلا گیا۔ تب جا کر میں خدا خدا کر کے اسٹیشن پر پہنچا۔ گاڑی کھڑی تھی۔ حالت میری یہ تھی کہ سائیکل سے اُترا تو ٹانگیں میرے جسم کے بوجھ کی برداشت سے عاری اور نکمی ہو چکی تھیں۔ سائیکل پھینک، ہاتھ اور پاؤں کے بَل حیوانوں کی طرح سیڑھیوں پر چڑھا۔ ایک دوست سامنے نظر آئے۔ سائیکل ان کو سونپ گاڑی میں جا بیٹھا۔ لاہور پہنچکر مکرمی حکیم محمد حسین صاحب کے متعلق معلوم کیا تو پتہ لگا کہ رات وہ گاڑی سے رہ گئے تھے آج صبح کستوری لے کر قادیان چلے گئے ہیں۔ اس طرح واپسی کے لئے مجھے شام کی گاڑی کی انتظار کرنا پڑی۔" [۱]

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی وفات۔ ۱۳؍مارچ ۱۹۱۴ء

حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب ابھی لاہور ہی میں تھے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ قادیان میں وفات پا گئے فاناللہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"آخر وہ دن آگیا جس سے ہم ڈرتے تھے۔ ۱۳؍مارچ کو جمعہ کے دن صبح کے وقت حضرت خلیفہ اولؓ کو بہت ضعف معلوم ہونے لگا اور ڈاکٹروں نے لوگوں کا اندر جانا منع کر دیا۔ مگر پھر بھی عام طور پر لوگوں کا یہ خیال نہ تھا کہ وہ آنے والی مصیبت ایسی قریب ہے آپ کی بیماری کی وجہ سے آپ کی جگہ جمعہ بھی اور دیگر نمازیں بھی آپ کے حکم کے ماتحت میں پڑھایا کرتا تھا۔ چنانچہ جمعہ کی نماز پڑھانے کے لئے میں مسجد جامع گیا۔ نماز پڑھ کر تھوڑی دیر کے لئے میں گھر گیا اتنے میں ایک شخص خان محمد علی خان صاحب کا ملازم میرے پاس اُن کا پیغام لے کر آیا کہ وہ میرے انتظار میں ہیں اور ان کی گاڑی کھڑی ہے۔ چنانچہ میں ان کے ہمراہ گاڑی میں سوار ہو کر ان کے مکان کی طرف روانہ ہوا۔ ابھی ہم

---

[۱] خلافت ثانیہ کا قیام صفحہ ۲۴

راستہ میں تھے کہ ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور اس نے ہمیں اطلاع دی کہ حضرت خلیفۂ اولؓ فوت ہو گئے ہیں اور اس طرح میری ایک پُرانی رؤیا پوری ہوئی کہ میں گاڑی میں بیٹھا ہوا کہیں سے آرہا ہوں کہ راستے میں مجھے حضرت خلیفۃ المسیحؓ کی وفات کی خبر ملی ہے۔ یہ خبر اس وقت کے حالات کے ماتحت ایک نہایت ہی متوحش خبر تھی۔ حضرت خلیفۂ اولؓ کی وفات کا تو ہمیں صدمہ تھا ہی مگر اس سے بڑھ کر جماعت میں تفرقہ پڑ جانے کا خوف تھا۔"[1]

میاں عبدالحی صاحب کو نصیحت

"وفات سے پہلے آپ نے اپنے فرزند میاں عبدالحی کو بلایا اور فرمایا۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر میرا ایمان رہا اور اسی پر مرتا ہوں اور حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے سب اصحاب کو میں اچھا سمجھتا ہوں۔ اس کے بعد میں حضرت بخاری صاحب کی کتاب کو خدا تعالیٰ کی پسندیدہ سمجھتا ہوں **حضرت مرزا غلام احمد صاحب کو مسیح موعود اور خدا کا برگزیدہ انسان سمجھتا ہوں۔ مجھے ان سے اتنی محبت تھی کہ جتنی میں نے ان کی اولاد سے کی تم سے نہیں کی۔**[2] قوم کو خدا تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں اور مجھے پورا اطمینان ہے کہ وہ ضائع نہیں کرے۔ تم کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ خدا تعالےٰ کی کتاب کو پڑھنا۔ پڑھانا اور عمل کرنا۔ میں نے بہت کچھ دیکھا پر قرآن جیسی چیز نہ دیکھی بیشک یہ خدا تعالےٰ کی اپنی کتاب ہے۔ باقی خدا کے سپرد۔

اس کے بعد سب نماز جمعہ کے لئے (کوٹھی) دارالسلام سے مسجد اقصیٰ میں آئے اور چند خدام حضور کے پاس رہے۔ آپ نے نماز کے لئے تیمم کیا اور نماز پڑھی پھر حالت نزع طاری ہوئی اور نماز جمعہ کے بعد (وصال کی) خبر پہنچنے پر لوگ باہر کوٹھی پہنچے۔ اور زیارت کے بعد مسجد نور میں جمع ہو گئے۔[3] اسی وقت بیرونی جماعتوں کو بھی اطلاع کے لئے تاریں روانہ کر دی گئیں۔"

---

[1] "اختلافات سلسلہ کی صحیح تاریخ" صفحہ ۱۰۴-۱۰۵؎

[2] غالباً اسی نصیحت کا ذکر کرتے ہوئے محترم جناب ملک غلام فرید صاحب ایم۔ اے نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے اپنے صاحبزادہ میاں عبدالحی صاحب مرحوم کو فرمایا "میاں تم سے ہمیں بہت محبت ہے۔ لیکن حضرت صاحب کی اولاد ہمیں تم سے بھی زیادہ پیاری ہے" (الفضل پرچہ ۱۲ اگست ۱۹۳۷ء صفحہ ۵)

[3] اخبار "الفضل" پرچہ ۱۸ مارچ ۱۹۱۴ء؎

آہ! وہ شخص جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سب سے زیادہ مطیع، سب سے زیادہ پیارا، اور سب سے زیادہ جاں نثار تھا۔ جو آپ کے اشاروں پر چلنے والا تھا۔ جس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خاطر اپنی جان، اپنا مال، اپنی عزت اور اپنے جذبات تک کو قربان کرنے میں راحت محسوس کی۔ جس کی دینی اور دنیوی قابلیت کا دشمن بھی لوہا مانتے تھے۔ جو طبی دنیا میں بادشاہ مانا جاتا تھا۔ جس کے اپنوں اور غیروں پر بیشمار احسانات تھے۔ جس نے اپنے عہد خلافت سے قبل بھی اور اس کے دوران بھی جماعت کو قرآن سنانے میں وہ عمر گزاری کہ جس کی یاد آج بھی ہزاروں دلوں میں تازہ ہے۔ جس نے دینیات کے سینکڑوں عالم پیدا کئے۔ جس نے ان گنت انسانوں کے سینوں کو قرآنی علوم کے لازوال خزائن سے مالا مال کر دیا۔ جس کے لبوں پر علم و حکمت کے دریا بہتے تھے۔ جو فصاحت و بلاغت کا ایک وسیع سمندر تھا۔ جو چند لفظوں میں مشکل سے مشکل سوال اور بڑے سے بڑے اعتراض کو حل کر دینے میں ید طولیٰ رکھتا تھا۔ جس کے سامنے شدید سے شدید مخالف کو بھی دم مارنے کی گنجائش نہ ہوتی تھی۔ جس کی موجودگی بے چین و مضطرب رُوحوں کے لئے باعث تسکین و راحت تھی۔ جو ہم سب کے لئے اُس وقت جب ہم غفلت کی نیند سو رہے ہوتے تھے راتوں کی تاریک گھڑیوں میں ہماری فلاح و بہبود اور ہماری دینی و دنیوی مشکلات و مصائب کی نجات کی خاطر اپنے آقا و مولا ارحم الراحمین خدا کے حضور انتہائی سوز و گداز اور کرب و اضطراب سے سربسجود رہتا تھا۔ جس کے چشمۂ فیض سے سب ہی بلالحاظ مذہب و ملت سیراب ہوتے تھے۔ جس کے طبی کمالات سے آج بھی ملک کے نامور اطباء مستفید ہو رہے ہیں۔ کئی ہفتوں کی مسلسل علالت کے بعد ۱۳ مارچ سنہ ۱۹۱۴ء بروز جمعۃ المبارک سوا دو بجے بعد دوپہر بحالت نماز اپنے پیارے مولیٰ کو خود پیارا ہو گیا۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ کی حضرت ابوبکر صدیقؓ کیساتھ مماثلت

یہ عجیب مماثلت ہے کہ جس طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں اتنے ہی چھوٹے تھے جتنی مدت آپ نے خلافت کی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے برابر یعنی ترسیٹھ سال عمر پا کر آپ فوت ہوئے۔ اسی طرح حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اتنے ہی چھوٹے تھے جتنی مدت آپ نے حضور کے بعد خلافت کی اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے برابر یعنی ۷۴ سال عمر پا کر وفات پائی۔

ایسے مقدس اور متبرک انسان دنیا نے بہت ہی کم دیکھے ہیں۔ باوجود اس عظمت، رفعت اور شان کے آپ نے اپنے امام، مطاع اور آقا حضرت مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت و فرمانبرداری کا

کا وہ کامل نمونہ دکھایا جس کی مثال اس زمانہ میں ملنا محال ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ خود اطاعت و فرمانبرداری کو آپ کے پاک وجود پر ناز ہے۔ اور ہمارے ماں باپ قربان ہوں اس پاک و مقدس آقا پر بھی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) جو اس گوہر نایاب کا واقعی جوہری نکلا۔ اس نے بھی اس کی خوبیوں کو اس قدر سراہا کہ آج ہر احمدی آپ کی اس خوش بختی پر نازاں و فرحاں ہے۔ مسیح پاکؑ نے اس ایک شعر ہی میں آپ کے علوشان اور بلند مقام و مرتبہ کا حقیقی حُسن دنیا کے سامنے نمایاں کر دیا کہ ؎

چہ خوش بُودے اگر ہر یک زامت نورِ دیں بُودے
ہمیں بُودے اگر ہر دل پُر از نورِ یقیں بُودے

ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم۔ وایں سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ۔ نورالدین! تجھ پر لاکھوں سلام۔ خدا کے برگزیدہ مسیح موعود کے مقدس دربار سے یہ فخر، یہ عزت تجھے ہی عطا ہوئی۔ یہ پاکیزہ خلعت تیرے ہی نصیب میں تھی۔ یہ ابدی خطاب تجھے ہی بخشا گیا۔ اور لاریب کوئی دوسرا تیری اس فضیلت میں شریک نہیں!

سچ تو یہ ہے کہ حضرت مسیح پاک کو جو انصار دین ملے۔ ان میں آپ کا نمبر سب سے اول اور سب سے ممتاز نظر آتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بھی آپ کی خدمات کو نوازا۔ اور حضور کے وصال کے بعد آپ ہی کو خلافت اولیٰ کا اعزاز عطا فرمایا۔ اور کیوں نہ ہو: ع

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد

پھر اپنے زمانہ خلافت میں جو عظیم الشان کارہائے نمایاں سر انجام دیئے وہ آپ ہی کا حصہ تھا۔ آپ ہی کے زمانہ خلافت میں "خلافت اور انجمن" کا فتنہ اُٹھا۔ اور ان لوگوں نے اُٹھایا جو جماعت کے سرکردہ اور کرتا دھرتا کہلاتے تھے مگر جس رعب و جلال اور جرأت و ہمت کے ساتھ آپ نے اس فتنہ کا قلع قمع کیا اور خلافت کی عظمت کو قائم کیا اسے جماعت احمدیہ کی تاریخ میں ہمیشہ نمایاں مقام حاصل رہے گا۔

آپ کی وفات پر نمونہ صبر و استقامت

آپ کی وفات کے صدمہ عظیمہ پر خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام، خاندان حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ اور جماعت کے جملہ افراد نے صبر و استقامت کا بہت عمدہ نمونہ دکھایا۔ آپ کے وصال کی خبر سُنتے ہی سب لوگ دعاؤں میں لگ گئے اور اپنے مالک و خالق، ارحم الراحمین خدا کے حضور کسی متقی،

ہر دلعزیز اور عالم باعمل جانشین کے حصول کے لئے سوال مجسم بن گئے۔ رحمت باری جوش میں آئی۔ دلوں پر سکینت کا نزول شروع ہوا۔ خلافت کو جماعت میں سے سرے سے ہی مٹا دینے والوں کو اپنی سازشوں کا طلسم دھواں بنکر اڑتا نظر آنے لگا۔ مخلص مومنین کے قلوب پر رُوح القدس کا تسلط ہو رہا تھا۔ اور سعید رُوحیں کثرت سے کسی برگزیدہ خلیفہ کے ہاتھ پر جمع ہو جانے کے لئے بیتاب تھیں۔ دشمنان خلافت اپنے ناپاک عزائم کو ناکام ہوتے دیکھ کر سراسیمہ و پریشان ہو رہے تھے۔ جیسا کہ تفصیل سے آگے ذکر آ رہا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت اماں جی رضی اللہ عنہا اور صاحبزادی حضرت امۃ الحی مرحومہ اور آپ کے سب سے بڑے صاحبزادے میاں عبدالحی صاحب مرحوم جن کی عمر ہنوز پندرہ سال کی تھی۔ ان سب نے جس صبر و استقامت اور ہمت و اخلاص کا نمونہ دکھایا۔ وہ قابل رشک تھا۔

حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب کی تقریر

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ کے جسد مبارک کی زیارت کے بعد تمام لوگ مسجد نور میں جمع ہو گئے تھے۔ وہاں نماز عصر پڑھی گئی۔ اور بعد نماز عصر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے ایک تقریر کی جس میں کلمہ شہادت کے بعد فرمایا:۔

"اس وقت میں سب دوستوں کی خدمت میں چھوٹی سی عرض کرنی چاہتا ہوں۔ اور سچے دل سے نصیحت کرنی چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے منشا کے ماتحت حضرت خلیفۃ المسیح فوت ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن پر بڑے بڑے رحم فرمائے۔ اپنی برکتیں نازل کرے۔ اعلیٰ سے اعلیٰ مدارج پر انہیں ترقی دے۔ اور وہ انہیں ان کے حقیقی دوست، محب اور پیارے جن سے انہیں ساری عمر محبت رہی جن کی محبت بلا شبہ اُن کے رگ و ریشہ میں تھی۔ یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ان دونوں پیاروں کے ساتھ جگہ دے (مسجد آمین کی آواز سے گونج اٹھی)

اس وقت احمدی جماعت کے اُوپر بڑی ذمہ داری پڑ گئی ہے۔ یہ ذمہ داری ہر بچہ، جوان اور بوڑھے پر ہے۔ ساری جماعت ایک امتحان کے نیچے ہے۔ وہ جو اس امتحان میں کامیاب ہو گیا اور پاس ہو گیا خدا تعالیٰ کا پسندیدہ اور پیارا ہو گا اور جو اس امتحان میں فیل ہو گیا وہ خدا تعالیٰ کے حضور نیکو کاروں میں نہیں گنا جائے گا۔

ہم پر ایک ذمہ داری ہے، ایک بوجھ ہے، اس کو اُٹھانے اور اس ذمہ داری میں پاس ہونے کے لئے خوب تیاری کرنی چاہیئے۔ خوب یاد رکھو کہ کوئی کام کتنا ہی اعلیٰ سے اعلیٰ اور عمدہ سے عمدہ ہو لیکن اگر ارادہ بد ہو تو وہ خطرناک ہو جاتا ہے۔ دیکھو نماز کیسی اعلیٰ چیز ہے مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ویل للمصلین الذین ھم عن صلوٰتھم ساھون والذین ھم یراؤن۔ وہ نمازیں پڑھتے ہیں مگر اس نماز میں کوئی مغز اور حقیقت نہیں۔ لوگ دیکھتے ہیں کہ زید یا بکر نماز پڑھتا ہے لیکن چونکہ اس کی غرض اس نماز میں سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ وہ لوگوں کو دکھا رہا ہے اور ریا ہے۔ اس لئے جب اس میں ریا شامل ہو گیا تو وہ پاک اور قرب الٰہی کا ذریعہ ہونے کی بجائے لعنت کا موجب ہو جاتی ہے۔ مجھے یہ نکتہ قرآن مجید کے ابتدا میں خوب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں اس کے پڑھنے سے پہلے اعوذ پڑھنا چاہیئے پھر ہر سورۃ سے پہلے بسم اللہ ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد الحمد للہ رب العالمین شروع ہوتی ہے۔ پھر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد الم۔ ذٰلک الکتاب شروع ہوتا ہے۔

اب غور کرو کہ قرآن مجید پڑھنے سے پہلے اعوذ کا جو حکم دیا گیا اور ہر سورۃ سے پہلے بسم اللہ رکھی تو کیا نعوذ باللہ قرآن مجید میں کوئی شیطانی کام تھا اور شیطانی دخل تھا جو یہ تاکید فرمائی؟ اس میں شیطانی دخل نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جب تک نیک کام میں نیک ارادہ شامل نہ ہو تو وہ بُرا اور خطرناک ہو جاتا ہے۔ اس لئے ارادہ کی اصلاح اور پاکیزگی کے لئے یہ حکم دیا کہ قرآن مجید کے پڑھنے سے پہلے اعوذ پڑھو تاکہ اللہ تعالےٰ ہر قسم کے شیطانی وسوسوں سے محفوظ رکھے اور نیکی کی توفیق اللہ تعالیٰ کے فضل اور اعانت کے سوا نہیں ملتی اس لئے بسم اللہ کو رکھا جس میں استعانت ہے پس اعوذ کا حکم دیا۔ اور بسم اللہ کو رکھا تاکہ مومنین نیت صاف کریں۔ ایسا نہ ہو۔ بد ارادہ تباہ و ہلاک کر دے۔ بہت سے لوگ ہیں جن کے لئے ایک آیت رحم و برکت کا موجب ہو جاتی ہے اور بہتوں کے لئے وہی آیت ہلاکت کا باعث بن جاتی ہے۔ خدا نے فرمایا۔ اعوذ

پڑھو یعنی اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو اور بسم اللہ میں مدد مانگنے کی تعلیم دی۔

غرض کوئی کام کتنا ہی بڑا اور اعلیٰ اور پاک کیوں نہ ہو جب تک اس میں نیک نیتی اور اخلاص نہ ہو اندیشہ ہے کہ وہ قرب الٰہی سے دور نہ پھینک دے۔

اب جبکہ عظیم الشان امانت اور بوجھ ہم پر پڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اور توفیق کے بدوں ہم اس سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ اس لئے میں تمہیں یہ نصیحت کرتا ہوں کہ جس قدر فرصت ملے بہتر ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کے حضور دعائیں کریں اور عاجزانہ التماس کریں۔ کہ مولیٰ کریم! تو ہی سچا راستہ دکھا تاکہ گمراہی اور تباہی میں پڑنے کی بجائے ہم تیرے قریب ہوں۔ یہ بڑی ذمہ داری اور بوجھ ہے جس کے اُٹھانے کی طاقت ہم میں نہیں جب تک اسی کی نصرت نہ آوے ہم نہیں اُٹھا سکتے۔ پس اھدنا الصراط المستقیم بار بار اور کثرت سے پڑھو۔ ہم نہیں جانتے کل کیا ہوگا۔ پرسوں کیا ہوگا۔ ایک غیب کی بات پر ہاتھ مارتا ہے۔ اگر غیب دان خدا مدد نہ کرے تو اندیشہ ہے ہلاکت میں نہ پڑ جاویں۔ اس لئے دعائیں کرو۔ استغفار کرو۔ استخارے کرو۔ درود پڑھو۔ تڑپ تڑپ کر دعائیں کرو کہ مولیٰ! تو ہی اپنے فضل سے اس امتحان میں بھی کامیاب کر۔ تیرا مسیح آیا بہتوں نے انکار کیا اور وہ ٹھوکر کھا کے اس پتھر پر گرے اور ہلاک ہوئے۔ مگر تو نے اپنے رحم سے ہمیں ہدایت دی۔ پھر اس کی وفات پر ایک موقعہ امتحان کا آیا اور تو نے ہماری ہدایت فرمائی۔ اب پھر ایک اَور موقعہ آیا ہے۔ اب بھی فضل کیجیو اور آپ ہماری رہنمائی کرو۔ ہمارے تمام کاموں میں برکت نازل کیجیو۔ دشمنوں کو خوش ہونے کا موقعہ نہ دیجیو۔ اپنی خدمت کے لئے پاک وجود چُن لے۔ اللّٰھم آمین۔

سب لوگ اپنے دلوں میں چلتے پھرتے دعائیں کریں۔ آج رات کو اُٹھ اُٹھ کر دعائیں کریں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے مشکلات حل کر دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ پر توکل کرو۔ اُس کے وعدے سچے ہیں۔ اس نے جو اپنے مسیح موعود سے وعدے کئے وہ پورے ہوئے اور ہوں گے۔ ایک انسان جھوٹا وعدہ کر لیتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کے وعدے سچے ہوتے ہیں۔ وہ صادق الوعد ہے۔ خدا تعالیٰ کے وعدوں کی صداقت پر ایمان لاؤ۔ اور اس پر

توکل اور بھروسہ کرو۔ اب میں بھی دعا کرتا ہوں۔ تم بھی میرے ساتھ مل کر دعا کرو۔ اور اس کے بعد بھی دعائیں کرو۔" آگے "الفضل" نے نوٹ دیا ہے۔ کہ

"اس تقریر کے بعد حضرت صاحبزادہ صاحب نے دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے مگر خدا جانے دُعا میں کیا سوز اور ابتہال تھا۔ کہ اس نے "مسجد نور" کو تھوڑی دیر کے لئے "مسجد بکا" بنا دیا۔ کوئی آنکھ نہ تھی جو روتی نہ تھی اور دلوں میں ایک سوزش تھی۔ بڑی لمبی دعا کے بعد ایک ایسی تجلی معلوم ہوتی تھی کہ بجلی کی طرح دلوں پر سکینت کا نزول ہوا۔ دعا کے بعد بیٹھ گئے۔ لوگوں میں ایک قبولیت اور جوش تھا۔ پھر فرمایا کہدو کہ جو روزہ رکھ سکتے ہیں وہ کل روزہ رکھیں۔ اس حکم اور ارشاد کے بعد آپ مسجد نور سے اُٹھے اور نواب صاحب کے مکان پر تشریف لے گئے۔" [۱]

ابھی آپ مکان پر پہنچے ہی تھے اور حضرت خلیفہ اول کے پلنگ کے قریب بیٹھے تھے کہ دل میں دُعا کی تحریک پیدا ہوئی۔ چاہا کہ تنہائی اور علیحدگی میں کہیں باہر جا کر دعا کریں۔ حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب سے فرمایا۔

"طبیعت بہت گھبرائی ہوئی ہے۔ میں کچھ دیر کے لئے علیحدہ ہونا چاہتا ہوں۔ آپ ایسا انتظام کریں کہ دوست میرے پیچھے نہ آئیں۔"

مولوی صاحب نے عرض کیا میں احباب کو روک دوں گا۔ آپ تشریف لے جائیں چنانچہ آپ تنہا حضرت نواب صاحب کی کوٹھی سے جانب شرق سیدھے باغ میں سے ہوتے ہوئے جا رہے تھے کہ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے جو کہ اپنے ساتھیوں سمیت کوٹھی کے شمالی جانب لب سڑک کوئیں پر کھڑے آپس میں مشورے کر رہے تھے، آپ کو باہر جاتے دیکھ کر ساتھیوں کو بتایا کہ "میاں وہ جا رہے ہیں"

مولوی محمد علی صاحب کیساتھ گفتگو

چنانچہ مولوی محمد علی صاحب نے تیز اور جلد جلد چل کر پہلے مشرق اور مشرق سے جنوب کو کوٹھی سے شرقی جانب کی سڑک پر آ کر حضرت کو روک لیا اور اس وقت سے شام کی اذان تک دونوں اس سڑک پر شمالاً جنوباً ٹہلتے اور باتیں کرتے رہے حضرت بھائی عبد الرحمٰن صاحب قادیانی سے حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب نے فرمایا کہ

"میں کوٹھی کے برانڈہ سے اور مولوی محمد علی صاحب کے رفیق شمالی کوئیں سے دیکھتے

---

[۱] اخبار "الفضل" جلد ا نمبر ۴۰ پرچہ ۱۸ مارچ ۱۹۱۴ء

لہ ہے۔ نہ میں ہی آگے بڑھا اور نہ وہ ہی آکر مخل ہوئے۔ اذان سُنکر دونوں اپنے اپنے راستے واپس ہوئے۔ حضرت کی واپسی پر میں کچھ آگے بڑھا۔ جس پر آپ نے فرمایا
' مولوی محمد علی صاحب کہتے تھے کہ آپ جانتے ہیں کہ جماعت میں اختلاف موجود ہے۔ دو گروہ بن گئے ہیں۔ اور کوئی بھی دوسرے کے ہاتھ پر جمع ہونے اور بیعت کرنے کو تیار نہیں۔ اس لئے ہمیں چاہیئے کہ فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کریں بلکہ چند ماہ توقف کریں اور بیرونی جماعتوں کو اطلاع دے کر کسی مقررہ تاریخ پر جمع کرنے کا انتظام کر کے شوریٰ کے بعد فیصلہ کیا جائے؟ وغیرہ '

فرمایا۔ " میں نے مولوی صاحب کو یہ جواب دیا ہے کہ یہ بات درست نہیں۔ کہ ہم میں ایسا اختلاف موجود ہے کہ کوئی فریق دوسرے کی بیعت کرنے کو تیار نہیں۔ آپ اپنے آدمیوں میں سے کسی ایک کو مقرر کر لیں۔ میں اس کی بیعت کرتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ سارے کے سارے میرے ساتھی اس کی بیعت کر لیں گے۔ میں نے ہر چند زور دیا۔ سمجھایا اور بار بار کہا مگر مولوی صاحب انکار ہی کرتے اور کہتے رہے کہ آپ یونہی کہتے ہیں یہ بات ناممکن ہے۔ اور یہ سارا وقت اسی بحث اور تکرار پر خرچ ہوا۔ میں نے بار بار اُن کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ میں آپ میں سے ہر کسی کی بیعت کرنے کو تیار ہوں جسے آپ منتخب کریں اور نہ صرف میں تنہا بیعت کروں گا بلکہ میرے سارے ساتھی میرے ساتھ ہی بیعت کر لیں گے۔ کوئی تخلف ہوگا نہ انکار۔ مگر مولوی صاحب آخر تک اسی پر اصرار کرتے رہے کہ " یہ ممکن نہیں ایسا ہرگز نہیں ہو سکے گا۔ " اور آخر میں اپنی وہی تجویز دہرائی کہ فیصلہ میں جلدی نہ کی جائے بلکہ چند ماہ کا وقفہ دے کر مقررہ تاریخوں پر جماعت کو جمع کر کے مشورہ اور مشورہ کے بعد فیصلہ کیا جائیگا۔ "

سیدنا حضرت محمود ایدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب بار بار کہنے اور یقین دلانے کے باوجود مولوی صاحب اپنے ہی خیال پر جمے رہے اور میری پیشکش کو ناممکن، ناقابل عمل اور خیالی بتاتے رہے۔ تب میں نے آخر میں ان سے یہ کہا کہ

"مولوی صاحب آپ اور میں دونوں جماعت کے فرد ہیں۔ ہمیں کیا حق پہنچتا ہے کہ بطور خود کوئی فیصلہ کر کے قوم کو اس کا پابند ٹھہرائیں۔ لہٰذا بہتر ہے کہ آپ اپنے دوستوں سے مشورہ کر لیں اور میں اپنے احباب سے مشورہ کر لیتا ہوں۔ اگر میرے دوستوں نے آپ کی تجویز مان لی۔ تو بس جھگڑا ختم۔ ہم آپ کی تجویز کے مطابق عمل درآمد کر لینگے اور اگر نہ مانا تو ایک اختلاف کی صورت قائم رہے گی۔ اسی طرح آپ کے دوستوں نے اگر میری تجویز کے مطابق یہ قبول کر لیا کہ ایک واجب الاطاعت خلیفہ ہونا چاہیئے۔ اور فوری طور سے اس کا تقرر و انتخاب لازمی ہے۔ تب بھی قصہ ختم ہ اور معاملہ صاف۔ اور اگر انہوں نے میری اس تجویز سے اتفاق نہ کیا اور آپ کی تجویز کے مطابق کسی دوسرے وقت کے اجتماع اور مشورہ پر معاملہ کو اُٹھا رکھنے کا فیصلہ کیا۔ تب بھی اختلاف قائم اور فیصلہ مشکل۔ پھر اس صورت میں ہم دونوں کل دس بجے مل کر غور و فکر کریں گے کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔ چنانچہ مولوی صاحب آخر اس بات پر رضامند ہو گئے ہیں کہ وہ اپنے دوستوں سے مشورہ کر کے کل دس بجے پھر ملیں گے۔" [۱]

اس گفتگو کی مزید وضاحت

اس گفتگو سے متعلق جو بیان حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اس میں چونکہ بعض باتوں کی زیادہ وضاحت ہے اس لئے اس جگہ پر اس حصہ کو بھی درج کر دینا تاریخی اہمیت کے لحاظ سے ضروری ہے۔ آپ فرماتے ہیں :۔

"مولوی محمد علی صاحب نے مجھ سے ذکر کیا کہ چونکہ ہر ایک کام بعد مشورہ ہی اچھا ہوتا ہے اور حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی وفات کے بعد جلدی سے کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ پورے مشورے کے بعد کوئی کام ہونا چاہیئے۔ میں نے کہا کہ جلدی کا کام بیشک بُرا ہوتا ہے اور مشورہ کے بعد ہی کام ہونا چاہیئے لوگ بہت سے آ رہے ہیں اور کل تک امید ہے ایک بڑا گروہ جمع ہو جائیگا۔ پس کل جس وقت تک لوگ جمع ہو جائیں مشورہ ہو جائے۔ جو لوگ جماعت میں کچھ اثر رکھتے ہیں وہ قریب قریب کے ہی رہنے والے ہیں اور کل تک امید ہے کہ پہنچ جاویں گے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ نہیں اس قدر جلدی ٹھیک نہیں۔ چونکہ اختلاف ہے اس لئے پورے طور پر بحث ہو کر ایک بات

---

[۱] "خلافت ثانیہ کا قیام" صفحہ ۲۳۲ تا ۳۴ ۲۔

پر متفق ہو کر کام کرنا چاہیئے۔ چار پانچ ماہ اس پر تمام جماعت غور کرے۔ تبادلہ خیالات کے بعد پھر جو فیصلہ ہو اس پر عمل کیا جاوے۔ میں نے دریافت کیا کہ اول تو سوال یہ ہے کہ اختلاف کیا ہے؟ پھر یہ سوال ہے اس قدر عرصہ میں بغیر کسی رہنما کے جماعت میں فساد پڑا تو ذمہ دار کون ہے؟ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے موقعہ پر بھی اسی طرح ہوا تھا کہ جو لوگ جمع ہو گئے تھے۔ انہوں نے مشورہ کر لیا تھا۔ اور یہی طریق پہلے زمانہ میں بھی تھا چھ ماہ انتظار نہ کبھی پہلے ہوا نہ حضرت مسیح موعودؑ کے بعد۔ مولوی محمد علی صاحب نے جواب دیا کہ اب اختلاف ہے پہلے نہ تھا۔ دوسرے اس انتظار میں ہرج کیا ہے؟ اگر خلیفہ نہ ہو تو اس میں نقصان کیا ہوگا؟ وہ کونسا کام ہے جو کل ہی خلیفہ نے کرنا ہے۔ میں نے اُن کو جواب دیا کہ حضرت مسیح موعودؑ کی وفات پر جماعت اس بات کا فیصلہ کر چکی ہے کہ اس جماعت میں سلسلہ خلفا چلے گا۔ اس پر دوبارہ مشورہ کی ضرورت نہیں اور یہ سوال اب نہیں اُٹھایا جا سکتا۔ اگر مشورہ کا سوال ہے تو صرف تعیین خلیفہ کے متعلق۔ اور یہ جو آپ نے کہا کہ خلیفہ کا کام کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ خلیفہ کا کام علاوہ روحانی نگہداشت کے جماعت کو متحد رکھنا اور فساد سے بچانا ہے اور یہ کام نظر نہیں آیا کرتا کہ میں آپ کو معین کر کے وہ کام بتا دوں خلیفہ کا کام روحانی تربیت اور انتظام کا قیام ہے۔ نہ رُوحانی تربیت مادی چیز ہے کہ میں بتا دوں کہ وہ یہ کام کرے گا۔ اور نہ فساد کا کوئی وقت معین ہے کہ فلاں وقت تک اس کی ضرورت پیش نہ آوے گی۔ ممکن ہے کل ہی کوئی امر ایسا پیش آجاوے جس کے لئے کسی نگران ہاتھ کی ضرورت ہو۔ پس آپ اس سوال کو جانے دیں کہ خلیفہ ہو یا نہ ہو۔ مشورہ اس امر کے متعلق ہونا چاہیئے کہ خلیفہ کون ہو؟ اس پر مولوی صاحب نے کہا کہ اس میں دقت ہے۔ چونکہ عقاید کا اختلاف ہے اس لئے تعیین میں اختلاف ہوگا۔ ہم لوگ کسی ایسے شخص کے ہاتھ پر کیونکر بیعت کر سکتے ہیں جس کے ساتھ ہمیں اختلاف ہو۔ میں نے جواب دیا کہ اول تو ان امور اختلافیہ میں کوئی ایسی بات نہیں جس کا اختلاف ہمیں ایک دوسرے کی بیعت سے روکے (اس وقت تک اختلاف عقاید نے اس طرح سختی کا

رنگ نہیں پکڑا تھا) لیکن بہرحال ہم اس امر کے لئے تیار ہیں کہ آپ میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لیں۔ اس پر مولوی صاحب نے کہا کہ یہ مشکل ہے۔ آپ سوچ لیں اور مشورہ کر لیں۔ کل پھر گفتگو ہو جائے۔" [1]

آپ کی تجہیز و تکفین

عشا کے قریب حضرت خلیفۃ المسیح کو حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ نے غسل دیا۔ محترم مفتی فضل الرحمن صاحب۔ حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب۔ حضرت قاضی امیر حسین صاحب۔ میاں نجم الدین صاحب۔ اور مولوی غلام محمد صاحب و دیگر شاگردانِ حضرت موجود تھے۔ پھر کفن پہنا کر جنازہ رکھ دیا گیا۔

کوٹھی دارالسلام میں مخلصین کا اجتماع اور واجب الاطاعت خلیفہ کے انتخاب کا فیصلہ

حضرت بھائی عبدالرحمن صاحب قادیانی لکھتے ہیں۔

"حضرت (مرزا محمود احمد صاحب۔ ناقل) نے اس سمجھوتہ کے ماتحت (جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ ناقل) حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب کو ایک فہرست دیکر حکم دیا کہ ان اصحاب کو رات کوٹھی دارالسلام میں جمع کرنے کا انتظام کیا جائے۔ ساٹھ دوستوں کے نام اس فہرست میں تھے۔ رات کو اجتماع ہوا۔ اور مشورہ ہو کر بالاتفاق یہ فیصلہ کیا گیا کہ

"ایک واجب الاطاعت خلیفہ کا انتخاب ہونا چاہیئے اور پہلے خلیفہ کی تدفین سے پہلے ہونا چاہیئے تاکہ خلیفہ ہی خلیفہ کا جنازہ پڑھے اور تجہیز و تدفین کا انتظام کرے۔"

اور اسی مجلس میں یہ بھی قرار پایا کہ رات کو تہجد میں دعائیں کی جائیں اور کل روزہ رکھ کر اس معاملہ کے لئے خاص طور سے دعائیں کی جائیں کہ اللہ کریم جماعت کو اپنے فضل سے اپنی رضا کی راہوں اور صراط مستقیم پر قائم رکھے۔"

جنازہ میں شرکت کے لئے لاہور سے آنیوالے دوستوں کا ایک منظر

گذشتہ صفحات میں حضرت بھائی عبدالرحمن صاحب قادیانیؓ کے لاہور پہنچنے کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ اس کے آگے کے حالات بیان کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:۔

"جمعہ کا دن تھا۔ قادیان سکول کے طلبا ٹورنامنٹ میں شرکت کی غرض سے لاہور میں

---

[1] "اختلاف سلسلہ کی تاریخ کے صحیح حالات" صفحہ ۱۰۷ تا ۱۰۹

تھے۔ وہیں نماز جمعہ ادا کی۔ عصر کا وقت تھا کہ حضرت سیدنا و مولانا نورالدین صاحب کی وفات کا تار پہنچ گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ دل اداس تھا۔ چین تھا نہ قرار۔ خبر سنتے ہی اسٹیشن پر پہنچا جہاں اکے دکے احمدی احباب آ اور گاڑی کی انتظار میں جمع ہو رہے تھے بعض کے ہاتھوں میں ٹریکٹ تھا جسے وہ پڑھتے اور ادھر ادھر ٹہلتے پھرتے تھے میں نے کسی سے پوچھا نہ ہی کسی نے بتایا کہ وہ کیا تھا۔ میرا دل اس صدمہ کی وجہ سے دلگیر اور رنجور تھا۔ کسی سے بات چیت کرنے کی بجائے گوشۂ خلوت کی خواہش و تلاش تھی جہاں علیحدہ بیٹھا دعائیں کروں اور پیش آمدہ حالات کے لئے اپنے خدا سے راہنمائی و مدد مانگوں۔ فتنے بہت تھے، جھگڑے خطرناک، حالات نازک جن کے خیال سے پریشانی بہت ہی کچھ بڑھی ہوئی تھی اور آنے والے مرحلہ کی فکر میں دل بیٹھا جا رہا تھا۔ اتنے میں شمال اور جنوب سے آنے والی گاڑیاں آئیں اور لاہور کے دوست بھی آن پہنچے۔ ہر طرف اس ٹریکٹ کا چرچا، بحث مباحثہ، حیص بیص اور شور و غوغا تھا۔ بیرونجات سے آنیوالے دوست ٹریکٹ کو پڑھ اور اس کے مضمون سے آگاہ ہو کر آرہے تھے مگر لاہور والے اکثر ابھی اس کے پڑھنے میں مشغول تھے۔ اس گرما گرمی نے میری توجہ کو اپنی طرف کھینچا اور آخر ایک کاپی اس ٹریکٹ کی میرے ہاتھ پڑ گئی۔ جسے لیکر پڑھنا شروع کیا۔ پڑھا اور حقیقت حال سے آگاہی پائی اور بیساختہ دل سے اناللہ وانا الیہ راجعون کی صدا بلند ہوئی۔ مصیبت پر مصیبت، اور اس نئے فتنہ کے درد میں سر کو پیٹ لیا۔ اور نیم جان ہو کر ایک طرف بیٹھا کسی گہری سوچ میں پڑ گیا۔ چھ سال قبل بھی قریباً انہی حالات میں اسی گاڑی سے سفر کرنے کا مجھے موقعہ ملا تھا۔ مگر اسوقت اور اس سفر کے حالات میں زمین و آسمان کا فرق اور بعد المشرقین تھا۔ اس میں ہم سب پر ایک اداسی تھی جس نے چھا کر ہم سب کو اپنے دامن میں لپیٹا ہوا تھا۔ رقت تھی جس کے باعث ہر دل پگھل کر موم بلکہ خون بن کر بہے جا رہا تھا۔ انابت تھی۔ تضرع اور ابتہال تھا جس سے دل آستانۂ الوہیت پر گرے اور نصرت و مدد، دستگیری و راہنمائی کے لئے چلاّ اور فریاد کر رہے تھے۔ عجز و نیاز، ذکر و اذکار اور خشوع و خضوع

کی وجہ سے وہ قافلہ گویا ملائکہ کی مجلس اور کروبیوں کا مجمع معلوم ہوتا تھا جو حمد و ثنا اور تسبیح و تحمید میں مشغول، توحید اور جمال و جلال الٰہی کے گیت گاتا جا رہا تھا مگر برخلاف اس کے ہمارے اس سفر کا نقشہ اپنے جنگ و جدال، لڑائی جھگڑے، تُو تُو، مَیں مَیں، بحث مباحثے اور فتنہ و فساد کی وجہ سے میدان کارزار کا سماں پیش کر رہا تھا۔ ایک کو دوسرے کے گرانے، دبانے اور غلبہ پانے کی کوشش میں دلائل و براہین کی بجائے رُعب و تحکم اور جبر و تشدد سے بھی گریز نہ تھا اور معاملہ بعض اوقات باتوں کی بجائے لاتوں اور دھمکیوں تک کو جا پہنچتا تھا۔ اسی رنگ میں ہمارا یہ سفر کٹتا گیا۔ میری طبیعت ان حالات سے بیزار تھی۔ برداشت نہ کر سکی اور میں نے گہری سوچ، لمبی بچار اور دعاؤں کے بعد فیصلہ کیا کہ جس طرح ہو اس ٹریکٹ کو جلد سے جلد مرکز میں پہنچا کر اس فتنہ و فساد کی اطلاع پہنچاؤں اور جو کچھ دیکھ اور سُن رہا ہوں حضرت کے حضور جا کر سُناؤں۔ کہ کن خیالات اور ساز و سامان نیز لاؤ لشکر کے ساتھ مرکز احمدیت اور تخت گاہِ رسُول پر خلافت کو مٹانے کی غرض سے وہ لوگ اُمڈے چلے آ رہے ہیں۔

اس فیصلہ کے بعد میں نے اس ڈبے کو چھوڑا اور کسی دوسری جگہ غیروں کے اندر بیٹھ کر بٹالہ پہنچا۔ اسٹیشن سے اُترا اور رات کے اندھیرے میں قادیان کی طرف دوڑنا شروع کیا۔ باقی دوستوں نے جب تک سواری کا انتظام کیا یا پیدل چلنے والوں نے قافلہ بندی اور ساتھیوں کو جمع کیا میں کم از کم نصف راہ طے کر آیا ہوں گا۔ اور اور جُوں جُوں قادیان کی مقدس بستی قریب ہوتی جاتی میرے جوش اور تیزی میں وفور محبت اور حل مقصود کے باعث اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ حتیٰ کہ اللہ کریم نے اپنے فضل سے مجھے غیر معمولی سرعت سے قادیان دارالامان پہنچا دیا۔ چور یا ڈاکوؤں کا خوف تو خدا تعالیٰ کے فضل سے دل میں پیدا نہ ہوا۔ خیال آیا تو صرف یہ کہ مبادا مجھ کو بھاگتا ہوا چور یا ڈاکو سمجھ کر کوئی تعاقب نہ کرنے لگے کیونکہ رات کے اندھیروں میں دوڑنا بھاگنا تو درکنار خالی چلنا بھی اس سڑک پر شُبہ کی نظر سے دیکھا جایا کرتا تھا۔

• قادیان کی مقدس بستی، تخت گاہِ رسول اور . . . . دارالخلافت کے گلی

کوچوں میں سے ہوتا ہوا میں پہلے بورڈنگ مدرسہ احمدیہ کے صحن میں داخل ہوا۔ جس کے ایک کوارٹر میں ان دنوں حضرت مولانا مولوی محمد سرور شاہ صاحب رہا کرتے تھے دستک دی۔ سلام عرض کیا اور بہت جلد دارالسلام میں پہنچنے کی تاکیدی عرض کرنے کے بعد آگے بڑھا۔ محترم بزرگ حضرت عرفانی شیخ یعقوب علی صاحب تراب جو اس زمانہ میں بھی اسی نام سے معروف، عرفان وسلوک کی منازل طے کر رہے تھے، کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ پیغام دیا اور پھر آگے کو دوڑنے لگا۔ مکرمی شیخ محمد اسمٰعیل صاحب سرساوی کے مکان پر پہنچا اور اُن کو بھی حضرت نواب صاحب قبلہ کی کوٹھی دارالسلام پر پہنچنے کی تاکید کرتا ہوا آخر دارالسلام پہنچا۔ جہاں باوجود رات کے دن کا سماں دیکھا۔ بستر خالی اور لوگ نوافل وتہجد میں مصروف پائے۔ کوئی ایک کونے میں پڑا مشغول گریہ و بکا تھا اور کوئی دوسرے میں دست بدعا و التجا۔ کوئی سجدے میں تھا تو کوئی قیام میں، کسی کو رکوع میں دیکھا تو کسی کو قعدہ میں۔ کوئی سحری سے فارغ ہو چکے تھے تو کوئی اس کے انتظار و انتظام میں تھے۔ اس نقشہ نے مجھ پر بہت گہرا اثر کیا۔ اور میں گاڑی کے وحشت کدہ کے بعد گویا ایک حصار امن وعافیت میں آن پہنچا تھا بڑھا اور اندرون خانہ اطلاع کی۔ سید نا محمود جو نہ خود ہی بیدار تھے بلکہ اوروں کو بھی بیدار و ہشیار اور دعاؤں کی تاکید فرما رہے تھے۔ بہ نفس نفیس تشریف لائے۔ عرض حال کیا۔ ساری کیفیت کہہ سُنائی اور وہ ٹریکٹ پیش کیا۔ حضور نے لیا۔ ورق گردانی فرمائی اور سرسری نظر سے دیکھ کر ہی اس کی غرض وغایت اور مفہوم ومطلب کو پا گئے احباب کو جمع کرنے کا حکم دیا۔ شوریٰ طلب فرمائی اور اس ٹریکٹ، اس سے پیدا شدہ صورتِ حالات پر غور وخوض اور مشورہ میں مصروف ہو گئے وہ ایام رمضان کے نہ تھے، روزہ نفلی رکھا جا رہا تھا تا استعینوا بالصبر والصلوٰۃ کی تعمیل کے ذریعہ خدا کی رضا، اس کی مرضی اور سیدھی ومستقیم راہ کے حصول کیلئے خالی الذہن اور صافی القلب، یکسو اور نفسیات سے الگ ہو کر دعائیں کی جائیں اور خدا تعالےٰ سے مدد مانگی جا سکے۔

سیدنا نورالدین رضی اللہ عنہ جیسی عظیم الشان ہستی فیض مجسم، وجود رحمت، اور سراسر نور شخصیت سے قوم کا محروم ہو جانا کوئی معمولی نقصان نہ تھا حقیقت شناس اور راز داں عارف تو اسی درد اور سوز سے نہایت غمزدہ و سوگوار تھے۔ نئے ٹریکٹ سے پیدا شدہ صورتِ حال نے رنج و غم اور مشکلات میں اور بھی اضافہ کر دیا۔ پہلی مشکل کا حل، درد کا درماں، زخم کا چارہ تو سیدنا حضرت محمود ایدہ اللہ الودود نے اپنی نیکدلی، پاک نفسی اور بے لوث و بے غرضانہ حکمت سے پالیا تھا۔ خاندان کے اراکین اور خواتین مبارکہ کے علاوہ اپنے دوستوں، رفیقوں، اور ہر طبقہ و درجہ کے لوگوں کو سمجھا بجھا کر، وعظ و نصیحت کر کے، خطبات دیکر وحدت قومی اور اتحاد کے برکات و فیوض جتا کر، اختلاف و شقاق اور تنازعُ نفاق کے نتائج و عواقب سے ڈراتے ہوئے سبھی کو اپنا ہم خیال بنا لیا تھا مگر اس نئے فتنہ کی افتاد اور تازہ سازش کا انکشاف حضور کے پہلے فیصلہ کے نفاذ اور عملی قدم اُٹھانے کی راہ میں سدِ سکندری کی طرح آن حائل ہوا تھا۔ کیونکہ اس میں سرے سے خلافت کے وجود و قیام نیز ضرورت بیعت ہی سے انکار کر دیا گیا تھا جس کے لئے حضور بہت فکرمند تھے۔ فیصلہ وہی بحال رہا جو رات کے پہلے حصہ میں ہو چکا تھا۔ بلکہ اس ٹریکٹ نے دوستوں کے اس فیصلہ کو اور بھی تقویت پہنچا دی۔ "[1]

ٹریکٹ کا مضمون احباب یہ سُنکر حیران ہوں گے کہ یہ ٹریکٹ جس کا ذکر ابھی آپ پڑھ چکے ہیں۔ یہ حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضؓ کی زندگی میں جناب مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے نے طبع کروا کر اس لئے محفوظ رکھ چھوڑا تھا کہ حضرت خلیفۃ المسیحؑ کے وصال کے معاً بعد جماعت کے لوگوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ اس ٹریکٹ کا عنوان تھا "ایک نہایت ضروری اعلان" اس کے چند ایک اقتباسات درج ذیل ہیں:۔

اوّل۔ سب سے پہلی بات جو میں چاہتا ہوں آپ یاد رکھیں یہ ہے کہ اگر آپ کے پاس کوئی تحریک اس مضمون کی پہنچے کہ فلاں شخص کے ہاتھ پر چالیس احمدیوں نے بیعت کر لی ہے۔ یا

---

[1] خلافت ثانیہ کا قیام صفحہ ۲۵ تا ۲۸۔

اس پر اتفاق کر لیا ہے کہ وہ لوگوں سے بیعت لے تو حضرت مسیح موعودؑ کی وصیت کے ماتحت وہ بیشک اس بات کا تو مجاز ہے کہ ان لوگوں سے جو سلسلہ میں داخل نہیں، سلسلہ میں داخل کرنے کیلئے مسیح موعود کے نام پر بیعت لے مگر اس سے زیادہ کوئی مرتبہ اس کا سلسلہ میں تسلیم نہیں ہو سکتا۔ حضرت مسیح موعودؑ کی اس زبانی شہادت کے علاوہ آپ کے الفاظ بھی قابلِ غور ہیں جن سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کیونکہ یہاں یہ فرمایا کہ "وہ میرے نام پر بیعت لے" جس کے صاف معنے یہ ہیں کہ وہ بیعت صرف سلسلہ احمدیہ میں داخل کرنے کے لئے ہے نہ کسی اور غرض کے لئے۔ پھر جماعت کے بزرگوں کو جب بیعت لینے کے لئے کہا تو یہ فرمایا کہ اس کی غرض یہ ہے کہ "سب لوگوں کو دین واحد پر جمع کیا جاوے" اس سے بھی صاف مفہوم سلسلہ میں داخل کرنے کا نکلتا ہے نہ بیعت توبہ کا" (صفحہ ۷)

دوم۔ "دوسری بات جو میں آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ جو لوگ سلسلہ احمدیہ میں داخل ہیں ان کو بار بار از سرِ نو کسی شخص کی بیعت کی ضرورت نہیں۔" (صفحہ ۱۳-۱۴)

سوم۔ "تیسری بات جو میں ضروری طور پر آپ کو پہنچانی چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ مجلس معتمدین صدر انجمن احمدیہ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں سے قائم کیا اپنی وصیت میں اسے اپنا جانشین قرار دیا۔ اس کے لئے دعائیں کیں اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کو قائم کرنے کے پونے دو سال بعد اور اپنی وفات سے صرف آٹھ نو ماہ پیشتر یہ تحریر اپنے ہاتھ سے لکھ کر دی کہ اس انجمن کے فیصلے آپ کے بعد بالکل قطعی ہوں گے۔ صرف بعض دینی امور کو مستثنیٰ کیا کہ شاید کوئی ایسا امر ہو جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطلاع ملے ورنہ باقی امور کو انجمن کے سپرد کیا۔ اس انجمن کو توڑنے کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح کے ابتدائی ایام خلافت میں بڑی کوششیں کی گئیں۔ اور آخری کوشش بڑے زور شور سے یہ کی گئی کہ قواعد میں اس امر کو درج کیا جائے کہ جو کوئی خلیفہ فیصلہ کرے، اس کے تمام فیصلے انجمن کے لئے قابلِ تعمیل ہوں اور وہ انجمن کے ممبروں میں سے جس کو چاہے نکال دیا کرے اور جسے چاہے داخل کر لیا کرے۔ جو دراصل انجمن توڑنے کے ہم معنی ہے۔ میں قوم کو اس خطرناک عنصر کے ارادوں اور منصوبوں

سے صفائی سے اطلاع دیتا ہوں کہ اگر اس بات کو اب پھر اٹھایا جائے تو ساری قوم کا فرض ہے کہ اس کا زور سے مقابلہ کرے۔ یہ سلسلہ پر وہ حملہ ہو گا جو اس کو بنیادوں تک صدمہ پہنچائے گا اور حضرت مسیح موعود کے ہاتھ کے لگائے ہوئے پودے کو جڑ دں سے اکھیڑ دے گا۔" (صفحہ ۱۴-۱۵)

چہارم۔ "چوتھی بات جو میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ مسئلہ کفر و اسلام میں خدا سے ڈر کر منہ سے لفظ نکالو۔" (صفحہ ۱۵-۱۶)

پنجم۔ "پانچویں بات جو میں آخر کار آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ چونکہ حضرت خلیفۃ المسیحؓ نے یہ فرمادیا ہے کہ ان کا کوئی جانشین ہو۔ جو متقی ہو، عالم باعمل اور ہردلعزیز ہو اس لئے صرف اس فرمان کی تعمیل کے لئے تم کسی شخص کو ضرورت کے وقت اس غرض کے لئے منتخب کر لو کہ وہ ہماری قوم میں سب پر ممتاز ہو۔ تم اس کے حکموں کی قدر کرو۔ بلا کسی سخت ضرورت کے اس سے اختلاف نہ کرو مگر قومی مشورہ سے اُسے طے کرو۔ چالیس انصار اللہ کے فیصلے کو احمدی قوم کا فیصلہ نہیں کہا جاسکتا بلکہ انصار اللہ کا بھی نہیں کہا سکتا۔ لیکن تم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وصیت کو مدنظر رکھو۔ اگر کہو کہ جانشین کے معنے یہ ہیں کہ جو حضرت خلیفۃ المسیحؓ کرتے ہیں وہ بھی وہی کرے۔ تو دیکھو تم الوصیت میں لکھا ہوا پڑھتے ہو اور یہ مامور من اللہ کا کلام ہے جس پر وہ اپنی وفات تک قائم رہا کہ انجمن خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین ہے مگر کیا تم ان معنوں میں انجمن کو جانشین مانتے ہو کہ جو کچھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کرتے تھے وہی انجمن بھی کرے۔ انجمن کہاں بیعت لیتی ہے حالانکہ حضرت صاحب لیتے تھے۔ پس اگر وہاں جانشین کے معنے کچھ اور کر سکتے ہیں تو یہاں بھی وہی معنے لفظ جانشین کے کر لو۔ ہاں ایک شخص کو ممتاز حیثیت دیدو مگر قومی مشورہ سے، جلدی میں نہیں تا حضرت خلیفۃ المسیح کا منشا بھی پورا ہو جاوے۔ مگر ایسا شخص اس بات کا ہرگز مجاز نہیں کہ احمدیوں سے بیعت لے۔ دوسرے اس میں وہ باتیں موجود ہونی چاہئیں یعنی متقی ہو، ہردلعزیز ہو، عالم باعمل ہو، حضرت صاحب کے احباب سے نرمی

اور درگذر سے کام لے۔ ہاں میں بلا کسی ڈر کے یہ کہوں گا کہ مسلمانوں کی تکفیر کرنے
والے تقویٰ سے الگ راہ پر قدم مارتے ہیں اور ہر دلعزیزی کی صفت بھی انہیں
حاصل نہیں ہو سکتی" (صفحہ ۱۹-۲۰)

ظاہر ہے کہ اس ٹریکٹ میں جماعت کو اکسایا گیا تھا کہ اب کسی شخص کو خلیفہ تسلیم نہیں کرنا چاہیئے صدر انجمن سارے کام چلا سکتی ہے۔ البتہ جن لوگوں پر چالیس آدمی اتفاق کریں۔ انہیں غیر احمدیوں سے بیعت لینے کا اختیار دیدیا جائے۔ اور اگر حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی وصیت کے مطابق کوئی ایک شخص سربرآوردہ بنایا جائے تو وہ متقی ہونا چاہیئے اور متقی وہ نہیں ہو سکتا جو غیر احمدیوں کو کافر قرار دے وغیرہ وغیرہ۔

مولوی محمد علی صاحب کے رویہ پر حیرت

حیرانی کی بات ہے کہ وہ شخص جو حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی وفات سے دو روز قبل حضرت صاحبزادہ صاحب کے اس ارادے پر کہ جماعت میں اعلان کیا جاوے کہ لوگ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی بیماری کے ایام میں اختلافی مسائل پر بحث نہ کریں، یہ مشورہ دیتا ہے کہ چونکہ بیرونجات کے لوگوں کو ان بحثوں سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ اس لئے انہیں ان جھگڑوں سے آگاہ کر کے ابتلا میں نہ ڈالا جائے۔ اس کے اپنے تقویٰ کا یہ حال ہے کہ وہ اس قسم کا مشورہ دینے سے قبل اختلافی مسائل پر ایک ٹریکٹ لکھ کر طبع کروا چکا ہے اور صرف اس بات کے انتظار میں بیٹھا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ وفات پا جائیں اور میں یہ ٹریکٹ جماعت میں فتنہ و فساد کی آگ سلگانے کے لئے تقسیم کروا دوں۔ فانا للہ و انا الیہ راجعون۔ کیا مولوی صاحب پر واجب نہیں تھا کہ جب حضرت صاحبزادہ صاحب نے انہیں ایک مشترکہ اعلان کرنے کے لئے کہا تھا تو وہ صاف کہتے کہ صاحبزادہ صاحب! میں اس اعلان پر دستخط کرنے کے لئے تیار نہیں کیونکہ مجھے ان لوگوں سے شدید اختلاف ہے جو حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی وفات کے معاً بعد خلافت کا انتخاب کرنا چاہتے ہیں۔ یا جو مسئلہ کفر و اسلام میں مجھ سے اختلاف رکھتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ان کا یہ کہنا کہ میں اس لئے اس اعلان پر دستخط نہیں کرتا کہ اس سے بیرونی جماعتوں کو ہمارے اختلافات کا علم ہو جائے گا کس قدر دور از حقیقت بات ہے۔

آہ! وہ شخص جو پورے چھ سال تک حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کو خلیفۃ المسیح لکھتا رہا اور جس نے بیعت کرتے وقت اقرار کیا تھا کہ میں آپ کے احکام کو اسی طرح مانوں گا جس طرح کہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احکام کو مانا کرتا تھا۔ اقتدار حاصل کرنے کی ہوس میں اس کی آنکھوں پر اس قدر پٹی

بندھ جاتی ہے کہ وہ اپنے مرشد کی اس وصیت کو بھی پس پشت ڈال دیتا ہے جو اس کے مرشد نے اس کے سامنے باوجود بیحد نقاہت اور کمزوری کے لکھی اور پھر اسے مومنوں کی ایک جماعت کے سامنے کہا کہ اسے پڑھو اور پھر دوبارہ اور سہ بارہ پڑھوایا۔ اور پھر آخر میں اُسی سے دریافت فرمایا کہ بتاؤ کوئی بات رہ تو نہیں گئی اور یہ شخص خلیفۂ وقت اور مومنین کی ایک بڑی جماعت کے سامنے اقرار کرتا ہے کہ "حضور بالکل درست ہے" مگر چند دن بعد ہی اس کی طرف سے اس مضمون کا ایک ٹریکٹ نکلتا ہے کہ اوّل تو سلسلہ احمدیہ میں خلافت کی ضرورت ہی نہیں۔ صدر انجمن احمدیہ ہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حقیقی جانشین ہے اور وہی سلسلہ کا ہر قسم کا انتظام کرنے کے لئے کافی ہے لیکن اگر حضرت خلیفۃ المسیح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وصیت کے مدِنظر کسی فرد کو حضور کا جانشین ضرور بنانا ہی ہے تو پھر یہ ضروری ہے کہ اس کے اختیارات کو محدود کر دو اور کم از کم پانچ چھ ماہ تک غور و فکر کرنے کے بعد فیصلہ کرو۔ کہ کس کو حضور کا جانشین بنایا جائے۔ جناب مولوی صاحب موصوف کا یہ رویہ کہانتک تقویٰ پر مبنی تھا۔ اس کا فیصلہ قارئین کرام خود ہی کر سکتے ہیں۔

مولوی محمد علی صاحب کے شائع کردہ ٹریکٹ کا جواب

مولوی محمد علی صاحب کے شائع کردہ ٹریکٹ میں سے ہم چند اہم اور ضروری اقتباسات اوپر درج کر آئے ہیں یہاں ہم ان کی پیش کردہ پانچ باتوں کا جواب دیتے ہیں اور یہ پانچوں باتیں درحقیقت پانچ وساوس یا مغالطے تھے جن میں جناب مولوی صاحب موصوف قوم کو محض اپنی نفسانی اغراض کی خاطر مبتلا کر دینا چاہتے تھے وباللہ التوفیق۔

یاد رہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی وصیت میں اپنے جانشین کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ حضرت اقدس مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پُرانے اور نئے دوستوں سے **نیک سلوک** کرے اور **چشم پوشی** اور نرمی اور درگذر سے کام لے حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ (اللہ تبارک و تعالیٰ کی لاتعداد رحمتیں و برکتیں آپ پر تا ابد نازل ہوں) نے کتنے سادہ لیکن جامع اور پُرحکمت الفاظ میں اپنے بعد ہونے والے جانشین کے اوصاف و اختیارات کو واضح طور پر بیان فرما دیا کہ وہ ان امور کے بجا لانے میں نہ کسی کے ماتحت ہوگا اور

نہ کسی کا محتاج - اسے کسی کے ساتھ نیک سلوک کرتے وقت نہ تو کسی انجمن کے صدر یا سکرٹری کے پاس درخواست گذارنی پڑے گی کہ مثلاً وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فلاں پُرانے یا نئے صحابی کے ساتھ نیک سلوک کرنا چاہتا ہے، اسے اجازت دی جائے اور نہ ہی اُسے حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کسی پُرانے یا نئے دوست کے کسی قصور یا لغزش یا غلطی یا کوتاہی یا خطا یا جُرم پر چشم پوشی اور نرمی اور درگذر سے کام لیتے وقت ممبران صدر انجمن کی کسی شوریٰ کی اجازت یا فیصلہ حاصل کرنا ہوگا۔ بلکہ وہ ایک با اختیار جانشین ہوگا جسے کسی کے ساتھ نیک سلوک کرنے کے لئے قوم کی ہر شئے وملک پر گویا مالکانہ تصرف واختیار ہوگا۔ اور جس کے دستِ جود وسخا پر پابندی عائد کرنے کا کوئی مجاز نہ ہوگا۔ اگر قوم یا صدر انجمن کے قوانین ان کی دانست میں کسی شخص کو قصوروار یا مجرم یا خطا کار گردانتے ہیں تو حضرت سیدنا خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وصیت کے مقدس الفاظ حضور کے جانشین کو کامل اختیار واقتدار تفویض کرتے ہیں کہ وہ قوم یا انجمن کے فیصلہ کی پروانہ کرتا ہوا چشم پوشی، نرمی اور درگذر سے کام لے اور کسی کا حق نہ ہوگا کہ اس سے کہے کہ تونے ایسا کیوں کیا۔ خلیفۃ المسیح الاولؓ کی وصیت کا یہ ایک ہی زریں فقرہ ہمارے اور مولوی محمد علی صاحب اور ان کے ہمنواؤں کے درمیان جملہ اختلافی مسائل کو حل کرنے کیلئے کافی ہے۔ یہ تو مولوی صاحب موصوف کو بھی مسلّم ہے کہ اس فقرہ میں خلیفۃ المسیح کے جانشین سے مراد فرد واحد ہے انجمن نہیں۔ اور ہم ثابت کر چکے ہیں کہ وصیت کے مطابق حضور کے جانشین کا کسی کے ساتھ نیک سلوک کرنا یا چشم پوشی کرنا یا نرمی اور درگذر سے کام لینا یہ اس کے اپنے ذاتی اختیار سے ہوگا نہ کہ قوم یا انجمن کی اجازت اور وساطت سے۔ اگر قوم یا انجمن کی اجازت اور وساطت کے ساتھ کسی کے ساتھ نیک سلوک کیا جائے گا یا چشم پوشی اور نرمی اور درگذر سے کام لیا جائے گا تو یہ سب کچھ قوم یا انجمن کی طرف منسوب ہوگا۔ ۔ ۔ نہ کہ خلیفۃ المسیح کے جانشین کی طرف۔ اور ان تمام امور کا کریڈٹ (CREDIT) قوم یا انجمن کو ملے گا نہ کہ جانشین کو۔ لیکن اگر ان باتوں کا صدور خلیفۃ المسیح کے جانشین سے ہوگا اور کلّی طور پر اس کے ذاتی اختیار سے ہوگا تو پھر یہ سمجھ لینا نہایت آسان ہے کہ اس جانشین کو قوم کی ہر شے پر جس میں ہر ایک انجمن بھی شامل ہے کامل اقتدار اور تصرف حاصل ہوگا اور قوم اور انجمن اس کے فیصلوں اور اختیار کے تابع ہوگی نہ کہ وہ ان کے فیصلوں اور اختیار کا تابع ہوگا۔ قوم اور انجمن کے فیصلے اس کے حضور میں آخری منظوری کے لئے پیش ہوں گے اور وہ جس فیصلہ کو چاہے گا منظور

کرے گا اور جسے چاہے گا رد کرے گا اور اس کا فیصلہ آخری فیصلہ ہو گا جس کی نہ کہیں اپیل ہوسکتی ہے اور نہ شکایت اور جس کے فیصلہ کو جماعت کا کوئی فرد یا انجمن چیلنج کرنے کی مجاز نہیں کیونکہ وہ زمین پر رب العرش کا نمایندہ ہوتا ہے۔ اُس کے ارادوں اور فیصلوں میں مشیّت الٰہی کارفرما ہوتی ہے ملائکہ اُس کی اتباع کرتے ہیں اور اقرار لاعلمی کیساتھ عجز و انکسار لیکن ابلیس اور ذریکی کے فرزند اُس کا انکار کرتے ہیں اور انا خیر منہ کے مردود قول کیساتھ ابٰی و استکبار یہی وہ پاک وجود ہوتے ہیں جنہیں اللہ تعالےٰ خلعتِ خلافت سے ملبوس فرما کر انی جاعلٌ فی الارض خلیفۃ کے لقب سے ملقب فرماتا ہے۔ مبارک ہیں وہ جو اُن کی اطاعت میں رضائے الٰہی حاصل کرتے ہیں۔

غرض حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے اپنی وصیت کے اس ایک ہی فقرہ میں قوم کے سامنے اپنی وفات سے پہلے پھر یہ مسئلہ واضح کر دیا کہ میرے بعد میرا جانشین فرد واحد ہو گا۔ وہ میری طرح ہی خلیفۃ المسیح ہو گا۔ مجھے بھی خدا ہی نے خلیفہ بنایا تھا نہ کسی انجمن نے۔ میرے جانشین کو بھی خدا ہی خلیفہ بنائے گا میرے زمانہ خلافت میں انجمن میری مطیع تھی اور میں اس کا مُطاع ایسے ہی میرے جانشین کی بھی انجمن مطیع ہو گی، اور میرا جانشین مُطاع۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد میرے وجود سے سلسلہ احمدیہ میں اللہ تعالیٰ نے سلسلہ خلافت کو جاری فرمایا۔ میری وفات کے بعد میرے جانشین کے ذریعہ سے وہ سلسلہ خلافت کو جاری رکھے گا۔ تاکہ وہ حضرت کے نئے اور پرانے دوستوں سے نیک سلوک کرے اور چشم پوشی، نرمی اور درگذر سے کام لے۔

ایک بات مولوی صاحب نے اپنے ٹریکٹ میں یہ لکھی ہے کہ جس شخص کو خلیفہ مقرر کیا جائے اس کے ہاتھ پر پرانے احمدیوں کو بیعت کرنے کی ضرورت نہیں۔ حالانکہ اس امر کا فیصلہ خلافت اولیٰ کے وقت ہو چکا تھا۔ خود صدر انجمن کے معتمدین یہ فیصلہ دے چکے ہیں کہ تمام احمدی جماعت کے نئے اور پرانے سب ممبروں کا فرض ہے کہ وہ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی بیعت کریں اور ان کا فرمان ہمارے لئے آئندہ ایسا ہی ہو جیسا کہ حضرت اقدس مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تھا

ایک بات مولوی صاحب نے یہ پیش کی ہے کہ اگر خلیفہ مقرر کرنا ہی ہے تو پانچ چھ ماہ تک انتظار کرو۔ حالانکہ حضرت اقدسؑ کے وصال پر حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے سب سے پہلی تقریر میں فرمایا

"میں چاہتا ہوں کہ دفن ہونے سے پہلے تمہارا کلمہ ایک ہو جائے۔"

گویا مولوی صاحب کی اس بات کا جواب بھی حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ ہی دے چکے ہیں کہ جماعتی نظام و اتحاد اور تعلیم و تربیت کی خاطر جماعت کا کسی ایک ہاتھ پر بیشتر اس کے کہ کسی وفات یافتہ مامور یا خلیفہ کو دفن کیا جائے، بیعت کر کے جمع ہو جانا لازمی ہے۔ اور اس امر کو کسی دوسرے وقت پر ٹال دینا بہت سے فتنوں اور فسادات کا دروازہ کھولنا ہے۔ پھر ایسے پاک اور مقدس وجود کے انتخاب کے لئے وہی گھڑیاں سب سے زیادہ مبارک ہوتی ہیں جب وجود متوفی کا جسد اطہر جماعت کے قلوب میں وہ سوز و گداز، وہ رقت و سوزش وہ خلوص و درد اور وہ کرب و اضطراب پیدا کر رہا ہوتا ہے کہ مومنین و مخلصین ماہی بے آب کی طرح تڑپ تڑپ کر آسمان سے نزول سکینت و اطمینان کے لئے بےچین و بیقرار ہو ہو کر دست بدعا ہوتے ہیں تب خدائے بزرگ و برتر اپنی رحمت کاملہ سے ان پُرخلوص دلوں پر رُوح القدس کا نزول فرماتا ہے اور رُوحوں کو کھینچ کھینچ کر اس ہاتھ ہاں اس مقدس ہاتھ کیطرف جو آسمان پر برگزیدہ ہاتھ قرار پا چکا ہوتا ہے رہنمائی کرتا ہے تا وہ اس ہاتھ پر جمع ہو کر پھر تسکین و تسلی پائیں۔ اور جہاں ایک تسلی دہندہ کو سپرد خاک کرتے ہوئے اُن کے دل دفور غم سے خون ہو رہے ہوں وہاں ایک پاک و مطہر وجود کی موجودگی انہیں بے انتہا فرحت و راحت سے بھی ہمکنار کر رہی ہو۔ مولوی محمد علی صاحب کی تجویز کے مطابق مہینوں بعد بلکہ میں تو کہتا ہوں مہینوں بعد کا تو کیا ذکر ہفتوں، دنوں، بلکہ ایک دن بعد بھی رُوحوں میں یہ یاس و آس، یہ خوشی و غم، رنج و راحت، اضطراب و سکینت اور بیقراری و تسکین کا حسین امتزاج اور متضاد جذبات کا پُرکیف اجتماع کہاں میسر آسکتا ہے۔ یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے بقول سیدنا نورالدین خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کہ

"میں چاہتا ہوں کہ دفن ہونے سے پہلے تمہارا کلمہ ایک ہو جائے۔"

پھر ایک بات جس پر جناب مولوی محمد علی صاحب نے اس ٹریکٹ میں بہت زور دیا ہے وہ صدر انجمن کی جانشینی ہے۔ اس کے متعلق مفصل سیر کن بحث اس کتاب میں ہو چکی ہے اس لئے یہاں اس کے دوہرانے کی ضرورت نہیں۔

ایک بات جو مولوی صاحب نے آخر میں پیش کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کا جانشین متقی اور ہردلعزیز ہونا چاہئے لیکن جو شخص مسلمانوں کی تکفیر کرنے والا ہو وہ نہ تو متقی ہو سکتا ہے اور نہ ہی ہردلعزیز۔

مولوی صاحب موصوف کے نزدیک اگر کسی کے اتقار کو پرکھنے کا یہی معیار ہے کہ اختلاف خیالات و

عقاید اس کا کسی سے نہ ہو تو دنیا میں کوئی شخص بھی متقی نہیں کہلا سکتا۔ کیونکہ کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہو سکتا۔ جس کے خیالات سے باقی سب لوگ کلیتہً متفق ہوں۔ خود جناب مولوی صاحب بھی اپنے اس خود ساختہ معیار کے رُو سے ہر گز متقی نہیں کہلا سکتے جیسا کہ ہم ابھی انشاء اللہ ثابت کریں گے کہ وہ خود اور ان کے ہمنوا دل سے تو مسلمانوں کی تکفیر کے قائل ہیں لیکن زبان پر یہ الفاظ لاتے ہوئے عوام کے سامنے جھجکتے اور مصلحتاً رُکتے ہیں اور وہ مصلحت کیا ہے خود انہی کے الفاظ میں سُنئے۔ اسی ٹریکٹ میں آپ فرماتے ہیں:-

"دوسرے اُس (حضرت خلیفۃ المسیحؑ کے جانشین۔ ناقل) میں وہ باتیں موجود ہونی چاہئیں یعنی متقی ہو۔ ہر دلعزیز ہو۔ عالم باعمل ہو۔ حضرت صاحب کے احباب سے نرمی اور درگذر سے کام لے۔ ہاں میں بلا کسی ڈر کے یہ کہوں گا کہ مسلمانوں کی تکفیر کرنیوالے تقویٰ سے الگ راہ پر قدم مارتے ہیں اور ہر دلعزیزی کی صفت بھی انہیں حاصل نہیں ہو سکتی"

مولوی صاحب کا یہ فقرہ "اور ہر دلعزیزی کی صفت بھی انہیں حاصل نہیں ہو سکتی" اُن کے اندرونہ کی صحیح عکاسی کر رہا ہے۔ مسئلہ کفر و اسلام سلسلہ احمدیہ میں کوئی ایسا پیچیدہ مسئلہ نہیں رہا جس کے لئے ہر کس و ناکس اپنا اپنا اجتہاد شروع کر دے۔ حکم وعدل مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے زمانہ میں اس مسئلہ کو نہایت وضاحت سے حل کر دیا۔ خلافت اولیٰ کے عہد میں پھر مولوی صاحب اور ان کے ہمخیالوں نے اسی مسئلہ کی آڑ لے کر جماعت میں خطرناک اختلاف پیدا کرنے کی کوشش کی اور حضرت خلیفہ اولؓ نے اس بارہ میں اپنا مذہب غیر مبہم الفاظ میں بیان کر دیا جسے ہم گذشتہ صفحات میں کسی جگہ درج کر چکے ہیں۔ جماعت کی اکثریت اس مسئلہ کی حقیقت کو سمجھ گئی۔ لیکن مولوی محمد علی صاحب اور اُن کے چند رفقاء حکم وعدل کی واضح تشریح اور خلیفہ اول کے مذہب کے برعکس جماعت میں اس مسئلہ کے متعلق وسوسہ اندازی کرتے ہی چلے گئے۔ اس کا ہر گز یہ مطلب نہیں کہ وہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریرات اور حضرت خلیفہ اولؓ کے بیانات کو سمجھنے سے قاصر تھے۔ وہ سمجھتے تھے اور خوب سمجھتے تھے اور شاید دوسروں سے بھی زیادہ سمجھتے تھے لیکن اس بات کا کیا علاج کہ حکم وعدل کی تشریح اور خلیفہ اولؓ کے مذہب کا سچا اور واقعی برملا اور کھلم کھلا اظہار ان کی ہر دلعزیزی کی صفت کے حصول میں ایک زبردست روک اور آہنی دیوار تھا۔ اس روک کو دُور کرنے اور اس آہنی دیوار کو توڑنے کے لئے انہوں نے ہر جائز و ناجائز حربہ کا استعمال کرنا روا رکھا تا کسی نہ کسی طرح وہ غیر احمدی احباب میں ہر دلعزیز ہو جائیں۔

اب ہم حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی وصیت کے لفظ "ہردلعزیز" پر اس نکتہ نگاہ سے غور کرتے ہیں کہ حضور کا اپنے جانشین کے متعلق یہ فرمانا کہ وہ ہردلعزیز ہو۔ کیا اس سے حضور کی یہ مراد تھی کہ وہ احمدیوں، غیراحمدیوں اور غیر مسلموں تمام اقوام میں ہردلعزیز ہو۔ یقیناً حضور کا یہ مطلب نہیں تھا۔ بلکہ حضور کی مراد صرف یہ تھی کہ ان کا جانشین احمدیوں میں ہردلعزیز ہو۔ کیونکہ ساری اقوام میں تو حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی ہردلعزیز نہ تھے چہ جائیکہ ان کا کوئی جانشین ایسا ہردلعزیز ہو۔ لیکن جناب مولوی محمد علی صاحب کے محولہ بالا فقرہ سے صاف عیاں ہے کہ اُن کے نزدیک حضرت خلیفہ اول رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی مراد اس لفظ سے حضور کے جانشین کا غیر احمدی مسلمانوں میں ہی ہردلعزیز ہونا ہے۔ کیونکہ وہ اس کے ہردلعزیز ہونے کو اس شرط کے مشروط کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کی تکفیر کرنے والا نہ ہو۔

اپنے اس فقرہ میں کہ

"ہاں میں بلا کسی ڈر کے یہ کہوں گا کہ مسلمانوں کی تکفیر کرنے والے تقویٰ سے الگ راہ پر قدم مارتے ہیں اور ہردلعزیزی کی صفت بھی انہیں حاصل نہیں ہوسکتی۔"

جناب مولوی محمد علی صاحب امیر جماعت غیرمبائعین لاہور نے واضح طور پر اس امر کا اعتراف کر لیا ہے کہ وہ یہ چاہتے تھے کہ جماعت ایسے اختلافی مسائل کو خیرباد کہدے جن سے غیراحمدیوں کے ناراض ہونے کا خطرہ ہو۔ لیکن جیسا کہ ہم اس کتاب میں متعدد بار یہ لکھ آئے ہیں۔ مولوی صاحب موصوف اور ان کے ہمخیال ساتھیوں نے یہ سارا جھگڑا صرف جماعت میں حصول اقتدار کے لئے کھڑا کیا تھا۔ انہوں نے جب یہ دیکھا کہ جماعت ہم میں سے کسی شخص کو بھی خلیفہ بنانے کے لئے تیار نہیں ہوگی تو انہوں نے خلافت و انجمن کا فتنہ برپا کر دیا۔ اور جب اس میں بھی انہیں کھلی شکست نظر آئی کیونکہ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے اپنی پُرزور جلالی تقریروں میں اس امر کو مبرہن فرما دیا تھا کہ انجمن خلیفہ پر کبھی بھی حاکم نہیں ہوسکتی وہ ہمیشہ محکوم ہی رہے گی بلکہ اپنی وفات سے قبل اپنے جانشیں کے بارہ میں وصیت بھی کر دی تو انہوں نے اس وصیت میں سے ایک فقرہ کو غلط مفہوم پہنا کر یہ مشہور کرنا شروع کر دیا کہ حضور نے چونکہ فرمایا ہے کہ میرا جانشین ہردلعزیز ہونا چاہیئے اور ہردلعزیز وہ نہیں ہوسکتا

جو غیر احمدیوں کو کافر کہے لہذا ہم حضرت صاحبزادہ میرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کو خلیفہ ماننے کے لئے تیار نہیں۔ حالانکہ حضرت خلیفۃ المسیح الاول ؓ کے نزدیک ہر دلعزیزی کا ہرگز یہ مفہوم نہیں تھا کہ آنے والے خلیفہ کو غیر احمدیوں میں ہر دلعزیز ہونا چاہیئے۔

باقی رہ گیا مسئلہ کفر و اسلام کا۔ سو جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں یہ مسئلہ حضرت مسیح موعودؑ اور حضرت خلیفۃ المسیح الاول ؓ کی خدمت میں متعدد بار پیش ہوا۔ اور اس کا فیصلہ نہایت وضاحت کے ساتھ ہو چکا ہے۔ اس جگہ ہم ڈاکٹر عبد الحکیم صاحب پٹیالوی کے ایک خط کا اقتباس اور اس کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ کا جواب درج کئے دیتے ہیں۔

ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب پٹیالوی کا خط

"اس وقت میں چند امور کی طرف جو نہایت ضروری ہیں آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں۔

اوّل یہ کہ امت محمدیہ میں جو لوگ ہماری تکذیب کرتے اور ہمیں صریحاً کافر کہتے ہیں، اُن کے ساتھ تو بے شک نماز نہیں ہو سکتی مگر جو لوگ ہمیں صریحاً کافر نہیں کہتے۔ اُن کو کافر نہ سمجھا جاوے بلکہ حسن ظنی سے کام لیا جائے اور اُن کے ساتھ نمازیں پڑھنے کی اجازت دی جائے تاکہ ہماری تبلیغ آسان اور وسیع ہو سکے۔

دوم یہ کہ جو تحریر انشراح صدر اور عالی ظرفی سے مولوی محمد علی اور خواجہ کمال الدین صاحب نے شائع کی تھی کہ ریویو آف ریلیجنز میں عام اسلامی مضامین شائع ہوا کریں اور خاص مضامین جو آپ کی ذات سے متعلق ہیں وہ ایک علیحدہ ضمیمہ میں شائع ہو جایا کریں اس سے ہمارے مشن کی تبلیغ بہت جلدی اور عمدگی سے پھیل سکتی ہے اور قرآن مجید کی رُو سے مدارِ نجات کبھی اللہ پر ایمان اور اعمال صالحہ ہیں۔ ان الذین اٰمنوا والذین ھادوا والنصاریٰ والصابئین من اٰمن باللہ والیوم الآخر وعمل صالحاً (الآیۃ) . . .

ایک موقعہ پر اہل کتاب کو محض توحید کی طرف دعوت کی ہے۔ تعالوا الیٰ کلمۃٍ سواءٍ بیننا و بینکم۔ الغرض مدار نجات قرآن مجید نے توحید اور اعمال صالحہ کو رکھا ہے . . .

سوم۔ آپ کا وجود خادم اسلام ہے نہ کہ وجود اسلام۔ پس اپنے وجود کی خاطر اصل اشاعتِ اسلام کو روکنا حکمت اور دانائی کے خلاف ہے . . . .

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جواب

"خانصاحب! آپ کا خط میں نے بہت افسوس سے پڑھا۔ اس خط کے پڑھنے سے صرف یہی معلوم نہیں ہوتا کہ آپ ہمارے سلسلہ سے خارج ہیں بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ دین اسلام سے بھی منہ پھیر رہے ہیں۔ آپ یہ کہتے ہیں کہ ہر ایک شخص (جو) یہود و نصاریٰ اور دوسری قوموں سے اللہ پر ایمان لاتا ہے اور اپنے طور پر نیک عمل کرے تو نجات پانے کے لئے یہی عمل اس کے لئے کافی ہے۔ اگر ان آیات کے یہی معنے ہیں تو گویا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بڑی غلطی کی کہ دینِ اسلام کی دعوت کیلئے زمین میں خون کی ندیاں چلا دیں . . . . اور جو آپ نے میری جماعت پر تہمت لگائی ہے کہ وہ ایسے ہی بے عمل ہیں جیسے دوسرے، یہ آپ نے سخت ظلم کیا۔ میں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ ہماری تھوڑی سی جماعت میں ہزارہا ایسے آدمی موجود ہیں جو متقی اور نیک طبع اور خدا تعالےٰ پر پختہ ایمان رکھتے ہیں اور دین کو دنیا پر مقدم رکھتے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ جو ہم نے دوسرے مدعیانِ اسلام سے قطع تعلق کیا ہے اول تو یہ خدا تعالیٰ کے حکم سے تھا نہ اپنی طرف سے، اور دوسرے وہ لوگ ریا پرستی اور طرح طرح کی خرابیوں میں حد سے بڑھ گئے ہیں اور ان کو ان کی ایسی حالت کے ساتھ اپنی جماعت کے ساتھ ملانا یا ان سے تعلق رکھنا ایسا ہی ہے جیسا کہ عمدہ اور تازہ دودھ میں بگڑا ہوا دُودھ ڈال دیں جو سڑ گیا ہے اور اس میں کیڑے پڑ گئے ہیں۔ اسی وجہ سے ہماری جماعت کسی طرح اُن سے تعلق نہیں رکھ سکتی اور نہ ہمیں ایسے تعلق کی حاجت ہے۔ چونکہ آپ محض نام سے ہماری بیعت میں داخل ہوئے تھے اور حقیقت سے سراسر بیخبر۔ اس لئے آپ کو نہ یہ معلوم ہے کہ ایمان کس کو کہتے ہیں اور اللہ کس کا نام ہے اور نہ یہ خبر کہ اسلام کی حقیقت کیا ہے۔ اس لئے آپ کو سخت لغزش ہے اور لغزش بھی ایسی کہ ارتداد

تک پہنچ گئی۔ لیکن اللہ تعالےٰ کو کسی کی پروا نہیں۔ اگر ایک مرتد ہو جائے تو اس کی عوض میں ہزار ہا لے آئے گا" [۱]

ایسا ہی ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب کو جو حضور نے تیسرا خط لکھا۔ اس میں بھی حضور لکھتے ہیں۔

"خدا تعالیٰ نے مجھ پر ظاہر کیا ہے کہ ہر ایک شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں اور خدا کے نزدیک قابل مؤاخذہ ہے۔ اور یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ اب میں ایک شخص کے کہنے سے جس کا دل ہزاروں تاریکیوں میں مبتلا ہے خدا کے حکم کو چھوڑ دوں۔ اس سے سہل تر بات یہ ہے کہ ایسے شخص کو اپنی جماعت سے خارج کر دوں۔ وہ لوگ جو میری دعوت کے رد کرنے کے وقت قرآن شریف کی نصوص صریحہ کو چھوڑتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے کھلے کھلے نشانوں سے منہ پھیرتے ہیں اُن کو راستباز قرار دینا اسی شخص کا کام ہے جس کا دل شیطان کے پنجے میں گرفتار ہے۔"

ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب کے خط اور حضرت اقدس کے جواب سے ظاہر ہے کہ اکثر باتوں میں غیر مبائعین کا مسلک ڈاکٹر صاحب موصوف کے مسلک سے بالکل ملتا ہے مگر غیر مبائعین حضرات چونکہ ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریرات اور فرامین کے ایک ایک لفظ پہ ایمان رکھتے ہیں اس لئے ان کی غلط فہمی کو دُور کرنا نسبتاً آسان ہے۔

مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری کا ایک نہایت دلچسپ واقعہ

مثال کے طور پر اخویم محترم مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری کا ایک دلچسپ واقعہ بیان کرتا ہوں جو آپ کو بہت ابتدائی زمانہ میں پیش آیا تھا۔ چونکہ اس واقعہ کا مسئلہ کفر و اسلام کے سمجھنے میں گہرا تعلق ہے اس لئے یہاں اس کا بیان کر دینا انشاءاللہ بہت سی سعید روحوں کی غلط فہمیوں کے دور کرنے کا موجب ہوگا۔

محترم مولانا صاحب فرمایا کرتے ہیں کہ مولوی فاضل کا امتحان پاس کرنے کے بعد ابھی ہم لوگ مبلغین کلاس میں حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ سے پڑھتے تھے کہ جماعت کوہ مری کا تار مرکز میں پہنچا کہ جناب ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب (جو ایک سرکردہ غیر مبائع تھے) کے ساتھ مناظرہ مقرر ہوا ہے۔ مہربانی فرما کر

---

[۱] بحوالہ "الفضل" پرچہ ۱۶ اپریل ۱۹۱۴ء صفحہ ۱۱-۱۲۔

حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ کو بھیجا جائے۔ حضرت حافظ صاحب نے مجھے فرمایا کہ تم چلے جاؤ۔
میں اس زمانہ میں دبلا پتلا تھا۔ علاوہ ازیں مجھے باہر کے لوگ جانتے بھی نہ تھے مگر میں تعمیل ارشاد کے لئے
تیار ہوگیا۔ جب مری پہنچا تو جماعت کے لوگ مجھے دیکھ کر بہت مایوس ہوئے اور بعض نے آپس میں
کانا پھوسی بھی کی کہ ڈاکٹر محمد حسین صاحب جیسے جہاندیدہ اور تجربہ کار انسان کے مقابل میں ایک بچہ کو
بھیجدینا کیا معنی رکھتا ہے۔ مرکز والوں نے یہ کیا کیا؟ مگر مجبور تھے۔ وقت مقرر پر مجھے ساتھ لے گئے۔
جب ہم لوگ ڈاکٹر صاحب موصوف کی کوٹھی پر پہنچے تو ڈاکٹر صاحب نے ہمیں شرمندہ اور ذلیل کرنے نیز نیچا
دکھانے کے لئے اپنی بیٹھک میں بیس پچیس لمبی لمبی ڈاڑھیوں والے پٹھان بٹھلائے ہوئے تھے جن
میں سے بعض کے ہاتھوں میں تسبیحیں بھی تھیں۔ بیٹھک میں داخل ہوتے ہی جناب ڈاکٹر صاحب موصوف
نے مجھے کہا کہ مولانا! ہماری آپ کے ساتھ اور کوئی بحث نہیں۔ صرف اتنا بتا دیجئے کہ یہ تمام شریف
لوگ جو کلمہ لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے قائل ہیں۔ نمازیں پڑھتے ہیں۔ روزے رکھتے ہیں۔ ان میں
بعض حاجی بھی ہیں اور باقی بھی تمنا رکھتے ہیں کہ اگر موقعہ ملے تو حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے
جائیں۔ مومن ہیں یا کافر؟ محترم مولانا فرماتے ہیں کہ میں ڈاکٹر صاحب کا یہ سوال سُنکر پہلے تو بہت گھبرایا
مگر اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرنے پر فوراً ایک جواب سوجھا جس پر میں نے ڈاکٹر صاحب کو کہا کہ ڈاکٹر
صاحب! قبل اس کے کہ میں آپ کے اس سوال کا جواب دوں۔ پہلے آپ میرے ایک سوال کا جواب
دیں۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا۔ کہئے آپ کا کیا سوال ہے؟ میں نے کہا۔ آپ یہ بتایئے کہ جو لوگ حضرت
مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کافر کہتے ہیں وہ آپ کے نزدیک مسلمان ہیں یا کافر؟ ڈاکٹر صاحب نے
جھٹ جواب دیا کہ وہ چونکہ ایک مومن کو کافر کہتے ہیں لہٰذا حدیث کی رُو سے وہ کُفران پر اُلٹ کر پڑتا ہے
اس پر میں نے کہا کہ مہربانی فرما کر یہ بتایئے کہ مشہور معاندین سلسلہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی
اور مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے، یہ لوگ مسلمان ہیں یا کافر؟ ڈاکٹر
صاحب نے فرمایا۔ یہ دونوں مولوی صاحبان کافر ہیں کیونکہ یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کافر کہتے
ہیں؟ میں نے کہا۔ جو لوگ ان مولویوں کو مسلمان کہیں۔ ان کے متعلق آپ کا کیا فتویٰ ہے؟ ڈاکٹر صاحب
نے کہا وہ بھی کافر ہیں کیونکہ وہ کافروں کو مسلمان کہتے ہیں۔ اس پر میں نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب! اب
ان مسلمانوں سے (ان پٹھانوں کی طرف اشارہ کر کے) پوچھ لیجئے کہ یہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور مولوی

ثناءاللہ صاحب امرتسری کو کیا سمجھتے ہیں؟ میرا اتنا کہنا تھا کہ وہ سارے پٹھان ڈاکٹر صاحب پر برس پڑے اور کہنے لگے۔ ڈاکٹر صاحب! یہ لوگ آپ لوگوں سے ہزار درجہ اچھے ہیں کیونکہ ان میں منافقت نہیں۔ لیکن آپ لوگ سخت دھوکا باز ہیں کیونکہ ہمیں سمجھتے کافر ہیں لیکن کہتے مسلمان ہیں! کتنا سخت دھوکا ہے! اس پر ڈاکٹر صاحب بہت کھسیانے ہوئے۔ اور مناظرہ چند منٹوں میں ہی ختم ہوگیا۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ محترم مولانا ابوالعطاء صاحب کے اس معقول اور مدلل جواب کا جناب ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب پر اس قدر اثر ہوا کہ وہ مولانا کا بہت ادب و احترام کرنے لگ گئے۔ چنانچہ اس واقعہ کے پانچ چھ سال بعد جب ایک مرتبہ ۱۹۳۱ء میں مجھے بھی محترم مولانا صاحب کی معیت میں ڈیڑھ ماہ مری میں رہنے کا موقعہ ملا تو پہلی ملاقات پر ہی جناب ڈاکٹر صاحب نے مولانا کو اپنی کوٹھی پر چائے کی دعوت دی۔ اور آپ کی بہت تعریف کی۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مکفرین و مکذبین کو مسلمان کہنا بھی ظاہر بین نگاہوں کو فریب دینا ہی ہے ورنہ حقیقت یہی ہے کہ خود غیر مبائعین بھی ان کو مسلمان نہیں سمجھتے جیسا کہ اوپر کے واقعہ سے ظاہر ہے۔ اور اگر آج غیر احمدی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مسلمان تسلیم کر لیں۔ اور حضور کے واضح اور صریح نشانات کی تکذیب نہ کریں اور آپ پر کفر کا فتویٰ لگانے والوں کو کافر قرار دے دیں تو ہم بھی انہیں مسلمان سمجھ لیں گے۔

مگر یاد رہے کہ اس ساری بحث میں مسلمان سے مراد حقیقی مسلمان ہے ورنہ ظاہری لحاظ سے جو شخص بھی اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ہم اسے کافر کہیں۔ ہم ہر مسلمان کہلانے والے کو عرف عام میں مسلمان ہی کہیں گے لیکن اگر کوئی شخص یا قوم ہمارے امام و پیشوا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کافر کہے اور ہم سے یہ توقع رکھے کہ ہم انہیں مسلمان کہیں تو یہ توقع عبث ہوگی۔ پس مسئلہ کفر و اسلام کو بھی غیر مبائعین نے ہمارے خلاف محض نفرت پھیلانے اور اپنے آپ کو غیروں میں "ہر دلعزیز" بنانے کا ذریعہ بنایا ہوا ہے ورنہ مذہب ان کا بھی یہی ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منکر اور مکذب کافر ہیں۔

باقی رہا مولوی محمد علی صاحب کا یہ کہنا کہ مسلمانوں کو کافر کہنے والا شخص ہرگز متقی نہیں کہلا سکتا۔ لہٰذا ایسا انسان حضرت خلیفۃ المسیح کی وصیت کی رو سے حضور کا جانشین نہیں بنایا جا سکتا۔ اس میں بھی مولوی

محمد علی صاحب کا اشارہ سیدنا حضرت صاحبزادہ میرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب ہی کی طرف تھا۔ مگر جب کریدا گیا۔ تو ثابت ہوا کہ ایں گناہ ایست کہ در شہر شما نیز کنند۔ مگر افسوس کہ مولوی محمد علی صاحب نے یہ خیال نہ کیا کہ اگر آپ متقی نہ تھے تو کیا حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے ایک غیر متقی کو امام الصلوٰۃ اور خطیب مقرر کیا ہوا تھا۔ آپ کو تو چاہیئے تھا کہ جناب مولوی محمد علی صاحب ایسے "امام المتقین" یا آپ کے ساتھیوں میں سے کسی متقی کو امام الصلوٰۃ اور خطیب مقرر کرتے۔ اور جب کوئی ایسا پاک اور مقدس وجود آپ کی مجلس میں آتا تو جس طرح آپ سیدنا حضرت محمود ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی تعظیم کیا کرتے تھے اور اپنے پاس نہایت ہی اعزاز اور اکرام سے بٹھایا کرتے تھے۔ اسی طرح آپ کی بجائے اُسے بٹھاتے اور جس طرح حضور نے آپ کی خلافت کے واضح اشارے فرمائے تھے بلکہ ایک مرتبہ تو آپ کے حق میں وصیت بھی فرما دی تھی، اس متقی کے حق میں بھی ایسا کرتے یعنی جناب مولوی محمد علی صاحب یا آپ کی پارٹی کے کسی متقی کے حق میں! مگر آپ نے ایسا کبھی نہیں کیا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ متقی کی جو تعریف جناب مولوی محمد علی صاحب نے کی تھی وہ بالکل غلط ہے اور اگر متقی کی یہی تعریف ہے کہ جو مسلمانوں کی تکفیر نہ کرتا ہو تو اس تعریف کی رُو سے تو خود مولوی محمد علی صاحب اور اُن کے ساتھی بلکہ جماعت کا کوئی فرد بھی متقی نہیں کہلا سکتا بلکہ مولوی صاحب کی اس خود ساختہ تعریف کی زد سے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کا اتقا بھی محفوظ نہیں رہتا۔ جیسا کہ ہم اُوپر تفصیل کے ساتھ ثابت کر چکے ہیں۔

پس یاد رکھنا چاہیئے کہ متقی وہ نہیں جسے مولوی محمد علی صاحب یا ان کے ہم خیال متقی قرار دیں بلکہ متقی وہ تھا جسے خدا تعالیٰ نے اپنی فعلی شہادت سے متقی ثابت کیا اور جسے اس کے بندے حضرت خلیفۃ المسیحؓ نے متقی کہا۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

مویدین خلافت کی جوابی کاروائی

مویدین خلافت نے جب جناب مولوی محمد علی صاحب کا ٹریکٹ ہر باہر سے آنیوالے احمدی کے ہاتھ میں دیکھا۔ تو اس میں چونکہ ایسا مواد موجود تھا جس کی وجہ سے جماعت کے اتحاد اور اتفاق کو سخت دھکا لگنے کا خطرہ تھا۔ علاوہ ازیں اس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی وصایا کی بھی بے قدری کی گئی تھی۔ نیز جماعت کے احباب سے اپنی تحریر پر رائیں بھی طلب کی گئی تھیں۔ اس لئے مویدین خلافت کو ضرورت پیش آئی کہ وہ بھی احباب جماعت کو صحیح حالات سے آگاہ کریں اور اُن سے دریافت کریں کہ وہ جناب

مولوی محمد علی صاحب کی بیان کردہ باتوں سے متفق ہیں یا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضؓ کی وصایا کے مطابق عمل کرنا چاہتے ہیں؟ سو الحمد للہ کہ جماعت کے نوے فیصدی احباب نے یہ رائے دی کہ خلیفہ کا انتخاب فوراً ہونا چاہیئے اور یہ کہ اختیارات کے لحاظ سے بھی اس کی پوزیشن وہی ہونی چاہیئے۔ جو حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضؓ کی تھی۔

مہمانوں کی آمد

بیرونی جماعتوں کو جوں جوں اطلاع ہوتی جاتی تھی اُن کے نمائندے بڑی سرعت کے ساتھ قادیان پہنچ رہے تھے۔ حتیٰ کہ ہفتہ کے دن نماز ظہر تک قریباً ایک ہزار سے زیادہ آدمی قادیان پہنچ چکا تھا۔

حضرت صاحبزادہ صاحب کا اپنے رشتہ داروں سے مشورہ

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب فرماتے ہیں:۔

"ظہر[1] کے بعد میں نے اپنے تمام رشتہ داروں کو جمع کیا۔ اور ان سے اس اختلاف کے متعلق مشورہ طلب کیا۔ بعض نے رائے دی کہ جن عقائد کو ہم حق سمجھتے ہیں اُن کی اشاعت کے لئے ہمیں پوری طرح کوشش کرنی چاہیئے اور ضرور ہے کہ ایسا آدمی خلیفہ ہو جس سے ہمارے عقائد متفق ہوں مگر میں نے سب کو سمجھایا کہ اصل بات جس کا اس وقت ہمیں خیال رکھنا چاہیئے وہ اتفاق ہے۔ خلیفہ کا ہونا ہمارے نزدیک مذہباً ضروری ہے۔ پس اگر وہ لوگ اس امر کو تسلیم کرلیں۔ تو پھر مناسب یہی ہے کہ اوّل تو عام رائے لی جاوے۔ اگر اس سے وہ اختلاف کریں تو کسی ایسے آدمی پر اتفاق کرلیا جائے جو دونوں فریق کے نزدیک بے تعلق ہو اور اگر یہ بھی وہ قبول نہ کریں تو ان لوگوں میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کرلی جاوے اور میرے اصرار پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تمام اہل بیت نے اس بات کو تسلیم کرلیا۔ یہ فیصلہ کرکے میں اپنے ذہن میں خوش تھا کہ اب اختلاف سے جماعت محفوظ رہے گی۔ مگر خدا تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔"

مولوی محمد علی صاحب اور اُن کے ساتھیوں سے گفتگو

آپ فرماتے ہیں:۔

"میں باہر آیا۔ تو مولوی محمد علی صاحب کا رقعہ مجھے ملا۔ کہ کل والی گفتگو کے متعلق ہم پھر کچھ گفتگو کرنی چاہتے ہیں۔ میں نے اُن کو

---

[1] حاشیہ از حضرت صاحبزادہ صاحب "مجھے ایسا ہی یاد ہے کہ گفتگو ہفتے کو ہوئی۔ لیکن بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جمعہ کو ہی یہ مشورہ بھی ہوا تھا۔"

بُلوالیا۔ اس وقت میرے پاس مولوی سید محمد احسن صاحب، خان محمد علی خاں صاحب،
اور ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب موجود تھے۔ مولوی صاحب بھی اپنے بعض احباب سمیت
وہاں آگئے اور پھر کل کی بات شروع ہوئی۔ میں نے پھر اس امر پر زور دیا کہ خلافت کے
متعلق آپ بحث نہ کریں۔ صرف اس امر پر گفتگو ہو کہ خلیفہ کون ہو اور وہ اس بات پر مُصر
تھے کہ نہیں ابھی کچھ بھی نہ ہو کچھ عرصہ تک انتظار کیا جاوے۔ سب جماعت غور کرے کہ
کیا کرنا چاہیئے۔ پھر جو متفقہ فیصلہ ہو اس پر عمل کیا جاوے۔ میرا جواب وہی کل والا تھا
اور پھر میں نے اُن کو یہ بھی کہا کہ اگر پھر بھی اختلاف ہی رہے تو کیا ہوگا۔ اگر کثرت رائے
سے فیصلہ ہونا ہے تو ابھی کیوں کثرت رائے پر فیصلہ نہ ہو۔ درمیان میں کچھ عقاید پر بھی
گفتگو چھڑ گئی جس میں سید محمد احسن صاحب نے نبوت حضرت مسیح موعودؑ پر خوب زور دیا۔
اور مولوی محمد علی صاحب سے بحث کی اور میں امید کرتا ہوں کہ اگر مولوی محمد علی صاحب
کو حلف دی جاوے تو وہ کبھی اس سے انکار نہیں کریں گے مگر میں نے اس بحث سے
روک دیا کہ یہ وقت اس بحث کا نہیں۔ اس وقت جماعت کو تفرقہ سے بچانے کی فکر
ہونی چاہیئے۔ جب سلسلہ گفتگو کسی طرح ختم ہوتا نظر نہ آیا اور باہر بہت شور ہونے لگا
اور جماعت کے حاضر الوقت اصحاب اس قدر جوش میں آگئے کہ دروازہ توڑے جانے
کا خطرہ ہو گیا اور لوگوں نے زور دیا کہ اب ہم زیادہ صبر نہیں کر سکتے۔ آپ لوگ کسی امر
کو طے نہیں کرتے اور جماعت اس وقت بغیر کسی رئیس کے ہے تو میں نے مولوی محمد علی
صاحب سے کہا کہ بہتر ہے کہ باہر چل کر جو لوگ موجود ہیں ان سے مشورہ لے لیا جائے۔ اس
پر مولوی محمد علی صاحب کے مُنہ سے بے اختیار نکل گیا کہ آپ یہ بات اس لئے کہتے ہیں
کہ آپ جانتے ہیں کہ وہ لوگ کسے منتخب کریں گے۔ اس پر میں نے اُن سے کہا کہ نہیں
میں تو فیصلہ کر چکا ہوں کہ آپ لوگوں میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لوں مگر اس پر
بھی انہوں نے یہی جواب دیا کہ نہیں آپ جانتے ہیں کہ ان لوگوں کی کیا رائے ہے۔
یعنی وہ آپ کو خلیفہ مقرر کریں گے۔ اس پر میں اتفاق سے مایوس ہو گیا اور میں نے سمجھ
لیا کہ خدا تعالیٰ کا منشا کچھ اور ہے کیونکہ باوجود اس فیصلہ کے جو میں اپنے دل میں کر چکا

تھا میں نے دیکھا کہ یہ لوگ صلح کی طرف نہیں آتے اور مولوی صاحب کے اس فقرہ سے میں یہ بھی سمجھ گیا کہ مولوی محمد علی صاحب کی مخالفت خلافت سے بوجہ خلافت کے نہیں بلکہ اس لئے ہے کہ اُن کے خیال میں جماعت کے لوگ کسی اور کو خلیفہ بنانے پر آمادہ تھے اور یہی بات درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس سے چھ سال پہلے وہ اعلان کر چکے تھے کہ

"مطابق فرمان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مندرجہ رسالہ الوصیت ہم احمدیان جن کے دستخط ذیل میں ثبت ہیں اس امر پر صدق دل سے متفق ہیں کہ اول المہاجرین حضرت حاجی مولوی حکیم نورالدین صاحب جو ہم سب سے اعلم اور اتقیٰ ہیں اور حضرت امام کے سب سے زیادہ مخلص اور قدیمی دوست ہیں اور جن کے وجود کو حضرت امام علیہ السلام اُسوہ حسنہ قرار فرما چکے ہیں جیسا کہ آپ کے شعر

چہ خوش بودے اگر ہر یک ز امت نور دیں بودے
ہمیں بودے اگر ہر دل پُر از نور یقیں بودے

سے ظاہر ہے، کے ہاتھ پر احمد کے نام پر تمام احمدی جماعت موجودہ اور آئندہ نئے ممبر بیعت کریں اور حضرت مولوی صاحب موصوف کا فرمان ہمارے واسطے آئندہ ایسا ہی ہو جیسا کہ حضرت اقدس مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تھا۔"

یہ اعلان جماعت کے بہت سے سر برآوردہ لوگوں کی طرف سے فرداً فرداً ہر ایک کے دستخط کے ساتھ ہوا تھا جن میں مولوی محمد علی صاحب بھی تھے۔ یہ تحریر ۲؍جون ۱۹۰۸ء کے بدر میں بغرض اعلان شائع کی گئی تھی۔ ۲۷؍مئی ۱۹۰۸ء کو حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بطور درخواست پیش کی گئی تھی اور پھر حضرت ممدوح کی بیعت خلافت ہو چکنے کے بعد اخبار بدر کے پرچہ مذکورہ بالا میں ہی جناب خواجہ کمال الدین صاحب نے بحیثیت سکرٹری انجمن احمدیہ اس بارہ میں حسب ذیل اعلان شائع کیا تھا:-

"حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جنازہ قادیان میں پڑھا جانے کے بعد آپ کے وصایا مندرجہ

رسالہ الوصیت کے مطابق جناب حکیم نور الدین صاحب سلمہ کو آپ کا جانشین اور خلیفہ قبول کیا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یہ خط بطور اطلاع کل سلسلہ کے ممبران کو لکھا جاتا ہے کہ وہ اس خط کے پڑھنے کے بعد فی الفور حضرت حکیم الامۃ خلیفۃ المسیح والمہدی کی خدمت بابرکت میں بذات خود یا بذریعہ تحریر حاضر ہو کر بیعت کریں۔"

اب کوئی نئی وصیت تو اُن کے ہاتھ میں آئی نہ تھی۔ کہ جس کی بنا پر وہ خلافت کو ناجائز سمجھنے لگے تھے۔ پس حق یہی ہے کہ ان کو خیال تھا کہ خلافت کے لئے جماعت کی نظر کسی اور شخص پر پڑ رہی ہے۔

جب فیصلہ سے مایوسی ہوئی تو میں نے مولوی صاحب سے کہا کہ چونکہ ہمارے نزدیک خلیفہ ہونا ضروری ہے اور آپ کے نزدیک خلیفہ کی ضرورت نہیں اور یہ ایک مذہبی امر ہے۔ اس لئے آپ کی جو مرضی ہو کریں۔ ہم لوگ جو خلافت کے قائل ہیں اپنے طور پر اکٹھے ہو کر اس امر کے متعلق مشورہ کر کے کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے ہیں۔ یہ کہہ کر میں اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور مجلس برخواست ہوئی۔"

انتخاب خلافت
۱۴ر مارچ ۱۹۱۴ء

وہاں سے اُٹھ آپ سیدھے اپنے ساتھیوں سمیت مسجد نور میں تشریف لے آئے جہاں ڈیڑھ دو ہزار آدمی آپ کی انتظار میں بیٹھے تھے پہلے نماز عصر پڑھی گئی۔ اس کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ کے وصی حضرت نواب محمد علی خاں صاحب رئیس مالیر کوٹلہ نے اس بھری مجلس میں آپ کی وہ وصیت پڑھ کر سُنائی۔ جو آپ نے ۴ر مارچ ۱۹۱۴ء کو موجودگی قریب سو افراد کے جن میں حضرت صاحبزادہ میاں بشیر الدین محمود احمد صاحب، مولوی محمد علی صاحب، ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اور حضرت میاں معراج الدین عمر صاحب بھی شامل تھے، اپنے قلم سے لکھ کر حضرت نواب محمد علی خاں صاحب کے حوالہ بطور امانت کی تھی۔ وصیت سُنانے کے بعد حضرت نواب صاحب نے قوم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ

"جو امانت حضرت خلیفۃ المسیحؑ نے میرے سپرد کی تھی۔ اس کو میں نے پہنچا دیا ہے۔ اب اس کے مطابق انتخاب کرنا آپ لوگوں کا کام ہے۔"

حضرت نواب صاحب یہ بات کہہ کر ابھی بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ میاں صاحب، میاں صاحب، حضرت میاں صاحب کی آوازیں بلند ہونی شروع ہو گئیں۔ ابھی یہ آوازیں بلند ہو رہی تھیں کہ حضرت مولوی سید

محمد احسن صاحب امروہی کھڑے ہوئے اور بلند آواز سے یہ کہا کہ

"میں وہ شخص ہوں کہ میری نسبت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔ کہ ان دو فرشتوں میں سے جن کے کندھوں پر مسیح کا نازل ہونا حدیثوں میں آیا ہے۔ ایک فرشتہ یہ (خاکسار) ہے۔ میں صاحبزادہ بشیر الدین محمود احمد صاحب کو ہر طرح اس قابل سمجھتا ہوں کہ وہ بیعت لیں اور اُن کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ وہ ہماری بیعت کو قبول فرمادیں"۔ حضرت مولوی عبد المغنی خانصاحب کا بیان ہے کہ

"میں بھی سیدنا امیر المؤمنین حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے قریب ہی بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا اور آج بھی وہ نظارہ میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ حضرت قاضی امیر حسین صاحب مرحوم جو مسجد نور کے اندر اگلی صفوں میں سے کسی صف میں بیٹھے تھے۔ انتخاب سے پہلے بالکل بے تابانہ اور از خود وارفتگی کے عالم میں حضرت کے پاس آئے اور ایک درد بھرے لہجہ سے عرض کیا۔

"حضور! میری بیعت تو آپ لے لیں"۔

مگر حضرت بدستور خاموش بیٹھے رہے کچھ نہ فرمایا۔ اس پر قاضی صاحب مرحوم بھی ادب سے خاموش بیٹھ گئے اور اصرار نہ کیا۔" [1]

حضرت بھائی عبد الرحمٰن صاحب قادیانی فرماتے ہیں۔

"مولانا سید محمد احسن صاحب کی تقریر کے فوراً بعد ہی ایک طرف جناب مولوی محمد علی صاحب اور دوسری طرف سید میر حامد شاہ صاحب کھڑے ہو گئے۔ دونوں کچھ کہنا چاہتے تھے مگر سید صاحب چاہتے تھے کہ پہلے وہ اپنا عندیہ بیان کریں اور مولوی صاحب اپنے خیالات پہلے سُنانا چاہتے تھے چنانچہ دونوں بزرگوں میں باہم ردّ و کد ہوتی رہی۔ سید صاحب مولوی صاحب سے اور مولوی صاحب سید صاحب سے صبر اور انتظار کرنے کی درخواستیں کرتے رہے۔ وہ کہتے مجھے کچھ کہہ لینے دیں اور وہ فرماتے۔ مجھے پہلے عرض کر لینے دیں۔ اس طرح ایک مجادلہ کی صورت بن گئی۔ لوگ گھبرا چکے تھے۔ صبر و برداشت کی تاب ان میں باقی نہ تھی۔ جھگڑے اور مجادلے سننے کو وہ جمع نہ

[1] خلافت ثانیہ کا قیام صفحہ ۲۶۔

ہوئے تھے۔ دلوں کی بے چینی اور اضطراب کو بھانپ کر حاضرین کی ترجمانی کرتے ہوئے اور خلقِ خدا کی گویا زبان ہی بنکر حضرت عرفانی کبیر نے جرأت کی اور پکار کر عرض کیا کہ

" ان جھگڑوں میں یہ قیمتی وقت ضائع نہیں ہونا چاہیئے۔ ہمارے آقا حضور! ہماری بیعت قبول فرماویں "

لوگ بھرے بیٹھے تھے۔ بے اختیار لبیک لبیک کہتے ہوئے بڑھنے اور ایک دوسرے پر گرنے لگے۔ قریب والوں کو ہاتھ میں ہاتھ دینے کا شرف ملا۔ اور دُور والوں نے پگڑیاں ڈال دیں۔ اور آن کی آن میں واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً کا منظر سامنے آگیا۔ مخالف خیال گنتی کے چند اصحاب لوگوں کو لتاڑتے اور روندتے ہوئے مسجد سے نکل گئے۔ کسی نے ان سے تعرض کیا نہ گستاخی۔ لوگ دیوانہ وار پروانوں کی طرح شمع خلافت و ہدایت کے گرد گرے پڑتے تھے۔ دیر تک کوئی آواز اُٹھی نہ الفاظ۔ ایک خاموشی و سکوت طاری رہا۔ دھکوں کی وجہ سے لوگ حضرت کے قریب بیٹھنے والوں کے اُوپر گرے ہوئے تھے اور قُرب پانے والے لذّت و سرور کے بوجھ تلے دبے ہوئے۔ عزیزم مکرم مولوی عبیداللہ صاحب شہید کا ہاتھ پہلے دستِ خلافت پر پہنچا۔ اور دوسرا اس عزت و شرف سے مشرف ہونیوالا ہاتھ حضرت مولانا مولوی سید سرور شاہ صاحب کا تھا۔ جن کے بعد ایک دوسرے پر اور دوسرا تیسرے پر یُوں پڑے جیسے موسلا دھار بارش کے قطرات مقطر۔ گنتی رہی نہ امتیاز۔ حتیٰ کہ حضرت نواب صاحب جیسی عظیم المرتبت اور واجب الاحترام ہستی بھی اس دھکم دھکا سے محفوظ نہ رہ سکی۔ حضرت مولوی سیّد سرور شاہ صاحب بیان فرماتے ہیں کہ

"جب دیر تک کوئی آواز میرے کان میں نہ پڑی تو میں نے بوجھ تلے دبا ہوا اپنا سَر زور کر کے اُٹھایا۔ لوگوں کے ہاتھوں کی اوٹ دُور کر کے جھانکا۔ مظہر خلافت کی طرف نظر کی تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضور گویا میری ہی تلاش میں تھے۔ دیکھ کر فرمایا۔ مولوی صاحب! مجھے تو الفاظِ بیعت بھی یاد نہیں۔ بے خیالی میں اچانک اور غیر متوقع یہ بار مجھ پر آن پڑا ہے۔ آپ الفاظِ بیعت بولتے جائیں" چنانچہ مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ

"میں الفاظ بیعت بولتا گیا اور حضرت دوہراتے گئے اور اس طرح حضور نے بیعت لی" اور ایک لمبی دعا کے بعد مختصر سی تقریر فرمائی۔ اور اس طرح بکھری ہوئی اور پریشان جماعت خدا کے فضل سے دوبارہ متحد ہو کر سلکِ وحدت میں پروئی گئی۔ قلوب پر سکینت اور رحمتِ الٰہی کا نزول ہوا۔ رقت کا جو عالم تھا اس کا ذکر قوتِ بیان سے باہر ہے۔ اس کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے حضرت سیدنا نورالدین رضؓ کا جنازہ حضرت نواب صاحب کی کوٹھی اور ہائی سکول کے درمیانی میدان میں پڑھا۔ رجوعِ خلق ہو کر ہجوم اس قدر بڑھا کہ گویا فرشتے بھی شریک نماز تھے۔ جنازہ اٹھا تو کوٹھی اور باغ تک خلقِ خدا کا ایک تانتا بندھ گیا۔ ہندو، سکھ، مسلمان، احمدی اور غیر احمدی بلکہ عیسائی اور خاکروب بھی عورت کیا مرد اور بچے بوڑھے گھروں کو چھوڑ کر آ گئے تھے۔ خدا کی لاکھوں لاکھ اور کروڑوں کروڑ رحمتیں اور برکات نازل ہوتی رہیں ہمیشہ ہمیش مرحوم انسان اس کے مطاع اور مطاع کے مطاع نیز اولاد پر۔ آمین ثم آمین۔

الغرض ۱۴ مارچ ۱۹۱۴ء کا مبارک دن خدائے بزرگ و بالا و برتر کے وعدوں کا دن، جلال اور شان کے ظہور کا دن، اولیاء امت اور صلحاء اسلام کے اقوال کی تصدیق کا دن، سیدنا مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا سے ملی ہوئی بشارات کے پورا ہونے کی گھڑیاں اور حضرت سیدنا نورالدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بار بار کے اشاروں، کنایوں اور فرمودات کی تکمیل کی وہ ساعات سعیدہ تھیں جن کو خلافت ثانیہ کا قیام اور خدا کی دوسری قدرت کا ظہور کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور یہی وہ نعمت، فضل الٰہی کی ردا اور موہبت کاملہ مقدسہ ہے۔ جس کا وعدہ فرمان ربانی لیستخلفنھم میں مذکور اور خدا کے علم و قدرت اور قوت و شوکت کے ذکر کے ساتھ اس میں بتاکید بتایا گیا ہے کہ خلیفے خدا بنایا کرتا ہے۔ انسان کی ذاتی خواہش، مساعی یا جوڑ توڑ اور حیلے منصوبوں کو اس عالی مقام کے حصول میں قطعاً کوئی دخل و تصرف نہیں بلکہ

؎ گرچہ بھاگیں جبر سے دیتا ہے قسمت کے ثمار

سوء ظنی، بدظنی اور بہتان طرازی اور افتراء پردازی کا دنیا میں کوئی جواب ہوا نہ ہوگا۔ میرے آقا

فداہ رُوحی پر بھی دنیا کے فرزندوں نے بدظنیاں کیں، بہتان باندھے اور اعتراضات کئے مگر آپ نے صرف یہی جواب دیا کہ

"میں جواب دینے سے معذور ہوں اور موجودہ صورت میں اور کیا کہہ سکتا ہوں سوائے اس کے کہ یہ کہوں کہ خدا تعالیٰ شاھد ہے اور میں اس کو حاضر و ناظر جان کر اس کی قسم کھاتا ہوں کہ میں نے کبھی اس امر کی کوشش نہیں کی کہ میں خلیفہ ہو جاؤں۔ نہ یہ کہ کوشش نہیں کی بلکہ کوشش کرنے کا خیال بھی میرے دل میں نہیں آیا اور نہ میں نے کبھی یہ امید ظاہر کی اور نہ میرے دل نے کبھی خواہش کی اور جن لوگوں نے میری نسبت یہ خیال پھیلایا ہے۔ انہوں نے میرا خون کیا ہے وہ میرے قاتل اور خدا کے حضور وہ الزامات کے جوابدہ ہوں گے۔ الفضل ۱۴/۴" [1]

حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی کے چشمدید حالات اور اعتراضات کرنے والوں کے جواب میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی وضاحت درج کرنے کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الاول ؓ کی تجہیز و تکفین کے بقیہ حالات درج کئے جاتے ہیں۔ "الفضل" میں لکھا ہے۔

" ۴½ بجے حضرت مولانا نورالدین صاحب ؓ خلیفۃ المسیح ؓ کا جنازہ کھلے میدان میں پڑھا گیا۔ گیارہ صفیں تھیں اور ہر صف میں قریباً ایک سو ساٹھ آدمی۔ عورتوں کی بھی تین صفیں تھیں۔ دو سو کے قریب ہوں گی۔ پھر جنازہ اُٹھایا گیا اور مقبرہ بہشتی میں دائیں طرف (بجانب غرب) آپ کو سوا چھ بجے کے قریب دفن کیا گیا۔ اگرچہ چودہ سو آدمیوں کے قریب تو اسی وقت بیعت ہو چکے تھے مگر اس کے بعد بھی ہر نماز میں اور دوسرے وقتوں میں بیعت کا سلسلہ جاری ہے اور باہر سے تار و خطوط آ رہے ہیں اور اکثر احباب (مثلاً دہلی و شاہجہانپور نے) تو وفات کا تار ملتے ہی بوجہ اس مقبولیت و علم و فضل کے جو حضرت صاحبزادہ صاحب کو حاصل ہے۔ مقامی جماعت کے افراد کے دستخطوں کے ساتھ بیعت کی درخواستیں بھیجدیں۔ مستورات کی بیعت کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ پہلے روز تین سو ساٹھ عورتوں نے بیعت کی۔ حضرت ام المومنین و والدہ عبدالحی

[1] خلافت ثانیہ کا قیام صفحہ ۳۶ تا ۳۸

نے بھی بیعت کی۔" ؎۱

الفاظ بیعت خلافت ثانیہ

اب ضروری معلوم ہوتا ہے کہ وہ الفاظ بھی اسی موقعہ پر درج کر دیئے جائیں جن میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے بیعت لی۔

"اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمدا عبدہ و رسولہ (۲ بار)

آج میں سلسلہ احمدیہ میں محمود کے ہاتھ پر تمام گناہوں سے توبہ کرتا ہوں اور خدا کی توفیق سے آئندہ بھی ہر قسم کے گناہوں سے بچنے کی کوشش کروں گا۔ شرک نہیں کرونگا۔ دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا۔ اسلام کے تمام احکام بجالانے کی کوشش کروں گا جو تم نیک کام بتلاؤ گے ان میں تمہاری اطاعت کروں گا۔

۱۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانوں گا۔

۲۔ مسیح موعود کے تمام دعاوی پر دل وجان سے ایمان رکھوں گا۔

۳۔ تبلیغ اسلام میں حتی الوسع کوشاں رہوں گا۔

استغفر اللہ ربی من کل ذنب و اتوب الیہ (۳ بار)

رب انی ظلمت نفسی ظلما کثیرا و اعترفت بذنبی فاغفر لی ذنوبی انہ لا یغفر الذنوب الا انت۔

اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور بہت ظلم کیا۔ میں اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہوں۔ تیرے سوا کوئی گناہ نہیں بخش سکتا تو میرے گناہوں کو بخشدے۔ آمین" ؎۲

بیرونی جماعتوں کی اطلاع کے لئے اعلان۔ ۱۵ مارچ ۱۹۱۴ء

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ کے وصال اور تجہیز و تکفین نیز خلافت ثانیہ کے قیام کے بعد بیرونی جماعتوں کو جو اطلاع بذریعہ "الفضل" دی گئی۔ وہ حسب ذیل تھی۔

"برادران! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

حضرت سیدنا خلیفۃ المسیح امیر المومنین نور الدین رضی اللہ عنہ بقضائے الٰہی ۱۳ مارچ ۱۹۱۴ء کو بعد از نماز جمعہ اس جہان فانی سے دار جاودانی کو رحلت فرما گئے انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اللھم الحقہ بالرفیق الاعلیٰ۔ آپ کے بعد ۱۴ مارچ ۱۹۱۴ء

؎۱ الفضل پرچہ ۱۸ مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ۳۔

کو بعد از نماز عصر مسجد نور میں حضرت صاحبزادہ میرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ وایدہ خلیفہ قرار پائے اور اسی وقت قریباً دو ہزار آدمیوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور حضور ممدوح نے ایک مختصر تقریر اور دعا کے بعد ہائی سکول کے شمالی جانب میدان میں نماز جنازہ پڑھائی اور قبل از نماز مغرب حضرت مسیح موعودؑ کے مزار مبارک کے دائیں جانب حضرت مغفور قرار گزیں ہوئے۔ اللھم اکرم نزلہ و وسع مدخلہ

جو احباب اس موقعہ پر حاضر نہ ہو سکے ہوں وہ بہت جلد حضرت خلیفۃ المہدی امیر المومنین حضرت صاحبزادہ میرزا بشیر الدین محمود احمد سلمہ اللہ وایدہ کے ہاتھ پر بیعت سے مشرف ہوں۔ الفاظ بیعت اور حضور ممدوح کی تقریر اول بذریعہ اخبارات شائع کئے جائیں گے

حضرت ام المومنین و اہلبیت خلیفۃ المسیح نے بیعت کر لی ہے۔

راغـــــگان کُنــــــندگان

مولوی سید محمد احسن (فاضل امروہی)۔ (نواب) محمد علیخاں (صاحب)۔ (صاحبزادہ) مرزا بشیر احمد (صاحب)۔ (صاحبزادہ میاں) عبدالحی صاحب (صاحبزادہ) میرزا شریف احمد (صاحب)۔ (ڈاکٹر) خلیفہ رشید الدین اسسٹنٹ سرجن۔ (مولوی) شیر علی بی۔اے۔ میر ناصر نواب۔ سید محمد اسحاق مولوی فاضل۔ (مولوی) سید محمد سرور شاہ (فاضل)۔ (حافظ) روشن علی (فاضل)۔ محمد اسماعیل مولوی فاضل۔ ومنشی فاضل*۔ (حافظ) غلام محمد بی۔اے قادیان۔ (مولوی) فضل دین (منشی فاضل مختار عدالت بٹالہ۔ شیخ یعقوب علی ایڈیٹر الحکم قادیان۔ قاضی محمد ظہور الدین اکمل (ایڈیٹر) رسالہ تشحیذ الاذہان۔ شیخ محمد یوسف ایڈیٹر اخبار نور قادیان۔ مفتی محمد صادق (صاحب) ایڈیٹر بدر قادیان۔ میر قاسم علی ایڈیٹر الحق۔ (خانصاحب) فرزند علی سکرٹری انجمن احمدیہ فیروزپور۔ حکیم محمد حسین (صاحب) قریشی فنانشل سکرٹری لاہور۔ (ڈاکٹر) کرم الٰہی (سکرٹری امرتسر)۔ (ڈاکٹر حشمت اللہ (سکرٹری پٹیالہ۔ ڈاکٹر عباد اللہ امرتسر۔ (میاں) چراغ دین (رئیس لاہور)۔ (میاں) محمد شریف بی۔اے ایل ایل بی وکیل لاہور۔ مرزا عزیز احمد ایم اے قادیان۔ (میاں) معراج دین عمر (مالک اخبار بدر قادیان) (منشی) تاج دین (اکونٹنٹ لاہور)۔ (ماسٹر) محمد دین بی۔اے سیکنڈ ماسٹر ہائی سکول قادیان۔ شیخ محمد امین تاجر چرم لاہور۔ شیخ غلام نبی سکرٹری انجمن احمدیہ کلکتہ۔

* (مولوی) غلام رسول (فاضل راجیکی)۔ (قاضی) سید امیر حسین (فاضل قادیان)

شیخ رحمت اللہ سکرٹری بنگہ ضلع جالندھر۔ چوہدری حاکم علی نمبردار چک پنیار ضلع شاہ پور۔ بابو جمال الدین ٹریفک سپرنٹنڈنٹ لاہور۔ پیر منظور محمد لدھیانوی مہاجر قادیان۔ (مولوی) شیخ عبدالرحیم قادیان۔ (منشی) ظفر احمد سکرٹری کپورتھلہ۔ (بابو) فقیر اللہ بی۔اے پریسیڈنٹ جماعت احمدیہ مظفر نگر۔ محمد وزیر خاں سب اوورسیر مہاجر قادیان۔ مستری الٰہ بخش مالک الٰہ بخش پریس قادیان۔ (منشی) محمد عبداللہ مینجر مطبع ہذا۔ چوہدری عبداللہ خاں نمبردار چک ۱۳۷ برانچ پریسیڈنٹ انجمن سانگلہ ہل۔ (مولوی) جمال الدین سکرٹری سیکھواں۔ (منشی) عبدالعزیز پریسیڈنٹ سیکھواں۔ (حاجی چوہدری) غلام احمد پریسیڈنٹ انجمن احمدیہ کریام ضلع جالندھر میرزا محمود بیگ پریسیڈنٹ گوجرہ۔ محمد رشید خاں سکرٹری گوجرہ۔ نصیر الدین سکرٹری مکندپور ضلع جالندھر۔ شیخ نور احمد و کرم الٰہی سکرٹریان کھارہ گورداسپور۔ رحیم بخش سکرٹری تلونڈی جھنگلاں۔ (شیخ) عبدالرحمن قادیانی۔ (حافظ) مختار احمد ساکن شاہجہان پور (معرفت مولوی محمد قاسم صاحب)۔ شیخ جلال الدین سکرٹری انجمن احمدیہ دھرمکوٹ۔ شیخ رحیم بخش نومسلم مبلغ اسلام و سکرٹری انجمن نور قادیان۔ سلطان علی سکرٹری بھیرو چیچی۔ غلام قادر خاں سکرٹری انجمن منگووال ضلع جالندھر۔ (مولوی) انوار حسین خاں پریسیڈنٹ شاہ آباد۔ سید حبیب اللہ شاہ سٹوڈنٹ اسسٹنٹ سرجن کلاس لاہور۔ غلام رسول سکرٹری ادھلہ ضلع گورداسپور۔ (مولوی) محمد ابراہیم سکرٹری انجمن احمدیہ چک ۹۹ سرگودھا۔ (مولوی) میرزا خدا بخش (مصنف عسل مصفیٰ)۔ محمد جی مولوی فاضل قادیان۔ (مولوی) امام الدین سکرٹری گولیکی۔ (مولوی) غلام نبی مولوی عالم قادیان۔ (منشی) محمد الدین اپیل نویس لودھیانہ۔ (مولوی) عبدالقادر لدھیانوی۔ سید احمد نور مہاجر قادیان۔ ملک مبارک علی لاہور۔ چوہدری محمد عبداللہ خاں لاہور۔ محمد صدیق۔ مورخہ ۱۵ مارچ ۱۹۱۴ء"[1]

---

[1] "الفضل" پرچہ ۱۸ مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ۱۶۔

دسواں باب

۱۔ تصنیفات حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ

۲۔ آپکی وفات پر اخبارات ورسالجات کی آراء

۳۔ آپکی طبیبانہ زندگی اور ۴۔ خاتمۃ الکتاب

۱۔ فہرست کتب مصنفہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ

(مرتبہ محترم مولوی محمد یعقوب صاحب فاضل انچارج صیغہ زودنویسی ربوہ)

۱۔ فصل الخطاب فی مسئلہ فاتحۃ الکتاب
(حسب فرمائش شیخ فتح محمد صاحب رئیس جموں)

مقام طباعت رگھوناتھ پریس جموں۔ سن اشاعت نومبر ۱۸۷۹ء
جلدیں ۱ صفحات ۱۲۸

یہ کتاب اس سوال کے جواب میں لکھی گئی ہے کہ بغیر سورہ فاتحہ نماز جائز ہے یا نہیں؟ اور سورہ فاتحہ کی فرضیت کے دلائل اسلامی لٹریچر سے پیش کئے گئے ہیں۔

۲۔ فصل الخطاب لمقدمۃ اہل الکتاب

مقام طباعت دہلی سن اشاعت ۱۳۰۵ھ مطابق ۱۸۸۸ء
جلدیں ۲ صفحات ۴۶۸

عیسائیت کے ردّ میں یہ ایک زبردست تصنیف ہے۔ جس میں ان تمام اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے جو عیسائی پادریوں کی طرف سے اسلام اور بانئے اسلام صلے اللہ علیہ وسلم پر کئے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ خصوصیاتِ اسلام، حقیقتِ جہاد، احکام اسلامی کی حکمت اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی افضلیت وغیرہ پر بھی سیر کن بحث کی گئی ہے۔ اس کتاب کی حضور نے چار جلدیں لکھی تھیں جن میں سے صرف دو جلدیں شائع ہوئیں۔

۳۔ ایک عیسائی کے تین سوال اور اُن کے جوابات"

۱۸۸۹ء میں ایک عیسائی عبداللہ جیمز نے انجمن حمایت اسلام لاہور کو تین سوالات بغرض جواب بھیجے۔ انجمن نے اُن کے جوابات کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت خلیفہ اول رضؓ سے درخواست کی جس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی تینوں سوالوں کے جوابات تحریر فرمائے۔ اور حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے بھی۔ انجمن نے ان جوابات کو "ایک عیسائی کے تین سوال اور اُن کے جوابات" کے نام سے ایک رسالہ کی شکل میں شائع کر دیا۔ یہ رسالہ ٹائیٹل کے علاوہ ۷۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ مکتوبات احمدیہ جلد سوم مرتبہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی میں صفحہ ۳۴ سے لیکر صفحہ ۷۹ تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جوابات شائع کر دیئے گئے ہیں مگر افسوس ہے کہ اس میں غلطی سے پہلے سوال کا جواب درج ہونے سے رہ گیا ہے۔

۴۔ تصدیق براہین احمدیہ

سن اشاعت ۱۳۰۷ھ مطابق ۱۸۹۰ء جلد ۱ صفحات ۲۱۲

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب براہین احمدیہ پر پنڈت لیکھرام اور بعض دوسرے آریوں نے جو اعتراضات کئے تھے۔ اس کتاب میں ان تمام اعتراضات کا نہایت عمدگی سے ردّ کرتے ہوئے اسلام کی صداقت بڑے زور سے ثابت کی گئی ہے اور قرآن کریم کی مختلف آیات کی لطیف تفسیر کی گئی ہے۔

۵۔ ابطال الوہیت مسیحؑ

سن اشاعت ۱۸۹۰-۹۱ء صفحات ۲۲

اس رسالہ میں قرآن کریم، بائیبل اور عقل کی رُو سے ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت مسیح ناصریؑ صرف انسان تھے خدا یا خدا کے بیٹے نہ تھے۔

۶۔ ردّ تناسخ

مقام طباعت پنجاب پریس سیالکوٹ سن اشاعت ۱۸۹۱ء صفحات ۳۶

یہ رسالہ پنجاب پریس سیالکوٹ میں شیخ غلام قادر صاحب فصیح نے چھپوایا تھا۔ آریوں کے مایۂ ناز مسئلہ تناسخ کا اس میں منقولی اور معقولی رد کیا گیا ہے اور اس مسئلہ پر ایسی روشنی ڈالی گئی ہے کہ کوئی شخص جو تعصب سے خالی ہو۔ تناسخ کی معقولیت کا قائل ہو ہی نہیں سکتا۔

۷۔ خطوط جواب شیعہ و ردّ نسخ قرآن

سن اشاعت اکتوبر ۱۹۰۱ء صفحات ۲۶

اس رسالہ میں حضرت خلیفہ اولؓ کے بعض خطوط درج ہیں جو حضور نے

اشتہار ۱۸۸۰ء میں ایک شیعہ دوست کو لکھے۔ نیز نسخ قرآن کے مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے حضور نے بڑی وضاحت سے ثابت کیا ہے کہ قرآن کریم کی کوئی آیت منسوخ نہیں۔

۸۔ تفسیر سورۃ جمعہ | سن اشاعت ۱۹۰۳ء صفحات ۲۶

یہ رسالہ حضور کی ایک پر معارف تقریر پر مشتمل ہے جس میں حضور نے سورۃ جمعہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت ثابت فرمائی ہے۔ شروع سے آخر تک تمام رسالہ انتہائی دلچسپ اور ایمان افروز ہے۔

۹۔ نور الدین بجواب ترک اسلام | مقام طباعت قادیان۔ سن اشاعت ۱۹۰۴ء صفحات ۲۵۶

ایک مرتد آریہ دھرمپال جس کا پہلا نام عبد الغفور تھا۔ "ترک اسلام" نام سے ایک کتاب شائع کی تھی جس میں اُس نے اسلام اور قرآن پر بڑے سخت اعتراضات کئے تھے۔ اس کتاب میں ان تمام اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے مسئلہ جہاد اور حقیقت تناسخ وغیرہ پر بھی بحث کی گئی ہے اور پنڈت دیانند صاحب کے ان اعتراضات کا بھی جواب دیا گیا ہے جو انہوں نے قرآن مجید پر کئے۔ مقطعات قرآنیہ پر بھی اس میں لطیف بحث ہے۔

۱۰۔ دینیات کا پہلا رسالہ | سن اشاعت جنوری ۱۹۰۶ء صفحات ۲۰

اس رسالہ میں ابتدائی اسلامی مسائل مثلاً وضو، اذان اور نماز وغیرہ کا تفصیلی ذکر ہے۔ اوقات نماز، نماز پڑھنے کا طریق، شرائط نماز، ارکان نماز اور واجبات نماز وغیرہ مسائل تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ بچوں، نومسلموں اور دینیات کی ابتدائی تعلیم سیکھنے والوں کے لئے اس رسالہ کا مطالعہ ایک بہت بڑی نعمت ہے۔

۱۱۔ مبادی الصرف والنحو | سن اشاعت ۱۹۰۶ء صفحات

اس رسالہ میں جس کا نام پہلے مبادی الصرف تھا۔ علم صرف کے ابتدائی قواعد نہایت آسان اور شستہ زبان میں بیان کئے گئے ہیں۔ انداز تحریر ایسا دلکش ہے کہ بچے بھی اس سے پورا فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ ۱۹۰۷ء میں آپ نے اس کتاب میں نحوی قواعد کا اضافہ فرمایا اور اس کا نام "مبادی الصرف والنحو" رکھا گیا۔

۱۲۔ ترجمۃ القرآن پارہ اول معہ تفسیری حواشی | (شائع کردہ شیخ عبد الرشید صاحب میرٹھی) سن اشاعت اپریل ۱۹۰۷ء

حضرت خلیفہ اولؓ نے قرآن کریم کا اردو ترجمہ لکھ کر مکرم

شیخ عبدالرشید صاحب میرٹھی کو بغرضِ اشاعت دیدیا جنہوں نے صرف ایک پارہ شائع کیا تھا۔ اس پارہ کے حاشیہ پر مختصر تفسیری نوٹ بھی درج ہیں۔ مکرم شیخ صاحب نے اس پارہ میں جو پہلا اعلان شائع کیا۔ اس میں انھوں نے لکھا کہ

"کُل ترجمہ مولانا موصوف الصدر نے اس عاجز مشتہر کو دیدیا ہے۔ خدائے تعالیٰ اس خدمت کے لائق ہونا قبول فرما کر بہت جلد اس مقدس جماعت کے سامنے کُل ترجمہ تیار کر کے پیش کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔" [1]

۱۳۔ وفاتِ مسیح موعودؑ | مقام طباعت قادیان سن اشاعت ۱۹۰۸ء صفحات ۲۴

اس رسالہ میں اُن اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات پر مخالفین سلسلہ نے کئے۔

۱۴۔ درس القرآن | سن اشاعت فروری ۱۹۰۹ء ۔ ۱۹۱۰ء صفحات ۴۰۲

یہ اس پر معارف درس القرآن کے مختصر نوٹوں کا مجموعہ ہے۔ جو حضرت خلیفہ اولؓ نے ۱۹۰۹ء ۔ ۱۹۱۰ء میں قادیان میں دیا۔ چونکہ ۱۹۱۰ء کے آخر میں حضور گھوڑے سے گرنے کی وجہ سے سخت بیمار ہو گئے تھے اور کئی ماہ تک سلسلہ درس بند رہا۔ اس لئے اس مجموعہ میں صفحہ ۲۲۱ سے ۲۶۴ تک حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب کے درس القرآن کے نوٹ شامل کر دیئے گئے ہیں۔ اکثر لوگ غلطی سے یہ تمام نوٹ حضرت خلیفہ اولؓ ہی کے سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اس کے ۴۳ صفحات ایسے ہیں جن کے نوٹ حضور کی طرف منسوب نہیں کئے جا سکتے۔

ان نوٹوں کے علاوہ جولائی ۱۹۱۳ء سے اخبار بدر میں درس دوم کے نام سے سورۂ فاتحہ سے دوسرے پارہ کے تیسرے رکوع تک نوٹ بطور ضمیمہ چھپتے رہے۔ قرآن رمضان کے نوٹ اس کے علاوہ شائع ہوئے درس دوم کے ۲۶ صفحات اور قرآن رمضان کے ۴۲ صفحات ہیں۔

۱۵۔ خطباتِ نُور | مقام طباعت لاہور سن اشاعت ۱۹۱۲ء جلدیں ۲ صفحات ۳۷۲

مرتبہ۔ مکرم شیخ عبدالحمید صاحب ریلوے آڈیٹر

یہ ایک نہایت ہی قیمتی اور ایمان افروز مجموعہ ان خطبات کا ہے جو حضور نے عیدین اور جمعہ کے مواقع پر دیئے۔ قرآن کریم کی کئی آیات کی ان میں تفسیر ہے اور جماعتی تربیت کے لحاظ سے ان کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔

---

[1] بدر پرچہ ۲۵ اپریل ۱۹۰۷ء۔

۱۶۔ مرقاۃ الیقین فی حیاۃ نورالدین | مرتبہ اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی سن اشاعت ۱۳۳۱ھ صفحات ۲۷۲

اس کتاب میں حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے خود املا کردائے ہوئے سوانحیات اور وہ متفرق واقعات درج ہیں جو حضور نے مختلف مواقع پر بیان فرمائے۔ نہایت دلچسپ اور ایمان افروز واقعات کا مجموعہ ہے کتاب شروع کرنے پر اُسے ختم کئے بغیر چین نہیں آتا۔

۱۷۔ کلامِ امیر معروف بہ ملفوظاتِ نور | مرتبہ منشی برکت علی صاحب احمدی ہوشیار پوری سن اشاعت ۱۹۱۸ء صفحات ۶۰

اس رسالہ میں حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے ملفوظات کا ایک حصہ جمع کیا گیا ہے۔ افسوس ہے کہ مرتب کنندہ جلد ہی وفات پا گئے اور یہ تسلسل قائم نہ رہ سکا۔ ۱۹۱۲-۱۳ء میں اخبار بدر میں بھی "کلامِ امیر" ضمیمہ کے طور پر شائع ہوتا رہا۔ اس ضمیمہ کے ایک سو آٹھ صفحات شائع ہوئے۔

۱۸۔ حیاتِ نورالدین | شائع کردہ منشی فخرالدین صاحب ملتانی مالک کتاب گھر قادیان سن اشاعت دسمبر ۱۹۲۶ء صفحات ۱۶۲

اس کتاب کے پہلے حصہ میں حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کی وہ تمام سوانح حیات درج ہے جو "مرقاۃ الیقین" میں درج ہو چکی ہے اور دوسرے حصہ میں حضرت مفتی محمد صادق صاحب کے قلم سے حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے قادیان کی زندگی کے مختصر حالات درج ہیں۔

۱۹۔ مجرباتِ نورالدین حصہ اوّل۔ دوم۔ سوم | مرتبہ۔ مفتی فضل الرحمٰن صاحب ایڈیٹر رسالہ طبیب حاذق۔ سن اشاعت ۱۹۰۹ء۔

حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کی بیاض خاص سب سے پہلے رسالہ "طبیب حاذق" قادیان میں مفتی فضل الرحمٰن صاحب نے ۱۹۰۵-۰۶ء میں شائع کی تھی۔ بعد میں حضور کی اجازت سے انہوں نے ۱۹۰۹ء میں اُسے "مجرباتِ نورالدین" کے نام سے تین جلدوں میں شائع کر دیا۔ ۱۹۲۴ء میں آپ نے "بیاض نورالدین" حصہ اوّل کے نام سے یہی کتاب دوبارہ کتابی صورت میں شائع کی اور ۱۹۲۵ء میں بیاض نورالدین کا دوسرا حصہ شائع کیا۔ حصہ اول کے ۳۱۶ اور حصہ دوم کے ۲۶۸ صفحات ہیں۔ ان میں مجرباتِ نورالدین کی مکمل نقل کے علاوہ بہت سے اضافے بھی ہیں۔ جو حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے اپنی بیاض میں خود فرمائے تھے۔

۲۰۔ اصل بیاض نورالدین الجزء الاوّل | مرتب کنندہ اسناد حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ صفحات ۳۶۸

سن اشاعت ۱۹۲۸ء

حضرت خلیفہ اولؓ کی یہ وہ طبّی بیاض ہے جو حضور نے اپنی آخری عمر میں تحریر فرمائی۔ افسوس ہے کہ اس کا ابھی تک صرف ایک حصہ شائع ہوا ہے۔ باقی دو حصے حضرت خلیفہ اولؓ کے ابناء کے پاس محفوظ ہیں۔ کتاب کے اوپر کے حصہ میں اصل متن ہے اور نیچے تشریحی نوٹ حضرت حکیم مولوی عبید اللہ صاحب بسمل کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں جو سلسلہ کے ایک جید عالم۔ فارسی کے مشہور قادر الکلام شاعر اور "ارجح المطالب" کے مصنف تھے۔

۲۱۔ تفسیر احمدی حضرت مولانا میر محمد سعید صاحب حیدر آبادی نے حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کے درس القرآن سے مستفیض ہونے کے بعد قرآن کریم کا ایک مکمل ترجمہ جون ۱۹۱۵ء میں شائع کیا تھا۔ اس ترجمہ کے آخر میں "اوضح القرآن مسمّی بہ تفسیر احمدی" کے نام سے انہوں نے تمام تفسیری نوٹ جو حضرت خلیفۂ اوّل رضی اللہ عنہ کے ہی بیان فرمودہ ہیں، یکجا کر دیئے ہیں۔ ان نوٹوں کے ۱۹۴ صفحات ہیں۔ "الفضل" میں اس ترجمہ اور تفسیری نوٹوں کا ذکر ان الفاظ میں موجود ہے:۔

"مولانا میر محمد سعید صاحب میر مجلس انجمن احمدیہ نے مکمل ترجمۃ القرآن شائع کیا ہے۔ جو حضرت مولانا نور الدین رضی اللہ عنہ خلیفۂ اولؓ کے درس سے ماخوذ ہے۔ اور آخر میں تفسیری نوٹ دیئے ہیں جو آپ سے سبقاً پڑھ کر لکھے گئے ہیں یا آپ کے درس کے نوٹوں اور دیگر بزرگانِ سلسلہ کی تحریروں سے اخذ کئے گئے ہیں۔"[1]

حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے بیان فرمودہ تفسیری نکات "الحکم" "بدر" "تشحیذ الاذہان" اور "تفسیر احمدی" میں شائع ہونے کے علاوہ جولائی ۱۹۰۶ء سے رسالہ "تعلیم الاسلام" قادیان میں بھی شائع ہوتے شروع ہو گئے تھے۔ اسی طرح حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی نے بھی "ترجمۃ القرآن" کے نام سے آپ کے بیان فرمودہ معارف کا ایک بڑا حصہ جو کئی پاروں کی تفسیر پر مشتمل ہے اپنے الفاظ میں مرتب کر کے شائع کیا ہے۔

۲۲۔ رُوحانی علوم یہ رسالہ حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ان دو پر معارف تقاریر کا مجموعہ ہے جو حضور نے اپنے زمانہ خلافت کے پہلے سال دسمبر ۱۹۰۸ء کے جلسہ سالانہ پر قادیان میں فرمائیں۔ میاں محمد یامین صاحب تاجر کتب قادیان حال ربوہ نے اُن کو ۱۹۲۳ء میں شائع کیا تھا۔ آج کل یہ رسالہ نایاب ہے۔

[1] الفضل پرچہ ۱۹ فروری ۱۹۱۶ء صفحہ ۱۱۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی وفات حسرت آیات پر

احمدی اخبارات و رسالجات کی آراء

۱۔ جناب اسسٹنٹ ایڈیٹر صاحب "الفضل" نے لکھا:۔

" "آخر وہ دن آن پہنچا کہ جس دن کا تصور کر کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے تھے۔ دل دھڑکتا تھا اور رُوح کانپ جاتی تھی۔ یعنی ہمارے امیر، خدا تعالیٰ کے مسیح کے خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے کئی ہفتے کی مسلسل علالت کے بعد ۱۳ر مارچ سوا دو بجے حالت نماز میں وصال پایا۔ اللہ تعالیٰ ان کی رُوح پُرفتوح پر لاکھوں رحمتیں نازل فرمائے اور انہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جوار میں جگہ دے۔ اللّٰھم آمین۔

دُنیا ایسے متبرک و مقدس انسان کو یاد کرے گی جس کے احسانات نہ صرف علمی و طبی عالم پر ہیں بلکہ مذہبی ولایت میں بھی وہ ایک خاص درجہ رکھتا ہے اور احمدیہ جماعت میں تو کوئی فرد بشر ایسا نہیں کہ جو اس کے فیوض سے متمتع نہ ہوا ہو۔ آپ کا عہد خلافت جماعت کے لئے نہایت مبارک اور گوناگوں ترقیات کا گذرا۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی خاص تائید اور نصرت فرمائی جب کبھی فتنے نے سر اُٹھایا تو اللہ تعالیٰ نے جیسا کہ اس کا وعدہ اپنے مقرر کردہ خلفا کے ساتھ ہے۔ خوف کو امن سے بدل کر تمکین بخشی۔ فالحمد للہ رب العالمین۔" [۱]

۲۔ ایڈیٹر صاحب "ریویو آف ریلیجنز" نے لکھا:۔

" کل نفس ذائقۃ الموت

کل من علیھا فان

وما محمدٌ الّا رسول قد خلت من قبلہ الرسل (قرآن کریم)

خدا تعالیٰ کی رضا کے ماتحت اس کے قدیم قانون اور سنت کے مطابق اللہ کا پیارا، محمد رسول اللہ کا محبوب، عمرؓ کا فرزند، مسیح موعود کا جانشین، صدیق ثانی، سیدنا حاجی حافظ مولٰنا مولوی نور الدین رضی اللہ عنہ ۱۳ر مارچ بروز جمعہ ۲ بجکر ۲۰ منٹ پر عین نماز میں اس دنیائے فانی سے

---

[۱] الفضل ۱۸ر مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ۳ کالم ۲

رخصت ہو کر اپنے محبوب حقیقی سے جا ملا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اور ۱۴ مارچ کو بعد نماز عصر آپ کی نعش مبارک مقبرہ بہشتی میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے داہنے ہاتھ دفن کی گئی۔

اس مقدس وجود کا ایثار، اس کی زندگی، اس کی موت، اس کے اعمال، اس کے اقوال، اس کا تجربہ، اس کا تبحر علمی اپنی نظیر آپ تھے۔ زمانہ ایسے وجود روز پیدا نہیں کرتا۔ آسمان ایسے مزکی نفوس کو آئے دن زمین پر نہیں بھیجتا۔ دنیا ایسے منبع فیوض و علوم سے ہر وقت متمتع نہیں ہوا کرتی۔

آہ! زمین ایک عالم سے، مسلمان ایک ہادی سے، احمدی اپنے پیشوا، اپنے آقا، اپنے مطاع، اپنے مقدس امام کے وجود باوجود سے محروم ہو گئے۔ وہ قرآن کا خادم، قرآن کا استاد، محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا شیدا، حدیث کا والا، اس دار فانی سے کوچ کر گیا۔ فرقہ ذکور گریاں ہے کہ ہائے وہ بوڑھا تجربہ کار قرآن سنانے والا، کہ دمہ امیر و غریب کا خیر خواہ ہمارے درمیان سے اٹھ گیا۔ فرقہ اناث میں شور و بکا ہے کہ آہ! وہ عورت کی عزت کرنیوالا، وہ کمزوروں کا حامی، وہ حقوق انسان کا مؤید و نگہبان اس دار فانی سے عالم جاودانی کو سدھار گیا۔

یہ آسمانی انسان زمین پر رہتا تھا۔ لیکن اس کا تعلق آسمان سے ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں ٹوٹتا تھا۔ اس کو چلتے پھرتے لیٹتے بیٹھتے، ہر گھڑی خدا اور اس کے رسول کی یاد و محبت کا زندگی بخش جام سرشار رکھے رہتا تھا۔ خدا کی کتاب اس کی محبوب، اس کا ذکر، اس کی غذا تھی۔ قرآن کی آیات میں ایسے دلربا خد و خال نظر آتے اور اس کتاب کے معانی میں اسے چشمۂ حیوان کے حیات جاوید بخشنے والے پانیوں کا ذخیرہ معلوم ہوتا تھا۔ اس کی زندگی ہی قرآن تھی۔ اور جب اس کی عمر طبعی کا پیمانہ لبریز ہونے کو تھا تو خدائے حی و قیوم کے ہاں سے بھی ختم قرآن کی مبارک آگئی اور ذات باری و احد نے فرمایا۔

"خلیفۃ المسیح کو ختم قرآن مبارک ہو"[1]

وہ خضر تھا۔ اس نے کئی ایک سکندر صفت طالبان حق کو آبحیات پلایا اور کسی سے تادم مرگ بخل نہیں کیا۔ اس کا ایثار، اس کا جود، اس کا کرم، اس کی خدا پرستی، غریب نوازی اور احسان اپنی نظیر آپ تھے۔ وہ سب کا خیر خواہ تھا۔ وہ عمیم الاحسان اور ہر دلعزیز تھا۔ اس کی سخاوت یا اس کا فیض کسی ایک ملت کے افراد تک محدود نہ تھا بلکہ عام مخلوق خدا تک وسیع تھا۔

اللہ تعالیٰ ہمارے اس آقائے مغفور کو غریق رحمت کرے اور آپ کے پس ماندگان کو صبر جمیل

---

[1] یہ حضرت خلیفۃ المسیح اول کا الہام نہیں بلکہ سید عابد علی شاہ صاحب کا الہام تھا جو انہوں نے حضور کو سنایا (ضمیمہ پیغام صلح ۵ رمارچ ۱۹۱۴ء)

عنایت کر کے دُنیا و آخرت میں اپنے فضل و کرم کا مورد کرے، اُن کی اولاد پھلے پھُولے اور خادمِ دین ہو۔ آمین۔ ثم آمین۔"[1]

۲۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب جو ایک لمبا عرصہ اخبار "بدر" کے ایڈیٹر رہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق لکھتے ہیں۔

"حضرت حاجی حافظ مولوی حکیم نورالدین صاحب رضی اللہ عنہ رشتہ میں میرے خالو تھے اور میرے اُستاد تھے۔ دین بھی جو کچھ میں نے سیکھا اُن سے ہی مجھے ملا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دستر خوان پر بھی میں انہی کا طفیلی ہوں۔ حضرت مرحوم کی محبت انسان کو نورِ ایمان اور یقین و عرفان سے مالا مال کرتی تھی۔ آپ کا فیضان عام تھا۔ مسلم، ہندو، سکھ، عیسائی، پارسی، سب پر آپ کے احسانات تھے اور سب آپ کے مداح تھے۔ لیکن دینی معاملات میں آپ ایسے غیور تھے کہ بڑے بڑے مہاراجوں اور نوابوں کے دربار میں جب مذاہب پر گفتگو ہوتی تو آپ بلا خوف و خطر دوسرے مذاہب پر اسلام کی فضیلت اور سب مصلحین پر حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی فوقیت اس عمدگی سے بیان کرتے کہ سب کو سرِ تسلیم خم کرنا پڑتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ آپ کی محبت و اخلاص ایک قابلِ رشک نمونہ تھا۔ حضرت صاحبزادہ میرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب ایدہ اللہ کے ساتھ اُن کے بچپن میں ہی ایسی محبت اور شفقت کرتے اور اس قدر تعظیم و عزت کرتے تھے کہ گویا اُن کی فراستِ صحیحہ یقین کر چکی تھی کہ یہ وجود آیندہ مصلح موعود اور جانشین مسیح موعود اور رہبرِ مسلمانانِ عالم ہونیوالا تھا۔ آپ ہمیشہ روزانہ قرآن شریف کا درس دیتے تھے۔ جس میں ایک رکوع کا ترجمہ اور تفسیر بیان کرتے تھے۔ آپ کے درس کے نوٹ مَیں اخبار بدر میں شائع کرتا رہا۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں دو وقت شرک سے بالکل پاک ہوتا ہوں۔ ایک درس قرآن دینے کے وقت، دوسرا مریضوں کا علاج کرنے کے وقت۔ دراصل وہ شرک سے تو ہر وقت ہی پاک تھے۔ لیکن ان کا مطلب یہ تھا کہ وہ کبھی یہ طمع نہ رکھتے تھے کہ مریض ان کے علاج کے عوض میں کچھ فیس دے۔ اور قرآن شریف کے مطالب بیان کرنے میں کسی اور کے خیال کی پروا نہ کرتے تھے۔ بلکہ جو معانی اللہ نے ان کے دل پر کھول دیئے تھے اور جن کو وہ درست سمجھتے وہی بیان کرتے۔"[2]

---

[1] ریویو آف ریلیجنز جلد ۱۳ نمبر ۳ پرچہ ماہ مارچ ۱۹۱۴ء ۔ [2] احمدی جنتری ۱۹۴۹ء شائع کردہ محمد یامین صاحب تاجر کتب۔

مُلک کے دیگر اخبارات اور رسالجات کی آراء

۱۔ اخبار "زمیندار" لاہور نے لکھا۔

"آج کی ہندوستانی برقی خبروں میں یہ خبر عام مسلمانوں اور بالخصوص احمدی دوستوں میں نہایت رنج و افسوس سے پڑھی جائے گی کہ مولوی حکیم نورالدین صاحب جو ایک زبردست عالم اور جیّد فاضل تھے۔ ۱۳ مارچ ۱۹۱۴ء کو کئی ہفتے مسلسل علالت کے بعد دنیائے فانی سے عالم جاودانی کو رحلت کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مولوی حکیم نورالدین اپنے عقید تمندوں کی جماعت میں خلیفۃ المسیح کے لقب سے ملقب تھے۔ اور مرزا غلام احمد مغفور کے جانشین کہلاتے تھے۔ اس لئے احمدی حضرات کو ان کی وفات سے ایسا شدید صدمہ محسوس ہوگا جو انہیں مدت مدید تک بے قرار رکھے گا۔ اگر مذہبی عقائد سے قطع نظر کرکے دیکھا جائے تو بھی مولانا حکیم نورالدین کی شخصیت اور قابلیت ضرور اس قابل تھی کہ تمام مسلمانوں کو رنج و افسوس کرنا چاہیئے۔ کہا جاتا ہے کہ زمانہ سو برس تک گردش کرنے کے بعد ایک باکمال پیدا کیا کرتا ہے۔ الحق اپنے تبحر علم و فضل کے لحاظ سے مولانا حکیم نورالدین بھی ایسے ہی باکمال تھے۔ افسوس ہے آج ایک زبردست عالم ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہوگیا۔ ہمیں اس حادثہ الم افزا میں اپنے احمدی دوستوں سے جن کے سر پر غم و الم کا پہاڑ ٹوٹ گرا ہے دلی ہمدردی ہے۔ ہماری دعا ہے کہ ارحم الراحمین مولوی حکیم نورالدین کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور اُن کے عقیدتمندوں اور پس ماندگاں کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔" [۱]

۲۔ "کشمیری میگزین" لکھتا ہے :۔

" نہایت رنج و افسوس سے لکھا جاتا ہے کہ حکیم حافظ حاجی مولوی نورالدین صاحب جو بلحاظ عقائد جماعت احمدیہ کے خلیفۃ المسیح، بلحاظ علم و فضل مسلمانوں کے مایۂ ناز اور بلحاظ ہمدردی عوام انسانیت کے لئے مایۂ افتخار تھے کچھ عرصہ کی علالت کے بعد ۱۳ مارچ کو بعد دوپہر دو بجے قادیان میں انتقال فرما گئے ہیں۔ مولوی نورالدین صاحب کی وفات پر احمدی اخبارات کے علاوہ تمام اسلامی اخبارات نے باوجود ان کے مذہبی عقائد سے اختلاف رکھنے کے نہایت رنج و افسوس کا اظہار

[۱] "زمیندار" ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ۔

کیا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ مولوی نورالدین جیسا قابل فرزند ہندوستان کے مسلمانوں میں ایک عرصہ کے بعد پیدا ہو سکے گا۔" [1]

۳۔ اخبار "مسافر آگرہ" لکھتا ہے :۔

"گو اصولاً ہمارے اور اُن کے خیالات میں اتنا ہی فرق تھا جتنا کہ قطب جنوبی و قطب شمالی کے درمیان ہے لیکن پھر بھی یہ نہ کہنا دیانت کا خون کرنا ہوگا کہ وہ راسخ الاعتقاد ایماندار و نیک آدمی تھے۔ علاوہ ازیں ہم جانتے ہیں کہ ان کے دل میں اشاعت اسلام کا بڑا درد اور قرآن شریف کے پڑھنے پڑھانے سے خاص محبت تھی اور وہ مرنے سے چند یوم پہلے تک برابر دونوں کام سرانجام دیتے رہے۔" [2]

۴۔ اخبار "مشرق" رقمطراز ہے :۔

"احمدی سلسلہ میں یہ خلیفۃ المسیح اور عام طور سے مسلمانوں میں اپنے تبحر علمی اور زہد و اتقا کی خوبیوں سے نہایت محترم اور اسلام کے محاسن اور ان کی اشاعت میں کوشاں تھے۔ ان کی زندگی میں ہزارہا ایسے موقعے آئے کہ ان کی آزمائش ہوئی اور انہوں نے صداقت کو کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ نے جو فضل و کرم اور ثمرۂ اعتماد و صبر انہیں بخشا تھا۔ اس کی تفصیل سوانحعمری میں پائی جاتی ہے جس سے دل پر نقش ہوتا ہے کہ وہ ایک سچے خدا پرست اور پکے موحد تھے۔ اور ان کی زندگی اسلام کے پاک نمونہ پر بسر ہوئی۔ وہ صرف پیشوا نہیں تھے بلکہ اعلیٰ درجہ کے طبیب بھی تھے اور اعلیٰ درجہ کی کتابوں کے فراہم کرنے اور خلق اللہ کو فائدہ پہنچانے کا خاص ذوق تھا" [3]

۵۔ "بھارت" اخبار لکھتا ہے۔

"آپ درویش منش اور منکسر المزاج خلیق اور ملنسار تھے۔ عالم باکمال اور طبیب بےمثال تھے۔ مذہب کا آپ کو اتنا خیال تھا۔ کہ ایام علالت میں بھی قرآن شریف کے ترجمے میں گہری دلچسپی لیتے رہے۔" [4]

۶۔ اخبار "آفتاب" لکھتا ہے :۔

"احمدی جماعت کے خلیفۃ المسیح مولوی حکیم نورالدین صاحب نے جو ایک متبحر عالم اور جید فاضل تھے، کئی مہینے کی مسلسل علالت کے بعد جمعۃ المبارک کے دن ٹھیک پونے دو بجے اس دارِ فانی

---

[1] "کشمیری میگزین" ۲۱ مارچ ۱۹۱۴ء ؛ [2] "مسافر آگرہ" ۲۰ مارچ ۱۹۱۴ء ؛ [3] "مشرق" ۱۷ مارچ ۱۹۱۴ء ؛
[4] "بھارت" ۲۰ مارچ ۱۹۱۴ء ؛

سے عالم جاودانی کو کوچ کیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ہمیں اپنے احمدی دوستوں سے اس قومی و مذہبی صدمہ میں دلی ہمدردی ہے اور ہماری دعا ہے کہ خداوند کریم انہیں صبر عطا فرماوے۔" [۱]

۷۔ اخبار "وطن" لکھتا ہے:۔

" مولوی صاحب کیا بلحاظ طبابت و حذاقت اور کیا بلحاظ سیاحت علم و فضیلت و علمیت ایک برگزیدہ بزرگوار تھے۔ علم سے ان کو عشق تھا اور فراہمی کتب کا خاص شوق۔ ان کا پیدائشی وطن بھیرہ ضلع شاہ پور ہے مگر عمر کا بڑا حصہ باہر گذارا۔ اور آخری حصہ قادیان میں " [۲]

۸۔ "میونسپل گزٹ" لکھتا ہے:۔

" نہایت رنج اور افسوس کے ساتھ لکھا جاتا ہے کہ مولوی حکیم نورالدین صاحب خلیفہ مرزائی جماعت کا کئی ہفتہ کی مسلسل اور سخت علالت کے بعد آخر ۱۳ر مارچ کو بوقت ۲ بجے شام قادیان میں انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم جیسا کہ زمانہ واقف ہے ایک بے بدل عالم اور زہد و اتقا کے لحاظ سے مرزائی جماعت کے لئے تو واقعی ایک پاکباز ستودہ صفات خلیفہ تھے۔ لیکن اگر ان کے مرزائیانہ مذہبی عقائد کو نظر انداز کر کے دیکھا جائے تو بھی وہ ہندوستان کے مسلمانوں میں ایک عالم متبحر و جید فاضل تھے۔ کلام اللہ سے جو آپ کو عشق تھا وہ غالباً بہت کم عالموں کو ہوگا۔ اور جس طرح آپ نے عمر کا آخری حصہ احمدی جماعت پر صرف قرآن مجید کے حقائق و معارف آشکارا فرمانے میں گذارا۔ بہت کم عالم اپنے حلقہ میں ایسا کرتے ہوئے پائے جائیں گے۔ حکمت میں آپ کو خاص دستگاہ تھی۔ اسلام کے متعلق آپ نے نہایت تحقیق و تدقیق سے کئی کتابیں لکھیں اور معترضین کو دندان شکن جواب دیئے۔ بہرحال آپ کی وفات مرزائی جماعت کے لئے ایک صدمہ عظیم اور عام طور پر اہل اسلام کے لئے بھی کچھ کم افسوسناک نہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو غریق رحمت کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔" [۳]

۹۔ اخبار "وکیل" لکھتا ہے:۔

" مرحوم فرقہ احمدیہ کے ممتاز ترین رکن اور مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے جانشین تھے۔ آپ کے علم و فضل کا ہر شخص معترف تھا اور ان کے حلم اور بردباری کا عام شہرہ تھا۔ ان کی روحانی

---

[۱] "آفتاب" ۱۹ر مارچ ۱۹۱۴ء [۲] "وطن" ۲۰ر مارچ ۱۹۱۴ء [۳] "میونسپل گزٹ" ۱۹ر مارچ ۱۹۱۴ء

عظمت و تقدس کے خود مرزا صاحب بھی قائل تھے۔" [۱]

۱۰۔ "کرزن گزٹ" لکھتا ہے:۔

"حکیم صاحب سے ہمیں ذاتی تعارف حاصل تھا۔ ذاتی تعارف ہی نہیں بلکہ ایک عرصہ تک ہم اور حکیم صاحب جموں میں ایک ساتھ رہے ہیں۔ یہانتک تعلق بڑھا ہوا تھا کہ حکیم صاحب شام کا کھانا ہر روز آندھی آئے یا مینھہ ہمارے مکان پر آکے کھایا کرتے تھے۔ مغرب کی اور عشار کی نماز ہم ان کے ساتھ پڑھتے تھے۔ طبیعت میں مذاق بہت تھا۔ نیکدل اور مخیر تھے۔ صورت وشکل وجیہہ تھی۔ رنگت گندمی تھی۔ قد لمبا تھا۔ داڑھی اس قدر گھنی تھی کہ آنکھوں کے حلقوں تک داڑھی کے بال پہنچے ہوئے تھے۔ جموں میں اُن کے تحت مدرسے اور شفاخانے تھے جن کا انتظام وہ نہایت عمدگی اور نیک نیتی سے کرتے تھے۔ اس وقت حکیم فدا محمد خاں صاحب مرحوم مہاراجہ رنبیر سنگھ کے طبیب خاص تھے۔ اس عہدے میں گویا حکیم نورالدین صاحب ان کی ماتحتی میں بھی کام کیا کرتے تھے۔ حکیم صاحب موصوف کو دو سو یا ڈھائی سو روپے کی تنخواہ ملتی تھی۔ بعد ازاں مستقل اعلےٰ طبیب ہو گئے تھے اور آپ کو چھ سو سے سات سو تک اخیر دم تک تنخواہ ملتی رہی۔ آپ تعجب سے سُنیں گے کہ اس تنخواہ کا بڑا حصہ نہایت سیرچشمی اور فیاضی سے طلبا پر آپ خرچ کر دیا کرتے تھے بہت سے طلبا آپ کے ساتھ رہتے تھے۔ نہ صرف ان کی تعلیم کے آپ کفیل تھے بلکہ کھانا کپڑا بھی بڑی فراخی سے انہیں دیا کرتے تھے۔ آپ نے اپنی عمر میں صدہا بے خانماں اور غریب طلبا کو پرورش بھی کیا اور پڑھا بھی دیا۔ شیخ عبداللہ صاحب پلیڈر علیگڈھ اور ایڈیٹر رسالہ خاتون آپ ہی کے پروردہ اور مسلمان کئے ہوئے ہیں۔ شیخ صاحب پہلے کشمیری پنڈت تھے۔ حکیم صاحب نے انہیں مسلمان بھی کیا اور پڑھایا لکھایا بھی۔ یہانتک کہ علیگڈھ کی تعلیم کا خرچ بھی آپ برابر اُٹھاتے رہے غرض یہ ہے کہ طبیعت میں ایثار کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ آپ کی زندگی کے دو ہی بڑے بڑے مذاق تھے۔ ایک طلبا کی پرورش اور تعلیم، دوسرے نادر الوجود کتابوں کا جمع کرنا۔ بس اسی میں آپ کی تنخواہ صرف ہو جاتی تھی۔ آپ بہت ہی منکسر المزاج اور خلیق تھے۔ ساتھ ہی ہر ایک کام سچائی اور راستبازی سے کرتے تھے۔ آپ سے آپ کے عملہ کے آدمی بہت خوش تھے۔ کبھی کسی کو آپ سے وجہ شکایت نہیں پیدا ہوئی۔ آپ کی دینی علوم کی مہارت اور عربی قابلیت مسلّم تھی۔ آپ اپنے عہدہ کے

فرائض کی ادائیگی کے بعد طلبا کو بخاری و مسلم کا سبق بھی دیا کرتے تھے۔ آپ کی واقفیت مذہبی بہت بڑھی ہوئی تھی۔" [۱]

۱۱۔ اخبار "طبیب" دھلے رقمطراز ہے۔

"افسوس کہ ہندوستان کے ایک مشہور و معروف طبیب مولوی حاجی حکیم نورالدین صاحب جو علوم دینیہ کے بھی متبحر عالم باعمل تھے اور جماعت احمدیہ کے محترم پیشوا۔ کچھ عرصہ عوارض ضعف پیری میں مبتلا رہ کر آخر جمعہ گذشتہ کو قریباً اسی سال کی عمر پا کر رحلت فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون حکیم صاحب مغفور بلا لحاظ احمدی وغیر احمدی یا مسلم یا غیر مسلم سب کے ساتھ شفقت علی خلق اللہ کا ایک اعلیٰ نمونہ تھے۔ آپ کے طریق علاج میں یہ چند باتیں خصوصیت سے قابل ذکر ہیں:۔

ا۔ یار و اغیار، مومن و کافر سب کو ایک نظر دیکھنا۔

ب۔ طب یونانی و ویدک کے علاوہ مناسب موقعہ پر ڈاکٹری مجربات سے بھی ابنائے ملک و ملت کو مستفید فرمانا۔

ج۔ بعض خطرناک امراض کا علاج قرآن شریف سے استخراج کرنا۔

د۔ دوا کے ساتھ دعا بھی کرنا۔

ھ۔ علاج معالجہ کے معاملے میں کسی کی دنیوی وجاہت سے مرعوب نہ ہونا۔

و۔ مریضوں سے مطلق طمع نہ رکھنا اور آپ کا اعلیٰ درجہ توکل و استغناء۔

ز۔ نادار و مستحق مریضوں کا نہ صرف علاج مفت کرنا بلکہ اپنی گرہ سے بھی ان کی دستگیری پرورش کرنا خصوصاً طلباء قرآن وحدیث وطب کی۔

خدا تعالےٰ حکیم صاحب مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرما دے۔" [۲]

۱۲۔ "علیگڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ" نے لکھا:۔

"قطع نظر اپنے مختص الفرقہ بعض خاص معتقدات کے اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ حکیم صاحب مرحوم ایک نہایت بلند پایہ عالم عامل اور علوم دینیہ کے بہت بڑے خادم تھے۔ اس پیرانہ سالی اور ضعف و مرض کی حالت میں بھی آپ کا بیشتر وقت تعلیم و تعلّم میں صرف

---

[۱] "کرزن گزٹ" ۲۳ مارچ ۱۹۱۴ء

[۲] "طبیب" دہلی ۲۳ مارچ ۱۹۱۴ء

ہوتا تھا۔ اور ایک طبیب حاذق ہونے کی حیثیت سے بھی آپ خلق اللہ کی بہت خدمت بجالاتے تھے۔ اس لحاظ سے مرحوم کا انتقال واقعی سخت رنج و ملال کے قابل ہے۔" [۱]

۱۳۔ رسالہ "البلاغ" لکھتا ہے۔

"**الوداع اے نورالدین!**

مجھے افسوس ہے کہ میں تحریک احمدیہ کے **کاروانِ سالار** و حقائق معنوی کے **نباض حکیم** نورالدین کی قلمی تعزیت میں سب سے پیچھے ہوں۔ ایک ایسی شخصیت جو **وسعت علمی** کے ساتھ **زہد و تورع** کے علمی مظاہر کا **گنجینہ** تھی۔ اب ہم میں نہیں ہے۔ **معارف دینیہ** اور **دقائق طبیہ** کے ساتھ ایک پر وسعت مطالعہ کے امتزاج نے جو صحف آسمانی سے لیکر عام افسانوں پر محیط تھا۔ نورالدین کو ایک ایسی **اوج نظر** پہ فائز کر دیا تھا جہاں نوع انسانی کے جذبات کا طلسم سر آشکار ہو جاتا ہے۔ یہی باعث تھا کہ اس کے **معانی پرور تکلم** کا ایک ہلکا سا تموج کسی مخالف کی فسوں پرور بلند آہنگیوں پر ایک **مُہر سکوت** بن جاتا تھا۔ اس کی تمام آب و گل **جوشش دینی** اور **وسعت علمی** کا ایک پُر ندرت **مجموعہ** تھی۔ اور اس کی جہاں پیما **تارِ نظر** ایک پُر جذب **کمندِ حکمت** تھی۔ اس کے حکیمانہ تجسس نے کمالِ تورع کے ساتھ مل کر لطائفِ سپہری کی آغوش اس کے لئے کھول دی تھی۔ اور **حکمتِ ازل** کی کارسازیوں پر اس کا اعتماد **سطح علمیت** پر فائز ہو گیا تھا۔ اس کی آخری زندگی کا بیشتر حصہ **تحریک احمدیہ** کے ساتھ وابستہ رہا ہے۔ اور اس کے لیل و نہار اسی **جہد دینی** کے پر مشقت مظاہر میں وقف ہوئے ہیں۔ بے شبہ جس پر خلوص **ایثار** اور شیفتہ پیوستگی کے ساتھ اس نے اپنے **ہادی** کا ساتھ دیا۔ اس کی نظیر **قدمائے اسلام** کے سوا اور کہیں نہیں مل سکتی۔ **مسیحا** گردوں نشین ذات سے شائبہ مرگ کی وابستگی اور **مہدی و عیسیٰ** کے خصائص کا ایک ذات میں اجتماع ہندی ارباب اسلام کے لئے **آشوب شوریدگی** اور احتجاج کا ایک **تلخ پیام** تھا اور جس پُر خروش شدت کے ساتھ اہلِ اسلام کی جانب سے اس پُر غرابت **نکتہ آفرینی** کا تخالف ہوا۔ وہ ایک **آتش آفرین ادائے رعد** کی طرح تھا۔ لیکن نورالدین کا پیمانِ **عقیدت** ہجوم مخالفت کی طوفان انگیزیوں کے باوجود بہ پیوستگی استوار تھا۔ اور وہ ایک کوہ گراں کی طرح برق جہندہ اور ابر خروشندہ کے سامنے یکساں پائے ثبات پر قائم تھا۔ اس کی **پرخلوص استقامت** سے بعید تھا

کہ وہ پایانِ عمر تک اس سنگِ آستاں سے جُدا ہو جہاں اُس کی پر محنت کاوشوں کو بالینِ آسائش ملی تھی۔ اگرچہ میں اپنے ادراک کو تحریک احمدیہ کی بعض نکتہ آفرینیوں کا ہم وفاق نہیں دیکھتا۔ لیکن اس پُر گداز سوزشِ رُوحانی پر محو حیرت ہوں جس کے پُر تپش غلغلے میرے متحجر جذبات کو گریۂ محبت سے آشنا کر گئے ہیں۔

نورالدین کی ذاتِ گرامی ہماری مادی نگاہوں سے مستور ہے لیکن مساحتِ گیتی پر اس کے نقشِ پا بدستور ثبت ہیں اور منزلِ استقامت کی جانب ہماری رہبری کر رہے ہیں۔ لطف ازل اس کی خاک پر عنبر بار ہو۔

لیکن نورالدین کی سطوت آفریں شخصیت اس سطح رفعت پر نمایاں نہ ہوئی جس قدر بعد مرگ ہوئی ہے۔ ابھی مشکل سے اس کالبد کو جس میں انوار معانی نہمان دوروزہ تھے، بالینِ آسائش ملی تھی کہ اس کے خرقۂ سیادت کے لئے احمدی اراکین کی استحقاقی جہد آزمائی ایک تفرقہ پرور حد مخاصمت تک پہنچ گئی تحریک احمدیہ کا امتزاج فوری اس ذات مدفونہ کی گراں پائیگی کو نمایاں تر کر دیتا ہے جو تحریک مذکورہ کے عناصر متضادہ کا نکتۂ توازن تھی۔ بے شبہ جذب رُوحانی کے بغیر تبحر علمی کی نکتہ سرائی ایک منزل ناآشنا بدلگامی ہے۔ ورنہ احمدی اربابِ تفکر جو کل تک جُملہ مذاہب ہندیہ کے مہیب اور قاہرانہ حربوں کی اجتماعی قوت کے خلاف ایک پُر وقار سعی دفاع میں مصروف تھے۔ آج کشمکش باہم میں مبتلا ہیں اور یہ اربابِ فضل اس صاحب ہمت کی پیروی کے مدعی ہیں جو اپنی جہد آشنا زندگی کی آخری ساعتوں میں پیکر مودت بن کر جانب لاہور قدم زن ہوا۔ اور دم واپسیں مذاہب عالم کو صلح و آشتی کا پیغام دے گیا۔" [1]

مندرجہ بالا اخبارات جن کی آراء حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ کی وفات پر درج کی گئی ہیں۔ ان میں حضور کے عظیم الشان کارناموں اور پاکیزہ سیرت کا نقشہ کھینچ کر رکھ دیا گیا ہے خصوصاً "کرزن گزٹ" کے ایڈیٹر نے تو عینی شاہد کے طور پر آپ کی سیرت وسوانح کے حسین گوشوں کو تاریخی واقعات کی روشنی میں باوجود انتہائی اختصار کے ایسے موثر وخوبصورت انداز میں پیش کیا ہے کہ حضور کی رُوحانی عظمت، اخلاقی قوت، علمی فضیلت اور عملی فوقیت کا اقرار کئے بغیر چارہ نہیں۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ سیدنا نورالدین رضی اللہ عنہ کی خوبیوں اور کمالات کا واقعی نقشہ اگر الفاظ میں پیش کرنا ہو تو مجھے تو ان الفاظ سے خوبتر اور کوئی الفاظ نہیں مل سکے جو اس کے محبوب آقا علیہ السلام نے اس کی نسبت لکھ کر اسے ثبت دوام بخشا

؎ چہ خوش بُودے اگر ہر یک زاُمت نوردیں بُودے ✦ ہمیں بُودے اگر ہر دل پُر از نور یقیں بُودے

---

[1] رسالہ "البلاغ" ماہ جولائی ۱۹۱۴ء جلد ۱ نمبر ۲ از مالیر کوٹلہ ✦

آپ کی طبیبانہ زندگی

اس کتاب میں حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طبیبانہ زندگی کا بہت مختصر سا ذکر کیا گیا ہے اور وہ بھی ضمناً۔ کیونکہ یہ موضوع بجائے خود ایک ضخیم کتاب کا متقاضی ہے۔ تاہم شفاء الملک جناب حکیم محمد حسن صاحب قرشی کی مرتبہ "بیاض خاص" کا ایک حوالہ درج کیا جاتا ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو جس طرح ہندوستان بھر کے علماء میں ایک خاص مقام حاصل تھا اسی طرح اطباء میں بھی آپ چوٹی کے طبیب شمار ہوتے تھے۔ حکیم صاحب موصوف نے "بیاض خاص" میں پہلے حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی حیات طیبہ کے بعض حالات درج کئے ہیں اور پھر حضور کے متعدد قیمتی طبی نسخوں سے کتاب کو مزین کیا ہے۔ بہرحال وہ حوالہ یہ ہے:۔

> "حکیم (نورالدین) صاحب موصوف دورِ گذشتہ کے ان تین چار طبیبوں میں سے ہیں جن کا اسم گرامی ہندوستان کے طول و عرض میں غیر معمولی شہرت حاصل کئے ہوئے تھا۔ لکھنؤ میں حکیم عبدالعزیز صاحب، دہلی میں حکیم عبدالمجید خاں صاحب اور پنجاب میں حکیم نورالدین صاحب۔ یہی تین ایسے طبیب تھے جو دوسرے سب طبیبوں سے ممتاز اور معالجہ میں شہرۂ آفاق تھے۔" [1]

ایک اچھے اور قابل طبیب کے لئے سب سے ضروری اور اہم بات یہ ہے کہ وہ لوگوں کا مزاج شناس ہو اور علاج کرتے وقت صرف یہی نہ دیکھے کہ مریض کو دوا کونسی دینی چاہیئے بلکہ مریض کی حالت کو دیکھ کر مناسب غور و فکر سے وہ طریق اختیار کرے جس سے مریض کو فائدہ پہنچے۔ حضرت میاں عبدالعزیز صاحب مغل فرمایا کرتے تھے اور حضرت سید سردار احمد شاہ صاحب شاہ مسکین والوں نے اس واقعہ کی تصدیق بھی کی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مولوی صاحبؓ جو لاہور تشریف لائے تو اتفاق سے انہی ایام میں ایک ہندو عورت کے کسی میت پر روتے پیٹتے ہاتھ اُوپر کے اُوپر رہ گئے۔ اس کے متعلقین نے بہتیرا علاج کیا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا جب انہیں آپ کی لاہور میں موجودگی کا علم ہوا۔ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ اور درخواست کی کہ حضور خود تشریف لیجا کر اس عورت کو دیکھیں حضور نے وہاں پہنچتے ہی فرمایا کہ اس عورت کو ایک الگ کمرے میں کھڑا کر دو۔ اور ایک مضبوط ہٹے کٹے نوجوان کو بلا لاؤ۔ جب نوجوان آگیا تو اُسے فرمایا کہ تم تیزی سے اس کمرہ میں جاؤ اور جو عورت وہاں ہاتھ اُوپر کئے ہوئے کھڑی ہے اس کا آزار بند کھول دو۔ اور

---

[1] "بیاض خاص" مذکور صفحہ ۲۷

پھر واپس لوٹ آؤ۔ جونہی اس نوجوان نے اس عورت کے آزار بند کو ہاتھ لگایا۔ اس کے منہ سے زور سے ہائے کی آواز نکلی اور اس صدمہ کی وجہ سے کہ اس کا آزار بند کھولا جا رہا ہے۔ اس کے ہاتھ بے اختیار نیچے آ گئے۔ حاضرین حضرت مولوی صاحبؓ کی اس حکمت کو دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے اور انہوں نے آپ کی حذاقت کی داد دی۔ فسبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم۔

آپ کے چند نادر نسخہ جات

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے بیشمار نادر نسخے مہیا فرما کر طبی دنیا پر بے بہا احسانات کئے ہیں۔ آپ کے بعض نسخے تو ایسے مفید عام ثابت ہوئے ہیں کہ بیسیوں طبیب ان نسخوں کی بدولت ہی آسودگی سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ذیل میں افادۂ عام کی خاطر حضور کے چند ایسے نسخے درج کئے جاتے ہیں جو ہمیں محترم **مولوی محمد یعقوب صاحب فاضل انچارج صیغہ زود نویسی ربوہ** نے عنایت فرمائے ہیں۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء فی الدنیا والآخرۃ۔

۱۔ حب اٹھرا:۔

مشک خالص	طباشیر	زعفران	گلسرخ کا زیرہ	دینتر دانہ
ایک ماشہ	۳ ماشہ	۴ ماشہ	۴ ماشہ	۱۱ عدد
برگ تلسی	بسباسہ	برگ شہدیوی		
۲ تولہ	۲ تولہ	۴ تولہ		

تمام ادویہ کو باریک پیس کر حب بقدر نخود بنا لیں۔

ابتدائے حمل سے سترہ روز تک ایک گولی صبح ایک دوپہر اور ایک شام حاملہ کو کھلائیں پھر چالیس روز تک ایک صبح اور ایک شام دیں۔ پھر تا وضع حمل ہر روز ایک گولی دیں۔ پھر بچہ کو بھی بقدر دانہ باجرہ ہمراہ شیر مادر تا فطام شیر دیتے رہیں۔ اور بچہ کی والدہ کو بھی ایک گولی تا رضاعت کھلاتے رہیں۔

نوٹ۔ تاجر لوگ ان گولیوں کو جاذب نظر بنانے کے لئے ان پر کشتہ مرگانگ یا چاندی کے ورق چڑھا لیتے ہیں۔

حضرت خلیفہ اولؓ فرمایا کرتے تھے کہ یہ نسخہ ہم کو سید علمدار حسین صاحب ساکن جارہ نے عنایت فرمایا تھا۔

۲۔زد جام عشق ـــــــ:

زعفران	دارچینی	جائفل	افیون	مشک خالص
ایک ماشہ	ایک ماشہ	ایک ماشہ	ایک ماشہ	ایک ماشہ
عقرقرحا	شنگرف	قرنفل	مرداریلہ	روغن سم الفار
ایک ماشہ	ایک ماشہ	ایک ماشہ	اڑھائی ماشہ $2\frac{1}{2}$	ساڑھائی ماشہ $3\frac{1}{2}$

شہد خالص کے ذریعہ ایک ایک رتی کی گولیاں بنالیں۔

خوراک۔ ایک ایک گولی صبح وشام ہمراہ شیر جس میں کاڈلیور آئل دس بوند ملا لیا گیا ہو۔

یہ گولیاں مردانہ طاقت کے لئے بیحد مفید ہیں

روغن سم الفار کی ترکیب۔ شیر گاؤمیش ایک سیر زعفران خالص ایک تولہ سم الفار سفید ایک تولہ موخر الذکر ہر دو ادویہ کو الگ الگ کھرل میں باریک کر کے شیر مذکور میں ملا کر جوش دیں اور پھر ضامن لگا دیں۔ اور مکھن نکالیں۔ یہی روغن سم الفار ہے۔ بقدر ضرورت استعمال کر کے باقی روغن احتیاط سے محفوظ رکھیں۔

۳۔اکسیر جگر ـــــــ:

نوشادر	شورہ قلمی	ریوند خطائی
تولہ	تولہ	تولہ

باریک پیس کر ایک دو ماشہ صبح وشام پانی یا عرق مکو یا شربت دینار وغیرہ سے دینا۔ جگر کی تمام بیماریوں میں مفید ہے۔

۴۔دوائے نوشادر ـــــــ:

تخم دھتورہ	نوشادر	فلفل دراز	ہرچھی
تین ماشہ	ایک تولہ	ایک تولہ	ایک تولہ

باریک کر کے رکھ لیں۔ خوراک ½ رتی سے ایک دو رتی تک

یہ مرکب ہاضم، مقوی دندان، دافع نوبت بخار، دافع ذات الجنب ریحی اور دافع بدبوئے دہن ہے ضیق النفس بلغمی۔ صداع بلغمی، شقیقہ، اور تپ لرزہ میں بھی مفید ہے۔ بلغمی کھانسی، بدہضمی، اسہال اور زکام میں عام

طور پر استعمال کی جاتی ہے۔ اسی طرح ایسے تپ جن میں سردی اور لرزہ بہت ہو مفید ہے مگر دوا تپ سے ایک گھنٹہ قبل دی جائے۔

۵۔ دوائے ہینگ :-

انگزہ (یعنی ہینگ اعلیٰ قسم) سولہ ماشہ روغن گاؤ میں نیم بریاں کریں پھر	فلفل سفید
۱۰½ ماشہ	۳½ ماشہ

برگ نیم خشک	کتھ سفید	افیون خالص (ایک نسخہ میں سونٹھ ۷ ماشہ کا بھی اضافہ ہے)
۱۱ عدد	۷ ماشہ	۳½ ماشہ

باہم ملا کر سفوف بنالیں۔ خوراک ایک سالہ بچے کے لئے ¼ گرین یعنی چہارم رتی شیر مادر میں بشرطیکہ قبض نہ ہو۔ ورنہ شربت گلاب یا گلقند میں ملا کر دیں۔ دو سالہ بچے تک خوراک ایک رتی۔

حضرت خلیفہ اولؓ اکثر امراض اطفال میں اسے استعمال فرمایا کرتے تھے۔ خواہ امراض اعصابی ہوں یا صدری، معدی ہوں یا امعائی۔ عام طور پر بچوں کے زکام، کھانسی، درد شکم، نمونیا، ذات الجنب اور اسہال وغیرہ میں اسے استعمال فرمایا کرتے تھے۔ کان میں درد ہو تو بقدر ایک چاول ماں کے دودھ میں حل کر کے کان میں ڈال دیں۔ اگر کسی کے دانت میں درد ہو اور دانت کرم خوردہ ہو تو اس کے سوراخ میں بھر دیں۔ بچوں کے بخار میں بھی بہت مفید ہے حضرت خلیفہ اولؓ نے جو زکام کے لئے مرکبات لکھے ہیں ان میں بچوں کے لئے دوائے انگزہ کا خاص طور پر ذکر فرمایا ہے

۶۔ صندل پوڈر :-

صندل سرخ۔ صندل سفید۔ برگ نیم۔ برگ حنا۔ ملٹھی۔ مجیٹھ۔ ہرمچی۔ کچور۔ گیرو۔

تمام ادویہ مساوی الوزن لے کر باریک کرلیں۔ حضور نے اس دوا کا نام **صندل پوڈر** رکھا ہوا تھا۔ یہ دوا قلت الدم میں بہت مفید ہے۔ علاوہ ازیں مصفی خون اور دافع عفونت دوا ہے۔ حضور اسے بطور مانع اسقاط بھی حاملہ کے لئے استعمال فرمایا کرتے تھے۔ کبھی کبھی اس نسخہ میں

فلفل سیاہ۔ کالی زیری۔ نوشادر۔ کلونجی۔ افسنتین اور دار فلفل

کا بھی اضافہ کیا جاتا ہے۔ اور اس صورت میں اُسے **صندل پوڈر نسخہ کلاں** کہا جاتا ہے۔

۷۔ مرکب افسنتین۔

افسنتین	گلسرخ	گل گاؤزبان	مصطگی رومی	عود	دانہ الائچی کلاں	طباشیر
۵ ماشہ	۳ ماشہ	۲ ماشہ	ایک ماشہ	دو ماشہ	ایک ماشہ	ایک ماشہ

سفوف بناکر عرق کیوڑہ تین تولہ کے ساتھ استعمال کریں۔

خوراک ایک ماشہ قبل غذا۔

یہ دوا توحش، مراق، مالیخولیا کے لئے بہت مفید ہے۔ ضعف ہضم کو بھی دُور کرتی ہے۔

۸۔ حبّ جُند

کونین	جند بیدستر	کافور	افیون
½ گرین	ایک گرین	ایک گرین	¼ گرین

یہ ایک گولی کا وزن ہے۔ اس کے مطابق گولیاں تیار کرلیں۔

یہ گولیاں اختناق الرحم میں بے حد مفید ہیں۔ ایک ایک گولی صبح و شام دیں۔

۹۔ دوائے ناگ کیسر

دانہ الائچی خورد	دانہ الائچی کلاں	طباشیر	دارچینی	ناگ کیسر
ایک ماشہ	ایک ماشہ	ایک ماشہ	ایک ماشہ	ایک ماشہ

لونگ	فلفل سیاہ	صندل سفید	مصری
ایک ماشہ	چھ ماشہ	ایک تولہ	دو تولہ

سفوف بنالیں۔ یہ دوا اسہال بلغمی۔ ضعف ہاضمہ۔ قلت اشتہا۔ برودت معدہ۔ رطوبت قلب۔ ضعف اعصاب

اسہال اور حمیٰ لثقہ میں مفید ہے۔ خوراک حسب عمر ۲ رتی سے ۲ ماشہ تک

۱۰۔ سفوف مقلیاثا

اسبغول	تخم کنوچہ	تخم بارتنگ	تخم ریحان
۳ تولہ	۲ تولہ	۳ تولہ	۳ تولہ

ان چاروں کو کوٹیں نہیں بلکہ مسلم ہی رکھیں۔ اس کے بعد صمغ عربی بریاں نشاستہ بریاں کھڑیا مٹی

۱۱ ماشہ ۱۱ ماشہ ۱۱ ماشہ ۱۱ ماشہ

طباشیر گیری باریک کرکے سب کو ملالیں۔ خوراک ایک سے تین ماشہ تک۔ پیچش اور خونی اسہال میں بہت مفید ہے

۱۱ ماشہ ۳ ماشہ

۱۱۔ سفوفِ چیترہ :—

پوست ہلیلہ زرد۔ پوست آملہ۔ بیخ چیترہ ۔ دار فلفل۔ نمک سیاہ۔ مساوی الوزن باریک پیس کر رکھ لیں۔ خوراک ایک ماشہ ۔ مقوی معدہ ، دافع ریاح شکم ہے۔

۱۲۔ حب سعال یابس

خطمی	خبازی	کتیرا	صمغ عربی	حلبہ	مغز بادام	مغز کدو
۵ ماشہ	۴ ماشہ	۴ ماشہ	۴ ماشہ	۴ ماشہ	۲۲ عدد	۴ ماشہ

مغز بہیدانہ خشخاش السی رب السوس تخم کاہو نشاستہ شکر تیغال

۴ ماشہ ۴ ماشہ ۴ ماشہ ۴ ماشہ ۶ ماشہ ۴ ماشہ ۴ ماشہ

حب بقدر نخود بنا کر تین تین گولیوں تک صبح شام منہ میں رکھ کر چوسیں۔ خشک کھانسی اور حرقۃ البول میں یہ گولیاں بہت مفید ہیں۔

۱۳۔ دوائے سن سوبی :—

کچور	سورانجان	راوند	برگ نیم	سن سوبی
۱½ تولہ	۱½ تولہ	۲ تولہ	۱½ تولہ	۱½ تولہ

باریک کر کے ایک دو رتی تک دیں۔ چھوٹے بچوں کے بخار، قبض اور بدہضمی وغیرہ میں مفید ہے۔

۱۴۔ حب اذاراقی :—

دارچینی	بسباسہ	جوزبوا	عود	قرنفل	کچلہ مدبر
۱ تولہ	۱ تولہ	۱ تولہ	۱ تولہ	۱ تولہ	۲ تولہ

بعرق اجوائن ترو خشک سردہ سائیدہ۔ حب بقدر ایک سُرخ (رتی) بنائیں

باہ اور پرانے نزلہ میں اکسیر ہے علاوہ ازیں فالج۔ لقوہ ضعف اعصاب ضعف دماغ اور درد کمر میں بھی فائدہ بخش ہے۔

۱۵۔ حب شفا زرد :—

تخم دھتورہ	ریوند چینی	زنجبیل
ایک تولہ	۸ ماشہ	۴ ماشہ

صمغ عربی کے پانی میں حب بقدر ایک سُرخ بنائیں۔

سرفہ رطب۔ ذات الجنب غیر حقیقی۔ اور پرانے نزلہ میں بہت مفید ہے مگر صفراوی مزاج اور قلت الدم والے مریض میں احتیاط کریں

۱۶۔حب شفا سُرخ ــــــــ:

تخم دھتورہ	ریوند چینی	افیون	صمغ عربی	کتیرا	گلسرخ
۴ ماشہ	۴ ماشہ	۴½ ماشہ	۲ ماشہ	۲ ماشہ	۲ ماشہ
زنجبیل	گیرو	زعفران	شکر سرخ یا شیر خشت		
۲ ماشہ	۲ ماشہ	۱½ ماشہ	۶ ماشہ		

گولی بقدر نخود بنائیں۔ حضرت خلیفہ اولؓ پرانے نزلہ و زکام کے مریضوں میں یہ گولیاں بھی استعمال فرمایا کرتے تھے۔

۱۷۔حب سلارس ــــــــ:

افیون	صمغ عربی	مرمکی	رب السوس	سلارس (دمیعہ)	کندر
ایک ماشہ	دو ماشہ	۴ ماشہ	۴ ماشہ	۴ ماشہ	۴ ماشہ

حب بقدر یک سرخ بنائیں۔ سرفہ بلغمی میں اس کا استعمال بہت مفید ہے۔

۱۸۔حب جدوار نزلی ــــــــ:

افیون	زعفران	جدوار	قرنفل	دارچینی	پیپتہ	دارفلفل
۴ ماشہ	۵ ماشہ	۵ ماشہ	۴ ماشہ	۳ ماشہ	۲ ماشہ	۱ ماشہ
مومیائی	عنبر	اجوائن خراسانی	تخم دھتورہ			
ایک ماشہ	ایک ماشہ	دو ماشہ	دو ماشہ			

باریک کر کے بآب صمغ عربی گولی بقدر ایک سرخ۔ پرانے نزلہ و زکام اور سرفہ بلغمی میں اکسیر ہیں۔

۱۹۔برائے دفع ام الصبیان ــــــــ:

پودینہ	آرد ترُبد	پوست ہلیلہ زرد
تولہ	تولہ	تولہ

علیحدہ علیحدہ باریک کر کے ملالیں۔ خوراک ایک سالہ بچے کے لئے ایک ماشہ، دو سالہ بچہ کے لئے دو ماشہ ہمراہ عرق بادیان۔ بچوں کے اکثر امراض معدہ، امراض صدر، ماشرا۔ سرسام۔ سردرد نیز ہچکی اور ام الصبیان وغیرہ میں بہت مفید ہے۔ چھوٹے اور بڑے بچوں میں اسی نسبت سے دوا کو کم و بیش کرلیں۔

۲۰۔ سنون دنداں :۔

مصطگی رومی۔ دانہ الائچی خورد۔ فلفل سیاہ۔ لونگ۔ عقر قرحا۔ گل دیگدان (یعنی چولہے کی مٹی) نمک۔ پھٹکڑی۔ تمبا کو خوردنی۔ ہر ایک ایک تولہ۔ زغال پوست بادام آٹھ تولہ۔ سب کو الگ الگ کوٹ پیس کر اور چھان کر ملالیں اور رات کو سوتے وقت دانتوں پر ملیں۔ حضرت خلیفۃ اولؓ نے تحریر فرمایا ہے کہ یہ سنون بہت مجرب ہے۔

۲۱۔ سفوفِ ہاضم کندری :۔

کندر	فلفل سیاہ	پودینہ	بادیاں	زیرہ سفید	کشنیز	انار دانہ
ایک ماشہ	ایک ماشہ	۲ ماشہ	۴ ماشہ	۴ ماشہ	۴ ماشہ	۴ ماشہ

الائچی کلاں	مصری
۲ ماشہ	۲۲ ماشہ

سفوف بنا کر محفوظ رکھیں۔ خوراک ایک سے چھ ماشہ تک ضعف ہضم کے لئے بہت مفید ہے۔

۲۲۔ نُورِ نظر :۔

اس کا ایک نسخہ کتاب ہذا کے صفحہ ۱۹۹ پر لکھا جا چکا ہے۔ دوسرا نسخہ حضرت خلیفۃ اولؓ کے اپنے الفاظ میں ہی درج کیا جاتا ہے حضور فرماتے ہیں

ایک عجیب الاثر دوا جس سے بہتر کوئی دوا نہیں۔ ہر ماہ کے شروع میں صرف ایک دفعہ کھلانا۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اگر نویں مہینہ کھلائی گئی ہے تو دسویں مہینہ میں بچہ پیدا ہوا۔ اور جس کو یہ دوا کھلائی اس کو لڑکا ہی پیدا ہوا۔ عجیب عظمت و شرف کی دوا ہے۔ پتھر کی کانوں میں ایک چیز چمکدار، ملائم، بے مزہ، سفید۔ براق نکلتی ہے جس کو پتھر کا جیو (یعنی قلب الحجر) کہتے ہیں۔ اندور میں جس قدر کالے پتھر کی چٹانیں توڑنے والے ہیں سب جانتے ہیں۔ غرض قلب الحجر (ایک رتی) طباشیر مسحوق (ایک ماشہ) ایک دو منقہ مسلے ہوئے میں ملا کر شروع مہینہ میں صرف ایک دن حاملہ کو کھلائیں (گویا کل نو خوراکیں کھلانی ہیں) انشاء اللہ تعالیٰ ہرگز اسقاط نہ ہوگا اور فرزند نرینہ تولد ہوگا۔

۲۳۔ سُرمہ زنگاری :۔

جست پھُل کردہ (یعنی زنک اوکسائیڈ)	سرمہ سیاہ	زنگار	سفیدہ کاشغری	افیون	سمندر جھاگ
۲۰ ماشہ	۲۰ ماشہ	۳ ماشہ	۴ ماشہ	۳ ماشہ	۴ ماشہ

سرمہ تیار کر لیں۔ نزلی اور معدی آشوب چشم میں بہت مفید ہے۔

۲۴- سرمہ مقوی بصر :-

سرمہ سیاہ ایک تولہ چوبیس گھنٹہ پانی میں تر رکھیں۔ پھر صاف کر کے کھرل کریں۔ یہاں تک کہ خشک ہو جائے۔ پھر اس میں مندرجہ ذیل اشیاء شامل کر کے سحق بلیغ کریں۔

پھٹکڑی سفید	زنک سلفاس	یبلو اکسائڈ آف مرکری	توتیائے سبز	مروارید ناسفتہ	مامیراں
۴ رتی	۴ رتی	½۱ رتی	ایک رتی	ایک رتی	ایک رتی

ملا کر سرمہ بنائیں۔

آنکھوں کے لئے مقوی اور گکروں کو بھی دُور کرتا ہے۔ نیز آنکھوں کی اکثر امراض کے لئے مفید ہے

۲۵- سرمہ زعفرانی :-

زعفران	افیون خالص	زنگار	سرمہ سیاہ	سمندر جھاگ
½۱ ماشہ	½۱ ماشہ	۳ ماشہ	۳ ماشہ	۳ ماشہ
لونگ	مَیل چاندی	مَیل سونا	سبز کانچ	جست پھول کردہ
۳ ماشہ	۳ ماشہ	۳ ماشہ	۳ ماشہ	۹ تولہ

سرمہ بنائیں۔

یہ سرمہ بیاض چشم۔ گکروں اور جرب میں بہت مفید ہے۔

۲۶- حب برائے بواسیر دموی :-

مغز تخم نیم	مغز تخم بکائن	مغز تخم شفتالو	رسونت مصفیٰ خالص
تولہ	تولہ	تولہ	تولہ

باریک کوٹ کر مولی کے تازہ پانی میں سحق کر کے ایک ایک رتی کی گولیاں بنا لیں۔

ایک گولی صبح ایک گولی شام عرق افتیمون کے ہمراہ استعمال کریں۔ اگر قبض ہو تو شربت بنفشہ دو تولہ اور عرق بید مشک چار تولہ کے ہمراہ دیں۔

۲۷۔ حب ناگدون برائے بواسیر بادی :—

بیخ پلاہ	جنطیانہ	جدوار خالص	ناگدون خالص	رسونت خالص
۲ تولہ	۲ تولہ	۲ تولہ	۲ تولہ	۲ تولہ
پوست ہلیلہ زرد	پوست بلیلہ	پوست آملہ	رسکپور	صندل سرخ
۲ تولہ	۲ تولہ	۲ تولہ	۲ تولہ	۲ تولہ
صندل سفید	کتھ	آب برگ نیم	آب منڈی	آب برگ حنا
۲ تولہ	۱ تولہ	۱ تولہ	۱ تولہ	۱ تولہ
دانہ الائچی کلاں	فلفل سیاہ	زیرہ سفید	گل سرخ	طباشیر
۱ تولہ	۱ تولہ	۱ تولہ	۱ تولہ	۱ تولہ
ریوند چینی	آب ترب	شہد خالص مصفیٰ		
۱ تولہ	ڈیڑھ سیر	۲۴ تولہ		

کوٹنے والی دوائیں کوٹ چھان کر باہم ملالیں۔ پھر آب ترب میں دو روز کھرل کریں اس کے بعد شہد مذکور میں گولیاں بقدر اڑھائی سرخ بنالیں۔

خوراک ۔ ایک گولی صبح ایک شام ہمراہ عرق کیوڑہ ۳ تولہ و عرق بادیاں ۴ تولہ

۲۸۔ سفوفِ قلاع :—

شورہ قلمی	کتھ	الائچی خورد	گل سرخ	کافور	توتیائے سبز بریاں
۲ ماشہ	۲ ماشہ	۲ ماشہ	۲ ماشہ	ایک ماشہ	۶ رتی

باریک کرکے منہ میں ملیں ۔

حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے یہ سفوف اس وقت تیار فرمایا تھا جب آپ مکہ معظمہ میں تھے اور شیخ الحدیث کے گھر میں مرضِ قلاع تھا۔ اور وہاں کے حکیم اور ڈاکٹر علاج سے عاجز آچکے تھے۔

۲۹۔ حب برائے ہیضہ :—

حضرت خلیفۂ اول رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اپنے زمانہ طالب علمی میں ہیضہ کے ایک مریض کو مندرجہ

ذیل دوا دی تھی جس سے اسے بیحد فائدہ ہوا۔

گُل ناشگفتہ عُشر (آک)	سہاگہ بریاں	دار فلفل	لونگ	زنجبیل
ایک تولہ	۵ ماشہ	۵ ماشہ	۵ ماشہ	۵ ماشہ

آپ نے ایک ایک رتی کی گولیاں بنا کر نیم کی انتر چھال کے پانی کے ساتھ دس دس منٹ کے بعد کھلائیں اور لہسن کوٹ کر اس کے ناخنوں پر باندھ دیا جس سے اس کی طبیعت سنبھل گئی۔

"بیاض نورالدینؓ" حصہ اول مرتبہ حکیم مفتی فضل الرحمن صاحب میں نمک سیاہ ۵ ماشہ کا بھی اس میں اضافہ کیا گیا ہے اور حضور نے لکھا ہے کہ

یہ گولیاں ایک ایک رتی کی میں نے ساعت بساعت کھلائی ہیں اور اگر نفخ ہوا تو چار گولیاں یکدم بھی دی ہیں۔

اس کے بعد اپنی آخری عمر میں آپ نے جو بیاض اپنے ہاتھ سے لکھا۔ اس میں مختلف تجارب کے بعد آپ نے یہ نسخہ مندرجہ ذیل شکل میں تحریر فرمایا ہے۔

غنچہ عشر	فلفل سیاہ	دار فلفل	زنجبیل	نمک
۱۲ ماشہ	۵ ماشہ	۵ ماشہ	۵ ماشہ	۵ ماشہ
بسباسہ	قرنفل	جائفل		
۳ ماشہ	۵ ماشہ	۳ ماشہ		

حب ۲½ سُرخ

آپ فرمایا کرتے تھے کہ مجھ پر دو دفعہ اس مرض کا حملہ ہوا۔ ایک دفعہ کثرت استعمال برف سے مجھے آرام آگیا۔ اور دوسری دفعہ خدا تعالےٰ کا فضل اس طرح شامل حال ہوا۔ کہ بہت سا سلفیورک ایسڈ (یعنی سلفیورک ایسڈ ڈل پندرہ پندرہ بوند پانی میں ملا کر) بار بار استعمال کرتا رہا۔ دوسری دفعہ بھی برف کا استعمال زیادہ کیا گیا تھا۔

۳۰۔ روغنِ کنیر برائے ریگِ مثانہ و سنگِ گردہ

پوست بیخ کنیر سرخ	پوست بیخ کنیر سفید
۵ تولہ	۵ تولہ

دونوں پوست تازہ بتازہ لے کر اور ہر دو کو کچل کر دو سیر شیر گاؤ میش میں جوش دیں اور پھر دودھ کو ضامن لگا کر مکھن نکال لیں۔ یہ روغن دو دو بوند صبح شام پلائیں اور بقدر ایک ماشہ مقام ماؤف پر ہر روز مالش کر دیا کریں۔ فواکہ تر۔ بینگن۔ لزوجیت والے حلوے۔ پنیر۔ گوشت۔ چاول اور مکدر پانی سے پرہیز۔ پتہ کی پتھری، درد گردہ اور کرم شکم وغیرہ میں بھی یہ دوا مفید ہے۔

۳۱۔ تریاق دق

سم الفار سفید ایک تولہ کو کلر کی مٹی آٹھ تولہ کے درمیان ایک کوزۂ گلی میں رکھ کر اور منہ بند کر کے سات سیر اوپلوں کی آگ دیں۔ جب سرد ہو جائے۔ نکال لیں۔ یہ کشتہ ایک تولہ، شنگرف چھ ماشہ، دونوں کو عرق مکو میں آٹھ پہر کھرل کر کے پھر آٹھ پہر عرق چرائتہ میں کھرل کریں اور ٹکیہ بنا کر چونہ آب نارسیدہ پانچ سیر کے فرش و لحاف میں رکھ کر دس سیر اوپلوں کی آگ دیں۔ سرد ہونے کے بعد نکال لیں۔

خوراک صرف ایک چاول دن میں ایک دفعہ۔

حضرت خلیفہ اول رضؓ فرمایا کرتے تھے کہ اس سے سات روز میں تپ دق کو فائدہ ہوتا اور بخار ٹوٹ جاتا ہے احتیاطاً کچھ عرصہ تک ہر مہینہ میں صرف ایک ہفتہ یہ دوا استعمال کر لینی چاہیئے۔

۳۲۔ حب جواہر مہرہ عنبری

مروارید ناسفتہ	یاقوت	پکھراج	زمرد	زہر مہرہ خطائی	فیروزہ	بُسد
۶ ماشہ	۶ ماشہ	۶ ماشہ	۶ ماشہ	۶ ماشہ	۶ ماشہ	۶ ماشہ

طباشیر	کہربا	عنبر	مُشک	مومیائی	ورق طلا	ورق نقرہ	نارجیل دریائی
۶ ماشہ	۶ ماشہ	۴ ماشہ	۳ ماشہ	۲ ماشہ	۶ ماشہ	۶ ماشہ	۱½ ماشہ

جدوار	عرق کیوڑہ	عرق بید مشک	عرق گلاب
۱½ ماشہ	۴ تولہ	۴ تولہ	۴ تولہ

تمام ادویہ کو الگ الگ باریک کر کے اور عنبر اور مُشک وغیرہ ڈال کر عرقیات میں کھرل کریں اور ایک ایک رتی کی گولیاں بنا لیں۔ یہ گولیاں مقوی دل و دماغ۔ دافع خفقان وحزن۔ معین حمل و محافظ شباب ہیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ